فسانۂ آزاد

حصہ دوم

ن ناتھ سرشار لکھنوی

ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

३०-९०

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فسانۂ آزاد

حصہ دوم

مصنّف

رتن ناتھ سرشار لکھنوی

ترقّی اردو بیورو، نئی دہلی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

FASANA-AZAD Vol II

by : Rattan-Nath-Sarshar

© ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

سنہ اشاعت: اپریل، جون 1985 شک 1907

پہلا ایڈیشن :- 1000

قیمت :- 65/00 روپے

سلسلہ مطبوعات نمبر:- 492

کتابت :- محمد سالم حسینی

تصحیح و ترتیب : امیر حسن نورانی

ناشر:- ڈائریکٹر ترقی اردو بیورو، بلاک 8 آر کے پورم نئی دہلی 110066

طابع:- جے۔ کے آفسٹ پرنٹرز۔ دہلی 110006

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیش لفظ

کوئی بھی زبان یا معاشرہ اپنے ارتقاء کی کس منزل میں ہے، اس کا اندازہ اس کی کتابوں سے ہوتا ہے۔ کتابیں علم کا سرچشمہ ہیں، اور انسانی تہذیب کی ترقی کا کوئی تصور ان کے بغیر ممکن نہیں۔ کتابیں دراصل وہ صحیفے ہیں جن میں علوم کے مختلف شعبوں کے ارتقاء کی داستان رقم ہے اور آئندہ کے امکانات کی بشارت بھی ہے۔ ترقی پذیر معاشروں اور زبانوں میں کتابوں کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ سماجی ترقی کے عمل میں کتابیں نہایت موثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اُردو میں اس مقصد کے حصول کے لیے حکومت ہند کی جانب سے ترقی اُردو بیورو کا قیام عمل میں آیا جسے ملک کے عالموں، ماہروں اور فن کاروں کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔

ترقی اُردو بیورو معاشرہ کی موجودہ ضرورتوں کے پیش نظر اب تک اُردو کے کئی ادبی شاہکار، سائنسی علوم کی کتابیں، بچوں کی کتابیں، جغرافیہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، تجارت، زراعت، لسانیات، قانون، طب اور علوم کے کئی دوسرے شعبوں سے متعلق کتابیں شائع کر چکا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ بیورو کے اشاعتی پروگرام کے تحت شائع ہونے والی کتابوں کی افادیت اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مختصر عرصے میں بعض کتابوں کے دوسرے تیسرے ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ بیورو سے شائع ہونے والی کتابوں کی قیمت نسبتاً کم رکھی جاتی ہے تاکہ اُردو والے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔

زیر نظر کتاب بیورو کے اشاعتی پروگرام کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ امید کہ اُردو حلقوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم
ڈائرکٹر ترقی اُردو بیورو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فہرست مضامینِ رنگین فسانہ آزاد، جلد دوم

۱	آغازِ داستان۔	10
۲	میاں آزاد، اور ونیشیا اور اسپلیٹن کی ملاقات۔	38
۳	رسیدہ بود، بلائی ولی بخیر گزشت۔	70
۴	پریوں کی چہل۔	83
۵	تباہی! تباہی! تباہی!	93
۶	استانی جی کا آنا، دل لگی، اور دلگی میں پندِ سودمند سنانا۔	116
۷	خوجی۔	125
۸	آتش زنی۔ !!!	146
۹	ایک جوانِ خوب رو کا عشق کے جھگڑے میں جان کھونا، اور شہہ سوارِ دل فگار کا تارک الدنیا ہونا۔	169
۱۰	پھانسی، پھانسی، پھانسی۔	178
۱۱	شہہ سوار اور جوگن کی ملاقات۔	186
۱۲	جوگن کا خوشنما بنگلہ۔	196
۱۳	حسن آرا بیگم کی بیماری کا بیان اور حسبِ تجویز ڈاکٹر نقلِ مکان اور حاضرات کا سامان۔	211
۱۴	کانسل کی عنایت اور قسطنطنیہ کی زیارت۔	240
۱۵	آزاد کا نام۔	255

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۱۶	بروایں دام برمرغِ دگرنہ	
"	کہ عنقارابلندست آشیانہ	
۱۷	کوہِ قاف کی پری۔	281
۱۸	محمد عسکری۔	289
۱۹	رقابت کی کارستانی اور وزیرِ جنگ کی قدردانی۔	294
۲۰	شبراتی کی شرارت کی گھات اور دو بوڑھوں کی ملاقات۔	304
۲۱	نوجوان مہمان۔	318
۲۲	ایں گلِ دیگر شگفت۔	327
۲۳	شطرنج	335
۲۴	شہسوار	346
۲۵	بے گناہ قیدی۔	358
۲۶	میاں خواجہ بدیع صاحب۔	366
۲۷	مال مست۔	375
۲۸	پیرِ فرتوت۔	387
۲۹	جوگن کی وفات	390
۳۰	خدا شاہد ہے ہم نے دل لگانے کی سزا پائی۔	395
۳۱	بات بڑھ گئی۔	409
۳۲	غم وغصّہ ویاس واندوہ وحرماں	414 413
"	ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے	
۳۳	سائیس کے ساتھ، آزاد کی شادی، اور حسن آرا بیگم کی خانہ بربادی۔	422
۳۴	قیدی کی رہائی۔	434
۳۵	عبرت اور نصیحت۔	441
۳۶	امیروں کا کھلونا، چھوٹا موٹا ٹما بونا۔	447
۳۷	کہرام! کہرام! کہرام!	464
۳۸	آزاد پاشا جونیر افسر افواج ٹرکی۔	477

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

۳۹	بی شبوّ جان مرنجان مرنج اور میاں سلارو خادم بذلہ سنج	485
۴۰	عید الضحیٰ کی تیاریاں	515
۴۱	بچھڑے ہوئے بعد مدّت کے ملے۔	536
۴۲	روزِ عید اور چہل پہل	546
۴۳	اشب ایں محفلِ رنگیں زحیا بند انست	
″	نتواں گفت بہشت است کہ صد چند انست	
۴۴	فوجِ ظفر موج۔	560
۴۵	ناشاد دولہا۔	567
۴۶	میدانِ کارزار۔	577
۴۷	خاکی شادی کا خاکہ۔	587
۴۸	شب خون۔	592
۴۹	کیوں کر نہ ہنسیں سن کر حالِ دلِ عاشق کو	601
″	کم سن ہیں وہ کیا جانیں ارماں کسے کہتے ہیں	
۵۰	قلعے کا محاصرہ۔	618
۵۱	شادی کی چھیڑ چھاڑ۔	659
۵۲	تماشہ۔	666
۵۳	نامۂ آزاد۔	687
۵۴	تماشے کی تیّاریاں۔	706
۵۵	میاں سالار اور ان کے گھامڑ آقا۔	711

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فسانہ آزاد

جلد دوم

منم آں سحر بیان کردند طبعِ سلیم — نبرد ناطقہ نامِ سخنم بے تعظیم
منم آں بحرِ لبالب زِ معانی کہ بود — قطرۂ آب ز شرمِ سخنم درِّ یتیم
فوج فوج است معانی بدلم در پرواز — ہمچو مرغانِ اولی اجنحہ در باغِ نعیم
غنچہ از نسبتِ سحبانِ سخن عار کند — گر کنم طرزِ سخن بادِ صبا را تعلیم
آن خرد مند حکیم کہ بہ بیانہ، عقل — گیرم اندر حرم جوہر کل نبضِ سقیم
گر بیادِ سخنم عود بر آتش مانند — حشر اموات شود ہر طرف از نشرِ شمیم

طبع گوشۂ چشم است زار باب خرد
ورنہ مستغنیم از مال و منال و زر و سیم

بلبل شاخسارِ معجز طرازی عندلیبِ گلزارِ نکتہ پردازی حضرت شیخ جلال الدین عرفی شیرازی طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ۔ کا یہ کلام بفصاحت وندرت التیام اگر میرے حسب حال ہوتا تو میرا جیب ودامن گوہرِ مقصود سے مالامال ہوتا مگر افسوس؛

جہان بگشتم و دردا بہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حافظ از مشرب قسمت گلہ بی انصافی است
طبع چون آب وغزلہای روان مارا بس

آغازِ داستان

یہ تو اپنی ہیچ مدانی کا ایک مجنونانہ بیان ہے۔ اب یہاں سے آغازِ داستان ہے۔

بحرِ زخّارِ ناپیداکنار میں ایک جہاز مثلِ محبوبانِ طنّاز اٹھکھیلیاں کرتا چلا آتا ہے۔ بادِ خنک و طرب انگیز کا جھونکا جگرتک کو سردی پہنچاتا ہے۔ سوائے لاجوردی آسمان اور نیلی چادرِ آب کے کالے کوسوں تک کچھ اور نظر ہی نہیں آتا ہے۔ کاروانِ سالارِ عشّاقِ زار، و سرِ قافلہ دلدادگانِ حسن و جمالِ خوبانِ فرخار میاں آزاد، عالی نژاد کو کبھی یادِ صنمِ نازفروش، کبھی خیالِ وصالِ بتِ سنگین دل و ستم کوش، گو لاکھ ضبط کیا مگر آنسو چشمِ خونچکاں سے نکل ہی آئے۔ کفِ افسوس مل کر بہ حسرت بار شعر زبان پر لائے۔

چہ بے پرواکسی بودم کہ خود را
بہ بی پرواتری از خویش دادم

شب کا سہانا سماں۔ اختر و انجم نورافشاں ہنتیائی قمر آرائشِ نورِ نظر سمک سے سما تک صفاپرور، بادِ مسرّت انگیز، مہوشوں کے طرّۂ تابدار کے طفیل، میں غالیہ ریز تھی۔ عنبر بیز لخلخہ آمیز تھی۔ جو لپٹ آتی تھی، روضۂ رضواں کی خبر لاتی تھی۔ حیرت تھی کہ یا الٰہی جہاز پر ناخدانے ختن و تاتار بسایا ہے، یا خدانے اپنی قدرت کاملہ سے سمندر میں عطر لنڈھایا ہے، یا بادِ صبا کی کارگزاری ہے، یا کسی مرغولہ مُو کے گیسوئے عنبریں کی مشک باری ہے، یا زلفِ چلیپا ہے، یا عودِ قماری ہے۔ آسمان بھی میرے ہی ماتم میں نیلی پوش ہے۔ بحر کف برلب کا بھی مجھ ہی شور بخت کے غم میں یہ جوش و خروش ہے۔ ہائے یہ عشقِ خرد سوز ہے، یا نیرِ جگر دوز ہے۔ کشتی دل لبریزِ آب ہے، سفینہ حباب ہے چار موجۂ طوفان اکم اور دل ہے۔ بحرِ غم سے عبور مشکل ہے۔ ناخدا کی عقل عاری ہے بادِ مخالف کی گرم بازاری ہے:

کشتی نشستگانیم ای بادِ شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینیم آن یار آشنا را

پیاری حسن آرا اس وقت فرشِ گل پر خوابِ ناز میں ہوں گی،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہت من سخت می ترسم کہ ازاہلِ جفا باشی
بہ گل بسیارِ می مانی مبادا بے وفا باشی

ہائے گھر بار چھوڑا، دلبرِ دلدار چھوڑا، آرام تن چھوڑا، پیارا وطن چھوڑا۔ مگر؛

برنگِ مرغِ دست آموزاین وحشی دلِ خودرا
بصحرا می گزارم باز در کوی تو می آید

طاقتِ گویائی نہ یارائے تقریر ہے — طائرِ دل تیرِ محن کا نخچیر ہے۔ ہائے! آہ بھی بے تاثیر ہے؛

نالہ خواہم کہ بطرزِ دگر ایجاد کنم
دستِ دل گیرم نہ در کوئے تو فریاد کنم

دل دردمند ہے۔ بوئے کباب جگر بلند ہے؛

گلہ آہ از تو دارم کہ چہ کردۂ تو بامن
بفلک ترا رساندم کہ اثر کنی نہ کردی

عین حالتِ جنون میں دیوانہ وار گھومتے تھے، کہ ایک بتِ زرّیں کمر، پری پیکر، نازک بدن، غنچہ دہن نے آہ سرد بھر کر جو نظر ڈالی۔ کنکھیوں سے دیکھا۔ دیدہ و دانستہ بات ٹالی۔ یہ یورپین لیڈی صاحبِ حسن وجمال تھی۔ زہرہ تمثال، مشتری خصال تھی۔ ازسرتاپا سیاہ ریشمی لباس زیبِ تن، اور وہ جوبن، وہ پھبن کہ خدا کی قدرت مجسّم نظر آتی تھی۔ صباحت ووجاہت صدقے ہوئی جاتی تھی۔

میاں آزاد بادلِ ناشاد، جہاز پر اپنی پیاری حسن آرا کی یاد میں سر دھنتے تھے۔ چپکے چپکے ٹھنڈی سانسیں بھرتے تھے۔ کسی سے کچھ کہتے تھے نہ سنتے تھے۔ مگر اس بتِ جادو جمال نے جو کنکھیوں سے ان پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ رنگ روباختہ ہیں بھانپ گئی، کہ حضرت عشق کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ تھوڑی دیر تک ان کی کیفیت بغور دیکھا؛ بعدازاں اپنے شوہر سے یوں ہم کلام ہوئی۔

مِس (م) (یعنی مس وینشیا) چارلی پیارے! دیکھو وہ ہندوستانی جنٹل مین جو سامنے ٹہل رہا ہے دیکھا؟ وہ وہ۔

صاحب (ص) (یعنی کفٹنٹ اپلیٹن صاحب) ہاں ہاں دیکھا۔ پھر؟۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ اس کے بُشرے سے کیا پایا جاتا ہے۔ غور کر کے دیکھو۔

ص۔ (عینک صاف کر کے) ٹھہر جاؤ (تھوڑی دیر کے بعد) ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی جدائی کا اس کو اس قدر رنج ہے کہ دیوانہ ہو رہا ہے۔ جب میں انگلستان سے تم کو چھوڑ کر جہاز پر جاتا تھا تو میرا بھی یہی حال تھا، وہ وقت مجھے نہیں بھولتا۔ پہلے دن سے دوسرے روز میری بے قراری کی چوگنی ترقی ہوئی اور تیسرے روز دوسرے دن سے بھی زیادہ۔

جس قدر دور جاتا تھا اسی قدر رنج و ملال بھی ترقی پاتا تھا۔

م۔ (آہ سرد بھر کر) اس کا باعث میں سمجھ گئی۔ میری بھی یہی کیفیت تھی۔

راوی۔ ان دونوں کی شادی ہندوستان میں ہوئی تھی، مگر اقرار انگلستان سے ہو چکا تھا۔ بے تکلّف مہینوں یہ دونوں ساتھ گھوما کیے۔ ہوا کھانے بھی ساتھ جاتے تھے۔ شکار کو جائیں، یا سیر گلزار کو جائیں، ساتھ نہ چھوٹتا۔ ایک دن شبِ ماہ میں دونوں عاشق و معشوق، شہر کے ایک نامی باغ میں بیٹھے۔ درخت بھرے بھرے، پھلے پھولے، سر سبز و شاداب، چمن عدیم السہیم ولاجواب۔ حیرت تھی کہ یہ باغبان کی خیاباں پردازی ہے، یا کسی ساحر کی جادو طرازی ہے۔ گل بوٹوں پر جوبن تھا۔ نور کا ہر گلبن تھا۔ یہ بلبل شاخسار رعنائی بھی اپنے سروِ بلند اقبال، یعنی عاشق خجستہ خصال کے ساتھ ایک روش میں دلربایانہ چہک رہی تھی۔ پھولوں کی بوباس سے ہوا زلف مہوشانِ فرخار کی طرح مہک رہی تھی۔ دونوں عاشق و معشوق مست۔ اس وقت جنون کے بندے عشق پرست تھے اور کیوں کر نہ ہوتے شباب کی امنگ تھی، جوانی کی ترنگ تھی۔ باغ پُر فضا، بہار روح افزا، چوطرفہ ہو کا عالم، جانور نہ آدم، گل اپنے اپنے جوبن پر، بوئے گل صبا کے توسن پر، اور طرّہ یہ کہ چاندنی نے کھیت کیا۔ آتشِ مستی کو اور بھی بھڑکا دیا۔ ٹہلتے ٹہلتے دونوں ایک روش میں کرسیوں پر بیٹھے، میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگے۔

م۔ اہا ہا کیا سہانا سماں ہے۔

ص۔ دل کی کلی کھلی جاتی ہے۔

م۔ ہمارا دماغ اس وقت عرش پر ہے

ص۔ خصوصاً ہمارا۔

م۔ یہ خصوصیت کیسی؟

ص۔ ہمارا دماغ اس وجہ سے عرش پر ہے کہ ہم اس وقت ایک سروِ سیمیں بر کے ساتھ باغ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیں بہار کے مزے اٹھا رہے ہیں۔

م ۔ (مسکرائیں اور شرمائیں)

ص ۔ کون سروسیمیں بر، جو مصروف خرامِ ناز ہے۔

م ۔ تم نے اورینٹل (مشرقی) زبانوں کی کتابیں اس انہماک سے پڑھی ہیں، کہ اکثر جملے انھیں کے خیالات کی طرح بولتے ہو۔ اس وقت ہوا خوب ٹھنڈی ہے۔ شاید آج مینھ برسا ہے۔

ص ۔ اب بات نہ ٹالو۔

م ۔ اس کی سین ٹفک وجہ کیا ہے کہ ستارے سب کے سب گول ہیں۔

ص۔ میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔ بات نہ ٹالو۔ واسطے خدا کے ایسی گفتگو کرو کہ ہمیں اپنا مافی الضمیر کہنے کی جرأت ہو۔ ستاروں کے مدوّر ہونے کا سبب کسی پروفیسر سے پوچھو۔

م۔ (ہنس کر) اچھا۔

ص۔ چلو اس کنج میں ٹہلیں۔

م ۔ کس اعتبار پر۔

ص۔ اتنے دونوں کی محبت کے اعتبار پر۔ ہماری عزت اور بات کے اعتبار پر، اور کس اعتبار پر۔؟

م۔ اچّھا چلو۔

دونوں عاشق و معشوق ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے اور ایک دوسرے کو ساتھ لیے ہوئے آہستہ آہستہ چلے۔ سایہ تک کا بار اس روکشِ خوبانِ فرخار کی کمرِ نازک کو گراں گزرتا تھا۔ کمر بہتر جگہ سے بل کھاتی تھی۔ قدم قدم پر لچکی جاتی تھی۔ دونوں اور بھی مست ہوئے ۔ چاندنی رات اور خور دو راز قصو ساتھ جس کے مقابل میں پرستان کی پریاں مات مستی کیا جنون کی کیفیت تھی۔؛

کشیدہ ام زجنوں ساغری کہ ہوش نماند
دگر معاملہ با پیر می فروش نماند

معشوق مثلِ نرگس حیراں۔ عاشق گل کی طرح چاک گریباں ، بس یہ نقشہ تھا کہ؛

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گر جنوں آید بسویم رہ بدہ بے گانہ نیست
ور خرد پرسد سراغ من بگو در خانہ نیست

پھر ایک صاف شفاف روش میں بنچ پر جا بیٹھے

ص۔ اس وقت دو چاند ہیں۔
م۔ (تالیاں بجا کر) ہاں۔ ایک ایک کے دو دو، جھپنے لگے اب۔
ص۔ ہاں جنون اور عشق نے تو ایسا ہی چوندھیا دیا ہے۔
م۔ پھر وہی!
ص۔ ایک چاند آسمان پر ہے وہ؛ (انگلی کے اشارے سے قمر کو بتا کر) اور دوسرا چاند یہ ہے۔

مس نے لجا کر، گوری گوری گردن دوسرے رخ پھیر لی۔

ص۔ کیوں مزاج کیسا ہے اس وقت؟
م۔ اس وقت مزاج کا حال کیا پوچھتے ہو۔ بیمار بھی ہو تو اچھا ہو جائے۔
ص۔ ہم کو بھی ایک مرض ہے۔ ہم تو اتنی دیر بیٹھے رہے مگر اچھے نہ ہوئے۔
م۔ کیا مرض ہے؟
ص۔ مرضِ عشق۔
راوی۔ ہر مرض کی دوا مقرر ہے۔ مرضِ عشق لادوا دیکھا۔
م۔ خیر، کوئی مرض ہو ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔
ص۔ اس مرض کی ڈاکٹر تم ہو۔
م۔ کتنے دن کی رخصت لے کر ہندوستان سے آئے ہو؟
ص۔ اٹھارہ مہینے کی۔
م۔ کتنے دن باقی ہیں۔
ص۔ (مسکرا کر) جتنے دن میں ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے۔
م۔ (شرما کر) نو مہینے؟ (کھلکھلا کر ہنس پڑیں)
ص۔ ہاں نو مہینے۔
م۔ فوج میں لفٹنٹ ہو، اور سول میں بھی کام کرتے ہو؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ص۔ فوج میں لفٹنٹ ہوں، اور سول میں اسسٹنٹ کمشنر۔

م۔ ہندوستان کیسا ملک ہے؟

ص۔ واہ کیا پوچھنا، اوّل تو ارزانی، بہت خرچ نہیں ہوتا۔ دوسرے کوٹھیاں اور بنگلے سستے کرایہ پر ملتے ہیں۔ تیسرے نوکر چاکر چار چار پانچ پانچ روپیہ ماہواری کے جتنے چاہو، نوکر رکھ لو۔ پھر حکومت ان سب پر طرّہ ہے۔ وہاں ہم لوگ شاہی کرتے ہیں۔ جس گلی کوچے میں نکل گئے۔ سب ڈرتے ہیں۔

م۔ ان کا ڈر برا۔

ص۔ اور کیا ہم ڈریں؟

م۔ اس طرح پر رہو کہ وہ تم سے ڈریں نہیں، بلکہ تم کو دیکھ کر خوش ہوں۔ ڈرنا کیا معنی۔

ص۔ ڈریں نہیں تو ہمارا رعب کیوں کر جمے بھلا؟

م۔ واہ ڈرنے سے کہیں رعب جمتا ہے۔ تم ان کو مثل اپنے وطن والوں کے سمجھو۔ پھر دیکھو کس طور پر پیش آتے ہیں۔ روزنڈ (پادری) کرسٹو فر ہندوستان میں بیس برس رہ آئے ہیں۔ وہ پپّا (ایا) سے بیان کرتے تھے، کہ وہاں عموماً انگلش مین ہندوستانیوں کو نگرز کہتے ہیں۔ یہ بڑی بری بات ہے۔

ص۔ غلط ہے۔ کہتے ہیں۔ مگر سب نہیں۔

م۔ ہم اگر ہندوستان میں ہوں تو سب سے مل جل کے رہیں۔ بھلے مانسوں اور امیروں کی لیڈیوں میں اس ملک کی لیڈیاں آنے جانے پاتی ہیں؟

ص۔ ہاں جا سکتی ہیں۔ مگر رواج نہیں، اور وہاں کی عورتیں یہاں کی لیڈیوں سے ملیں تو کہیں کیا۔ وہ تو بالکل ان پڑھ ہوتی ہیں اور ان کا طرز معاشرت بھی مختلف ہے۔

م۔ ہم اگر وہاں ہوں تو ہندوستان کی لیڈیوں سے ملا کریں۔

ص۔ (مسکرا کر) یہ تم گھڑی گھڑی کیا کہتی ہو کہ ہم ہندوستان میں ہوں۔ ہم ہندوستان میں ہوں۔ ہندوستان تو تم کو چلنا ہی پڑے گا ہمارے ساتھ۔

مس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ سفیدی سرخی، اور سرخی سفیدی سے کئی بار مُبدّل ہوئی، اور کسی قدر تیکھی ہو کر، پوچھا، کہ، کیا کہا؟ آخر میں یہ کون لفظ کہا؟

ص۔ اب تو کہا سو کہا، پیاری کہا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ خاموش۔
ص۔ (گلے میں ہاتھ ڈال کر) پیاری!
م۔ (چھڑا کر) ہائیں!
ص۔ (قدموں پر ٹوپی رکھ کر) پیاری وینیشیا! میں تم پر عاشق ہوں۔

اس پری نے ایک ادائے ہوش ربا سے ان پر نظر ڈالی اور بیٹھ گئی۔ اتنی شہ جو پائی، تو عاشق زار کے تنِ پژمردہ میں از سرِ نو جان آئی اور اس نے آہستہ سے رخسارِ تاباں کا بوسہ لیا۔ اس کے جواب میں معشوق حور وش نے ان کے لبوں کو چوس لیا۔ مگر آنکھیں نیچی کر کے، اور گردن موڑ کر، کہا، کہ پیارے! تم نے میرے دل پر فتح پائی، اور کچھ اسی وقت فتح نہیں پائی برسوں سے، مگر میں نے عہد کر لیا تھا، کہ جب تک تمھاری خوبو، چال ڈھال، وضع قطع سے اچھی طرح واقف نہ ہو لوں گی ہرگز شادی نہ کروں گی۔ اب میں نے ٹھان لی ہے کہ اگر اب شادی ہوگی، تو تمھارے ہی ساتھ ہوگی۔ عاشقِ صادق نے فرطِ طرب سے پیشانی نورانی اور رخِ زیبا اور بنا گوشِ صفا کوش، کے کئی بار، بے جھجک بوسے لیے۔ اور کبھی کبھی بوسوں کا جواب بھی پایا۔

اس کے رخسارِ گل گوں سے اشک لڑھکتے ہوئے دامن کی خبر لانے لگے۔ عاشقِ صادق نے اپنے معشوقِ گل فام و نازک اندام، کو زور سے گلے لگایا اور دونوں مل کر خوب روئے۔ اس کے بعد تالاب پر جا کر منھ اور ہاتھ دھوئے، اور پھر بدستور ٹہلنے لگے۔

م۔ میری زندگی میں آج کا مبارک دن سب سے زیادہ قابلِ یادگار ہے۔
ص۔ میری نہ کہو ہماری کہو۔
م۔ ہاں دونوں کی زندگی میں۔ بیشک۔
ص۔ چلو ہندوستان کی بھی ہوا کھاؤ۔
م۔ وہاں ولیم سے ملوں گی، اور کین ٹوفر سے ملاقات ہوگی۔ کرنل گرگ سے ملا کریں گے۔
ص۔ کرنل گرگ تو ہیں سیتا پور میں۔ بنگال پریسیڈنسی اودھ، نیپال کی ترائی کے پاس، اور کین ٹوفر ہے مدراس سے دو منزل، اور ولیم کراچی میں ہیں۔ سمجھیں؟ پھر بھلا سب سے ملنے کی کون صورت ہے۔ کیوں کہ ہمارے مقام سے ان سب شہروں کا بہت فاصلہ ہے۔
م۔ ایک آدھ دفعہ تو مل سکیں گے۔
ص۔ ہاں، یہ مانا!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ جہاں تم ہو وہ مقام کیسا ہے؟
ص۔ بہت اچھا، شکار خوب کھیلنے میں آتا ہے۔
م۔ چلو اب گھر چلیں۔
ص۔ (بوسہ لے کر) اچھا ایک بوسہ لو، تو پھر چلیں۔ نگارِ مرغوب' اور دلدارِ مطلوب' نے عاشقِ شاد' و بامراد کی گردنِ سیمیں میں، دستِ رنگین ڈال کر چاہا کہ عین مستی اور غایتِ جوشِ حسن پرستی' میں رخسارِ جاناں کو چوم لے لیکن ہنوز روئے تاباں تک لب بھی نہ جانے پائے تھے کہ تیز رو گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ مس ونیشیا کے دل پر ایک قسم کی ہیبت چھائی۔ وہ آواز رفتہ رفتہ قریب' اور بلند ہوئی، وحشت دو چند ہوئی، دونوں حیران و ششدر، کہ یا الٰہی! یہ کیا اسرار ہے۔ اس گھوڑے پر کون سوار ہے۔ شدہ شدہ، اسپ تیز گام، باغ کی طرف آیا، اور عین پھاٹک پر ٹھہر کر ہنہنایا۔ معلوم ہوا کہ ایک سوار اس پر سے اترا، اور اتر کر پھاٹک کو کھلوایا۔
سوار (نس) یعنی کرنل میکفرسن صاحب) پھاٹک کھولو پھاٹک کھولو!
م۔ پیے ہوئے ہے۔
ص۔ آواز ہی کہے دیتی ہے۔
م۔ یہ کون ہے؟
ص۔ خدا جانے۔
م۔ یہ شرابی اس وقت کہاں سے آگیا کمبخت نے مزا کرکرا کر دیا۔
ص۔ آنے بھی دو۔
م۔ ناحق کچھ بکے وکے۔
ص۔ واہ! بکے تو تماشا بھی دکھادوں۔
م۔ تم کچھ پیے ہوئے تھوڑا ہی ہو۔
ص۔ واہ یہاں ہر دم چڑھی رہتی ہے۔
م۔ ناحق لڑائی وڑائی ہو۔
ص۔ اس کی یہاں کچھ پروا نہیں، وہ ڈگ لگائے ہوں کہ یاد کرے۔
م۔ آؤ چھپ رہیں!
ص۔ ایں! لفٹنٹ! فوجی افسر! جوان آدمی، میں چھپ رہوں تو ہنسی نہ ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ مگر تم اکیلے تو اس وقت نہیں ہو۔

ص۔ اُف! توبہ توبہ! تمھاری طرف اگر آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے تو خون ہی پی لوں اس کا۔

یہ کہہ کر لفٹنٹ نہایت جوش میں آیا۔ اتنے میں پھاٹک کھلا، اور وہ ناخوش آیند مہمان گھوڑے پر سوار ہو کر باغ میں داخل۔ بیچوں بیچ میں پہنچ کر پوچھا کہ Is Lt. Applitan Here?

یعنی لفٹنٹ اپلیٹن یہاں ہیں۔

صاحب، اور مس دونوں کا رنگ فق ہو گیا۔ آدھی رات کا وقت، شہر سے تین چار میل پر باغ، ہر سمت جنگل، کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں کہ کہاں گئے ہیں۔ چوطرفہ سناٹا، یہ کون اس وقت آیا؟ اس کو معلوم کہاں سے ہوا کہ لفٹنٹ اپلیٹن یہاں ہیں۔

م۔ کسی مصیبت سے اس وقت دوچار ہونا ہے۔ صیدِ بلا کو دوبارہ ہونا ہے۔

ص۔ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ مگر گھبرانا بے کار ہے۔ غور کر کے دیکھو کہ اس پر کون سوار ہے۔

م۔ میرا کلیجہ اس وقت دھڑ دھڑ کرتا ہے۔

ص۔ (آہستہ سے بوسہ لے کر) استقلال! استقلال!

س Love making is going on here (اہاہا یہاں تو بوسہ بازی ہو رہی ہے۔)

چُرٹ جلانے کے لیے دیا سلائی روشن کی، اور کہا کہ عاشق و معشوق دونوں سے معافی چاہتا ہوں کہ میرے چرٹ پینے سے بد دماغ نہ ہوں۔ اس کے بعد بہ آواز بلند کہا کہ

Is there any man — By the name of Lt. Applilon

یہاں لفٹنٹ اپلیٹن کے نام کا کوئی آدمی ہے؟ اس سوال کا کسی نے جواب نہ دیا، بولنے کا نام تک نہ لیا، عاشق و معشوق مثل بت خاموش، پنبہ در گوش، مگر از بس متحیر کہ اپلیٹن کا نام لیا ہے۔ یا الٰہی، یہ کیا ماجرا ہے؟ سوار نے گھوڑا پھیرا اور دوسری روش میں جا کر پھر یہی سوال کیا۔ اتنے میں اتفاق سے چرٹ گر پڑا۔ اور سوار نے پکار کر کہا، کہ اگر کسی انسان کے کان میں اس وقت میری آواز پہنچے تو وہ مہربانی کر کے مجھے یہ چرٹ اٹھا دے اس پر ایک خوش رو جوان بہت اکڑتا ہوا اٹھا اور یوں ہمکلام ہوا۔

جوان (جو) میں اٹھا دوں گا۔

س۔ مشکور ہوں میں، اگر اس وقت گھوڑے پر سے اترتا تو گھوڑا مجھے بہت دق کرتا۔ پھاٹک کے پاس میں ذرا اترا تو اس نے نہایت پریشان کر دیا تھا۔ آپ کا نام کیا ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوان۔ لفٹنٹ اپیلٹن میں ہی ہوں۔

س ۔ پیارے دوست! تمھیں کو تو میں ڈھونڈھتا تھا۔

جوان۔ کیوں؟

س ۔ بھائی! مجھے افسوس ہے کہ میرا مشن (پیغام) تم کو اس وقت کہ اپنے معشوقِ زہرہ تمثال، وجادو جمال، سے اس بادِ خنک اور میدانِ وسیع فتحت آباد، اور گلزار مینو سواد، اور چاندنی رات اور تنہائی میں مصروف بوس وکنار تھے، عیش وطرب سے دوچار تھے، ہرگز پسند نہ آئے گا اور تمھارا بے اختیار جی چاہے گا کہ مجھے گولی مار دو۔ مگر میں مجبور ہوں، اور بے قصور ہوں۔

سوار یہ تقریر وحشتِ تخمیر کر کے چرٹ پینے لگا، مگر لفٹنٹ اپیلٹن کی یہ کیفیت تھی کہ اگر بجلی بھی گرتی تو ان کو خبر نہ ہوتی۔ بالکل از خود رفتہ، تھوڑی دیر تک سکتے کا عالم رہا، آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ بلا مبالغہ اپنے آپے میں نہ تھے۔ اگر کوئی ان کے عضو عضو کو کند چھری سے رتیتا تو بھی خبر نہ ہوتی۔ درد کیسا مگر اسی حالت میں ایک آواز ان کے کان میں آئی کہ وہ ان کو ہوش میں لائی۔ وہ ان کی معشوقہ نازنیں اور ناظورۂ مہ جبیں کی آواز تھی۔ اس بتِ رنگین ادا نے نہ ان کو پکارا نہ غل مچایا، مگر سوار کی ناخوش آیند باتیں سن کر اس کا دل بھر آیا۔ اور ایک تاریک اور بھیانک نقشہ مجسّم نظر آیا۔ الغرض واہمے نے ایسا ڈرایا کہ بے اختیار رونے اور سسکیاں بھرنے لگی۔ چپکے چپکے گریہ وزاری کرنے لگی؛ بیشک، اگر اسنٹی منی توپ بھی دغتی تو اپیلٹن کے کان میں بھنک نہ پڑتی، لیکن یہ آواز وہ تھی جس نے اپیلٹن کے زخم جگر پر نمک کا کام کیا۔ آواز سنتے ہی سوار کو چھوڑ کر یہ اپنی پیاری ونیشیا کی طرف گئے اور جاتے ہی خوب محبت سے بغل میں لے کر انھوں نے پیار سے گلے لگایا۔ وہ پری بھی بصد ناز دلبری ان سے پیش آئی، اور دونوں کوئی دس منٹ تک خوب روئے۔ سوار کے دل پر اس کا بڑا اثر پڑا۔ فوراً گھوڑے سے اترا، اور بہزار خرابی ایک شجرِ رفیع کے تنے سے سمندِ دغا پسند، کو باندھ کر، عاشق کی طرف چلا۔

س ۔ اپیلٹن! میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت زمین دھنس جائے اور میں زمین کے اندر چلا جاؤں۔ اف! تم دونوں کے رونے سے اس وقت کلیجہ پاش پاش ہو گیا۔

ص ۔ ہمارے قریب آ کر بیٹھیے ذرا۔

س ۔ (بنچ پر ان کے پاس بیٹھ کر) پیاری لڑکی! میں ایک بوڑھا آدمی ہوں، اور لڑکے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بالے رکھتا ہوں، سچ کہتا ہوں کہ اس وقت میرے دل کا عجب حال ہے۔ گو میں نے تمھیں کبھی پیشتر نہیں دیکھا تھا، اور نہ اس وقت اچھی طرح دیکھ سکتا ہوں۔ کیونکہ ساٹھ برس کا میرا سن ہے اور ضعف بصر ہے اور اس وقت میں نے برانڈی بھی بہت پی ہے، تاہم تمھاری حالتِ زار پر جس کے عشرِ عشیر سے بھی میں ابھی واقف نہیں، مجھے افسوس آتا ہے کہ ایسا مشن کیوں لایا۔

اس فقرۂ ہوش ربا، اور جاں گزا، نے ونیشیا بیچاری کی آتشِ غم کو اور بھی بھڑکایا اور اپیلٹن کو انتہا سے زیادہ تڑپایا۔ دونوں اپنے اپنے دل میں سوچنے لگے، کہ یا الٰہی کون ایسی بات ہے جس کو یہ خود ہماری تباہی کا باعث سمجھتا ہے۔ مگر ان دونوں میں سے ایک کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ اس خبرِ وحشت اثر کو جس نے ان کے خرمنِ عیش و عشرت پر بجلی گرائی تھی دریافت کریں۔ یا اپنے ناخوش آیند بوڑھے مہمان سے پوچھیں، کہ وہ خبر سناؤ۔ توقّف عمل میں نہ لاؤ۔ جلد بتاؤ۔ پیر مرد نے لاکھ چاہا کہ اصل حال بتائے اور جو پیغام لایا ہے وہ کہہ سنائے، مگر زبان گویا بالکل بند ہوگئی، اور پریشانی و حیرانی دہ چند ہوگئی:

عجب دردے ست جانم را اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

س۔ دل کی لگی بری ہوتی ہے۔

ص۔ کیسی کچھ۔ خدا دشمن کو بھی اپنے یار آشنا سے جدا نہ کرے۔

س۔ ہم بھی یہ سب پاپڑ بیل چکے ہیں۔ صدہا مصیبتیں جھیل چکے ہیں۔ ہائے میری! میری! میری!

یہ کہہ کر سوار کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوئے۔ حضرتِ پیر مرد بے اختیار مصروف گریہ وزاری ہوئے۔ عاشق و معشوق متحیّر کہ یا خدا یہ ہو کیا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس نے بھی کوئی صدمۂ عظیم سہا ہے۔ پیر مرد یعنی سوار خاموش تھا۔ از خود رفتہ و بے ہوش تھا۔

س۔ (زبان حال سے) ؎

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیے کیا یاد آیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ص ے
دمِ آغازِ جنون طوقِ گلوگیر ہوا
غل مچانے بھی نہ پائے تھے کہ صیاد آیا

م۔ (زبانِ حال سے) ع
آنکھ کھلنے بھی نہ پائی تھی کہ صیاد آیا

عاشق کی آنکھوں کے نیچے تصویرِ غم پھر گئی۔ آرزو کا خون ہوگیا۔ معشوق کو اس درجہ صدمہ پہنچا کہ جنون ہوگیا۔ تیرِ اَلم کلیجے کے آرپار ہوا۔ طائرِ دل شہبازِ محن کا شکار ہوا۔ ہائے!

ہاتھ اس بت کی نہ گردن میں حمائل دیکھا
حوصلہ تنگ ترا اے کششِ دل دیکھا

س۔ (دوسرا چرٹ جلا کر) ہائے! اگر میں اس وقت ایک فرخندہ فال ہوتا، تو دونوں عاشق و معشوق کا دامن گوہرِ مقصود سے مالا مال ہوتا۔ ہائے اگر میں کوئی مژدۂ طرب انگیز لاتا تو عاشق کا چہرہ بشّاش ہو جاتا۔ فرطِ شادی سے معشوقِ گل بدن جامے میں پھولے نہ سماتا۔ مگر افسوس! صد افسوس! کہ میرا پیام باعثِ تفرقہ پردازی، عاشق کے لیے وقت جاں بازی ہے۔

ص۔
کنارِ دریا پہنچ کے پانی پیا نہیں ایک بوند اسپر
چڑھی ہے موجوں کی ہم سے تیوری حباب آنکھیں دکھا رہے ہیں

وِنیشیا کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اور ایک آہ سرد بھر کر تین چار بار اٹھی، مگر اٹھ اٹھ کے بیٹھ گئی۔ سچ ہے۔ تجمّل!

پہلوے یار سے اٹھنے کو تو اٹھے لیکن
درد کی طرح اٹھے گر پڑے آنسو کی طرح

اِپلیٹن نے آہستہ سے اس نگارِ رنگین ادا، دمہ لقا، کے پیارے پیارے ہاتھوں کو چوم کر، اور جنون کی حالت میں جھوم جھوم کر، زبانِ حال سے یوں کہا۔ ے

نزع میں ہوں مری بالیں سے نہ اٹھیے للہ
آپ کس وقت میں بندے کو دغا دیتے ہیں

س۔ اب استقلال کو کام میں لاؤ۔ واسطے خدا کے اس قدر نہ گھبراؤ، معشوق کم سن ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اسے دلاسا دو۔ سمجھاؤ، نیک و بد کا خلّاق زمانہ ہے۔ کبھی وصل، کبھی مفارقتِ جانانہ۔ ہے دنیا کا یہی کارخانہ ہے۔

ص۔ (زبانِ حال سے) ؎

کون سنتا ہے تری جوشِ جنوں میں ناصح
خضر بھی آئیں تو ہم راہ بتا دیتے ہیں

ہائے، ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ بزمِ طرب تھی اور معشوق زہرہ تمثال تھا، اور حضرتِ صبا کا یہ شعر حسبِ حال تھا؛

جنابِ یوسف اگر بزمِ دلستاں دیکھیں
جو خواب میں بھی نہ دیکھا ہو وہ سماں دیکھیں

عاشق و معشوق اپنے اپنے طالعِ فرخ پر اتراتے تھے۔ بوس و کنار سے لطفِ صحبت اٹھاتے تھے، اور گویا کا یہ شعر زبان پر لاتے تھے[1]

وہ ہم نہیں چمنستان کی جو خزاں دیکھیں
دکھائے گا ہمیں کیا رنگ آسماں دیکھیں

لیکن جہاں گل ہے، وہاں خار ہے۔ جہاں خزانہ ہے وہاں مار ہے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ بات بن گئی تھی، شادی کی دلوں میں ٹھن گئی تھی۔ نظم؛

بندے کے لیے جو آفتیں ہیں
اے عشق تری کرامتیں ہیں
دو دن کی حیات پر فلک سے
کیا کیا شکوے شکایتیں ہیں
درد و غم و یاس داغِ حرماں۔
اک دل ہے ہزار آفتیں ہیں

س۔ پیاری لڑکی اس وقت آفت و پریشانی کا بازار گرم ہے لیکن کہنا مانو۔ اس بات کو بھلا دو۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تمھارا اپیلین تم سے جلد ملے گا۔

---

[1] میر وزیر علی متوفی ۱۸۵۵ء صبا لکھنوی شاگرد آتش خوش گو شاعر تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ونیشیا دل ہی دل میں سوچنے لگی، کہ اللہ اللہ اب اس وقت کی جدائی قضا ہو گئی کہ ٹالے نہ ٹلے گی۔ کیا اپلیٹن ہم کو چھوڑ کر اور ہماری محبت سے منہ موڑ کر چل دیں گے۔ سوچی کہ یہ بات محال ہے۔ اپلیٹن کی جدائی خواب و خیال ہے۔ ہماری جدائی کا صدمہ اس کو ایک پل نہ بھائے گا ونیشیا کے بغیر دم بھر چین نہ آئے گا۔ مگر پھر خیال آیا کہ مصیبت سے ضرور دو چار ہونا ہے۔ اپلیٹن کے وصل سے جلد ہاتھ دھونا ہے۔ فراق یار میں عمر بھر رونا ہے۔ بیٹھے بٹھائے مفت میں دیدے کھونا ہے۔

س ۔ اپلیٹن۔ اب صرف چھ گھنٹے باقی ہیں۔

ونیشیا نے زور سے ایک نعرۂ (ہائے) بلند کیا اور غش کی حالت طاری ہوئی۔

سوار سوچا کہ ہائے اس کم سن، اور بھولی اور ناتجربہ کار مس کے ننھے سے کلیجے پر اس وقت نہ جانے کیا گزری ہو گی۔ اپلیٹن نے چاہا کہ اپنی پیاری ونیشیا کو مدد دے۔ لخلخہ سنگھائے، ہوش میں لائے، مگر وہ خود بے ہوش، دین و دنیا فراموش تھا؛

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

جب سوارِ تجربہ کار نے یہ کیفیتِ معشوق و حالتِ عاشق زار کی دیکھی تو تالاب سے اپنی لمبی ٹوپی میں پانی بھر لایا اور ونیشیا کے منہ اور سر پر آبِ سرد ٹپکایا۔ پھر دو تین بار گیا، اور اسی طرح پانی لایا۔ اس کے بعد باغ کے دو تین درختوں کی پتیوں کو کہ بو باس میں عطر و گلاب سے بھی گوے سبقت لے گئی تھیں، توڑا اور خوب زور سے ہتھیلی پر نچوڑا، اسی کا لخلخہ بنایا، اور اس نوش لب کو سنگھایا تو تھوڑی دیر میں ہوش آیا۔ آنکھیں کھولتے ہی تین بار اپنے محبوب رعنا کا نام لیا۔ اپلیٹن۔ اپلیٹن۔ اپلیٹن۔ اپلیٹن نے اس کا جواب آنکھوں ہی آنکھوں میں دیا۔ بولنے کا نام ہی نہ لیا۔ گویا کہ یہ اشعار حسبِ حال تھے؛

وہ دن گئے کہ جو ہم ہمکنار رہتے تھے
مدام اب تو ہے پہلو میں دردِ فرقتِ یار
جدھر کو جاؤں مجھے دیکھ کر یہ کہتی ہے خلق
ہے آمد آمدِ غم اور وداعِ صبر و قرار

س ۔ (ونیشیا کے قدم پر ٹوپی رکھ کر) ڈیر مس۔

م ۔ پیر مرد مجھے اس وقت معاف کرنا۔ تمھاری آواز میرے دل پر تیر، اور میرے زخم جگر پر نمک،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور میرے کلیجے پر نشتر کا کام کرتی ہے۔ مگر اتنا نہیں ضرور جانتی ہوں کہ تم بے قصور ہو۔ تم مجبور ہو۔ ہائے بیکسی وائے بیکسی:

پوچھتا ہے کیا ہمدم حال زندگانی کا
جب جدا ہوا جاناں خاک زندگانی ہے

س۔ اپیلٹن۔ اب صرف پونے چھ گھنٹے باقی ہیں۔ ڈیر مس جو کچھ کہنا سننا ہو کہہ سن لو۔ ہنسنا بولنا ہو ہنس بول لو:

آخر تو کھڑا ہے سر پہ صیّادِ خزاں
دل کھول کے خوب چہچہا لے بلبل

ص۔ جدائی کی گھڑی تو اب ٹل نہیں سکتی۔ لیکن میں نے اپنے دل کو خوب مضبوط کر لیا ہے۔ اب تم صاف صاف بتاؤ کہ ماجرا کیا ہے۔ پیاری ونیشیا ذرا دل کو تم بھی مضبوط رکھو۔

ونیشیا نے کہا ہائے میرا دل خوگر راحت ہے۔ رنج آشنا نہیں۔ غم کا قصّہ مشکل ہے۔ کبھی سنا نہیں۔ یہ کہہ کر ونیشیا کا دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ آنسوؤں کا تار بندھ گیا:

دل پریشانی جاوید تمنّا می کرد
با سرِ زلفِ پریشانِ تو سودا کردم

ص۔ (گلے میں ہاتھ ڈال کر) پیاری ذرا رونا موقوف کرو۔

م۔ (زبانِ حال سے):

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے
رخصت آہ دہم گردل شیدائی را
آتشے در زنم این گنبد مینائی را

س۔ اپیلٹن۔ اب صرف ساڑھے پانچ ہی گھنٹے رہ گئے۔

م۔ (چیخ کر) ہائے!

اگر دانستم از روز اول داغ جدائی را
نمی کردم بدل روشن چراغ آشنائی را

ص۔ پیر مرد اب تم کو جو کچھ کہنا ہو کہہ چلو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

س۔ ہارس کارڈز مین آج میں پونا گیا تھا۔ برٹن کی ایک نوآبادی سے بڑی سخت جنگ چھڑنے والی ہے۔ گو میں بھی رخصت پر ہوں۔ لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ فوراً اس نوآبادی کی طرف کوچ کروں۔ نشے کے باعث سے میں نے تمھیں اب تک نہیں پہچانا تھا، اور حیرت و حسرت کے سبب سے تم مجھے نہ پہچان سکے۔ لیکن اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ میں کرنل میکفرسن ہوں، تمھاری رجمنٹ کا کرنل۔

ص۔ اخّاہ! کرنل میکفرسن! اب پہچانا۔

س۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ تم کو بھی ساتھ لیتا جاؤں۔

ص۔ کب؟

س۔ اسی دم۔

ص۔ اُف! ابھی ابھی؟

س۔ ہاں! اور کیا۔ صبح تڑکے گجر دم جہاز روانہ ہوگا۔ اب کوئی ایک کا عمل ہے۔

ص۔ وائے ناکامی، پانچ ہی گھنٹے باقی ہیں۔

س۔ انھیں پانچ گھنٹے میں جو کچھ تیاری کرنی ہو کر لو۔

ص۔ ایں! بس! افسوس!

م۔ ہائے! کیا ناکامی و نامرادی ہے۔

کرنل نے پھر کہا کہ اپلیٹن! جو کچھ تیاری کرنی ہو ان ہی پانچ گھنٹوں میں کر لو۔ مگر مردانہ دار کارروائی کرو۔ اپلیٹن کی گردن میں ونیشیا کا دست رنگین تھا۔ اور سینہ پاش پاش، نہایت ہی حزیں تھا، نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن۔ آخر کار جی کڑا کر کے اپلیٹن نے کہا کہ میں اسی دم مستعد ہوں ابھی ابھی چلیے۔

م۔ ہا! اُف! اس۔ ہمیں۔ یہ چھوڑ کے۔

راوی۔ حضراتِ ناظرین! ستم کا سامنا ہے۔ ونیشیا نے لاکھ کلیجے پر پتھر رکھ لیا۔ مگر اشکوں کا دریا امنڈ امنڈ کر آتا تھا۔

جب اس کے معشوقِ رعنا، جوانِ بلند بالا نے کہا، کہ میں مستعد ہوں، ابھی چلیے! تو ونیشیا نے بڑی جرأت کر کے روتے روتے کچھ کہا، جو پیر مرد اور اپلیٹن دونوں کی سمجھ میں خاک نہ آیا۔ وجہ یہ کہ ہچکیاں لیتی اور سسکیاں بھرتی جاتی تھی۔ پوری بات منھ سے نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نکلتی تھی۔ ہا۔ اُف۔ س۔ ہمیں۔ یہ۔ چھو۔ کے۔

اتنا تو سنائی دیا، باقی عنقا رہُود۔ مطلب ونیشیا کا یہ تھا۔ (ہائے افسوس ہمیں یہیں چھوڑ کے) یعنی تم جو کہتے ہو کہ چلو، ہم چلنے کے لیے ابھی مستعد ہیں تو کیا ہمیں یہیں چھوڑ کے چل دوگے؟ ہائے ستم۔

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو

جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

ص۔ (گلے لگاکر) ایسی باتیں نہ کرو کہ ہماری سپہ گری میں فرق آجائے (بوسہ لے کر) پیاری ونیشیا!

ونیشیا نے فرطِ بے قراری، اور گریہ وزاری کی حالت میں اپنے محبوبِ سیمتن بر کے زانوں پر سر رکھ دیا، اور خوب پھوٹ پھوٹ کر، ایسا زار زار روئی کہ اپلیٹن کی آستین تر کردی:

فلک بہ گریہ درآید ز اشک باری من

زمیں بہ لرزہ درآید ز بے قراری من

ونیشیائے معشوق زہرہ تمثال کے زانوں سے سر ہٹایا اور آنسوؤں کو رومال سے پونچھ کر جبین مبین کے آہستہ آہستہ بوسے لیے۔ پیر مرد ایک درخت کے سایہ میں چرٹ پی رہے تھے۔ انھوں نے اب کی بہ آواز بلند کہا: کہ اپلیٹن اب کوچ کا وقت آگیا۔ بس جو کہنا سننا ہو کہہ سن لو۔ اور چلو اپلیٹن نے بتِ رنگین ادا کو بدقت تمام ساتھ لیا اور چل کھڑا ہوا۔ کرنل صاحب پیچھے پیچھے۔

م۔ اب خدا جانے ملنا ہو یا نہ ہو۔

ص۔ خدا بڑا مسبب الاسباب ہے۔

م۔ ہے ہے اتم جنگ پر جاتے ہو۔ یا ہمیں قتل کیے جاتے ہو۔

ص۔ (بوسہ لے کر) صبر، صبر، صبر۔

م۔ ہائے! صبر نہ کرتی تو اس وقت چل بھی سکتی۔ مگر ایک ایک قدم ایک ایک منزل ہے۔

ص۔ آہ! آہ! آہ! اف!

م۔ (رخسارۂ تاباں چوم کر) نہ جاؤ تو کیسا؟

ص۔ ارے غضب! انگلش مین نہیں اگر نہ جاؤں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ ہاں ہے تو ایسا ہی مگر میں اس وقت جو کہوں میری خطا معاف کرنا۔
ص۔ اُف کیا غضب کی بات کہی۔ خطا! ٹھنڈی سانسیں بھر کے خطا!
م۔ دیکھو! اپیلٹن ڈیر، نوکری انسان اسی لیے کرتا ہے کہ بھوکوں نہ مرے۔ اس کی تمھیں پروا نہیں۔ تم خود امیر کے لڑکے نہ سہی، مگر میری دولت کس کے لیے ہے۔ تم سے بڑھ کر کوئی ہے، اور اگر تم کو ایسا ہی خیال ہے تو لائق فائق تربیت یافتہ آدمی ہو، اخباروں میں مضمون لکھ کر تنخواہ سے زیادہ پا سکتے ہو، پھر کیوں جاؤ۔؟
ص۔ نہیں، نہیں، قضا چاہے ٹل بھی جائے مگر جانا نہیں ٹل سکتا۔ انگلش مین اور لفٹنٹ ہو کر جنگ کے نام سے بھاگوں؟ کیا مجال۔ اور پیاری صیغہ ملیٹری کے قواعد، اور قوانین بھی تو سخت ہیں۔ نہ جاؤں تو گرفتار ہو جاؤں، کورٹ مارشل ہو۔ جس اخبار کو کھولو، جس میگزین کو پڑھو، میری بزدلی اور جبنیت کا حال ضرور دیکھو، نامہ نگار مضمونوں کا تار باندھ دیں اور پھر میں اس لائق نہ رہوں کہ کسی کو انگلستان میں صورت دکھاؤں۔
م۔ اب آس کی کمر بالکل ٹوٹ گئی!

لگائے ٹھٹ کھڑی ہے نامرادی
تمنائے دلی نکلے کدھر سے

جس وقت باغ سے باہر ہوئے اندھیرا سا آنکھوں کے تلے چھایا۔ قدم قدم پر ہجوم یاس و نومیدی کو ساتھ پایا۔ شاعر عزا و سخندانِ بے ہمتا، رسالدار فقیر محمد خاں گویا کی یہ غزل بالکل حسبِ حال ہے۔ لہٰذا حوالۂ قلم تردّد مآل ہے۔

ہر ایک گلشن عالم میں مو پریشاں ہے	چمن میں سنبل نر زلف سوگواراں ہے
ہر ایک شاخ اٹھائے ہے ہاتھ ماتم میں	ہر ایک نخل پہ بلبل بھی مرثیہ خواں ہے
کلی چٹکی تو آواز آئی نالوں کی	چمن تمام بہ لبریز سوز و افغاں ہے
اڑا رہی ہے صبا خاک صحن گلشن میں	گلوں کا چاک گریباں ہے ٹکڑے داماں ہے
چمن میں پہنے ہے سوسن بھی ماتمی پوشاک	برنگِ دیدۂ تر نرگس آج گریاں ہے

جس طرح جان تن سے نکلتی ہے اسی طرح یہ دونوں چمن سے نکلے۔
ص۔ ان کو کوٹھی پر پہنچاتا ہوں، اور میں اپنے گھر سے ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔
س۔ اتنی دیر۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ اتنے تھوڑے عرصے میں بھی تم مجھ سے جدا ہونا چاہتے ہو؟

ص۔ گھر پہ آج کل کوئی نہیں ہے۔ سب دیہات گئے ہیں۔ یاروں دوستوں سے ملنے کا وقت نہیں۔ بس اسباب لیا اور ابھی ابھی آیا، اسی دم۔

م۔ اف! کیا از غیب کا تھپیڑا آیا۔ کیسے ہنس بول رہے تھے کہاں وہ تیاریاں تھیں کہاں اب جدائی کی کھڑی ہے۔

راوی۔ :

دی روز پے گلاب می گردیدم
فرخندہ گلے بر سرِ آتش دیدم
گفتم کہ چہ کردی کہ ترا می سوزند
گفتا کہ دریں باغ دمے خندیدم

س۔ اف! اوہ! اب تو تڑکا ہو چلا۔

م۔ (آہستہ سے) اس بڈھے نے تو اور بھی ہاتھ پاؤں پھلا دیے۔

ص۔ اپلیٹن قدم تیز اٹھاؤ۔

ص۔ جہاز کس وقت روانہ ہوگا۔

س۔ تڑکے گجر دم۔

ص۔ اوہ تو ابھی عرصہ ہے۔ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور چلا۔

عاشقِ خستہ حال، دِجگر فگار نے اپنی معشوقہ، طرحدار، اور پیرمرد سلیقہ شعار، کو مس ونیشیا کی کوٹھی سبز رنگ، غیرتِ نگارخانۂ ارژنگ، پر چھوڑا۔ رنج و الم سے بمقتضائے مجبوری و مصلحت تھوڑی دیر کے لیے منہ موڑا۔ طرارے بھرتا، تیز قدم دھرتا، گھر میں داخل ہو کر، آدمی کو آواز دی۔ اندر سے خادمہ آئی۔ اس کو حکمِ حاکمِ مرگِ مفاجات کی خبر سنائی۔ سنتے ہی خادمہ باتمیز، وہر دل عزیز، آنکھوں میں آنسو بھر لائی، مگر آقا کے حکم سے طاقتِ انکار کجا، گنجایشِ اصرار کجا، آبدیدہ ہو کر خدمت گار کو جگایا۔ اسباب بندھوایا۔ فرش ٹٹو ٹٹو پر کاٹھی کس، بیگ گلے میں ڈال، آدمیوں سے رخصت ہو کر، اور رو رو کر روانہ ہوا۔ عازمِ کوے جانانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں رہوارِ صبا رفتار کو خیز کیا۔ عجلت کے سبب سے قدم قدم پر تیز کیا۔ کبھی مہمیز کا اشارہ بتایا، کبھی کوڑا جمایا۔ گھوڑا نازک مزاج تاب کہاں کہ کوڑا کھائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ع پتا ہوا اور پتے پہ آیا

جب دور سے ٹاپوں کی آواز آئی تو پیر مرد یعنی کرنل میکفرسن نے بادیدۂ پرنم کہا، لو ونیشیا افسوس جدائی کی گھڑی نے مجسّم صورت دکھائی۔ ونیشیا بیچاری فلک کی ستائی عین حالتِ آشفتگی و بے نوائی میں پھاٹک پر سر دھنتی تھی۔ جنون کے مارے تنکے چنتی تھی۔ تمام عالم اس کی نظروں میں تیرہ و تار تھا۔ طائرِ دل صیدِ تیرِ ادبار تھا۔ انشا

دلِ ستم زدہ بے تابیوں نے لوٹ لیا
ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

اپیلٹن کی جنگی وردی اس وقت چاندنی رات میں جگمگاتی تھی جرأت سے بلائیں لیتی تھی بسالت صدقے ہوتی جاتی تھی۔ سمندِ دغا پسند سے اتر کر اس بے کس و بے بس نے اپنی پیاری ونیشیا کو بے تابانہ گلے لگایا اور دلاسا دے کر سمجھایا۔ ادھر صبر و استقلال کی فہمائش تھی۔ ادھر حزن و ملال کی افزایش تھی۔ عاشق بحرِ حسرت میں غوطہ زن۔ معشوق نخچیرِ تیرِ حزن و محن۔ اِدھر چشمِ خون چکان، اُدھر سینہ بریان۔ اِدھر دیدہ مطروح، اُدھر سینہ مجروح۔ صبا

ہم کو تو مل کے حسینوں سے بڑے رنج ہوئے
خوش رہا کرتے تھے پریوں میں سلیمان کیوں کر

ہائے اگر ایک گل بدن سے آنکھ نہ لڑتی، تو عین سیرِ چمن میں اوس کیوں پڑتی۔

س۔ بھائی اپیلٹن یہ فقط تمہاری ناتجربہ کاری، اور جھوٹا وہم و گمان ہے، کہ جدائی کے نام سے اس درجہ خفقان ہے۔ اگر خواستۂ خدا ہے، تو گل و بلبل کا وصال ہوگا۔ عاشق و معشوق کا دامن گوہرِ آرزو سے پھر مالا مال ہوگا۔ صبا

بہار آئی الٰہی وہی سماں پھر ہو
پھر ایک جا گل و بلبل کو باغباں دیکھیں

ص۔ میری جان سے زیادہ پیاری ونیشیا! خدارا اس وقت لبِ لعلِ شکرخا، سے ایک بوسہ تو لے لو۔ ونیشیا اس وقت دل پھٹا جاتا ہے۔ ونیشیا پیاری ونیشیا ہائے کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ خدا کے لیے رخصت کے وقت ذرا تو بولو۔ اُف جانِ جان۔

ونیشیا بے چاری بڑی دقّت سے کچھ کہنے کو تھی کہ اتنے میں کرنل نے غل مچا کر کہا کہ اپیلٹن تم اپنی ڈیوٹی (فرض) کو ذرا عزیز نہیں رکھتے۔ اور اگر اب تم نے چلنے میں توقّف کیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو تمھاری وہی سزا ہوگی جو مورچے سے بھاگ جانے اور دشمن کو پیٹھ دکھانے والے سپاہی کی سزا ہوتی ہے۔ میں بحیثیت کرنل میکفرسن حکم دیتا ہوں کہ گھوڑے کی پیٹھ پر آؤ اور بگٹٹ دوڑاؤ

اپیلٹن نے ونیشیا کو آخری مرتبہ پھر پیار کیا، اور رو رو کر کہا کہ پیاری اگر ہنگام رخصت مجھ پر احسان کرنا ہے تو ایک بوسہ لے لو۔ اس خستہ و حزین، ستم رسیدہ و غمگین نے بہ مجبوری بوسہ لیا ہنوز رخسار عاشق زار پر معشوق جگر فگار کے لبِ شیریں کی تری بدستور تھی، کہ اپیلٹن پھرتی کے ساتھ پشتِ توسن آہو شکار پر اچک گئے اور (الوداع ونی) کی آواز ونیشیا کے کان میں آئی تھی کہ گل گون خوش خرام، و تیز گام ہوا ہوگیا۔ اپیلٹن نے چلتے وقت غل مچا کر کہا، کہ الوداع ونیشیا! مگر گھوڑا اس چستی و چالاکی سے بگٹٹ بھاگا کہ صرف (الوداع ونی) تو اس غم زدہ و خستہ نے سنا، مگر اپنا پورا نام ونی شیا اپنے عاشق کی زبان سے نہ سن سکی حسرت ہی رہ گئی کہ (ونی) کے بعد (شیا) کا لفظ بھی سن لیتی۔ مگر دل کی دل ہی میں رہی جب تک گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز کان میں آئی، تب تک وہ دل شکستہ خوب روئی، اور چلائی، مگر جب آواز غائب ہوگئی تو ونیشیا کو ہر سمت بھیانک کالی کالی مہیب صورتیں نظر آنے لگیں اور واہمے نے وہ رنگ جمایا کہ، وہ کل فرضی صورتیں اس کم سن، اور ناتجربہ کار، و دل فگار، کو ڈرانے لگیں۔ کبھی واہمے نے بے سر، اور بے دم کا گھوڑا چلتا پھرتا دکھایا، کبھی انسان کے دھڑ پر گدھے کا سر نظر آیا۔ ایک دفعہ دیکھا کہ ہاتھی درخت پر بیٹھا ہے۔ پتا کھڑکا اور بندہ سرکا یہ مثل حسبِ حال تھی۔ زندگی وبال تھی۔ ایک تو یارِ آشنا کی مفارقت کا غم، دوسرے سترہ اٹھارہ برس کا سنِ تجربہ بھی کم، تیسرے تنہائی اور شبِ تیرہ و تار، چاندنی غائب، اندھیرا نمودار، امیر کی صاحبزادی خوگر راحت و شادی، ناز و نعم کی پروردہ، صدہا آدمیوں میں رہنے سہنے کے عادی، عشق کی پہلی ہی منزل، ننھا سا کلیجہ، دل صیدِ آفاتِ مشکل:

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا وناولہا
کہ عشق آسان نمود اول ولے افتاد مشکلہا

حافظ

رنج جدائی، اور خوف تنہائی، اور شب دیجور، اور قلقِ موفور سے عشق کی حالت طاری ہوئی۔ بے خودی و از خود رفتگی کی گرم بازاری ہوئی۔ مثل تصویر خاموش۔ قوت سامعہ سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کچھ دیر کے لیے بے بہرہ، پنبہ ور گوش۔ اتنے میں حسن اتفاق سے ایک باورچی، جو حسبِ ضرورت کسی گانوں کو گیا تھا، کھٹ پٹ کرتا ایک ٹٹو پر آتا تھا۔ احاطہ کوٹھی کے پاس آیا، تو دیکھا کہ درخت کے سایے میں کوئی کھڑا ہوا ہے۔ عین پھاٹک پر ڈھنی دیے اڑا ہوا ہے۔ پہلے شک ہوا کہ صرف مغالطۂ نظر ہے۔ انسان نہیں، فقط واہمے کا اثر ہے۔ لیکن قریب آیا تو شک کافور، اور مغالطۂ نظر کا احتمال دور ہوگیا۔ خوب غور کرکے دیکھا تو خوف نے ٹیٹوا لیا۔ ڈرتے ڈرتے ایک مرتبہ چلا اٹھا کہ تو کون ہے؟ اس آواز نے بے چاری ونیشیا کو چونکا دیا۔ بھیانک بھیانک صورتیں تو آنکھوں کے تلے پھر ہی رہی تھیں، سمجھی کہ کسی بھوت پریت نے مجسّم صورت دکھائی، غضب ہوگیا، شامت آئی، زور سے چیخ کر گری تو بے ہوش، دین و دنیا فراموش، چیخنے کی آواز سے باورچی نے بھانپ لیا کہ مس ونیشیا ہے۔ اتنے میں کوٹھی کے حوالی موالی نے باہم کہا کہ یہ عجب سانحہ ہوش ربا ہے کہ پھاٹک کے قریب کسی نے اس وقت غل مچایا، اور اس زور سے چلایا کہ سامعین کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ دس پانچ آدمی بتّیاں روشن کرکے چلے، کہ دیکھیں کہ کیا ماجرا ہے۔ انسان ہے یا چلاوا ہے۔ باورچی نے آواز دی کہ جلد آؤ، خدا کے لیے دیر نہ لگاؤ، ورنہ ناکامی ہوگی، اور صبح کو انتہا کی بدنامی ہوگی۔ لوگوں نے لمبے لمبے ڈگ بڑھائے اور قریب آئے، تو دیکھا کہ ایک لاش پڑی ہے، اور سامنے ٹٹوی کھڑی ہے۔

باورچی۔ غور کرکے دیکھو کہ یہ کون ہے؟ آواز تو مس ونیشیا کی سی ہے۔

ایک آدمی۔ (روشنی قریب لے جاکر) ارے۔

دوسرا آدمی۔ ایں! ارے یہ ماجرا کیا ہے؟ یہ تو ہماری آقازادی مس ونیشیا ہے۔

تیسرا آدمی۔ دیکھتے کیا ہو، اٹھاؤ غش میں ہے۔ لخلخہ سنگھاؤ۔

چوتھا آدمی۔ (رو رو کر) کیسا غش اور کس کی بے ہوشی میاں یہاں کام ہی تمام ہے۔ اس خاندان کی بقا کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ مس ونیشیا آفتابِ لبِ بام ہے۔ نبض چھوٹ گئی ہماری آرزو کی کمر ٹوٹ گئی۔

سب نے مل کر دیکھا تو ہاتھ پاؤں مثلِ یخ سرد تھے۔ سب اعضا و جوارح آلودہ خاک و گرد تھے۔ سمجھے کہ سانحہ غمگین ہے۔ ہائے دم واپسین ہے۔ نوکروں چاکروں نے ایسا کہرام مچایا کہ مس ونیشیا کی چچی کو خواب ناز سے جگایا۔ آنکھ کھلتے ہی ماتم کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آواز کان میں آئی، تو خود بھی بے سمجھے بوجھے خوب روئی پیٹی۔ پیش خدمتوں نے روتے روتے کہا کہ حضور ادھر تو آئیں، جلد جلد قدم اٹھائیں۔ مِس ونیشیا دم واپسیں چھاتی سے لگائیں۔ اس فقرہٗ ہوش رُبا کا سننا تھا کہ اس خاتونِ عصمت مآب نے نعرہ بلند کیا، پیش خدمتوں نے ہاتھ میں ہاتھ دیا۔

خاتون۔ (خا) یعنی مس ونیشیا کی چچی۔ ارے لوگو بتاؤ ماجرا کیا ہے؟ پیاری ونیشیا کس مصیبت میں مبتلا ہے؟

پیش خدمت۔ حضور ابھی ابھی اس مسہری پر سب نے مل کر لٹایا ہے۔ جانے کیا از غیب کا تھپیڑا کھایا ہے۔ ہوش ہے نہ حواس ہے۔ بس اب تو ہجوم نومیدی و یاس ہے۔

خاتون ثریا جاہ، وخرد آگاہ نے بکمال استقلال ونیشیا کی پیشانی، اور سینۂ نورانی اور نبض پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ گھبرانے کی بات نہیں۔ صبر کو ہاتھ سے نہ دو۔ لخلخہ سنگھاؤ اور معاً ڈاکٹر کو بلاؤ۔

خدام باادب حکم پاتے ہی پتّا ہوئے۔ ڈاکٹر کو جگایا۔ سارا حال کہہ سنایا، تھوڑی دیر کے بعد کوٹھی کے احاطے میں ایک فٹن گھڑگھڑاتی ہوئی آئی۔ لوگوں نے غل مچایا کہ ڈاکٹر کی سواری آئی۔ خاتون بالغ خرد نے بکشادہ پیشانی ڈاکٹر سے ہاتھ ملایا۔ اور ونیشیا کے قریب لے جاکر بٹھایا۔ ڈاکٹر نے کل کیفیت معاینہ کر کے کہا کہ مفصّل حال بتاؤ؟ اور رائحۂ روح افزا برابر سنگھاتے جاؤ۔

(علیحدہ لے جاکر) مفصل کیفیت تو مجھے خود بھی نہیں معلوم۔ لیکن اس قدر جانتی ہوں کہ لفٹنٹ اپلٹن نامی ایک خوب رو اور عنبریں مو، جوانِ رعنا ہے۔ کشیدہ قامت، قمر طلعت، اور بلند بالا ہے۔ ایم۔ اے، اور بیچلر ہے، مجمع علم و ہنر ہے، شاعری اور نکتہ پردازی میں طاق، نثاری اور جادو طرازی میں شہرۂ آفاق۔ سائنس میں بھی پائگاہ حاصل ہے۔ عالم و فاضل اور مرد کامل ہے۔ وہ ونیشیا کے پاس اکثر آیا جایا کرتا ہے اور قیاس سے کہتی ہوں کہ اس کے عشق کا دم بھرتا ہے۔ اس کا بھی اس پر دل آیا ہے اور کیوں نہ آئے، ایک جری اور ذی لیاقت جوان فوجی افسر پایا ہے۔ میری بھی خواہش ہے کہ ونیشیا کا اسی کے ساتھ بیاہ ہو، اور اس کے والدین بھی تہ دل سے چاہتے ہیں، کہ ان دونوں میں نکاح ہو۔ آج حسبِ معمول سرِ شام ہوا کھانے گئی، مگر خلافِ معمول دیر کر کے آئی۔ میں سوتی تھی کہ لوگوں نے جگایا اور ونیشیا کا حال بتایا۔ دیکھا تو ہاتھ پاؤں سرد، اور آغشتۂ خاک و گرد ہیں۔ خدا جانے یہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیا ماجرا ہے۔ مگر کوئی نیا گل ضرور کھلا ہے۔ ڈاکٹر نے مس ونیشیا کا سارا حال بغور سنا۔ اور خاتونِ عفّت مآب سے کہا کہ آپ کے استقلال سے میں خوش ہوا۔

ڈاکٹر۔ خدّام سے پوچھیے کہ کس حیثیت میں سب سے پہلے دیکھا تھا۔

خا۔ پھاٹک کے پاس چپ چاپ کھڑی تھی۔ باورچی گنوار آدمی، سمجھا کہ بھوت پریت ہے۔ غل مچایا۔ تو ونیشیا زور سے چیخی اور بے ہوش ہو گئی۔

ڈاکٹر۔ لفٹنٹ اپیلٹن کو بلاؤ۔

خاتونِ معمّر نے کہ از بس مستقل مزاج، وزنِ پاک و پارسا تھی، آدمیوں کو حکم دیا کہ ڈاکٹر صاحب کی فٹن پر اپیلٹن کو بلا لاؤ اور ابھی ابھی لاؤ، کہنا کہ گاڑی دروازے پر کھڑی ہے۔ چلو تمھاری ونیشیا بے ہوش پڑی ہے۔

فٹن واپس آئی تو اپیلٹن ندارد۔ ایک خادمہ اتری، اور جھک کر اشارے سے آداب بجالائی۔

خا۔ تمھارے آقا کہاں ہیں؟

خادمہ۔ میم صاحب وہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی آئے تھے، اور دم کے دم ٹھہر کر، گھوڑے پر سوار ہوئے، اور کچھ اسباب لے کر چلے گئے۔ ہم سے کہہ گئے ہیں کہ کہیں جنگ ہونے والی ہے ان کے نام حکم آیا تھا، کہ مع فوج میں شریک ہو کر، میدانِ جنگ میں جائیں۔ جہاز اب تھوڑی دیر میں

ڈاکٹر۔ بس وجہ معلوم ہو گئی گھبرانے کا مقام نہیں۔

ڈاکٹر نے خاتونِ عفّت مآب کو دلاسا دیا، اور ایک آدمی کو بھیج کر ڈاکٹر خانے سے دوا منگائی، ونیشیا کو پلائی اور کچھ پیشانی و سر پر لگائی۔ دس منٹ میں ونیشیا نے آنکھ کھولی، تو چچی بولی؛ کہ پیاری ونیشیا طبیعت کا کیا حال ہے؟ اس نو عروسِ خستہ جگر نے بصد نزاکت چچی کا ہاتھ اپنے پیارے ہاتھوں میں لے کر کہا؛ کہ چچی جان انتہا کا حزن و ملال ہے۔ حتیٰ کہ جینے سے بیزار ہوں۔ زندگی وبال ہے۔ رنج و غم نے مجھے بھیانک بھیانک صورتیں دکھائیں کبھی پریت سوجھے، کبھی چڑیلیں نظر آئیں۔ ایک رنج تنہائی کا کیا کم تھا کہ اس پر یہ اور طرّہ ہوا۔

سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلّاد نے جاتے جاتے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قلب بے اختیار ہے۔ دل سخت مصیبت سے دوچار ہے:

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

اِدھر کا قصّہ تو یہاں چھوڑا۔ اب اپیلٹن کا حال سنیئے!

معشوقۂ زرّیں کمر، اور دلدارِ دلبر کے لعلِ نوشیں کا بوسہ پاکر، اور شبدیزِ سبک خیز کی باگ اٹھاکر، چلے تو ایک ایک قدم پر یہ تھے اور شور و شیون تھا اور رنج و محن۔ کبھی سوچتے تھے کہ ہائے وقت رخصت اپنی کہی نہ اس کی سنی۔ پیاری وینیشیا نے ایسے ہجوم یاس و ناامیدی کے وقت بھی ہمارا کہنا مانا ہمارے التماسِ عجز اَساس کو قبول فرمایا، اور لبِ لعلِ شکر خا سے اور ہم نے اشدّ درجہ طوطا چشمی کی، کہ پشتِ توسَن پر بلا اجازت آئے اور گھوڑے کو کڑکڑا دیا۔

دائیں جانب کرنیل میکفرسن صاحب کا کمیتِ خوش خرام، و تیز گام، طرارے بھرتا جاتا تھا۔ بائیں طرف عاشقِ زار، افسردہ دل وجگر فگار، لفٹنٹ اپیلٹن کا شبدیزِ سبک خیز اٹھکھیلیاں کرتا جاتا تھا۔ دونوں تندخو گھوڑوں کی ٹاپوں سے جنگل گونجنے لگا۔ اور آواز بازگشت نے گویا تازیانہ کا کام کیا۔ جس قدر ٹاپوں کی آواز بلند ہوتی تھی اسی قدر ان کی سرعت و تیزی دہ چند ہوتی تھی۔ کرنل برانڈی کے نشہ میں چور، سیہ مست و مخمور تھا۔ مگر اپیلٹن بے چارہ، مصیبت کا مارا، دلخور و رنجور تھا۔ لیکن بندگی بے چارگی۔ فوج کا لفٹنٹ اگر کسی زنِ جادو نگاہ، غیرتِ مہروماہ کے عشق کا اس درجہ دم بھرے کہ مورچے پر جانے سے انکار کرے، تو لوگ تالیاں بجائیں۔ وقائع نگار خاکہ اڑائیں۔ ناچار قہرِ درویش، برجانِ درویش۔ معشوق سے اجازت بھی نہ پائی، مگر گھوڑے کی باگ اٹھائی۔ گو فرسِ آہو شکار پر سوار تھا مگر دل مصروفِ طرفِ کوے یار تھا۔ صبا:

آدم سے باغِ خلد چھٹا ہم سے کوے یار
وہ ابتدائے رنج تھی یہ انتہائے رنج

دو کوس تک دونوں سوار، چپ چاپ گھوڑے کڑگڑاتے چلے جاتے تھے۔ اور گل گونِ شیر طبیعت ہوا کو شرماتے تھے۔ اس کے بعد کرنل میکفرسن قدم قدم جانے لگے، اور اپنے ساتھی سے یوں اظہارِ ہمدردی فرمانے لگے۔

س۔ اپیلٹن اب وقت پر پہنچ جائیں گے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ص۔ ہاں!

س۔ انگلستان کے ساتھ ہمدردی کا یہی موقع ہے، چاہے جان جائے مگر بات نہ جائے۔ عزّت وعظمت میں ذرا فرق نہ آئے۔ آتش:

حاضر ہیں ہم جو معرکۂ کارزار ہو
مریخ فیلِ مست کے اوپر سوار ہو

انگلستان کے اقبال کی یہی کافی دلیل ہے کہ لوگ پیادے سے لے کرتا بہ جنرل جنگ پر جانا اور اپنے وطن کے نام پر سر کٹانا بڑی معراج سمجھتے ہیں۔ جب تو ہم نے نپولین کو نیچا دکھایا، اور جنگ بحری میں ہسپانیہ کے مشہور جنرلوں نے اپنے ملک کا نام ڈبایا؛

آن نہ مَن باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ مَن
آن منم کاندرمیانِ خاک وخون بینی سری[1]

انگلستان!۔ پیارا انگلستان!

ص۔ صحیح۔

س۔ تم مورچے پر چلنے سے اس وقت خوش ہو یا نہیں؟

ص۔ ہاں!

س۔ تلوار کے منھ مرنے، اور توپ کا گولا کھا کر جان دینے، اور میدانِ کارزار میں زمین پر ٹھنڈے ہو جانے سے بڑھ کر سپاہی کو کوئی خوشی نہیں۔

ص۔ بجا۔

س۔ تم اس وقت خوش نہیں نظر آتے۔ اس کا کیا باعث ہے؟ یہ تو وہ وقت ہے کہ سپاہی اور پیادہ کرنل اور جنرل سب کے سب خوش خوش مورچے پر جاتے ہیں اور مناتے ہیں کہ یا الٰہی فتح ہو۔

ص۔ اس وقت میرا دل بھر آیا اور آنکھیں پُرنم ہو گئیں۔

س۔ سنو ابھی تم صاحبزادے ہو۔ اتفاقات کی اور بات ہے ورنہ تمھیں ابھی ظاہر

---

1. سعدی شیرازی ماخوذ از گلستان بابِ اول

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اسباب بہت دن جینا ہے۔ اگر فوج میں عزّت اور نام نیک چاہتے ہو تو ان خیالات کو دل سے نکالو۔ بات مانو! اب جنگ کا خیال کرو۔ عشق و حسن کا جھگڑا بس ختم ہو گیا۔ اور فوجی آدمیوں کو غم تو اپنے قریب آنے ہی نہ دینا چاہیے۔ ایک ذرا سی گولی میں وارا نیارا ہے۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ گویا پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ صرف میدانِ جنگ اور رَن کی زمین سے انھیں سروکار ہے

ص۔ کرنل مجھے صرف یہ خیال ہے کہ میں نے مس ونیشیا کو چلتے وقت کیوں مجبور کیا کہ 'بوسہ لے۔ اس نے تو ایسی حالتِ حزن و ملال میں میرا کہنا مانا' اور میں نے اس درجہ بے حمیتی کی کہ اجازت تک نہ لی اور روانہ ہو گیا۔ اف! کرنل یہ خیال میرے دل کے ساتھ وہ کرتا ہے جو کفر ایمان کے ساتھ اور موت جان کے ساتھ۔ ہائے! اس دل کو کون سمجھاوے۔ صؔبا

تو نہ ہوتا تو نہ دنیا میں کوئی غم ہوتا
کیوں عدم سے تجھے ساتھ اے دلِ شیدا لائے

س۔ اگر دل کو مضبوط نہ رکھو گے تو ہم سمجھیں گے کہ تم فوج کے قابل نہیں ہو، یہاں ونیشیا کہاں؟ وہ جہاں تھی وہاں تھی۔ یہاں تو ہر دم کانوں میں گولے کی آواز آنی چاہیے' اور زبان سے بِزَن بزن نکلنا چاہیے۔

ص۔ ہمیں تو ونیشیا کی صورت ہر برگ و بار اور دَر و دیوار سے نظر آتی ہے۔ بقول شاعر:

اتنی تو دیدِ عشق کی تاثیر دیکھئے
جس سمت دیکھئے تری تصویر دیکھئے

س۔ اس وقت کارزار کا خیال ضرور چاہیے۔ ملال کیے سے کیا ہوتا ہے زندگی ہے تو مس ونیشیا مسز اپلیٹن ضرور کہلائیں گی۔

الغرض اِدھر ونیشیا اُدھر عاشق شیدا کا عجب حال تھا، جینا وبال تھا۔ لفٹنٹ اپلیٹن میدانِ جنگ سے بخیر و عافیت واپس آئے، تو سنا مس ونیشیا اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان گئی ہیں۔ غنچۂ دل نسیم طرب کے اہتزاز سے کھِل گیا۔ ایسے خوش ہوئے کہ گویا قارون کا خزانہ مل گیا۔ عاشق کی آرزوئے دل بر آئی۔ معشوق نے منھ مانگی مراد پائی۔ ہندوستان میں آئے تو خوشی کے شادیانے بجائے۔ مس ونیشیا واقعی مسز اپلیٹن ہوئیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جس طرح انھیں بہم ملایا
بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

راوی نے یہ روایت عمداً نذرِ ناظرین کی تاکہ مس ونیشیا کا حال سمجھ میں آئے اور اپلیٹن کے نام سے اجنبیّت نہ پائی جائے۔

اس بتِ شیریں حرکات، مجموعۂ صفاتِ کائنات یعنی مس ونیشیا نے جو میاں آزاد کو ناکام ونامراد پایا۔ تو اپنے پیارے شوہر سے بصد ناز یوں فرمایا:

م۔ چارلی! پیارے اس جنٹل مین سے کیوں کر پوچھیں، کہ آہِ سرد اور دلِ پُر درد کا سبب کیا ہے۔ بتاؤ؟

ص۔ پیاری تم ایسے آدمیوں، کو جنٹل مین کیوں کہتی ہو؟ یہ تو (نگر) یعنی (کالا آدمی) ہے۔

م۔ دیکھو تم نے پھر وہی چھیڑ خانی کی۔

ص۔ تو پھر تم ہمارے چڑھانے کے لیے کالے آدمیوں کو جنٹل مین کیوں کہتی ہو؟

م کالا آدمی تو ہم حبشی کو کہتے ہیں، یہ تو گورا چٹا خوبصورت آدمی ہے۔

ص۔ تو خوبصورت ہونے سے جنٹل مین بن جاتا ہے؟ واہ! جنٹل مین کی اچھّی تعریف کی، انگلستان کے سپاہی سب سرخ وسفید ہوتے ہیں، تو کیا اس سے وہ سب کے سب جنٹل مین ہو گئے۔

م۔ تم تو اپنی دلیل سے آپ قائل ہو گئے۔ تمھارے کلام سے یہی ثابت ہوا نہ کہ جنٹل مین گورے چمڑے سے انسان نہیں ہوتا۔ پھر یہ کیا فرض ہے کہ تم تو جنٹل مین ہو، اور اس ملک کے باشندے نگر ہی کہلائیں، واہ! اچھا انصاف ہے، نگر! نگر کیا معنی؟

لہ مثنوی گلزارِ نسیم کا آخری شعر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میاں آزاد و نیشیا اور اپیلٹن کی ملاقات

اتنے میں جہاز کے ایک کونے سے آواز آئی کہ، او گیدی نہ ہوئی قرولی، نہ ہوا تپنچہ، ورنہ لاش پھڑکتی ہوتی۔ اس وقت میاں آزاد سمجھ گئے کہ حضرت خواجہ بدیع صاحب کو دور سے شیطان نے انگلی دکھائی، وحشت سر پر سوار ہوئی، قرولی یاد آئی۔ ڈرے ایسا نہ ہو کسی یورپین سے لڑ پڑیں۔ افیم کی ترنگ میں بے وجہ جھگڑ پڑیں، قریب جاکر پوچھا کہ کس پر بگڑے؟ کیوں چلّایا؟ کون یاد آیا؟ کس پر غل مچایا؟

خوجی۔ (خو) یعنی خواجہ بدیع الزماں بدیع۔ اجی جاؤ بھی یہاں شکار ہاتھ سے جاتا رہا۔ واللہ گرفتار ہی کر لیا تھا گیدی کو۔ پاتا تو اتنی قرولیاں لگاتا کہ چھٹی کا دودھ یاد آتا۔ مگر میرا پاؤں پھسل گیا اور وہ نکل گیا۔

آزاد۔ (مسکرا کر) یار ایک آنچ کی ہمیشہ کسر رہ جاتی ہے۔ خیر! ابھی چیر غٹّو کرتا گیدی کو، یہ تھا کون؟

خو۔ تھا کون؟ تھا کون؟ ہوتا کون؟ وہی بہروپیا، مردود، اور کس کو پڑی تھی بھلا۔

آزاد۔ بہروپیا؟۔

خو۔ جی ہاں بہروپیا، بڑا تعجب ہوا آپ کو۔

آزاد۔ بھئی ہاں تعجب کہیں لینے جانا ہے۔ کیا بہروپیا بھی جہاز پر سوار ہو لیا ہے؟ بڑا لاگو ہے بھئی!

خو۔ سوار نہیں ہوا تو آیا کہاں سے۔ ٹھہر جا گیدی، تو خواجہ بدیع نہیں جو قرولیاں ہی نہ بھونکی ہوں، (مونچھوں پر تاؤ دے کر) انشاء اللہ۔"

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد۔ کیا سوتے تھے خوجی یا پینک میں تھے ؟

خو۔ خوجی کی ایسی تیسی، مردود کی۔ پھر تم نے خوجی کہا۔ ہم کو کیوں جی ؟۔

آزاد۔ معاف کرنا بھئی! قصور ہوا!

خو۔ واہ اچھا قصور ہوا۔ کسی کو دو جوتے لگائیے، اور کہیے قصور ہوا۔ خواجہ بدیع صریح مجھ کمبخت کا نام تھا۔

آزاد۔ نام تھا۔ کیا اب نہیں ہے۔

خو۔ جب دیکھو خوجی، خوجی، خوجی، خوجی کی ایسی تیسی۔ مرد کی۔

آزاد۔ جناب خواجۂ بدیع صاحب یہ بہروپیا کم بخت کہاں سے آگیا؟

خو۔ ارے صاحب! اب تو خواب میں بھی آنے لگا۔ ابھی ابھی میں سوتا تھا آپ موجود۔ میرے ہاتھ میں اس وقت افیم کی ڈبیا تھی۔ پھینک کے ڈبیا اور لے کے کتارا، جو پیچھے جھپٹا تو دو کوس نکل گیا۔ مگر شامتِ اعمال سے ایک مقام پر ذرا سا پانی پڑا تھا۔ روح فنا ہو گئی، پھسلا تو ارارا دھوں۔

آزاد۔ کیا گر پڑے ؟ ارے توبہ!۔

خو۔ بس کچھ نہ پوچھیے۔ پھر آپ جانیے میرا گرنا یہ معلوم ہوا جیسے ہاتھی پہاڑ سے گرا دھڑام۔ دھڑام۔

آزاد۔ اس میں کیا شک ہے۔ آپ کے ہاتھ پاؤں ہی کہے دیتے ہیں، وہ تو کہیے بڑی خیریت گزری۔

خو۔ اور کیا اللہ نے بچایا۔

آزاد۔ تو یہ کہیے ہتے پر سے اکھڑ گیا۔

خو۔ اوہ! جاتا کہاں ہے گیدی، رگید کے نہ ماروں قرولیاں تو خواجۂ بدیع نہیں۔ یہاں کمیدانی کر چکے ہیں۔

لفٹنٹ اپلیٹن اور ونیشیا دونوں میاں آزاد اور خوجی کی تقریر سنتے تھے۔ اپلیٹن تو اردو خوب سمجھتے تھے مگر ونیشیا ناواقف تھیں، اپلیٹن نے ترجمہ کر کے بتایا تو ونیشیا نے قہقہہ لگایا کہ معقول، یہ ٹخ، انچ بھر کا آدمی، ایک ایک ماشہ کے ہاتھ پاؤں اور اس کے گرنے سے اتنی بڑی آواز ہوئی کہ جیسے ہاتھی گرے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ص۔ سڑی ہے کوئی۔

م۔ پکّا سوادئی معلوم ہوتا ہے۔

ص۔ خدا جانے کیا واہی تباہی بجتا تھا۔ قرولی بات بات پر بھونکتے ہیں آپ۔

م۔ اہاہاہا۔ تم چپ رہو، ہم اس جنٹل مین سے پوچھتے ہیں کہ یہ کون پاگل ہے۔ بس انھیں باتوں باتوں میں ہم اس کا بھی حال پوچھ لیں گے۔ ہے نہ؟

ص۔ اچھّا! مگر ہندوستانی بدتمیز ہوتے ہیں۔ تم گفتگو نہ کرو اس سے۔

م۔ اب تو اتنے دن ہم بھی ہندوستان میں رہ آئے ہیں ہم سے یہ باتیں نہ کرو اچھا تمھیں پوچھو۔

ص۔ (انگلی کے اشارے سے میاں آزاد کو بلایا۔)

میاں آزاد ایسی بھلا کب سننے والے ٹھے ٹک ٹک دیدم، دم نکشیدم۔ اپلیٹن پلٹنی آدمی، چہرہ مارے غصّے کے لال ہوا۔ غیظ و غضب سے عجب حال ہوا، خیال ہوا کہ ونیشیا قہقہہ لگائے گی تالیاں بجائے گی کہ ایک نگر نک مخاطب نہ ہوا، بات کا جواب تک نہ دیا، ونیشیا نے جو یہ کیفیت دیکھی تو اٹھلاتی اور مسکراتی ہوئی میاں آزاد کی طرف گئی۔ میاں آزاد لیڈیوں سے بولنے چالنے اور جنٹل مینوں میں رہنے کے عادی تو تھے ہی، انھوں نے ایک معزز اور خوب رو اور کم سن لیڈی کو جو مخاطب پایا تو بصد ادب ٹوپی اتاری، اور تسلیم بجالائے۔ مسکرائے اور پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے جائیں گی۔؟

م۔ انگلستان۔

آزاد۔ ہاں۔ ہندوستان میں کس قدر عرصہ تک رہنے کا اتفاق ہوا۔

م۔ بہت کم۔ یہی کوئی برس سوا برس۔

آزاد۔ درست۔

م۔ یہ پستہ قد آدمی کون ہے؟

آزاد۔ جی ایک مسخرہ ہے۔

م۔ خوب باتیں کرتا ہے۔ ہنستے ہنستے اس وقت پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔

آزاد۔ جی ہاں بڑا مسخرہ ہے۔

م۔ (اپنے شوہر کی طرف مخاطب ہو کر) چارلی یہ جنٹل مین کہتے ہیں کہ وہ بونا مسخرہ ہے (آزاد سے) یہ لفٹنٹ اپلیٹن ہیں میرے شوہر، آیئے آپ سے اِن کی ملاقات کرادوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد۔ (ہاتھ بڑھا کر) گڈ مارننگ سر۔

ص۔ (مصافحہ کر کے) گڈ مارننگ۔ آپ کہاں جائیں گے۔

آزاد۔ ٹرکی۔

م۔ ہاں! کیوں؟ کوئی خاص کام ہے یا صرف بہ طریقِ سیر و سیاحت۔

آزاد۔ ایک ضروری کام ہے۔

ص۔ وہاں تو آج کل جنگ چھڑی ہے۔

آزاد۔ جی ہاں میں بھی اسی لیے جاتا ہوں۔

ص۔ اوہ! جنگ کے واسطے۔؟

آزاد۔ ہاں ایک سبب حائل ہے۔

م۔ آپ تو ٹرکی کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ص۔ جی اس میں کیا شک ہے۔

اگر آپ مجھے معاف کریں تو ایک بات دریافت کروں اس وقت آپ آہِ سرد کیوں بھرتے تھے۔ آپ کی ٹھنڈی سانسوں کی طرف میری بیوی نے مجھے متوجہ کیا اس کا کوئی سبب خاص ضرور ہے۔

کیا عرض کروں، کسی ایسے نے مجھے ٹرکی جانے کا حکم دیا ہے کہ اس کی تصویر ہر دم نظر کے سامنے رہتی ہے۔

آزاد۔ ہم پہلے سمجھ گئے تھے کہ آپ کی شادی ہوئی ہے۔؟

آزاد۔ جی نہیں میں ناکتخدا ہوں، مگر ٹرکی سے سرخرو واپس آنے پر میری شادی منحصر ہے۔

م۔ میں سمجھ گئی۔

ص۔ اخاہ میاں آزاد تو آپ کا نام نہیں ہے؟

آزاد۔ (متحیر ہو کر) ہاں! ہے تو یہی نام آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔

ص۔ ایک اخبار میں ہم نے آپ کا ذکر خیر دیکھا تھا۔ آپ تو بڑے لائق فائق اور مشہور و معروف جنٹل مین ہیں۔

جنٹل مین کے لفظ پر ونیشیا نے بصد شوخی اپنے شوہر کو چپکے سے ایک ٹھوکا دیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ خدا کرے میاں آزاد سرخرو آئیں۔

ص۔ میاں آزاد ٹھیک ٹھیک حال بتاؤ کہ کس زن ماہرو کی دلفریبیوں نے ٹرکی جانے پر مجبور کر دیا۔

آزاد۔ دل چوٹ کھا گیا اور کیا بتائیں۔

م۔ نامِ معشوقِ سمن بر کیا ہے ؟

آزاد۔ حسن آرا بیگم۔

م۔ کیا پیارا نام ہے۔ (بھولے پن کے ساتھ) جی چاہتا ہے اس نام کو چوم لوں۔

ص۔ (مسکرا کر) ایں واہ! بہت بھلا معلوم ہوا۔

م۔ مس حسن آرا بیگم پڑھ لکھ تو ضرور لیتی ہوں گی ؟

آزاد۔ نہایت تربیت یافتہ لیڈی ہیں۔ ذکی الطبع، حلیم المزاج، خوش فکر، ہنس مکھ، خندہ پیشانی۔

م۔ حسین تو ضرور ہوں گی۔؟

ص۔ حسین تو ایسی ہیں کہ ہندوستان سے ٹرکی بھیجا، اور جاتے ہیں۔ یہی ثبوت حسنِ گلوسوز کافی ہے۔ قیامت کی پری چہرہ ہوں گی۔

اپلیٹن کسی ضرورت سے ذرا ناخدا کے پاس گئے، تو مس ونیشیا نے بڑی بے تکلفی سے پوچھا کہ حسن آرا بیگم کی صورت، قطع وضع، چال ڈھال، خوبو کیسی ہے ؟ میاں آزاد رسیا آدمی تو تھے ہی ان کو دل لگی جو سوجھی، تو انھوں نے دبے دانتوں کہا کہ بس بعینہٖ آپ ہی کا مکھڑا ہے۔ ایسی ہی گوری گوری گردن، ایسی ہی سیم تن، ایسی ہی عنبریں مو، ایسی ہی قوس ابرو، ایسا ہی بوٹا سا قد۔

م۔ (شرما کر) تو مس حسن آرا میری چھوٹی بہن معلوم ہوتی ہے۔ کیوں صاحب ہمارے گورے پن کی در پردہ خوب تعریف کی۔؟

آزاد۔ (ہاتھ جوڑ کر) معاف کیجیے گا۔ آپ کو اپنے معشوق پری چہرہ کا ہمشکل پایا، تو اس قدر مکالمے کی جرأت ہوئی، ورنہ ہم تھے اور آہِ سرد، ہم تھے اور دل پر درد، ہر دم بے چین، لب پر فغاں زبان پر بین:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کس دن شبِ غم جان کو آفت نہیں ہوتی — کب شام سے یاں صبح قیامت نہیں ہوتی
اللہ ہمیں عشق کے پھندے سے نکالے — دم توڑتے ہیں، قطعِ محبت نہیں ہوتی

الٹی ہی تجھے سوجھتی ہے اے فلکِ دوں
سیدھی کبھی مجھ سے مری قسمت نہیں ہوتی

م۔ سنو! جو چاہتے ہو کہ آرزو بر آئے تو استقلال سے کام لو اور مس حسن آرا کو دل سے بالکل بھلا دو۔ ورنہ مشکل ہے۔ مقدّم تو یہ بات ہے کہ دل قابو میں ہو، جب وطن چھوڑا، احباب چھوڑے، پھر اب بھی مستقل مزاج نہ ہوں گے تو کب ہوگے؟

آزاد۔ دل پر قابو نہیں، ہاں اتنا قابو تھا کہ اس صنمِ ستم کوش و ناز فروش کا کہنا مان لیا۔ روم کا جانا دل میں ٹھان لیا۔ اب اف بھی نہ کروں، ٹھنڈی سانس بھی نہ بھروں۔؟

م۔ اس میں کچھ ہرج نہیں۔ اگر رونا آئے تو ضبط نہ کرو۔ ٹھنڈی سانسیں ضرور بھرو۔ لیکن دل کو ہاتھ سے نہ دو۔ دن رات مس حسن آرا ہی کے خیال میں نہ رہو۔:

ناصحا پند مجھ سے وحشی کو
اس کو سمجھا جو کچھ سمجھتا ہو

م۔ مس حسن آرا ہیں سنگ دل ذرا کیوں؟

راوی۔ بُت تو سنگ دل ہوا ہی کرتے ہیں۔

ص۔ مس حسن آرا کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کیا سن ہوگا ان کا؟

آزاد۔ یہی کوئی چودہ پندرہ سال۔

م۔ این! ذرا سی لڑکی ہے۔ چودہ پندرہ سال؟۔

ص۔ نہیں، نہیں، ذرا سی نہیں ہے۔ ہندوستان کی پانزدہ سالہ لڑکی ہے۔

م۔ (مسکرا کر)، ہاں سچ کہا۔

اتنے میں جہاز پر ایک دل لگی باز کو سوجھی، کہ آؤ خوجی کو بنائیں اور خوب قہقہے لگائیں دو چار اور زندہ دل ان کے شریک حال ہوگئے۔ جب دیکھا کہ میاں خوجی پینک میں سو گئے۔ تو ایک شخص نے دو تتیّا مرچیں ان کی ناک میں ڈال دیں، اور ذقند بھر کے بیس قدم پر ہو رہا، خوجی نے جو آنکھ کھولی، تو آچھیں، آچھیں، آچھیں، چھیں چھیں، باولے کتّے کی طرح ادھر اُدھر پھرنے لگے۔ مس وینیشیا اور لفٹنٹ اپلٹن اور میاں آزاد، اور جہاز کے مسافر ہنستے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہنستے لوٹ گئے۔ حضرت خواجہ بدیع صاحب بہت ہی جھلاّئے، اور خوب ہی گرمائے۔ اب آپ ہی آپ بے نقط سنا رہے ہیں۔

آزاد۔ بھائی خواجہ بدیع صاحب!

خو۔ بس الگ رہیے گا۔ (آچھیں)

آزاد۔ آخر یہ ہوا کیا۔ کچھ بتاؤ تو؟

خو۔ چلیے آپ کو کیا، وہ چاہے جو کچھ ہوا۔ (آچھیں)

آزاد۔ یار یہ اسی بہروپیے کا سارا فساد ہے۔ آپ نے اچھے گھر بیعانہ دیا۔

خو۔ (دیکھیے تو کتنی (ہاچھین) قرولیاں بھونکی ہوں، مردود کو کہ (ہاچھین) یاد ہی تو کرے۔ (چھین)۔

آزاد۔ مگر تم گر گر پڑتے ہو۔ میاں ایک دفعہ جی کڑا کر کے گرفتار ہی کر لو۔

خو۔ ہونہ! کیا ہنسی ٹھٹھا ہے گرفتار کر لینا۔ (آچھیں)

م۔ اس وقت اس نے کیا کیا؟

خو ناک میں مرچیں ڈال دیں، گیدی نے۔

اس پر اور بھی قہقہہ پڑا، اور قہقہے کی آواز نے میاں خوجی کو اور بھی چوندھیا دیا۔ پاتے تو سب کو کچا ہی کھا جاتے، اور بہروپیے کی تو ہڈی تک نہ باقی رہتی۔ مگر خدا گنجے کو نہچے نہیں دیتا۔

آزاد۔ اب کی آپ تاک میں بیٹھے رہیے، بس آتے ہی گرفتار کر لیجیے۔ مگر ہے بڑا شریر۔ سچ مچ ناک میں دم کر دیا ہے۔

خو۔ اف! اوہ! کچھ ٹھکانا ہے۔ یہ ناک میں مرچیں جھونکنا کیا معنی؟ یہ ناک کان کی دل لگی کیسی؟

آزاد۔ اور کیا صاحب یہ بڑی بے جا بات ہے۔

خو۔ بیجا اور بجا کے بھروسے نہ رہیے گا۔ میں ایک اُدھ دن، ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر کے رکھ دوں گا کہاں کے بڑے کڑے خان ہیں۔ آپ کوئی نرا سمجھے ہو مجھے۔ میں نے بھی کمیدانی کی ہے۔

م۔ (میاں آزاد سے) کیا کہتا ہے؟

آزاد۔ (ترجمہ کر کے) کہتا ہے کہ میں فوج میں کپتان رہ چکا ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ ول۔ کپتان صاحب۔

خو۔ واہ، وا، واہ۔

آزاد۔ اور کیوں بندہ پرور! یہ خاکسار نے کیا کیا تھا، جو حضور نے لے ڈالا، اس وقت کہ ہاتھ پاؤں ڈھیلے کر دوں، اور چنیں و چناں۔

خو۔ (آنکھیں کھول کر) ارے یہ آپ تھے۔

آزاد۔ اور نہیں تو کیا آپ کے باپ تھے۔

خو۔ بھائی معاف کرنا!

آزاد۔ یار کوئی تدبیر ایسی کرو کہ بہروپیا پکڑ لیا جائے۔

خو۔ تم بولو نہیں۔ بس دیکھتے جاؤ۔ صبح شام میں گرفتار کیا چاہتا ہوں، گیدی کو۔

آزاد۔ لیکن اب ذرا ہوشیار سوئیے گا۔ بہروپیا گیا جہنم میں، ایسا نہ ہو کوئی حریف روپے دو روپے غائب کر دے۔ بے وقوف کہیں کا۔ ابے گدھے یہاں بہروپیا کہاں؟

خو۔ بس خُردی بزرگی ہو چکی۔ ہمیں جو کہے گا سنے گا بھی۔ بس رخصت (بوریا بندھنا اٹھا کر) بندہ چلتا ہے۔ یارانہ ہو چکا۔ اور سنیئے ہم گدھے ہیں۔ کیا جانے کتنے گدھے ہم نے بنا ڈالے۔

آزاد۔ چلیے گدھے نہیں، گدھے گر، سہی۔ لیکن جائیے گا کہاں یہ بھی خشکی ہے کچھ نامعقول!

خو۔ او جہاز کے کپتان! او ناخدا! جہاز روک لے۔

آزاد۔ ایں! جہاز روک لے'! کیا خوب!

راوی۔ واللہ بھڑکا دیا۔ واہ میاں خوجی، کیوں نہ ہو، اپنے حساب گویا چھکڑے پر لدے ہیں، جب چاہا روک لیا۔

م۔ (زور سے قہقہہ لگا کر) کیا جہاز کو روکنے کا حکم دیتا ہے؟

صا۔ (ہنس کر) ہاں بہت بگڑتے ہیں۔

خو۔ ارے جہاز روک لے۔ او ناخدا!

ص۔ وہ یوں نہ سنے گا دو چار ہاتھ قرولی کے لگائیے تو پھر سنے۔

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ خدمت گار نے آکر صاحب سے کہا حضور حاضری چنی گئی۔

م۔ میاں آزاد سے بھی کہو کہ ہمارے ہی ساتھ کھانا کھائیں۔

ص۔ مسٹر آزاد۔ میری بیوی کی خواہش ہے کہ اس وقت ہم اور آپ ساتھ کھانا کھائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہم اپنی کیبن میں کھاتے ہیں۔

آزاد۔ کیا مضائقہ۔

م۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ بیٹھا اٹھا کیجیے۔ دو گھڑی غم ہی غلط ہوگا۔

آزاد۔ میں کمال مشکور ہوا۔

م۔ مسٹر آزاد۔ ہم دونوں کو تمھارے ساتھ ایک قسم کی ہمدردی ہے۔

آزاد۔ میں تہہ دل سے ممنون ہوں۔ شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، مگر اس قدر مشکور ہوں کہ زبان سے ادا نہیں ہوتا۔

ص۔ جو اس وقت تمھاری کیفیت ہے وہی میری کیفیت تھی۔

م۔ وہ وقت خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے، میں اور پیارے چارلی ایک دن باغ میں ٹہل رہے تھے۔ رات کا وقت، ٹھنڈی ہوا، اودی گھٹا، عجب سہانا سماں تھا۔ چارلی اس وقت ایسے خود رفتہ ہوئے کہ میرے قدموں پر ٹوپی رکھ کر انھوں نے کہا کہ ونیشیا میں تمھیں پیار کرتا ہوں۔ تم پر عاشق ہوں۔ میں نے شرم کے مارے کچھ جواب نہ دیا۔ مگر میری بھی آرزو تھی کہ انھیں کے ساتھ شادی ہو۔ خیر بڑی دیر کے بعد میں نے ان سے زبان ہاری۔ بس پھر ایک ایسا سانحہ ہوا کہ مہینوں روئی۔

ص۔ مزے مزے کی باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک سوار گھوڑے کو کڑکڑاتا ہوا آیا، اور اس نے میرا نام لے کر کہا کہ لفٹنٹ اپیلٹن یہاں ہے؟

م۔ اف جب مجھے وہ وقت یاد آتا ہے تو کانپ اٹھتی ہوں۔

ص۔ بس۔ ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

اس نے پھر میرا نام لیا۔ آخر کار معلوم ہوا کہ میری رجمنٹ کا کرنل ہے۔ کہا کہ ہارس گارڈ سے مجھے حکم ہوا ہے کہ تم کو لے کر صبح کو جہاز پر روانہ ہو جاؤں۔ انگلستان کی ایک نوآبادی سے جنگِ عظیم کسی غنیم نے چھیڑی ہے۔

آزاد۔ ارے غضب! اوہ! ستم! ستم! صبح کو جہاز پر جانا ہے۔ اور شب کو شادی کی باتیں ہو رہی ہیں ہائے اس وقت کیا حال ہوگا۔ معاذ اللہ! معاذ اللہ!

م۔ حال! اپنے آپے میں کون تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ص۔ پیاری ونیشیا کی یہ کیفیت کہ آنسو جاری، اور بولا نہیں جاتا، فرطِ غم سے اظہارِ حال محال ہے، اب فرمائیے، میں اس پیامبر کو سمجھاؤں، یا اپنے دل کو سمجھاؤں، یا ونیشیا کو سمجھاؤں ان کی گریہ وزاری اور بے قراری ناگفتہ بہ، اور کرنل مجھ سے بار بار کہے کہ اپیلٹن اب پانچ ہی گھنٹے باقی ہیں۔ اپیلٹن اب چار ہی گھنٹے باقی ہیں۔ آخر کار میں مجبور ہوا کہ ان سے رخصت ہوا اف! رونا آتا ہے۔

آزاد۔ کیا قیامت کا سامنا تھا۔

ص۔ کرنل نے اس قدر جلدی کی کہ اِن سے اچھّی طرح رخصت بھی نہ ہو سکا۔ مگر جہاز پر جب کبھی ونیشیا یاد آتی تھی، غم کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ ونیشیا کی بھولی بھولی تقریر ستم ڈھاتی تھی۔

آزاد۔

شبِ ہجراں کے عوض موت ہی آئی ہوتی ہمیں اس قیدِ الم سے تو رہائی ہوتی

کل جوانی تھی قیامت، ابھی آئی ہوتی وعدہ دیدار کا ہے، شکل دکھائی ہوتی

بے کسی ساتھ مرے دور تک آئی ہوتی دشتِ غربت میں جو وحشت مجھے لائی ہوتی

وصل کی رات ہے، یوں جلد نہ آئی ہوتی

اے سحر! اور ذرا دیر لگائی ہوتی

م۔ ان کے خطوں پر جو میدانِ جنگ سے میرے نام آئے تھے، میری زندگی کا دارومدار تھا۔ دن رات رونے ہی سے سروکار تھا۔ اف! میری زندگی کے وہ دن بڑے سخت تھے۔

ص۔ مگر خدا نے ہماری سن لی۔

م۔ کوئی دس گیارہ مہینے کے بعد بچھڑے ہوئے باہم ملے۔

میاں آزاد آب دیدہ ہو گئے، تو اس سمن بر، پری پیکر، نے اپنے اودے ریشمی رومال دستی سے اِن کے آنسو پوچھے۔

ص۔ مسٹر آزاد ہم بھی ایک وقت میں ایسے ہی مایوس تھے۔ مگر خدا نے ہم کو ہماری ونیشیا سے ملایا۔ اسی طرح تم بھی مس حسن آرا سے ملو گے ایک دن، خدا کے لیے غم کو دور کرو۔

م۔ آمین!

آزاد۔ ہمتِ مرداں مددِ خدا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ مس حسن آرا کو اپنی خیر و عافیت کے خطوط تو بھیجتے ہو نہ؟

آزاد۔ برابر۔

حاضری نوش جان کر کے، وِنیشیا اور اپیلٹن، اور میاں آزاد، بے تکلفی کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے اِدھر اُدھر، یہ دونوں بیچ ہیں، اس صنمِ رعنا کو لیے ہوئے ٹہلنے لگے۔ آزاد کو وِنیشیا کی ایک ایک چھب بھاتی تھی، اور وہ زنِ جمیلہ کبھی بصد شوخی اِٹھلاتی تھی، کبھی ناز و ادا کے ساتھ مسکراتی تھی۔ واہ رے آزاد! واللہ، خوش قسمت ہو تو ایسا ہو بلا تشبیہ اپنے وقت کے کنھیا تھے۔ جہاں رہے منظورِ گل رخان پری وش ہی رہے۔ جس سے ایک مرتبہ بات کی وہ ہزار جان سے عاشق و شیدا ہو گئی۔ عجب جادو بیان آدمی تھا:

اثر لبھانے کا پیارے ترے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو تری زبان میں ہے

آدمی خوب رو، اور عنبریں مو، جوانِ رعنا، بلند بالا، تو تھے ہی، اور طرہ اس پر یہ کہ بذلہ سنج، و شیریں مقال، خوش تقریر، نازک خیال۔ وِنیشیا کو بھی ان سے ایک پاک محبّت ہو گئی۔ ہر دم انھیں کے ساتھ رہتی تھی، ہنس ہنس کر چہل کرتی تھی، اور اِن کی محبّت کا دم بھرتی تھی۔ اعلیٰ درجے کا عشق صادق تھا۔ اگر جہاز پر وِنیشیا کا ساتھ نہ ہوتا تو میاں آزاد بڑی مصیبت میں بسر کرتے۔ ایک تو تنہائی، دوسرے دردِ جدائی، تیسرے سفر بصورتِ سَقَر، مگر خدا مسبب الاسباب ہے۔ میاں آزاد اِس صفائی اور شرافت سے پیش آئے کہ اپیلٹن کو وِنیشیا کا ان کے ساتھ رہنا بے حجاب و بے تکلف ان سے ہنسنا، بولنا ذرا بھی شاق نہ گذرا۔ آزاد نے جو ایک جوان اور پری چہرہ معشوق کو اپنا ہمدرد پایا، تو خدا کا شکر بجا لائے، کہ خیر دو گھڑی غم تو غلط ہوا، جہاز کا سفر دراز نہ کھلا۔

خوجی۔ (لہرا لہرا کر):

گر تم نہیں تو اور بتِ مہ جبیں سہی
ہم کو تو دل لگی سے غرض ہے کہیں سہی

آزاد نے جو یہ شعر سنا، تو کسی بہانے سے وِنیشیا سے ذرا دیر کے لیے رخصت ہو کر خوجی کو جا کر سمجھایا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد۔ ہائیں! ہائیں! یہ کیا غضب کرتے ہو، اِس کا شوہر اشعار خوب سمجھ لیتا ہے۔ فارسی خواں ہے۔

خو۔ وہ گیدی اس رمز و کنایہ کو کیا جانے۔

آزاد۔ تم بڑے بدّھو ہو۔ لاحَول وَلاَ۔

خو۔ (ہنس کر) ہونھ! کیا اڑن گھائیاں بتاتے ہیں۔ استاد شہید مردوں سے بھی دل لگی! کیوں؟۔

آزاد۔ خدارا ایسی باتیں نہ کرو۔

خو۔ واللہ رے! حسن آر لکے لگ بھگ ہیں، یا نہیں، سچ کہنا استاد، وہ بمبئی والی بیگم بھی ایسی ہی شوخ تھی۔

اتنے میں میاں خوجی کو بتِ رنگین ادا، وینیشیا نے ایک ادائے دل رُبا کے ساتھ انگلی کے اشارے سے بلایا۔ خواجہ بدیع نے جو دیکھا کہ ایک غنچہ دہن، گل بدن کی ان کے حال پر کمال عنایت ہے، تو ریشہ خطمی ہو گئے۔ اور بہت اکڑتے اور اینڈتے ہوئے چلے۔ اہو ہو ہو۔ ذرا حضرت کے قدو قامت کو دیکھیے اور اس بوکھلاہٹ کو دیکھیے، کہ پتّا ہوئے جاتے ہیں۔ اپنے نزدیک لندھور پہلوان کے بھی چچا ہیں۔ اے شاباش ہے، واہ! کیوں نہ ہو اس وقت ذرا پاؤں پھسلے تو دل لگی ہو، مگر مصیبت تو یہ ہے کہ اتنا بڑا ڈوہ کا ڈوہ، جب گرے گا تو جہاز سطحِ آب سے تہہ آب کی خبر لائے گا۔ واللہ رے تری پہلوانی! خیر گُندے تولتے ہوئے آپ میم صاحب کے پاس پہنچے۔

آزاد۔ ٹوپی اتار کر سلام کرو، ٹوپی اتارو خوجی۔

خوجی کا لفظ کہنا تھا کہ خواجہ بدیع صاحب کے غصّے کے تھرمامیٹر کا پارہ ایک سو بیس درجے پر پہنچا۔ بس پلٹ پڑے اور پلٹتے ہی الٹے پاؤں بھاگنے لگے۔

آزاد۔ اوگیدی! (مسکرا کر) اوگیدی! جو پلٹ گیا نہ، تو اتنی قرولیاں بھونکی ہوں گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

م۔ (ہنس کر) کیا ہم سے خفا ہو گئے۔ حضور؟ اے یہ آکے پھر پلٹنا کیا معنی؟ ادھر آیئے صاحب۔

آزاد۔ (خوجی کو روک کر) کیوں بھئی کیا شیطان نے پھر انگلی دکھا دی، میاں خوجی!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خو۔ خوجی مردک پر خدا کی مار، خوجی گیدی پر شیطان کی پھٹکار، ایک دفعہ خوجی کہا ہیں خون پی کر رہ گیا۔ اب پھر دہرایا۔ خدا جانے کب کا دیا اس گاڑھے وقت آڑے آتا ہے، ورنہ واللہ، مارے قرولیوں کے بھُتّا سا سر اڑا دیتا۔ لاکھ گیا گزرا ہوں تو کیا ہوا۔ عمر بھر رسالداری اور کمیدانی ہی کیا کیے ہیں۔ گھانس نہیں کھودی ہے۔ جی ہاں۔

اخاہ! یہ خوجی کے لفظ پر بگڑے، ہم سمجھے ہم سے روٹھ گئے۔

(ریشہ خطمی ہو کر) نہیں میم صاحب، ایسی بات آپ فرماتی ہیں۔

ذرا ان سے اِن کی زوجۂ مکرمہ کا حال پوچھیے۔

کیا آپ کی بیوی کے بھی آپ کے سے لمبے چوڑے ہاتھ پاؤں ہیں۔

اِن کی بیوی کا نام بوا زعفران ہے۔ دیوئی ہے، دیونی۔

خوجی نے جو بوا زعفران کا نام سنا، تو چہرہ زرد، دل سرد، رنگ فق، کلیجہ شق ہو گیا۔ اور یاد جو آیا کہ خوب بے بھاؤ کی پڑی تھیں، تو سہم گئے۔ ایک دفعہ ہی آنکھیں بند کر لیں۔ وِنیشیا سمجھی نہیں کہ کیا اسرار ہے۔ مگر میاں آزاد تو واقف کار تھے سمجھا یا تو خوب کھِل کھلائیں۔

چوری

ایک ایوانِ سپہر توامان، کے بامِ فلکِ احتشام، پر چار کم سن، نوخیز، شوخ و تیز، خاتونانِ معالی دودمان، خواب ناز نین ہیں۔ اور ایک عاشق زار، دل ریش و سینہ فگار، زبانِ حال و قال سے کہہ رہا ہے کہ:

گرفتی پردہ گفتی وقت خواب ست
نہ خواب ست این حریفان را جواب ست

چاروں ہمجولیاں میٹھی نیند سوتی ہیں۔ ایک سروِ سمن بر، دوسری ترکِ زرّیں کمر، تیسری افشاں جبیں، نازنینی، چوتھی غیرتِ لعبتانِ چینی۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ مصوّر کاملِ فن، مسلّم الثبوت استاد، رشکِ مانی، غیرتِ بہزاد نے ناز و ادا اور شرم و حیا کی تصویر کھینچ دی ہے۔ بہار النسا بیگم کی زلفِ عنبر بار سے بہشت کی لپٹیں آتی تھیں۔ روحِ افزا کے گھونگھر والے بال نوجوانوں کے مزاج کی طرح بل کھاتے تھے۔ سپہر آرا کا دستِ حنائی سینۂ صافی پر عجب لطف دکھاتا تھا اور خاتونِ مہ لقا، عروسِ شیریں ادا، بی حسن آرا بیگم کے گورے گورے، پیارے پیارے مکھڑے کے گرداگرد، جعدِ مشک رنگ، دیکھ کر دھوکا ہوتا تھا کہ مہ انور گہ کر چھوٹا ہے۔ ادھر یہ چاروں پریاں بے خبر آرام میں ہیں،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اُدھر نگاہِ شوق اپنا کام کر رہی ہے۔ یعنی خدّامِ عالی مقام شہزادۂ سلیمان قدر میرزا ہمایوں فرؔ بہادر کے پاس ان بتانِ ملائک نظر فریب، عدوے صبر و شکیب، کے بام پر سونے کی خبر لائے اور خود بدولت سنتے ہی مہتابی پر دوڑے آئے۔ سچ ہے:

کمندِ جلوۂ نازِ تو جذبہ دارد

کز آسمان بزمین آورد مسیحا را

جب لیلائے شب کی زلفِ چلیپا، تابہ کمر پہنچی، تو چاندنی کا عمل اٹھ گیا۔ اور کالے کوسوں تک گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا۔ اب وہ چاروں پری پیکر، رشک قمر، نظر سے اوجھل ہوئیں تو شہزادہ بلند ارادہ کے حواسِ خمسہ بلا اجازت فقرّو ہو گئے۔ اپنے معشوقِ شمع رو، کو نہ پایا تو آنکھوں تلے اندھیرا چھایا۔ تاریکی میں بھلا کہیں چاند نظر آیا ہے:

ہے یہ وہ درد کہ جس درد کا چارہ ہی نہیں

واں لڑی آنکھ جہاں اپنا گزارہ ہی نہیں

پلنگ پر لیٹے مگر سونا کیا معنی پلک کا جھپکنا تک محال تھا، جینا وبال تھا۔ کبھی حالتِ بے ہوشی، کبھی خود فراموشی، افسوس:

غلط ست آنکہ گویند کہ بدل راہے ست دل را

دل من زغصہ خون شد دل تو خبر ندارد

طرح طرح کے خیالات، میرزا ہمایوں فر کے دل میں آتے تھے۔ اور دل کی دھڑکن کے مارے اور بھی گھبراتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا سنتے ہیں کہ کوئی دل جلا یہ حقّانی اشعار باآواز بلند پڑھتا ہوا راہ جاتا ہے۔ اور سامعینِ ذی ہوش بادۂ عرفان کے جرعہ نوش کو بے اختیار وجد میں لاتا ہے:

اے ز دردت بے دلانرا بوئے درمان آمدہ

یاد تو مر عاشقاں را مونس جان آمدہ

یہ پر درد، اور معرفت کی ڈوبی ہوئی غزل سن کر شہزادہ ہمایوں فر کے دل کی عجب کیفیت ہوئی۔ ایسے مست ہوئے کہ آنکھ لگ گئی۔ ایک خدمت گار نے بصد ادب آہستہ سے جگایا اور پاؤں دبا کر یوں بیان کیا۔

خادم (خ) حضور حضور!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہزہ۔ ہوں۔
خ۔ حضور میر تصدّق حسین صاحب باندہ سے آئے ہیں۔
شہزہ۔ کون ؟
خ۔ حضور باندہ سے میر صاحب آئے ہیں۔
شہزہ۔ (خراٹے لینے لگے)
میر صاحب (میر) جی حضور کورنش عرض ہے، اٹھیے! اٹھیے! بس اب یہ نخرے رہنے دیجیے، دیکھیے تو کون آیا ہے۔
شہزہ۔ (آنکھ کھول کر) کون صاحب ہیں؟
میر۔ پہچانیے ؟
شہزہ۔ (غور سے دیکھ کر) اسم مبارک ؟
میر۔ میرزا ہمایوں فر۔
شہزہ۔ اخاہ! تصدّق حسین ہیں، (اٹھ کر بغل گیر ہوئے) آؤ یار، بھئی خوب آئے۔
میر۔ کہیے کچھ اڑوسی پڑوسیوں کا حال تو کہیے، مہتابی پردہ دونوں مہ پارہ نظر آتی ہیں، یا نہیں۔
شہزہ۔ ارے میاں اب تو چوکڑی ہے۔ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر، سب مست ہیں۔ مگر چشم شرم آلود، پاسِ ناموس و ننگ، حیا قدم قدم پر ساتھ۔ ادب کا ہر دم خیال۔ بقولِ شاعر:

حیا بہ پیشِ رخت چشم بستہ می آید
ادب بہ بزم تو صد جا شکستہ می آید

میر۔ یہ کہیے گہرے ہیں استاد۔
شہزہ۔ ہاں خوب یاد آیا۔ میں ابھی ابھی تو خواب دیکھ رہا تھا۔ خواب میں، میں نے دیکھا کہ ایک طرّار اور نمکین مہری حسن آرا بیگم کا خط لائی ہے۔ خط پڑھ ہی چکا تھا کہ آپ بلا کی طرح نازل ہوئے۔ جی چاہتا ہے کہ گولی مار دوں۔
میر۔ اور کیوں صاحب! یہ آپ نے توبہ جو کی تھی۔
شہزہ:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بعدِ گل شدم از توبۂ شراب خجل
کہ کس مبادز کردارِ ناصوابِ خجل

اور بھئی حق یوں ہے کہ :

بعزم توبہ سحر گفتم استخارہ کنم
بہارِ توبہ شکن می رسد چہ چارہ کنم

میر۔ ناحق مفت میں ذلیل ہو گے۔ کلنگ کا ٹیکہ لگاؤ گے۔ خدا کے لیے پھر توبہ کرو۔

شہز۔ ابھی ابھی اسی دم مگر :

توبۂ ما چو زلفِ خوبان است
چون شکستیم خوشنما ترشد

میر۔ آخر ان چاروں چھوکریوں میں سے آپ ریجھے کس پر ہیں، یا چاروں پر دل آیا ہے ؟

شہز۔ چار نکاح جائز ہیں یا ناجائز ؟

میر۔ ہاں ! شرعاً تو جائز ہیں، مگر جب چاروں کو ایک نظر سے دیکھیے۔

شہز۔ یعنی کانا ہو جائے۔ ایک آنکھ بھوانی کے بھینٹ کر دے ؟

میر۔ ان چاروں میں، کوئی نہ کوئی کافرادا، سب سے حسن و جمال، اور رعنائی و دل ربائی میں بڑھ چڑھ کر ضرور ہوگی، اس پر آپ سب سے زیادہ لٹو ہوں گے، وہی مطبوعِ طبع ہوگی اسی کا لقب خاص محل ہوگی۔ پھر عدل کہاں۔ اور سالیوں کے ساتھ شادی کرنے کو آپ شرعاً جائز سمجھتے ہیں؛ معقول بولیے حضرت ؟

شہز۔ آپ بھی طرفہ معجون ہیں۔ ایسے سب سالیاں اور سب جورو دین، سالی کی سالی، جورو کی جورو۔ چین ہی چین لکھتا ہے۔

میر۔ تو واقع میں چاروں پر دانت ہیں؟

شہز۔ نہیں میاں ہنستا ہوں۔ دو ہی تو ناکتخدا ہیں۔

میر۔ اچھا تو پھر امیدوار ہم بھی ہیں۔

شہز۔ اب رنگ لائی گلہری۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ محلے میں دفعتہً غل ہوا۔ چور چور، لینا جانے نہ پائے، گانس لو، پھانس لو، لینا گانس لیا ہے۔ جسے دیکھو چونک پڑتا ہے۔ ہائیں ہائیں کہاں ہے؟ کہاں ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوئی چراغ روشن کرتا ہے، کوئی بیوی کا زیور ٹٹولتا ہے، چو طرفہ کھلبلی مچ گئی۔ محلے والے باہم یوں چہ می گوئیاں کر رہے ہیں۔

۱۔ پکڑا گیا، پکڑا گیا!

۲۔ ہاں، ہاں! گرفتار ہو گیا۔

۳۔ ارے کہاں کودا۔ پکڑا گیا چور کہ نہیں پکڑا گیا؟

۴۔ ڈھیلے آج شام کو ہمارے یہاں بھی آئے تھے۔

۵۔ بھیّا اندھیاری رات بڑی کٹھن ہے۔ اور ان ساڑن کی اندھیاری مان چڑھ بنت ہے۔

۶۔ میں نے کئی بار غور سے دیکھا کہ کالا کالا آدمی، مہتابی پر کھڑا ہے۔ جب میں اٹھا تو غائب ہو گیا۔

۷۔ ارے میاں کس کے گھر میں چور آئے تھے؟

۸۔ اجی وہی سامنے والے محل میں۔

۹۔ سامنے والے محل میں، بیگم صاحب کے ہاں؟

۱۰۔ ہاں ہاں بارے بخیر گذشت۔

شہز۔ ارے یار کچھ سنا؟

میر۔ ہاں چور کہیں گھسا تھا۔

شہز۔ کم بخت کہیں نہیں، وہیں وہیں۔

میر۔ وہیں کہاں؟

شہز۔ تمھارے سر میں۔ اجی حسن آرا کے ہاں، اور کہاں۔ کیوں بھئی موقع تو اچھا ہے، چلتے ہو؟ اس وقت، چلو ہو آئیں۔ اسی بہانے احسان جتائیں۔ مفت کرم داشتن۔

میر۔ سوچ لو۔ ایسا نہ ہو پیچھے میرے ماتھے جائے۔ تم تو شہزادے بن کے چھوٹ جاؤ گے۔ مُتو میں بنوں گا۔

شہز۔ (خدمت گار سے) پانی لا، منہ دھوئیں اور بارنش کا بوٹ لاؤ۔

میر۔ چل کر کیا کہو گے؟

شہز۔ مبارکباد۔

میر۔ اپنا! بخوبی انتظام کر کے چلتے ہو کہ گردن ہی ناپی جائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہزر۔ اجی کہیں گے کیا۔ بس افسوس کریں گے۔
میر۔ توافسوس کرنے جاتے ہیں آپ۔ لاحولَ ولا قوۃ۔
شہزر۔ مطلب سعدی دیگرست۔ افسوس اظہارِ ہمدردی ہے۔ شاید اسی پھیر میں نظر آئے، خوش گزرے، کی ٹھہرے۔ اور نہیں تو نہ سہی۔ آواز ہی سن لیں گے حالانکہ:

قانع بہ تجلی نشود طالبِ دیدار
پروانہ بہ مہتاب تجلی نتواں گرد

مگر:

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

(غالب)

دونوں خوش گپیاں کرتے ہوئے چلے۔

حسن آرا بیگم کا محل "عشرت منزل"، کچھ کالے کوسوں تو تھا ہی نہیں، کہ سواری پر جاتے۔ گھر سے دو قدم چلے، اور دن سے داخل۔

کیا دیکھتے ہیں کہ چالیس پچاس آدمیوں کے غول میں، ایک شخص چور کو لیے کھڑا ہے۔ اور چو طرفہ سے بے بھاؤ کی پڑ رہی ہیں۔ ایک نے تڑ سے چپت جمائی، دوسرے نے ٹیپ رسید کی اور بغلی ڈوب کر وہ ہو رہا۔ تیسرے نے آتے ہی زنّاٹے سے دھپ دی۔ چوتھے نے عین کھوپڑی پر چٹاخ سے دھول لگائی۔ الغرض چور پر اتنی پڑیں کہ بلبلا گیا۔ مگر قہرِ درویش بر جانِ درویش۔ کرتا کیا "جائے ماندن نہ پائے رفتن" جھلا جھلا کر رہ جاتا تھا مگر اس کرارے پن کے صدقے کہ اف تک نہ کی۔ چپت پڑی اور گھورنے لگا' دو تین رحم دل، رقیق القلب آدمی تو البتہ بچاتے تھے، اور لوگوں کو سمجھاتے تھے کہ بس اب تو کھوپڑی پلپلی کر دی، باقی اور تڑاتڑ جماتے جاتے تھے۔ ایک نے کہا خوب ہاتھ گرمائے۔ دوسرے نے کہا وہ زنّاٹے کی چپت رسید کی۔ واللہ کہ چھٹی کا دودھ ہی تو میاں یاد کرتے ہوں گے۔ تیسرے بولے میں بھی کڑی آمد کی آگیا' چوتھا بولا ہم تو پولے ہاتھ سے لگاتے تھے۔ جس میں چوٹ بہت کم آئے، مگر آواز وہ ہو کہ چوتھے آسمان کی خبر لائے۔ پانچویں ارے ہاتھ درد کرنے لگا، مگر خدا جانے ربڑ کی کھوپڑی بنی ہے مردود کی، یا اینٹ کی ہے۔ چھٹا جی ہاں جانو کھائی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو جائے گا۔ چھوڑدوں دونوں۔

چور۔ چھوٹوں گا تو چچا ہی بنا کر چھوڑوں گا۔ بچہ، دیکھو تو سہی۔

شہز۔ بڑے شاہین چور معلوم ہوتے ہیں حضرت۔

چور۔ حضور پرسوں غلام درِ دولت پر بھی ہو آیا ہے۔

شہز۔ مجھے کسی نے اطلاع نہ دی، ورنہ میں آپ کی شان کے موافق آپ کی خوب خدمت کر دیتا۔

مصاحب۔ اے حضور یہ گل باز ہے۔ دور دور کے چور اس کا نام سنیں تو کان پکڑیں۔

چور۔ ابے تیرا باپ بھی ہماری ہی ٹکڑی میں بیٹھتا تھا۔

مصاحب۔ چپ، نہیں دوں گا ایک چپوٹا۔ بتیسی حلق میں ہو رہے گی۔

چور۔ چھٹ جاؤں تو چپوٹے اور لپوٹے کا حال بتا دوں۔ کیا کروں بے بس ہوں، ورنہ تم سب کو پیس کے دھر دیتا۔ سرمہ بنا ڈالتا۔ سرمہ۔

نواب صاحب (ن) (بہار النسا بیگم کے میاں) اللہری زبان! کیا طرار آدمی ہے۔

شہز۔ اجی حضرت اس کی پور پور میں پیچ ہیں۔ واللہ اور آدمی شہ زور بھی ہے۔

میر۔ بجا ارشاد ہو، مگر تیل بدن میں ضرور ملے ہے۔

ن۔ جی ہاں یہ اکثر چوروں کا قاعدہ ہے۔

شہز۔ (گستاخی معاف) چوروں کے قاعدے سے حضور خوب واقف نکلے۔ سچ ہے۔ (دلی را دلی می شناسد۔)

ن۔ بجا ہے۔ "دلی را دلی می شناسد" کی اچھی پھبتی کہی۔

میر۔ حضرت یہ آخر آیا کدھر سے اور پکڑا کیوں کر گیا۔؟

ن۔ میں پھر پھرا کر کوئی دس بجے کے وقت شہر سے آیا، تو پھاٹک کے پاس سرنگ گھوڑے نے ٹھوکر لی۔ کوئی بیس منٹ تک مشعل روشن کرا کے میں نے گھوڑے کو دیکھا، اور ایک آدھ گھنٹے تک باغ میں ٹہلا کیا۔ گیارہ بجے اندر گیا۔ دسترخوان بچھا۔ کھانا کھایا۔ لوٹتے پوٹتے بارہ بج گئے۔ مگر ایک بجے پھر آنکھ کھل گئی ٹہلا کیا۔ دو کے عمل میں خوب میٹھی نیند آئی۔ بس ایک دفعہ ہی "حضرت سلامت" غل کی آواز سنی، تو چونک اٹھا، معلوم ہوا کہ چور آیا ہے۔ تلوار لے کر دوڑ پڑا۔ اب سنیے! چور جو گھر آیا تو زینے پر چڑھنے لگا۔ میں نواد پر سے آرہا ہوں اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وہ نیچے سے زینوں پر چڑھتا ہے۔ بیچوں بیچ میں مڈھ بھیڑ ہوئی، اس نے چھری نکالی، مگر میں نے ایک ہاتھ چھوڑا۔ ولایتی چھپچھلتی ہوئی پڑی۔ ذرا ہاتھ اوچھا نہ پڑے تو بھنڈارا کھل جائے مگر اس کی بدی تو تھی ہی نہیں، بچ نکلا۔ پھر قبلہ تلوار کی چمک کے آگے کون ٹھہر سکتا ہے۔ بھلا۔ ایسا سہما کہ ہوش بتیرا، حواس فقر ّو ہوگئے۔ بھاگتے راہ نہ ملی، پاؤں کہیں رکھتا ہے، قدم کہیں پڑتا ہے۔ زینہ اترتے اترتے دوبار ٹھوکر کھائی۔ اب چھت پر پہنچے وہاں مستورات کھڑی غل مچا رہی تھیں۔ جھپٹ کے چاہا کہ نیچے کود پڑے، مگر جب تک میں پہنچوں پہنچوں، میری چھوٹی سالی نے اس پھرتی سے رسّی کا پھندا بنا کر پھینکا کہ الجھ کر آرارا کے گرا۔ اٹھ کر بھاگنے ہی کو تھا، کہ بندۂ درگاہ تڑاق سے موجود۔ جاتے ہی چھاپ بیٹھا۔ عورتوں نے دہائی دینا شروع کی اب ہزاروں قسمیں دے رہی ہیں کہ نہ چھوڑے تو ہمارا ہی مردہ دیکھے، نہ چھوڑے تو ہماری ہی بھتّی کھائے، نہ چھوڑے تو ہمیں کو روئے، ہمیں کو ہے ہے کرے۔ مگر میں کچھ سڑی تو تھا ہی نہیں کہ چھوڑ دیتا۔ چو طرفہ سے خوب گانسے رہا۔ اتنے میں خدمت گار، سپاہی، نوکر چاکر، سب آن موجود ہوئے۔ مشکیں کسی گئیں حضرت کی، اور کشاں کشاں لوگ ان کو یہاں لائے، تب سے بے بہاؤ کی پڑ رہی ہیں ان پر، مجھ کو دھمکاتا ہے مردک، کہ جب چھوٹوں گا تو حلال ہی کر ڈالوں گا۔ مگر یہاں ان بھرّوں میں کب آتے ہیں۔

شہزر۔ اجی بکنے دیجیے نامعقول کو۔ ذرا کسی آدمی کو حکم دیجیے کہ دیکھے، بید کے نشان تو نہیں ہیں؟ ابھی تو سارا آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔

ن۔ بہت خوب۔ حسین علی۔ دیکھ تو لو۔

حسین علی۔ ارے صاحب! مار کے بید ہی بید کے نشان ہیں۔

گردھاری کرمی۔ ہم سے سنیے پارسال ہمارے کھیت میں بیٹھا تھا۔ مولی چرائی، ککڑی چرائی، کدّو چرائی، پکڑا گیا تو پندرہ جرب (ضرب) بید کا حکم ہوا

شہزر۔ ہاں تو سزا یافتہ ہیں حضور یہ کہیے۔

میر۔ اب کی پھر بڑا گھر دیکھا میاں نے۔

بےچودر۔ ہو نہ وہ تو نہال ہے۔

میر۔ شاباش بے حیا کے بیسوں بسوے۔

ن۔ (شہزادے سے) یہ آپ نے کہاں اس وقت تکلیف فرمائی۔ پڑوسیوں پر اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

درجہ ہمدردی ؟

شہزہ۔ حضرت ہمسایہ گھر کا جایا۔ میں نے کہا چل کر دیکھوں تو، کیا واردات خدا نخواستہ ہوئی، بارے شکر ہے کہ بخیر گذشت۔ آپ اس قدر قریب ہیں، مگر خدا آپ کو توفیق ہی نہیں دیتا کہ کبھی غریب خانہ تک تشریف لائیے۔ سچ ہے:

شاہان کم التفات بحالِ گدا کنند

ن۔ پیرو مرشد کیا عرض کروں۔ بوجوہ چند در چند حاضر نہ ہو سکا۔ معاف فرمائیے گا ذرا دم کے دم تشریف رکھیے، حقہ نوش فرمائیے۔

شہزہ۔ بہت اچھا۔ حضرت ہم تو بے تکلف آدمی ہیں۔

ن۔ چلیے کوٹھی میں بیٹھیں۔ یہاں اُوس مضر ہے۔

شہزہ۔ اے حضرت اس وقت حبس میں تو کچھ بیٹھنا نہیں اچھا معلوم ہوتا ہے۔

ن۔ کیا مضائقہ، کرسیاں لاؤ جی، مونڈھے نکالو۔

نواب صاحب اور شہزادۂ میرزا ہمایوں فر، اور میر صاحب کرسیوں پر دروازے کے قریب متمکن ہوئے۔ تو یوں باہم چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔

ن ان ذاتِ شریف کو اب کو توالی چبوترہ دکھاؤ۔

شہزہ۔ حضرت آپ کی سالی تو واللہ بڑی شیر دل نکلیں۔ دوسری کم سِن عورت ہو تو ڈر جائے، اے ہے! بوٹی بوٹی کانپنے لگے، واللہ!

ن۔ جی ہاں۔

شہزہ۔ چھوٹی ہیں نہ آپ کے گھر کے لوگوں سے؟

ن جی ہاں۔

مکان کے اندر ان مہوشانِ زہرہ تمثال، اور گل رخانِ جادو جمال، کے فرشتہ خاں کو بھی خبر نہیں کہ باہر میزبان ہمایوں فر تشریف رکھتے ہیں۔ آپس میں ہنس ہنس کر یوں باتیں کر رہی تھیں:

مچھلی کو کیا خبر تھی کہ پانی میں شست ہے

سپہر آرا۔ (سپہر) ہے ہے! باجی میں نے جب اس کالے کالے سنڈے کو دیکھا تو سن سے جان نکل گئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روح افزا۔ (روح) موا اتنا کو پنڈا تھا موٹے موٹے ہاتھ پانوں۔
سپہر۔ جنازہ نکلے مونڈی کا۔ عَلَم بردار کا علم ٹوٹ پڑے۔
حسن آرا۔ (حسن) وہ تو خیر گزری کہ صندوق ہاتھ سے گر پڑا، نہیں تو سب مُوس لے جاتا۔
سپہر۔ بہار النسا بہن کی چڑ چڑی ساس لاکھوں ہی سناتیں کہ میری بہو کا گہنا سب بیچ کھایا، جانے کیا باندھنو باندھتیں۔
بہار النسا۔ (بہار) چور چور، کی بھنک کان میں پڑی، تو میں کلبلا کر چونک اٹھی، بھاگی تو چونڈا بھی کھل گیا، اللہ جانتا ہے بڑی محنت سے باندھا تھا۔ چلو خیر۔
روح (قہقہہ لگا کر) بس ہماری باجی کو دن رات چوٹی کنگھی، بناؤ چناؤ، ہی کی فکر رہتی ہے۔ خواب میں بھی نکھرتی ہی ہوں گی۔
حسن۔ بھئی خاتونِ جنّت کی قسم، جتنا ان کو اس بات کا خیال ہے اور جس قدر یہ بنی ٹھنی رہتی ہیں اس قدر ہمارے خاندان بھر میں تو کسی کو نہیں ہے، جب ہی تو دولہا بھائی ان پر ریجھے ہیں۔ کیوں بہن؟
بہار۔ چلو بیٹھی رہو۔ چھوٹا منہ بڑی بات
سپہر۔ بگڑ گئیں، بگڑ گئیں، جیسے کوئی ان کی دھمکی میں آجائے گا۔
روح۔ باجی! ذرا تمھیں اپنے دل میں سوچو کہ کہاں تو چور کی بات چیت ہو رہی تھی اور کہاں تم نے اپنے جوڑے کا ذکر چھیڑ دیا۔ اور کہے سے چڑتی ہو۔
حسن۔ اماں جان روز کہا کرتی ہیں کہ خورشید دولہا کو بہار النسا کے ساتھ عشق ہے۔
بہار۔ ہاں سنا ہے، ہونھ، عشق ہے، کالے سر کی ایک تو ان سے بچنے نہیں پاتی ہے۔ عشق ہے آئیں وہاں سے بڑی وہ بن کے۔ عشق نہیں وہ ہے۔
سپہر۔ کیا دولھا بھائی سے کچھ اچھی ہیں آپ۔
بہار۔ جائیے برے ہی سہی، پھر آپ کو کیا۔ اے ہاں ٹر ٹر لگائی ہے ناحق بن ناحق۔ کون اچھا ہے، کون برا ہے۔ پھر۔

اب لطیفہ سنیئے کہ میرزا ہمایوں فر باہر بیٹھے چپکے چپکے ساری گفتگو سن رہے تھے۔ بعض بعض پیاری پیاری بھولی بھولی باتوں پر ہنسی بڑی دقتوں سے ضبط کر سکے۔ نواب بیچارے کٹ کٹ گئے، مگر چپ۔ مجبور اندر جا کر سمجھائیں تو بھی خلاف ادب ہے۔ چپکے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیٹھے رہیں تو بھی رہا نہیں جاتا۔ جان عذاب میں تھی، حقہ پی کر شہزادۂ بلند ارادہ نے کہا کہ سیری تو نہیں ہوئی مگر اب تخفیفِ تصدیع۔ یار زندہ صحبت باقی۔

ن۔ تشریف لے جائیے گا۔ اس وقت آپ نے کمال ممنون فرمایا:

زقدر و شوکتِ سلطان نگشت چیزے کم
ز التفات بمہان سرائے دہقانی
کلاہِ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید
کہ سایہ برسرش انداخت چون تو سلطانی

(سعدی)

شہز۔ حضرت! بندہ تو آپ سب صاحبوں کا خاکِ پا ہے۔ ایک ذرۂ بے مقدار۔ ناچیز عامی۔ شاہی اور شہزادگی اور سلطانی اور خسروی کس کی۔

ن۔ یہ آپ کی بزرگی ہے، اس درجہ کسرِ نفسی عین دلیلِ کمال ہے۔

میر۔ آپ ہمارے ملک کے شہزادے ہیں۔

ن۔ اس میں کیا شک ہے۔

شہز۔ اجی حضرت آپ نے سنا نہیں:

کہ درین راہ فلان ابنِ فلان چیزی نیست

اب رخصت ہوتا ہوں۔

ن۔ فی امان اللہ۔

اِدھر شاہزادۂ والا نژاد، فرخ نہاد، بادلِ شاد، اپنے دولت خانہ عظمت کاشانہ کی طرف بصد زیب و تجمّل، میر صاحب سے باتیں کرتے، اور فرطِ طرب سے مستانہ وار قدم دھرتے، روانہ ہوئے۔ اُدھر نواب صاحب نے محل سرا میں تشریف ارزانی فرمائی، اور یوں باتیں کرنے لگے۔

ن۔ تم لوگوں کی بھی عجب عادت ہے۔ جب دیکھو گی کہ کوئی غیر آدمی آن کر بیٹھا ہے۔ بس تب ہی خواہ مخواہ غل مچاؤ گی۔ اس وقت ایک بھلے مانس بیٹھے تھے اور یہاں چہل ہو رہی تھی۔ ایک بولی دولھا بھائی ان پر ریجھے ہیں، دوسری بولی تم کو سوائے بناؤ چناؤ، اور سنگار پٹار کے اور بھی کچھ آتا ہے۔ گھر بھر کا کچّا چٹھا کہہ سنایا، اور میں دل ہی دل میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کٹ کٹ کے رہ گیا۔

بہار۔ وہ بھلے مانس نگوڑا کون سڑی سودائی تھا۔ جو اتنے وقت پنچایت کرنے آبیٹھا۔

روح۔ اے تو اب کوئی ان کے مارے اپنے گھر میں بات نہ کرے۔ گھونٹ کر مار نہ ڈالیے۔ واہ یا تو دولھا بھائی اتنی انگریزیت برتتے ہیں کہ ڈاکٹر کو منہ دکھاؤ، یا اتنا پردہ کہ کوئی اپنی چار دیواری میں بھی نہ بولے۔

حسن۔ ہم بھی تو سنیں دولھا بھائی، وہ بھلے مانس کون تھے؟

ن۔ اجی یہی جو سامنے رہتے ہیں شہزادے۔

بہار۔ ہمایوں فر۔

ن۔ ہاں ہاں!

حسن۔ ارے تو آپ نے آن کر ہم سے کہہ کیوں نہ دیا۔

روح۔ اے ہاں پھر ہم کاہے کو بولتے۔

بہار۔ اپنی خطا نہ کہیں گے دوسروں کو مفت للکاریں گے۔

ن۔ اس وقت وہاں سے آنے کا موقع نہ تھا۔ حسن آرا! تمھاری بڑی تعریف کرتے تھے۔

حسن۔ (رنگ فق)

سپہر کلیجا دھک دھک کرنے لگا۔

روح افزا نے حسن آرا کے چپکے سے چٹکی لی۔ حسن آرا کا خون خشک ہوگیا کہ بار خدا کہیں موذی نے اپنی طرف سے نمک مرچ لگا کر، تو نہیں کچھ پٹی پڑھا دی ہے۔ بہار النسا تو ہاز داں تھی ہی بات ٹال دی۔

بہار۔ اب وہ چور کہاں بھیجا گیا؟

ن۔ مجھ سے ہمایوں فر نے پوچھا، کہ چور کس نے گرفتار کیا۔ میں نے کہا میری چھوٹی سالی نے۔ بہت ہی ہنسے اور کہنے لگے کہ بڑی عقلمند معلوم ہوتی ہے۔

بہار۔ ارے! ابھی تعریف کرتے تھے حسن آرا کی۔

ن۔ ہاں بہت خوش ہوئے

یہ بات جو سنی، تو حسن آرا کی جان میں جان آئی، نواب باہر گئے کہ باغ میں مسہری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر مزے سے آرام کریں۔ تو ان بہنوں کو باہم مکالمہ کرنے کا اچھا موقع ملا۔ بے تکلفی سے باتیں کرنے لگیں۔

حسن۔ اُف اللہ جانتا ہے میں تو دھک سے رہ گئی۔ ہے ہے! تھر تھر کانپتی تھی کہ یا اللہ! دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ میرا ماتھا ٹھنکا کہ ان کا عورت کے بھیس میں یہاں آنا، اور بیٹھنا اور گلوریاں کھانا، اور بے دھڑک ہم کو بے حجاب دیکھ جانا، اور پلنگ ڈھانا، اور خط بھجوانا، سارا کچا چٹھا کسی گھر کے بھیدی نے دولھا بھائی سے کہہ دیا۔

روح۔ اور میں کیا سمجھی؟ میں بھی یہی سمجھی بہن۔ جب ہی تو میں نے چٹکی لی کہ ہے ہے! غضب ہی ہو گیا۔

بہار۔ میری بری گت تھی اس وقت اسی سے میں نے بات کاٹ دی کہ کسی وقت اکیلے ہیں باتوں باتوں میں، ٹوہ لوں گی کہ آخرش یہ ماجرا کیا ہے۔ کچھ سنیں تو سہی۔

سپہر۔ سچ کہوں میں تو بھاگ جانے کو تھی۔ جی چاہتا تھا جا کے کنویں میں کود پڑوں۔

حسن۔ ہاں صورت دکھانے کے لائق تو نہ رہتی پھر۔

سپہر۔ اور اس موئے کی بدذاتی اور ڈھٹائی تو دیکھو، کہ چور کا نام سنتے ہی آ ڈٹا۔ بھلا کیا وجہ تھی اس کی۔ ایسا کہاں کا بڑا رستم تھا۔ خاصہ بدذات ہے، چھٹا ہوا۔

حسن۔ تین بجے ساڑھے تین بجے کے وقت آپ جو آئے تو کیوں آئے؟

روح۔ میں بتاؤں: اس کو یہ خبر نہ ہو گی کہ دولھا بھائی گھر پر ہیں، نہیں تو نہ آتا۔ اور جو یہ نہ ہوتے تو چوری کے پھیر میں وہ تو گھر میں گھس پڑتا۔

بہار۔ نہیں واہ۔ شہزادہ ہے۔ کوئی ایسا ویسا ہے۔

سپہر۔ کام تو شہدوں کے ایسے ہیں۔

اب ایک اور لطیفہ سنیے! چور آیا۔ غل غپاڑا ہوا، پکڑا گیا، زمانہ بھر میں ہلڑ مچا محلہ بھر جاگ اٹھا، چور تھانے پر پہنچا، مگر بڑی بیگم صاحب ابھی تک خرّاٹے ہی لے رہی ہیں۔ جب بیدار ہوئیں تو بی مغلانی کو آواز دی۔

بڑی بیگم۔ (ب) مغلانی! مغلانی! کیا مر گئی؟

مغلانی۔ جی کہیے۔

ب۔ کچھ غل سا مچا تھا ابھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی۔ سبحان اللہ۔ بہت جلد چھٹیں۔
مغلانی۔ ہاں بیگم صاحب کچھ آواز تو آئی تھی۔
راوی۔ معقول بڑی بی تو بڑی بی چھوٹی بی سبحان اللہ۔
ب۔ ذری کسی سے پوچھو تو۔
مغلانی۔ اے بیوی پوچھنا اس میں کیا ہے۔ بھیڑیا و یڑیا آیا ہوگا۔
ب۔ میں نے آج ہاتھی کو خواب میں دیکھا ہے۔ اللہ بچائے۔
پیاری کی ماں۔ (پیا) بیگم صاحب رات چور آیا تھا۔
ب۔ کیا؟ کس کے ہاں؟
پیا۔ آپ کے ہاں اور کس کے ہاں۔
ب۔ اف اللہ بچائے۔ مغلانی جا کے پوچھو تو۔ دیکھو سب خیریت ہے نہ۔ بس تم اتنا پوچھنا، روح افزا سے، کہ بڑی بیگم صاحب پوچھتی ہیں یہ غل کیسا مچا تھا؟۔

حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا تینوں کی تینوں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ کوئی دس منٹ تک قہقہہ رہا۔ شاید ہمارے ناظرین پوچھیں کہ، بہار النسا بیگم کہاں تھیں۔ بس نا گفتہ بہ نواب صاحب جانیں اور وہ جانیں۔

حسن۔ اماں جان بہت جلد جاگیں۔ بی مغلانی کیا تم بھی گھوڑے بیچ کر سوئی تھیں؟۔ اللہ ری نیند۔
مغلانی۔ ذری آنکھ لگ گئی تھی، مگر کچھ غل کی آواز ضرور آئی تھی۔
حسن۔ کچھ کچھ، محلہ بھر جاگ اٹھا تمہارے نزدیک کچھ ہی کچھ غل تھا، ٹھیک۔
روح۔ دونوں اچھی رہیں۔ چور آیا، غل مچایا، کوٹھوں کوٹھوں دوڑا، پکڑا گیا، تھانے بھیجا، اب جب سب کے سب سونے لگے تو تم آن کے پوچھتی ہو کہ کیا غل مچا تھا۔
سپہر۔ اے کاہے کے واسطے بہکاتی ہو۔ بی مغلانی تم جا کے سو رہو۔ غل تھا نہ ول تھا، کوئی سوتے سوتے بڑا اٹھا ہوگا، تم جاؤ سو رہو۔
حسن۔ جا کے بڑی بیگم صاحب سے کہہ دو کہ چور آیا تھا مگر جاگ ہو گئی۔
مغلانی۔ اے خدا نہ کرے۔ ابری فال منہ سے نکالو۔
تینوں بہنیں مغلانی کی سادگی پر ہنس پڑیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن۔ اف بہن! پیٹ میں بل پڑ گئے۔

روح۔ میرا تو برا حال ہے، مارے ہنسی کے اف!

سپہر۔ بی مغلانی تم نے تو دھوپ میں بال سفید کیے ہیں۔ کہتے جاتے تھے کہ چور تھا نہ بودر تھا یہ دونوں بہنیں مل کے تم کو بے وقوف بناتی ہیں۔ تم مانتی ہی نہیں۔

مغلانی۔ اے گیا چولھے میں نگوڑا چور۔ ادھر آنے کا رخ کرے تو آنکھیں ہی پھوٹ جائیں موے کی۔ کیا ہنسی ٹھٹھا ہے۔ اندر سے باہر تک، اللہ کی عنایت سے پچاس آدمی، چور مونڈی کاٹا آئے گا کدھر سے۔

سپہر۔ دیکھو تو سہی بھلا۔ اور پھر بری فال منہ سے نکالنا۔

مغلانی۔ ابھی بڑی بیگم سن لیں تو غل مچائیں۔

سپہر۔ اور نہیں تو کیا ان کو ایسی باتوں سے بڑی چڑھ ہے۔ بی مغلانی کو نیند کے جھونک میں اٹھنا بڑا خار گزرا تھا۔ یہاں آئیں تو ان سب نے مل کر بنا ڈالا۔ جھنجلائی ہوئی گئیں۔ اور بڑی بیگم سے یوں کہنے لگیں۔

مغلانی۔ اے حضور! نہ کچھ ہے نہ وے۔ بے کار و بیکار کو جگایا۔

ب۔ آخر کچھ کہو گی بھی یا بڑبڑایا کرو گی؟

مغلانی۔ (لیٹ کر) کہوں کیا بیوی۔

ب۔ آخر کہیں گئی تھیں، کچھ پیغام کہا، غل کیسا تھا؟۔ چور آئے تھے۔ بھیڑیا تھا۔ کیا تھا۔؟

مغلانی۔ نہ بھیڑیا تھا نہ چور تھا، نہ کہیں غل تھا، نہ شور تھا، کوئی سوتے سوتے بر ّا اٹھا، بس اور تھا کیا۔

ب۔ پیاری کی ماں!

پیا۔ آئی حضور آئی کہیے۔

ب۔ تم باہر جا کر آدمیوں سے ابھی پوچھو کہ یہ غل کیسا تھا۔

پیا۔ بیوی میں ابھی گھڑی ڈیڑھ گھڑی ہوئی کہ باہر سے آئی ہوں۔ کوٹھے پر گل منھا آیا تھا۔ کوٹھری کا قلف (قفل)، توڑ کر جمع جتھا ٹٹولتا تھا، مُل (مگر) صندوق جب اٹھایا تو بھڑ بھڑا کے گر پڑا ہاتھ سے۔ بس جاگ ہو گئی۔ اتنے میں نواب صاحب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوٹھے پر سے ننگی تلوار لے کر دوڑ آئے۔

(پیاری کی ماں کھانسنے لگی)

ب۔ ہاں ہاں پھر، کھانسی بھی نگوڑی اسی وقت آتی ہے۔

پیا۔ پھر چور کو پکڑ لیا۔ بس نیچے لے گیا، وہ سئیس پکڑ کے میں آ، تو آ، محلہ بھر جاگ اٹھا۔ سب دوڑ آئے۔ بیوی میں کیا کہوں، کئی گھونسے پڑے، دے مکی، گھوم نکال ڈالا۔

ب۔ خورشید دولھا کے دشمنوں کو تو کہیں چوٹ ووٹ نہیں آئی۔؟

پیا۔ نا بیوی ایک پھانس تک تو جبھی نہیں۔

ب۔ چور کچھ لے تو نہیں گیا۔

پیا۔ ایک جھنجھنی تک نہیں لے جانا تو ضرور، مل جاگ جو ہو گئی۔

ب۔ چور اب ہے کہاں ؟

پیا۔ نواب صاحب نے اس کو خادم حسین کے سپرد کر کے تھانے بھیجا ہے۔

ب۔ گیا موا جہل خانے (جیل خانہ)

مغلانی۔اب چکی پیسنی پڑے گی۔

ب۔ تو تو کہتی تھی کہ کوئی سوتے سوتے بڑّا اٹھا تھا۔ جھوٹی زمانے بھر کی۔ ذرا صاف صاف نہ پوچھا گیا۔ چل، جا، ہٹ!

مغلانی۔اے بیوی حسن آرا بیگم۔

ب۔ بس، چلو اب بہت باتیں نہ بناؤ۔ شرمائے، نہ شرمانے دے۔

روح۔ (حسن آرا سے) اب نہ سوؤ نہیں تو نماز قضا ہو جائے گی۔

سپہر۔اے نہیں، ابھی کوئی چار کا عمل ہو گا۔

حسن۔ چار بج گئے۔ ہماری بھی آنکھیں جھکی پڑتی ہیں۔ ابھی دو گھنٹے رات ہے۔

بہار النسا بھی تشریف لائیں۔

بہار۔ اب دو گھنٹے رات کہاں ہے۔ چار بج گئے۔ساڑھے پانچ پر تڑکا ہوتا ہے۔

حسن۔ ہاں جب ہی:

مرغانِ سحر چہک رہے ہیں
گلہائے چمن مہک رہے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار۔ چشم بد دُور، ہماری بہن کیا جلد شعر کہہ لیتی ہیں۔ کسی روز اپنے دولھا بھائی کو شعر سناؤ۔

حسن۔ واہ ہم کیا، اور ہمارے شعر کیا، کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا۔

بہار۔ اے تم سب نے مل کر قہقہہ لگایا تھا۔ نواب سمجھے کہ ان کی تم کسی بات پر ہنس رہی ہو، ہم سے کہا تھا کہ تمھاری بہنیں ہم کو ہنس رہی ہیں۔ چھیڑخانی بری۔ پھر ہم بھی چھیڑیں گے تو اپنی داؤں برا نہ لگے۔

روح۔ اونھ اونھ چھیڑیں گے۔

سپہر۔ کہیے شوق سے چھیڑیں۔

حسن۔ بڑی بہن کے پیارے دولھا ہیں، نہیں تو ہم سب مل کر ان کو بنا لیتے۔

خیر اس حیص بیص اور چہ می گوئی میں، پو پھٹنے لگی۔ اب تھانے کا حال سنیے! کہ کوئی ساڑھے تین بجے کے وقت نواب صاحب کے نوکر چور کو لے کر تھانہ پر پہنچے۔ تھانہ دار صاحب ندارد۔ جمع دار شراب پیے مست پڑے ہیں، محرر چوک کے کسی کمرے پر ہیں۔ کانسٹبل اپنی اپنی ڈیوٹی پر، صرف ایک برق انداز تپائی پر بیٹھا اونگھ رہا ہے۔۔۔

خادم حسین۔ (خا) (ملازم نواب صاحب) صوبہ دار صاحب ہیں؟

کانسٹبل۔ اونگھ رہا ہے۔

خا۔ ارے یہاں کوئی ہے؟

کانسٹبل (پینک میں)

خا۔ ارے یہاں کوئی ہے، یا سب کو سانپ سونگھ گیا۔

خدمت گار۔ (خد) اچھا سنّاٹا ہے۔

خا۔ (آگے بڑھ کر) ارے کوئی ہے؟

کانسٹبل۔ حکم ور۔

خا۔ ذرا سامنے آؤ۔

کانسٹبل۔ کون؟

خا۔ خادم حسین۔

کانسٹبل۔ کہاں سے آئے ہو؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خا۔ اب یہاں تک آؤ گے بھی، کہ وہیں سے باتیں بناؤ گے۔ کب سے حیران ہیں کچھ ٹھکانا ہے۔

کانسٹبل۔ (اٹھ کر) کہاں سے آئے ہو، کیا کوئی واردات ہو گئی؟

خا۔ ہاں اِن کو پہچانو، رات کو کوئی تین بجے چوری کرتے ہوئے پکڑے گئے۔

کانسٹبل۔ اف! وہی جھگڑے کی سنائی، کتنے کی چوری ہوئی۔

خا۔ چوری ہونے نہیں پائی تھی کہ جاگ ہو گئی۔

کانسٹبل پھر۔

خا۔ پھر یہ پکڑے گئے، مشکیں کسی گئیں۔ ذلیل ہوئے۔

کانسٹبل محلہ کا کانسٹبل تو ساتھ آیا ہی نہیں۔

خا۔ کانسٹبل کسی حلوائی کی بھٹی میں سو رہا ہوگا۔ برق انداز کا کہیں پتا ہی نہ تھا۔ سارا محلہ بھرا منڈ آیا، مگر سپاہی کا پتا نہ تھا۔

کانسٹبل۔ جب مال چوری ہی نہیں گیا، تو اس کو پکڑ کیوں لائے بے چارے کو۔؟

چور۔ (مارے خوشامد کے) ہاں صوبہ دار صاحب دیکھو تو بھلا۔

کانسٹبل۔ بے کار جھگڑا بڑھایا۔

خا۔ اب کچھ رپٹ وپٹ لکھو گے یا نہیں؟

کانسٹبل۔ اجی کیسی رپٹ۔ آئے وہاں سے رپٹ لکھو۔ چھوڑ دو چور کو۔

خا۔ واہ چھوڑ دینے کی ایک ہی کہی۔ لکھیم پور کے تھانے پر میں بھی چار مہینے محرر رہ چکا ہوں۔ اور سنیے کہنے لگے چھوڑ دو۔ واہ وا واہ!

کانسٹبل نہ چھوڑو گے تم۔

خا۔ ہوش کی دوا کرو میاں۔ کسی اور بھروسے نہ بھولنا میں کسی ایسے ویسے کا نوکر نہیں ہوں۔ میاں بڑے نامی وکیل ہیں، اور گھر کے رئیس۔ چھوڑ دینے کی ایک ہی کہی۔ اس کے ساتھ تم کو بھی پھنسواؤں تو سہی۔ محلے کے برق انداز کی تو نوکری میں فرق آ گیا۔ سمجھو۔ وہ تو بچتا نہیں نظر آتا۔

کانسٹبل۔ (چور سے) ابے تجھے انھوں نے کتنے گھنٹے اپنے ہاں رکھا تھا۔

چور۔ صاحب پکڑ کے بس یہاں لے آئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کانسٹبل۔ دُت گو کھے، ابے تو کہنا کہ میں راہ راہ چلا جاتا تھا، ان سے مجھ سے لاگ دانٹ تھی، انھوں نے گھات پاکر مجھے پکڑ لیا، اور خوب پیٹا، اور چار گھنٹے تک اصطبل کی کوٹھری میں بند رکھا۔

چور۔ لاگ ڈانٹ کیا بتاؤں۔

کانسٹبل کہہ دینا کہ اس شخص کی جورو پر یہ بری نگاہ ڈالتے تھے تو میں نے کئی دفعہ ان کو ٹوکا، یہ زبردست ہیں غریب آدمی، بس لاگ ڈانٹ ہو گئی۔

چور۔ مگر میری جورو تو چار برس ہوئے ایک کے ساتھ نکل گئی۔

کانسٹبل۔ بس تو بات بن گئی۔ کہہ دینا کہ انھیں کی سازش سے نکلی تھی۔

چور۔ میں گاؤں پر تھا جب وہ ایک کے ساتھ چل دی۔

کانسٹبل۔ اچھا تیرے گھر میں کوئی اور جوان ہے؟

چور۔ ہاں۔ بہن ہے۔

کانسٹبل۔ کیا سن ہو گا۔

چور۔ لڑکوری ہے۔ کوئی بیس بائیس برس کی ہو گی۔

کانسٹبل۔ کیسی ہے؟

چور۔ آپ سے رنگ کھُلتا ہے۔

کانسٹبل۔ بس اسی کا نام لینا تو ان پر دو جرم قائم ہوں گے۔ ایک یہ کہ جھوٹ موٹ تجھ کو پھانس لیا۔ دوسرے حبس بے جا۔

چور۔ اچھا۔

خا۔ اس وقت کچھ ہنسی آتی ہے اور کچھ غصہ۔

کانسٹبل۔ جب بڑا گھر دیکھو گے، تب ہنسی کا حال کھُل جائے گا۔

خا۔ ہمارے ہی گھر میں چوری ہو اور ہمیں پھنسیں۔

کانسٹبل۔ رات کو میٹھی نیند میں تم نے جگایا ہے۔ دیکھو تو ہوتا کیا ہے، چڈا اگلیجر د۔ چلو روزنامچہ لکھا دو۔

خا۔ تین بجے کے وقت کوٹھے کی کوٹھری میں دھاکے کی آواز آئی۔ بیگم صاحبہ کی بڑی صاحبزادی جاگ اٹھیں، تو دیکھا کہ کوٹھری میں روشنی ہے۔ روشنی دیکھتے ہی آنکھوں کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تلے اندھیرا چھا گیا۔ تھوڑی دیر مارے ڈر کے نہ بولیں، پھر جلدی سے اپنی بہنوں کو جگایا۔ انھوں نے خوب غل مچایا۔ نواب صاحب سہ منزلہ پر سو رہے تھے۔ فوراً اٹھے، اور تلوار جوان کے سرہانے رکھی تھی لے کر جھپٹ پڑے۔

کانسٹبل۔ ذرا ٹھہرو! تلوار کا لائسنس ان کے پاس ہے۔ جو لائسنس نہ ہو تو چودہ ہی برس کو بھیجوں۔

خا۔ پورے بیس برس کو! بھائی کچھ تو میعاد کم کر۔

کانسٹبل۔ دیکھو معلوم ہو گی۔

خا۔ ایک تلوار کا لائسنس؟ ان کے ساتھ بیس تو سپاہی تلوار باندھے نکلتے ہیں۔ یہ ایک ہی تلوار لیے پھرتے ہیں، ہونھ۔

کانسٹبل۔ اچھا خیر کہو کہو۔

خا۔ زینے پر دونوں کی مڈھ بھیڑ ہوئی، چور نے چھری نکالی، انھوں نے تلوار کا بھرپور ہاتھ چھوڑا، تو چور گھبرا کر پیچھے ہٹا، اور زینے پر سے نیچے بھاگا، اور ایسا گھبرایا کہ گر پڑا، گرنا تھا کہ نواب صاحب چھاپ بیٹھے۔ پھر ہم لوگ پہنچے۔ پکڑا۔ چور کو نیچے لائے۔ پھر تو صدہا آدمی جمع ہو گئے۔

کانسٹبل نے لکھنا شروع کیا مگر خیر سے لکھے پڑھے واجبی ہی واجبی تھے ذرا عبارت اور املا ملاحظہ فرمائیے۔

وہو ہذا

آیا چور وقت رات کے تین بج کے۔ اوپر مکان کے مالک مکان بیگم ماشور (مشہور) بڑی بیگم تین بجے رات آیا، اور دھم لکھا تو ساہب جاویں (صاحبزادی کی خرابی) بیگم کی ڈر کے اپنی بہنوں کو جگ آیا (جگایا) بہنوں کو جگ چکی تو غول (غل) مچاہئیں۔ چور بھاگ کے جینے (زینے) پڑ اور نواب بھی تلوار لگائی۔ نہ لگ ی (لگی) چور بھاگا۔ نواب نے پکڑ لیا۔ جب چور گر پڑا تو نوکر لوگ آئے۔ چور کو پکڑ لائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گذشت

میاں آزاد فرخ نہاد، نے جو ایک پری رخ، مہ پارہ، تربیت یافتہ خاتونِ نیک سیرت کو اس درجہ ہمدرد پایا تھا، تو وحشتِ دل کسی قدر دور ہوئی تھی۔ جب کبھی حسن آرا کا چاند سا مکھڑا اور بھولی بھولی، پیاری پیاری، باتیں یاد آتی تھیں، تو دو گھڑی غم غلط کرنے کے لیے ونیشیا کے پاس جا بیٹھتے تھے۔ اس شایستہ لیڈی کے قدرتی دل ربا گھاتیں، اور سچّی ہمدردی کی باتیں، میاں آزاد کے ساتھ وہ کرتی تھیں، جو کتّے کے ساتھ اور مارِ گزیدہ کے ساتھ تریاق، اور عاشقِ زار کے ساتھ بوسہ لعلِ نگارِ گل عذار کرتا ہے۔ ایک روز شام کے وقت ونیشیا نکھر کر اٹھلا رہی تھی۔ میاں آزاد نے مسکرا کر کہا کہ آج ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے عجب لطف دکھاتے ہیں۔ ونیشیا بولی کوئی ہمارے دل سے پوچھے، کہ ہم کیسے بشاش ہیں۔ یہ کہہ کر میاں آزاد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر، اور بھی ناز و ادا سے اٹھلانے لگیں۔ نیلگوں فرانسیسی گون پر عالم تھا، اور ایک نئے فشن کی پتریشن ٹوپی زیب سر تھی۔ جس سے بانکپن بھی بانکپن کا سبق لیتا۔ نازک کمری اس پر طرّہ تھی۔ اٹوڈی روز، یعنی عطرِ گلاب خالص کی بو باس، اور زلفِ چلیپا سے وہ لپٹیں آتی تھیں، کہ مست کیے دیتی تھیں۔ اگر میاں آزاد ایک ایک پیاری ادا کی قیمت، ہفت اقلیم کی بادشاہی بھی لگاتے، تو بھی کم تھی۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(خسرو)

جس طرح بہن کو بھائی کا پیار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ آزاد کو دل سے چاہتی تھیں۔ اور ان کے میاں بھی آزاد کو مثل اپنے حقیقی بھائی کے سمجھتے تھے۔ اور چونکہ اپیٹن کی جان آزاد نے بچائی تھی، اس سبب سے دونوں میاں بی بی کو ان سے ایک قسم کا عشق ہو گیا تھا۔ ونیشیا کا فرطِ محبت سے میاں آزاد کے ہاتھ میں دست سیمیں دے کر اٹھکھیلیاں کرنا اور گیسوئے عنبرین سے دماغ جانِ آزاد کو رشکِ خطا و ختن بنانا، اور گل بدن کا بار بار مسکرانا عجب کیفیت دکھلاتا تھا:

اے خوشا صبح کہ عاشقِ زشکر خواب وصال
دست در گردنِ معشوق حمائل برخاست

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں ان کے کھانے کا وقت آیا۔ میاں آزاد، اور لفٹنٹ اپلٹن، اور وینیشیا اور ایک بذلہ سنج بیٹھ کر ڈنر کھانے لگے۔

م۔ بس بنا لیا۔

بذ۔ اجی ایک دن بڑی دل لگی ہوئی۔ ہم ڈبلن سے کوئی دس میل کے فاصلے پر ایک دوست کے یہاں فروکش ہوئے۔ شب کو دوست کے خدمت گار کی جورو، دس انڈے آقا کی چوری سے چٹ کر گئی۔ جب ان کی بیوی نے پوچھا کہ یہ انڈے کہاں گئے، تو خدمت گار نے بگڑی ہوئی بات بنا کر کہا، کہ بلّی کھا گئی۔ خیر۔ مگر بندۂ درگاہ نے دیکھ لیا تھا کہ بڑی بلّی چکھ چکی ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد بلّی آئی تو جھلّا کر خدمت گار کی جورو نے اپنے میاں سے کہا کہ خدا کے لیے اس بلّی کا کچھ علاج کرو اب تو ہم سے نہ رہا گیا۔ ہم نے بہ آواز بلند کہا کہ بڑی بی ایسا نہ کرنا کہ بلّی کو مار ڈالو۔ پھر انڈے ہضم نہ ہوں گے۔ افوہ۔

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

عورت نے تو سانس تک نہ لی۔ مگر خدمت گار بے اختیار ہنس پڑا۔

آزاد۔ واللہ ہے تو یوں ہی۔ کوئی برتن ٹوٹ جائے بلّی کا نام بد۔

بذ۔ ایک مرتبہ ہمارے لڑکے کے چیچک نکلی۔ دوسرا بھی مبتلا ہوا، رفتہ رفتہ محلے بھر کے بچے اسی مرض میں گرفتار ہوئے۔ خیر، ڈاکٹر صاحب نے جب بل بھیجا تو فی صدی بیس پونڈ کے حساب سے کم کر کے فیس بھیج دی۔ انھوں نے بڑی شدّ و مدّ سے خط لکھا، کہ فیس خلافِ ضابطہ کم کیوں بھیجی۔ میں نے جواب لکھا کہ کمیشن مُجرا کر لیا۔ پوچھا کمیشن کیسا؟ میں نے کہا حضرت ابتدا چیچک کی ہمارے ہی گھر سے ہوئی۔ اگر ہمارے بچوں کو چیچک نہ نکلتی تو اتنے لڑکے کیوں مبتلائے مرض ہوتے، لہٰذا ہمارا کمیشن واجبی ہے۔

ص۔ پرسوں تمھاری سالگرہ ہے۔

بذ۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو خواہش ہوتی ہے، کہ سال میں بارہ مرتبہ سالگرہ ہو۔ مگر جب ذرا سیانی ہوئیں، پھر البتہ سالگرہ کے نام سے چڑھ جاتی ہیں، تو وجہ کیا؟ بات یہ ہے کہ کم سن لڑکیوں کو تمیز کہاں کہ سن و سال اور جوبن کیا چیز ہے مگر جہاں بیس بائیس کی ہوئیں، اور جوانی اور جوبن نے رنگ دکھایا، بس تو مناتی ہیں کہ یا اللہ! دس برس کے بعد سالگرہ آئے۔ ایسا نہ ہو کہ جوانی جواب دے کر چل دے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں لفٹنٹ اپیلٹن نے پوچھا، کہ اِس گلاس میں برانڈی لبالب بھری ہے نہ؟ تو حضرت بذلہ سنج کیا فرماتے ہیں کہ، ماں گلاس کے نیچے حصّے میں لبالب بھری ہے مگر اوپر کے حصّے میں نہیں نظر آتی۔

آپ شادی کیوں نہیں کرتے حضرت؟

بذ۔ بیوی چل بسیں۔

آزاد۔ دوسری شادی کیجیے۔

بذ۔ بھئی پہلی شادی سے ہم سیکھ گئے کہ جورو کا ملنا تو آسان ہے، مگر شادی کے بعد اسباب کا دستیاب ہونا البتہ ٹیڑھی کھیر ہے۔

آزاد۔ کیا خوب یہ تو وہی مثل ہوئی کہ ایک صاحب نخاس میں کوڑا خریدنے گئے۔ لوگوں نے پوچھا حضرت کوڑا کیا کیجیے گا؟ گھوڑا تو آپ کے پاس ہے ہی نہیں۔ مسکرا کر فرمایا! بس ذراسی بات تک نہ سمجھ میں آئی۔ اجی پہلے کوڑا سستا خرید لیں۔ پھر تو گھوڑے کی ضرورت ہوگی۔ مقدّم کوڑا خریدنا ہے۔ گھوڑا تو رفتہ رفتہ مل ہی جائے گا۔

بذ۔ ہم ایک شرط کے ساتھ شادی کریں گے۔

آزاد۔ پھر نکاح کی شرطیں تو سخت ہوا ہی کرتی ہیں۔

م۔ وہ شرط کیا ہے؟

بذ۔ بیوی بیوہ ہو۔ مگر دو شوہروں کو چٹ کر چکی ہو۔

آزاد۔ معقول!

بذ۔ اور دس بچّے ہوں۔

م۔ اخوہ یہ بچّوں کی قید کیوں کی؟

بذ۔ ایں! یہ آپ نہیں سمجھیں؟ اگر جوان بیوی آئی تو وہ ہم کو ٹھیک بنائے گی، ناز برداری کرتے کرتے ناک میں دم آجائے گا۔ مُسِن بیوی اسی کو غنیمت سمجھے گی کہ شادی تو ہوئی۔ نخرے بھی کم کرے گی۔ اور بچے بڑے کام آئیں گے۔

آزاد۔ وہ کیا؟

بذ۔ قحط کے دنوں میں کوڑے کر ڈالیں گے

دنیا میں بعض اوقات اچھی باتوں کو بھی لوگ برا سمجھنے لگتے ہیں۔ لوگوں کا قاعدہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے کہ اگر کسی لیڈی کو ذکور سے کم ملتے جلتے دیکھا، تو کہا کہ فلاں لیڈی گو کم سن ہے، مگر مردوں کی صورت سے اس کی طبیعت نفور ہے۔ ہائے طبیعت جوان نہیں، بوڑھی عورتوں کی سی باتیں اور خوبو ہے۔ اگر نوجوان خاتون کفایت شعار ہوئی، تو بھی یہ مشہور ہوگا۔ کہ ابھی کم سن ہوتی، فضول خرچی کی طرف ضرور مائل ہوتی۔ یہ کنجوس ہے۔ جیسے بوڑھی عورتیں ہوا کرتی ہیں۔ اگر نوجوان لیڈی گرہستی کے کاروبار میں طاق ہو اور تدبیر منزل اور امورِ خانہ داری، کا تہ دل سے خیال رکھنے لگے تو بھی مالکِ دیرینہ روز کی پھبتی حضرات اس پر چسپت کریں گے۔ اگر نوجوان لیڈی نے جانوروں پر رحم ظاہر کیا اور اُن بے زبانوں پر سختی نہ کی، تو بھی ظاہر بیں آدمی یہی رائے اس کی نسبت قائم کریں گے کہ وہ مسن عورتوں کی خوبو کی طرف زیادہ متوجہ ہے۔ جوانی کی امنگ جیسی چاہیے تھی وہ بات نہیں۔ لاحولَ وَلاقوۃ۔ اب فرمائیے، کفایت شعاری، انتظام خانہ داری، مردوں سے کم ملنا جلنا، بے زبان جانوروں سے بہ رحم پیش آنا، اس میں کیا گناہ ہے۔ مگر واللہ کیا بھیڑیا دھسان خِلقت ہے۔

ص۔ مشہور تو ایسا ہی ہے جیسا آپ نے کہا۔

آزاد۔ ہاں واقعی یہی حال ہے، کہ کم سن عورت کفایت شعار ہوئی، اور نوجوان کے زمرے سے گویا خارج کی گئی۔ واہ اچھا انصاف ہے۔

بذ۔ لیڈی کو اور چاہے جو کچھ کہہ لو، مگر ایک بات نہ کہو۔

آزاد۔ وہ کیا؟

ص۔ وہ کون بات ہے۔ بھئی ہم بھی سنیں بھلا؟

بذ۔ دو برس گھٹا کر عمر بتاؤ۔ دو دن بڑھا کر عمر نہ بتاؤ۔ اگر پچیس برس کی عورت ہو تو اس کو بائیس برس کی کہو۔ خوش ہو جائے، اور جو پچاس برس کی ہو اور سوا پچاس کہو، تین مہینے بڑھا کر تو معاذ اللہ اس قدر بگڑے کہ توبہ ہی بھلی۔

م۔ ہاں، بس جتنے عیب ہیں سب عورتوں ہی میں ہیں۔ تم لوگ بالکل بے عیب ہو، اور کفایت شعاری نوجوان سے منزلوں دور رہتی ہے۔

آزاد۔ آپ دن کے وقت بیدار ہوئے تھے یا شب کو؟

بذ اماں کہتی تھیں کہ کچھ رات باقی تھی جب ہم دنیا میں نازل ہوئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ کتنی رات باقی تھی؟
بذ۔ اے یہی کوئی منٹ سوا منٹ رات ہو گی۔ بس۔
ونیشیا اور اپیلیٹن منٹ بھر کا فقرہ سن کر بے اختیار ہنس پڑے اور میاں آزاد نے پیٹھ ٹھوکی، کہ استاد اس فن کے بانی کار ہو۔ کوئی دو گھنٹے تک یہی دل لگی رہی۔
اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ میاں خوجی لڑھکتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ ایک سوکھا کتارا ہاتھ میں ہے۔ بذلہ سنج نے کہا: آیئے آیئے! بس آپ ہی کی کسر تھی۔
خ۔ مجھے بیٹھے بیٹھے خیال آیا، کہ کسی سے پوچھوں تو، یہ سمندر ہے کیا شے؟
م۔ ہاں ضرور پوچھیے، (بذلہ سنج کو دکھا کر) ان سے پوچھیے، یہ ایسے معاملات سے خوب واقف ہیں۔
خ۔ کیوں حضرت یہ سمندر کیا شے ہے، اور کس فقیر کی دعا سے بنا؟
بذ۔ تاریخ الحمقا میں اس کا کل حال درج ہے۔
خ۔ کچھ تو فرمایئے؟
بذ۔ اگلے وقتوں میں، جب لوگ کپڑوں کے عوض کھال پہنتے تھے، اور جانورانِ صحرائی کے کچے گوشت پر بسر کرتے تھے۔ ایک ملک تھا "گھامڑ نگر"
خ۔ ذری ٹھہر جایئے گا! وہاں افیم بھی بکتی تھی؟
بذ۔ اس ملک کے باشندے بڑے جری اور سپاہی آدمی تھے، مگر پستہ قد۔
خ۔ (مونچھوں پر تاؤ دے کر) ہوں ہوں، پستہ قد تو جری ہوتے ہی ہیں۔
بذ۔ لیکن کوئی باشندہ بغیر قرولی باندھے گھر سے نہیں نکلتا تھا۔ قرولی نہ ہو قرابنچہ سہی۔
خ۔ (اکڑ کر) کیوں میاں آزاد! وہی بات آگے آئی نہ۔
بذ۔ ایک ان لوگوں میں سخت عیب تھا۔
خ۔ ارے! وہ کیا؟ بتاؤ تو جی؟
بذ۔ سب مردود افیم پیتے تھے۔
خ۔ (تیوری چڑھا کر) او گیدی!
آزاد۔ ہائیں ہائیں! شریف یوروپین جنٹل مین سے یہ سخت کلامی۔
خ۔ ہم تو سر سے پاؤں، اور پاؤں سے سر تک پھنک گئے آپ شریف لیے پھرتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہ ہوئی قرولی ورنہ ڈھیر کر دیتا۔ او گیدی!

بذ۔ غرض کہ کوئی افیم کا شائق نہ تھا۔

خ۔ ایں! کیا؟ شائق نہ تھا۔

بذ۔ کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جہاں افیمی نہ ہو۔ دن رات افیم ہی گھلا کرتی تھی۔

خ۔ (ہنس کر) ہاں! یہ مانا، واہ کون ملک تھا، ہائے ہم نہ ہوئے!

بذ۔ مرد تو وہاں کے تھے پستہ قد، مگر عورتیں گراں ڈیل۔

خ۔ یہ بری سنائی۔ زعفران وہیں کی ہو گی۔

آزاد۔ (ہنس کر) ہاں واللہ کیا کہی ہے۔

بذ جہاں میاں ذرا بگڑے اور بیوی نے بغل میں داب کر دو تین جھٹکے دیے، یا دبایا اور بازار میں ہنڈایا۔

خ۔ (اچک کر) اہاہا۔ یار سنتے ہو۔ وہ بہروپیا وہیں کا تھا۔ کیوں اب تو اس گیدی کا مکان بھی مل گیا۔ اچھا ٹھہر جاؤ، چچا بنا چھوڑوں تو سہی۔

بذ۔ وہاں کے باشندے کمیدانیاں کرتے تھے۔

خ۔ جھک مارتا تھا ہمارا باپ۔

آزاد۔ ایں! یا وحشت خیر ہے میاں۔

خ۔ واللہ جھک مارتا تھا گیدی۔

آزاد۔ کون جھک مارتا تھا؟

خ۔ ہمارا باپ۔

آزاد۔ شاباش! خلف الرشید پیدا ہوئے، کہ باپ کو بھی گالی سے نہ چھوڑا۔

خ اجی وہ ہمارا باپ ہی نہ تھا۔ جھوٹا تھا گیدی۔

آزاد۔ آخر اب کیوں کر جانیں۔

خ۔ قرولیاں بھوکنے کا مردک نے کام کیا۔ جھک مارتا تھا۔

م۔ (کھل کھلا کر ہنس پڑیں) شاید سچ کہتا ہو۔

خ۔ قسم قرآن کی جھک مارتا تھا مردک۔

آزاد۔ معقول ایسے بگڑ گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خ۔ قسم امام حسینؑ کی جھک مارتا تھا پاجی، بلکہ اور اچ پیش باد۔
اس پیش باد پر میاں آزاد آدھ گھنٹے تک ہنسا کیے۔
خ۔ آزاد کے نمک کی قسم جھک مارتا تھا۔
آزاد۔ آپ کے والد بھی تو پستہ قد تھے۔
خ۔ نہیں وہ لمبا بے وقوف تھا۔ مگر اماں البتہ گران ڈیل تھیں۔ چشم بد دور" وہ اسی ملک کی تھیں۔ جس کا یہ ذکر کر رہے ہیں۔
آزاد۔ لیکن پھر شادی ان کے باپ کے ساتھ کیوں کر ہوئی۔
خ۔ اجی بھگا لایا ہوگا بدمعاش۔ اماں سیدھی عورت تو چشم بد دور تھی ہی آگئیں دم میں۔
آزاد۔ کیا زندہ ہیں۔
خ۔ اُف کوئی بیس برس ہوئے انھیں دفنائے ہوئے کو۔
آزاد۔ پھر یہ چشم بد دُور کیوں بار بار کہتے ہو۔
خ۔ الفت کی وَجہ سے۔
م۔ تو وہ کس کے ساتھ بھاگ آئی تھیں۔؟
خ۔ اجی اسی باپ کے ساتھ۔
م۔ اپنے باپ کے ساتھ یا آپ کے باپ کے ساتھ۔
خ میرا باپ کاہے کو ہوا۔ جھک مارتا ہے کہ ہمارا باپ بنتا ہے۔ ہم بھی اسی کے ہیں۔
آزاد۔ تو مصنوعی باپ تھا۔؟
خ۔ بیشک! کیا مزے سے باپ بن بیٹھے گیدی۔ ایسی ہی باتوں پر تو ہم قرولی بھونکتے ہیں۔
بذ۔ آپ کسی امیر کی گود کیوں نہیں بیٹھ جاتے۔
خ۔ ہاں کیا مضائقہ ہے۔ مگر افیمی ہو، ورنہ ہم اس کو آدمی ہی نہیں سمجھتے، جو افیم نہیں پیے۔
م۔ چین میں جاؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خ۔ ہاں صاحب اس ملک میں اور کیا کیا ہوتا تھا، بھلا اِس ملک کے آدمیوں کی تصویریں بھی تمھارے پاس ہیں۔

بد۔ تھیں تو مگر دے دیں۔ بس بالکل تمھارے ہی سے ہاتھ پاؤں تھے، کڑاکے جوان، مگر پاس قرولیاں اور پونڈا بہت کھاتے تھے۔

خ۔ اہوہوہو! وہ ہمارے آباؤ اجداد تھے سب۔

م۔ مگر آپ کی والدہ شریفہ نے جُل دیا۔

خ۔ میاں آزاد دیکھو بس انھیں باتوں میں تم سے ہم سے نہیں بنتی۔ مردِ خدا وہاں سے تو لمبے چوڑے اقرار کر کے لائے تھے، کہ قرولی ضرور لے دیں گے، اور یہاں صاف مکر گئے۔ لے اب ہمیں قرولی منگا دو تو خیریت۔ ورنہ ہم بگڑ ہی جائیں گے۔ واللہ کون گیدی دم بھر ٹھہرے یہاں۔

آزاد۔ اور یہاں سے آپ جائیں گے آخر کہاں، جہنم، جائیے، جائیے، نہ بسم اللہ۔

م۔ ان کے پاس کچھ روپیہ وپیہ بھی ہے یا مفلس ہی ہیں؟

آزاد۔ جی میں ان کا خزانچی ہوں۔ چاہے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہو چٹکیوں میں حاضر کرتا ہوں۔

بد۔ اِس خزانچی کے لفظ پر ہمیں ایک لطیفہ یاد آیا۔

آزاد۔ آپ کے پاس بھی تو لطائف و ظرائف کا خزانہ بھرا ہے۔ چشم بددور! فرمائیے:

بد شادی کے قبل نوجوان، و نوخیز لیڈیاں اپنے مطبوع شوہر کو اپنا خزانہ کہتی اور سمجھتی ہیں۔ شادی ہونے کے بعد خزانے سے خزانچی اس کا نام بدل دیتے ہیں۔ صبح شام فرمائشوں کی گرم بازاری ہوا کرتی ہے۔ آج اخبار میں نئی فشن کی لیس کا اشتہار پڑھا، اسی پر لٹو ہو گئیں۔ کل پڑھا کہ پیرس میں لیڈیوں کی نازک نازک طلائی گھڑیاں بکتی ہیں۔ وہ فوراً منگوا لیں۔ میاں کی تنخواہ میں چاہے ٹکا نہ بچے۔ ان کو اس سے کچھ سروکار نہیں، خزانچی کے خزانچی، میاں کے میاں۔

م۔ اچھا ہوا تمھاری بیوی بے چاری چل بسیں، ورنہ تم تو ان کو گھونٹ گھونٹ کے مار ڈالتے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بذ۔ شادی کے بعد وہ ایسی رونی صورت بنائے رکھتی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا آج باپ کے مرنے کی خبر آئی ہے۔ دو برس کے بعد بوجوہ چند در چند ہم سے چھ مہینے کے لیے جدائی ہوئی، چھ مہینے کے بعد جو دیکھتا ہوں اللہ ہی اللہ۔ بات بات پر مسکرانا، اور بات بات پر قہقہے لگانا بات ہوئی اور کھل گئیں۔ میں نے ایک دن پوچھا: کہ کیا تم وہی ہو جو ناک بھوں چڑھائے رہا کرتی تھیں۔ مسکرا کر کہا، ہاں ہوں تو وہی۔ کیوں؟ میں نے کہا شکر ہے کہ کایا پلٹ تو ہوئی۔ یا تو بولتی ہی نہ تھیں۔ بات کا جواب دینا بھی گراں گزرتا تھا، اب بات بات پر قہقہے لگاتی ہو۔ اس کا کیا خوب جواب دیا ہے۔ ہنس کے بولیں؛ کہ واہ، اس میں تعجب ہی کی کون سی بات ہے بھلا۔ ایک دن مجھے خیال آگیا بس تب سے اب ہر وقت ہنستی رہتی ہوں۔ تب تو میں نے اپنا منھ پیٹ لیا۔ پوچھا منھ کیوں پیٹتے ہو؟ میں نے رونی صورت بنا کر کہا، کہ بیوی ہم تو خوش ہوئے تھے کہ تم ہنس مکھ خندہ پیشانی ہوگئیں۔ اب ہم سے تم سے خوب بنے گی۔ مگر معلوم ہو گیا کہ تمھارے ہنسی اور رونے دونوں کا اعتبار نہیں۔ مگر تمھیں اسی طرح بیٹھے بیٹھے کسی دن خیال آگیا کہ رونا اچھا، اور رو دیں۔ چلو پھر رونا ہی شروع کر دو گی۔ بس بس معلوم ہو گیا۔ روؤ تو رنج ہنسی تو خوشی نہیں۔ اور مصیبت تو تب ہی ہوتی ہے کہ جب تیز طبع، جوان عورت کی کسی افسردہ دل، اور سبک مغز، مرد کے ساتھ شادی ہو۔ اے ہے طوطی را با زاغ در قفس کردند۔" بیوی کے نکھار سنگار، چہل مذاق کے دن، میاں کا اسّی برس کا سن، آج مرے کل دوسرا دن، منھ میں دانت، نہ پیٹ میں آنت، فرانسیس میں ایک بڑی طبّاع اور خرد آگاہ لیڈی تھی، جس کے دل کش اور دلچسپ ناول مشہورِ دیار و امصار ہیں۔ اس مصنفہ نامی نے اپنے کھوسٹ میاں کا بیان بھی ایک پیرایہ میں درج کیا ہے۔ سترہ برس کے سن میں جو مرادوں کے دن تھے، اور جوانی پھٹی پڑتی تھی، اور ہر عضوِ بدن کانِ حسن اور جانِ حسن تھا۔ اتفاق سے ایک بوڑھے کے ساتھ اس خاتونِ نوخیز کی شادی ہوئی۔ بوڑھے کھوسٹ کو دن رات اس کے سوا اور کوئی کام نہ تھا کہ بھیڑ، بکری، اور بیل، گائے، بھینس خریدے، یہ عالی گوہر، پاکیزہ مشرب، چمن طبع، شگفتہ جبیں، تربیت یافتہ خاتون، اور عنفوانِ شباب، اور جوانی کی ترنگ۔ شوہر ملے جھریر جبیں، کھوسٹ، اپنے ناول میں اپنے شوہر کا حال یوں بیان کیا ہے: مونچھیں سفید، آنکھ قہر آلود،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جس کے دیکھنے سے ڈر معلوم ہو۔ بات بات پر زبان کٹتی تھی۔ نوکر چاکر اڑوسی پڑوسی، گھوڑے کتے تک کی جان نکلتی تھی۔ دیکھا اور دم فنا، اور بیوی بھی تھراتی تھی۔ چند سال تک بے چاری نے طوعاً و کرہاً بسر کی۔ ایک دن خبر مشہور ہوئی کہ "پیرسن ڈیوڈونٹ" کہیں چل دیں۔ ان کا پتا ہی نہیں ملتا۔ خدا جانے کہاں چلی گئیں۔ (پیرسن ڈیوڈونٹ اس خاتون جمیلہ کا نام تھا) بھاگ کر پیرس کے ایک محلے میں اس نے بود و باش شروع کی، اور ناول تصنیف کر کے بھیجے۔ یہ خاتون حسینہ اپنے نادر ناولوں کے سبب سے بہت مشہور تھی۔ مگر میاں ایسا کم بخت تھا کہ چھوڑتے ہی بن پڑی۔

آزاد۔ حضرت مجھے بھی ایک بات اس وقت یاد آئی۔ ہمارے محلے میں ایک خواجہ صاحب رہتے تھے۔ بڑے باوضع، اور خوش مذاق، شریف زادے، ان کے ایک لڑکی تھی، چودھویں برس لڑکی کا نکاح ہوا، وہ چھوکری اس درجہ حسین تھی کہ واللہ کس بدبخت نے ایسی کافر صورت آج تک دیکھی بھی ہو۔ اہو ہو ہو جوبن پھٹا پڑتا تھا، اور وہ سادگی کہ کروڑ بناؤ بھی گرد، نور کا عالم تھا، چال وہ مستانہ، ادا وہ معشوقانہ، کہ واہ جی واہ، عطر پہ عاشق تھی۔ اور نفیس طبع اتنی بڑی کہ دن بھر میں تین بار پوشاک بدلتی تھی۔ تقریر کے وقت بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ لعلِ نگاریں، اور چشم شرگیں، پر وہ جوبن تھا کہ انسان پہروں گھورا کرتا۔ شوخی ایک ایک رگ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اس مَلک تحریب کنواری کو اس کے بے وقوف، اور بدبخت والدین نے ایک گنوار جاہل، بدشعور، بدصورت کے ساتھ بیاہا۔ جس کے چیچک کے داغ اور کالا کوئلہ چہرہ، اور چھوٹی چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں، دیکھ کر آدمی کا جی چاہتا، کہ اس سے بات نہ کرے۔ ان سب پر طرّہ یہ کہ تپِ دق کے مرض مہلک سے اسی سال نجات پائی تھی۔ مگر ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ جان ابھی معرضِ خطر میں ہے۔ خدا کی قسم اس طرح کا رنج ہوا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ ہائے! وہ عندلیبِ گلشنِ ناز و ادا، اس زاغ زاغ نفرت کے لائق نہ تھی۔ ہے ہے! شاخِ صندل پر مارِ سیاہ نے قبضہ کر لیا۔ ہے ہے! چاند کو گہن لگ گیا۔ اس مہ انور کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ واللہ جس وقت اپنے بدقطع، و بدوضع، بدشکل شوہر پر نظر ڈالتی ہوگی۔ ضرور رو دیتی ہوگی، کہ ہائے قسمت پھوٹ گئی۔ کہیں کی نہ رہی۔ ماں باپ نے لے کے اندھے کنوئیں میں ڈھکیل دیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م۔ کیا بڑی حسین عورت ہے۔

آزاد۔ کیا کہوں بس قابلِ تعریف ہے۔ میں نے ایک دفعہ دور سے گوری گردن دیکھ لی تھی، بس دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ خدا گواہ ہے دو مہینے کامل تین تین گھنٹے اور چار چار گھنٹے کوٹھے پر کھڑا رہا ہوں، کہ شاید ایک نظر بھر اس بتِ پندار کو دیکھ پاؤں، تو تنِ مردہ میں از سرِ نو جان آجائے۔

ص۔ (یعنی اپلیٹن) افسوس! کیا میاں بالکل سیاہ فام اور چیچک رو ہے؟

آزاد۔ اجی صورت دیکھیے تو بات کرنے کو جی نہ چاہے۔

م۔ ہائے ستم! ایسی مہ جبیں، اور ایسے بدشکل کے ساتھ بیاہی جائے۔

آزاد۔ ہائے ستم وائے ستم! کمال افسوس کی بات ہے۔

خ۔ (پینک سے چونک کر) باپ بنے تھے۔ گیدی نامعقول کو کیا کہوں۔

آزاد۔ پھر گرمائے بھئی، واقعی تمھارا باپ پاگل تھا کہ تم ایسے اس کے پاگل لڑکے ہوئے۔

خ۔ اجی خدا خدا کیجیے باپ کس کا تھا، کس کا باپ تھا کس کا؟

ص۔ کوئی آپ کا باپ تھا، یا کوئی تھا ہی نہیں، یوں ہی پیدا ہو گئے۔

خ۔ ہوگا کوئی، وہ تو نہ تھا۔ ہم بس اسی ملک کے ہیں۔ اور وہیں کوئی ہمارا باپ بھی ہوگا۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جہاز کے کپتان نے سب کو اطلاع دی، کہ ایک گھنٹے میں بڑی سخت آندھی آنے والی ہے۔ مستعد ہو رہو۔ یہ خبر وحشت اثر سنتے ہی سب کے ہوش و حواس غائب ہو گئے۔ اور جہاز پر کھلبلی مچ گئی۔

م۔ آندھی ہے کہاں؟ ہمیں تو آندھی واندھی کچھ بھی نظر نہیں آتی۔

آزاد۔ ہماری سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ کہا کیا۔ خاصہ صاف مطلع ہے۔ یہ انھوں نے بیٹھے بٹھائے اچھا شگوفہ چھوڑا۔ کہنے لگے آندھی آئی۔ مفت میں بیٹھے بٹھائے لوگوں کو حیران کر دیا۔

آج تو اپریل کی پہلی تاریخ بھی نہیں ہے، کہ ہم سمجھیں سب کو اپرل فول بنایا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ص۔ اس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہوگی۔ بے وجہ کبھی کپتان آندھی کا نام زبان پر نہ لاتا۔ مگر بظاہر آندھی کے ذرا بھی آثار نہیں پائے جاتے۔

اتنے میں چو طرفہ سے یاس و بیم کی صدائیں آنے لگیں۔ ایک پیر فرتوت جو طفلی سے صدہا بار، جہاز پر سوار ہوئے تھے، کفِ افسوس مل کر کہنے لگے، کہ یہ آندھی نہیں پیامِ اجل ہے۔ شاید دس پانچ آدمی کسی طرح بچ نکلیں۔ ورنہ اب ڈوبے اور اب ڈوبے۔ ایک معمر لیڈی نے کہا کہ اب جہاز کی خیریت نظر نہیں آتی۔ آندھی بہت ہی سخت آنے والی ہے۔ ایک نوجوان فرانسیسی نے جو قریب کھڑا ہوا تھا پوچھا کہ پھر آخر اب کیا تدبیر کی جائے، مفر کسی طرح ممکن ہے یا نہیں؟ لیڈی نے آہ سرد بھر کر کہا: کہ بیٹا اب زیست سے ہاتھ دھو رکھو، اور دنیا سے کوچ کی تیاریاں کرو۔

یہ ہوش ربا فقرہ سن کر نوجوان نے بصد حسرت، ایک نوخیز لیڈی کی طرف دیکھا، اور دونوں کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ میاں آزاد کے قریب، دو بھائی کھڑے باہم باتیں کرتے تھے۔ ایک نے کہا: ہائے! اب ہم اپنے بوڑھے باپ کو کیوں کر دیکھیں گے، اور جب وہ ہمارے ڈوبنے کی خبر سنیں گے، تو ان کا کیا حال ہوگا۔ چھوٹا بھائی آب دیدہ ہو کر بولا: ہم ہی حاصل عمر ہیں، اور دونوں کے دونوں یہاں، اور دونوں ڈوبیں گے۔ ساری خدائی میں اور نہ کوئی رشتہ دار ہے، نہ دوست ہے، نہ یار ہے۔ انھیں تسلین دینے والا بھی تو کوئی نہیں ہے۔ ہائے ان کے دل پر کیسی گزرے گی۔ اے کاش ہم دونوں میں سے ایک ہی یہاں ہوتا، دوسرا ان کی دل جوئی کے لیے انھیں کے پاس رہتا۔ اب وہ سر ٹکرا ٹکرا کر جان دیں گے۔ روتے روتے اندھے ہو جائیں گے۔ مگر ہم دونوں میں سے ایک کو بھی نہ پائیں گے۔ دیکھنے کو ترس جائیں گے۔

اتنے میں کپتان نے پھر سب کو اطلاع دی کہ خبردار ہوشیار، آندھی آن پہنچی۔ جہاز کا خدا حافظ ہے۔ امیدِ زیست منقطع ہوگئی ہے۔ سب دست بدعا ہو، کہ خدا اس مصیبت سے بچائے۔ یہ فقرہ سن کر ایک شخص بولا: کہ دعا مانگنا محض فضول ہے، دعا سے کہیں کوئی آندھی کو روک سکتا ہے۔ اپلیٹن نے کہا ہاں ہے تو ایسا ہی، مگر انسان کے دل کو ایک قسم کی تسکین تو ہوتی ہے کہ شاید خدا ہماری اس مصیبت کے وقت سن لے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خ (چونک کر) ہائیں یہ غل کیسا ہے بھئی؟ کیا ٹرکی آن پہنچے۔ چلو سفر تو ختم ہوا۔ بھائی آزاد! یہاں اترتے ہی پوچھنا کہ افیم کہاں بکتی ہے۔ یار، اب تین ہی چار دن کی رہ گئی ہے۔

آزاد۔ افیم گئی جہنّم میں، کچھ بسنت کی بھی خبر ہے؟ انھیں افیم ہی کی پڑی ہے۔

خ۔ (آنکھیں کھول کر) کیوں کیوں، یہ کیا بات؟ آخر یہ سب کے سب چلّاتے کیوں ہیں؟

آزاد۔ ناخدا نے کہا کہ، بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔ جہاز اب کسی صورت بچ نہیں سکتا۔ لوگوں کے جی چھوٹ گئے۔ آپ کو افیم کی تلاش ہے۔

خ۔ بری سنائی۔ کہتے تھے ٹرکی ورکی جانے کا قصد نہ کرو، نہ مانا نہ مانا تو اب بھگتو۔ خیر خدا کرے، جہاز تباہ ہو تو چین میں پہنچے۔ کہ افیم تو ملے بہت سی، اور حسن آرا بھی وہاں سے قریب ہوں گی۔

آزاد۔ ہائے کم بخت پھر یاد دلائی۔ ہائے حسن آرا بے چاری جب ہمارے ڈوبنے کا حال سنے گی کڑھ کڑھ کے مرے گی۔ گھٹ گھٹ کے مرے گی۔

خ۔ صبر کرو بھائی آزاد! صبر کرو، لیکن ہمیں تو آسمان افیمیوں کے دل کی طرح صاف نظر آتا ہے۔ یہ آندھی کی خبر کس نے اڑا دی۔

جہاز پر ایک عجیب طرح کی کھلبلی مچی ہوئی ہے کہ اتنے میں ہوا کا زور ذرا کم ہوگیا، اور رخ بدل گیا۔ ناخدا نے اب ان سب کو یہ مژدہ سنایا۔ کہ اگر خدا نے چاہا تو آندھی زیادہ نہ ستائے گی اور تھوڑی دیر میں فرو ہو جائے گی۔ آدھ گھنٹے میں وہ طوفان فرو ہوا۔ ناخدا نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور کہا اس طرح کی تیز ہوا آنے والی تھی کہ ہمیں شک کی جگہ یقین ہو گیا تھا کہ کسی طرح جہاز نہ بچے گا، اور بہت ہی جلد ڈوب جائے گا۔ مگر:

صدقے اِس بندہ نوازی کے ترے ہم جائیں
باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق و اشفق

دفعتہً ہوا از خود فرو ہوگئی، اور وہ تیزی اور وہ تندی سب جاتی رہی۔ معلوم ہوتا ہے کوئی اندیشہ ہی نہ تھا۔ یہ خدا کی شان ہے، ورنہ اب تک خدا جانے جہاز کہاں کا کہاں پہنچا ہوتا۔ بارے الحمد للّٰہ کہ بخیر گذشت۔ سب کی جان میں جان آئی،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مگر خوجی بے چارے البتہ پریشان تھے کہ اچھّے گھر بیعانہ دیا۔ ایک نہ ایک دن غرقاب ضرور ہوں گے۔ ان کی رائے ہے کہ چاہے بھونک کے انسان مرے مگر پانی میں ڈوب کر نہ مرے۔

پریوں کی چہُل

خیر ادھر کا قصّہ تو ادھر چھوڑا۔ اب سنیے! کہ شام کے وقت جب کہ بادِ سرد و طرب انگیز سے جگر تک کو خنکی پہنچتی تھی، اور پھولوں کی بو باس سے مشام معنبر ہوا جاتا تھا، اور بادل اٹھکھیلیوں پر تھے۔ حسن آرا بیگم اپنی پیاری بہنوں کو ساتھ لیے، ہاتھ میں ہاتھ دیے، گل گشتِ چمن و تماشائے نسرین و نسترن تھیں۔ ادھر بادل کا جھومنا اور ادھر اِن بتانِ طنّاز کا جوانی کی ترنگ میں مستانہ وار باغ سراپا بہار میں چمک چمک کر گھومنا، عجب لطف دکھاتا تھا۔ غنچۂ دل کھلا جاتا تھا۔ روح افزا کے ڈوپٹے پر وہ عالم تھا کہ اہو ہو ہو۔ حسن آرا کا ہلکا صندلی دوپٹا اور اودا پائجامہ بدلی میں عجب جوبن دکھاتا تھا۔ مگر بہار النسا بیگم اس وقت سفید سادہ، باریک دوپٹا خلاف معمول اوڑھے تھیں۔ ہاں سپہر آرا البتہ متوالی تھی۔ وضع دنیا سے نرالی تھی۔ وہ بانکی سج دھج کہ زاہدِ صد سالہ بھی دیکھے تو گھنٹوں گھورا ہی کرے۔ زلفِ پریشان، شادان و فرحان، مست و خندان، اٹھلا اٹھلا کر روشوں میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی تھی، اور گلہائے معنبر کی بھینی بھینی مہک سے اور بھی مست ہوئی جاتی تھی۔

باغ میں آج جو اس گل کی سواری آئی
شورِ بلبل نے کیا بادِ بہاری آئی

روح افزا نے گلاب کا ایک پھول توڑا، تو سپہر آرا بیگم مچل گئیں، کہ بہن یہ ہم کو دے ڈالو۔ ہم اپنے جوڑے میں لگائیں گے۔

روح۔ بس باغ بھر میں یہی نگوڑا پھول رہ گیا ہے۔

سپہر۔ (بھولے پن کے ساتھ) اور تو سب چھوٹے چھوٹے ہیں۔

روح۔ تمھیں بڑی شوقین ہو۔

بہار۔ ہونہہ اتنی بڑی ہو کر چھوٹی بہن سے لڑتی ہیں۔ موا پھول بھی کوئی بڑی کائنات ہے جیسے۔

روح۔ اچھا آپ رہنے دیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن۔ سپہر آرا جانیں، روح افزا جانیں، تم بیچ میں کیوں بولتی ہو بہن۔

روح۔ ان کی عادت ہے۔ یہ اپنی عادت سے ناچار ہیں بے چاری۔

بہار۔ ٹانگ برابر لڑکی، اُس سے ذرا سے پھول پر لڑتی ہیں۔

روح۔ پھر۔

سپہر۔ اچھی بہن دے ڈالو۔ ہم اپنے جوڑے میں لگائیں گے۔ (آبدیدہ ہوکر) اچھا نہ دو۔

روح۔ لو بس اتنے ہی میں رودیں، (سپہر آرا کو گلے لگا کر) ہم تو ہنستے تھے تم ہنسی ہنسی میں رودیں۔

سپہر آرا پھول لے کر مسکرائی

سپہر۔ واہ کہیں روئی نہ ہوں۔ روئیں میرے دشمن، جو میری طرف دیکھ نہ سکیں میں نے جان بوجھ کر روانسا منھ بنایا تھا۔ جس میں پھول دے دو۔

حسن۔ مہری ذری اس کوے کو تو مار کے ہنگا دے، موا کب سے قانوں قانوں کر رہا ہے۔

بہار۔ ہاں مجھے بھی اس کی بولی سے نفرت ہے۔ جب دیکھو ٹاؤں، ٹاؤں، ٹاؤں، ٹاؤں۔

سپہر ٹاؤں، ٹاؤں کہنا چاہیے کہ قاؤں قاؤں؛ وہ بولیں قاؤں قاؤں یہ بولیں ٹاؤں ٹاؤں۔

روح۔ یہ خوب ہوئی، ایک ہی ہوئی، ٹاؤں ٹاؤں، یا قاؤں قاؤں جو کچھ ہو یہ کوّا بولتا ہے، کہ حسن آرا اور بہار النساء؟

حسن۔ ہم نے تو قاؤں قاؤں ہی سنا ہے۔

بہار۔ اور ہم نے ٹاؤں ٹاؤں سنا ہے۔

حسن۔ بدتی ہو کچھ کچھ؟

بہار۔ ہاں بدتے ہیں۔ آؤ، آؤ، کیا کیا بدتی ہو۔

حسن پانچ پانچ روپے بدتے ہیں آؤ ہاتھ مارو۔ ہاتھ پر ہاتھ مارو۔

بہار۔ پانچ پانچ، کوئی اور بدتے ہوں گے، ہم دو دو اشرفی بدتے ہیں۔

روح۔ ہم حسن آرا کے ہاتھ پر بدتے ہیں۔ ایک ایک اشرفی جس کا جی چاہے بدلے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مہری۔ (ہنستی ہوئی) سرکار ہمارے پاس تو ایک اٹھنّی ہے۔ ہم کو بڑے حضور نے انعام میں دی ہے لونڈی اٹھنّی لگاتی ہے۔ کوئی ہمارے برابر کی ہو تو ہم آٹھ آنے بدلیں، جو تو ہے ہی، یا اِدھر یا اُدھر۔

حسن۔ اچھّا تو دو اشرفیاں ہو گئیں، مکرنے کی سند نہیں، جی ہاں، کوئی ضامن دو۔ ہم یوں نہ مانیں گے۔ بدبد کے آدمی مکر جاتے ہیں۔

بہار۔ اچھا! ہم سپہر آرا کے پاس رکھواتے ہیں۔ تم بھی دو اشرفیاں بسا دو کسی کے پاس۔

حسن۔ کیا کچھ چور دں بہوار تھوڑا ہی ہے۔ بھلے مانس کی بات کافی ہے۔ قول جان کے ساتھ ہے۔

دونوں بہنوں نے جا کے بڑی بیگم سے پوچھا، اور جنھوں نے شرط نہیں بدی تھی، وہ بھی ساتھ گئیں، بڑی بیگم نے کہا، ہم نے تو وہ سنا ہے جو حسن آرا کہتی ہیں۔ قانوں قانوں سنا ہے۔ بہار النسا بولی یہی تو ہم بھی کہتے ہیں، قانوں قانوں۔ سب ہمجولیوں نے مل کے ان سے لڑنا شروع کیا، کہ واہ پانچ روپیے کے لیے جھوٹ بولتی ہو، تم نے تو ٹانوں ٹانوں کہا تھا۔ حسن آرا بولی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اب کوئی ان کی بات کا اعتبار نہ کرے گا یہ کہتی ہیں، اور مکر جاتی ہیں۔ آدمی کی بات جہاں گئی بس گئی، اور اعتبار ہی پر سارے زمانے کا دارومدار ہے۔ بہار النسا نے کہا ہم بد کے پاس نہیں کھڑے ہوتے۔

سپہر۔ بہن! روپے دے دو، تین روپے تم دو، دو روپے ہم دیں۔

حسن۔ ہاں، ہیں تو ایسی ہی خسیس کہ ٹانگ برابر کی لڑکی اور اس سے لینے بیٹھیں۔

بہار۔ چلیے آپ کی بلا سے، اچھا آؤ، دے بھی دیں، کہاں کی جھنجھٹ، آئے دن طعنے ہی دیا کرتی ہیں۔

بہار النسا نے بی مغلانی سے صندوقچہ منگوایا اور کھول کر پانچ روپے کا ایک نوٹ روح افزا کو دیا۔ روح افزا نے کہا، یہ کہاں کا ہے، جو بمبئی کا ہو تو ہرگز میں نہ لینے کی چونّی بٹے کی کون دے؟

بہار۔ ہم نہیں جانتے تم ان سے پڑھوا منگواؤ۔

روح۔ بی مغلانی ذری یہ نوٹ خورشید دولھا سے پڑھوا منگوانا کہ کہاں کا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی نے باہر جاکر نواب صاحب سے کہا کہ حضور! ذری اس نوٹ کو پڑھ دیجیے کہ اس کا نمبر کیا ہے، نواب صاحب نے پڑھ کر کہا ۱۱۲۰۰۔ گیارہ ہزار دو سو۔

مغلانی (اندر آکر) گیارہ ہزار دو سو۔

حسن۔ کیا؟ گیارہ ہزار دو سو کا بھی ایک نوٹ ہوا ہے کہیں۔

مغلانی۔ نہیں بیوی یہ نمبر ہے اس نوٹ کا۔

روح۔ جاؤ سٹرن ہی رہیں بس۔

سپہر۔ نمبر کس نے پڑھوانے کو کہے تھے تم سے، پوچھو کہ ہے کہاں کا نوٹ؟

مغلانی۔ (نوٹ لے کر) اے میں کیا جانوں موا لوٹھ کیا ہوتا ہے۔ ہمارے وخت (وقت) میں لوٹھ دوٹھ تھا کہاں۔ یہ کاغذ کے گھوڑے آج کل دوڑائے جاتے ہیں۔ (باہر جاکر) حضور نمبر نہیں پوچھتی ہیں۔ آیا کہاں سے ہے وہ تو یہ، ہے کہاں کا۔

ن۔ دیکھوں نا گپور کا ہے۔

حسن۔ نہ لینا، اے روح افزا بہن لینا نہیں۔

روح۔ یہ ہم نہ لیں گے۔ ہمیں الہ آباد یا کلکتے کا دیجیے۔

بہار۔ یہ السیٹھ یہاں کسو کو نہیں بھائی، لاؤ لاؤ بدل دوں لو یہ لو۔ اچھا جانے دو۔ تم نقد روپے لے لو گنو ایک دو تین چار پانچ

سپہر۔ کھو پائے۔

روح۔ نہیں پائے۔

سپہر۔ نہ پاتیں تو جہنامت نہ مچاتیں۔

حسن۔ بی مغلانی کسی سے کہو کہ پانچ روپیہ نقد کی مٹھائی لائے۔

بہار۔ بہن نقد کس مزے سے کہتی ہیں۔

سپہر۔ تازی پچ میل مٹھائی ہو، باسی نہ اٹھا لائے۔

بہار۔ بھلا ہم کو بھی ملے گی؟

حسن۔ مل چکی۔

تھوڑی دیر میں باہر سے مٹھائی کی چنگیر آئی صرف دو روپیہ کی مٹھائی۔

حسن۔ ایں یہ پانچ روپیہ کی مٹھائی ہے اتنی سی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لونڈی۔ نہیں تو باہر نواب صاحب نے تین روپے لے لیے اور سپاہی سے کہا دو ہی روپے کی لاؤ۔

بہار۔ یہ کیوں ذری بلاؤ تو؟

حسن واہ یہ اچھی ہوئی۔

ن۔ (اندر آکر) اب کیوں بلایا۔ اخاہ مٹھائی کھلانے کے لیے بلایا ہوگا۔

بہار۔ ہاں۔ (چپکے سے) منھ دھو رکھیے، یہ تین روپے آپ نے کیوں اڑائے۔

ن۔ ایں خواب دیکھتی ہو کیا؟

بہار۔ جی ہم علم غیب پڑھے ہیں۔

ن۔ کچھ خیر ہے، بھلا دو روپے کی اتنی مٹھائی ملتی۔

بہار۔ شانِ خدا، ہمیں آپ چٹکیوں پر اڑاتے ہیں، لے اب یہ دھاندلی تہہ کر رکھو۔ روپے لاؤ۔

ن۔ اب تمھیں یقین کیوں کر آئے، اچھا دو روپیہ اور دو تو دیکھیں اتنی مٹھائی آتی ہے یا کم آتی ہے۔

ن۔ یہ یہاں آکر کس نے پرچہ جڑا۔ لو صاحب لو ہم نے کہا تھا دو کی آج آئے باقی کی پھر منگوائیں گے۔

بہار النسا بیگم نے روپے لے کر رکھ لیے اور نواب صاحب باہر چلے گئے۔

حسن۔ اے واہ آسمان سے گرا، کھجور میں ٹکا۔ ان سے روپے ملے، تو آپ نے صندوقچہ میں رکھ لیے۔

روح۔ اُف ری بے ایمانی!

سپہر۔ کچھ ٹھکانا ہے۔

بہار۔ کچھ ٹھکانا ہے! کچھ ٹھکانا ہے! کہتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ انھیں کی وجہ سے شرط بدی اور اب یہی ہم کو بناتی ہیں (منھ چڑھاکر) کچھ ٹھکانا ہے۔ کچھ ٹھکانا ہے۔

سپہر۔ (قہقہہ لگاکر) اے لو ہم سے کیوں خفا ہوتی ہو بہن، ہم نے کیا ہاتھ جوڑے تھے کہ تم ضرور ہی شرط بدو۔

بہار۔ (مسکراکر) چلو بس بھُس میں چنگی ڈال جالو بھاگ کھڑی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خیر مٹھائی تقسیم ہوئی۔ بڑی بیگم کے پاس بھیجی، نواب صاحب کو دی، لونڈیوں باندیوں نے چکھی اور چاروں بہنیں مل کر کھانے لگیں۔ باہم بھولے پن کے ساتھ ہنسی دل لگی ہوتی جاتی تھی۔ سپہر آرا چھین جھپٹ کے کھاتی تھی۔ اِدھر تو ہمجولیوں میں چہل ہوتی تھی، اُدھر ایک نیا شگوفہ کھلا۔

دروازے پر ایک ڈولی آئی، دو کہارا ایک خدمت گار نیلا پردہ ایک عورت ڈولی سے اتری، اور کہاروں اور خدمت گار نے اس کے اترتے ہی کہا بسم اللہ اسّی کا سن چہرے پر جھریاں، مگر ابھی تک رخسارِ تاباں پر سرخی باقی ہے۔ از سر تا پا سیاہ پوش، کمر باوجود مسن ہونے کے جھکی نہ تھی۔ عمر بھر کبھی جریب ہاتھ میں نہ لی۔ عینک البتہ لگاتی تھیں آہستہ آہستہ قدم دھرتی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

مغلانی۔ (بڑی بیگم سے) لیجیے وہ آئی ہیں۔

بڑی بیگم۔ کون؟ اخاہ۔ آئیے آئیے۔ آپ نے کاہے کو تکلیف کی مجھ کو کیوں نہ یاد کر لیا۔

ضعیفہ (ض) ایک ہی بات ہے۔

ب۔ اچھی رہیں۔؟

ض شکر ہے۔ صاحبزادیاں کہاں ہیں۔

ب اس طرف ہیں امام باڑے میں۔ بلواؤں؟

ض ابھی نہیں۔

ب۔ ارے کوئی پنکھا جھلو۔

ض۔ نہیں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ کچھ تم سے تخلیے میں کہنا ہے۔

ب خیریت تو ہے۔

ض (دبے دانتوں) ہاں۔

ب ہے ہے، اللہ خیر کرے جیسے پانوں تلے سے مٹی نکل گئی، (نوکروں سے) تم سب ذری ہٹ جانا۔ اب کہیے۔

ض۔ اپنی لڑکیوں کی ذرا خبرداری رکھو۔

ب۔ (متحیر ہو کر خاموش)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ض۔ دیکھو کنواری لڑکیاں، اور پھر جوان، اور اس پر طرّہ یہ کہ نام خدا حسن کی کان ہیں اور امیرزادیاں ہیں۔ اس سن میں سب کی نظر پڑتی ہے اور لڑکیاں اکثر بگڑ بھی جایا کرتی ہیں۔

ب۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش)

ض۔ بڑا نازک مقام ہے۔

ب۔ (گردن نیچی کرکے) ایک بات مجھ سے سچ مچ کہہ دو بولو کہو گی سچ مچ۔؟

ض اور جھوٹ میں کب بولی۔

ب۔ دیکھو تم کو میں اپنی ماں اور اپنی بڑی بہن کی جگہ سمجھتی ہوں۔ لڑکیاں جیسے میری ویسے تمھاری۔ ہے کہ نہیں؟

ض۔ بیشک اس میں کہنا کیا ہے۔

ب تو پھر اس مالمے (معاملے) میں بھی راست راست بولنا۔

ض بلاکم و کاست۔

بڑی بیگم رونے لگیں، تو ضعیفہ نے سمجھایا کہ ہائیں رونا کیا معنی۔

ب۔ بھلا بہن سچ کہو کوئی ایسی بات تو۔

(ایسی بات تو) یہاں تک بڑی بیگم کہہ چکی تھیں کہ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ اور پھر ضعیفہ نے تسلّی دی۔

ب۔ کوئی ایسی بات تو نہیں سنی، جس سے مجھے سنکھیا کھا کے سو رہنا پڑے، جو ٹھیک جواب نہ دیا تو حشر کے روز دامن پکڑوں گی۔

ض۔ ایسی کوئی بات ابھی تک نہیں ہوئی۔

ب۔ کیا خدا نہ کردہ ہونے کو ہے۔

ض۔ نہ مگر لوگ تاک میں ہیں۔

ب اللہ کرے جنازہ نکلے موؤں کا جو میری بچیوں کو بری نظر سے دیکھیں۔

ض۔ بس اب ہوشیار رہو۔

ب کیا ہوشیاری کروں۔ اندر سے باہر تک پچاسوں آدمی، نوکر چاکر، لونڈیاں مغلانیاں ہیں۔ پھر سچ کہوں مجھ کو تو دونوں نیک معلوم ہوتی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ض۔ کوئی ماں کے پیٹ سے بدبھی پیدا ہوا ہے، یہ موئے شہدے خراب کر ڈالتے ہیں، بھلے مانس کو۔

ب۔ گھر بھر میں کوئی جوان عورت ہی نہیں نوکر رکھی کہ کسی کے بہکانے سے لڑکیوں کو ورغلائے؟ کوئی ایک جوان ہے مگر معتبر۔

ض۔ میں سب کہوں گی۔

ب۔ لوگاریاں بنی رکھی ہیں کھاؤ۔

ض تم تو بھول بھول جاتی ہو۔

ب۔ بیگم۔ کیا؟

ض میں پان کہاں کھاتی ہوں۔

ب ہاں ہاں، سچ کہا، اب میرے حواس بھی ٹھکانے نہیں ہیں۔

ض تم گھبراؤ نہیں، لڑکیاں ماشاء اللہ سب نیک ہیں۔

ب ہاں، بدی تو کسی کے مزاج میں بھی نہیں ہے۔

ض، دونوں پڑھ لیتی ہیں یا ایک؟

ب دونوں۔

ض اچھا یہ میں لکھ لائی ہوں، ان سے کہنا کہ صبح کو روز پڑھ لیا کریں، سب بلا چٹ۔

یہ کہہ کر ایک کاغذ دیا جس میں یہ لکھا تھا۔

الٰہی یکتائی، بے ہمتائی، وقیوم توانائی، وبہمہ چیز دانائی، وبہمہ حال بینائی، از عیب مصفائی، واز شرک مبرائی، اصل ہر دوائی، شہنشاہِ فرمانروائی، مسندِ نشینِ استغنائی، الٰہی! محتاجِ جانی ونہ آرزومندِ مکانی، پیداست کہ درمیانِ جانی بلکہ جان زندہ بچیزی ست کہ توانی، الٰہی! عذرہا بپذیر، کہ تو غنی و ما فقیر، عیبہائے ما راگیر، کہ تو قوی و ما فقیر، الٰہی! دِلی دِہ کہ در کارِ تو جان بازیم، وجانے دِہ کہ کارِ آن جہان سازیم، الٰہی! ہمتے دِہ کہ از دنیا بیزار شویم، و توفیقے دِہ کہ استوار شویم، الٰہی! نگہدار کہ پریشان نشویم، و براہِ آزما سرگردان نشویم، الٰہی! تو آن ساز کہ دیگران نسازند، تو آن نواز کہ دیگران ننوازند، الٰہی! چون بتو نگرم بادشاہم تاج بر سر، چون بخود می نگرم خاکم از خاک کمتر:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیوستہ دلم دم از رضای تو زند
جان در تن من نفس برای تو زند
گر بر سرِ خاکِ من گیاہی رُوید
ہر برگ ازان بوی وفای تو زند

ض۔ اگر صبح کو اٹھ کر اس کو پڑھ لے تو جو آرزو ہو مگا پوری ہو جائے۔

ب۔ اچھا ضرور پڑھیں گی۔

ض۔ ذری صاحبزادیوں کو تو بلواؤ۔

ب۔ پیاری کی ماں! او پیاری کی ماں! ذری جا کے حسن آرا سپہر آرا کو بلاؤ، کہو چلیے استانی جی آئی ہیں۔

ض۔ ہاں ذری جلدی بھیجنا بیٹا۔

پیاری کی ماں اٹھ کر گئیں کہ حسن آرا اور سپہر آرا کو بلائیں۔

اب سنیے کہ وہاں چاروں بہنیں بیٹھی شطرنج کھیل رہی تھیں۔ حسن آرا اور روح افزا ایک طرف، سپہر آرا اور بہار النسا دوسری جانب۔ حسن آرا کی بازی میں رُخ، فرزین، ایک پیل، اور چھ پیادے، اور دوسری بازی میں فرزین اور دو رخ اور ایک پیادہ۔ مگر بہار النسا کی بازی دبی ہوئی تھی۔ یوں باتیں ہو رہی تھیں۔

سپہر۔ بہار النسا بہن تو کہنا نہیں مانتیں۔ کہہ دیا کہ پیادہ نہ بڑھو۔ پیادہ نہ بڑھو۔ لے کے بڑھ دیا۔ اسپ کا اسپ پٹ گیا۔ اور بازی کی بازی دب گئی۔

بہار۔ اچھا پھر کیا کرتے۔ یہ۔

سپہر۔ اسپ اس گھر کیوں نہ آئیں۔

بہار۔ تم کو تو بس ایک چال سوجھتی ہے۔ اور یہاں دس بیس چالیں ذہن میں رہتی ہیں۔ دیکھو تم اسپ کو اس گھر میں لے آتیں۔ وہ اس رُخ کو مار کے کشت دیتیں، تم کہاں جاتیں، بتاؤ چلو تو ابھی ابھی معقول کر دوں۔

سپہر۔ ہم کیوں یہ گھر نہ تھا، بادشاہ کو۔

بہار۔ اچھا۔ تو رخ تو گیا جہنم میں، یا نہیں گیا۔ بولو!

سپہر۔ ہاں رُخ پٹ جاتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار۔ (پیار کر کے) رُخ ہی نہیں کٹتا۔ بازی گئی گذری تھی۔ بادشاہ کو تو ایک ہی گھر تھا۔ وہ پیل کی کشت دے کر وزیر کو بھی ٹھگ لے جاتیں۔ بس یہ پھندے ہی تو تمھیں نہیں سوجھتے۔ یہی تو ساری کرامات ہے شطرنج میں، اور ہے کیا۔

سپہر۔ اف بازی ہی ستیاناس ہو گئی تھی۔ حسن آرا بہن خوب کھیلتی ہیں، اور تم بھی اچھا کھیلتی ہو۔

روح۔ اور ہم؟ ہمارا نام ہی نہیں۔

سپہر۔ بہن تم ان دونوں کو نہیں پاتیں۔ چاہے جو کہو ہم ایک نہ مانیں گے۔

روح۔ اچھا اکیلے اکیلے کھلوالو۔

حسن۔ میں تو رُخ اٹھا کے ان سے کھیلتی ہوں۔

بہار۔ میں بھی، ابھی ابھی سہی۔

روح۔ مگر کوئی بیچ میں بول نہ اُٹھے۔

بہار۔ کوئی نہیں۔ بس ہم اور تم۔

یہ میٹھی میٹھی باتیں چاروں بہنوں میں بھولے پن کے ساتھ ہو ہی رہی تھیں، کہ پیاری کی ماں تشریف لائیں۔ اس بڈھی عورت کی عادت تھی کہ جب کبھی بڑی بیگم کسی کو بلوائیں تو یہ ڈپٹی ہوئی جاتیں، اور خوب غل مچاتی تھی کہ چلو ابھی ابھی چلو۔ اب بھی حسب معمول ایسا ہی کیا۔ چلیے صاحب چلیے۔ جلدی سے اٹھیے۔ حکم ہے کہ ابھی ابھی لاؤ، سپہر آرا کو یہ تقریر بڑی بری معلوم ہوئی۔ تنک کر بولی کہ جاؤ یہاں سے کہہ دو نہیں آتے۔ واہ بوڑھی ہو گئی، ابھی تک عقل نہ شعور۔ آئی وہاں سے چودھرائن بن کے۔ سیدھی طرح بات نہیں کی جاتی۔ پیاری کی ماں بہت ہی خفیف ہوئی، چپ چاپ سنا کی۔ اتنے میں مغلانی نے آکر کہا کہ بیگم صاحب استانی جی آئی ہیں۔ آپ سب کے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ ذری دم کے دم چلی چلیے۔ بازی بچھی رہنے دیجیے۔ استانی جی کو آپ سب سے بڑی الفت ہے۔ حسن آرا اور سپہر آرا اور بہار النسا اور روح افزا اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور دوپٹے کو سنبھال کر چاروں تمیز کے ساتھ آداب بجالائیں۔ استانی جی نے سپہر آرا کو گلے لگایا، اور سب بہنوں نے بزرگانہ گفتگو کرنا شروع کی۔

استانی ان دونوں کو ہم نے آج پہلے ہی مرتبہ دیکھا (روح افزا اور بہار النسا کو) تمھارا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیا نام ہے بیٹی؟

بہار۔ بہار النسا۔

استا۔ بہار النسا بیگم واہ وا، یہ تو خوب نام ہے۔ اور تمہارا؟

روح۔ روح افزا

بی اُستانی جی نے ان کو دعائے خیر دی، کہ اللہ کرے یہ شاد اور بامراد رہیں۔ دودھوں نہائیں پوتوں پھلیں، اور بڑی بیگم سے رخصت ہو کر ڈولی پر سوار ہوئیں، اور وعدہ کر گئیں کہ اب کی جمعرات کو پھر آوں گی۔

تباہی! تباہی! تباہی!

این نکتہ سربستہ بیادم زحباب ست
کایں عمر بیک چشم زدن بر آب ست

وہ قطرۂ بارشِ جدائی، وہ غرقۂ بحرِ آشنائی یعنی آزاد فرخ نہاد، وبادلِ شاد، خاتون پری زاد، وماہ سیما، ونیشیا اور اس کے پیارے شوہر جوان روئیں تن، لفٹنٹ اپیلٹن سے گپیں اڑاتا بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی کے لطف اٹھاتا، اپنے سچے ہمدردوں کی محبت کا دم بھرتا، غم غلط کرتا سمندر کی طغیانی اور جہاز کی روانی دیکھتا، طرح طرح سے اپنا دل بہلاتا تھا۔ جس وقت ناظورۂ جادو جمال، پری تمثال، کا چاہِ زنخدان یاد آتا تھا۔ جی ڈوبا جاتا تھا مگر دل کو سمجھاتا تھا کہ ؎

یا ہاتھ توڑے جائیں گے یا کھولیں گے نقاب
سلطانِ عشق کی یہی فتح و شکست ہے

ایک روز جہاز کے ناخدا نے سب کو اطلاع دی، کہ ایک گھنٹے میں بڑی سخت آندھی آنے والی ہے۔ مستعد ہو رہو۔ یہ خبر وحشت اثر سنتے ہی سب کے ہوش و حواس غائب ہو گئے۔ جہاز کے ناخدا نے آلہ بردمیٹر کے ذریعے سے جہاز والوں کو بصد حزن و ملال آگاہ کر دیا کہ بہت جلد طوفانِ عظیم آنے والا ہے اس ناگہانی کے دفعیہ کا انسانِ ضعیف البنیان میں یارا نہیں۔ مشیّت ایزدی میں چارا نہیں، لوگ اس خبر وحشت اثر کو سن کر از بس، سراسیمہ وحیران ہوئے۔ انتہا کے سرگردان و پریشان ہوئے۔ جس کو دیکھیے جگر خون، جس پر نظر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ڈالیے دل ریش و محزون۔ ہوش و حواس نے ہوا بتائی، آنکھوں میں تاریکی چھائی، سارا عالم تیرہ و تارا نظر آتا تھا، اجل کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھرا جاتا تھا۔ کوئی مثلِ سنبل پریشان، کوئی مثلِ گل چاک گریبان، لبوں پر آہ شعلہ فشان، زبان پر الامان:

اگر ہے آنکھوں میں آنسو تو دل ہے غم سے بھرا

جگر میں درد ہے، تو ہے زبان پر واویلا

آسمان حق پرستوں کے دل کی طرح صاف، چاندنی خوب نکھری ہوئی، ماہ منیر مثل محبوب چاردہ سال جلوہ کنان، بحر و بر سے تجلّیِ صبح اقبال عیاں۔ اجرام نورانی، فلک سے قدرت ربانی نمودار، انّا زینا السّمار الدنیا بزینۃ الکواکب کا مفہوم آشکار۔

میاں آزاد کا جہاز جس کا پیارا نام جنی ڈینس Gennie Deans تھا معشوقانِ طناز کی طرح، اٹھکھیلیاں کرتا جاتا تھا، ناخدا نے پھر اطلاع دی کہ طوفان آتا ہے، بیرومیٹر سے طوفانِ عظیم کی آمد آمد صاف ظاہر ہے۔ لوگو خبردار ہوشیار! طرفۃ العین میں مصیبت سے دوچار ہے، زندگی سے ہاتھ دھونا ہے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، جان کے لالے پڑے حیرت تھی کہ یا الٰہی جائیں تو کہاں جائیں۔ اس بحرِ ناپیداکنار، اور طوفانِ حسرت بار سے نجات کیوں کر پائیں، دل بے قرار و بے تاب تھا، زہرہ آب آب تھا۔ دیکھا کہ کپتان کے بھی ہاتھ پاؤں پھول گئے، اور اس کے لفٹننٹ بھی سب سٹی پٹی بھول گئے۔ ہیجوے، یعنی بیڑھیوں سے تختے پر آتے تھے اور گھبرا کر پھر اوپر چڑھ جاتے تھے۔ اس سبب سے آتش غم اور بھی تیز ہوئی ہر گوشے سے بلند صدائے بریز بریز ہوئی۔ ناخدا نے لاکھ سمجھایا۔ مگر کسی کو اس کی فہمائش سے جان بچنے کا یقین نہ آیا۔ کھپ گئی کہ اب ہم ہیں اور گرداب بلا، ہم ہیں اور چار موجۂ فنا:

کسی طرح سے سمجھتا نہیں دلِ ناشاد

وہی بکا ہے، وہی زاری اور وہی فریاد

اتنے میں ہوا نے وہ زور باندھا کہ الامان! الامان! ناخدا نے صرف ایک مین سیل Main sail تو بدستور رہنے دیا، باقی اور سب اتار لیے۔ اب جہاز راہِ خدا پر چھوڑ دیا گیا۔ موجوں کی یہ کیفیت کہ آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ جہاز تھپیڑے کھا کر گیند کی طرح اُدھر سے اِدھر آتا تھا اور اِدھر سے اُدھر جاتا تھا۔ سمندر اس درجہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوش وخروش پر تھا کہ الحذر الحذر! جہاز والے زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، جان و مال کو رو بیٹھے، سمندر کی ڈراؤنی صورت دیکھ کر بدن کانپ اٹھتا تھا۔ مرد وزن یا علیؓ مدد دے! یا خدا بچائیو! کا غل مچاتے تھے۔ بچے سہم کر اپنی ماؤں سے چمٹے جاتے تھے۔ کوئی عورت منھ ڈھانپ کے روتی تھی کہ ہائے عمر بھر کی کمائی اس سمندر میں گنوائی۔ اپنے پیارے معصوم بچے کو چھاتی سے لگا کر کہتی کہ اماں کا کلیجا پھٹا جاتا ہے۔ بیٹا ہم تم سے اور تم ہم سے رخصت ہوتے ہو۔ وہ ناداں مسکراتا تھا، اور اس بھولے پن سے اپنی مادرِ مہربان کے دل پر بجلیاں گراتا تھا:

مطلبے گر بود از ہستی ہمیں آزار بود
ور نہ در کنجِ عدم آسودگی بسیار بود

کسی کو ہجوم یاس و حرماں سے چپ لگ گئی تھی۔ کسی بے چارے کے ہاتھ پانو میں کپکپی تھی۔ کوئی بمقتضائے اضطراب و اضطرار سمندر میں کود پڑنے کا ارادہ کر کر کے رہ رہ جاتا تھا۔ کوئی ہول کے ناخداؤں، خلاصیوں، سے لپٹا جاتا تھا۔ کوئی مصروفِ مناجات تھا۔ کسی کے لب پر یا دافع البلیّات تھا۔

غرض فرطِ خوف سے کیا بوڑھے، کیا جوان، کیا عقلمند، کیا نادان، سب کی عقل گم، حواس باختہ ہو گئے تھے۔

خاتونِ ماہ لقا وئیشیا کے چہرے سے رنگ کافور ہو گیا۔ بذلہ سنج کے دل سے خیالِ لطیف کوئی منزلوں دور ہو گیا۔ میاں آزاد کا چہرہ زرد، اپلیٹن کے لب پر نالۂ پردرد، وئیشیا کے دستِ رنگین میں اپلیٹن کا ہاتھ اِدھر آزاد اُدھر بذلہ سنج ساتھ، تمام جہاز لبریز آہ و فغاں تھا۔ رونگٹا رونگٹا مرثیہ خواں تھا۔ اس طوفان نے جہاز کو ماتم کدہ کر دیا۔ رگہائے تن میں غم و الم کوٹ کوٹ کر بھر دیا:

دلِ ستم زدہ و یاس و حسرت و ارماں
انیس تھے یہی دو تین چار پہلو میں

میاں آزاد نامراد، بادلِ ناشاد، سوچنے لگے کہ بارِ خدایا یہ کس مصیبت سے دوچار کیا۔ معشوقِ زہرہ تمثال کے عوض صنمِ اجل سے ہمکنار کیا۔ جی لگانے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی خوب سزا پائی۔ وصالِ محبوب کی دھن میں جان ہی گنوائی۔ ہماری ہڈیاں تک گل جائیں گی۔ مگر حسن آرا بیگم اس سانحہ جگر دوز کی خبر بھی نہ پائیں گی۔ وہ بے چاری برسوں ہماری خبر سے بے خبر رہے گی۔ نصیب اعدا انواع و اقسام کے صدمے سہے گی۔ اور وفورِ غم سے تڑپ تڑپ کر کہے گی:

اے پادشہِ خوبان داد از غمِ تنہائی
دل بے تو بجان آمد وقت ست کہ باز آئی
اے دردِ توام درمان در بسترِ ناکامی
وے یادِ توام مونس در گوشۂ تنہائی
تنہائی و مہجوری دراز تو چنانم کرد
کز دست بخواہد شد پایاب شکیبائی

(حافظ)

میں، غریقِ لجۂ فنا، اس بحرِ صدق وصفا کو، دردِ دل سے کیوں کر آگاہ کروں، ٹھان لی تھی کہ چاہے اپنے کو برباد و تباہ کروں مگر معشوقِ زرّیں کمر کا حکم بجالاؤں۔ ٹرکی جاؤں اور پھر جاؤں، اس میں مروں یا زندہ آؤں لیکن:

مچھلی کو کیا خبر تھی کہ پانی میں شست ہے

پیاری سپہر آرا بار بار فال دیکھیں گی، کہ آزاد کب تک مجیدی تمغے لگائیں گے میدانِ کارزار سے سُرخرو ہو کر واپس آئیں گے منتیں مانے گی کہ آزاد آئیں، تو ہم مسجد میں گھی کے چراغ جلائیں، آزاد صورت دکھائیں، تو ہم گلگلے چڑھائیں، مگر آزاد اب دو گھڑی کے مہمان آفتاب لبِ بام ہیں۔ نامراد و ناکام ہیں۔ آزاد کی کشتیِ زندگی بحرِ ہستی میں غوطے کھاتی ہے، کوئی دم کے دم میں تہہ کی خبر لاتی ہے۔ کوہِ فنا سے ٹکرائی، یہ ڈگمگائی وہ ڈگمگائی:

کشتی نشستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینم دیدارِ یارِ آشنا را

(حافظ)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مگر دنیا بامید قائم ہے۔ دل کو اس حالت میں بھی ڈھارس دیتے تھے کہ سائیں کے سو کھیل ہیں:

روزے برسی بوصل حافظ

گر طاقتِ انتظار داری

اب سنیے کہ جہاز بھر میں تو کہرام مچا تا تھا، مگر خوجی افیمی لمبی تانے سو ہی رہے تھے اس نیند پر خدا کی مار، اس پینک پر شیطان کی پھٹکار، میاں آزاد نے جگایا کہ خواجہ صاحب اٹھیے طوفان آیا ہے۔ حضرت نے لیٹے ہی لیٹے بھنبھنا کر فرمایا کہ، چپ گیدی ہم نے خواب میں بہروپیا پکڑ پایا ہے۔ تب تو میاں آزاد جھلّائے، اور کس کر ایک لات لگائی، خوجی کلبلا کر اٹھ بیٹھے، تو طلاطم کا عالم دیکھا، ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے، سمندر کی بھیانک صورت دیکھی تو کانپ اٹھے، دیکھا ہر مرد و زن مبتلائے بلا ہے، ہر سمت آہ و بکا ہے۔ پانی بلیوں اچھلتا ہے، مفر کی کوئی صورت نہیں، دیوانِ حافظ اٹھا لیا، اور صدق دل سے فال دیکھی۔ آزاد کو پڑھ کر غزل سنائی:

رفتم بباغ صبحدمی تا چنم گلی

آمد بگوش ناگہم آواز بلبلی

مسکین چو من، بعشقِ گلی گشتہ مبتلا

واندر چمن فگندہ بفتر باد غلغلی

می گشتم اندران چمن و باغ دم بدم

می کردم اندران گل و بلبل تاملی

چون کرد در دلم اثر آوازِ عندلیب

گشتم چنانکہ ہیچ نماندم تحملی

بس گل شگفتہ می شود این باغ را ولی

کس بے بلائے خار نچیدہ است از و گلی

ناخدا خوب سمجھتا تھا کہ حالت ہر گھڑی نازک ہوتی جاتی ہے۔ طوفان ہے کہ امنڈا چلا آتا ہے۔ موج کے تھپیڑے اس قدر بلند ہوتے تھے کہ کلیجہ بانسوں اچھلتا تھا۔ لیکن آزمودہ کار تھا۔ اس کی پھرتی اور استقلال سے لوگوں کو کچھ یوں ہی سی تشفّی و تسلّی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوئی تھی۔ کہ شاید جان بچ نکلے۔ اپنے اپنے مذہب اور عقیدے کے بموجب، اہلِ جہاز جنابِ باری سے دعا مانگتے تھے۔

اب سنیے کہ جس مقام پر جہاز غرق ہونا تھا، اس کے سامنے ایک چھوٹا اور پُر فضا ٹاپو تھا۔ جزیرۂ پیرم، یہ جزیرہ ساحل یمن سے چار میل کے فاصلے پر ہے۔ طول ساڑھے چار میل، عرض دو میل، سطح بحر ۲۳۰ میل بلند، اس کے گوشہ جنوب و مغرب میں ایک نہایت دل کش بندرگاہ ہے۔ دو چار آدمیوں نے اس جزیرہ کو بصد حسرت دیکھ کر کہا کہ ہائے! خدا جانے یہ کون ٹاپو ہے۔ آزاد خوب واقف تھے کہ یہ جزیرہ پیرم ہے۔ انھوں نے کئی یورپین سیاحوں سے کہا تھا کہ اگر اس جزیرے میں کوئلے کا بندوبست ہو تو خوب بات ہے۔ مگر اکثروں نے جواب دیا کہ جزیرۂ مذکور میں پانی کی عنقائیت ہے۔ یہ جزیرہ جہاز والوں کو ترساتا تھا، اور سب کے سب دست بدعا تھے کہ یاالٰہی! کسی طرح اس ٹاپو تک جہاز مع الخیر پہنچ جائے۔ تیری بندہ نوازی کے صدقے، ہمیں جزیرہ تک پہنچاوے۔ ہائے اس ٹاپو کے پاس ہی آندھی آتی، تو اتنے بندگانِ خدا کی جان کیوں جاتی، مگر افسوس!

قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی جا کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

اتنے میں ناخدا نے حکم دیا کہ

اس جگر خراش، فقرے سے جہاز میں کہرام مچ گیا۔ صدائے ماتم، ہر گوشہ سے بلند ہوئی، جہاز کے مسافروں کی پریشانی اور مایوسی دہ چند ہوئی۔ پانوں خواب آلود ہوئے جسم شعلے کی طرح تھرانے لگا۔

ناخدا نے پھر پکار کر کہا یعنی جتنے آدمی جہاز میں ہیں، سب مگاعرشے پر آجائیں۔ اہل جہاز نے شورِ الامان بلند کیا، تو یہی معلوم ہوا کہ ادھر حاملانِ عرش اور ثورِ فلک، اور ادھر خفتگانِ تہِ خاک اور گاؤ زمین کانپ اٹھے۔ ہر فردِ بشر کے چہرے پر بے کسی برستی تھی:

فلک بگریہ در آمد ز اشک باریِ شان
زمین بلرزہ در آمد ز بے قراریِ شان

آزاد نے اس حالتِ نومیدی میں ہاتھ مل کر کہا:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہزار حیف کھلا اب کہ وہ سب دھوکا تھا
وہ ربط اور وہ محبت تھی مثلِ موج سراب
رواں ہے آنکھوں سے دریا لگی ہے دل میں آگ
ہوا ہوں میں تری فرقت میں صرف آتش و آب
امیدِ وصل نہیں تا بزیست یا قسمت
دکھائے دیکھیے کیا کیا یہ ہجر خانہ خراب

مرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، مگر جب وحشت اور نومیدی اور انتہا کی پریشانی میں خیال آتا تھا، کہ بعدِ مرگ وصال ہو تو گویا جی اٹھتے تھے۔ کبھی کان میں حسن آرا بیگم کی آواز آتی تھی، کہ کیوں آزاد، داغِ مفارقت دے چلے، کبھی چونک پڑتے تھے کہ ایں، سپہر آرا کے رونے کی آواز کہاں سے آئی۔ مگر حسن آرا اور سپہر آرا دونوں کو ان کے دردِ دل کی خبر نہ تھی۔ بس اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ اپلیٹن اپنی چاہتی بیوی کا پیارا پیارا ہاتھ پکڑ کر بدحواسی کے ساتھ تختے پر کھڑے رو رہے ہیں۔ اور بذلہ سنج کی آنکھیں روتے روتے مثلِ خونِ کبوتر سرخ ہیں۔ میاں آزاد کو دیکھ کر ونیشیا نے بصد حسرت کہا: مسٹر آزاد! الاس، الاس!

آزاد۔ رخصت!

ونیشیا۔ دائمی۔

آزاد۔ جہاز اب گردابِ طلاطم میں ہے۔

ونیشیا۔ چاہے جو ہو۔

آزاد۔ (رو کر) ہائے ستم وائے ستم!

مس۔ مسٹر آزاد!

آزاد اب کیا؟ صبر، اب کیا؟ صبر، اب کیا؟ صبر۔

مس سمجھ گئی کہ غم اور الم نے اس بیچارے کو دیوانہ بنا دیا۔

بذلہ سنج۔ ارے! ہے ہے۔ لو اب بھنور میں جہاز آگیا۔

اس وقت عورتوں نے اس زور شور سے آوازِ بکا بلند کی کہ کل جہاز والوں کے کلیجے دہل گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مس۔ Alack- Alack – Alack

ص۔ بس اتنی ہی دنیا تھی۔

آزاد۔ ہاں بس اتنی ہی دنیا تھی۔

خوجی۔ بھائی! پیارے، ہائے آزاد! خدا گواہ ہے، کہ میں اس وقت افیم کے نشے میں نہیں، مگر حیف صد حیف! کہ تمہاری جان جاتی ہے۔ ہائے حسن آرا سمجھیں گی کہ آزاد نے دھوکا دیا۔ پردہ نشین بیگم، اُس عصمت سمات کو کیا معلوم ہوگا کہ جہاز ڈوب گیا۔ اور آزاد کی جان گئی۔ ہائے افسوس وائے افسوس!

زجوشِ آتشِ غم شعلہ افشاں شد چراغِ من
خدایا بر دلم رحمی، کہ خون گردید داغِ من

ارے آزاد! ہائے تیری جوانی مفت گئی۔ حسن آرا کے عشق نے تجھ کو کہیں کا نہ رکھا۔

حیف! صد حیف!

جہاز پر جتنے مرد اور عورتیں اور بچّے تھے سب صیدِ مصیبت تھے۔ بچّے اپنی اپنی ماؤں سے چھٹے ہوئے زار زار روتے تھے۔ عورتوں نے شورِ محشر بپا کیا تھا۔ مرد گریہ کناں، اور انتہا کے پریشاں، جو لوگ تھوڑی ہی دیر ہوئی خوش و خرم تھے۔ ان کو اس وقت گریہ کناں پایا۔ خود اپنی قضا کا نوحہ خواں پایا:

مدتِ شادی و غم نیست برابر بہ جہاں
گریۂ شمع شبی خندۂ صبح ست دمی

جہاز تین بار گھوما، اور ہوائے تند اس کو کئی گز کے فاصلے پر لے گئی۔

م۔ پیارے ڈارلنگ، اپیلٹن! رخصت۔

اپیلٹن۔ (ص) پیاری۔ رخ!

ہائے رخصت کہنے کو تھا، مگر رخ کہتے ہی جہاز نے چوتھے بار چکر کھایا اور (رصت) زبان سے نہ نکل سکا۔ وینیشیا کی اس وقت عجیب کیفیت تھی۔

آزاد فرخ نہاد، تو ایک جری اور دلیر آدمی تھے۔ کوشش بلیغ کی کہ بنی نوع انسان کی جان بچائیں۔ کپتان اور اس کے لفٹنٹ اور اہل جہاز سب آزاد کے عاشق تھے۔ ایک قسم کی دلی محبت ہو گئی تھی۔ آزاد نے سعی مشکور کی، کہ اہل جہاز ڈوبنے سے بچ جائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مگر یہ خیال محال تھا۔ کپتان نے اس وقت بڑی مایوسی سے کہا کہ کیا اس وقت یہاں کوئی آدمی بھی ایسا نہیں جو میرے اسسٹنٹوں کو مدد دے، اور بندگان خدا کی جان بچائے، میں تو جی کڑا کر کے جان بچانے میں کوشش موفور کر رہا ہوں۔ السّعی منّی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔

پھر کپتان نے غل مچا کر کہا کہ۔ Lower the life Boat

واضح ہو کہ ہر جہاز کے ساتھ چند لائف بوٹ رہتے ہیں۔ رسّیوں اور زنجیروں سے جکڑے ہوے۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ لائیف بوٹ سے مدد لی جائے۔ لائیف بوٹ جہاز کے غرقاب ہونے کے وقت کام آتے ہیں۔ ناخدا نے کہا کہ لائیف بوٹ، جو اس جہاز کے ساتھ ہیں۔ ان کو نیچا کرو۔ آزاد نے اس میں بڑی مدد دی۔

اب جہاز ڈوبنے ہی کو تھا۔ دس فٹ سے زیادہ پانی جہاز کے ہولڈ میں آ گیا تھا۔ آزاد نے کپتان سے کہا کہ پانی کو پمپ کے ذریعہ سے نکالو، ورنہ غضب ہی ہو جائے گا کپتان نے کہا کہ پمپ کے ذریعہ سے پانی نکالنا بے کار ہے۔

آزاد۔ کیوں ؟

کپتان۔ پہلے تو آندھی کا ذرا بھی گمان نہ تھا۔ دفعتًہ طوفان جو آیا تو امواجِ بحر پہاڑ کی بلندی کے برابر اونچی ہونے لگیں، جو شے تختے پر تھی سب کو بہا لے گئیں۔

آزاد نے کپتان کی بڑی تعریف کی، اور لائیف بوٹ کو نیچا کیا، اس وقت آزاد کی پھرتی، اور ہمدردی اور سچّی شجاعت کے اہلِ جہاز تہ دل سے مدّاح تھے۔ اور ونیشیا اس جری نوجوان کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ آزاد نے بہت سے لڑکوں اور عورتوں کو لائیف بوٹ میں جگہ دی۔ اس کام میں جو اس کی سچّی ہمدردی اور بسالت پر دال تھا اس کی جان خود معرضِ خطر میں تھی۔ مگر آزاد کی جرأت اور شجاعت اعلیٰ درجہ کی تھی۔

آزاد اس وقت عورتوں اور بچّوں کو مدد دے رہے تھے۔ کہ وہ جہاز سے لائیف بوٹ میں کود آویں۔ انھوں نے کسی کی ایک نہ سنی، پھر ونیشیا نے بصد حسرت ان کو بآوازِ بلند پکارا۔

آزاد اور سب کو چھوڑ کر ونیشیا کی طرف آئے، اور ان کو گود میں اٹھا کر لائیف بوٹ کی طرف لے گئے، ونیشیا نے کہا پیارے آزاد! میری جان سے زیادہ پیارے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپیلٹن کو تولاؤ۔ اتنے میں اپیلٹن بھی آیا۔ ونیشیا اور اپیلٹن دونوں لائیف بوٹ میں کودے۔ اور آزاد نے فرطِ طرب سے تین بار کہا۔

Hip Hip Hurrah
Hip Hip Hurrah
Hip Hip Hurrah

آزاد کی بسالت اس وقت قابلِ دید تھی۔ بلکہ دید تھی نہ شنید تھی۔ لوگوں کو شک کی جگہ یقین ہو گیا کہ یہ انسان نہیں فرشتہ آسمان سے آیا ہے کہ گنہگاروں کو غرق ہونے دے اور بے گناہوں کی جان بچائے، دوسرے لائف بوٹ میں بھی آزاد کی کوشش موفور ہے۔ کئی آدمی کودے۔ جہاز کے کپتان نے جہاز کو اس وقت چھوڑا جب تین بار چکّر کھا کر وہ غرقاب ہونے کو تھا۔ ناخدا لائیف بوٹ میں کودا، تو میاں آزاد نے باآواز بلند کہا۔

Save The Compass to anable you to steer for the land

یعنی کمپاس اپنے ساتھ لیتے آؤ، تاکہ اس کے ذریعہ سے لائیف بوٹ خشکی کی طرف جاسکیں۔ ناخدا نے کمپاس لیا۔ جزیرہ پیرم سامنے نظر آتا تھا۔ مگر فرطِ یاس سے کسی کو امید نہ تھی کہ وہاں تک پہنچ سکیں گے۔

پیرم کے باشندے بمقتضائے ہمدردی انسانی، نہایت حسرت اور غایتِ ملال کے ساتھ دیکھتے تھے کہ ایک جہاز ڈوب رہا ہے۔ ان لوگوں نے جزیرے کے ساحل پر خوب تیز روشنی کی۔ اور کئی من تیل برابر ڈالتے گئے، تاکہ شعلے بلند ہوں اور اہل جہاز نے اگر یاس اور غم اور پریشانی کے سبب سے، اس جزیرے کو نہ دیکھا ہو تو روشنی سے سمجھ جائیں کہ زمین قریب ہے۔ تین مختلف مقامات پر آگ جلائی گئی۔ صدہا آدمی اس واقعۂ ہوش ربا کے دیکھنے کے لیے اپنے اپنے مکان چھوڑ کر ساحل بحر پر آن کھڑے ہوئے تھے۔ اور غل مچا رہے تھے۔ اکثر رقیق القلب آدمی پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے اور تہ دل سے آرزومند تھے کہ ڈوبنے سے بچ جائے۔ مگر بعض ذاتِ شریف اس مصیبت کو دیکھ دیکھ کر کھلے جاتے تھے کہ سویرے منہ اندھیرے، گہرے ہیں خوب رقمیں چریں گے۔ یہ شقی القلب، بدکردار، ناہنجار، ناخدا ترس، مارے خوشی کے تالیاں بجاتے تھے۔ جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ اور باہم خوش خوش یوں گپیں لڑاتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک۔ بس اب جہاز کے ڈوبنے میں باقی کیا ہے۔

دوسرا۔ اجی پو بارہ ہیں۔

تیسرا۔ تڑکے ہی سے لیس ہو کر آؤں گا۔

چوتھا۔ دس بارہ برس ہوئے کہ ایک فرانسیسی جہاز اسی مقام پر غرق ہوا تھا، کئی سو آدمیوں کی جان گئی، مگر یاروں کی ہنڈیا چڑھی۔ ایک صندوق بہتا ہوا اِدھر آنکلا۔ اس میں جواہرات تھے۔ ہم تینوں بھائیوں نے بڑی کشش اور کوشش سے نکالا۔ مگر نصف تو چھن گیا نصف ہمارے ہتے چڑھا۔

پانچواں ارے! ہم جانتے ہیں جہاز بچ جائے گا افسوس۔

چھٹا۔ کیا مجال، کیا طاقت، وہ دیکھو چکر کھایا۔

ساتواں۔ (مونچھوں پر تاؤ دے کر) صبح کو قسمت آزمائی ہوئی۔

آٹھواں۔ اجی ہم نے اسی طرح بہت کچھ پیدا کیا۔ مگر دعاء مانگو کہ جہاز جلد ڈوب جائے۔

نواں۔ خدا کرے! یہ تو ابھی غرقاب ہو جائے۔ اور دس دن تک جتنے جہاز ادھر سے آئیں، بس غرق ہی ہوتے جائیں۔

یہ سنگدل شقی، دست بدعا تھے کہ جہاز فوراً ڈوب جائے، تو صبح کو مال و اسباب ان کے ہاتھ آئے۔ لیکن جزیرہ پیرم میں ایسے رحم دل، طیّب النّفس، نیک مرد بھی، جو دل ہی دل میں دعا مانگتے تھے، کہ بارِ خدایا، اس جہاز کا تو ناخدا ہو جا، عورتیں پھوٹ پھوٹ کر روتی تھیں، کہ خدا جانے کون کون بدبخت اس وقت لقمۂ نہنگِ اجل ہوگا۔ کسی زنِ نوجوان و خوبرو کا پیارا شوہر ڈوبتا ہوگا۔ کسی کا معصوم بچّہ اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوگا۔ جزیرہ پیرم میں اس وقت ساحلِ بحر کے قرب و جوار، اژدحام عام تھا، اس میں ایک زنِ خوبرو و آئینہ زانو، اس سانحہ نادیدنی، اور درد انگیز اور واقعۂ ناشنیدنی و حسرت خیز ہے۔ تڑپ رہی تھی اس کے پیارے شوہر نے جو ایک اوسط درجے کا تاجر تھا اس کو لکھا تھا کہ میں تین دن میں جبنی ڈینس جہاز پر بمبئی سے مصر جاؤں گا۔ خوب جانتی تھی کہ اسی جہاز پر وہ بھی سوار ہوگا۔ تمام عالم اس کی نظروں میں تیرہ و تار تھا، گو تین لائیف بوٹ پر آدمی آ رہے تھے مگر وفورِ غم سے اس درجہ اشک بار تھی، کہ اس کو کوئی شے نظر ہی نہیں آتی تھی۔ زنِ مذکورہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی بے قراری اور اشک باری اور اضطراب و بیتابی کا حال ناگفتہ بہ تھا۔ یہ ڈاڑھیں مار مار کر روتی جاتی تھی، کہ اتنے میں ایک ملّاح نے اس کے آنسو پونچھے اور یوں تشفی کہ: میری پیاری بیٹی! گو تو مجھ کو نہیں جانتی کہ میں کون ہوں لیکن میں تجھ کو خوب جانتا ہوں۔ دس برس کے سن سے میں نے ملّاحی کا کام کیا ہے اور اب میں پچاسی برس کا ہوں۔ پچیس روز سے میں نے جہازرانی چھوڑ دی۔ اب میں بوڑھا ہوا۔ میں نے سمندر کی جو جو کیفیتیں دیکھی ہیں، وہ اس جزیرے میں کسی نے کم دیکھی ہوں گی۔ یہ کچھ فرض نہیں کہ جب جہاز ڈوبے تو سب کے سب غرق ہی ہو جائیں۔ بحرِ پاسفک میں ایک جہاز طوفانِ عظیم کے سبب سے چٹکیوں میں غرق ہو گیا۔ مگر صرف گیارہ ڈوبے باقی سب قدرتِ خدا سے بچ گئے۔ تین لائیف بوٹ سامنے آرہے ہیں۔ کیا عجب کہ ان میں تیرا شوہر بھی ہو۔ تھوڑی دیر اور تامّل کر۔ قبل از مرگ واویلا جنابِ باری کی درگاہ سے مردود ہوتا ہے۔ اس زنِ مضطرب حال کی آنکھوں میں ایسا اندھیرا چھایا تھا کہ لائیف بوٹ اس نے اب تک نہیں دیکھے تھے۔ پیر مرد نے جو لائیف بوٹ کا نام لیا، تو اس کو ذرا یوں ہی سی تشفی ہوئی، کہ شاید اپنے پیارے شوہر کی صورت دیکھ سکے۔ آنسوؤں کو پونچھ کر بہت غور کے ساتھ سمندر کی طرف نظر کی، تو دیکھا کہ واقعی تین لائیف بوٹ چلے آتے ہیں لپک کر آگ کو خوب تیز روشن کیا، تاکہ روشنی کی سمت بوٹ آئیں۔ ملّاح نے بھی اس فلک ستائی کو بڑی مدد دی، اور برابر تسکین دیتا گیا۔

عورت۔ (ع) یہ روشنی وہ لوگ دیکھتے ہوں گے۔

ملّاح۔ ضرور اس سے ان کو بڑی تقویت ہوگی۔

ع۔ ہائے۔ کیا معلوم کس کس بے چارے کی جان پر بن آئے گی۔

ملّاح۔ افسوس!

ع۔ بھلا۔ لائیف بوٹ تو نہ ڈوب جائیں گے؟

ملّاح۔ ہلکی پھلکی کشتیاں ہیں۔

ع۔ طوفان تو اور بھی سخت ہوا جاتا ہے۔

ملّاح۔ آگ روشن کرو۔ آگ روشن کرو۔

اس عورت بے چاری مصیبت کی ماری کو یقین واثق تھا کہ اس کا پیارا شوہر کسی نہ کسی لائیف بوٹ پر ضرور ہوگا۔ سچ ہے دنیا بامید قائم۔ اچھی طرح معلوم ہی نہیں کہ بمبئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے وہ روانہ ہوا یا نہیں۔ مگر کھڑی دعا مانگ رہی ہے کہ یا الٰہی ! یہ لائیف بوٹ بچ جائیں کہ پیارے شوہر سے ملوں۔ ہوانے اب وہ زور باندھا کہ الحذر ! طوفان کو گویا ان بندگان سے جانی دشمنی ہے۔ جو جہاز پر سوار ہیں خوجی طوفان کو گالیاں دیتے جاتے تھے، کہ او کمبخت ! او بے ایمان طوفان، او بے رحم، او سنگ دل طوفان، او گیدی، کب کا بدلہ لیا۔ ہائے اسی سے تو میں پانی کی صورت سے کانپتا تھا۔ اس پانی کو آگ لگے۔ مار ہی ڈالا۔ میاں آزاد کو مطلق خیال نہ رہا، کہ خواجہ بدیع صاحب بھی ان کے ساتھ ہمدم و ہمساز ہیں اور لوگوں کو لائیف بوٹ پر آنے میں مدد دی، مگر ان کو بالکل بھول ہی گئے۔ یہ اس وقت ایسے چوندھیا گئے کہ ایک مقام پر کھڑے ہوئے، جہاز اور طوفان اور سمندر کو بے نقط سنا رہے تھے۔

کپتان دو بار حکم دے چکا کہ توپ داغو۔

اتنے میں ایک توب دغی، دھنننا۔

ع۔ اِس کے کیا معنی۔

ملاح۔ — (ہاتھ مل کر) ہائے ہائے۔

ع۔ یہ توپ کیوں دغی؟

ملاح۔ مصیبت کی علامت ہے۔

ہوا اور بھی تیز ہوئی۔ ملاح نے کہا: اتنی عمر میں، میں نے ایسا طوفانِ عظیم نہیں دیکھا۔ جہاز تو اب کھلونا ہو گیا۔ جیسے تنکا ویسے جہاز۔ لہریں تو دیکھو کتنی بلند ہوتی جاتی ہیں۔ اُف الاماں ! الاماں ! سمندر اس وقت گویا خونخوار ہو رہا ہے۔ کچھ ٹھکانا ہے، اتنے میں چاندنی کافور ہو گئی، گھٹا ٹوپ اندھیرا، کالے کوسوں تک چھایا۔ مگر ہوا کی تیزی کے سبب سے شعلے خوب بلند تھے۔ اور جزیرہ پیرم کے چند خدا ترس آدمی آگ کو اور بھی تیز کرتے جاتے تھے۔

ملاح۔ آگ روشن کرو۔ آگ روشن کرو۔

ع۔ تیل، تیل، تیل۔

ملاح۔ ان ڈوبنے والے بے چاروں پر ذرا رحم کرو۔

ع۔ ہے ہے، اس وقت تو کھڑا نہیں رہا جاتا۔ پاؤں لاکھ جماتی ہوں، جمتے ہی نہیں۔

پھر جہاز پر توب دغی دھنننا۔

ملاح۔ (بہ آواز بلند) مرحبا، کپتان اسمتھ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(عورت سے) اس طوفانِ عظیم میں، ایسے چھوٹے جہاز کو اتنے عرصہ تک بچانا کپتان اسمتھ ہی کا کام ہے۔ ایسا ناخدا بھی کم دیکھا۔

ع۔ یہ دوسری توپ کیوں دغی۔

ملاح۔ مصیبت کی علامت ہے۔ (دوربین لگا کر) اف! اے ہے۔ ارے رے رے۔ ایک لہر آئی۔ جہاز تہ و بالا ہونے لگا، وہ گئی تو دوسری آئی، ہنوز جہاز سنبھلنے نہ پایا تھا کہ تیسری موج کے تھپیڑوں نے آفت ڈھائی، میاں آزاد بکمال شجاعت واستقلال، پھر جہاز پر سے کودنے ہی کو تھے، کہ ناخدا نے میاں خوجی کو بھی ان کے لائیف بوٹ میں بہزار خرابی پہنچایا۔ آتے ہی انھوں نے غل مچایا کہ ارے یار وافیم کی ڈبیا تو وہیں رہ گئی۔ میاں کوئی بندہ خدا ذری لپک کے ہماری ڈبیا لے آئے۔ آزاد کو جو پایا تو چمٹ گئے۔ بھائی آزاد! جب اتنا بڑا جہاز نہ بچا، تو یہ ننھی ننھی کشتیاں بھلا کیوں کر بچیں گی۔ آزاد نے کہا: خدا مالک ہے جب زور سے آندھی آتی ہے تو تناور درخت بھی پھٹ پڑتے ہیں۔ کبھی کسی نے یہ نہ دیکھا ہوگا کہ آندھی چلنے سے گھانس ٹوٹ گئی۔

جزیرہ پیرم میں اس زنِ خوبرو نے جو بڑی دیر تک آگ روشن کی اور ایسے طوفانِ عظیم کے وقت، اس لق ودق میدان میں کھڑی رہی تو تپ آگئی، مگر وہاں سے جاتی کیوں کر۔

اِدھر تو یہ باتیں ہوتی تھیں اُدھر جہاز کو ایک موجِ بلاخیز نے اس زور کا تھپیڑا دیا کہ اچھل گیا، ناخدا لائیف بوٹ میں آگیا تھا۔ دوسرا تھپیڑا دیا۔ ملاح نے دور ہی سے دیکھ کر کہا: ہائے ہائے! سب ڈوب گئے بے چارے لائیف بوٹوں میں تو کوئی پچاس ساٹھ آدمیوں سے زیادہ نہیں آنے پائے۔ جہاز گھومنے لگا۔ جس طرح پھرکی کو بچہ گھماتا ہے۔ اسی طرح امواجِ بلاخیز کے تھپیڑوں سے جہاز نے چکر کھایا۔ اہلِ جہاز کا حال ناگفتہ بہ، ان کی بے کسی اور بے بسی، ان کی آشفتہ حالی، اور پریشانی، ان کی سراسیمگی اور حیرانی، عورتوں کی گریہ وزاری، مرد و زن کی اشک باری، بچوں کی بے قراری، کی انتہا نہ تھی۔ اگر کوئی فوٹوگرافر اس وقت جہاز اور اہلِ جہاز کا فوٹو اتارتا تو بڑے بڑے سنگ دل اس کو دیکھ کر زار زار روتے۔ اجل چمٹی جاتی ہے۔ اجل کے پنجے میں مرغ حیات پھنس گیا مگر پھڑ پھڑا رہا ہے کہ شاید تڑپ کے نکل سکے۔ ادھر یہ مصیبت زدہ جہاز پر دیوانہ وار پھرتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہ کسی طرف بھاگ جائیں۔ جان بچائیں اور اُدھر اجل کھڑی ہنس رہی تھی کہ اس وحشت کے صدقے کوئی ان سے اتنا پوچھو کہ مجھ سے بھاگ کے جائیں گے کہاں۔

جان بڑی پیاری چیز ہے۔ خوب جانتے تھے کہ ناخدا ندارد۔ کمپاس کا پتا نہیں۔ جہاز میں پانی برابر آرہا ہے۔ طوفان ستم پر ستم ڈھا رہا ہے۔ سمندر جوش و خروش پر ہے۔ لائیف بوٹ دور نکل گئے۔ مگر پھر بھی کوشش کرتے جاتے تھے کہ شاید کسی طور پر بچ جائیں۔ ہائے افسوس، وائے افسوس:

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

دو اجل رسیدہ بہنیں، اس حالتِ مایوسی میں یوں باتیں کرنے لگیں۔

بڑی بہن۔ (بڑی) کود پڑو پانی میں، کود پڑو۔ شاید بچ جائیں۔

چھوٹی بہن۔ (چھوٹی) (سر پیٹ کر) اب جو چاہے کرو۔ بچنا محال ہے۔

مس۔ (آہ سرد بھر کر) یا الٰہی! ہمیں بچا لے (رو کر) ہائے ہم بے گناہ ہیں۔

ص۔ اف! اس وقت جیسے کوئی کلیجہ مسوس رہا ہے۔ توپ کا مقابلہ کرتے ذرا خوف نہیں معلوم ہوتا۔ مگر اس وقت روح تک لرز رہی ہے۔ خیر خدا حافظ ہے، ونیشیا! گھبراؤ نہیں خدا کی خدائی میں کسی کو دخل نہیں ہے۔

مس۔ یقین نہیں آتا کہ بچیں......

ص۔ صبر۔ صبر۔ استقلال۔ استقلال۔

مس۔ صبر نہیں تو اور یہاں بس کیا چل سکتا ہے (آسمان کی طرف دیکھ کر) یا خدا بچائیو!

ص۔ لو آزاد کی کشتی بھی ادھر ہی آنے لگی۔

مس۔ ہاں آئی۔ مگر وہ بھی تو ادھر ہی چلی آتی ہے۔ ماجرا کیا ہے یا خدا۔ یا خدا!

ص۔ اپنی خوشی سے تھوڑا ہی آتے ہیں کچھ۔

مس۔ کوئی نہ بچے گا۔ اے رب جان گئی۔ اپیلٹن۔ رخصت۔

یہ کہہ کر ونیشیا رخِ انور ڈھانپ کے خوب زار، زار، روئی۔ یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی اپیلٹن بھی زندگی سے ہاتھ دھو چکا تھا۔ مگر ونیشیا کو بکمال استقلال سمجھایا کہ پیاری ونیشیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ذرا مستقل مزاج رہو۔ یہ وقت استقلال کا ہے۔ اگر استقلال نہ کروگی۔ تو کروگی کیا۔ مگر تاہم مستقل رہنا چاہیے۔ دیکھو اگر مستقل نہ رہتے، تو جہاز سے یہاں تک کیوں کر آتے اور لوگوں کی طرح ہم بھی نہ ڈوب جاتے۔

مس۔ اب تو بچنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے (سمندر کی طرف نظر کر کے) اف! ہائے یہ ہمارا جانی دشمن ہے۔

ص۔ آزاد کی کشتی کا رخ بدل گیا۔ افسوس!

م۔ ہائے ہائے!

ص۔ ایسا طوفان تو ہم نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔ یا الٰہی مدد دے! یا خدا مدد دے!

سراسر ہمچو مہر و ماہ گر دیدیم دنیارا
ندارد منزلِ آشنائیشی دیدیم دنیارا

ایک لائیف بوٹ جس پر کپتان اسمتھ تھے وہ تو مع الخیر ساحل جزیرۂ پیرم تک پہنچ گیا۔ مگر دو لائیف بوٹ ابھی سمندر ہی میں ہیں۔ رات اور بھی تیرہ و تار ہوتی گئی۔ مگر طوفان نے نظر عنایت کی۔ جب طوفان کسی قدر کم ہوا تو یہ دونوں بوٹ بھی جزیرۂ مذکور کی طرف چلے۔ کپتان اسمتھ نے لائیف بوٹ سے اترتے ہی، لوگوں سے پوچھا کہ پال نامے ایک ملاح اس ٹاپو میں کہیں ساحل ہی کے قریب رہتا ہے، اس سے میں ملنا چاہتا ہوں ملاح تو وہاں کھڑا ہی تھا۔ آگے بڑھا۔ کپتان اس کو دیکھ کر از حد محظوظ ہوئے۔ ملاح نے کہا میں پہلے تو سمجھا تھا کہ کوئی اور جہاز ہے، مگر پھر مجھے معلوم ہوا کہ ڈنی جینس ہے۔ افسوس صد افسوس۔ کتنے ٹن کا جہاز تھا۔ کپتان صاحب نے کہا کہ ساڑھے تین سو ٹن کا تھا۔ تینوں لائیف بوٹ کوئی ستر بہتر آدمی کو دے۔ باقی بے چارے اسی لیے پیدا ہوئے تھے کہ اس خونخوار سمندر میں جان گنوائیں۔ افسوس میں نے بڑی پھرتی کی۔ اغلب ہے کہ دو بار توپ دغنے کی آواز یہاں آئی ہو۔ بہت عرصے تک کوشش کرتا رہا کہ جہاں تک ممکن ہو جہاز کو ڈوبنے سے بچاؤں، مگر تم خود پرانے تجربہ کار ہو۔ ساٹھ ستر برس تک جہاز رانی کیا کیے۔ تم نے دیکھا ہی ہوگا کہ میں کتنی دیر تک جہاز پر رہا۔ ملاح نے کہا جی ہاں، میں دوربین سے بہت غور کے ساتھ کل کارروائی بصد حسرت دیکھ رہا تھا آپ نے سوائے اعلیٰ مستول کے اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سب مستولوں کو بند کردیا، ورنہ خدا جانے کیا ہوتا۔ یہ ساٹھ ستر آدمی بھی نہ بچتے۔ وہ کون شخص ہے جو دوبار لائیف بوٹ سے جہاز پر آیا، اور لوگوں کو لے گیا۔ یہ بڑا جری آدمی ہے۔ میں نے ایسے جیوٹ کے بہادر کم دیکھے ہیں، جو اوروں کے لیے اپنی جان پر کھیل جائیں۔ کپتان نے کہا وہ ایک ہندوستانی ہے۔ میاں آزاد۔ بڑا لائق آدمی ہے۔ اس سے مجھے بڑی مدد ملی۔ اس کی بسالت اور شجاعت اور جوان مردی کا نقش میرے لوحۂ دل پر منقوش ہوگیا۔ قابلِ داد کام کیا ہے۔ آہاہاہا کس بانکپن سے لوگوں کو مدد دی ہے، کہ سبحان اللہ میں اس کی جواں مردی کی بڑی تعریف کروں گا، اور مختلف اخباروں میں چھپوادوں گا۔ کپتان اسی مقام پر بیٹھ گیا۔ ایک شخص نے کہا اگر مضائقہ نہ ہو تو تھوڑی سی شراب پی لیجیے۔ آپ اس وقت انتہا کے بدحواس ہیں، اور محنت بھی اس درجہ کی ہے کہ شاید تمام عمر نہ کی ہوگی۔ کپتان نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بوتل لے کر دیکھا۔ تو جمیکا رم ایک گلاس پانی میں ملا کر پیا۔ پھر ایک گلاس لیا۔ تھوڑی ہی دیر میں چوتھائی بوتل شراب لنڈھائی۔ جب سرور گھٹے اور نشے جمے تو کھڑا ہوا اور سمندر کے اس مقام کو بحسرت وحیرت دیکھ کر دردناک اور جگر دوز آواز سے یوں گانے لگا۔

Three times round went my gallant ship. And Three times went she. Three times went my gallant ship when she went to the bottom of the sea

میاں آزاد اور خوجی ایک لائیف بوٹ پر تھے۔ ونیشیا اور اپیلٹن دوسرے پر۔ اب دونوں بوٹ ایک دوسرے سے تھوڑے ہی فاصلے پر جانے لگے کہ اتنے میں ایک موج نے یہ ستم ڈھایا، کہ اپیلٹن والا بوٹ چکر کھا کر دوسرے رخ بہتا چلا گیا، اور یہاں تک تہ وبالا ہونے لگا کہ تین آدمی سمندر میں گر پڑے، اور حیف صد حیف کہ ان تینوں میں لفٹنٹ اپیلٹن بھی تھے۔ ادھر یہ گرے ادھر ونیشیا نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہوگئی۔ آزاد فوراً بوٹ پر سے کود پڑا، اور انتہا کی جرأت اور شجاعت سے اپیلٹن کی مدد کو چلا۔ ادھر اپیلٹن کا وفادار کتّا بھی آقا کے گرتے ہی پانی میں کود پڑا، اور سر کے بال دانتوں سے پکڑ کر اپنے آقا کو اس نے ابھارا۔ میاں آزاد بھی پیرتے ہوئے دن سے جا پہنچے، ایک تھپکی جو دیتے ہیں تو اپیلٹن بخوبی ابھرے۔ بوٹ قریب آیا لوگوں نے مدد دے کر اپیلٹن کو کھینچ لیا۔ یہ اس وقت ایسے گھبرائے ہوئے تھے، کہ روح تک گویا لرز رہی تھی۔ ونیشیا کو غش کی حالت میں دیکھ کر قریب جا بیٹھے اور لبِ لعلِ شکر خا کا زور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے بوسہ لیا۔ منہ پر خوب چھینٹے دیے تھوڑی دیر میں ہوش آیا تو شوہر کو لائیف بوٹ میں دیکھ کر فرطِ طرب سے آنکھیں اشک بار ہوئیں۔

ص۔ اس نیو فونڈ لنڈ کے رفیقِ بے زبان اور میاں آزاد جواں مرد نے مجھے اس وقت بچا لیا۔ ادھر میں گرا اور ادھر کتا کودا اور بوٹ سے میاں آزاد کود پڑے۔

میاں آزاد کی مدد سے لفٹنٹ اپلیٹن تو بچ گئے مگر لائیف بوٹ اس بھری سے گئے کہ خود بے چارے میاں آزاد سوار نہ ہو سکے۔ بدرجۂ مجبوری اس کو پیرتے ہوئے جانا پڑا۔ جب لائیف بوٹ ساحل کے بالکل قریب پہنچا تب کہیں لوگوں کو میاں آزاد نظر آئے۔ آزاد جزیرے کے رخ بمقتضائے قہرِ درویش بر جانِ درویش ڈوبتا تیرتا جانے لگا۔ کپتان اسمتھ نے جو دوربین کے ذریعہ سے دیکھا تو اور بھی حوصلہ بڑھایا، اور ہمت دلائی۔ شاباش آزاد شاباش۔ مرحبا، مرحبا! As if a modern Byron was crossing the Hellespont

یعنی اپنے وقت کے بیرن ہو اور بلیسپانٹ میں تیر رہے ہو۔

Azad you are the eye-sure of all eyes

یعنی آزاد، سب کی آنکھیں تمہاری ہی طرف ہیں۔

اور واقعی یہی حال تھا۔ عورت اور مرد اور لائیف بوٹ کے بیٹھنے والے سب اس جواں مرد کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، اور دست بدعا تھے! کہ یا الٰہی اس جواں اشجع کو بچا۔ آزاد جزیرہ پیرم کے ساحل پر آئے، اور آتے ہی مارے تھکاوٹ کے گر پڑے۔ کپتان اسمتھ، اور اپلیٹن، اور اس پیر مرد نے آزاد کی پیٹھ ٹھوکی۔

ونیشیا نے بصد ادائے دلربا میاں آزاد کا شکریہ ادا کیا، اور کہا تمام عمر تمہاری مشکور رہوں گی کہ تم نے میرے شوہر کی جان بچائی۔

عروسِ مہ لقا ونیشیا نے اپنے پیارے پیارے ہاتھوں میں جام بادۂ ناب لے کر کہا آؤ اٹھو، دوا پیو، آزاد نے ونیشیا کی طرف دیکھا تو اس سرمایۂ نازنینی غیرتِ لعبتانِ چینی نے پھر کسی قدر ترکھی ہو کر کہا کہ، اٹھو دوا پی لو۔ آزاد اٹھے۔ بیٹھے اور شراب ناب راحِ رُوح کیمیائے فتوح کو دوا سمجھ کر ہونٹوں سے لگایا۔ مگر پیتے ہوئے جھجکے۔ ونیشیا نے زبردستی اپنے ہاتھ سے شراب پلا دی۔ ملاح نے دیکھا کہ وہ زنِ خوبرو ایک جوان کے ساتھ کھڑی باتیں کرتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پوچھا کہو تمہارا شوہر آیا۔ عورت مسکرائی اور اشارے سے دکھایا کہ یہی ہے۔ ملّاح نے کہا بیچاری اس وقت زار زار روتی تھی۔ مگر میں نے اس کی بہت تشفی کی۔ تم کس لائیف بوٹ میں تھے۔ اس نے کہا دوسرے لائیف بوٹ میں۔ جو کپتان اسمتھ کے لائیف بوٹ کے بعد داخل ہوا۔

کپتان، میاں آزاد، وینیشیا، اپیلٹن اور خوجی چاروں اس پیر مرد کے مدعو ہوئے۔ پیر مرد ساحل بحر کے قریب ایک گانوں میں رہتا تھا۔ اس کا مکان چھوٹا سا تھا، مگر احاطہ نہایت وسیع اور میدان کھلا ہوا۔ اس غریب آدمی کے پاس اس قدر سامان تو تھا نہیں کہ وینیشیا اور اپیلٹن اور آزاد کی خاطر خواہ تواضع کرتا، مگر جو کچھ حاضر تھا اس میں دریغ نہ کیا۔ کچھ روٹیاں اور تین مرغیوں کا گوشت اور پانچ مچھلیاں، یہ سامان دعوت تھا۔

م۔ جس قدر ذائقہ آج کھانے میں حاصل ہوا عمر بھر نہیں حاصل ہوا تھا۔

ص۔ اس وقت جی چاہتا ہے، اگر بس چلے تو اپنے میزبان کو اس جزیرے کا بادشاہ کر دوں۔

م۔ کیا عمدہ اور دلچسپ مقام ہے۔

ص۔ ایسی مچھلی بھی کبھی کھائی نہ ہوگی۔

ملاح۔ میں نے آج صبح کو دیکھا کہ دو ابابیل پانی کی سطح کے بالکل قریب، سمندر میں جا رہے ہیں بس اسی وقت ماتھا ٹھنکا۔ میں نے کہا خدا ہی خیر کرے۔ کسی جہاز پر تباہی ضرور آئے گی۔ یہ تیسرا مرتبہ ہے کہ دو ابابیلوں کے سطح آب کے قریب جانے سے طوفان آیا۔ میں نے تین بار تجربہ کیا۔

کھانا کھانے کے بعد سب کے سب بڑی دیر تک بیٹھے رہے۔ خوب باتیں ہوا کیں۔ ملّاح الگ دون کی لے رہا تھا، کہ میں نے یہ کیا، اور وہ کیا، اور ایک مرتبہ جہاز پر سے کود کر ڈوبتے کو نکالا۔ یوں انعام پائے، اور فلاں فلاں اخبار میں میری تعریف چھپی۔ کپتان الگ مشیخت میں آکر گپ اڑا رہے تھے۔ جس میں ایک صحیح تو ننانوے لغو۔ آزاد اور وینیشیا ٹہلنے لگے۔ اپیلٹن اور خوجی یوں باتیں کرتے تھے۔

ص۔ بڑی بیش بہا اشیا کل یہاں والوں کے ہاتھ آئیں گی۔

خ۔ اس میں کیا شک ہے۔ دیکھیں ہماری افیم کی ڈبیا کس خوش نصیب کے ہاتھ لگتی ہے۔

اپیلٹن نے جو یہ فقرہ سنا تو کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ وینیشیا سے کہا ڈیر، وینیشیا خوجی کہتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہ کل ڈوبی چیزوں میں سے اکثر اشیار گرانمایہ جزیرے والوں کے ہاتھ آئیں گی۔ خدا جانے ہماری افیم کی ڈبیا کس خوش قسمت کے ہاتھ لگے۔ آزاد اور وینیشیا مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئے۔ افیم کی ڈبیا کیا جواہرات کی ڈبیا تھی۔

نور کے تڑکے میاں آزاد، اور وہ خاتونِ پری زاد، اور اپلیٹن، اور کپتان اسمتھ، جزیرے کی سیر کو چلے۔ ان کے نیک نفس اور مہمان نواز میزبان نے کہا، کہ یہ جزیرۂ عدن سے کوئی پینسٹھ میل شمال ومغرب کی طرف واقع ہے۔ آخری جنگ فارس میں سلطان زنجبار نے برٹش گورنمنٹ کو یہ جزیرہ دے دیا تھا۔ میاں آزاد نے کہا یہاں توپخانہ کی ایک باٹری بھی تو ہے۔ ملاّح نے کہا ہاں۔ برٹش کی طرف سے توپخانہ یہاں رہتا ہے، تاکہ غلاموں کی تجارت نہ ہونے پائے۔ وینیشیا کے سوا اور کسی کے پاس ٹھکانہ بھی نہ تھا۔ اور وینیشیا کے پاس واجبی ہی واجبی رقم تھی میاں آزاد نے بندگانِ خدا کی جان بچانے میں، اس درجہ شجاعت اور ہمدردی ظاہر کی تھی، کہ جزیرہ پیرم کے باشندے، ہزار جان سے ان پر عاشق ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے باہم صلاح کر کے کسی قدر چندہ جمع کیا، اور جو لوگ اپنی خوش قسمتی سے جیتے بچے تھے ان کی اس چندہ سے مدد کی۔ روپیہ کا تقسیم کرنا میاں آزاد کے سپرد کیا گیا۔ حسنِ اتفاق سے ایک کشتی جو بمبئی سے لندن جاتی تھی جزیرہ پیرم کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہوئی۔ اس کشتی کے کمینڈر کپتان ولیمس نے سویز تک کا پاس ان کو مفت دیا۔ باٹری کے افسروں نے لباس سے ان لوگوں کی مدد کی۔ کپتان اسمتھ تو میاں آزاد کے دلی دوست ہو ہی گئے تھے۔ ولیمس سے بھی انھوں نے آزاد کی تعریف کی، اور کہا اس جری آدمی کے سبب سے تیس چالیس کی جان بچ گئی۔ دو بار یہ جواں مرد جہاز میں کودا۔ ایک بار لائیف بوٹ سے کود کر مسٹر اپلیٹن کو اس نے بچایا۔ یہ کئی غوطے کھا چکے تھے۔ ملاّح نے کہا میں تو سمجھتا تھا کہ اب یہ نہ بچیں گے مگر ساحل تک پیرتے ہوئے چلے ہی آئے۔ کپتان ولیمس نے میاں آزاد کی پیٹھ ٹھوک کر کہا شاباش۔ ع۔

این کار از تو آید، و مرداں چنیں کنند

وینیشیا نے میاں آزاد سے کہا کہ ہم کل کسی وقت داخل سویز ہوں گے۔ آپ کی مفارقت کا جس وقت خیال کرتی ہوں بے اختیار دل بھر آتا ہے۔ آپ کا احسان تمام عمر نہ بھولوں گی کہ میرے پیارے شوہر کو آپ نے بچایا، ورنہ اس وقت میں بھی سمندر میں کود پڑتی اور مارے غم کے اپنی جان دے دیتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نور کے تڑکے، نسیم سحری کے جھونکے جگر تک کو سردی بخشتے تھے، اور سمندر کی موجیں خوبانِ طناز کی طرح اٹھکھیلیوں پر تھیں، اور میاں آزاد فرخ نہاد، بادلِ شاد جہاز پر خواب ناز میں تھے، کہ دفعتہً مسٹر اپیلٹن نے ان کو آواز دی۔ مسٹر آزاد۔ مسٹر آزاد۔ اٹھیے سویرا ہے۔ مالٹا پہنچ گئے۔ آزاد اٹھے، تو دیکھا کہ مالٹا کے گرجا، اور مساجد کے سنہرے منار اور کنگرے، آفتاب کی کرن سے چمک رہے ہیں، اور دور سے کل شہر کے اونچے اونچے مکانات اور عمارات عجب لطافت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ میاں آزاد اس کیفیت کو دیکھ کر ازبس محظوظ ہوئے، اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اِن کا جہاز مالٹا میں لنگر انداز ہوا۔ لوگ خوشی خوشی اترے۔ خوجی اور میاں آزاد مسجد میں گئے۔ اور مسٹر اپیلٹن اور کپتان اسمتھ گرجا کی طرف روانہ ہوئے۔ سینٹ مائیکیل کے گرجا میں ڈیڑھ گھنٹے تک عبادت کی۔ اور وہاں سے چلے تو میاں آزاد کو مسجد سے ساتھ لیا۔

کپتان اسمتھ نے کہا کہ صبح کو پنسولا اینڈ اورٹیل کمپنی کا اسٹیمر یعنی دودکش جہاز ابدی آرٹا لندن روانہ ہوگا۔ رات بھر سب مل جل کر رہے۔ صبح کو جدائی کا وقت تھا۔ جس وقت وِنیشیا اور اپیلٹن ابدی آرٹا پر سوار ہونے لگے، میاں آزاد دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ وِنیشیا تڑپتی تھی۔ بے اختیار جی چاہتا تھا کہ آزاد کو بھی جہاز پر بٹھالے۔ یا خود جانے کا نام نہ لے۔

اول تو میاں آزاد کی لیاقت اور قابلیت اس درجہ اعلیٰ تھی کہ تربیت یافتہ لیڈیاں اور جنٹل مین بڑی خوشی کے ساتھ ان سے ملتے تھے۔ اور ان سے گفتگو کر کے خوش ہوتے تھے۔ دوسرے میاں آزاد یورپین لیڈیوں اور جنٹل مینوں کی طرزِ معاشرت اور طریقِ گفتگو، اور ادب و آداب سے بھی خوب واقف تھے۔ لہٰذا جب کسی لیڈی یا جنٹل مین سے ملتے تو مغایرت اجنبیت نہیں پائی جاتی تھی۔ وِنیشیا کو آزاد سے پاک اور دلی محبت تھی۔ اور کیوں کر نہ ہوتی اپیلٹن کی جان بچائی تھی۔ علاوہ بریں جو سچی جواں مردی اور پکی ہمدردی میاں آزاد نے جہاز ڈوبنے کے وقت ظاہر کی تھی، اس کا نقش وِنیشیا کے لوحِ دل پر بخوبی منقوش ہوگیا تھا۔ وِنیشیا کا دل اس قدر بھر آیا، کہ جہاز پر جانا اور میاں آزاد کو مالٹا میں اکیلا چھوڑ دینا ازبس شاق گزرا، اور اپیلٹن سے کہنے لگی کہ اگر تمھاری رائے ہو تو جب آزاد ہمارے سامنے روانہ ہو جائیں، تب ہی لندن جانے کا خیال دل میں لائیں۔ میں کیا کروں مجبور ہوں۔ دل کو لاکھ سمجھاتی ہوں، بہلاتی ہوں، مگر دل نہیں مانتا۔ کسی پہلو قرار نہیں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ آزاد کی مفارقت میں جان جائے گی۔ حیرت ہے کہ اب ہم کریں تو کیا کریں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپلیٹن نے آزاد سے کہا کہ اب اس وقت مجھ سے اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ صرف اس قدر کہتا ہوں کہ ضرورت کے وقت جان جوکھم کے وقت مجھ کو ضرور یاد کرنا۔ اپلیٹن کو اب اپنا دِرَم ناخریدہ غلام سمجھو۔

ونیشیا۔ آزاد جیسے بہن کو اپنے بھائی کی محبت ہوتی ہے ویسی ہی مجھ کو تمھاری محبت ہے۔

آزاد۔ اب اس وقت کوئی اس قدر تشفی کر دے کہ میں تم کو اور تمھارے پیارے شوہر کو پھر بھی دیکھوں گا تو میں جی اٹھوں۔ میں سوچتا ہوں کہ دو تین دن تک میں یہاں اکیلا کیوں کر رہ سکوں گا۔ ایک ایک گھنٹہ ایک ایک سال کے برابر گذرے گا۔ طرح طرح کے خیالات دل میں جگہ پائیں گے۔

اسمتھ۔ بیشک، بیشک۔

ص۔ آزاد۔

آزاد۔ یار زندہ وصحبت باقی۔

م۔ اب ہندوستان ہی میں ملیں گے یا شاید یورپ میں ملاقات ہو۔

آزاد۔ مسٹر اپلیٹن۔ میں ہندوستان میں رہوں یا جہاں رہوں، ملوں گا ایک مرتبہ ضرور۔ مگر یہ دو دن کس طرح کٹیں گے۔

م۔ یہ اقرار کرو، اور حتمی وعدہ کرو، کہ خط برابر بھیجتے جاؤ گے۔

آزاد۔ برابر! اِس میں کیا فرق پڑے گا۔

ص۔ ہمارے نام خط اس پتے سے بھیجنا۔ اسی اپلیٹن اسکوائر قریب کوٹھی مشیو لکاکس اینڈ کمپنی آرمی ایجنٹس۔ پکاڈلی۔ لندن۔

آزاد نے یہ پتہ ایک کاغذ پر لکھ لیا۔ اور حفاظت کے ساتھ جیب میں رکھا۔

م۔ مسٹر اپلیٹن نے چودہ مہینے کی رخصت لی ہے۔ چودہ مہینے کے بعد وہ اپنی رجمنٹ میں ہوں گے۔ خدا نے چاہا تو اس عرصے میں آپ بھی واپس آ گئے ہوں گے۔

آزاد۔ دیکھیے۔

م۔ خدا جانے لڑائی کب تک رہے۔

آزاد۔ اور کیا کیا واقعے پیش آئیں۔

ص۔ جنگ طول کھینچے گی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اکثر افسروں کی امید ہے کہ برٹش گورنمنٹ ٹرکی کا جنبہ کرے گی۔

ص۔ دل ہم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اگر ایسا ہو تو خدا کرے ہم بھی بھیجے جائیں۔ پھر ہمارا آپ کا ساتھ ہو۔ برٹش گورنمنٹ کی حکمت یہ ہے کہ کسی کا جنبہ نہ کریں۔ مگر اپنی چال سے بھی ہم غافل نہ رہیں گے۔ ٹرکی کی حالت اچھی نہیں ہے۔ انتظام بھی خراب ہے۔ اور زردار نہیں۔ جنرل اغناٹف نے ٹرکی کا نام مریض رکھا ہے، اور ہم بھی ان سے اتفاق کرتے ہیں۔

مانا کہ انگلستان کی طرح یا فرانس اور جرمنی کی طرح وہاں شایستہ طور پر حکومت نہ ہوتی ہو، مگر وہاں کی بدنظمی کو لوگ بہت مبالغے سے بیان کرتے ہیں۔

الغرض ونیشیا، اور اپلیٹن، میاں آزاد سے بہ حسرت تمام رخصت ہوئے۔ وقت رخصت ونیشیا کی آنکھیں اس قدر اشکبار تھیں کہ وہ بے چاری آزاد کی صورت بھی اچھی طرح نہ دیکھ سکی۔ اپلیٹن نے مصافحہ کیا۔ اور میاں آزاد مالٹا میں اکیلے رہ گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

استانی جی کا آنا اور دل لگی دل لگی میں

پند سود مند سنانا

استانی جی حسب وعدہ بڑی بیگم کے ہاں گئیں ڈولی سے اتریں۔ بیگم سے ملیں۔ حسن آرا، روح افزا، سپہر آرا اور بہار النسا کو کوٹھے پر سے بلوایا۔ یہ ادب کے ساتھ آئیں، اور سلام کر کے بیٹھیں۔ مزاج پرسی کی۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ شہر کی عورتوں کا ذکر ہونے لگا تو استانی جی نے کہا بڑی بیگم ہم کو بیوہ ہوئے کوئی پچیس برس ہوئیں۔ تب سے ہم برابر اسی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کوئی بہو بیٹی بگڑنے نہ پائے۔ جہاں تک ہمارے امکان میں ہے، ہم کبھی اس بات میں دریغ نہ کریں گے۔ ہم نے آج تک کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی عورت بدراہ ہو کے پھلی پھولی ہو۔ چار دن کی چاندنی پھر وہی اندھیرا پاکھ۔ اکثر آدمی آن آن کے میرے قدموں پر ٹوپی رکھتے ہیں، کہ فلاں عورت ہم کو مل جائے حضور دعا دیں۔ کیونکہ یہ مشہور ہو گیا ہے کہ استانی جی کی دعا میں بڑا اثر ہے۔ میں اس سے سارا کچا چٹھا پوچھ کر، اس عورت کو اور اس کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اطلاع دے دیتی ہوں۔ پھر وہ جانیں ان کا کام جانے۔ مجھ سے واسطہ نہیں۔ میں کئی طرح سے جانچ لیتی ہوں، چودہ پندرہ برس کا میرا ایک عزیز ہے۔ اس کو میں زنانے کپڑے پہنا کر بٹھا دیتی ہوں۔ جو آتا ہے پہلے اس سے ملاقات ہوتی ہے، اگر بدوضع ہوا تو اس کو چھیڑتا ہے، اور وہ عورت کے بھیس میں پھسلا پھسلا کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس سے کچّا چٹھا شراب پلا کر پوچھ لیتا ہے۔ یہ ترکیب میں نے نکالی ہے۔ ہے نہ اچھی ترکیب۔ اور بھلا مانس ہوا تو اس کی طرف نظر بھی نہیں کرتا۔ بس وہ مجھ سے ملتا ہے، اور اگر بھل منسی کا کوئی کام میرے ذریعے سے نکلتا ہے، تو میں جان لڑا دیتی ہوں، اور ہزار بات کی ایک بات۔ یہ ہے کہ، عورت اگر نیک ہے تو مرد کیا کر سکتا ہے۔ اور اگر بد ہے تو لاکھ پردے میں رکھو وہ اپنی ہی سی کر جائے گی۔ مگر شریف خاندانوں کی بہو بیٹیاں تو آگ میں جل جائیں۔ بھاڑ میں کود پڑیں، مگر اپنی آبرو ضرور بچائیں۔ اور یہ نہیں تو آخرش دنیا کیوں کر قائم ہے۔ نہیں تو دنیا تہ و بالا نہ ہو جائے۔ پرسوں ایک جوان آدمی گورا چٹا گھوڑے پر سوار، دروازے پر آیا تین بار حسب معمول دستک دی۔ لونڈی باہر گئی۔ دیکھ آئی۔ اور ان کو اندر بلا لائی۔ وہ لڑکا دلہن بنا ہوا بیٹھا تھا۔ اس سوار نے جو رئیس زادہ معلوم ہوتا تھا گھورنا شروع کیا۔ سمجھا کہ چودہ پندرہ برس کی کوئی جوان عورت ہے، اور نورِ حسن تو اس کے چہرے سے برستا ہی ہے۔ شیدا اور دلدادہ اور از خود رفتہ ہو گیا۔ پہلے تو اس نے ذرا رکاوٹ کی، پھر گھل گھل کے باتیں کرنے لگا۔ حضرت تو مفتون ہو ہی چکے تھے لگے عشق کی باتیں کرنے۔ جب خوب آزما لیا کہ شمع رخ انور کا پروانہ، اور عاشق دیوانہ ہے تو شراب ناب پلائی، اور اس نے بھی بلا عذر چسکی پر چسکی لگائی۔ خوب سرور گھٹے اور نشے جمے، تو پوچھا کہ یہاں آنے کی صاف صاف غرض بتاؤ۔ القصہ شراب کی ترنگ میں صاف صاف، راست براست، بلا کم و کاست بک اٹھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے لونڈی کو اشارہ کیا اس نے زور سے دروازہ دھم دھمایا، تو اس طفلِ عروس نما نے کہا کہ بس اب خیر اسی میں ہے کہ دوسرے دروازے سے بھاگ جاؤ، ورنہ یہ جو آیا ہے تم کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ یہ سن کر ان کا نشہ ہرن ہو گیا، اور بگ ٹٹ بھاگے، تو اب تک آتے ہی ہیں۔

ب۔ تم بڑا ثواب کرتی ہو۔ کس کس گھر کی بہو بیٹیوں کو تم نے بچایا۔

استا۔ یہاں سے سات کوس پر ایک گانوں ہے مانکپور اس کے چودھری کی بہو پر ایک تھانہ دار عاشق ہوا، مگر دال نہ گلی تو میرے پاس آیا۔ کہا کہ بس میں یہ چاہتا ہوں کہ میری آرزو پوری ہو۔ شراب کے نشے میں تھوڑی دیر کے بعد آپ ہی آپ سارا حال کہہ دیا۔ سانحہ یہ گزرا کہ وہ عورت ایک روز راستے میں ڈولی پر سے گر پڑی۔ اتفاق سے اس وقت تھانہ دار صاحب بھی سامنے سے گھوڑا کڑکڑاتے چلے آتے تھے۔ ان کی اور اس نیک جوان بی بی کی جو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چار آنکھیں ہوئیں تو عاشق ہو گئے۔ عورت بہت جمیلہ و حسینہ ہے۔ تھانہ دار نے لاکھ لاکھ کوشش کی مگر ایک بھی نہ چل سکی۔ آخر کار اس کے خسر پر زور ڈالا، اور اس زنِ نیک و پارسا کے پاس پیغام بھیجا، کہ ہمارا کہا نہ مانو گی تو ہم تمہارے خسر کو قید کرا دیں گے۔ اس نے جواب دیا کہ مونڈی کاٹے سے کہہ دینا کہ کسی بھروسے پر پھولے نہیں۔ ایک سسرا کیا کنبہ بھر کو اگر قید کرا دے گا تو بھی تیرا منھ کالا ہی رہے گا۔ میں نے تھانہ دار کو ظاہر میں تشفی دی، اور دوسرے دن اس گاؤں میں جا کر اس کے خسر سے سب حال کہہ دیا اس نے اسی دم بہو سے پوچھا۔ جوان عورت اور پھر طرہ یہ کہ خوبرو شرمائی، دلجائی مگر اصل کیفیت کہہ سنائی کہ موے تھانہ دار نے خدا اسے غارت کرے مجھے فلاں مقام پر اتفاق سے دیکھ لیا تھا تب سے گرد گھما ہے۔ بیسوں مرتبہ پیغام بھیج چکا ہے۔ میرا ناک میں دم آ گیا۔ مگر مارے لحاظ کے کہہ نہ سکی اب حال کھل گیا تو صاف صاف بیان کر دیا۔

چودھری ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ گو اب بوڑھا ہو گیا ہے۔ مگر بڑا تیکھا بوڑھا ہے۔ شاہی میں کئی خانہ جنگیاں لڑا ہے اور کئی مرتبہ گڑھی فتح کر چکا ہے۔ اس کی آنکھوں سے خون ٹپکنے لگا۔ ایک معتمد خدمت گار سے پوچھا کہ تھانہ دار کون قوم ہے۔ معلوم ہوا کہ پارسی ہے۔ افسوس کے ساتھ کہا کہ ہائے کمینے کے منھ کیا لگوں، مگر سزا ضرور دوں گا۔ ایک دن شمشیر براں لے کر تھانہ دار کے مکان پر شب کے وقت گیا۔ سپاہی اونگھ رہا تھا۔ تلوار ٹیک کر کھپریل پر ہو رہا۔ کھپریل کی دیوار بہت پست تھی نیچے کودا۔ دیکھا تھانہ دار سو رہا ہے۔ جاتے کے ساتھ ہی ایک کان کاٹ لیا۔ اور تپنچہ لگا کر کہا کہ سنا بے۔ ہم وہی چودھری ہیں جس کی بہو پر تو بری نظر ڈالتا تھا، اور بچہ یاد رکھو، ہم سپاہی زادوں کے اگر منھ چڑھو گے تو اور بھی برا ہو گا۔ خیر اسی میں ہے کہ یہاں سے چل دو۔ نہیں تو اگر کسی روز حرارا آیا تو جان لے لوں گا۔ اب میں تمہارا کان لیے جاتا ہوں۔ بولا اور میں نے پلٹ کر ایک تلا ہوا دیا۔ لاش ابھی پھڑک رہی ہو گی۔ یہ کہہ کر چودھری صاحب نے طرارہ بھرا تو اس پار تھے۔ پھر تو پادلے بھرتے ہوئے یہ گئے وہ گئے۔ تھانہ دار پر ایسا کچھ رعب جم گیا کہ مِنکا تک نہیں۔ صبح کو کان کا علاج ہونے لگا۔ اب جو کوئی پوچھتا ہے کہ آخر یہ ہوا کیا، کوئی چور آیا تھا۔ یا کسی سے لاگ ڈانٹ تھی، آخر ماجرا کیا ہے۔ تو دبے دانتوں کہتے کیا ہیں کہ نہ معلوم کیا ہوا۔ ایک کتا تو شب کے وقت البتہ آیا تھا۔ میں خواب میں تھا تو مارے درد کے آنکھ کھل گئی، اور دیکھا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کتا پلنگ سے اتر کر بھاگا۔ مجھے غش آگیا۔ پھر نہ معلوم کیا ہوا مجھے ہوش نہ تھا۔

چودھری وہ کان لے کر چمپت ہوا، تو گھر میں دم لیا۔ بہو کے پاس آن کر کان بہو کی گود میں ڈال دیا اور کہا لو یہ اسی شقی بدمعاش کا کان ہے۔ چاہا تھا کہ وہیں تہ تیغ کروں مگر ہاتھ جیسے کسی نے روک لیا۔ قتل نہ کیا گیا۔ پھر چاہا کہ ناک اڑا دوں، مگر پھر ہاتھ نہ اٹھا۔ آخر کار میں نے کان صاف اڑا لیا۔ مگر شاباش شرفا کی بہو بیٹیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ عصمت کو ہاتھ سے نہیں دیتیں۔ زندہ باش۔

بہو نے بکمال دانائی و بخردی کہا کہ اب مجھ کو میکے بھیج دو۔ ورنہ خوف ہے کہ مبادا وہ بدوضع انتقام لینے پر آمادہ ہو جائے اور مجھ پر آنچ آجائے۔ چنانچہ راتوں رات چالیس آدمیوں کے ساتھ وہ اپنے میکے بھیجی گئی۔

میں نے ایسے ایسے کام کیے ہیں۔ یہ ایک دفتر بے پایاں ہے کوئی کہاں تک بیان کرے ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت ہمارے مکان پر کسی نے تین دفعہ دستک دی۔ حسب معمول دروازہ کھولا گیا، تو ایک ہندو سپید پوش، مگر گھامڑ اور بدتمیز اندر آیا۔ پوچھا کیا کام ہے؟ کہنے لگا کہ ایک فقیر میری جورو کو روز بہکاتا ہے اور عورت کو فقیر سے دور دور کا لطف سا ہو گیا ہے۔ کوئی دعا ایسی دیجیے کہ عورت کا دل فقیر کی طرف سے پھر جائے۔ اس کی درخواست کو میں نے قبول کیا۔ دوسرے دن میں کسی بہانے سے اس عورت کے پاس گئی۔ اور باتوں ہی باتوں میں، میں نے اس فقیر کا ذکر چھیڑا۔ نام سنتے ہی کھل گئی۔ تب تو میں نے کہا کہ وہ ایک ہی کائیاں ہے۔ اس نے شہر بھر میں تم کو بدنام کر دیا ہے۔ کہ مجھ سے الفت ہے اور لوگ تمھاری عقل پر ہنستے ہیں۔ وہ تو فقیر ہے۔ صبح کو گدڑی بازار میں بیٹھا رہتا ہے۔ شام کو بھیک مانگتا ہے۔

عورت۔ (ع) ہاں! بھیک مانگتا ہے۔ اے نہیں۔

استا۔ نہیں سہی۔ دکھا دوں؟ کہو تو کسی روز دکھا دوں۔

ع۔ میں جانوں بڑا سدھ سادھو ہے

استا۔ واہ سدھ سادھو کہیں ہو نہیں

ع۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ یہ تو آج کھلا۔

استا۔ لے بس اب آج سے تو اس سے بات چیت مت کرنا۔ ہاں اتنا اب خیال رہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ناحق کیوں بدنام ہوگی۔ مفت مفت میں گناہ بے لذّت سے فائدہ۔

ع۔ اور اس کا پاجی پن تو اسی سے ظاہر ہے کہ مجھ کو جھوٹ موٹ بدنام کر دیا۔

استا۔ ارے غضب کھڑا چنوا دے موے کو۔

ع۔ اور کیا۔

استا۔ اور اوپر سے تیر اندازی کرے۔

ع۔ ایسی جگہ مارے کمبخت کو جہاں پانی نہ ملے۔

استا۔ ہے ہے۔ جو تمھارے میاں سن لیں تو کیا جانے کیا کریں، اور تم کو تو میں جانوں مار ہی ڈالیں۔ صورت دیکھنے کے روادار نہ رہیں۔

ع۔ ہے ہے۔ کیا جانے کیا کر ڈالیں۔

استا۔ ایسے نگوڑے شہدوں کو کوئی بھلا منھ لگاتا ہے۔ تم بھلے مانسوں کی بہو بیٹی۔ سادھو اور فقیر سے تمھیں کیا کام خبردار خبردار آج سے نہ جانا وہاں۔ دیکھو بہن آبرو بڑی چیز ہے۔

ع۔ ہاں پھر جگ میں اور ہے کیا۔

استا۔ تمھیں رنج تو ہوگا مگر سچ کہتی ہوں، اور بغیر کہے رہا بھی نہیں جاتا کہ دو تین عورتیں مجھ سے تمھارا حال کہہ چکیں۔

ع۔ قسم لو جو میں نے کوئی ایسی بات کی ہو جس سے آبرو جائے۔ تمھارے یہاں مذہب میں خدا۔ ہم لوگ پرمیشر کہتے ہیں۔ تم انجان ہو میں اس وقت دیئے (دیا) کے سامنے کہتی ہوں کہ جیسی پاک پیدا ہوئی ہوں، ویسے ہی اب بھی ہوں۔ اب صاف صاف بتا دو کہ وہ عورتیں کیا کہتی تھیں۔

استا۔ بات کا بتنگڑ تو بنتا ہی ہے۔ لوگوں کا قاعدہ ہے جتنے منھ اتنی ہی باتیں۔
بڑی بیگم نے کہا بہن تمھیں خدا ایسی ہی توفیق نیک دے، اور اب تو کچھ نیل کا ماٹھ ہی بگڑا ہے۔

استا۔ وہ وہ باتیں ہم نے دیکھی ہیں، کہ کہنے اور یاد کرنے سے رونگٹے بدن کے کھڑے ہوتے ہیں۔

ب۔ یہ اس گناہ ہی کے سبب سے تو اتنا مہنگا سمان ہے۔ جب دیکھو کال آتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سنا دور دور تک قحط نے لاکھوں آدمی مار ڈالے۔ گھر کے گھر خالی۔ محلّے کے محلّے اجاڑ پڑے ہیں۔ گاؤں کے گاؤں ہیں جیسے جھاڑو پھیر دی، یہ بھونچال آتا ہے۔ یہ کیا ہے۔ یہ بھی گناہ کے سبب سے۔ پرسوں دو دفعہ بھونچال آیا۔ رات بھر میں قرآن ہی پڑھا کی۔ آگے سو سو برس کے ہو کر آدمی مرتے تھے۔ اب جوان جوان چٹ پٹ مرتے جاتے ہیں۔ تو کاہے سے۔ گناہ کے مارے۔ جب دیکھو ہیضہ موجود۔ ہر فصل میں وبا۔ مینھ وقت پر برستا ہی نہیں۔ گرمی پڑتی ہے تو جھلسا دیتی ہے یہ بخار کیا جانے اسے کیا کہتے ہیں، وہی لال بخار جس میں بند بند ٹوٹتا ہے، وہ پہلے کب آتا تھا پانی کے مزے کو تو دیکھو روز بروز کھاری ہوتا جاتا ہے۔ آگے گھر گھر میٹھے کنوئیں تھے اب محلّے میں دو چار میٹھے کوئیں ہیں۔ باقی سب کھاری۔ کلّی تک نہ کی جائے۔ ہمارا کنواں ابھی تک ویسا ہی شیریں ہیں، اور باہر کی باؤلی بھی۔

استا۔ یہ تمھاری نیک نیتی ہے۔

ب۔ اجی وضع نبھائے چلے جاتے ہیں۔ جب تک چل سکے۔ کچھ اپنا بس تھوڑا ہی ہے اس میں۔

استا۔ ہم تو چھٹپنے سے یہی باتیں دیکھتے بھالتے آئے ہیں۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ زیادہ پردہ بھی خراب ہے، اور زیادہ آزادی بھی بُری۔ بڑی بڑی پردہ والیاں جن کے میاں ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے، ان کی وہ گت دیکھی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ پردہ دل کا مقدم ہے۔ سب سے بڑا بس یہی پردہ ہے۔ گھونگھٹ اور برقع سب دکھانے ہی کا ہے۔ بھلا کپڑے کے پردہ سے کہیں دل صاف رہا ہے، یہ واہیات خیال ہے۔

ب ہاں یہ تو ٹھیک کہتی ہو۔

استا ابھی پانچ ہی چھ روز ہوئے کہ ایک عورت کوئی ساٹھ ستر برس کی ہے، وہ مکان کی طرف سے کوئی بارہ بجے رات کو روتی ہوئی جاتی تھی، اور کہتی جاتی تھی کہ کل سے کھانا نہیں کھایا۔ کوئی اللہ کا بندہ ایک ٹکڑا کھلوا دے۔ پہلے میں سمجھی کہ جس طرح اور فقیر اور فقیرنیں جھوٹ موٹ کہا کرتی ہیں، کہ ہم نے چار روز سے کھانا نہیں کھایا۔ بچّے بھوکوں مرتے ہیں۔ اسی طرح اِس نے بھی چلّانا شروع کیا۔ لیکن اس کی آواز ایسی بھیانک تھی اور ایسی رقّت برستی تھی کہ میں نے دروازہ کھلوا کر اس کو اندر بلوالیا۔ یقین مانو چلنا دو بھر تھا۔ میں نے ایک باسی روٹی اور ایک بوٹی دی۔ پھر دال موٹھ کھلائی۔ جب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس نے کھا کر پانی پیا، تو جان میں جان آئی، اور اپنی بیتی کہہ سنائی، کہ میں ایک بھلے مانس کی لڑکی ہوں۔ چودہ برس کی تھی جب میرا نکاح ہوا۔ نکاح ہوا تو میں میاں کے ہاں اپنی سسرال میں رہنے لگی۔ مگر میاں کو پردے کا مرض حد سے زیادہ۔ دن رات ڈنڈا لیے موجود کہ دروازہ کیوں کھلا۔ کھڑکی سے کیوں جھانکی۔ یہ کیوں کیا۔ وہ کیوں کیا۔ اٹھتے جوتی بیٹھتے لات۔ ناک میں دم آگیا۔ مگر اشرفی کا لقمہ کھلاتے تھے۔ اچھا کپڑا پہناتے تھے۔ زیور سے میں گوندنی کی طرح لدی ہوئی تھی۔ میری خاطر داری بہت کرتے تھے اور میرا دم بھرتے تھے۔ مگر پردے کا جنون تھا۔ ایک روز مجھے کچھ ایسی سوجھی کہ بس میں تباہ ہوگئی۔ ان کے پردے کے خیال نے کچھ نہ کیا۔ اور میں خیر۔ کچھ دن تو میاں کے فرشتہ خاں کو بھی خبر نہ ہوئی۔ کچھ نہ سمجھے۔ مگر پاپ کہیں چھپا کیا ہے۔ اے توبہ خون کی طرح سر پر چڑھ کر بولے۔ کوئی لاکھ کلھیا میں گڑ بھوڑے مگر پاپ، نہ چھپے گا نہ چھپے گا۔ شدہ شدہ میاں سے بھی گوئندوں نے باتوں باتوں میں کہنا شروع کیا۔ ان کو یقین نہ آیا۔ مگر ٹوہ میں رہے۔ اتنے میں بندی اور بھی کھل کھیلی۔ مگر میاں گو ٹوہ میں رہے لیکن ان کو پتا نہیں ملتا تھا۔ ایک دن شدنی امر گھر کی لونڈی سے اور مجھ سے جو تکرار ہوئی تو وہ تنک کر چلی گئی۔ مگر چلتے وقت اتنا کہہ گئی بیوی تم نے میاں کا نام ڈبو دیا۔ میاں نے جو اتنا سنا بس آگ ہوگئے۔ دو دن تک کھانا نہ کھایا، اور مجھ سے گھڑی گھڑی پوچھیں کہ کل حال صاف صاف بتاؤ آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ یہ اس نے کہا کیا، اب میں صاف کیا اپنا سر بتاؤں۔ میں نے پھوٹ پھوٹ کے رونا شروع کیا۔ دو دن تک گھر میں وہ بم چخ مچی کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ تین چار مرتبہ میاں نے مجھ کو مارا اور خوب للکارا۔ مار کھانے کا تو میں نے کام ہی کیا تھا۔ بلکہ کام تو میں نے ایسا کیا تھا کہ قتل کی جاتی۔ میری بوٹیاں چیل کوؤں کو دی جاتیں، تو بھی سزاوار تھی۔ خیر تیسرے دن میاں گئے باہر خربوزوں کی کھانچی چکانے۔ بندی نے جو موقع پایا، تو زیور لے کر نکل کھڑی ہوئی۔ پہلے سے کہی بدی تو تھی ہی۔ ساتھ ہو کر بھاگ گئی۔

کچھ دن تو خیر اچھی طرح رہی سہی۔ مگر دوسرے ہی مہینے وہ زیور لے کر چل دیا۔ میں صبح کو جو اٹھی تو ندارد۔ ادھر دیکھا، اُدھر دیکھا، کہیں پتا ہی نہیں۔ زیور کو جو صندوق میں جا کے دیکھتی ہوں تو غایب۔ ہے ہے سر پیٹنا شروع کیا ایک چھلا تک نہ رہا۔ رات کو مجھ سے کہا تھا کہ آج کل چوری چکاری بہت ہوتی ہے گہنا رتی رتی اتار رکھو۔ ایسا نہ ہو رات کو چور آ کے گلا گھونٹ کر سب لے جائے۔ اور تم منہ تکتی رہو۔ میں سادی کیا جانوں کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گہنا میں نے سب اتار کر صندوق میں رکھ دیا۔ صبح کو پتہ تک پاس نہ رہا۔ ہاتھ مل کے رہ گئی۔ کچھ دن اِدھر اُدھر آوارہ پھرا کی۔ اب برسوں سے بھیک مانگتی ہوں۔ ہائے جو میں راہ راہ چلتی تو گڑھے میں کیوں گرتی۔ مگر میری تو یوں ہی بدی ہوئی تھی۔ قسمت میں یہی لکھا تھا، کہ ٹھوکریں کھاؤں تو پھر ٹلتی کیوں کر۔ اگر میاں کے کہنے پر چلتی تو آج خاصی بیگم بنی ہوتی۔ ہائے میرے نصیب مجھے کیا سوجھی۔ یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کے روئی۔ میں نے اس کو دو روپے دیے اور رخصت کیا۔

ب۔ بری چال کے یہی نتیجے ہیں۔

استا۔ ہم نے تو آج تک نہیں دیکھا کہ کوئی بھلے مانس کی بہو بیٹی بگڑ کے بنی ہو پھر۔ یا آوارہ ہو کر فیل نشیں ہوئی ہو۔ ہم نے تو اپلے ہی پاتھتے دیکھا۔

ب۔ برے کام کا برا ہی نتیجہ ہے۔

استا۔ ہونا ہی ایسا چاہیے۔

ب۔ مغلانی گلوری تو بنا لاؤ۔ باتوں میں تمھاری خاطر ہی کرنا بھول گئی۔

استا۔ اے آپس میں اس کا کیا خیال ہے۔

ب۔ ہے ہے جب میں اس عورت کی باتیں یاد کرتی ہوں تو کانپ اٹھتی ہوں۔

استا۔ کس عورت کی ؟

ب۔ یہی جو تم نے بیان کی ابھی ابھی۔

استا۔ اور جو اس کی زبان سے اس وقت سنتیں تو دیکھتیں کہ قلب کی کیا حالت ہوتی ہے سننے سے حیرت ہوتی تھی۔ رات بھر مجھے نیند آئی ہو تو قسم لو۔ مگر میں بڑی خوش ہوں کہ تمھاری صاحبزادیاں پڑھی لکھی ہیں، جو میں ان کے کام آؤں تو ایسی خوش ہوں کہ میرا اللہ ہی جانتا ہے اور میں تو غیروں کی لڑکیوں کو تلقین و تعلیم دینے کو اپنا فخر اور اپنی سعادت اور اپنا زادِ راہ سمجھتی ہوں۔ بھلا اُن سے جی چراؤں گی۔ ان کو تو ایسا بتاؤں کہ جس کا حق ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ چھوٹی لڑکیاں کچھ اپنے برابر والیوں ہی سے خوب گھل گھل کے باتیں کرتی ہیں۔ ہم سے باتیں کرنے میں ان کو لطف نہ حاصل ہوگا۔

ب اور ان کے برابر والی ایسی کوئی ہے نہیں جو انھیں سمجھائے، یا آوارہ عورتوں کا ذکر کر کے ایسا نتیجہ نکالے۔ اور وہ بات پیدا کرے کہ سننے والے کے دل پر نقش ہو جائے، اور ایسا نقش ہو جائے کہ مٹائے نہ مٹے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

استا۔ ان کی صحبت میں کوئی ان کی ہمجولی اور بھی بیٹھتی ہے۔

ب۔ بیگم نے کہا بس آج کل تو یہی چار بہنیں ہیں، اور ادھر اُدھر محلے کی، پاس پڑوس کی بہو بیٹیاں، یا رشتے ناتے کی عورتیں آتی جاتی رہتی ہیں۔

استانی جی نے کہا یہاں ایک لڑکی ہے جانی بیگم اس کی صحبت میں نہ بیٹھنے پائیں۔ بڑی بیگم بولیں کون جانی بیگم وہ تو یہاں نہیں آتی جاتی۔

استا۔ میں خبر پاچکی ہوں کہ جانی بیگم بھی دس بیس دفعہ آئی تھی۔

ب۔ ذری حسن آرا کو تو بلا لانا کوئی۔ کہنا کچھ پوچھنا ہے آپ سے

استا۔ کیا حسن آرا سے پوچھو گی۔

ب۔ ہاں دریافت کرلوں۔

استا ہنستے ہنستے پوچھیے گا۔ ڈانٹ نہ بیٹھنا۔

ب۔ نہیں۔

لونڈی نے جاکر حسن آرا بیگم سے کہا، کہ چلیے آپ کو بڑی بیگم صاحب نے یاد فرمایا ہے حسن آرا اس وقت ایک پائجامہ کاڑ رہی تھی۔ پوچھا خیریت تو ہے۔ لونڈی نے کہا ہاں سب خدا کا فضل ہے۔ ذرا چلی چلیے۔ حسن آرا نے گھڑی باندھی اور چلیں۔

حسن۔ کیوں اماجان۔ کاہے کے واسطے یاد کیا۔

ب۔ یہاں آؤ تو بتائیں۔ پاس آؤ۔

حسن۔ حاضر ہوئی فرمائیے۔

ب۔ ہمارے یہاں کوئی وہ لڑکی آتی ہے۔ اجی دیکھو بھولی جاتی ہوں، لڑکی سی ہے۔ ابھی کم سن بالکل۔

حسن۔ کون! کچھ پتہ بتائیے تو معلوم ہو۔

ب۔ اے وہ جانی بیگم کہلاتی ہے چلبلی سی لڑکی۔

حسن۔ ہاں وہ دو چار دفعہ آئی تھی۔

ب۔ اب نہ آنے پائے۔

حسن۔ کیوں اماں جان کیوں۔

ب وہ بڑی چلبلی لڑکی ہے۔ انھوں نے پہلے پوچھا تو ہم سمجھے نہیں اب یاد آگئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن۔ ہاں! اب یہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ گن کیسے ہیں اس کے۔ دو گھڑی آکے ہنس بول لیتی تھی، مگر اب ایک بات ہماری سمجھ میں نہ آئی، وہ یہ کہ زمانہ بھر اس کو بد وضع کہتا ہے۔ مگر وہ انتہا کی خوش خلق اور وضع دار آدمی ہے۔ ہاں بات چیت میں البتہ برق ہے۔

بات کو ٹال کر بڑی بیگم نے کہا استانی جی اب کس روز آؤ گی۔ اب کی جمعرات کو آؤ تو اچھی اچھی کہانیاں لڑکیوں کو سناؤ، جس میں ان کا دل پہلے۔ دو چار دن یہیں آن کے رہو۔ استانی جی نے کہا بیگم صاحب فجر کو تو ہم کو ایک گاؤں جانا ہے۔ شاید دو دن میں وہاں سے آنا ہوگا۔ دو دن بعد پھر جو پلٹیں گے تو ایک دو دن یہاں رہیں گے۔ ہاں اگر کہو تو بدھ کو ضرور آؤں۔ یہ کہہ کر استانی جی رخصت ہوئیں۔

خوجی

اخاہ۔ بعد مدت۔ مگر بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ یہ خوجی کیا معنی۔ خوجی ہے کون مردک۔ خوجی خوجی۔ خاصہ بھلا چنگا نام ہے۔ خواجہ بدیع صاحب یہ کہنے لگے خوجی۔ واہ نہ ہوئی قرولی ورنہ اپنے آپ اپنے پیٹ میں خواجہ صاحب بھونک دیتے۔ خوجی خوجی کی دم میں نمدا مردک کی۔ جزیرۂ مالٹا میں مختلف ملکوں کے آدمی ہیں، آرمینیں، عرب، انگریز، اسکاچ، آئرش، اہل ہسپانیہ، یونانی وغیرہ وغیرہ۔ مگر دو دن سے اس جزیرے میں ایک بڑے گران ڈیل جوان کا گذر ہوا ہے۔ قد کوئی آدھ گز کا، ہاتھ پاؤں دو دو ماشے کے۔ ہوا ذرا تیز چلے تو پتا ہو جائیں۔ کنّی لگانے کی ضرورت پڑے۔ مگر بات بات پر ذرا تیکھے ہوئے جاتے ہیں۔ کسی نے ذرا ترچھی نظر سے دیکھا اور حضرت نے قرولی سیدھی کی بھونک دوں ان کو کسی امر کا خیال ہی نہ تھا۔ دنیا کی فکر نہ دین کی۔ کچھ کسی سے واسطہ ہی نہ تھا۔ بس افیم ہو، اور چاہے کچھ ہو یا نہ ہو۔ اس وحشت کے صدقے۔ کہ میاں آزاد نے تو جہاز پر سے لائیف بوٹ میں بلوایا۔ آپ غل مچاتے ہیں کہ ارے یارو افیم کی ڈبیا لے آنا۔ اے صلِّ علیٰ۔ چہ خوش چرا نباشد۔ کوئی بگڑے دل ہوتے تو ڈبیا لانے کے عوض حضرت ہی کو جہاز پر اچھال دیتے، کہ لیجیے خواجہ بدیع صاحب اب افیم گھولیے۔ سمندر بھرا پڑا ہے۔

آزاد نے کہا بھئی تمہارا یہ فقرہ عمر بھر نہ بھولے گا کہ بیرم کے باشندے اور اسباب بیش بہا تو پاؤں ہی گے، لیکن دیکھیں ہماری افیم کی ڈبیا کس خوش نصیب کے ہاتھ لگتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خ۔ پھر اس میں ہنسی کی کیا بات ہے۔ آخر ہنسے آپ کس بات پر؟ ہماری تو جان پر بن آئی اور آپ کو دل لگی سوجھتی ہے۔ یہاں خدا جانے کیسی کیسی منّتیں مانیں تب کہیں خدا خدا کرکے افیم ہاتھ لگی۔ وہ افیم یہاں تک ساتھ آئی۔ وہ وہاں تک۔ وہاں تک۔

آزاد۔ ایں یا وحشت

خ۔ اف۔ واللہ جہاز ڈوبنے کا کس مردک کو رنج ہو اپنے حساب۔ مرگِ انبوہ جشنے دارد مگر افیم ہائے افیم۔ چینا بیگم کے ڈوبنے کا البتہ کمال رنج ہے۔ اس دن سے جمائیوں پر جمائیاں آتی ہیں۔ وہ تو کہیے ملّاح بے چارے نے رحم کھا کر دو دن کا سہارا کر دیا۔ اب اس وقت کیا کیا جائے۔

آزاد۔ لاحول ولاقوۃ۔

میاں آزاد سے دو پیسے لیے اور ایک دوکان پر پہنچے۔

خ۔ افیم دو۔ افیم۔

دکاندار منہ تاکتا ہے، کہ یہ بک کیا رہے ہیں۔

خ۔ ہم افیم مانگتے ہیں۔ ارے میاں افیون افیون۔

دُکاندار نے ہاتھ سے کہا کہ ہم سمجھتے نہیں۔

خ۔ عجب جانگلو ہے۔ ابے ہم افیم مانگتے ہیں۔

دکاندار ہنسنے لگا۔

خ۔ کیا بھٹی جوتی کی طرح دانت نکالتا ہے۔ ابے گیدی نہ ہوئی قرولی ورنہ دھواں اس پار ہوتا۔ ماشاء اللہ۔

راوی۔ کیا خوب۔ قرولی ہوتی تو دھواں اس پار ہوتا ماشاء اللہ۔

خ۔ لے بس اب دل لگی ہو چکی لاؤ، افیم لاؤ۔

پیسے حضرت مدّو شاہی دکھاتے ہیں۔ اتنے میں میاں آزاد پہنچے۔

آزاد۔ ایں خوجی۔

خ۔ جھک مارتے ہیں آپ، خوجی پر لعنت مردک پر۔

آزاد۔ ارے غضب۔ لاحول ولاقوۃ۔ معاف مائیے گا جناب خواجہ بدیع صاحب۔

خ۔ ارے دو کروڑ مرتبہ سمجھا چکا کہ خوجی مجھ بدبخت کا نام نہیں۔ میں خواجہ صاحب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

الشہیر بہ خواجہ بدیع صاحب ہوں۔ خوجی۔ خوجی۔ اور دو ہی کروڑ بار۔ معاف بھی کرچکا۔

آزاد۔ یہاں کیا خریداری ہوتی ہے۔

خ۔ اجی یہاں سب جانگلو ہی جانگلو رہتے ہیں۔ ایک گھنٹے بھر سے افیم مانگ رہا ہوں سنتا ہی نہیں۔

آزاد۔ پھر کہنے سے تو آپ بُرا مانتے ہیں۔ بھلا یہ بارود بیچتا ہے یا افیم۔ اور یہ مدّو شاہی پیسے کیا ہوں گے۔ بالکل گوکھے ہی رہے اب بتاؤ جانگلو تم ہو یا وہ ہے۔

خ۔ بھئی یہاں پر تو ہم بھی قائل ہو گئے۔

اس فقرے پر میاں آزاد بے اختیار ہنس پڑے اور خوجی بہت ہی خفیف ہوئے۔

خ۔ لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ۔

آزاد۔ عقل سے تو تم کام ہی نہیں لیتے۔

خ۔ ہم نے تو خود ہی کہہ دیا نہ کہ یہاں تو ہم بھی قائل ہو گئے۔

آزاد۔ چلو ہم افیم دلوا دیں۔ آؤ۔ اٹھو۔

خ۔ قربان۔ قربان۔ واللہ تنِ مردہ میں از سرِ نو جان آگئی۔

آزاد۔ پیسے باندھ رکھیے۔ جب ٹرکی سے پلٹ کر جائیے گا تو بیوی کو دیجیے گا۔

خ۔ ہمارا دل تو یہی گواہی دیتا ہے کہ اسکندریہ تک بھی پہنچنا محال ہے۔ جہاز کا حال تو ہم دیکھ چکے، اور آپ نے ٹھیکہ لیا ہے کہ دنیا بھر کو ڈوبنے سے آپ بچائیں گے۔ کوئی پانی میں گرا اور آپ جھم سے کود پڑے۔ ایک نہ ایک دن آپ کی جان ضرور جانی ہے۔ پوچھیے کوئی جیسے کوئی مرے، آپ کو اس سے کیا واسطہ، مگر خبط۔

میاں آزاد نے کہا بھئی اب ہمارا کہا مانو تو ہم کو تو ٹرکی جانے دو، اور تم چل دو ہندوستان۔ خوجی نے اپنا منھ پیٹ لیا واہ۔ وا۔ واہ۔ واللہ میں نہ مانوں گا:

از من مجدا مشو کہ توام نورِ دیدۂ
آرام جان و مونسِ قلب رمیدۂ
از دامنِ تو دست ندارند عاشقاں
پیراہن صبوری ایشان دریدۂ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پائم نمیرسد بزمین دیگر از نشاط
تا سوے من بلطف و عنایت تو دیدہ

اور اب تنہا واپس کس سے جایا جائے گا۔ نا حضرت بندے کو معاف کیجیے۔ اب میں ساتھ چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ بھئی افیم البنہ دلوا دو۔ اور میں چلا جاؤں گا تو تم لڑوگے کس کے برتے پر۔

آزاد۔ چہ خوش۔ آپ ہی کے برتے پر تو میں لڑنے جاتا ہوں نہ۔

خ۔ کون۔ قسم کھا کے کہتا ہوں۔ جب سنیے گا یہی سنیے گا کہ خواجہ بدیع صاحب نے توپ میں کیل لگا دی۔

آزاد۔ جی اس میں کیا شک ہے۔

خ۔ شک وک کے بھروسے بھی نہ رہیے گا۔ کیل لکڑی چولھے میں بھی نہیں جلتی، دیکھیے جس وقت بدیع صاحب اسپِ بادرفتار پر سوار ہوتے ہیں اور اکڑ کر بیٹھتے ہیں اونچی بنے ہوئے اس وقت اچھّے اچھّے جنڈیل اور کنڈیل جھک جھک کے تعظیم کرنے لگتے ہیں۔

آزاد نے مسکرا کر کہا بھئی واللہ تم نے جنڈیل اور کنڈیل کی ایک ہی کہی، مگر واسطے خدا کے میدانِ جنگ میں میرے ساتھ نہ جائیے گا۔ بلّی بخشنے چوہا بے چارہ لنڈورا ہی جی جائے گا۔

خوجی بہت ہی بگڑے اور اکڑ کر بولے: واللہ ایک کٹاری سے لشکر کے لشکر، اور پرے کے پرے نہ صاف کر دیے ہوں تو خواجہ بدیع نہیں۔ پھر مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا، انشاء اللہ دیکھے تو جائیے۔ مگر یار جواب کی جہاز غرقاب ہوا تو گئے ہی گزرے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک حبشی سامنے سے آنکلا ڈنڈ پیل جوان، مچھلیاں بھری ہوئیں، سینہ چوڑا۔

میاں خوجی نے جو دیکھا کہ ایک شخص اکڑتا بررتا سامنے سے آرہا ہے، تو حضرت بھی اینڈنے لگے۔ میاں آزاد کو بے اختیار ہنسی آئی۔ حبشی نے قریب آن کر شانے سے ذرا دھکا دیا، تو میاں خوجی نے بیس لڑھکنیاں کھائیں، اور دھم سے منہ کے بل گرے۔

آزاد نے قہقہہ لگا کر کہا، دیکھیے سنبھلیے میاں خواجہ بدیع صاحب، خواجہ صاحب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بے حیا تو تھے ہی، جھاڑ پونچھ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور حبشی کو للکار کر کہا او گیدی نہ ہوئی قرولی اس وقت ورنہ بدن کو چھلنی کر دیتا۔ اتفاق سے میں اپنے زعم میں آپ ہی آرہا نہیں تو وہ پٹخنی دیتا کہ انجر پنجر ڈھیلے ہو جاتے۔ میاں آزاد نے کہا، افسوس تو یہی ہے کہ آپ اپنے ہی زعم میں ہمیشہ پٹخنی کھا جاتے ہیں۔ بھلا اس حبشی سے تم کیا تمہارا گانوں بھر تو مقابلہ کرے۔ خوجی چیں بہ جبیں ہو کر بولے اچھا لڑ اکر دیکھ لو، چھاتی پر نہ چڑھ بیٹھوں تو خواجہ بدیع نام نہیں۔ اور ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ کہو تو للکاروں جا کے۔ آزاد نے کہا بس جانے دیجیے۔ اب کیوں ہاتھ پاؤں کے دشمن ہوئے ہو۔

میاں آزاد اور خوجی دوسرے دن جہاز پر روانہ ہوئے اور اسکندریہ چلے۔ میاں آزاد کو نہ سیرِ بحر بھاتی تھی، نہ مسٹر اپیلٹن کی یاد آتی تھی۔ ان کی آرزو دلی یہ تھی کہ جس طور پر ممکن ہو فوراً ٹرکی پہنچوں۔ میدان کارزار میں تیغِ حمیّت کے جوہر دکھاؤں، اور مہم میں سرخروئی حاصل کر کے ہندوستان واپس آؤں، اور حسن آرا بیگم کو عقد نکاح میں لاؤں۔ جب محبوبِ مطلوب کا خندۂ نمکین یاد آتا تھا تو ان کے دل پر بجلیاں گراتا تھا۔ خیال کیا کہ قسطنطنیہ جانا اور روم کے افسران فوجی کی خدمت میں بار پانا، اور رسوخ پڑھانا، اور میدان جنگ میں قابلیت اور بسالت دکھانا آسان امر نہیں ہے۔ خدا جانے اہلِ روم ہم سے کس طرح پیش آئیں۔ صیغہ جنگی میں عہدہ پائیں یا نہ پائیں۔ کیا افتاد پڑے۔ ہاتھی چھوٹے گھوڑا چھوٹے۔ یہ سوچ کر ان کا دل اس قدر بھر آیا، کہ بے اختیار آبدیدہ ہو گئے۔ میاں خوجی نے سمجھایا کہ دیکھو بھئی آزاد ہماری تمہاری حالت اب ایک ہے۔ تم معشوقِ صبیح ہم محبوبِ ملیح کی مفارقت میں سر دھنتے ہیں۔ تم روتے ہو ہم دیوانوں کی طرح تنکے چنتے ہیں۔ تمھیں حسن آرا بیگم ہمیں چینا بیگم نے کہیں کا نہ رکھا۔ دونوں کی کیفیت ایک ہے۔ اس وقت ذرا دل بہلاؤ دو گھونٹ پانی پیو، کھانا کھاؤ۔ آزاد نے کہا سبحانَ اللہ، غم غلط کرنے کی کیا خوب تدبیر بتائی ہے۔ ہماری تو جان پر بن آئی ہے، آپ فرماتے ہیں کھانا کھاؤ۔ دل بہلاؤ۔ خوجی نے کہا بھئی دادی جان ایک مثل کہا کرتی تھیں کہ ٹکڑے کھائے دل بہلائے پیٹ بھرا تو گھر کو آئے۔ میاں چند روزہ زندگی کے لیے کون بھئی رنج کرے۔ بجز غمِ حسین کے غم ہی نہ کیا:

مجرئی لڑنے کو جب اکبر چلے   بولے سرور قتل ہم کو کر چلے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تشنگی بیٹے کی سن کر خلد سے | جام لے کر ساقی کوثر چلے
روکے اکبر نے کہا ہنگامِ قتل | خشک لب تھے ہم بچشمِ تر چلے
کیا کہوں میں وادی پرخار میں | کس طرح سے عابدِ مضطر چلے
پائے گل گوں جن کے نازک گل سے ہوں | پھر بھلا کانٹوں پہ وہ کیوں کر چلے
برق ساں دیکھا جو اکبر کو طپاں | شاہ گریاں مثل ابرِ تر چلے
دوست میرے شاہ کے گویا ہوں شاد | تیر اور تلوار دشمن پر چلے

آزاد۔ حضرت خواجہ صاحب اس وقت دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ کلیجہ منھ کو آتا ہے اپنے مرنے کا رنج نہیں۔ آج نہیں کل مرے۔ کل نہیں پرسوں مرے۔ یوں نہ مرے زخم کھا کر مرے۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
زِ جام دہر مئی کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانْ

مگر افسوس تو یہ ہے کہ حسن آرا بے چاری کڑھے گی اور ہمارے حال زار سے ان کو کوئی بھی مطلع نہ کرے گا۔ ستم تو یہ ہے۔ وہ اپنے دل میں سوچیں گی کہ آزاد دغا دے گئے۔ روم نہ جا سکے۔ عاشق صادق نہ تھے زمانہ ساز تھے کسی اور مہ وش پر دل آیا ہوگا کسی اور کو عقدِ نکاح میں لایا ہوگا۔

نشاید ہوس باختن باگلی
کہ ہر بامداوش شود بلبلی

اگر اتنی تشفی ہو جائے کہ آزاد کا حال حسن آرا بیگم کو مو بمو معلوم ہو جائے گا تو دل کو بڑی تقویت ہو ورنہ خیر:

اب تو چل ہی کھڑے ہوئے آزاد
پھر ملیں گے اگر خدا لایا

خ۔ بھائی چاہے ملاقات ہو چاہے خدانخواستہ نہ ہو مگر یہ خیال دور کر دو کہ حسن آرا تمھاری طرف سے بدگمان ہوں گی۔ یہ تمھاری بدگمانی ہے۔ حسن آرا اور یہ خیال، اے لاحول کیا مجال۔

آزاد:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل می رود زدستم صاحبدلان خدا را
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

(حافظ)

خ۔ نیش کے بعد نوش ہے۔

آزاد۔ اور جو یہ معلوم ہو جائے کہ نیش کے بعد بھی نوش نہیں تو۔ فرہاد نے نیش کے بعد کیا پایا۔

خ۔ مشہور ہے کہ گو یہاں وصال نہ ہوا، مگر وہاں ہو گا۔

آزاد۔ اس عشق کا برا ہو جس نے ہمیں دین کا رکھا نہ دنیا کا۔

خ۔ ہے تو ایسا ہی مگر۔

آزاد۔ اب تو چاہے جیسی سختی پڑے جھیلیں گے ضرور۔ اگر ہم مر گئے تو تم حسن آرا کو ہماری وفات کی اطلاع دو گے یا نہیں۔

خ۔ تم مرو گے۔ کیا طاقت۔

آزاد۔ یہ بھی اختیاری امر ہے کچھ۔

خ۔ کیا مجال مرنا نہ ہوا ہنسی ٹھٹھا ہوا۔ اور وہم کی دوا تو لقمان کے پاس بھی نہ تھی۔

آزاد۔ این کیا خوب۔

خ۔ کیا خوب سمیت۔

آزاد۔ سن تو لو۔

خ۔ غیر ممکن بات کوئی اور سنتے ہوں گے۔ دعویٰ بے دلیل مہمل ہوتا ہے۔ ثبوت دو کہ تم مر جاؤ گے۔

آزاد۔ کیا کوئی مرنے سے انکار بھی کر سکتا ہے؟

خ۔ تو مرتے ہم ایسے ہیں۔ ہم ایسے دبلے پتلے بوڑھے افیمی، نہ کہ تم ایسے ہٹے کٹے چاق چوبند۔

آزاد۔ اور شاید ہم ہی تمھارے پہلے مر جائیں۔

خ۔ واہ اجی تم ہم کو مار کے مرو گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد۔ خیر۔

خ۔ خیر کیا معنی۔ کچھ زبردستی ہے۔ ہم تم کو مرنے نہ دیں گے۔ اِدھر تم کو نزاع کی حالت میں دیکھا، اور ہم نے زہر کھا لیا۔ اب فرمائیے پہلے کون مر گیا۔

آزاد۔ اچھا جو ہم ڈوب گئے۔

خ۔ سنو میاں ڈوبنے والے اور ہی ہوتے ہیں۔ ان کی ایسی صورت ہی نہیں ہوتی۔ اس تیرہ صدی میں معدودے چند ہی ڈوبنے والے ہیں، اور ڈوبنے والے سمندروں میں ڈوبنے نہیں آتے ہیں۔ ان کے لیے چلّو بھر کافی ہے بس۔

آزاد۔ اگر بفرض محال (جیسا کہ تم سمجھتے ہو) ہم مر گئے تو حسن آرا بیگم کو ضرور اطلاع دینا۔

خ۔ کیا مجال۔

آزاد۔ نہ اطلاع دو گے؟

خ۔ ہرگز نہیں۔

آزاد۔ آخر وجہ۔

خ۔ اگر ہم ڈوبتے ترتے، لڑھکتے پڑھکتے، وہاں تک پہنچے، تو جا کے کہیں گے کہ ایک عورت کو میاں آزاد عقدِ نکاح میں لائے۔ اب مزے سے روم میں دندناتے ہیں۔ ہم نہ کہیں گے کہ آزاد جان بحق تسلیم ہوئے۔ ہم صاف یہی کہیں گے کہ میاں آزاد وہاں گل چھرّے اڑا رہے ہیں۔ ایک حسین عورت کے ساتھ شادی کر لی۔ چین ہی چین لکھتا ہے۔ میں نے ایک دن تذکرہ کیا کہ حسن آرا بیگم بھی یاد ہیں۔ بس نام سنتے ہی ایک چپت جمائی۔ تڑ سے۔ میں اس وقت تو کچھ نہ بولا۔ مگر دوسرے روز بھاگ کے چلا آیا۔

آزاد۔ تسلیم، خوب حقِ دوستی آپ ادا کریں گے۔

خ۔ یہ فعل بھی خالی از حکمت نہیں ہے۔

آزاد۔ اور وہ حکمت کیا ہے ہم بھی سنیں۔

خ۔ اگر آپ کا کوئی دوست بے وقوف، احمق، گھامڑ، آپ کے مرنے کے بعد حسن آرا کو لکھ بھیجے، کہ میاں آزاد عالمِ جاودانی سے پدرود کر گئے۔

آزاد۔ کس سے کس سے پدرود کر گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خ۔ عالمِ جاودانی سے۔

آزاد۔ بہت ہی خوب۔

خ۔ کیوں۔ عالمِ جاودانی سے پدرود کرنا یعنی مرجانا۔

آزاد۔ درست، بجا، عالم جاودانی سے پدرود کر کے گئے کہاں، عالم فانی؟

خ۔ لاحولَ وَلاَ قُوّۃَ۔ مطلب یہ کہ عالم فانی سے پدرود کر گئے۔ خیر اگر لکھ بھیجیں کہ میاں آزاد مر گئے یوں ہی سہی۔ تو حسن آرا کی جان پر بن آئے یا نہیں؟ اس بے چاری کے دل پر کیسی گذرے۔ اے ہے۔ زندہ در گور۔ سر پٹک پٹک کر دم توڑے۔ اور جو یہ سنیں کہ آزاد ہیں تو جیتے جاگتے۔ مگر عاشق صادق نہ تھے۔ جھوٹے اور بدمعاش نکلے۔ ایک عورت کے ساتھ شادی کر لی اور قول کا خیال نہ رکھا تو قسم خدائے پاک کی تمھارے نام سے نفرت ہو جائے اور رنج تو قریب پھٹکنے نہ پائے۔ اب بولو، ہے اچھی ترکیب یا نہیں؟ نہ کہو گے؟

آزاد۔ ہاں ہے تو اچھا۔

خ۔ (اکڑ کر) دیکھا۔ پیر شو، بیا موز۔ بوڑھے آدمی ڈبیا میں بند رکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔ سکندرِ اعظم جب مقدونیہ سے چلے، تو حکم دے دیا کہ فوج کے ساتھ سب جوان ہی جوان چلیں۔ اگر کوئی بوڑھا چلا تو قتل کیا جائے گا۔ کو ایک سپاہی نے اپنے بوڑھے باپ کو چپکے سے پٹاری میں بند کیا، اور ساتھ لے چلا۔ بس حضرت سلامت ایک موقع پر بوڑھے کی ضرورت ہوئی۔ پھر اچھے اچھے حکیموں کی عقل دنگ تھی، کہ یہاں پر کیا کریں۔ آخر کار سپاہی اپنے بوڑھے باپ کو لے گیا۔ اور کہا جہاں پناہ سے جان بخشی کا مستدعی ہوں کہ خلاف حکمِ شاہنشاہی اس کو بمقتضائے محبّت فرزندی ساتھ لایا۔ سکندر نے اس کا قصور معاف کیا، اور پیرِ فرتوت نے میدانِ فکر میں جو عقل کے گھوڑے دوڑائے تو وہ بات پیدا کی کہ حکیموں تک نے پسند کی۔ مشفق! تجربہ بڑی چیز ہے۔ تم لاکھ پڑھ جاؤ پھر لونڈے ہی ہو ہمارے سامنے۔

آزاد:

کوئی ہم سا دیوانہ پیدا نہ ہوگا

ہوا بھی تو پھر ایسا رسوا نہ ہوگا

خ۔ بس اتنے ہی میں رو دیے؛

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عاشق بھی ہوئے تو میرزائی نہ گئی

بس ایک کڑی دلا اٹھائی نہ گئی

ہم تو کہتے تھے کہ ٹرکی جانے کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ مزے سے ہندوستان میں دندناؤ۔ تم نہ مانو تو کوئی کیا کرے۔ کہتے تھے کہ عشق کے جھگڑے میں نہ پڑنا۔ نہ مانا، نہ مانا۔ اب بھگتو۔

آزاد۔

منع کرتا ہے مجھے یار کے گھر جانے کو

ناصحا آگ لگے اس ترے سمجھانے کو

خ۔ آگ لگنا کیا معنی، یہاں تو ڈوبنے کا ڈر ہے۔

آزاد:

جی مرا تن سے سفر ہی کر گیا — وہ تو گھر میں ہے یہاں گھر ہی گیا

میں موا کون کرے گا واں شور — آپ کے کوچے سے اب سر ہی گیا

او مسیحا نہ خبر لی تو نے — وہ جو بیمار تھا لے مر ہی گیا

میرے قاتل کا لڑکپن دیکھو

دیکھ کر خوں کو مرے ڈر ہی گیا

خ۔ اب سنیے۔ معاملے کی بات یہ ہے۔

آزاد۔ معاملہ گیا ایسی تیسی میں۔ یہاں تو۔ ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

خ۔ ہمیں آج تک یہی نہ معلوم ہوا کہ آپ کا دولت خانہ کہاں ہے۔ وطن کہاں ہے۔ اتنا تو بتا دو۔

آزاد۔ خانہ بدوش۔ وطن کا پتا ہی نہیں ہے:

میں نے ہاتھوں سے اٹھایا ہے مکاں بالائے سر

ہوں میں وہ بلبل ہے میرا آشیاں بالائے سر

خ یہ کہیے تو معلوم ہوا کہ کوئی رونے والا نہیں ہے۔ چلو سستے چھوٹے۔ رہیں ایک حسن آرا ان کو سمجھالیں گے بس وہی ترکیب کہ تمھاری غیبت کریں گے۔ ہزاروں تدبیروں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی ایک تدبیر تو بس یہ ہے۔

خوجی نے کہا کہ بھائی دل جلانے کے لیے تو میں اشعار پڑھتا ہوں۔ ایسی حالت میں یہی لازم ہے کہ طبیعت کو اور طرف مخاطب کرو۔ میں نے دیکھا کہ تم کو شعر و شاعری کا از بس شوق ہے۔ لہذا پڑھنے شروع کیے۔ حسن آرا کو تم چند روز کے لیے دل سے بالکل بھلا دو۔ ورنہ دل ہاتھ سے جاتا رہے گا، اور سفر کی سختی تم کو خون رولائے گی۔ ہنسو، بولو۔ سیر دیکھو۔ اِدھر اُدھر لوگوں سے ملو۔ تم یہاں اجنبی ہو۔ کل آدمیوں کی نظر تمھاری ہی طرف ہے۔ سب سے ملو۔ بولو چالو، ہنسو۔ غم غلط کرو۔ یہ کیا کہ ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہو۔ ہائے ستم۔ ہائے غضب۔ ع

نام خدا ہو جوان کچھ تو کیا چاہیے۔

یا تو اس درجہ جواں مردی کی کہ ذرا سے اشارے کی دیر تھی دن سے جہاز پر سوار ہو گئے۔ وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر روم چلے، اور یا اب اس قدر پریشانی، اور حیرانی اور سرگردانی ہے کہ بات کرنا تک دو بھر ہے۔ یہ کیا بات۔ دل کو خوب مضبوط رکھو۔ کوئی کتاب پڑھو۔ تم اتنے لائق فائق آدمی ہو۔ ہم نے دس بارہ دن سے تم کو پڑھتے نہیں دیکھا۔ ان دنوں میں دن رات مطالعہ کتب کرتے تھے۔ دل بہلتا تھا۔ اب آج کل یکقلم پڑھنا القط کر دیا۔ وحشت نے آن دبوچا۔ عشق نے ٹیٹوا لیا۔

آزاد۔ ہاں سچ کہتے ہو۔ سڑی ہو تو کیا ہوا، مگر اس وقت ٹھکانے کی بات کہی۔

خ۔ کوئی کتاب پڑھو۔ مالٹا کی خوب سیر کرو۔ ارے یار اول تو ہمیں امید ہی نہیں کہ ہندوستان واپس جائیں، اور اگر خوش قسمتی سے زندہ بچے اور ہندوستان کی صورت دیکھی تو زمین پر قدم نہ رکھیں گے۔

آزاد۔ (مسکرا کر) زمین پر تو اب بھی قدم نہیں رکھتے ہیں۔

خ۔ ہم کہیں گے تم لوگ کیا جانو مالٹا کہاں ہے۔ بھلا بتاؤ جزیرۂ پریم کدھر ہے۔

آزاد۔ پریم نہیں پیرم۔

خ۔ پس یہی تم میں سخت عیب ہے۔ وہ پریم کہا تو کیا اور پیرم کہا تو کیا۔

آزاد۔ ہاں تو پھر خوجی کہا تو کیا اور خواجہ بدیع صاحب کہا تو کیا

خ۔ (مسکرا کر خاموش)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد۔ ہنسے مجھئی، ہنسے۔ ہنسے خوجی۔ وہ توبہ توبہ خواجہ صاحب جناب خواجہ بدیع صاحب۔

اجی تم نے کمیدنی کی حالت میں ہم کو نہیں دیکھا تھا۔ واللہ انگلیاں اٹھتی تھیں۔ جدھر سے نکل گئے انگلیاں اٹھنے لگیں:

مرا ہم چنین چہرہ گلفام بود

بلور نیم از خوبی اندام بود

آزاد نے کہا خواجہ صاحب اب آپ یہاں شادی کر لیجیے، اور مزے مزے رہیے۔ یہاں عورتیں بہت ہیں، اور حسین۔ اور آپ ہی کی سی گران ڈیل۔ کہو تو کوشش کی جائے کسی سے کہیں سنیں۔ خوجی نے کہا اب روم سے واپس آئیں تو پھر شادی کی فکر کریں۔ ابھی نہیں۔ مفت میں شادی کر کے اُلّو بنیں۔ جورو الگ چنتیائے۔ ناک میں دم کر دے۔ یہ پردیسی ٹکا پاس نہیں۔ آپ کو شادی کی دُھن سمائی ہے۔ واہ واہ صاحب واہ، ہاں ٹرکی سے واپس آئیں، تو پھر بیاہ رچے۔ میاں خواجہ بدیع بھی دلہا بنیں:

آنچل ہو وہاں نقابِ عارض — سہرا ہو یہاں حجابِ عارض

وان گل سے بہار بوستان ہو — آرائشِ تختِ گل یہاں ہو

الماس کے وان ہوں جھاڑ فانوس — یاں جلوہ فروش تختِ طاؤس[1]

مہتاب سے چاندنی کا وان فرش

یان چرخی سے چرخ میں سرِ عرش

آزاد۔ اہو ہو ہو۔ مزے میں آئے میاں خوجی۔

خ۔ (مسکرا کر) چھیڑ خانی سے آپ باز نہیں آتے۔ پھر وہی خوجی۔ خوجی۔ بھائی خواجہ صاحب کیوں نہیں کہتے۔ خواجہ بدیع کہو نہ۔

---

[1] تختِ طاؤس۔ مغل بادشاہ شاہ جہاں (متوفی ۱۶۶۶ء) نے اپنے دربار کے لیے، سونے اور جواہرات سے مرصّع تخت بنوایا تھا۔ جس کی شکل مور جیسی تھی۔ اس تخت کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ نادر شاہ درّانی نے جب محمد شاہ، بادشاہ کے عہد میں دہلی پر حملہ کیا تھا۔ وہ اس گران قیمت تخت کو بھی اپنے ساتھ افغانستان لے گیا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میاں آزاد خوجی کو لے کر ایک کوٹھی میں گئے۔ اس کوٹھی میں قہوہ کی سوداگری ہوتی تھی۔ آزاد نے اپنے دوست کو وہاں بٹھایا۔ اور ایک آدمی کے ہاتھ افیم منگوائی۔ افیم دیکھتے ہی میاں خوجی کھل گئے۔ سیکڑوں ہی دعائیں دیں۔ بھائی آزاد واللہ اس دم تو تو نے مسیحائی کی۔ خدا گواہ ہے جلا لیا۔ جلا لیا: اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی۔

واہ بھئی واہ۔ خدا کرے کہ چار ہی پانچ مہینے میں حسن آرا سے ملو، اور فائز بمراد ہو۔

افیم ہاتھ میں لے کر ایسے خوش ہوئے کہ جامے میں پھولے نہ سمائے۔ ایک چینی کی پیالی لے کر دکان ہی میں افیم گھولی اور چسکی لگائی۔ واہ آزاد کیوں نہ ہو۔ دوستِ صادق، سچے یار واللہ! سچّے محسن تمھیں ہو۔ شاباش۔ شاباش۔ کیوں نہ ہو۔ واللہ یہ احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔ بھئی افیم پینا برا ہے۔ مگر لت کو کیا کریں مجبوری ہے۔ قسم خدا کی افیم کی ڈبیا جس وقت ہم سے جہاز پر چھٹ گئی، بس یہ معلوم ہوا کہ تیرِ غم کلیجے کے پار ہو گیا۔ جیتے ہی مرمٹا۔ ڈوبنے کا اس قدر رنج نہ ہوتا۔ دو تین بار چاہا کہ کود پڑوں، اور کود کے لاؤں، مگر ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس وقت ہم بھی اپنے وقت کے بادشاہ ہیں۔ ع

نی غم دزدنی غمِ کالا

لے آؤ اب مذاق کی باتیں ہوں؛

فکر کونین کی رہتی نہیں می خواروں میں
غم غلط ہو گیا جب بیٹھ گئے یاروں میں

اسی طرح افیون نوش بھی کونین کی فکر سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ ایک گنڈے کی افیم گولی۔ گھولتے ہی گھولتے سرور جم گیا۔ پی تو لگی دور کی سوجھنے۔ دنیا وَمَا فِیھا سے واسطہ ہی نہیں:

اے نسیم سحری کہیو مرا عرضِ نیاز
گلشنِ یار میں گر ہووے رسائی تیری

آزاد۔ اب تو واقعی دور کی سوجھنے لگی۔

میاں خوجی اس دکان میں حسبِ اجازت مالک مکان لیٹے۔ آزاد نے کھانا کھایا اور ادھر ادھر ٹہلنے لگے، تو دیکھا کہ کئی کتابیں ایک کونے میں چُنی ہوئی ہیں۔ ایک ایک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کتاب کو دیکھنے لگے۔ کچھ یونانی تھیں کچھ عربی مگر دیکھتے دیکھتے ایک انگریزی کتاب ان کے ہاتھ آئی۔ کرسی پر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگے۔ مالک دکان نے دیکھا کہ ایک خوشرو جوان ہے، چہرے سے شہزادگی کے آثار عیاں ہیں۔ پوچھا کہاں کے قصد ہیں۔ مالٹا ہی تک آئے ہو یا کہیں اور جاؤ گے؟ آزاد نے نہایت ادب کے ساتھ جواب دیا کہ جی نہیں اسکندریہ جانے کا عزم ہے کل جہاز پر سوار ہوں گا اور وہاں سے ٹرکی جاؤں گا۔ مالک دوکان نے کہا وہاں ہماری بھی ایک کوٹھی ہے۔ آپ اسی کوٹھی میں فروکش ہوں، اور اگر کسی دوست کے پاس جاتے ہیں تو خیر۔ آزاد بہت خوش ہوئے۔ سوچے یہ خوب ملے۔ چلو بالفعل رہنے کا تو سہارا ہو گیا۔ کہا آپ ایک خط لکھ دیں، تو کیا مضائقہ۔ مالک مکان نے کہا بصد خوشی۔ ابھی ابھی لکھوں گا۔ آپ وہاں بلطف و آرام بسر کیجیے۔ بندہ زادہ آپ کو قسطنطنیہ کی سیر دکھاوے گا۔ لیکن آج کل تو وہاں جنگ چھڑی ہے۔ آزاد آہِ سرد کھینچ کر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد اخبار ٹائمز اس کوٹھی کے مالک نے ان کو دیا اور یہ پڑھنے لگے۔

آزاد۔ اخّاہ چھڑ گئی۔

مالک کوٹھی۔ (مالک)، ہاں اور کیا۔

آزاد۔ مگر جنگِ عظیم ہوگی۔ لوہے سے لوہا لڑے گا۔ دیکھیے انجام کیا ہوتا ہے۔

مالک۔ ہم کئی بار ٹرکی جا چکے ہیں۔ دو دو تین تین برس وہاں رہے ہیں۔ اسپین میں نوکری کی۔ جرمنی میں برسوں رہے۔ یورپ کا کوئی ملک ایسا نہیں جو ہم نے نہ دیکھا ہو، اسپین کی لیڈیاں سب ملکوں کی لیڈیوں سے زیادہ نیک ہیں، مگر مرد بڑے شورہ پشت خون کے مقدمے کثرت سے ہوتے ہیں۔ ٹرکی کے جتنے ماتحت صوبے ہیں سب ان کے دشمن ہیں۔ سرویا اور مانٹی نیگرو اور البانیا اور ہرزیگونیا اور بلگیریا سب خلاف۔ در پردہ روس کی مدد تھی۔ اس سبب سے وہ سب کے سب شیر تھے۔ سنا کہ یونان بھی ہتھیار اٹھانے والا ہے۔ اگر انگلستان نے ٹرکی کا جنبہ کیا تو جرمن اور آسٹریا روس کا ہاتھ بٹائے گا، اور پھر شاید فرانس انگلستان کی طرف ہو۔ مگر بڑی جنگِ عظیم ہو جائے۔ بس یورپ بھر کی جنگ ہو۔ لیکن ہم کو یقین نہیں کہ انگلستان کسی کا ساتھ دے۔

آزاد۔ کیا انگلستان ٹرکی کی شکست سے خوش ہو گا۔ ٹرکی کی فتح و شکست سے انگلستان کا نفع و نقصان برابر ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ٹرکی کا کچھ نہ کچھ جنبہ انگلستان ضرور کرے ملاد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انگلستان پر فرض بھی ہے کیوں کہ ٹرکی ہمارا قدیم دوست ہے۔

مالک۔ اگر ایشیا میں روس نے فتح پائی تو برٹش کو سخت ناگوار ہوگا، اور اگر یورپ میں فتح پائی تو کچھ لے دے کر روس چل دے گا۔ مطلب یہ کہ ٹرکی میں عملداری ترکوں کی رہے گی۔ روسی چاہیں کہ وہ حکمرانی کریں یہ محال ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔

آزاد۔ اچھا پھر اتنے صوبے روم سے نکل گئے تو پھر باقی کیا رہا۔

مالک۔ پھر جنگ کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور ہی ہوتا ہے۔ ٹرکی لڑیں گے خوب۔ اور روس کے سپاہی بھی بڑے جری ہیں، لیکن روس کے پاس سامان بہت لیس ہے۔ ٹرکی کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں اگر افسر بسالت کے ساتھ لڑیں تو روس سے البتہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آپ تو کبھی ٹرکی گئے نہیں۔ میں بخوبی واقف ہوں۔ وہاں باہمی نا چاقی انتہا سے زیادہ ہے جتنے بادشاہ ہیں سب اپنا اپنا بھلا چاہتے ہیں مگر ایک بات ضرور ہم کہیں گے کہ ترکی سپاہیوں سے زیادہ جری اور شجاع شاید کوئی قوم ہو۔

آزاد۔ بیشک ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ ہم فتح حاصل کریں گے۔ لیکن ہاں خیال اس قدر البتہ ہے کہ جرمنی روس کی کمک نہ کرے، اور ہمارا سامان کم نہ ہونے پائے اور ہمارے جنرل ملک کے نام پر جان دیں۔ باہمی شکر رنجی اور خود غرضی کو چھپر پر رکھیں۔

مالک۔ ہاں یہ مشکل ہے۔

آزاد۔ پھر مشکل ہے تو فتح بھی مشکل ہے۔ روس کے جنرل کوئی لونڈے تو ہیں نہیں، کہ فاش غلطیاں کرنے لگیں۔ جیسے جری ٹرکی سپاہی ہیں، ویسے ہی اگر افسر بھی ہوں تو روس سے خوب مقابلہ ہو۔ شکست اور فتح کا حال تو کوئی نہیں کہہ سکتا، مگر افسروں نے اگر خود غرضی نہ کی تو مار لیا ہے۔ پھر کچھ خوف کا مقام نہیں۔

مالک۔ آپ بھی سنّی ہیں؟

آزاد۔ جی ہاں مگر مجھے تعصب مذہبی نہیں ہے۔

مالک لیکن آپ یہ تو ضرور دعا مانگتے ہوں گے کہ ٹرکی فتح پائے۔

آزاد۔ میں! دعا بالضرور بالضرور۔ میں تو جاتا ہی اس لیے ہوں کہ جان دوں اور جان لوں۔ شیعہ اور سنّی اس وقت میں سب ایک ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مالک۔ شاباش۔

آزاد۔ آپ مجھے ایک خط اپنے لڑکے کے نام لکھ دیجیے گا۔

مالک۔ ضرور۔

آزاد۔ وہاں ہوٹل بھی ہے یا نہیں۔ ہوٹل تو ضرور ہوں گے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ کسی سے ملاقات تو ہو۔ رہوں چاہے جہاں مگر آپ کے لڑکے کی ملاقات ہو جائے۔

مالک کوٹھی ایک لائق، اور معاملہ فہم، تجربہ کار اور مُسن آدمی تھا۔ میاں آزاد سے جو گفتگو کی، اور دیکھا کہ ملکی معاملات کو خوب سمجھتے ہیں تو خوش ہوا، اور اُن کی بڑی خاطر کی۔ یہ ایک طرار آدمی۔ لائق۔ فائق۔ تربیت یافتہ پولٹیکل امر سے واقف۔ علم مناظرہ میں طاق۔ شاعری نثاری میں شہرۂ آفاق۔ مالک کوٹھی کو انھوں نے اپنی تقریر سحر تخمیر سے بہت خوش کیا مالک کوٹھی نے ان کو انواع واقسام کی اشیا دکھائیں۔ ایک چاقو دکھا کر کہا۔ یہ چارڈ میتھوز کے ہاتھ کا بنا ہے۔ انگلستان کے چاقو اس قدر خوشنما اور تیز اسی شخص کی کوشش سے بننے لگے۔ ورنہ اس کے قبل بھدّے بنتے تھے۔ یہ سولہ صدی میں تھا سنہ ۱۵۶۳ء سے اس نے چاقو بنانے شروع کیے۔ آزاد نے اس چاقو کو بغور دیکھا، اور کہا اب تو شفیلڈ کے چاقو اس سے اچھے بننے لگے۔ مالک کوٹھی نے جس کا نام رستم جی بھائی تھا، میاں آزاد کو ایک نہایت لذیذ نارنج تھا، اور کہا نوش جان فرمائیے۔ یہ میرے باغ کا ہے آزاد نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا۔

آزاد۔ ایک سال میں کس قدر پھل لگتے ہوں گے۔

رستم جی۔ (رُس) اس کا تخمینہ ذرا مشکل ہے۔

آزاد۔ فینسل ایک مقام ہے۔ سنا وہاں سال بھر میں آٹھ ہزار پھل اترتے ہیں۔

رس۔ آپ کو خوب تحقیقات ہے۔ اس قدر تو ہم کو بھی معلوم ہے کہ ۱۲۵۰ء میں بمقام سنیٹ سے بنا واقع (روم اطالیہ) اس کا ایک درخت تھا۔ اس سے قبل شاید یورپ میں نارنج کا درخت نہ تھا۔ ایک سیّاح تھا، اومس اس نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں پانچ ہزار برس کا ایک درخت اس نے دیکھا تھا

آزاد۔ اور بلہارڈی میں ایک درخت ہے جو لیس سیزر کے وقت کا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رُس۔ جولیس سیزر حضرت عیسیٰؑ کے کوئی چالیس بیالیس برس قبل کا۔

آزاد۔ اور کیا۔

رس۔ ایک فرانسیسی مجھ سے کہتا تھا کہ بشمانیہ میں ایک پیڑ ہے۔ کوہ ولنگٹن۔ دو سو پچاس فیٹ اونچا۔

آزاد۔ اللہ اللہ۔ ڈھائی سو فیٹ کی بلندی۔ درخت کیا ابوالاشجار ہے۔ ہزار ہزار، سات سات سو اور آٹھ آٹھ سو برس، کے تو اکثر درخت ہیں۔ مگر اس قدر ارفع نہیں سنا تھا آج تک۔ ڈھائی سو فیٹ۔ اف فوہ! کچھ ٹھکانا ہے۔

خ۔ بھئی واللہ! ذی اور چانڈو باز بے چارے ناحق ہی بدنام ہیں۔ اس گپ کے قربان کہنے لگے پانچ ہزار برس کا پیڑ ہے اور آسمان تک اس کی شاخیں پہنچ گئی ہیں۔ معلوم ہوا فرشتے ہاتھ بڑھا کر اس کے پھل توڑتے ہوں گے۔ اف رے کذب اور کیسے معتبر معتبر آدمیوں کے نام لیے۔ فلانا سیاح آیا تھا۔ فلانا فرانسیسی کہتا تھا۔ جھوٹے پر۔ کہو بیش باد۔ ابھی ہم جو کوئی بات کہیں تو کسی کو یقین ہی نہ آئے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ۔ پانچ ہزار برس کا درخت! اللہ رِی گپ۔

آزاد۔ آپ جی اٹھے۔

خ۔ میاں خدا کے لیے اس قدر جھوٹ نہ بولا کرو۔ کچھ خوفِ خدا بھی ہے یا نہیں۔

آزاد۔ (رستم جی سے) آپ نے افریقہ کی بھی کبھی سیر کی ہے۔

رس۔ مرتے مرتے بچا۔

خ۔ وہ تو ہم سمجھے ہی تھے۔ کیا زمانہ ہے۔ سچّے مرتے جاتے ہیں اور ان ایسے جھوٹے مرمر کے بچ جاتے ہیں۔

رس۔ افریقہ اور یورپ تو زمانۂ پاستاں میں باہم ملے ہوئے تھے۔

آزاد۔ اجی ہاں۔ سمندر حائل نہ تھا۔ علما کا قول ہے کہ رفتہ رفتہ سمندر کا وہ ٹکڑا جو ان دونوں برِّ اعظم کے درمیان میں حائل ہے۔ چوڑا ہوتا جائے گا۔ علمائے علم جیالوجی نے اس کی خوب کامل تحقیقات کی ہے۔ انگلستان اور فرانس بھی باہم ملے ہوئے تھے۔

رس۔ ہاں مگر یہ شاید ابتدائے آفرینش کا ذکر ہے۔ کیوں کہ مؤرّخ صرف جیالوجی کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سبب سے ایسا سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس زمانے سے یہ دونوں ملک باہم جدا ہوگئے سر چارلس لائیل کی رائے صحیح ہے کہ اس کا پتہ نہ معلوم ہوگا۔

آزاد۔ بیشک۔

رُس۔ جیالوجی نے بہت کچھ سکھایا۔ نئی نئی باتیں اس علم کی بدولت ظاہر ہوئیں۔ اور طوفانِ نوح کو تو علمائے جیالوجی مانتے ہی نہیں۔

آزاد۔ مگر ہمارے یہاں تو ثابت ہے۔

رُس۔ اور بائبل (انجیل) کی رو سے بھی۔

آزاد۔ (خوجی سے) کچھ سمجھے یہ کیا کہتے ہیں۔

خ خدا جانے کیا گٹ پٹ کر رہے ہو وہ تو اُردو میں جب گفتگو ہوتی تھی تب ہم بھی سمجھے تھے۔ مگر ماشاء اللہ یہ جی جی بھی بڑے محقّق ہیں۔ اُردُو بے چاری کا ناحق خون کرتے ہیں۔

آزاد۔ یہ طوفانِ نوح ہی کے قائل نہیں۔

خ۔ بجا۔

آزاد۔ واللہ نہیں قائل ہیں۔

خ۔ اجی جھک مارتے ہیں۔ طوفانِ نوح کا قائل نہ ہونا کیا معنی۔

رُس۔ اریکو ایک عالم تھے۔ ان کا مقولہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ کرۂ شمس میں آبادی ہے، یا نہیں۔ تو میں جواب دوں کہ مجھے اس کا حال نہیں معلوم۔ لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ جس طرح ہمارے کرّے کی مخلوق ہیں اسی طرح اس کرّے کے موافق بھی ذی روح ہوں گے یا نہیں۔ تو میں کہوں کہ ہاں ہوں گے۔ ہرشل کا مقولہ ہے کہ کرۂ شمس میں آبادی ضرور ہے۔

آزاد۔ ہم علمائے اجل کی رائے میں تو دخل نہیں دے سکتے مگر اس قدر ضرور کہیں گے کہ ہمارے ناقص علم و یقین میں کرۂ شمس ضرور بالضرور آباد ہے۔ ممکن نہیں کہ اتنا بڑا کرّہ جناب باری نے بے وجہ بنایا ہو۔ آبادی ضرور ہے۔ اور جو یہ کہا جائے کہ صرف کرۂ زمین کے فوائد کے لیے کرۂ شمس کی ضرورت لاحق ہوئی تو ہمارے نزدیک یہ کلمۂ کفر ہے۔ بھلا عقلِ سلیم کبھی تسلیم کر سکتی ہے کہ اتنا وسیع کرّہ جنابِ باری نے صرف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس قدر ناچیز کرّے کے فوائد کی غرض سے پیدا کیا ہوا ایک صاحب کی رائے ہے کہ کرّۂ قمر میں آبادی غیر ممکن ہے، اور غیر سے اس کا سبب کتنا عمدہ فرماتے ہیں۔ ان حضرت کا قول ہے کہ کرّۂ قمر میں پانی نہیں ہے، اور پانی کے بغیر ذی روح کی زندگی محال ہے۔ یہاں تک کہ نباتات بغیر پانی کے نشوونما نہیں پا سکتے، مگر یہ دلیل بھونڈی ہے۔ مسکتِ خصم نہیں۔ ہم کہتے ہیں کیا فرض ہے، کہ کرّۂ قمر کی مخلوق بھی پانی ہی کے ذریعے سے زندگی بسر کریں۔ ممکن ہے کہ وہ پانی ہی نہ پیئیں۔ علاوہ بریں اکثر علما نے ثابت کیا ہے کہ کرّۂ قمر میں بھی پانی ہے۔

رُس۔ ان میں سے اکثر باتیں فرضی ہیں بالکل خیالی، پوچ پادر ہوا۔ ایک حضرت فرماتے ہیں، کہ دوربین کے ذریعہ سے انھوں نے دس منٹ میں ڈیڑھ ہزار ستارے گن لیے۔

آزاد۔ (قہقہہ لگا کر) واہیات۔

رُوس۔ اور کیا۔ کٹری میں البتہ یہ باتیں نہیں ہیں جو کہو اس کا ثبوت دو۔ ورنہ کچھ بھی نہیں۔

اتنے میں مالٹا کا ایک روزانہ اخبار رستم جی کو ہرکارے نے لا کر دیا۔ رستم جی پڑھنے لگے۔ تو لوکل میں ایک خبر دیکھ کر میاں آزاد سے پوچھا کہ آپ کا اسمِ شریف۔

آزاد۔ مجھے میاں آزاد کہتے ہیں۔

رُوس۔ اخاہ آپ تو بہت بڑے شخص ہیں۔ میں نے جس وقت آپ کو دیکھا تھا، اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ ذکی الطبع، اور جری آدمی ہیں۔ آپ کی اخبار میں بڑی تعریف چھپی ہے۔

آزاد۔ (متحیر ہو کر) میری تعریف۔

رُس۔ جی ہاں۔

آزاد۔ میری تعریف کیسی۔

رُوس۔ آپ کی تعریف۔ آپ کی تعریف۔

آزاد۔ گستاخی معاف۔ آپ کو دھوکا ہوا ہے۔

رُوس۔ پھر خود ہی نہ ملاحظہ کر لیجیے۔

آزاد۔ لائیے دیکھوں تو۔

میاں آزاد نے اخبار لیا اور لوکل کی خبر پڑھنے لگے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

افسوس صد افسوس کہ جنی ڈینس نامی جہاز پرسوں جزیرۂ پیرم کے قریب، شب کے وقت غرق ہوگیا۔ اس سانحہ روح فرسا کی کیفیت ہم کو ایک معتبر آدمی کی زبانی، جو اسی جہاز پر تھے یوں معلوم ہوئی ہے، کہ شب ماہ تھی اور بادِ شرط چل رہی تھی، کہ دفعتًہ جہاز کے ناخدا نے اطلاع دی کہ طوفانِ عظیم آنے والا ہے۔ لوگ سٹی بٹی بھول گئے۔ حیران و پریشان۔ تھوڑی دیر میں طوفان آ ہی گیا۔ کپتان اسمتھ ناخدا نے بڑی پھرتی اور جرأت اور لیاقت سے کام کیا۔ مگر طوفان سے کچھ بس نہ چلا۔ تین لائیف بوٹوں کے ذریعہ سے سَتر اسّی آدمیوں کی جان بچی۔ میاں آزاد نامی ایک جنٹل مین باشندہ ہندوستان نے اس طوفان کے وقت بڑا کارِ نمایاں کیا۔ تین بار لائیف بوٹ سے جہاز میں کودا، اور لوگوں کی جان بچائی۔ خود کپتان اسمتھ نے ہم سے بیان کیا، کہ ایسے نازک موقعوں پر کسی نے اپنی جان اغیار کے لیے معرضِ خطر میں نہ ڈالی ہوگی۔ اس جنٹل مین نے اپنی جان کا ذرا خیال نہ کیا۔ کپتان اسمتھ اور اس کے لفٹنٹوں کو خوب مدد دی۔ جہاز تھوڑی دیر میں ڈوب گیا۔ ایک لائیف بوٹ کو بادِ مخالف دوسرے رخ لے چلی اور لفٹنٹ اپیلٹن نامی ایک حسین اور جری انگلش مین سمندر میں گر پڑے۔ میاں آزاد نے اس شخص کو ڈوبتے ہوئے جو دیکھا، تو آتشِ ہمدردیِ انسانی جوش زن ہوئی۔ خود کود پڑے، اور اس شخص کو ڈوبنے سے بچایا۔ مگر لائیف بوٹ ہاتھ نہ آیا۔ مسٹر اپیلٹن تو لائیف بوٹ پر پہنچ گئے، مگر میاں آزاد بے چارے کو سمندر پیر کر جزیرۂ پیرم تک جانا پڑا۔ جزیرے کے باشندے دعا مانگ رہے تھے، کہ یا الٰہی! اس جوان کو بچا۔ خدا خدا کر کے میاں آزاد جزیرے تک پہنچ گئے۔ اس شخص کی بسالتِ اور سچّی شجاعت اور ہمدردی یادگار رہے گی۔

آزاد نے مسکرا کر کہا۔ بس اخبار ایسا ہی ہونا چاہیے کہ اِدھر جہاز ڈوبا اُدھر چھپ سے خبر چھپ گئی۔ میری نسبت جو لکھا ہے وہ ان کی عنایت ہے۔ مگر اور واقعات تو خوب لکھے ہیں۔ مختصر اور جامع۔

رس۔ آپ نے واقعی کارِ نمایاں کیا۔

آزاد۔ جی کیا کارِ نمایاں کیا۔ فرض ادا کیا۔

رس۔ آپ کے ہندوستان میں اخبار پانیر کی اشاعت سب سے زیادہ ہوتی ہے نہ۔ آج ایک آرٹکل لکھ کر ابھی بھیجتا ہوں! اہلِ ہند کو خوش ہونا چاہیے، کہ ان کے ایک ہم وطن

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے اس درجہ نام نیک حاصل کیا۔

آزاد۔ ان کلمات کو میں آپ کے حسنِ اخلاق پر محمول کرتا ہوں۔

خ ارے میاں آزاد ہوت۔ یہاں سے بھلا کم سے کم چار پانچ روپے کی تو افیم لے چلو ورنہ راہ میں انتہا کی تکلیف ہو گی، اور میں مر ہی جاؤں گا۔ مفت میں کسی مسلمان کی جان لوگے۔ خدا کے لیے ابھی خرید لو۔

رس۔ جی کیا چاہیے۔

خ۔ افیم ساتھ نہیں ہے۔

رس۔ ہم آپ کو عمدہ سے عمدہ افیم دیں گے۔ سیر بھر۔

خ۔ ع۔ اے میں تیری زبان کے قربان۔ واہ میری جان۔

آزاد نے قہقہہ لگا کر کہا کیا خرافات بکتے ہو۔ عجب گو کھا ہے۔ بھئی بھلا اس بے تکے پن کے کیا معنی۔ خواہ مخواہ بے ہودہ میری جان اور زبان کے قربان۔

پانچویں دن میاں آزاد جہاز پر سوار ہونے کو تھے۔ رستم جی نے اپنے بیٹے کے نام ایک خط لکھ دیا، اور آزاد کو ان کی تسلی کے لیے سنا بھی دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ جس قدر ان کی خاطر کرو گے اس قدر تمھاری سعادت ہے۔ یہ میرے معزز دوست ہیں تم ان سے باادب پیش آنا، اور ان کی مدد کرنا۔ خط لے کر میاں آزاد اور خوجی رستم جی سے رخصت ہو کر اسکندریہ میں داخل ہوئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آتش زنی!!!

جمعرات کے دن استانی جی کی آمد آمد کی خبر سن کر حسن آرا اور ان کی بہنیں خوش تھیں۔ کیونکہ استانی جی کو ان سب سے دلی محبت تھی۔ بڑی بیگم نے کہا بیٹا آج جمعرات ہے۔استانی جی وعدہ کر گئی ہیں آتی ہوں گی۔ وہ مثل اپنی خاص بیٹیوں کے تم کو سمجھتی ہیں۔

اتنے میں استانی جی ڈولی سے اتر کر آئیں، اور بولیں کہ اگرچہ آج مجھ کو آنا نہ تھا، کیونکہ ایک جگہ جانے کا اقرار کر لیا ہے۔ مگر وعدہ کے موافق چلی آئی۔

بڑی بیگم۔ (ب) اب تم دو چار روز یہیں رہو، ذرا لڑکیوں کا دل بہلے۔

استانی جی۔ (استا) اب پرسوں سے آکر کہانیاں شروع کروں گی۔

ب۔ (حساب لگا کر) نا بہن۔ پرسوں تو سنیچر ہے۔ ہم سنیچر کو کوئی کام نہ شروع کرنے دیں گے۔

حسن۔ امی جان یہ ہفتے کے دن بے چارے نے بھلا کیا قصور کیا ہے۔ سب دن اسی کے ہیں۔

ب۔ بابا ابھی ناکردہ کار ہو۔ جب بوڑھی ہو گی تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔

حسن۔ خیر

استا۔ (سکڑ کر) ہم بھی کچھ کہیں۔

حسن۔ کہیے کہیے ضرور کہیے۔ مگر منھ دیکھے کی سند نہیں۔

ب۔ یہ مجھ سے لڑتی رہتی ہے کہ یہ بھی غلط ہے، وہ بھی غلط ہے ان کے نزدیک جو کچھ ہے سب غلط ہے۔ بس یہ ایک سچی ہیں اور نہیں!

حسن بولیے استانی جی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

استا۔ ہم تو تمھاری سی کہتے ہیں۔

حسن۔ صاف صاف کہیے۔

استا۔ کیسا سینچر اور کس کا پیر سب دن اللہ کے ہیں۔ سینچر نے کیا بگاڑا ہے اور پیر میں کون سے لڈو رکھے ہیں۔ سوائے وہی دقیانوسی باتوں کے۔

ب۔ ہاں۔!۔

استا۔ جی! اور آپ سمجھیں کیا تھیں ہمیں۔

ب۔ (ہنس کر) یہ یک نشد دو شد۔

استا۔ بھئی ہم تو ان باتوں کو ڈھکوسلا سمجھتے ہیں۔

ب حسن آرا تو بھلا بچہ ہی ہیں۔ وہ بچّہ بن کے چھوٹ جائیں گی تم بڑی بوڑھی ہو، کیوں مفت عذاب میں پڑتی ہو۔

استا۔ (مسکرا کر) خیر چلو ہم اپنی بھگت لیں گے۔

ب۔ بھلا سینچر کے دن کوئی کام شروع کر کے دیکھ نہ لو۔

استا۔ اے واہ۔ کیا ہو گا کیا۔

اتنے میں پانچ بجے اور استانی جی گھبرا کر بولیں کہ ہم کو جانے دو بھئی۔

ب۔ یہ کیوں یہ کیوں۔

استا۔ کسی سے اقرار ہے۔ سمجھ جاؤ کل ضرور آؤں گی اور یا اگر گانوں چلی گئی تو پھر پرسوں۔

ب۔ اچھا جاؤ۔ اللہ کرے جلد آؤ۔

کوئی چھ بجے کے وقت حسن آرا، اور سپہر آرا، اور بہار النسا، اور روح افزا نے گھر کے حمام میں خوب غسل کیا، اور نکھر کر مہتابی پر جو آئیں۔ تو معلوم ہوا کہ چار چاند سرِ شام نظر آئے۔

حسن۔ اس وقت استانی جی نے ہماری بڑی مدد کی۔

بہار۔ کیا۔ کیا مدد کی۔

حسن۔ امّاں جان نے کہا کہ استانی جی یہاں ہی دو چار روز رہو ذری لڑکیوں کے دل بہلانے کے لیے تو کیا ہرج ہے۔ استانی جی نے کہا کہ پرسوں سے کہانیاں کہوں گی۔ اے ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بس پرسوں کا نام لینا تھا کہ آپ نے دن گنے۔ جمعرات۔ جمعہ۔ سینچر۔ نا بہن سینچر برا دن ہے ہم سینچر کے دن کوئی کام شروع نہ کرنے دیں گے۔ اس پر میں بولی کہ واہ سینچر اور جمعہ کیسا۔ سب دن یکساں ہیں۔ استانی جی نے بھی میری تائید کی۔ تب تو امّاں جان بھی چکر میں آئیں، کہ اچھّا یہ بڑی بوڑھی ہو کر اس کا جنبہ کرتی ہیں۔

بہار۔ ہاں لوگ مانتے تو ہیں۔

روح۔ پھر مانا کریں۔

سپہر۔ لوگوں کے ماننے سے ہمیں واسطہ۔

روح۔ اے بہن اللہ جانتا ہے، اس بارے میں یہ بڑی ڈرپوک ہیں۔

حسن۔ واہ ہماری بہن اور اتنی ڈرپوک، ارے توبہ توبہ!

روح۔ ہمیں شرم آتی ہے۔

بہار۔ بھلا ہم تو بڑا سپاہی جب جانیں کہ آج شام کو جہاں پر چراغ رکھ دیں، وہاں تم تین بار اپنا نام زور زور سے لو، اور چراغ کو گل کر کے چلی آؤ۔

روح۔ کیا کیا بدتی ہو۔

سپہر۔ ہم جاتے ہیں۔

حسن۔ ہاں اگر ہم تینوں میں سے کوئی چلی جائے تو ان سے پوچھو۔ کیا کھلاؤ گی ہمیں؟

بہار۔ اور تو نہیں سو سو روپے بدتے ہیں۔ جس کا جی چاہے ہاتھ پر ہاتھ مارے۔ بس جھوٹی باتوں پر ہمیں غصّہ آجاتا ہے۔

روح۔ دو دو روپے تو ہم بدتے ہیں۔

حسن۔ ہم کہتے ہیں۔ یہ جیتیں تو ہمیں چار روپے دیں۔ اور ہم ہاریں تو انھیں آٹھ دیں۔

بہار۔ منظور۔

سپہر۔ ایک سے شرط منظور کی یا دونوں سے۔

بہار۔ دونوں سے بلکہ تم بھی بدلو چاہو۔

سپہر۔ (روپیہ پھینک کر) تم بھی بسا دو۔

بہار۔ (روپیہ پھینک کر) لو ہم نے بھی بسا دیا۔ بس؟

حسن۔ تو دو اور چار چھ اور ایک سات۔ سات روپیہ بہار النسا بہن کی گرہ سے آج گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار۔ اے واہ اے واہ کہیں گئے نہ ہوں۔

روح۔ اچھا پھر ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ دیکھ لینا کب چراغ رکھو گی۔

بہار۔ بس شام کے وقت، اور کب۔ مگر تم ایک ایک جانا اور چراغ کو گل کر کے تین تین بار اپنا اپنا نام لینا۔

سپہر۔ ایک ایک دفعہ نہیں۔ دو دو دفعہ جائیں۔

حسن۔ اور تین تین دفعہ نہیں دس دس دفعہ نام لیں۔

روح۔ اور چراغ کو گل ہی نہ کریں، بلکن اور ساتھ لیتے آئیں، اور اسی چراغ کو پھر جلائیں، تو سہی۔ یہاں کوئی ڈرپوک نہیں ہے آپ کا سا۔

بہار۔ اے تو ہم کاہے سے ڈرپوک ہیں بھلا۔

اتنے میں بڑی بیگم صاحب تشریف لائیں۔

سپہر اخّاہ اس وقت تو امّاں جان کوٹھے پر آتی ہیں۔ کہاں تکلیف کی اس وقت۔

ب۔ یہ کیا شرط بدی جاتی ہے۔ ہم بھی تو سنیں ذری۔

حسن۔ بہار النسا بہن کہتی ہیں کہ ہم رات کو ایک دیا روشن کریں، کوئی اس کو بجھا نہیں سکتا۔

بہار۔ ہاں کیا کچھ جھوٹ کہتے ہیں۔ آزما لو نہ آج ہی سہی۔

روح۔ اے کیا ہو گا کیا آخر ش۔ ایک نہیں ہزار دفعہ آزماؤ تو کیا۔

سپہر۔ سب کے پہلے ہم جا کر چراغ کو بجھائیں گے۔ وہ بات ہی کیا ہے۔

بڑی بیگم نے جریب سیدھی کی اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ب۔ لو میں تو جاتی ہوں اب۔

حسن۔ ہائیں ہائیں۔ کہاں کہاں۔ امّاں جان کہاں چلیں آئیں کیا چلیں کیا۔ اے ذری بیٹھے نہ۔

بہار۔ اتنی تکلیف کی، اور ایسی جلدی چلیں۔

بڑی بیگم انتہا کی ضعیف الاعتقاد، پرانے فشن کی عورت تھیں۔ جادو ٹونے، گنڈے تعویذ، بھوت پریت، ان سب باتوں کی دل سے معتقد۔ انھوں نے جو یہ باتیں سنیں تو بہت ناگوار ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ب۔ ارے تم لوگوں کے بیچ میں کون بیٹھے بھلا۔

بہار۔ (متحیر ہوکر) کیا۔ کیوں ؟

ب یہاں تو کفر کی باتیں ہوتی ہیں۔

بہار۔ واہ امّاں جان۔ کفر کی باتیں کیسی۔ اللہ نہ کرے کفر کی باتیں ہم کو آئیں۔

ب اب یہ کفر کی باتیں نہیں تو کیا ہیں۔ بھلا رات کے وقت کیا جانے کیسا چراغ ہو، تم جو وہاں جاکر نام لو، اور جان کو خدا نہ نخواستہ ہتھیلی پہ رکھ کے جاؤ، تو اچھّا کہ برا۔

سپہر۔ اے تو امّاں جان۔ وہاں کیا کوئی بیٹھا ہوگا، کہ ہم گئے اور وہ نکل گیا۔

حسن۔ اجی یہ سب باتیں ہیں۔

ب۔ باتیں ہیں! اللہ نہ کرے کہ کسی دن جھپیٹ میں آجاؤ۔

بہار۔ ناحق بن ناحق حجّت کرتی جاتی ہیں۔ ایسی بڑی بہادر بنی ہیں۔

ب۔ تم تو بڑی ہو۔ تم کو یہ بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی بھلا۔ کہ چھوکریوں سے بدنے بیٹھیں۔

بہار۔ تو دو تو حجت کرتی ہیں، خواہی نخواہی۔ مانتی ہی نہیں۔

ب۔ اور جو ڈر جاتیں تو کیسی ہوئی۔

سپہر۔ ہاں دیکھیے تو سہی۔ ہم لاکھ حجت کرتے تھے تو کیا تھا ان کو تو سمجھنا چاہیے تھا۔ یہ سب سے بڑی ہوکے سب سے چھوٹی بنی جاتی ہیں۔

بہار۔ ہاں اب تو باتیں بناؤ ہی گی۔ اب تو چڑھ بنی ہے نہ۔

ب۔ ایک دفعہ میرا کوئی سولہ سترہ برس کا سن ہوگا، جب دو تین ہم جولیوں نے آپس میں بحث کی، کہ ہم اندھیاری رات میں مہتابی پر چڑھ کر پیپل کے پتے توڑیں گے۔ وہ دو تین ایک طرف تھیں، اور میں اور جعفری بیگم ایک طرف۔ خیر جب رات ہوئی تو ہم نے کہا اچھّا اب توڑو پیپل کے پتے تو جانیں۔ وہ ڈھیٹ تو تھیں ہی۔ مہتابی پر جھٹ چڑھ گئیں۔ اور بہت سی پتیاں اور کوپلیں توڑ کر نیچے کی چھت پر آنے لگیں۔ بس زینوں پر ایک نے دیکھا کہ ایک ذری سارا بچّہ کھڑا ہنس رہا ہے۔ دوڑ کر اس نے دوسری کو دکھایا۔ بس دیکھتے ہی دیکھتے بچّہ نہ جانے کہاں غیب۔ (غائب) ہوگیا۔ اے بس اتنے میں دیوار میں سے ایک ہاتھ نکلا۔ پھر تو یہ چیخ اٹھیں۔ اور جب تک ہم اوروں کو بلائیں اور جائیں جائیں، تب تک یہ بے ہوش ہوگئیں۔ ہم سے اس وقت اکیلا نہ جایا گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہ ہماری ہم جولی کی جرأت ہوئی، مگر نیچے آواز دی تو وہاں سے دو چار عورتیں آئیں، اور ایک خواجہ سرا زینے پر جو پہنچا۔ تو دیکھا کہ دونوں کی دونوں بے ہوش پڑی ہوئی ہیں۔ اور پنڈا بس کچھ نہ پوچھو ہاتھ پانوں بالکل ٹھنڈے، جیسے یخ کے مثال۔ اور پیپل کا پیڑ یہ معلوم ہوتا تھا جیسے جڑ سے ہل جائے گا۔ اب اکھڑا اور اب اکھڑا۔ اور پتے ایسے بولیں کہ اف میری تو جان نکل گئی اور میری ہم جولی جعفری بیگم تھر تھر کانپتی تھی۔ مگر خواجہ سرا اور ایک سیدانی نے ان کو اٹھا کر بٹھایا۔ کیوڑا اور پانی پلایا اور منہ پر خوب چھینٹے دیے۔ جب ذرا ہوش آیا تو نیچے اتریں۔ مگر ایسی سہمی تھیں کہ رات کو چونک چونک پڑتی تھیں۔ ایک نے بڑے اصرار سے مجھ کو اپنی چارپائی پر سلایا، اور دوسری کی یہ کیفیت تھی کہ لحاف میں لپٹی لپٹائی چپ چاپ پڑی تھیں۔ رات کو کوئی دو تین باری چیخ چیخ اٹھیں، اور تڑکے جو جا کر دیکھا تو پیپل کے پتوں کی رنگت ہی اور تھی۔

سپہر۔ یہ ہوا کیا تھا اماں جان۔

ب۔ ہوا کیا تھا۔ اب تمھیں کیا بتاؤں کیا ہوا تھا۔

روح۔ کوئی شے ہو گی اس پر۔ اللہ بچائے ان مصیبتوں سے۔

بہلر۔ یہ ہیکڑی کی لیتی ہیں۔ ابھی جمعا جمعا (جمعہ) آٹھ دن کی پیدایش ہے۔

سپہر۔ اونہہ اونہہ! تمھارا تو سر ہلنے لگا ہے۔ اور نہیں؟۔

مغلانی کی آپ بیتی

اے بیوی ہم کوئی آٹھ برس ہوئے ہوں گے گونڈے سے آتے تھے۔ میں تھی، پیاری کے ابا تھے، اور حسینی تھی، اور ایک منہار چھکڑے پر رات کو راہ راہ اپنے چلے جاتے تھے۔ تو بیوی میں کیا کہوں۔ یہ معلوم ہوا کہ جیسے بن میں ہزاروں پنسیری لکڑی کسی نے پھونک دی اور وہ روشنی کہ افوہ! بعض بعض درخت تو ایسے لونکیں جیسے سچ مچ بجلی ہے۔ اے میری شامت (شامت) میں نے پیاری کے ابا سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا بن مانس۔ ارے جب تو میں ڈر گئی۔ اور پیاری کے ابا بولے یہ ان کی آنکھیں چمکتی ہیں۔ اے بیگم صاحب میں کیا کہوں تم سے دونوں آنکھیں تو میں نے بند کر لیں، اور پیاری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو زور سے چھاتی سے لگایا اور اللہ اللہ کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں وہ روشنی دکھائی نہ دی تب میں نے آنکھیں کھول دیں اے بس آتے میں ایک پیڑ سے منہار نے ایک چھوٹی سی کیری توڑلی۔ پیاری کے ابّا نے کہا کہ جو رکھوالا نہ دیکھتا ہو، تو دس پانچ اور توڑلو چپکے سے ۔ کل چٹنی بنائیں گے۔ منہار نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا تھا کہ ٹہنی اونچی ہوگئی۔ اس نے اور ہاتھ بڑھایا ٹہنی اور اونچی ہوگئی۔ اب ہم سب دیکھتے جاتے ہیں، کہ وہ نگوڑی ٹہنی اونچی ہوتی چلی جاتی ہے۔ تب تو میں نے منہار سے کہا کہ اب خدا کے لیے چلے آؤ، اور وہ بچارہ (بیچارہ) مارے ڈر کے گر پڑا۔ پیاری کے ابّا نے چاہا کہ اتریں۔ مگر میں نے روک لیا وہ زور کرنے لگے۔ میں چمٹ گئی اتنے میں گاڑی بان کو دیڑا اور پیاری کے ابّا بھی کو دے دونوں نے جا کے اٹھایا تو منہار اٹھا، مگر اپنے آپے میں نہیں۔ اور ڈر کی بات ہی تھی۔ پھر بیگم صاحب وہاں سے چلے تو ایک بڑا گھنا باغ ملا۔ اب گھر گو پورا وہاں سے دو کھیت تھا۔ باغ جو ملا گھنا گھنا تو بیل آپ ہی آپ ٹھہر گئے۔ چودھری کم بخت اونگھتا تھا۔ منہار نے جگایا کہ میاں کیا سو رہے۔ ذری زور سے آواز دی تھی۔ پس اوپر سے کوئی اور بھی بول اٹھا کہ کیا سو رہے ہے۔ ہے ہے میری تو جو کوئی بوٹی کاٹتا تو بھی لہو نہ نکلتا۔ وہاں سے چلے تو راہ میں ایک پیڑ پر آوازیں آنے لگیں۔ پیاری کے ابّا تو کہتے ہیں کہ ان کا نام لیا تھا، مگر میری جان میں میرا نام تھا، اور منہار کہے کہ گاڑی بان کا نام لیا۔ جوں توں کر کے وہاں سے بھاگے۔ لیکن ہم سب ڈر گئے تھے۔ ہاں گاڑی بان موا البتّہ (البتہ) بڑا ڈھیٹ تھا۔

سپہر: اے ہے جو میں ہوتی تو گھٹ گھٹ کے مر ہی جاتی۔

روح: اے یہ سب باتیں ہیں بس۔

حسن: اور نہیں کیا۔ جھوٹی باتیں تو ہیں ہی۔

مغ: حضور وہ پچھل پائیاں تھیں۔

حسن: سنا ہوا ہے پچھل پائیاں نہیں وہ تھیں اور نہیں۔ سوائے وہی واہیات بات کے اور کچھ نہیں۔

مغ: تو بیوی میں جھوٹ کیوں بولتی آپ سے بھلا اتنا تو سوچیے۔

ب: یہ ایک نہ مانے گی، اللہ نہ کرے کہ کبھی مجبور ہو کر ماننا پڑے۔

روح: ہمیں ان باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ کوئی جانے مغلانی نے سب سچ ہی تو کہا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغ۔ چلو جھوٹ ہی سہی۔ کوئی جانے جھوٹ بولنے سے کچھ مل جائے گا جیسے۔

حسن۔ جھوٹ نہ سہی۔ مانا۔ مگر تم ڈریں تو اپنی بے وقوفی سے۔ ابھی اسی دن دولھا بھائی کہتے تھے کہ ہڈیاں جب مہینوں پڑی رہتی ہیں تو ان میں سے آگ روشن ہونے لگتی ہے تم اس کو غول بیابانی سمجھیں۔ پھر کوئی اس کو کیا کرے۔ فقط سمجھ کا پھیر ہے اور کچھ نہیں۔

مغ۔ جی ہاں سمجھ کا پھیر ہے۔ کوئی جانے دنیا بھر دیکھ آتی ہیں۔ ہونہہ!

بہار۔ اچھّا وہ آواز کیسی تھی۔ یہ بتائیے اس میں ہڈی روشن تھی۔

حسن۔ آواز زور سے دی تھی یا آہستہ سے۔

مغ۔ مہار نے اسے زور سے آواز دی تھی۔ گاڑی بان کو للکارا تھا۔

حسن۔ بس اس میں پھر ڈر کا ہے کا تھا۔ اے جنگل میں جب آواز زور سے دوگے تب دوسری آواز پیدا ہو جائے گی۔ آوازِ بازگشت کسی خالی مکان میں ذرا بڑا مکان ہو یا مسجد میں جا کے پکارو، دیکھو آواز آتی ہے یا نہیں۔

بہار واہ مسجد تو خانۂ خدا ہے وہاں چھل پائیاں مرداریاں کیسے جانے پاسکتی ہیں۔

حسن۔ بس تو اچھا یہی آزماؤ جو مسجد میں آواز پھر کے معلوم ہوئی تو ہم سچے نہیں تم سچّی ہو نہ بولو، جاؤ ابھی ابھی آزماؤ۔

مغ۔ بیوی مسجد میں ان کا کہاں گذر۔ وہ تو اللہ کا گھر ہے۔

حسن ہائے ہائے کیسی پگلی سے سابقہ پڑا ہے۔ یہی تو میں بھی کہتی ہوں۔ جو مسجد میں بھی آواز آئے تو ہم جیتے اور نہ آئے تو سمجھنا کہ وہ آوازیں چڑیلوں ہی کی تھیں۔ نہیں تو مسجد میں بھی آتیں

مغ ہاں مگر بیوی۔

ب۔ اے تو کیوں حجت کرتی ہو بے کار بے کار کو۔ وہ نہ مانیں گی۔

بہار۔ اے ہاں چپ بھی رہو۔

سپہر۔ اچھّا استانی جی سے پوچھیں گے۔ بس جو وہ کہہ دیں وہی ٹھیک ہے۔ ہے کہ نہیں۔

بہار۔ ہاں بس مانا۔

ب۔ وہ تو زمانہ دیکھے ہوئے ہیں۔ وہ کبھی نہ تمھاری سی کہیں گی۔ چاہے پوچھ دیکھنا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن۔ جی ہاں کل بھی تو آپ ہی کی سی کہی تھی نہ۔ ایسی جلد بھول گئیں۔

ب۔ کل کون سی بات ہوئی تھی۔

حسن۔ جب آپ نے کہا تھا کہ سنیچر کا دن برا۔ اتوار اچھا تو انھوں نے کیا کہا تھا بھلا۔

ب۔ اوہ! وہ تمھاری خاطر سے کہا تھا۔ اچھّا اب آئیں تو پوچھ لینا وہ ضرور باتیں مانتی ہوں گی۔ اور میں تو اللہ کے فضل سے لڑکوری ہوں۔ میں تو پھونک پھونک کے قدم رکھوں گی۔ اللہ نہ کرے تمھارے پانوئں میں کانٹا چبھے۔ میری دونوں آنکھیں تم دونوں اور یہ دونوں ہیں۔ (حسن آرا، سپہر آرا اور بہار النسا اور روح افزا)۔

بہار۔ واہ امّاں جان۔ پہلے یہ دونوں۔ پھر ہم دونوں سچ ہے۔ آنکھوں سے گھٹنے دور ہوتے ہیں۔

روح۔ (مسکرا کر) ہم کہنے ہی کو تھے۔

حسن۔ اس وقت کیا بہنیں بہنیں ایک ہو گئیں۔

بہار۔ اچھّا کچھ سنا بہن روح افزا۔ کہتی ہیں کہ بہنیں بہنیں اب ایک ہو گئیں۔ اس وقت تو تم ہماری بہن نہیں ہو۔

لو اب تو صاف صاف کہنے لگیں۔ امّاں جان رخصت۔

(مسکرا کر) بندگی۔ اب رخصت ہوں نہ۔

ب۔ تم جانو تمھاری بہنیں جانیں۔ ہم کو جیسی حسن آرا ویسی روح افزا۔ جیسی بہار النسا ویسی سپہر آرا ایک آنکھ تم دونوں ایک آنکھ یہ دونوں۔

بہار۔ ہاں مگر دائیں بائیں کا فرق ہے۔

حسن۔ آنکھوں میں دایاں بایاں کیا معنی۔ دونوں یکساں ہیں۔ کیا فرق ہے۔ آنکھ بھی کیا کچھ ہاتھ ہے۔ جیسی روشنی دائیں آنکھ کی ویسی روشنی بائیں آنکھ کی ہے کہ نہیں۔ پھر دائیں بائیں کیسی۔

روح۔ دایاں پھر دایاں ہے بایاں پھر بایاں ہے۔

ب چاروں داہنی آنکھ ہو۔

رات کو گیارہ بجے کے بعد چاروں بہنیں چاندنی کے لطف اٹھا رہی تھیں، اور بڑی بیگم بھی خلاف معمول حسن آرا کے پلنگ پر لیٹی ہوئی باتیں کرتی تھیں کہ دفعتہً مغلانی نے کہا اے حضور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ذری چپ تو رہیئے یہ غل کیسا ہو رہا ہے۔

ب : ہاں غل تو بہت ہے۔ کہیں چور آیا۔

سپہر : اے یہ روشنی کیسی ہے۔

روح : آگ لگی ہے کہیں۔

حسن : (پلنگ پر کھڑی ہو کر) ارے وہ شعلے نکل رہے ہیں۔ اف! بڑی آگ لگی ہے کہیں۔

بہار : بی مغلانی ذرا تم بلا تو لاؤ۔ (ہاتھ مل کر) ہائے اب کیا کریں؟

ب : گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں۔ ذری خورشید دولھا کو بلاؤ۔ ارے یہ تو بالکل قریب ہے

نواب : (ن) کہاں ہو سب کی سب؟ واسطے خدا کے ضروری ضروری، اسباب باندھ کر الگ کرو، پڑوس میں شہزادے کے ہاں آگ لگ گئی، اور ہوا تیز ہے۔ اس وقت خیریت نہیں نظر آتی۔ جلد زیور، اور جواہرات الگ کر لو۔ اسباب اور کپڑے کو جہنّم میں ڈالو۔ (خدمت گار کو پکار کر) دیکھو ابھی گھوڑے کھلواؤ، اور کہو، گاڑیاں ابھی ابھی کھپریل سے نکال کر میدان میں باہر کھڑی کر دیں۔

بہار : (ہاتھ مل کر) ہائے اف کیا ہو گا!

ن : (گھبرا کر) اف غضب ہو گیا۔

حسن : ہائے شعلے آسمان کی خبر لانے لگے۔

نیچے اتر کر حسن آرا اور بہار النسا، نے بڑی پھرتی سے زیور اور جواہرات کے ڈبّے اور صندوقچے باہر نکالے۔ سپہر آرا اور روح افزا سے کہا کہ خبردار یہاں سے ہٹنا نہیں۔ بڑی بیگم چپ چاپ دیکھتی جاتی تھیں۔ ان کو حیرت سی تھی کہ ہو کیا رہا ہے ماماں اصیلیں مغلانیاں ادھر ادھر کی چیزیں یکجا کرتی پھرتی تھیں۔ اتنے میں تین بہنیں سب انتظام کر کے پھر کوٹھے پر گئیں۔ مگر روح وہیں کھڑی رہی۔ کوٹھے پر جو گئیں تو رنگ فق ہو گیا۔ دیکھا کہ شہزادہ ہمایوں فر کی کوٹھی میں چوطرفہ آگ لگی ہے اور ہر سمت سے شعلے بلند ہیں۔ یہ اتنی دور پر کھڑی تھیں، مگر گرمی اثر دکھاتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا، کہ گویا ایسے مقام پر ہیں، جہاں چوطرفہ بھٹّی ہی بھٹّی ہے۔ دھنیاں جو چٹخیں، تو بس یہی معلوم ہوا کہ گویا رعد گرج رہا ہے۔ تڑ، چٹاخ چٹاخ۔

بہار : ہائے لاکھوں پر پانی پڑ گیا۔

حسن : اس وقت کوئی اس بے چارے کے دل سے پوچھے ہائے کیا گذرتی ہو گی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر: بہن ادھر تو آؤ۔ افوہ! دیکھو ہزاروں آدمی جمع ہیں۔

بہار: اس کھڑکی میں سے صاف معلوم ہوتا ہے صاحب لوگ بھی ہیں۔

حسن: پھر بہن شہزادے ہیں کوئی ایسے ویسے۔

سپہر: اے باجی جان وہ کون ہے۔ ہے ہے وہ کون ہے۔

اتنے میں لوگوں نے اس قدر غل مچایا کہ آسمان سر پر اٹھایا، اور رونے کی آواز آنے لگی۔

بہار: کون ہے۔ کون ہے سپہر آرا؟

سپہر: بہار النسا سے لپٹ کر باجی (رو رو کر) ہائے وہ ماہتابی پر کون ہے؟

حسن: (ہاتھ مل کر) ارے یہ تو ہمایوں فر ہیں۔ ہائے ستم اب کیوں کر بچیں گے۔

سپہر: (پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی) باجی ہائے باجی! یہ اب ہوگا کیا۔ چوطرفہ آگ ہے۔ بچے، بچے۔ بچے گا کیوں کر بے چارہ۔ اوف! اوف! اوف!

بہار: ہائے اس کی جوانی پر ترس آتا ہے۔

حسن آرا منھ ڈھانپ کر خوب روئی۔ سپہر آرا کا یہ عالم کہ آنسوؤں کا تار نہیں ٹوٹتا، اور بہار النسا حسرت کی نظر سے اس سروِ جوئبارِ رعنائی کی مصیبت کو بصد حزن و ملال دیکھنے اور کفِ افسوس ملنے لگی۔ میرزا ہمایوں فر مہتابی پر تنِ تنہا اس تاک میں سوئے تھے، کہ شاید ان بتانِ طنّاز و خوبانِ سراپا ناز کا جھگڑا بعد مدت نظر آئے۔ لیکن ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جو چلی، تو آنکھ لگ گئی۔ کئی دن سے نیند بھر سونے نہیں پائے تھے۔ لہٰذا سوئے، تو گھوڑے بیچ کر۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ اب سنیے کہ جب چھت پر میرزا ہمایوں فر کی مسہری بچھی، تو انھوں نے خدمت گار خاص کو حکم دیا کہ مہتابی پر لے جا کر بچھا آ۔ مگر کسی سے ذکر نہ کرنا۔ وہ پلنگ بچھا آیا اور ایک روز کی رخصت لے کر گھر گیا یہاں اور کسی آدمی کو معلوم نہ تھا کہ ہمایوں فر کہاں ہیں۔ جب آگ لگی تو وہ سب دوڑے آئے، کہ شہزادے کو اٹھائیں مگر بستر خالی پایا، تو سمجھے کہ کہیں گئے ہوں گے۔ یہ کسی کو خیال نہ ہوا کہ مہتابی پر جا کر دیکھے اور کوئی علم غیب تو پڑھا تھا ہی نہیں۔ یہ بے چارے بیدار ہوئے تو کب؟ جب مہتابی کے نیچے کے حصے میں چوطرفہ آگ لگ چکی تھی۔ خدمت گاروں اور حاضرین و ناظرین کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اسباب و سباب کے بٹورنے کی کسی کو فکر نہ تھی۔ یہی سوچتے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تھے کہ یا خدا کسی طرح سے اس وقت اس بے چارے کی جان بچائیں۔ مگر سب کو مایوسی، بالکل ناامیدی، ہجومِ یاس میں کوئی اس شہزادے بلند ارادہ کی جوانی، اور خوش بیانی یاد کر کے روتا تھا۔ کوئی سر دھن کے کہتا تھا کہ یارو اس بے چارے کی بڈھی ماں کے دل پر اس سانحے سے کیسی گزرے گی۔ خاص شہر سے بھی جُوق جُوق آدمی جمع ہو گئے۔ لین میں بگل دیا گیا۔ سپاہی اور چوکیدار، اور برق انداز اور رؤسا اور باشندگانِ شہر امڈے چلے آتے تھے۔ ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے۔ دریا سے ہزاروں گھڑے پانی لایا جاتا تھا۔ سقّے اور مزدور بڑی سرگرمی سے آگ بجھانے میں مصروف تھے۔ کہرام مچا ہوا تھا۔ صاحب کلکٹر انجنیر اور ڈپٹی کلکٹر صاحب اور تحصیلدار اور انسپکٹر پولیس ہزاروں آدمی جوق جوق جمع تھے۔ پانی کی یہ کیفیت کہ صدہا مشکیں بھر بھر کے آتی تھیں اور برابر کوشش کی جاتی تھی کہ آگ بجھائی جائے۔ مگر ہوا اس تیزی پر تھی کہ الاماں۔ پانی تیل کا کام دیتا تھا۔

میرزا ہمایوں فر، اس حالت یاس و ناامیدی میں بس یہی سوچتے تھے کہ بارِ خدایا! جن بتوں کے نظارے کی فکر میں مجھ پر یہ مصیبت پڑی کہ اب تھوڑی دیر میں جل بھن کر خاک ہو جاؤں گا ان کو اگر معلوم ہو جائے کہ ہمایوں فر نے ہمارے ہی عشق میں اپنی جان شیریں گنوائی تو میں سمجھوں کہ جی اٹھا۔

اتنے میں ادھر نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ خوبانِ پری تمثال مصروفِ ماتم ہیں۔ روح افزا اور حسن آرا اور گھر بھر کی عورتیں کوٹھے پر کھڑی ہیں اور شور و شیون کرتی ہیں۔ سوچے کہ اللہ اللہ ہمارے سوگ کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ خیر شکر ہے کہ جس کے لیے جان دی اس کو نزع کے قبل اپنا سوگ کرتے تو دیکھ لیا۔ اتنے میں صاحب کلکٹر بہادر نے جس کو شہزادۂ ہمایوں فر سے بڑی محبت تھی باآواز بلند یوں کہا۔

کلکٹر صاحب: (ک) شہزادۂ ہمایوں فر گھبراؤ نہیں۔ خدا کو یاد کرو وہ بڑا مسبّب الاسباب ہے۔

میرزا ہمایوں فر کو اس وقت اپنا چھوٹا بھائی یاد آیا اور گو وہ لڑکا ان کے ساتھ یہاں نہ تھا لیکن اس وقت اجل کو ہم آغوش دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ خیال نہ رہا کہ وہ گھر ہی پر ہے۔ ساتھ نہیں آیا۔ کلکٹر صاحب سے پوچھا کہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میرا چھوٹا بھائی تو جیتا بچا۔ ؟

صاحب کلکٹر نے لوگوں سے پوچھا کہ اِن کا چھوٹا بھائی کہاں ہے ؟ انھوں نے کہا حضور وہ تو اِن کے ساتھ نہ تھا۔ مارے گھبراہٹ کے ان کے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں اس وقت آپ کہہ دیں کہ وہ لڑکا ہمارے پاس ہے۔

ک۔

Yes, he is safe

ہاں وہ محفوظ ہے۔

شہزہ: (عجب بھیانک آواز سے)

Then I die in peace

ہاں! میں آرام سے مروں گا۔

پھر بھائی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بھائی گھر بار تمھارے سپرد ہے۔ ماں کو تسلی دو، کہ ہمایوں فر نہیں سہی میں تو ہوں۔ اس جگر خراش فقرے کو سن کر صاحب کلکٹر اور کل حاضرین پھوٹ کر رونے لگے۔ اتنے میں میرزا ہمایوں فر نے جب دیکھا کہ اب بچنے کی ذرا بھی امید نہیں۔ آگ کے شعلے قریب آتے چلے، اور ہوا نے اور بھی زور باندھا، تو ایک مرتبہ نعرہ بلند کیا اور ایک درد انگیز آواز سے کہا کہ یارو! الوداع! پھر حسن آرا اور سپہر آرا کی طرف نظر کر کے، ٹوپی سر سے اتاری اور تین بار بصد حسرت سلام کیا۔ حسن آرا اور سپہر آرا اور بہار النسا دیواروں سے ٹکرانے لگیں کہ ہائے یہ کیا ستم بپا ہوا۔ میرزا ہمایوں فر نے جب دیکھا کہ وہ پریاں دیوار سے ٹکرا رہی ہیں، تو ان کے شیشۂ دل پر ٹھیس لگی، کہ ہائے دھان پان نازک بدن ہیں ایسا نہ ہو چوٹ آجائے۔ ہاتھ جوڑے اور اشارے سے منع کیا، کہ یہ نہ کرو۔ لیکن وہ دونوں بہنیں اس وقت ایسی حالت میں نہ تھیں کہ ہمایوں فر کو آنکھ بھر کے دیکھ سکتیں۔ اشک مانع نظارہ تھے۔ میرزا ہمایوں فر نے ایک دفعہ ہی بصد حسرت یہ شعر باآواز بلند پڑھا؎

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

سپہر آرا۔ کھڑکی کے پاس جا کر اور میرزا ہمایوں فر کو گویا آخری مرتبہ دیکھ کر سر پیٹنے لگی ہمایوں فر کے عشق صادق کا کیا کہنا۔ اپنے محبوب شیریں حرکات کو اس ماتم اور سر کوبی کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حالتِ زار میں دیکھ کر اپنا صدمہ بھول گئے۔ گو اجل ہر سمت سے ان کو اپنی بھیانک صورت دکھاتی تھی اور دم بدم زندگی سے مایوسی ہوتی جاتی تھی۔ لیکن دست بستہ دور ہی سے کہا کہ اگر یہ کرو گی تو ہم اپنی جان دے دیں گے۔

حضرات ناظرین کیا غضب کا فقرہ ہے۔ ہائے یہ الفاظ خون رلاتے ہیں۔ (ہم اپنی جان دے دیں گے) ہائے کیا دھمکی ہے گویا جان کے بچنے کی امید ہی تو تھی۔ چو طرفہ آگ کے شعلے آسمان تک بلند دھواں ہر سمت ابر کی طرح چھایا ہوا۔ کڑیاں اور دھنیاں تڑاتڑ چٹختی ہیں۔ بھاگنے کی کوئی تدبیر نہیں آگ بجھاتے بجھاتے لوگ عاجز آگئے۔ ہوا کہتی ہے کہ میں آج ہی تیزی دکھاؤں گی اور حضرت فرماتے ہیں کہ گر یہ کرو گی تو ہم اپنی جان دے دیں گے۔ اب سپہر آرا اور حسن آرا کے آنسو نہیں نکلتے تھے۔ دونوں مثل پیکر تصویر خاموش ہیں کلیجہ بلیوں اچھلتا تھا، اور روتیں تو کار چھوٹ جاتا مگر ان کا غم رونے سے اور بھی بڑھ گیا۔ اب اس درجہ کو جس میں زندگی کے لالے پڑ جاتے ہیں حیرت نے دامن پکڑا آنکھوں سے حیرت ٹپکتی تھی۔ چال ڈھال سے حیرت کے آثار عیاں تھے۔ بڑی بیگم سکتے کے عالم میں۔ کچھ تو یہ خیال کہ ہائے اس نوجوان شہزادے کی جان مفت میں جاتی ہے۔ کچھ یہ سوچ کہ لڑکیوں سے کہاں کی جان پہچان نکلی۔ بڑی بیگم نے خوب دعا مانگی کہ یا الٰہی اس بے چارے کی جان بچا۔ ہے ہے اِس کی سو برس کی ماں، اس خبر کو سن کر کیا کرے گی اس پر تو بجلی ہی گر پڑے گی۔ بہار النسا برابر روتی جاتی تھی۔ روح افزا کبھی کھڑکی کی طرف جاتی تھی، کبھی ہمایوں فر کی حالتِ زار دیکھ کر آٹھ آٹھ آنسو روتی تھی۔ اتنے میں جب آگ بہت ہی قریب آگئی، تو میرزا ہمایوں فر کا استقلال ہاتھ سے جاتا رہا۔ اِدھر اُدھر ساری چھت پر سراسیمگی اور آشفتہ حالی سے گھومنے لگے۔ اتنے میں ایک خدمت گار قدیم نے ایک طرف گھس کر لکڑیوں اور جلتے بلتے دروازوں اور دھنیوں اور بلیوں کو ہٹا کر پانی چھڑکوانا شروع کیا۔ ہزاروں مشکیں پانی کی پڑتی تھیں مگر بے سود۔ میرزا ہمایوں فر کا بچنا محال تھا۔ ہوا نے اور بھی زور باندھا۔ اب یہاں تک نوبت آئی کہ جو لوگ قریب کھڑے تھے وہ آنچ اور حرارت کے سبب سے دور دور بھاگنے لگے۔ اور صاحب کلکٹر بہادر نے زمین پر بیٹھ کر فرطِ بے قراری سے رونا شروع کیا۔ اب آگ میرزا ہمایوں فر سے صرف ایک گز کے فاصلے پر ہے اور پھنکے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حسن آرا اور سپہر آرا کی طرف ٹوپی اتار کر سلام کیا۔ (جس کو وہ مطلق نہ دیکھ سکیں) اور بدن کو تول کر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور ایک نعرہ اللہ اکبر بلند کر کے، دھم سے کود پڑے اور ساتھ ہی سپہر آرا بھی باآواز بلند چیخ کر کھڑکی سے کود دی۔ ہائے ستم کا سامنا ہے۔ عجب روح فرسا سانحہ ہے۔ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے اے توبہ اے توبہ۔ الاماں۔

اب سنیے۔ کہ میرزا ہمایوں فر نے جب دیکھا کہ مفر کی کوئی صورت نہیں اب اجل نے دبوچ ہی لیا تو یہ جان پر کھیل گئے۔ سوچے کہ یوں بھی مریں گے دوں بھی مریں گے پھر بچنے کی تدبیر سے کیوں غافل رہیں۔ انھوں نے بکمال استقلال بدن کو تولا اور سامنے کی ایک چھت پر کودنے کا قصد کیا۔ مگر وہاں تک جانا محال تھا۔ نیچے ہی گر پڑے۔ اگر ذرا دو بالشت ہٹ کر گریں تو جل بھن کے خاک ہو جائیں۔ مگر زندگی تھی۔ بچ گئے۔ گرے تو گھاس پر۔ یہاں زمین بالکل نرم اور نم تھی۔ گرتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے اور ہاتھوں ہاتھ زمین پر سے اٹھا لیا۔

ک : سول سرجن صاحب کہاں ہیں۔

سول سرجن صاحب سپہر آرا کو کھڑکی پر سے کودتے ہوئے دیکھ کر ادھر جھپٹے تھے۔ دیکھا تو سپہر آرا کو ذرا بھی چوٹ نہیں لگی تھی بلکہ سپہر آرا نے اٹھتے ہی کہا کہ لوگو، اگر ہمارا شہزادہ بچا تو ہمیں دکھا دو اور نہیں تو اسی کی قبر میں ہم کو بھی زندہ دفنا دو۔ سو دو سو آدمیوں نے سپہر آرا کو گھیر لیا اور اکثروں نے تشفی دی۔

اتنے میں نواب صاحب آئے اور سپہر آرا کو الگ لے جا کر سمجھانے لگے، کہ تم گھبراؤ نہیں شہزادے بخیریت ہیں۔

سپہر : ہائے دولہا بھائی ہیں کیوں کر مانوں۔

ن : نہیں بہن۔ آؤ انھیں ہم ابھی دکھائے دیتے ہیں۔

سپہر : پھر دکھاؤ میرے دولہا بھائی۔

ن : اک ذرا ٹھہرو۔ بھیڑ ذرا چھنٹ جائے تو دکھا دیں تب تک گھر چلی چلو۔

سپہر : پھر دکھاؤ گے۔

ن : ضرور خدا کی قسم ضرور دکھائیں گے۔

سپہر : ہمارے سر پر ہاتھ رکھ کے کہو۔

ن : (سر پر ہاتھ رکھ کر) اس سر کی قسم ضرور دکھائیں گے اب چلی چلو۔ اتنا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہنا مان لو۔

سپہر: اچھے کیوں کر ہیں۔ بچے کس طرح۔

ن: کود پڑے۔ اللہ نے بچالیا۔

بہزار خرابی نواب نامدار سپہر آرا کو گھر لے گئے۔

اب سنیئے کہ وہاں سپہر آرا کے گرنے سے کہرام مچا تھا۔ مگر جب سپہر آرا اٹھ کھڑی ہوئی تو سب کی جان میں جان آئی۔ سپہر آرا اور نواب صاحب گھر میں داخل ہوئے۔

ن: اللہ نے آج دوبارہ زندگی دی۔

ب: اُف بڑی عزت رکھی اللہ نے۔

روح: کیا جانے اب تک کیا کا کیا ہو گیا ہوتا۔

بہار: آؤ سپہر آرا پنکھا جھلیں، تم پلنگ پر لیٹ رہو۔

ب: ان کو لٹا دو اب۔ اور مغلانی تم خوب پنکھا جھلو، اور مہری سے کہو ایک طرف سے وہ جھلے۔

ن: میں جا کر دیکھوں تو ہمایوں فر کی کیا کیفیت ہے۔

بہار: اے زندہ تو بچے بے چارے۔

ن: ہاں امید تو ہے۔ ضرور بچ جائیں گے۔

صاحب سول سرجن نے جو میرزا ہمایوں فر کی نبض دیکھی اور کلیجے اور سینے پر ہاتھ رکھا کہا کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ صدمہ بہت سخت پہنچا ہے مگر علاج آسان ہے تھوڑی دیر کے بعد ان کی سریع التاثیر اور کثیر المنفعت ادویہ سے اس قدر فائدہ ہوا کہ آنکھیں کھول دیں اور پانی مانگا۔

ک: کہیں درد ہے۔

شہز: ہاں کلیجے کے پاس اور ٹانگ میں۔

ڈاکٹر: (یعنی سول سرجن) (ڈ) (ٹانگ کو دیکھ کر) ہڈی پر صدمہ پہنچا ہے۔ مگر ہڈی ٹوٹی نہیں۔

شہز: اچھا ہو جاؤں گا یا امیدِ زیست منقطع ہے۔

ڈ: دو دن میں آپ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ک : آپ نے بڑا کارنمایاں کیا۔ آپ بڑے بہادر شہزادے ہیں۔

شہز : نہیں۔ وہ تو یوں بھی جان جاتی۔ سوچا کہ کود پڑوں۔ شاید بچ جاؤں۔ سو اب تک تو زندہ ہوں۔

ڈ : نہیں نہیں آپ گھبرائیں نہیں۔ آپ پرسوں تک گھوڑے پر سوار ہو سکیں گے۔

شہز : ہاں! شاید۔ درد سخت ہے۔

ک : کچھ پروا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب ابھی ابھی درد کھو دیں گے۔ (سول سرجن سے) آپ دن بھر میں تین دفعہ آکر ان کو دیکھیے اور اسسٹنٹ سرجن کو دوپہر یہاں رہنے دیجیے۔ رات کے لیے ہم بابو انوکول گھوش کو بھیجیں گے۔ وہ رات بھر یہاں رہیں گے اور ایک نیٹو ڈاکٹر اور ایک کمپونڈر ہر دم یہاں رہیں۔

ڈ : اچھا ابھی انتظام ہو جائے گا۔

شہز : اف۔ دل قابو میں نہیں ہے۔

ک : اور آپ کے کودتے ہی آگ بھی بجھ گئی۔

شہز : میرے ہی ساتھ عداوت تھی۔ (کوئی ہے) دیکھو پڑدوس میں جاکر بیگم صاحب کو ہماری طرف سے آداب عرض کرو۔ اور کہہ دو کہ آپ بزرگوں کی دعا سے میں بچ گیا۔ یا مہری کو بھیج دو۔ تھوڑی دیر میں بڑی بیگم صاحب کے ہاں ایک مہری پہنچی۔ یہ وہی مہری تھی جس کو شہزادۂ ہمایوں فر نے حسن آرا اور سپہر آرا کے پاس پیغام لے کر بھیجا تھا جس کو حسن آرا نے ڈانٹ بتائی تھی۔ سپہر آرا نے سیکڑوں صلواتیں سنائی تھیں یا تو وہ وقت تھا کہ ان دونوں بہنوں کو اس کی صورت سے نفرت تھی، اور یا اب دیکھتے ہی کھِل گئیں حسن آرا بیگم مہری کو دیکھ کر کسی قدر شرمائیں۔ مگر سپہر آرا دیکھتے ہی فرطِ بے قراری سے بول اٹھی کہ کیسے ہیں؟ مہری آداب بجالائی اور نہایت ادب کے ساتھ یوں کہنے لگی۔

مہری : (مہر) اے حضور اللہ نے بڑا فضل کیا۔ کیا جانے کس کا لیا دیا اس گاڑھے وخت (وقت) آڑے آیا۔ شہر بھر ہاتھ ملتا تھا کہ ایسے لائق وار شہزادے اور کس بے کسی میں ہیں۔ اللہ جانتا ہے میرے تو اوسان خطا ہو گئے۔ بس جی چاہے کہ آگ میں کود پڑوں۔ بارے اللہ نے بہت بچا دیا۔ کیا جانے کس نگوڑے جہنمی نے یہ شعبدہ کیا۔ اب تو بولتے چالتے ہیں۔ لیکن ذری ذری درد ہوتا ہے۔ پھر حضور اس مہتابی کو دیکھیے اور کودنے کو دیکھیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ب: شہزادوں پر سایہ ہوتا ہے۔ اللہ اِن کا بچانے والا ہے۔

مہر: لونڈی کو حضور کی خدمت میں بھیجا ہے کہ جا کر حضور کو دلاسا دوں کہ اب اچھے ہیں۔ فرمایا ہے کہ آپ بزرگوں کی دعا سے میں بچ گیا آپ کا بہت خیال ہے۔

ب: ہماری طرف سے دعا کہنا اور کہنا کہ اللہ نے آپ کو دوبارہ زندگی دی۔ خدا تمھیں خضر کی عمر دے اور خوش و خرّم رہو۔ مگر علاج سے غافل نہ رہنا۔

مہر: نہیں حضور۔ بھلا علاج سے بے غافل رہ سکتے ہیں اور بڑے صاحب تو آپ ڈانکٹر (ڈاکٹر) سے کہہ گئے کہ دن رات ایک گورا ڈانکٹر یہاں رہا کرے۔

ب: دیکھو اللہ کو بچانا ہوتا ہے تو یوں بچاتا ہے۔

مہر: (سپہر آرا سے) آپ کا مجاز (مزاج) کیسا ہے۔ اف! پڑوس میں رہنے سہنے سے آپ کو بھی حد بھر محبت ہو گئی۔ ابھی ہماری سرکار کو یہ نہیں معلوم ہوا۔

بڑی بیگم (خاموش اور متحیّر) حسن آرا چپ چاپ سنتی رہی۔ بہار النساء نے روح افزا کی چٹکی لی۔ روح افزا مثلِ پیکرِ تصویر خاموش رہی۔ مہری اپنے دل میں خوش کہ سپہر آرا نے اس قدر محبت ظاہر کی کہ کھڑکی پر سے کود پڑیں۔

مہر: ہے اجازت پھر؟ اب جا کے سرکار کو دیکھوں ذری۔

ب: ہماری طرف سے دعا کہنا۔ ہے ہے میں یہی سوچتی تھی کہ اب ہونا کیا ہے۔ توبہ توبہ۔

مہر: ہونا کیا۔ بیگم صاحب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ کچھ کرتے دھرتے بنتی ہی نہ تھی۔

ب: اے سچ پوچھو تو باقی کیا رہ گیا تھا۔ آدھ گز پر تو آگ تھی۔ اف توبہ!

مہر: مگر وہ بھی نصیب اعدا جان پر کھیل گئے تھے اور یہ نہ کرتے تو پھر کرتے ہی کیا۔

بہار: چوٹ تو ضرور آئی ہوگی۔ کہیں نہ کہیں۔

مہر: جی ہاں ٹانگ میں چوٹ آئی ہے۔ مگر یوں ہی سی اور کلیجے پر بڑا دھچکا لگا۔

بہار: ہاں پھر کود ے بھی تو پہاڑ پر سے۔ کچھ ٹھکانا ہے۔

مہر: جی اور کیا، حضور جو نیچے سے نظر اٹھا کر دیکھے تو آنکھیں دکھنے لگیں۔

روح: یہ آگ لگی کیوں کر۔ کھانا دانا پکتا تھا کیا۔

مہر: ے بیوی یہ تو کچھ بھید ہی نہیں کھلتا۔ اے وہ چوطرفہ سے ایک دفعہ ہی آگ لگ گئی،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک کونا جلتا تو کہتے حقہ وقہ کوئی پیتا ہوگا۔ یا چوہا بتی گھسیٹ لے گیا ہوگا۔ وہ تو بس چاروں طرف سے بھک بھک شعلے نکلنے لگے۔ یا کسی دشمن نے آگ لگائی۔ جلے موے کا گھر بھر۔ اللہ کرے بجلی گرے جہنمی پر جس نے یہ بدی کی۔

ب: کیا چھپا تھوڑا ہی رہے گا۔ چھپ نہیں سکتا۔

مہر: اے صاحب لوگ بڑا بندوبست کرتے ہیں۔ حضور ابھی ابھی تھانہ دار کو حکم دیا تھا کہ پتا لگاؤ۔ تین صوبہ دار مقرر کیے ہیں۔ کچھ نہ کچھ پتا لگ ہی جائے گا۔

مہری رخصت ہوئی۔ شہزادے سے جا کر کہا کہ حضور کہہ آئی۔ کل پرسوں جب حضور بالکل اچھے ہو جائیں گے تو ایک خوشخبری سناؤں گی حضور کو۔ لونڈی نے انعام کا کام کیا۔ مگر حضور اللہ کرے جلد اچھے ہوں۔

(مسکرا کر انعام)

کیا خبر ہے؟

اتنے میں میرزا ہمایوں فر نے کہا کہ اب ہم اس وقت سوتے ہیں۔ پنکھا قلی کو بھیجو کہ پنکھا کھینچے۔

شب کو شہزادہ درد کی چمک کے سبب سے تلملایا کیا۔ اسسٹنٹ سرجن دلاسا دیتے تھے، کہ حضور گھبرائیں نہیں دو تین دن میں بدستور سابق چلنے پھرنے لگیے گا۔ ٹانگ کی ہڈی میں چوٹ آئی ہے، مگر ہڈی ٹوٹ نہیں گئی ہے، اور قلب کے صدمے کا صاحب سول سرجن بہادر نے اچھے طور پر علاج کیا ہے۔ اب آپ اگر سونے کا خیال کیجیے، اور ذرا آرام فرمائیے تو خوب ہو۔

میرزا ہمایوں فر کی یہ حالت تھی کہ ذرا آنکھ لگی، اور درد کی چمک نے جگا دیا۔ ذرا پلک جھپکی اور آنکھ کھل گئی۔ کسی پہلو چین نہیں آتا تھا۔ پلنگ پر اِدھر اُدھر لوٹتے تھے۔ مگر آرام منزلوں دور۔ بارے بہزار خرابی کہیں چار بجے صبح کو آنکھ لگی۔

سویرے منھ اندھیرے صاحب سول سرجن تشریف لائے، تو دیکھا کہ شہزادہ بہادر میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ اسسٹنٹ سرجن سے دریافت کیا کہ شب کو طبیعت کیسی تھی۔ انھوں نے کل حال بتایا اور ہدایت ضروری کے بعد اور مریضوں کو دیکھنے چلے گئے۔ کوئی دس بجے کے قریب میرزا ہمایوں فر کی آنکھ کھلی، تو ڈاکٹر صاحب نے کہا (صاحب آئے تھے) میں نے آپ کا حال کہہ دیا۔ ایک دوا بدل دی ہے۔ وہ دوکان سے آ گئی ہے۔ منھ دھو کے ایک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوراک پی لیجیے۔ انشاء اللہ درد میں بھی کمی ہو جائے گی اور قلب کو بھی تسکین ہوگی۔

اتنے میں رؤسا اور امرا، اور عمائد شہر، اور خوش باش، اور مہاجن و عمال، عیادت کے لیے جوق جوق آئے۔ سب نے شب کے سانحۂ ہوش ربا سے کمال افسوس ظاہر کیا۔

ن : (یعنی نواب تہوّر علی خان بہادر) خدا نے بچایا ورنہ باقی کیا رہا تھا! ع

رسیدہ بود بلائی ولی بخیر گذشت

راجہ شمشیر بہادر: (راجہ) حواس ٹھکانے نہ تھے۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، کہ یا الٰہی بچائیو!

تحصیلدار: دیکھنے والوں کے ہوش اڑے ہوئے تھے، مگر آپ کے استقلال کا کیا کہنا۔ ایسے وقت نازک پر مستقل مزاج رہنا کارے دارد۔

سررشتہ دار : اس میں کیا شک ہے۔ آگ بالکل قریب پہنچ گئی تھی۔

نور شاہ : (نور) قدمِ درویشاں ردِّ بلا۔ بابا اللہ بڑا مسبّب الاسباب ہے۔:

گلستان کند آتشی بر خلیل

گروہے بہ آتش بروز آب نیل

وہ بڑا مالک ہے۔ دم کے دم میں آگ کو پانی اور پانی کو آگ کر دے۔ جلّ جلالہ، جلِّ جلالہٗ۔ میں اپنی کٹی سے دعا دے رہا تھا۔ اللہ نے سن لی اور میری دعا قبول ہو گئی۔

س : یہ آگ لگی کیوں کر۔

تحصیلدار: کسی دشمن کا کام تھا۔

ن : اس میں کیا فرق ہے۔ اے صاحب چاروں کونوں میں ایک دم سے آج تک کہیں بھی آگ لگی ہے۔ یہ کسی دشمن کا کام ہے۔ سرکار کو پتا لگانا چاہیے۔

س : کسی پر شک ہے آپ کو، کیوں پیر و مرشد؟

سہز: حضرت کس کا نام لوں۔ ہاں ہے تو شک، مگر جس پر شک ہے۔ اس کا نام ہی نہیں معلوم۔

ن : (یعنی بہار النسا کے شوہر) ایں! لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ۔ یہ ٹیڑھی کھیر ہے۔

---

[1] یعنی صدقہ، خیرات دینے سے بلائیں دور ہوتی ہیں اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راجہ: حلیہ بتائیے، کچھ پتا بتائیے، مسن ہے، ادھیڑ ہے، جوان ہے، گورا ہے، کالا ہے، قطع کیا ہے؟ ہندو ہے یا مسلمان ہے۔ دیکھا تو آپ نے ہے اسے یا دیکھا بھی نہیں؟

شہز: ہاں دیکھا ہے۔ میں عرض کروں گا۔

مہر: حضور سو بھوکوں کو کھانا کھلوا دیا گیا۔ کوئی بیس بائیس[22] اور آگئے ہیں، وہ بھی کھائے ہیں اور شہر میں دو سو آدمیوں کے لیے پکوایا گیا ہے۔

شہز: صبح شام دونوں وقت دیا جائے! اَلصَّدَقَۃُ تُرَدُّ البَلاءَ، وَ تَزِیدُ فِی العُمرِ۔

نور: حق ہے۔ حق ہے۔ صدقے سے بلا رد ہو جاتی ہے۔

شہز: شاہ جی کے ہاں بیس آدمیوں کا کھانا بھیج دیا جائے۔

نور: نہ، بیس آدمیوں کے لیے نہیں۔ ساڑھے انتیس بھوکوں کے واسطے۔

اتنے میں چٹھی رساں نے خدمت گار کو ایک بیرنگ خط دیا، محصول لیا، اور روانہ ہوا۔ خدمت گار خط لے کر شہزادے کے پاس گیا۔ مگر چونکہ اس وقت آقائے نامدار تحصیلدار صاحب سے باتیں کر رہے تھے، لہٰذا دخل در معقولات دینا خلاف ادب سمجھ کر خاموش ہو رہا۔ جب میرزا ہمایوں فر نے گفتگو سے ذرا فراغت پائی تو خادم باادب نے تمیز کے ساتھ خط دیا شہزادے نے خط لیا، اور لفافہ دیکھ کر کہا کہ کسی بڑے خوش خط کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن متحیّر تھے کہ یہ خط کس نے بھیجا ہے۔ بھئی۔ کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ حاضرین بلا دقّت دیکھ سکتے تھے کہ خط پڑھتے پڑھتے شہزادے کا رنگ متغیّر ہوا جاتا تھا اور چہرے سے ملال و غم و غصّہ کے آثار صاف پائے جاتے تھے۔ لوگ سمجھے کہ ان کے گھر سے خط آیا ہے۔ شاید کسی عزیز کی وفات کا حال پر ملال اس میں درج ہے۔ چپ چاپ سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے، کہ اس سانحے کے بعد دوسرے ہی روز حادثہ، جانکاہ کا حال میرزا ہمایوں فر کو اور بھی ملول و افسردہ کر دے گا۔ شہزادے کا چہرہ مارے غصّے کے سرخ ہو گیا۔ خط پڑھتے پڑھتے ایک دفعہ ہی دانت پیسنے لگے۔ بعض آدمی سمجھ گئے کہ اس میں ایسی بات لکھی ہے جس سے شہزادہ بد دماغ ہو گیا۔ کسی کی وفات کا حال درج ہوتا تو روتے، سر پیٹتے، کپڑے پھاڑ ڈالتے۔ دانت پیسنا کیا معنی۔ اور بعض سمجھے کہ کسی ایسے رشتہ دار کی وفات کی خبر وحشت اثر سنی ہے جس نے انھیں دیوانہ بنا دیا، اور اس درجہ صدمہ پہنچا یا کہ، حالتِ جوشِ جنون میں دانت پیسنے لگے۔ میرزا ہمایوں فر نے خط کو پھر بدستور لفافہ میں رکھ دیا، مگر پھر کھولا اور پڑھنے لگے۔ پھر چہرہ سے انتہا کی پریشانی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور غم و غصہ ظاہر ہونے لگا۔ تب تو تحصیلدار صاحب نے قریب جا کر آہستہ سے پوچھا کہ خیریت تو ہے۔ شاہزادے نے بکمال افسردگی (ہاں) کہہ کر خط بند کر دیا۔

ن : میں اس خط کو پڑھ سکتا ہوں؟

شہز: ابھی نہیں۔

س: خدا خیر کرے۔ آخر اتنا تو فرما دیجیے کہ خیریت تو ہے نہ۔

شہز: ہاں جو ہونا تھا وہ ہو چکا، بس یہی اس کا مضمون ہے۔

مصاحب : ایں! الٰہی خیر۔ کیا رات کے حادثہ سے اس خط کو کوئی تعلق ہے۔

تحصیلدار: ہاں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

شہز: تخلیے میں کہہ دوں گا۔ آج تو آپ کو چھٹی ہے نہ، یا کچہری جانا ہے؟

تحصیلدار: جی نہیں آج تعطیل ہے۔ از برائے خدا یہ خط ہم کو دکھا دیجیے۔

شہز: میں اس کا ایک حصّہ خود پڑھ کر سنا دوں گا۔

یہ کہہ کر شہزادہ ہمایوں نے، وہ خط نواب صاحب (شوہر بہار النسا) کو دیا، اور قریب بلا کر کہا کہ آپ اس خط کو چپکے سے پڑھ لیجیے۔ لیکن آپ کو قسم ہے کہ کسی شخص سے تذکرہ نہ کیجیے گا۔ بس ایک نظر دیکھ لیجیے، اور میرے حوالے کیجیے۔

نواب صاحب نے خط پڑھنا شروع کیا۔ اب دل لگی دیکھیے کہ ان کے چہرے کا رنگ بھی متغیّر ہو گیا، اور حاضرین سمجھ گئے کہ اس میں کوئی بات ایسی ضرور درج ہے جس سے نواب صاحب کو بھی کسی قدر تعلق ہے۔ حیران و ششدر کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ خط کا مضمون درج ذیل ہے۔

مضمون خط

ہم سے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن

ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن (غالب)

اجی حضرت تسلیم۔ کیوں سچ کہنا کیسا بدلہ لیا۔ بات تیرے کی۔ لاکھ لاکھ سمجھایا۔ اونچ نیچ دکھائی، ہاتھ جوڑے خوشامد کی۔ قدموں پر ٹوپی رکھی۔ منّت سماجت کی۔ نہ مانا۔ نہ مانا خیر نہ مانو ہمارا کیا بگڑا۔ تم خود ہی مصیبت میں پڑے۔ آج رات کو گھر نہ پھونک دوں تو سہی۔ تم نے ہمارا دل جلایا ہے۔ ہم اتنا بھی نہ کریں کہ تمھارا گھر جلا دیں: ؎

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھونک دیں نالۂ سوزاں سے گر چاہیں قفس
ہم فقط خاطر صیّاد کیا کرتے ہیں

ناسخ

کل صبح کو ہم پوچھیں گے کہ مزاج شریف جس وقت یہ خط تمھارے پاس پہنچے گا مکان جل بھن کے خاک ہو گیا ہوگا۔

راقم شہسوار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک جوانِ خوبرو کا عشق کے جھگڑے میں جان کھونا

اور شہسوار دلفگار کا تارک الدنیا ہونا

زہر گلے کہ ہوئی دلم نقاب کشاد
فلک بگلشن حسرت نوشت ورفت بباد
ہر آں گرہ درو نقد مدعا بستند
بدامنِ طلبِ مدعی نہادو کشاد
زمانہ غیرِ الم نامہ نیست تصنیفش
دلم ز صفحۂ فہرست او گرفتہ سواد

شہسوار دل فگار با حالتِ زار دردِ فراقِ اصنامِ گل عذار سے سر دُھنتا جوشِ جنوں کے طفیل میں تنکے چنتا۔ حیران و پریشان، فرس آہو شکار، و باد رفتار، کو کڑکڑاتا، اور چمکاتا ہوا اُس شہرِ مینو سواد، غیرتِ بہشتِ شدّاد سے راتوں رات بگٹٹ بھاگا۔ دل میں چور تھا، کہ مبادا گرفتار ہو جاؤں، جیل خانہ جھیلوں۔ سزا پاؤں۔ خیالِ جرمِ آتش زنی سے زہرہ آب تھا۔ ازبس بے قرار، و بے تاب تھا۔ شہزادۂ باذِل دریادِل کے گھر میں آگ لگائی، تو شامت کی صورت مجسّم نظر آئی۔ مارے خوف کے قدم قدم پر تھرّایا۔ آنکھیں پُرنم ہوتیں۔ دل بھر آیا۔ ٹھیک دوپہر کو اشجارِ پُربہار کے سایہ میں ذرا استایا۔ پھر جو باگ اٹھائی اور اشہبِ سُبک خیز کو کڑکڑایا تو وقتِ شام، جب کہ دن قریبِ اختتام اور آفتاب لبِ بام تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک چھوٹا سا گاؤں نظر آیا۔ پڑاؤ پر پشتِ توسن سے اُتر کر زین پوش کو ہری ہری گھانس پر بچھایا ہی تھا کہ ناگاہ بستی کی طرف سے غل غپاڑے کی آواز آئی، اور دیکھا کہ بستی کے آدمی اور اِدھر اُدھر کے مسافر دوڑے چلے جاتے ہیں۔ شہسوار، گو دن بھر کا بھوکا پیاسا تھکا ماندہ تھا۔ لیکن طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ اس ہنگامے کی خبر نہ لے۔ اٹھ کر یہ بھی اُسی سمت چلے، جدھر غل ہو رہا تھا۔ پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں، کہ گاؤں بھر کے باشندے کورمی، نائی، باری، چمار، کسان، برہمن، چھتری، مغل، پٹھان، جوق جوق جمع۔ عورتیں ٹھٹ لگائے کھڑی ہیں۔ بھیڑ کو کاٹ کر یہ بھی قریب گئے، تو دیکھا کہ دو گنوار باہم لڑ رہے ہیں۔ مگر گاؤں والے بیچ بچاؤ کرنا تو بالائے طاق اور شہ دیتے جاتے ہیں، کہ دیکھو پھسڈی نہ رہ جانا۔ ہاں شاباش ہے بڑھ کے ہاتھ لگانا۔ ایک آدمی گرانڈیل ڈنڈ پیل۔ کشتی گیر چٹ لنگوٹ باندھے کچھ لوھیا تلوار ہاتھ میں لیے بھونڈے پیترے بدل بدل کر حریف پر وار کرتا ہے۔ دوسرا جوان گبھرو خوشترو لنگ کسے لٹھ چلاتا ہے۔ دونوں اپنی اپنی گھات میں ہیں۔ شہسوار نے چاہا کہ بیچ بچاؤ کر دیں، مگر ارد گرد سے حوالی موالی نے بمنت و سماجت کہا کہ حضور رئیس ہیں۔ ان دونوں بدمعاشوں کے بیچ میں نہ بولیں۔ یہ خود ہی آپس میں نبٹ لیں گے۔ شہسوار سے نہ رہا گیا۔ انھوں نے آگے بڑھ کر چاہا کہ ایک کے ہاتھ سے تلوار چھین لیں، مگر اس نے ڈانٹ بتائی کہ تلوار میرے ہاتھ سے تمہارے پاس آئی، اور میری لاش پھڑکنے لگے گی۔ یہ فوراً ہی لٹھ چلائے گا اور میں کہیں کا نہ رہوں گا۔ شہسوار نے بصد الحاح لٹھ باز سے کہا کہ میاں گبھرو کیوں جان کے دشمن ہوتے ہو۔ کچھ دن دنیا کی سیر تو کر لو۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک ذرا پیچھے ہٹا، ہٹتے ہی جھپٹ کر اس زور سے اپنے دشمن پر لٹھ رسید کیا کہ سر چٹ گیا خون کے شرانے بہنے لگے۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ تیوار کر دھڑ سے زمین پر آ رہا۔ لٹھ باز، لٹھ وٹھ چھوڑ کر بھاگنے ہی کو تھا۔ لوگوں نے ٹیٹوا لیا۔ حضرت گرفتار ہو گئے۔ صدر مقام اس گاؤں سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر تھا۔ چوکی دار نے معاً تھانے پر رپٹ بولی۔ سب انسپکٹر پولیس بارہ جوانوں کو لے کر، اسی دم گاؤں میں آن موجود ہوتے۔ دیکھا تو اس بیچارے کو نیم جاں پایا۔ فوراً چارپائی پر ڈال کر اسپتال بھجوایا۔ مجرم کو مع موقع واردات کے گواہیوں کے، تھانے پر چلے۔ منجملہ اور گواہیوں کے حضرت شہسوار بھی تھے۔ انھوں نے گھوڑا ارکسا، سب انسپکٹر کے ساتھ تھانے چلے۔ گاؤں کے دس بارہ آدمی بھی ساتھ تھے۔ شہسوار نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پوچھا، کہ آخر یہ کیا ہوا؟ اس گلخپ اور عناد و فساد کا سبب تو بتاؤ۔ جو صحیح صحیح امر ہو، مو بمو کہ سناؤ۔

ایک مولوی صاحب نے، جو گاؤں بھر کے قاضی تھے۔ کہا کہ یا حضرت! زر، زن، زمین کے سوا، اور کسی بات پر جھگڑا ہوتے دیکھا نہ سنا۔ مجروح نائی ہے، مجرم شہر کا نانبائی ہے۔ اس گاؤں سے آدھا کوس پر ایک جوان اور پری چہرہ عورت رہتی ہے۔ جس کو یہاں کے باشندے جوگن کہتے ہیں۔ اس جوگن کی لگاوٹ بازانکھڑیوں نے ایک عالم کو قتل کر رکھا ہے۔ ایک ایک عضو بدن سانچے کا ڈھلا ہوا ہے۔ چال وہ مستانہ کہ انسان دیوانہ ہو جائے۔ ہر کس و ناکس کی وہاں تک رسائی ہے۔ مگر اس کافر کیش نے عجب طبیعت پائی ہے۔ لگاوٹ کرتی ہے مگر پھر بھی الگ رہتی ہے۔ جو گیا خوش آیا، اترایا کہ جوگن ہم پر مرتی ہے۔ ہم سے کھل کھل کر باتیں کرتی ہے۔ مگر سب ناکام و نامراد رہے۔ گو مست اور جوان طنّاز ہے۔ گو عاشق تن اور لگاوٹ باز ہے۔ مگر انتہا کی پاکباز ہے یہ دونوں سواتی، نانبائی اور نائی بھی اس کے ہاں جانے لگے۔ بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگے۔ نان بائی کو یہ خبط کہ میرے ساتھ اس کا اب نکاح ہوا اب نکاح ہوا۔ کئی بار مجھ سے آن کر کہہ گیا کہ، پرسوں نکاح پڑھنے ضرور چلیے گا۔ میں دل ہی دل میں ہنستا تھا، کہ یہ خود دیوانہ ہے یا مجھے دیوانہ بناتا ہے۔ آپ اور اس مہ وش نازنین، گل فام، زہرہ جبیں، کو عقد میں لائیں۔ پہلے گڑھیا میں منھ دھو آئیں۔

میاں خلیفہ کا حال سنئے! ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر، شیطان نے پٹی پڑھا دی تھی، کہ ہم پر جوگن کی جان جاتی ہے۔ کئی بار گاؤں میں کہہ چکے کہ، جوگن ہم کو پیار کرتی ہے، منہ آدمیوں نے کہا اسے پہلے منھ نہوا، بد قطع، گھامڑ آدمی، ذات کا نائی۔ یہ منھ کھاتے جولائی۔

اب سنئے! ایک روز نان بائی شہر سے دو بجے رات کو اس جوگن کے پاس گیا اثنائے راہ میں خلیفہ بھی ملے۔ لاگ ڈانٹ تو تھی ہی۔ انھوں نے ان کو للکارا۔ انھوں نے ڈانٹ بلائی۔ گل شب سے تکرار ہوئی۔ تکرار سے جوتی پیزار۔ حتی کہ خون خرابے کی نوبت آئی۔ کئی مہینے تک ناچاقی رہی، یہ اُن کے خون کا پیاسا، وہ اس کی جان کا دشمن نان بائی نے نائی کا گھر پھونک دیا۔ چھ مہینے کی قید پائی۔ نائی نے نان بائی کی دوکان جلادی۔ دونوں نے گھر پھونک تماشا دیکھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس تقریر، خصوصاً آتش زنی کے ذکر نے شہسوار کے دل پر عجب طرح کا اثر کیا۔ کبھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ کبھی آنکھوں کے تلے اندھیرا چھا جاتا تھا۔ کبھی اپنا فعل مجنونانہ یاد آتا تھا۔

دوسرا گنوار بولا: یہ جوگن کیا جانے کون ہے؟ اس نے کئی خون کرائے۔ سب انسپکٹر، (س) حضرت میں بھی دو چار بار اس مہ پارہ، عابد فریب، کے پاس گیا ہوں۔ پردہ جو اٹھایا تو واللہ نور کا بکا نظر آیا۔ حور طلعت، پری پیکر، سیم بدن، رشک قمر، مزاج میں اس درجہ شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ ایک ایک عضو مجسم کانِ دلبری ہے۔ عورت کیا پرستان کی پری ہے۔ دمِ تقریر منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ مگر تاڑنے والے تاڑ گئے کہ کسی ترک ستم گر کے تیر نگہ نے گھائل کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مطلوب کی جدائی اس قدر شاق گذری، کہ دنیا ہی کو چھوڑا۔ عیش و عشرت سے منہ موڑا کنج تنہائی سے ناتا جوڑا دور دور تک اس کے جمالِ مُبین کا شہرہ ہے۔ منزلوں سے مرد، عورت، بوڑھے، جوان، الغرض ایک جہاں اس کی زیارت کو آتا ہے۔ کوئی حسنِ گلوسوز، و نور عالم افروز دیکھ کر عش عش کر جاتا ہے۔ کوئی عنفوان شباب اور اٹھتی جوانی کی آب و تاب اور مستانہ چال اور پیاری ادا کا شیدا ہے۔ القصہ ایک عالم مبتلائے بلا ہے۔ جو جاتا ہے یہی کہتا آتا ہے کہ: ؎

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اِلّا تو چیزی دیگری

شہ: یہ جوگن کیوں ہو گئی؟

س: واللہ اعلم۔

شہ: کچھ ٹوہ تو لی ہوتی۔

س: اجی حضرت وہ بہت دور ہیں۔

شہ: سن کیا ہو گا بھلا؟

س۔ع: برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن۔

شہ: بس!

س: اٹھارہ یا انیس سے کسی صورت میں زیادہ نہیں ہے۔

شہ: اہو ہو ہو۔ توبہ کیسے قیامت ڈھائی ہے اچھا یہاں کسی سے یا واللہ بھی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

س : اے توبہ۔ کہا نہ کہ لگاوٹ کی باتیں سب ہی سے کرتی ہے مگر ممکن کیا کہ کسی کے پھندے میں پھنس جاتے۔

شہ : اس میں کچھ اسرار ضرور ہے۔ سترہ اٹھارہ برس کا سن، جوانی کی راتیں۔ مرادوں کے دن، اور دنیا سے الگ تھلگ، بستر جمانا، جوگن کے بھیس میں عمر گوانا بے وجہ نہیں۔

گنوار : اتنی عمر آئی ایسی جوگن ناہیں دیکھی تھی۔

دوسرا گنوار : شہرن میں جو تماشا ہوتا ہے اس میں البت جوگن نبت رہا ہے۔

س : (چوکیدار سے) یہ آج کس بات پر جھگڑا ہوا جی؟

چوکیدار : (ج) حجور۔ وہ ساس جون جوگن بنی ہے۔

س : چپ۔ گدھا۔

شہ : کیا واہیات بکتا ہے۔

ج : صوبہ دار صاحب۔ اب لے تم سے کا کہی۔

س : ہم تم سے فقط اتنا پوچھنا ہے کہ ان دونوں بدمعاشوں میں کس بات پر لڑائی ہوا۔ تم ہمارے سوال کا جواب دو، بس بے ہودہ مت بکو۔

ج : جیسے یہ جہاں گیبر بھی وہاں جات رہے، اور حلواتی بھی۔

س : حلوائی کون ہے؟

کانسٹبل (کا) حضور اسی نانبائی کو کہتا ہے۔

ج : توں آپس میں لاگ ڈانٹ ہوئے گئی۔ اے بس ایک روج مار دھاڑ ہوئے گئی اور گاؤں میں ہلا مچا تو پورن اس روج ہمری یوجی (عوضی) تھے۔ دوڑ گئے۔ دیکھیں لٹھ چل رہا ہے۔ کھیر، (خبر) بھیسلا (فیصلہ) بھیا دھن ل یہ ان کے دشمن وہ ان کے دشمن۔ بس آج تلوار اور لٹھ چلے لاگ۔

گنوار : موڑے رکت بہت ہے۔

مولوی : دم، صوبہ دار صاحب آج نائی نے کئی کپیاں چڑھائی تھیں۔ دارو بہت پیئے ہوئے تھا۔ اور اتفاق وقت نان بائی بھی آگیا۔ تو نائی نے عمداً اور قصداً چھیڑ کے کہا کہ آج ہم اپنے ٹپیت کو اُلٹے استرے سے مونڈیں گے۔ نان بائی بولا، اللہ نے چاہا تو تندور ہی میں جھونک دیا ہو۔ کسبت وسبت سب پھنک پھنکا کے رہ جاتے۔ نائی نے کہا پھر اٹھوں میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نان بائی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بڑھ کے ڈھول جمائی تڑ سے۔
شہ: کیا آپ بھی اس وقت سیر دیکھ رہے تھے۔
م: جی ہاں۔ میں قاضی ہوں۔
شہ: اور آپ کے گھر کے چوہے؟
م: (مسکرا کر) سیانے، یہاں گاؤں بھر مجھ کو مانتا ہے۔ مولوی، مولوی کہلاتا ہوں۔ مولوی بننے کی لیاقت تو کہاں پائی، مگر خیر بزرگوں کی عنایت ہے۔
شہ: دولت خانہ قدیم سے یہیں ہے؟
م: جی ہاں خداوند! میرا دولت خانہ یہیں ہے، پرانا رئیس ہوں۔
س: (ہنسکر) بجا۔
شہ: (مسکرا کر) واللہ شہر کی بھی کیا بات ہے۔
ش: بندہ پرور ابھی کوئی دس بارہ دن ہوئے ہوں گے ایک مشاعرے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ خواجہ صاحب اور شیخ صاحب مغفور کے تلامذہ اور ان کے خوان لیاقت وفصاحت کے زلہ ربا، کئی شعرائے عزّا اور سخندان بے ہمتا کا کلام سن کر روح وجد کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دھاتی بھائی کے پڑھنے کی باری آئی۔ اہل شہر ان کی قطع ہی سے بھانپ گئے کہ گنوار کے لٹھ ہیں۔ کئی بار شتر غمزے کر کے حضرت نے شعر پڑھا تو آخر میں فرماتے ہیں۔ (بیمار ہوں) سامعین متحیر کہ بھئی یہ (ہوں) چہ معنی دارد پھر حضرت نے فرمایا دشار ہوں) یاالٰہی یہ (ہوں) کون لعنت ہے۔ کون بلا ہے۔ غزل غیر طرح پڑھی تھی اب سب چکر میں ہیں کہ یہ (ہوں) کون لعنت ہے۔ آخر کار ایک شاعر بذلہ سنج و لطیفہ گو نے یوں پوچھا۔
شاعر: یا حضرت غزل تو چشم بد دور مرصع ہے۔ مگر یہ (ہوں) کس جانور کا نام ہے۔
دوسرا شاعر: قبلہ یہ (ہوں)، جانور نہیں ہے، یہ حضرت ہی جانگلو ہیں۔ دیہاتی بھائی شعر پڑھنا کیا جانیں، یہ (ہوں) کی خرابی ہے۔
بج: پہل کھلیھا۔ (خلیفہ) ہی کہن۔
س: ہاں قاضی صاحب پھر کیا ہوا۔
م: بس خداوند! پھر دونوں میں کشتی ہوئی۔ کبھی یہ اوپر وہ نیچے کبھی وہ نیچے یہ اوپر۔ بڑی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیر تک داؤ پیچ اور چت پٹ ہوا کی۔ اتنے میں رنگئی اہیر نے لائے کے نائی کو ایک تلوار دی، اور کہا کہ بھرپور ہاتھ لگانا۔ ایک اور بدمعاش بولا کہ خبردار تسمہ تک نہ باقی رہے۔ تب تو میں بھاگا کہ چوکیدار سے کہوں دھوتا گیا۔

شہ: انسپکٹر صاحب اس محاورہ کو یاد رکھیے گا۔

س: اف واللہ مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔

م: بس میں دھوڑ کے پورن چوکیدار کے مکان پر گیا اس کی جوڑو بولی۔

شہ: کون بولی؟

س: (ہنسکر) جوڑو۔

م: حضور حکام ہیں آپ کو ہنسنا نہ چاہیئے۔

س: جی ہاں میں حکام ہوں۔ مگر آپ بھی تو امرا ہیں۔ ہاں فرماؤ (ہنسکر) فرماؤ جی۔

م: دیکھیے فرماتا ہوں۔

شہ: اوف! خدا کی قسم، ہنسی ضبط نہیں ہو سکتی۔

م: اب آپ لوگ ہنس لیں، تو میں فرماؤں پھر۔

شہسوار کا مارے ہنسی کے برا حال تھا، اور سب انسپکٹر بھی ہنستے ہنستے عاجز آ گئے۔

م: بس جناب میں وہاں سے میں اس چوکیدار کو لایا۔ یہاں دیکھا تو خون کے دریا بہے تھے۔ الغرض تھانے پر پہونچے۔ دوسرے دن مجرم کا چالان ہوا اور گواہوں کے بعد مجرم دورہ سپرد کیا گیا۔

اتنے میں نائی بے چارہ راہیٔ ملکِ بقا ہوا۔

کانسٹبلوں نے مجرم سے کہا کہ اب پھانسی پاؤ گے، جہاں گیر کے مرنے کی خبر ہو گئی۔ اس فقرۂ ہوش ربا کے سنتے ہی قاتل کا خون خشک ہو گیا۔

ع: کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں

رنگ فق۔ اجل ہر در و دیوار سے اپنی بھیانک اور مہیب صورت دکھائی تھی۔ پندرہ منٹ تک اس کی یہ کیفیت رہی کہ کوئی ہاتھ پاؤں بھی جلا دیتا تو اس کی اصلا خبر ہوتی۔ حیرت سی حیرت تھی۔ طرح طرح کے خیالات دل میں جگہ پاتے تھے۔ ہائے اس جوگن سے آشنائی کرنے کا شوق کیوں چرایا۔ اف! ہائے یہ ہمیں کیا سوجھی۔ اپنے آپ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنے پاؤں میں کلہاڑی ماری۔

کا : یہ ہوا کیا تھا بھائی؟

قاتل : (قا) (مایوسی کے ساتھ) کیا بتائیں۔

کا : آخر کچھ تو کہو۔ یہ ہوا کیا۔؟

قا : ہوا کیا۔ مفت میں جان گنوائیں۔ اوف! اس وقت باتیں کرنے تک کو جی نہیں چاہتا۔

جمعدار : (جمع) وہ جوگن کے پھیر میں تھے بچو۔

قا : ارے بھیا! ہم تو مر مٹے اس نے ہم سے اور جہاں گیر سے کہا کہ تم دونوں آپس میں جھگڑا چکا لو۔ جھگڑا چکا نا گیا جہنم میں۔ ہمارا ہی جھگڑا پاک ہو گیا۔

جمع : شادی ہو گئی ہے؟

قا : ہاں۔

جمع : ہائے ہائے۔

قا : مر گئی بے چاری۔ اتنی ہی تو خیریت ہے۔

کا : اور کون کون رشتہ دار ہے؟

قا : یہ نہ پوچھو۔ کیا بتاؤں۔ ہائے کیا ہوا۔

جمع : ماں تو جیتی ہے۔ یہ بتاؤ۔

قا : دھم سے زمین پر گر پڑا۔ اور بہ آواز بلند چیخ اٹھا ہائے ہائے۔

جمع : (ہاتھ مل کر) ارے معلوم ہوتا ہے اس کی ماں بوڑھی ہے۔

قا : اور اندھی بھی ہے۔

جمع : ارے توبہ توبہ۔ یہ بڑی بُری سنائی۔

کا : ہاں یہ دنیا کا لیکھا ہی ہے ؎

دنیا دو رنگی مکانا سرائے
کہیں کھوب کھویا کہیں ہائے ہائے

جمع : بھائی صاحب اب اس وقت اپنے اللہ کو مولا کو یاد کیجیے، اور مرنا تو ایک دن بدا ہی ہے۔ اور یہ کیا ضرور ہے کہ پھانسی ہی ہو۔

قا : جو حکم حاکم دے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جمع : برس چھ مہینے کی سزا ہو جائے تو اچھے رہے۔

قا : جی گئے سمجھیں کہ جی گئے۔

جمع : اللہ میں سب کچھ قدرت ہے۔

قا : ہاں مگر بُرے کام کا بُرا ہی نتیجہ ہے۔

جمع : گھبراؤ نہیں خدا مالک ہے۔ ابھی برسوں ہی ایک مقدمہ ہوا تھا۔ ایک کوری نے اپنی بہو کو مار ڈالا تھا۔ صاحب نے پوچھا وُل کیوں مار ڈالا؟ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ حضور وہ بدراہ چلتی تھی۔ مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ اے بس دوسرے دن صاحب نے دو برس کی قید کا حکم سنا دیا۔

کا : ہاں! سب سمجھتے تھے کہ پھانسی ہوگی، یا کالے پانی جائے گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھانسی! پھانسی! پھانسی!

چوں حاصل آدمی دریں جائے دو در
جز دردِ دل و دادنِ جاں نیست دگر
خرّم آنکس کہ یکنفس زندہ نبود
و آسودہ کسی کہ او نزاد از مادر

تاریخ معیّنہ کو صاحب سشن جج کے روبرو مقدمہ پیش ہوا۔ اور محمود قاتل بلوایا گیا۔ اَجل سے دوچار ہونا دل لگی نہیں ہے۔ محمود کی اس وقت عجب حالت تھی۔ ہر فردِ بشر کو حیرت اور حسرت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور صورت اس قدر ڈراونی ہوگئی تھی کہ اَلاَمان اَلاَمان۔ سوچتا تھا کہ ہائے دنیا اسی کا نام تھا۔ اسی دنیا پر ہم لٹّو تھے۔ اسی زندگی پر ہمیں اس درجہ بھروسا تھا۔ وائے نادانی۔ پاؤں خواب آلود ہو گئے۔ ایک قدم چلنا بھی دوبھر تھا خوب جانتا تھا کہ پھانسی ضرور پاؤں گا۔ اب مردوں میں میرا شمار ہے ارد گرد ٹھٹ کے ٹھٹ آدمی جمع تھے۔ کوئی افسوس کرتا تھا کہ بے چارے کی جان جائے گی۔ رفیق القلب آدمی آبدیدہ ہوگئے۔

صاحب سشن جج نے بعد ملاحظہ اظہاراتِ گواہاں و یادداشت سپردگی صاحب مجسٹریٹ، و رپورٹ پولیس صاحب سول سرجن کا بیان پڑھنے کا حکم دیا۔ بعد ازاں گواہ طلب ہوئے اور اظہارات قلم بند کئے گئے۔ مجرم اقبالی تو تھا ہی عدالت سشن میں بھی اس نے بااستقلال تمام اقبالِ جرم کیا۔ اس وقت عدالت کے کمرے میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ مُستغیث اور اہلِ عملہ اور بعض حکام اور اہل شہر جوق جوق جمع تھے۔ صاحب سشن جج نے اسیسرون کی رائے طلب کی تو انھوں نے بھی عدالت کی رائے سے اتفاق

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کر لیا' اور عدالت نے پھانسی کا حکم دیا۔ مجرم کا رنگ زرد ہو گیا۔ خون خشک۔ کارروائی عدالت سشن مع مثل مقدمہ عدالت ماتحت منظوری سزائے موت کے لیے بحضور صاحب جوڈیشل کمشنر بہادر روانہ کی گئی۔ اور صاحب ممدوح نے سزائے مجوزہ عدالت سشن منظور کر کے مقدمہ واپس کیا۔

مجرم کو آٹھ روز کی مہلت دی گئی کہ اپیل کرے۔ مگر اپیل وپیل کیا ہوتی' جب میعاد اپیل گذر گئی' تو مجسٹریٹ ضلع کے نام جس کی عدالت سے مقدمہ سپرد سشن ہوا تھا۔ حکم بھیجا گیا کہ تعمیل حکم عدالت سشن کی جائے۔

صاحب مجسٹریٹ بہادر نے حسب وعدہ آرڈر بک میں ایک حکم اس مضمون کا تحریر فرمایا کہ از انجا کہ محمود ولد پیر بخش، ساکن موضع بکریا بتاریخ فلاں، ۷ بجے صبح کے وقت بمقام جیل پھانسی پائے گا۔ لہٰذا ایک مجسٹریٹ درجہ اوّل اور صاحب مہتمم جیل اور صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس موقع پر موجود رہیں۔ اور جلاد ریشم کی رسّی اور ٹوپ کے حاضر رہے۔

اس حکم کے پہونچنے کے بعد صاحب مہتمم جیل نے جملہ سامان تیار کیا' اور تاریخ مذکور صبح سے جیل خانے کے دروازے پر لوگ جمع ہونے لگے۔ سات بجے کے وقت وہ ہجوم تھا کہ دور تک سر ہی سر نظر آتے تھے۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل نے محمود سے پوچھا کہ کیا کھائے گا؟ محمود تو اس وقت خونِ جگر کھا رہا تھا' کسی چیز کا نام اس کی زبان پر نہ آیا۔ پھر پوچھا کیا کھائے گا؟ اس نے گردن کے اشارے سے بتایا کہ کچھ نہیں۔ صرف اس قدر بیان کیا کہ مجھ کو نہانے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے۔

صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل کو شک تھا کہ میں اس قسم کی اجازت دے سکتا ہوں یا نہیں۔ انھوں نے صاحب مجسٹریٹ اور صاحب سول سرجن سے بطور خود دریافت کیا کہ میں ایسا حکم دینے کا مجاز ہوں یا نہیں۔ آخر کار بہ صلاح و اتفاق رائے یہ تجویز قرار پائی کہ اس میں کسی طرح کا ہرج نہیں ہے۔ لہٰذا محمود کو نہانے اور نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ میدان جیل کے چاروں طرف ہزارہا آدمی اس عبرت ناک واقعۂ روح فرسا کے دیکھنے کو کھڑے تھے۔ محمود کی حالت دیکھ دیکھ کر سب کانپ رہے تھے۔ اس وقت جو کیفیت لوگوں کے دلوں پر گذری اس کا بیان مُحال ہے۔ ناظرین میں سے شاذ ہی ایسے ہوں گے جنھوں نے پھانسی پر چڑھتے عمر بھر کسی کو نہ دیکھا ہو۔ وہ خود اپنے دل میں اس وقت کی کیفیت کو سوچ سکتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک میدان وسیع میں پھانسی بہ شکلِ اجل مجسّم نمایاں ہے۔ اِدھر اُدھر تلنگے وردیاں ڈانٹے سنگینیں چڑھائے ڈٹے کھڑے ہیں۔ اور میدان کے اردگرد ہزارہا آدمی چشمِ عبرت سے اس سانحۂ ہوش ربا کے دیکھنے کے منتظر ہیں۔ اور ایک بدبخت آدمی اپنی قضا کا نوحہ خواں ہے۔ جس کے چہرے سے مایوسی اور حسرت برستی ہے۔

محمود مقتل کی طرف روانہ ہونے ہی کو تھا کہ ایک اور گُل کھلا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اسّی برس کی ایک ضعیفہ نابینا ایک بچّے کے کاندھے پر ہاتھ رکھے سامنے سے چلی آتی ہے۔ یہ بوڑھی عورت محمود قاتل کی دادی تھی۔ یہ بچہ اس کا پیارا لڑکا تھا۔ جس کی ماں نے چھ دن ہوئے قضا کی تھی۔ لڑکے کی عمر سات برس کی۔ بالکل معصوم جب قریب پہونچی تو محمود نے ان کو بغور دیکھا اور منھ پھیر لیا۔ لڑکا کیا جانے کہ باپ پر اس وقت کیا مصیبت ہے۔ سمجھا کہ مجھ کو دیکھ کر پیار کے سبب سے منھ پھیر لیا۔ کہا ابا ہم نے دیکھ لیا۔ واہ ہمیں دھوکا دیتے ہو۔

ضعیفہ: محمود۔ محمود۔

محمود اس ضعیفہ کی آواز کا جواب دینے ہی کو تھا کہ زبان بند ہوگئی۔

لڑکا: ابا بولو اتنے دن کہاں رہے۔ دو دن سے ایک ٹکڑا روٹی کا بھی ہمیں نہیں ملا۔

محمود کا دل بھر آیا۔ حاضرین میں سے اکثر آدمی آبدیدہ ہوگئے۔ لڑکا ہنستا ہوا اپنے ستم رسیدہ باپ کے پاس گیا۔ جاتے ہی چمٹ کر یوں کہنے لگا۔

لڑکا: ابا اب چلو گھر۔

محمود نے لڑکے کو پیار کیا۔ گو بڑا ضابط آدمی تھا مگر آنسو بے اختیار نکل پڑے۔ لڑکے نے جو روتے دیکھا تو کہا۔ ابا۔ روتے کیوں ہو۔ بتاؤ کاہے کے واسطے روتے ہو ابا۔

صاحب سول سرجن مُعمّر اور بڑے رحم دل آدمی تھے۔ اس کیفیت دردانگیز کو دیکھکر ایک کونے میں جا کے خوب روئے۔ صاحب مجسٹریٹ سکتے کے عالم میں تھے۔ اردگرد کے حاضرین میں شاذ ہی کوئی ہوگا جو زار زار نہ روتا ہو۔

اس معصوم بچّے نے جو اپنے باپ کو اتنے دن بعد دیکھا تو مارے خوشی کے چمٹ ہی گیا اب جو ہتکڑی اور بیڑی پر نظر پڑی تو متحیر ہو کر یوں پوچھا۔

لڑکا: ابا لوہا کیوں پہنے ہو؟ اس کو اتار ڈالو۔ میرے ابّا اسے پھینک دو اور گھر چلو۔ اماں کل سے بھوکی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محمود: (کچھ کہنے کو تھا مگر آنسوؤں کا تار جو بندھا تو ایک ایک اشک گلوگیر ہو گیا)۔

لڑکا: ابا ابا (حیرت سے باپ کو دیکھ کر) روتے کیوں ہو بولو۔

جب محمود نہ بول سکا تو لڑکا بھی زار زار رونے لگا۔ ضعیفہ اب تک چپ چاپ کھڑی تھی۔ جب محمود اور اس کے ننھے سے بچے دونوں کے رونے کی آواز سنی تو بھیانک آواز سے یوں بولی۔

ضعیفہ: یا اللہ میں اب کچھ اور نہیں مانگتی۔ بس اتنا چاہتی ہوں کہ ذری دیر کے لیے میری آنکھیں کھل جائیں تو میں محمود کو نظر بھر کر دیکھ لوں۔

یہ کہہ کر ضعیفہ محمود کو چمٹ گئی مگر جیسے ہی ہتکڑیوں پر ہاتھ پڑا فوراً چیخ اٹھی اور غش کھا کے گر پڑی۔ لڑکے نے ادھر تو محمود کو روتے دیکھا اور ادھر ضعیفہ کی حالت زار دیکھی تو خوب چلا کر رونے لگا۔

لڑکا: ابا دیکھو اماں کو کیا ہوا۔

محمود نے اپنی بوڑھی دادی کو اٹھایا' اور کہا سنو! اب تو میرا بچنا غیر ممکن ہے۔ مگر مجھے افسوس یہ ہے کہ ہائے تم کو روٹی کون دے گا۔ اور اس بے چارے معصوم کو جس کی ماں ابھی ابھی مر چکی ہے کون پالے گا' اور اس کی کون خبرداری کرے گا۔

ضعیفہ: ارے محمود! اب میں کیا کروں بیٹا؟ ہائے! گھر تو کل اس منہار نے جلا دیا۔ جس سے تجھ سے لاگ ڈانٹ تھی۔ اس بچے کو اب روٹی کا ٹکڑا کون دے گا ہائے یہ بلک بلک کر مر جائے گا۔ ارے میرے محمود! تو نے اپنی جوانی مفت کھوئی۔

محمود: اماں میرا دل اس وقت۔

ضعیفہ: ارے کوئی حاکم اس کو بچا لو۔ ہائے! مجھے اس کے عوض پھانسی دے دو، چاہے۔ اف! اف! اف!

محمود: میرا، میرا، میرا۔

لڑکا: ابا تم روتے کیوں ہو گے؟ اماں تم کیوں روتی ہو گی؟

کیا نازک وقت تھا۔ حکام پر فرض تھا کہ ٹھیک وقت پر پھانسی دیں، لیکن بوڑھی عورت کا آنا اور لڑکے کا رونا، چلانا' اور محمود کی بے قراری اور اس کی دادی کی گریہ وزاری نے سب کو خون رلایا۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھایا صاحب مجسٹریٹ گریاں صاحب سول سرجن کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لب پر آہ وفغاں۔ سپرنٹنڈنٹ جیل نوحہ کناں خلقِ خدا افسردہ دل، وحیران، محمود کی روح شکل بید لرزاں۔

ضعیفہ نے ایک دفعہ ہی چیخ کر کہا کہ ہائے! ہائے! ہائے لوگو! میرا تو جیسے کوئی کلیجہ ملتا ہے۔ ارے دوڑو مری، مری، مر۔ دوبار مری، مری، کہہ کر، تیسری مرتبہ پھر (مری، کہنے کو تھی کہ دھڑ سے زمین پر گر پڑی۔ لوگ دوڑے کہ اٹھائیں۔ اس نے آنکھیں پھیر لیں۔ صاحب سول سرجن نے سینہ پر ہاتھ رکھا، نبض دیکھی، اور کہا سرد ہو گئی۔

اس وقت اس معصوم پیارے کا ڈاڑھیں مار مار کر رونا ستم ڈھاتا تھا۔ محمود گود میں لے کر اس کو بار بار سمجھاتا تھا۔ مگر سوچتا جاتا تھا کہ اس وقت تو میں اپنے لختِ جگر نورِ بصر کو کلیجے سے لگا کر سمجھاتا ہوں۔ ہائے ایک لمحے کے بعد جب میری لاش پھڑک رہی ہو گی تب کون اس کو سمجھائے گا۔ اس خیال کو محمود نے عین حالت مایوسی میں باآواز بلند ظاہر کیا تو چوطرفہ سے بکاؤ بین شیون وشین کی صدائیں بلند ہوتیں۔ کہرام مچا ہوا تھا۔

دو تین سو آدمیوں نے ٹھان لی کہ گورنمنٹ کی خدمت میں درخواست کریں کہ محمود کا قصور معاف کر دیا جائے۔ لیکن یہ خیال خام تھا۔ شہریاری کے لیے سیاست ضروری ولابدی ہے۔

شہسوار دل فگار بھی کل حال عبرت مآل بصد حزن و ملال دیکھ رہے تھے مارے رنج کے ان کا دل، دس دس ہاتھ اچھلنے لگا۔ اتنے میں صاحب سول سرجن نے کہ ازبس رحم دل بزرگوار تھے، آگے بڑھ کر یوں کہا۔

ڈ: (سول سرجن ڈاکٹر) محمود۔ میں سول سرجن ہوں تمہاری حالت دیکھ کر میں سیماب کی طرح تڑپ رہا ہوں۔ تمہارے پھانسی پانے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔ لیکن اب تم کو اپنی جان جانے سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ بچہ کس کا ہو کر رہے گا۔ میں مثل سچے عیسائی کے اقرار کرتا ہوں کہ تمہارے بچے کو اپنے لڑکوں کی طرح پالوں گا اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم دوں گا اب تم اس کی طرف سے بالکل بے فکر رہو، اور اپنے مرنے کی استقلال کے ساتھ تیاری کرو۔

محمود سول سرجن کی زبان سے یہ کلمے سن کر اس قدر مشکور ہوا کہ ادائے شکریہ اس کے امکان سے خارج تھا، اس درجہ خوش ہوا کہ پھوٹ پھوٹ کر رویا۔

لڑکا: ابا۔ اماں کو کیا بیماری ہے جیتی ہیں نہ؟

ڈ: ہاں ہاں تم روؤ نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لڑکا: پھر ابا تم کیوں روتے ہو؟
صاحب مجسٹریٹ: (مجسٹر) اب دیر ہوتی ہے۔
ڈ: بے شک مگر کیا کیا جاتے۔
سپرنٹنڈنٹ: کیا نازک مقام ہے۔ توبہ توبہ یہ تو ٹرپچڈی ہوگئی۔
ڈ: اُف! کیسی کچھ۔
محمود: ڈاکٹر صاحب! اب میرے سامنے میرے بچے کو آپ گود میں لیں تو میں اس مرنے کے وقت جی اٹھوں۔

سول سرجن نے لڑکے کو گود میں لیا اور محمود سے کہا کہ ہم اپنے ایمان کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اس لڑکے کو ہم مثل اپنے خاص بچوں کے پالیں گے۔

محمود: بیٹے تم ان کے پاس رہو۔ اب ہم کام کو جاتے ہیں۔
لڑکا: نہیں ابا ہم نہ مانیں گے۔
محمود: ہم جلد آجائیں گے بیٹے۔
لڑکا: جاتے کہاں ہو؟
محمود: ہائے ستم۔ میں اس سے کیا کہوں کہ کہاں جاتا ہوں۔ ابھی آجاؤں گا بیٹیا۔
لڑکا: ہم کو بھی لے چلو، ابا ہم کو بھی لے چلو، اتنے دن سے ہم تمہارے ساتھ کہیں نہیں گئے۔
محمود: ہم کو جانے دو۔ ہم ابھی آئیں گے۔
لڑکا: ہم بھی وہیں چلیں گے جہاں کو تم جاؤ گے میرا ابا لے چلو۔

محمود نے بوسہ لے کر کہا تم جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔ لڑکے نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ابا ہمیں ذری گود میں لے لو۔ محمود نے لڑکے کو گود میں لے کر خوب پیار کیا، اور کہا کہ بس اب جاؤ۔ لڑکا مچل گیا۔ لاکھ لاکھ جتن کیے مگر وہ گود سے نہ اترا، صاحب سول سرجن نے چاہا کہ گود سے لیں۔ مگر وہ خوب زور سے اپنے باپ کو چمٹ کر رونے لگا۔

لڑکا: ابا دیکھو یہ ہم کو لیے جاتے ہیں۔ ابا بچاؤ! ہائے ابا بچالو!

اس وقت محمود نے جی کڑا کر کے لڑکے کو زبردستی گود سے اُتارا۔ ہائے کیا درد انگیز اور حسرت خیز معاملہ ہے۔ ایک لڑکا جان سے زیادہ عزیز، پندرہ دن ہوتے کہ اس کی ماں نے قضا کی باپ سے چمٹ کر کہتا ہے کہ اب مجھ کو لے چلو، اور باپ اس درجہ مجبور کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنے نورِ بصر کو زبردستی ایسی حالتِ زار میں خود اپنی گود سے اتارے دیتا ہے۔

پولیس کے آدمیوں نے محمود کو چوطرفہ سے گھیر لیا۔ محمود کے ہاتھوں میں ہتکڑی، پاؤں میں بیڑی، خراماں خراماں باستقلالِ تمام مقتل کے رخ جا رہا ہے۔ پھانسی تک ہنوز نہ جانے پایا تھا کہ دفعتہً لڑکے کے رونے کی آواز کانوں میں آتی۔ اس وقت محمود کا دل بھر آیا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو جاری ہوگئے۔ پیچھے پھر کر بصد حسرت دیکھا' اور صاحب سول سرجن سے کہا کہ اگر مضائقہ نہ ہو تو میں اپنے بچے کو ایک دفعہ اور چھاتی سے لگالوں۔ صاحب مجسٹریٹ نے منظور کر لیا۔ کانسٹبل لڑکے کو لے آئے۔ اس مرتبہ وہ معصوم بچہ بڑی خوشی سے اپنے باپ کو چمٹ گیا۔ اور اس نے اور بھی زور سے چمٹا کہ کوئی چھوڑا نہ سکے۔ محمود کی آنکھوں سے اس وقت آنسو اس کثرت سے جاری تھے کہ اپنے بچے کو اچھی طرح دیکھ نہ سکا۔ گو محمود کی گریہ وزاری سے لڑکا بے قرار ہوا، مگر چوں کہ باپ سے ابھی ابھی زبردستی جدا کیا گیا تھا لہٰذا اپنے کو پھر بعد مایوسی اس کی گود میں پاکر نہایت ہی خوش ہوا۔ مگر افسوس کہ اس بے چارے کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کے باپ کا جس پر اس کو اس قدر بھروسا تھا دَم واپسین ہے۔ وہ پھانسی کو غور سے دیکھتا تھا، مگر یہ نہیں سمجھتا تھا کہ یہی وہ چیز ہے جو اس کو یتیم کر دے گی۔

محمود نے پھر جی کڑا کر کے لڑکے کو زمین پر آہستہ سے ٹیک دیا۔ اور مقتل کے رخ دوڑنے لگا۔ کانسٹبل نے لڑکے کو گود میں اٹھا لیا' اور روتا ہوا لے چلا کہ باپ کو پھانسی پر چڑھتے نہ دیکھ لے۔ لڑکے کی یہ کیفیت کہ گلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہا ہے۔

اتنے میں ضعیفہ کی لاش جو اتفاق سے نظر پڑی تو اور بھی پھوٹ پھوٹ کے رویا۔ ٹوپ چڑھادیا گیا۔ اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہوا، محمود پھانسی کے پاس گیا عین جس وقت جلاّد نے پھانسی دی محمود نے سنا کہ اس کا پیارا بچہ رو رو کر کہتا ہے کہ ابا ہم نے دو دن سے روٹی نہیں کھائی۔ ہمیں کچھ کھلا تو دو۔ یہ جگر خراش فقرہ اپنے لختِ جگر کی زبان سے اس بے کسی کی حالت میں سنا کہ سنتے ہی نصف سکنڈ میں پھانسی پر چڑھا۔ چاہتا تھا کہ صاحب مجسٹریٹ سے اتنی اجازت اور چاہے کہ اپنے پیارے لڑکے کو آخری مرتبہ اپنے سامنے کچھ کھلا دے۔ لیکن لاش پھڑکنے لگی۔ اس وقت حاضرین بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ پھانسی پانے کے وقت بھی محمود کے ہاتھ پاؤں مارنے سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ وہ دس منٹ کی اور اجازت چاہتا ہے۔ لاش سرد ہوگئی اور صاحب سول سرجن نے بادیدۂ مطروح و سینہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مجروح آن کر لاش کو دیکھا اور کہا ٹھنڈا ہو گیا۔

حضرات ناظرین! میرا خدا جانتا ہے کہ اس وقت طبیعت قابو میں نہیں ہے دل بھر آیا۔ جس وقت محمود کی حالتِ زار ہم یاد کرتے ہیں کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ ہائے افسوس! وائے افسوس اتنی ہی سی دیر میں کتنی دردانگیز باتیں وقوع میں آئیں۔ محمود کو پھانسی کا حکم سنایا گیا۔ بوڑھی عورت آئی۔ محمود کو اس حالت میں دیکھ کر مارے صدمے اور غم کے اس نے اپنی جان گنوائی بچے نے اس گریہ وزاری پر محمود کا چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ کانسٹبل نے زبردستی چھین لیا۔ محمود مقتل کے قریب آیا تو اس معصوم بچے نے ایک جگرخراش فقرہ سنایا۔ عین پھانسی پانے کے وقت محمود نے بصد حسرت سنا کہ اس کا لڑکا بھوک کی شکایت کر رہا ہے۔

اچھے سنگ دلوں کے دل بھی اس وقت پگھل کے موم ہو گئے۔ خلق خدا کی یہ کیفیت کہ کوئی شخص زار زار روتا تھا۔ کوئی حیرت کے ساتھ پھانسی اور نعش پر نظر ڈالتا تھا۔ کوئی اس ذرا سے بچے کو چمکار کر دلاسا دیتا تھا۔ کوئی ڈاکٹر صاحب کا ذکر زبان پر لاتا تھا۔ کوئی ڈاکٹر صاحب کی تعریف میں رُطب اللّسان تھا۔

شہسوار دل فگار جو یہاں سے چلے تو قدم قدم پر یہی سوچتے جاتے تھے کہ تارک الدّنیا ہو جائیں۔ ہوا و ہوس سے منھ موڑیں۔ حسد اور بغض سے کچھ واسطہ ہی نہ رکھیں۔ دل کی صفائی کو مقدم سمجھیں۔ سوچے کہ ہم بھی اس محمود کی طرح پھانسی پانے ہی کو تھے۔ خدا نے بہت بچایا۔ ایک دفعہ ہی انھیں یاد آیا کہ میرزا ہمایوں فر کے گھر میں آگ لگائی ہے۔ رنگ فق ہو گیا۔ جسم تھرّانے لگا۔ اللہ اللہ آتش زنی کا جرم! ہم بھی مجرم ہیں جس وقت جس کا جی چاہے ہمیں پکڑوا بلائے، اور ہم نے تو اپنے ہاتھ ہی کاٹ دیے۔ شہزادہ ہمایوں فر کو لکھ بھیجا کہ لو ہم نے آگ لگا دی۔ اقبالی مجرم ہو گئے۔ وہ شہزادہ صاحب جاہ و منال ہم درویش بے نوا پھٹے حال، ہمارا اس کا مقابلہ کیا۔ ابھی دس پانچ آدمی ادھر ادھر روانہ کر دے۔ چلیے ہم فوراً گرفتار ہو جائیں۔ ہم چشموں میں بے آبروئی ہو، ذلیل ہوں، خوار ہوں، سزا پائیں، قید خانے میں جائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہسوار اور جوگن کی ملاقات

دل میں ٹھان لی کہ اسی جوگن کے ہاں چل کے رہیں۔ گھوڑے کی باگ اٹھائی اور چلے۔ چلتے چلتے اس گاؤں کے قریب پہونچے، تو لوگوں سے جوگن کا حال اور پتہ پوچھنے لگے۔

شہ : (ایک کسان سے) کیوں جی یہاں کوئی جوگن رہتی ہے۔

کسان : (گنوار کالٹھ) ہاں رہت ہے۔

شہ : کہاں پر۔

گنوار : اودی کیتی۔

شہ : یہاں سے کس قدر فاصلہ ہے ؟

گنوار : ہاں

شہ : ہاں ! ہاں کیسا۔ ہم پوچھتے ہیں یہاں سے کس قدر بُعد ہوگا ؟

گنوار : ناہیں۔

شہ : (جھلاکر) پاگل ہے کون۔ ابے یہاں سے کتنی دور ہے۔

گنوار : جیسے ہم تمہاری بولی سمجھے ناہیں۔

شہ : لاحول ولا قوۃ۔

گنوار : ارے اب ہم (بیلا کوٹے) کا جانی کہ کا کہت ہیں۔

شہ : (آگے بڑھ کر) ارمیاں کہار ! یہاں کوئی جوگن رہتی ہے ؟

کہار : (کہہ) سنگھاڑے بوتے ہیں۔

شہ : کیا خوب۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہ : پہلے باہمن کھوایا جاتا ہے۔ ڈھٹونی اکاوس کے دن توڑے جاتے ہیں۔

شہ : (ہنسکر) ارے یہاں کوئی جوگن رہتی ہے ؟

کہ : اب لے صاحب آپ حاکم ہیں چاہے اپنے ہاتھ سے توڑلیں۔ کیڑے جائیں گے۔

شہ : (آگے بڑھ کر) او مزدور !

مزدور : (پیچھے پھر کر) ہاں صاحب.

شہ : ادھر آؤ !

مزدور نے دیکھا کہ ایک جوان رعنا کیت خوش خرام پر آسن جمائے آن بان کے ساتھ آرہا ہے سمجھا کہ مجھے بے گار پکڑے گا۔ شہسوار نے جیسے ہی کہا ادھر آؤ وہ جوتیاں چھوڑ کر بھاگا۔ ان کو جو دل لگی سوجھی تو انھوں نے بھی گھوڑا انیز کیا مزدور کے ہوش پرّان کہ آج قتل ہی گئے گئے۔

شہ : (ایک عورت سے) کیوں نیک بخت یہاں کوئی جوگن رہتی ہے ؟

عورت : ہاں ہاں رہت ہے۔

شہ : کہاں پر مکان ہے ؟

ع : بستی سے تنک دور۔

شہ : یوں چلا جاؤں نہ ؟

ع : سامنے جائے کے وہ جوں بکھری ہے' اوئی اُلنگ وہاں گھوم جاؤ۔

شہسوار عورت کے شکر گزار ہوئے' اور جس طرف اس نے پتا دیا تھا اسی سمت انھوں نے فرس باد رفتار کو سبک پویہ کیا۔ راستے میں ایک سفید پوش ان کو ملے۔ ان کی ملاقات کو غنیمت جان کر انھوں نے سوالات کرنے شروع کئے۔

شہ : کہاں کا عزم ہے حضرت ؟

سفید پوش : (سفید) ذرا کھیت دیکھنے جاتا ہوں۔

شہ : یہاں کوئی جوگن رہتی ہے ؟

سفید : (مسکرا کر) خیر۔

شہ : یہ مسکرانا اور خیر کہہ کر خاموش رہنا کیا معنی بندہ پرور ؟

سفید : اس پھیر میں نہ پڑیئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہ : نہیں یہ بات نہیں ہے۔
سفید : شریف اور مرد آدمی سمجھ کر عرض کیا۔ اب آپ کو اختیار ہے۔
شہ : واللہ میں کمال مشکور ہوا مگر؛
سفید : اگر مگر سب رکھا رہے گا۔
شہ : اچھا کچھ حالات تو بتایئے۔
سفید : نہایت کم سن عورت ہے؛ اور پری چہرہ ۔ بر اختیار جی چاہے کہ بوسہ لے لیجئے
چھریرا بدن۔ چال مستانہ، کمر نازک، اور ادا وہ بانکی کہ ہائے ستم وائے ستم۔
شہ : ہاں۔
سفید : پوری بات تو سن لیجیے۔
شہ : فرمایئے فرمایئے۔
سفید : قہر کی لگاوٹ باز ہے۔
شہ : پھر اس میں ہرج ہی کیا ہے اپنا۔ زہے طالع۔
سفید : مگر :-

درین ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

ایک لالہ نے دور سے بتایا کہ وہ مکان ہے۔ شہسوار نے اشہبِ باد رفتار کو کڑکڑا دیا اوردن سے داخل منزل مقصود ہوتے دیکھا کہ ایک فرح بخش و دلکش باغیچہ ہے اور ایک چھوٹا سا خوش نما بنگلہ۔ مکان کی صفائی مکین کے سلیقے پر دال ہے۔ مکان کیا پری خانہ تھا۔ پشت توسن سے اترے۔ جوگن ان کو دیکھ رہی تھی قریب جا کر سلام کیا۔ اور حسب اجازت ایک تپائی پر بیٹھے دیکھا تو لوٹ ہو گئے۔ اس نگار عربدہ جو کے پور پور پر جوبن تھا۔ جوانی پھٹی پڑتی تھی۔ خاک کف پائے زیبا کحل الجواہر چشم حور۔ از سرتا پا عالم نور زیبا پیکر نازک کمر، خوش ابرو، عنبر مو :-

چوں ہلال ابروش را ماہ نو از دور دید،
خم شد از تعظیم تا گوید مبارکباد عید

یہ ناز فروش، ستم کوش، از سرتا پا صندلی پوش تھی۔ یک رنگی ایسی بھاتی کہ کل پوشاک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صندلی ہی رنگ والی جس وقت وہ پری بصد شانِ دلبری قدم اٹھاتی تھی۔ کمر نازک زلف چلیپا کے بوجھ سے لچک جاتی تھی۔ مخلص کاشی؛ ے

گرد آں تاب کمر گردم کہ بایں نازکی
ایں ہمہ بار لطافت را بیک موئے کشد

شہسوار ہزار جان سے عاشق زار ہو گئے۔ سوچے کہ بس اب یہ سر ہے اور یہ در ہے؛ ے

جز آستانِ توام در جہاں پناہی نیست
سر مرا بجز ایں در حوالہ گاہی نیست

جوگن ان کی چتونوں سے تاڑ گئی کہ حضرت کا دل آیا ہے۔ عشق چمایا ہے۔ شہسوار دل فگار نے اٹھ کر اس مہ لقا کے قدموں پر ٹوپی رکھ دی، اور لسان الغیب حافظ شیرازی کا یہ کلام زبان پر لائے؛ ے

تا سایۂ مبارک افتاد بر سرم
دولت غلام من شد و اقبال چاکرم
شد سالہا کہ از سر من بخت رفتہ بود
از دولت وصال تو باز آمد از درم
من عمر در غم تو بپایاں برم ولے
باور مکن کہ بے تو زمانے بسر برم

اس بت سنگ دل نے تیکھی چتوں سے ان پر نظر ڈالی تو؛ ے

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

شہ: بڑی دور سے آپ کا شہرہ سن کر آیا ہوں۔

جوگن (ج): ہاں اکثر صاحب تشریف لاتے ہیں۔ اور شریف زادیاں بھی آتی ہیں۔ کوئی آئے تو خوشی نہیں۔ نہ آئے تو خواہش نہیں۔

شہ: چاہتا ہوں کہ عمر بھر آپ کے قدموں کے تلے پڑا رہوں۔

ج: فقیروں کے پاس کیا ہے۔

شہ: چاہے جو کچھ ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ج : ایک بوریا۔

شہ : ؎

روئے مقصود کہ شاہان بدرجامی طلبند
سببش بندگی حضرتِ درویشاں ست

ج : آپ کا مکان کہاں ہے۔

شہ : ؎

گھر بار سے کیا فقیر کو کام
کیا لیجے چھوٹے گاؤں کا نام
گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں
غربت زدہ کیا وطن بتاؤں

ج : یہاں کس مقصد سے آئے؟

شہ : رمتے جوگی تو یوں ہی ادھر بھی آ نکلے۔

ج : اچھا بیٹھیے۔ اچھی طرح۔ جو چونی بھوسی حاضر ہے۔ اس میں عذر نہیں۔

شہ : چونی بھوسی! (مسکرا کر) کیا بکری مقرر کیا ہے۔

ج : جو سمجھیے۔

شہ : جب دنیا تے دوں ہی کو چھوڑ بیٹھے تو کس کا کھانا اور کس کا پینا۔

ج : دنیا کوئی لاکھ چھوڑے تو کیا۔ کھانا پینا بھلا چھوڑا جاتا ہے۔

ج : آخر اتنا تو بتاؤ کہ تم کون ہو؟

شہ : آشفتہ حال، پریشاں روزگار۔

ج : کیوں؟

شہ : نتیجۂ اعمال۔

ج : (آہ سرد بھر کر) افسوس!

شہ : اعمال بد اور افعال بد کا نتیجہ بھی بد ہی دیکھا۔

ج : (ٹھنڈی سانسیں بھر کر) سچ ہے۔ سچ ہے۔

شہ : مجھے اس عشق نے غارت کر دیا۔ اِدھر کا رکھا نہ اُدھر کا رکھا۔

ج : عاشق کس پر ہوئے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہ: ایک بیگم کی دو مہ پارہ لڑکیاں ہیں۔ اُن سے آنکھ لڑی، تو بس قتل ہی ہو گیا۔ جیتے جی مر مٹا: ؎

عشق آیا قیامت آئی ہے
پارسائی پہ آفت آئی ہے
اک پری رو پہ جان کھوتا ہوں
سر بازار قتل ہوتا ہوں

ج: پھر وہ بیگمیں ہتے نہیں چڑھیں؟
شہ: وہاں ایک رقیب پیدا ہو گیا۔
ج: وہ کون؟
شہ: ایک جوانِ رعنا ہے۔ نہایت ہی حسین آدمی۔
ج: نام یاد ہے؟
شہ: میاں آزاد نام ہے۔ بڑا طرار۔ گل عذار۔ خوب رو۔ قوس ابرو۔

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانے کیا یاد آیا

شہسوار دنگ، کہ بارِ خدایا یہ ماجرا کیا ہے۔ ابھی تو بلبلِ ہزار داستان کی طرح بصد زبان چہک رہی تھی، اور ایک دفعہ ایسی خاموش ہو گئی کہ گویا زبان ہی نہیں۔ یہاں آزاد کا نام جو شہسوار کی زبان پر آیا، تو اس پیارے نام نے اس حزیں غمگیں مہ جبیں کو خون رلایا۔ نائرۂ غم تنور سینہ میں جوش زن ہوا۔ تھوڑی دیر تک سکتے کا عالم رہا۔ انواع واقسام کے خیالات درد انگیز نے دل میں جگہ پائی۔ آزاد کیا یاد آئے کہ آفت آئی۔ سوچی کہ ہائے یہ میں کس امید پر دھونی رمائے سب سے الگ تھلگ بستر جمائے جوگن کا بھیس بنائے یہاں بیٹھی ہوں۔ آزاد آئے نہ آئے۔ جذبۂ دل کا اثر اس کو میرے پاس تک لائے، نہ لائے اور اگر آیا بھی تو آزاد کے ساتھ نکاح ہو یہ خراب خیال ہے۔ وہ دل دادۂ حسن وجمال، ناطورۂ پری تمثال ہے۔ قول ہارا ہے۔ روم سدھارا ہے۔ ہائے یہ میں نے کیا کیا بیٹھے بٹھائے مفت کا درد سر مول لیا: ؎

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے ظلم اس کو بار کیا ہم نے کیا کیا
کیا جبر اختیار کیا ہم نے کیا کیا
اس رشکِ گل کی خواہش بوس و کنار کو
اپنے گلے کا ہار کیا ہم نے کیا کیا
آزادگی کو سلطنتِ ملکِ عشق کا
مختار کاروبار کیا ہم نے کیا کیا

راحت کھوئی۔ آرام کھویا۔ دین و دنیا سے ہاتھ دھویا۔ خیر پھر اب تو لکیر پر فقیر ہوئی جان کھپا ڈالوں گی۔ اور یہیں ڈھئی دیے بیٹھی رہوں گی۔ رنج و مصیبت سہوں گی۔ تا دم مرگ۔ آزاد ہی کے عشق کا دم بھروں گی۔ مرجاؤں مگر اُف تک نہ کروں گی آزاد کو کوئی بندۂ خدا میرے دردِ دل سے آگاہ کرے تو اس کی لونڈی ہو جاؤں۔ ع۔

اے بادِ صبا محفلِ احباب میں کہیو
دیکھا ہے جو کچھ حال تہِ دام ہمارا

شہسوار کی عقل دنگ، کہ یا اللہ! بیٹھے بٹھائے "یہ دفعتہً" اس درجہ افسردہ پژمردہ کیوں ہو گئی۔ ابھی تو چشمِ فسوں پرداز کو تعلیم ناز دیتی تھی، اور ابھی ابھی آنسوؤں کا تار بندھ گیا۔ جی کڑا کر کے انھوں نے پوچھا کہ اگر ناگوار نہ گزرے، اور بدل اجازت دیجیے "تو ایک سوال کروں؟

جوگن نے ٹھنڈی سانسیں بھر کر پھر رونا شروع کیا۔ شہسوار اور بھی متحیر ہوا۔ مگر سمجھ گیا کہ حسن وعشق کا جھگڑا ضرور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کسی جوان سیم تن پر اس کا دل آیا تھا، لیکن دل کی دل ہی میں رہ گئی ا ہ۔

فرقت میں اک صنم کی یہ تفرقہ پڑا ہے
دل ہم کو ڈھونڈھتا ہے ہم دل کو ڈھونڈھتے ہیں

چوٹ کھایا ہوا تو تھا ہی، جوگن کی حالت زار پر کمال افسوس کیا۔
شہ: آنکھیں لہو کی بوٹیاں ہو گئیں۔ ذرا دل کو ڈھارس دو۔
ج: ہٰہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یتیم جو میں جانتی کہ پیت کیے دکھ ہوئے
نگر ڈھنڈورا پیٹتی کہ پیت کرے نہ کوئے

اگر دانستم روز ازل داغ جدائی را
نمی کردم بدل روشن چراغ آشنائی را

جوگن عورت تھی دور اندیش۔ شہسوار کو درد دل کی اطلاع دینا' اور میاں آزاد کا نام لینا مصلحت وقت نہ سمجھی سوچی کہ آزاد کا رقیب ہے۔ خوف تھا کہ مبادا اس کا عاشق زار سمجھ کر مجھے صدمہ پہونچائے۔ بات ٹال دی۔ گو دل قابو میں نہ تھا' مگر ضبط گریہ کیا۔ دل ہی دل میں آزاد فرخ نہاد کو یاد کرنے لگی:ـ

خوف سے لیتے نہیں نام کہ سن لے نہ کوئی
دل ہی دل میں تمہیں ہم یاد کیا کرتے ہیں

شہ : میں نے کل سے دل میں ٹھان لی ہے' کہ تارک الدنیا ہو جاؤں۔

ج : تارک ہونا خالہ جی کا گھر نہیں۔

شہ : یہ سچ' مگر میں بوالہوس نہیں ہوں۔

ج : شاید۔

شہ : خوب یاد رکھیے مجھے دنیا سے نفرت ہوگئی۔ جس ماہ رو کو پیار کرتا تھا اور جس کے عشق کا دم بھرتا تھا اس نے میرے سامنے میرے رقیب کو منھ لگایا' اور مجھے آتش غم میں جلایا:ـ

رقیبا ز آتش ہجرش مہجور می سوزم
نمی سوزی تو از نزدیک من از دور می سوزم

ج : رقیب کون؟

شہ : وہی نوجوان رعنا' جس کا نام آزاد ہے۔

جوگن آزاد کا نام سن کر پھر ملول ہوگئی۔ شہسوار سے پوچھا کہ وہ آج کل ہیں کہاں۔ شہسوار نے کہا واللہ اعلم۔ مگر سنا روم گیا ہے۔

ج : وہ کون ایسا پرکالۂ آتش خوبرو جوان ہے جس کے سامنے تم ایسے گل بدن کی دال نہ گلی۔

شہ : ایمان سے کہوں یا لگی لپٹی؟

ج : لگی لپٹی کیا معنی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہ: مجھ سے وہ کمبخت ہر طرح اچھا تھا۔

کمبخت کا لفظ جو آزاد فرخ نہاد کی شان میں شہسوار کی زبان سے نکلا تو جوگن آگ بھبوکا ہو گئی۔ قریب تھا کہ شہسوار کو نکلوا دے، مگر سوچی کہ جھگڑے فساد سے کیا واسطہ۔ جب جوگن کے بھیس میں رہنے اور انواع اقسام کے مصائب سہنے لگے۔ تو اب غم و غصّہ کیسا۔ شہسوار بولا کہ روم گئے تو ہیں چڈّا، مگر خدا ہی ہے جو واپس آئیں۔ جوگن کے شیشۂ دل کو اور ٹھیس لگی، مگر اظہار ملال خلافِ وضع سمجھی۔

شہ: ۔

بھری وہ آتشِ عشق اس دل نگار میں ہے
کہ لاکھ برق نہاں جس کے ہر شرار میں ہے

ج: آزاد! ہائے آزاد! (ٹھنڈی سانس بھر کر)

شہسوار نے بگڑ کر جوگن پر نظر ڈالی تو اس شوخ ستم گر نے بات ٹالی۔ اور کہا، آزاد ہی نے تمہیں خراب کیا۔ یہ کانٹے اسی کے بوتے ہوئے ہیں۔ شہسوار دل میں از بس خوش ہوا کہ اس مہ لقا نے میرے ساتھ ہمدردی کی، اور میری بے قراری دیکھ کر آہ سرد کھینچی۔ مسرور ہو کر مزید آزمایش کے لیے یہ شعر پڑھا: ۔

مل گئے، پر حجاب باقی ہے
فکر ناز و عتاب باقی ہے
بات سب ٹھیک ٹھاک ہے لیکن
کچھ سوال و جواب باقی ہے

ج: اب کی عشرہ آئے، اور تمہاری مراد پوری ہو جائے۔

شہ: (اور بھی ریشہ خطمی ہو کر): ۔

ہم اپنے نالۂ دل کے اثر کو دیکھتے ہیں
وہ دیکھیں بزم میں پہلے کدھر کو دیکھتے ہیں

ج: تمہاری طرف، اللہ نے چاہا تو پہلے تمہاری ہی طرف نظر پڑے۔

شہ: (خوش ہو کر)

اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ج : جو چاہتے ہو کہ دل کی آرزو بر آئے تو ہماری صلاح پر چلو۔
شہ : (ہاتھ جوڑ کر) جو حکم ہو۔
ج : دل صاف رکھو۔
شہ : صاف ہے۔
ج : جوان عورت پر بری نظر نہ ڈالو۔
شہ : (آہستہ سے) تمہارے سوا اگر کسی اور پر نظر بد پڑے تو خدا کرے آنکھیں ہی پھوٹ جائیں۔
ج : یہی دل کی صفائی ہے ؟
شہ : خطا کی ہو تو سزا دو۔
ج : ذری بہت چل نہ نکلو۔
شہ : کیا مجال۔
ج : زمانہ نازک ہے۔
شہ : ہمارا عشق بھی پاک ہے۔
ج : تو خیر اس کا مضائقہ نہیں۔
شہ : کنٹر سے گلاب نکال لو، مگر بو تے گلاب باقی رہے گی۔ دنیا کو ترک تو کر بیٹھے، مگر عشق دل سے نہ جائے گا۔ اب تک عشق خام تھا اب عشق پاک ہے۔
ج : مانا۔ مگر بدلنے کی سند نہیں۔
شہ : قولِ مرداں جان دارد۔
ج : واہ مردوں کی بات کا اعتبار کیا۔ گھڑی میں کچھ گھڑی میں کچھ
شہسوار تھکا ماندا تھا سو رہا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوگن کا خوشنما بنگلہ

پردہ داری می کند بر قصر قیصر عنکبوت
چغد نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

لبِ جوئبار، ایک فراخ و وسیع میدان پر بہار ہے۔ یہ سرسبز و شاداب مقام کسی زمانے میں تاجداران ثریا جاہ اور خسروان کج کلاہ کا عشرت کدہ تھا، اور گولب روڈ بار واقع ہونے سے اب بھی پر فضا اور نزہت افزا ہے۔ لیکن جو لطف پیشتر تھا وہ اب کہاں۔ ممکن کیا تھا کہ پرندہ پر مارتا۔ اب یہ حال ہے کہ جا بجا کھنڈر اور پرانی عماراتِ عالیشان کی گری پڑی دیواروں کے ڈھیر ہیں۔ کہیں اونچا، کہیں نیچا، اگلے وقتوں کے لوگ بیان کرتے ہیں، کہ زمانۂ سابق میں خاص اس مقام پر نور کا عالم تھا۔ ایک احاطۂ فراخ میں جس نے دو میل زمین گھیری تھی۔ سو کمرے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے جس کی تعمیر میں شاہ فردوس آرام گاہ نے کم سے کم کروڑ روپیہ صرف کیا تھا۔ عمارت قابلِ دید تھی نہ شنید تھی۔ شاہِ کج کلاہ کو صفائی کا انتہا سے زیادہ خیال تھا، اور لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان سو کمروں میں سے اگر کسی میں ایک پر کاہ بھی نظر آتا تو خسرو ذی جاہ از بس بد دماغ ہو جاتے، اور جب تک کامل طور پر چپہ چپہ صاف نظر نہ آتا کھانا نہ کھاتے۔ خدام با ادب مزاج دان، اور خوش سلیقہ تھے۔ ہزارہا آدمی خاص اس غرض سے نوکر تھے، کہ صفائی کی طرف بدل متوجہ رہیں۔ ایک ایک کمرے میں لاکھوں کا اسباب اور سامانِ شاہی ہر دم مہیا رہتا تھا۔

نقل ہے، کہ ایک مرتبہ ایک شعبدہ باز نے جو امریکہ کے ملک سے آیا تھا۔ اور اپنے فن میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ید طولیٰ رکھتا تھا' شاہ عالی مقام ذوی المجد والاحترام کو انواع واقسام کے نادر نادر شعبدے دکھائے۔ اور خلعت پر خلعت پائے۔ ایک روز خسرو عالی پائے گاہ نے حکم دیا کہ ہم کو کوئی ایسا شعبدہ دکھاؤ جو کسی خاقانِ جہاں، وشہنشاہِ زمان نے نہ دیکھا ہو۔ شعبدہ باز نے کہا خدا کے فضل سے مجھے اس فن میں وہ ملکہ حاصل ہے کہ اگر پیٹ بھر کھانا پاؤں، اور حضور میرے کمال کی قدردانی فرمائیں تو تمام عمر روز ایک نیا شعبدہ دکھاؤں۔ تین دن کی مہلت کا طالب ہوا، اور اقرار کیا کہ تیسرے روز وہ شعبدہ دکھاؤں کہ ساری خدائی میں کسی نے نہ دیکھا ہو نہ سنا ہو۔ تیسرے روز شعبدہ باز کاملِ فن بحضور شاہ حاضر ہوا اور بصد آداب عرض کی کہ غلام حسبِ اقرار حاضر ہوا ہے جس وقت حکم ہو شعبدہ دکھاؤں۔ شاہ عالی مرتبت نے بہ طبیعت خاطر فرمایا کہ آج سہ پہر کو مابدولت واقبال ملاحظہ فرمائیں گے۔

حسب الحکم سلطان شہر بھر میں منادی کی گئی کہ آج سہ پہر کو ایک شعبدہ باز چابک دست جو اپنے فن کا مسلم الثبوت استاد ہے، اور جس کی شعبدہ بازی کے تمام عالم میں جھنڈے گڑے ہیں حضرت ظلِ سبحانی خلیفۃ الرحمانی کی فرمائش کے بموجب ایسا شعبدہ دکھانے والا ہے جو دنیا سے نرالا ہے۔ جس کسی کو دیکھنا منظور ہو حاضر آئے۔ کڑم دھم، کڑم دھم۔ اہل شہر وقت معینہ پر جوق جوق آئے، اور تھوڑی دیر میں کئی میل تک ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔ ایک عالم مشتاقِ نظارۂ شعبدۂ دلربا تھا جب جہاں پناہ کے حضور میں باریابان دربار سلطان نے گذارش کی کہ پیر و مرشد لکھوکھا آدمی جمع ہیں تو جہاں پناہ نے فرمایا کہ شعبدہ باز کو ہمارے حضور میں حاضر کرو۔ شعبدہ باز فوراً حاضر آیا۔ جھک کر سات بار آداب بجالایا۔ شاہ گیتی پناہ نے فرمایا کہ ساری خلقت مابدولت واقبال کے فرمان واجب الاذعان کے بموجب حاضر آئی ہے۔ کوئی ایسا شعبدہ دکھاؤ کہ حاضرین وناظرین میں سے ایک آدمی بھی محروم نہ جائے۔ شعبدہ باز نے دست بستہ عرض کی کہ جہاں پناہ کے ارشاد واجب الانقیاد کی بجا آوری بسر وچشم منظور۔ لیکن جان جوکھم ہے۔ بس اتنا خیال رہے۔

شعبدہ باز جو ایک خوبرو جوان طناز تھا شعبدہ دکھانے کے لیے آمادہ ہوا۔ بام فلک احتشام پر بیش بہا شال کا بلند و وسیع و فراخ وفیع خیمہ نصب ہوا اور خسرو ذی شان مع شاہزادگان عالم وعالیان بصد آن بان متمکن ہوئے۔ شعبدہ باز نے قسم کے زرق و برق کپڑے پہن کر اپنی چھولداری سے باہر آیا۔ اور خوشنما پٹارا کھول کر حاضرین کو دکھایا کہ اگر کسی شخص کو شک ہو تو بغور دیکھ لے، اس پٹارے سے ایک کم سن حسین ومہ جبیں عورت نکلے گی۔ جہاں پناہ نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حکم دیا کہ پٹارا ہمارے پاس حاضر کیا جائے' اسی دم چوب داروں نے چٹکیوں میں پٹارا جہاں پناہ کے پاس پہونچایا۔ اور بادشاہ نے مع شہزادگان نامدار کے چوطرفہ بہت غور سے دیکھا مگر پٹارے میں ایک سوراخ بھی نہ پایا۔ متحیر ہوکر وزرائے سلیقہ شعار اور اراکین باوقار سے کہا کہ ذرا سوچو اس پٹارے میں کیوں کر انسان چھپ سکے گا۔ وزرا نے بغور دیکھ بھال کر عرض کی کہ جہاں پناہ بجز حیرت کے اور کیا گذارش کریں۔ اتنا سا پٹارا اس میں بلّی کا بچہّ تک نہ بیٹھ سکے' بھلا عورت کیوں کر چھپ رہے گی۔ ایک ضعیف الاعتقاد آدمی نے کہا جہاں پناہ یہ سب جادو کا کھیل ہے۔ مگر شاہ ثریا جاہ جادو ٹونے کے قائل نہ تھے۔ مسکرا کر خاموش ہو رہے۔ اور پٹارا شعبدہ باز کے پاس بھیجدیا۔ اس نے پھر با آواز بلند کہا کہ جس کسی کو شک ہو خود دیکھ لے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اس پٹارے میں سے عورت نکلے تو لوگ اپنے اڑھائی چاول گلائیں۔ جس کا جی چاہے اسی دم عقل دوڑائے' اور جو کچھ کہنا ہو کہہ لے۔ اتنا ذرا سا پٹارا اور ایک سوراخ تک نہیں' اور ہلکا پھلکا۔ پچاس ساٹھ آدمی بھیڑ کاٹ کر شعبدہ باز کے پاس آتے اِدھر اُدھر ہر سمت پٹارے کو دیکھا مگر اپنا سا منہ لے کر چل دئے۔ ایک شہزادۂ گردوں مدار نے حکم دیا کہ دس' معتبر اور ذی شعور آدمی پٹارے سے دس' دس' قدم کے فاصلہ پر علیحدہ کھڑے دیکھتے جائیں کہ عورت اس میں سے کیوں کر آتی ہے۔ شعبدہ باز نے پٹارہ بند کر دیا۔ اور تھوڑی دیر تک زبان انگریزی میں کچھ کہا۔ اس کے بعد با آواز بلند للکارا' کہ پٹارے کی طرف دیکھتے رہو' عورت اس میں موجود ہے۔ وہ آئی، وہ آئی، نکل، نکل، نکل، نکل' ایک دفعہ ہی بندوق سرکی۔ دھائیں پلک جھپکنے کی دیر بھی نہیں ہوئی تھی کہ پٹارے کا ڈھکنا از خود اچک کر وہ گرا اور چودہ پندرہ برس کی ایک گل بدن غنچہ دہن یوریبن لیڈی کا جھمکڑا نظر آیا: ~

جلوۂ حسن رشکِ شعلۂ طور
چشمِ بد دور آنکھیں موتی چور
لب وہ نازک کہ جان دیدیجے
دہن ایسا کہ مچھیاں لیجے

تماشائی دنگ' کہ یہ مہ پارہ پری چہرہ اس پٹارے میں سے کیوں کر آئی۔ شعبدہ باز نے کیا آفت ڈھائی کہ لاکھوں آدمیوں کی آنکھوں میں خاک جھونک کر پٹارے میں سے یہ صورت.

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زیبا دکھائی۔ جہاں پناہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ ایک کمرے کا کل سامان تم کو بخش دیا۔ شعبدہ باز نے فرطِ غرور سے کہا کہ جہاں پناہ ابھی میرا شعبدہ ختم نہیں ہوا ہے۔ یہ تو فقط ایک چٹکلا تھا شاہ عالی مقام اور بھی محظوظ ہوتے۔ اور بصد شوق تماشا دیکھنے لگے۔ شعبدہ باز نے ایک ہاتھ بھر کی رسّی سب کو دکھائی، اور کہا کہ یہ ہاتھ بھر کی رسّی کائنات الجو کی حد تک پہونچے گی۔ جو یہاں سے پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں ایک دیو رہتا ہے۔ جس کا نام دنٹوسس ہے۔ وہ دیو اس رسّی کے دیکھتے ہی از بس خشم گین ہوگا، طیش کھا کر چاہے گا کہ کل رسّی کو گھسیٹ لے۔ میں اس کا سرا نہ چھوڑوں گا۔ اگر وہ زیادہ زور کرے گا تو میں بھی اس رسّی کے ساتھ ساتھ چلا جاؤں گا۔ وہاں مجھ سے اور دیو سے لڑائی ہوگی۔ اور خدا نے چاہا تو میں سرخرو آؤں گا لوگوں نے اس بیان کو غور سے سنا، اور حسب درخواست شعبدہ باز پانچ سو آدمیوں کو حکم دیا گیا کہ باآواز بلند کل حاضرین کو اس بیان سے مطلع کریں۔ رسّی جو دیکھی گئی تو بس ایک ہاتھ بھر کی تھی۔ بڑھتی تھی نہ گھٹتی تھی۔ رسّی لے کر شعبدہ باز نے پھر انگریزی میں کچھ کہا، اور ایک مرتبہ بندوق داغ کر رسّی جو پھینکی تو بڑھتی ہی چلی گئی۔ کوئی آدھ گھنٹے کے عرصہ میں لوگوں نے دیکھا کہ آسمان سے جا لگی۔ اور کھٹ کی آواز آئی۔ حاضرین مقام مذکور کے علاوہ ان لوگوں نے بھی یہ انوکھا شعبدہ دیکھا جو شہر میں تھے۔ اس وقت یہ کیفیت تھی کہ کوٹھے پھٹے پڑتے تھے۔ ہر محلے کے زن و مرد کوٹھوں پر سے سیر دیکھتے تھے۔ جسے دیکھو آسمان کی طرف نظر ہے، ادھر کھٹ کی آواز آئی ادھر آسمان پر گل لالہ کھل گیا۔ تماشائیوں کی آنکھیں جھپک گئیں۔ شرق سے غرب تک آسمان سرخا سرخ نظر آتا تھا۔ اس کے بعد گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا۔ اب لوگ متوحش ہوئے کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تاریکی بھی دور ہو گئی۔ مگر ایک سیاہ فام آدمی نظر آیا۔ ٹانگیں بیس بیس گز کی۔ ہاتھ پاؤں آنکھ ناک سب بھیانک :

دانت اس کے تھے گورکن قضا کے
دو نتھنے رہ عدم کے ناکے

رسّی کو شعبدے باز نے بہت زور سے پکڑا، مگر دیو نے اس روز سے گھسیٹی کہ شعبدہ باز بھی ساتھ ہی چلا گیا۔ دم کے دم میں رسّی اور شعبدہ باز اور دیو سب غائب۔ تب تو تماشائی اور بھی متحیر ہوئے کہ یہ عجب بات ہے، ہاتھ بھر کی رسّی اور آسمان تک بڑھتی چلی گئی۔ اور سرخی اور سیاہی آسمان بھر پر نمودار ہوئی اور پھر مطلع صاف۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیو کا نظر آنا، اور شعبدہ باز کا جانا، اور دونوں کا غائب ہونا، اور رسّی کا کھونا ان سب واقعات سے نہایت ہی حیرت ہوتی تھی۔ کل تماشائی مضطر و ششدر رہتے تھے۔ مگر شعبدہ باز کی حُور طلعت بیوی مسکراتی جاتی تھی۔

جہاں پناہ نے حکم دیا کہ اس زنِ ملک فریب کو یہاں لے آؤ۔ مقربان بارگاہ سلطانی نے جا کر کہا کہ لو اب تمہارا بخت خفتہ بیدار ہو گیا۔ حضرت سلطان عالم نے تمہیں یاد فرمایا ہے۔ اس غیرتِ خوبانِ فرخار نے نہایت کج ادائی سے کہا کہ کیا مجال، جب تک میرا شوہر نہ آئے گا اس جگہ سے ہرگز نہ ٹلوں گی۔ کیا خوب آپ کے بادشاہ تو بڑے رسیا معلوم ہوتے ہیں۔ کہ جوان کم سن خوب صورت حسین عورت کو اس کے شوہر کی عدم موجودگی میں اپنے پاس بلاتے ہیں۔

شعبدہ باز کی مہوش بیوی نے اسی طرح چمک چمک کر کہا کہ حضرت سلطان اور بھی رہیے، مگر لاکھوں آدمی کے سامنے اس حسینہ و جمیلہ کو زبردستی اپنے پاس بلوانا خلاف آداب شاہی سمجھ کر خاموش رہے۔ کنکھیوں سے اس زہرہ تمثال جاد و جمال کے رخسار تاباں پر نظر ڈالتے تھے، اور خدا سے دعا مانگتے تھے کہ شعبدہ باز مفقود الخبر ہی ہو جائے، تو شاید یہ پری وش ہمارے عقدِ نکاح میں آنا منظور کر لے۔ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ وہ غیرت حور، دراز قصور، بصد شانِ دل ربائی، چمک دمک کر بغیر کسی چیز کے سہارے کے ہُوا میں کھڑی ہو گئی تماشائیوں نے نعرۂ سُبحان اللہ بلند کیا۔ اس وقت اس نازنین کا جمال میں دیکھنے کے قابل تھا۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ حسن کی تصویر کاتب قدرت نے ہوا پر کھینچ دی ہے۔ وہ ناز و انداز کہ دیکھا نہ سنا۔ اس پر ستم یہ ڈھایا کہ ہوا ہی پر ناچنے لگی۔ تماشائی ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ حضرت شاہ جمجاہ کی تو یہ کیفیت ہوئی کہ جان پر بن آئی تھی۔ بے اختیار جی چاہتا تھا کہ چاہے فقیری نصیب ہو مگر یہ حور شمائل ضرور ہتھے چڑھے۔ بار بار آسمان کی طرف دیکھتے تھے اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے کہ مطلع صاف ہے۔ گرد و غبار سرخی تاریکی کچھ بھی نہیں۔ شک کی جگہ یقین ہوا کہ شعبدہ باز کو دیو نے قتل کر ڈالا۔

بادشاہ کی تو یہ کیفیت تھی، اب ولیعہد تاج و تخت کا حال سنیے! کہ ان کو جو عشق چرا یا تو جنوں کی سی حالت ہو گئی۔ اپنے آپے میں نہ تھے۔ بے اختیار جی چاہتا تھا کہ گلے لگا لیں۔ مگر خون جگر پی پی کر رہ جاتے تھے۔ ان کے چہرے سے جنوں کی کیفیت صاف ظاہر ہوتی تھی: ؎

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل میرود زدستم صاحب دلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

تماشائیوں میں بھی اکثر نوجوان عاشق تن چوٹ کھا گئے۔

اتنے میں اس بت طناز وسراپا ناز کی زلف عنبر بار جو کھل گئی تو لٹیں کمر کی خبر لائیں اور رخ تاباں کے اِدھر گرد مار سیہ کی طرح لہرائیں۔ امیر خسرو:

عجب پرپیچ وتاب افتاد زلف بجوز نجیر ش
مگر دست قضا لرزید در ہنگام تحریر ش

آخر وہ ناظورۂ دل فریب حاضرین اور اراکین وشہزادگان با تمکین کو اپنے جمال مبین کا فریفتہ وشیدا کر کے ہوا ہی پر سے اٹکھیلیاں کرتی ہوئی زمین پر آئی ادھر زمین پر اس عابد فریب عدوئے صبر وشکیب نے قدم رکھا۔ ادھر آسمان پر حشر بپا ہوا۔ بادل کے ٹکڑے ہٹتے ہی دیو دنتوسس نمودار ہوا۔ اور دوسرے ٹکڑے سے شعبدہ باز نکلا۔ شعبدہ باز کے دیکھتے ہی تماشائیوں نے خوب غل مچایا۔ اور ادھر دونوں میں لڑائی ہونے لگی۔ دیو اس زور سے چیخ اٹھا کہ گہوارۂ زمین ڈانواڈول ہو گیا۔ شعبدہ باز بھی رعد کی طرح گرجنے لگا۔ دیو نے اپنا منہ جو قعر جہنم کا نمونہ تھا کھولا اور شعبدہ باز کی طرف جھپٹا۔ شعبدہ باز کی بیوی نے ایک سبز کپڑا اوپر کی طرف پھینکا۔ وہ کپڑا سیدھا اڑتا ہوا دیو کے سر پر پہونچا۔ اور وہاں گولا بن کر پھٹا تو دیو نظر سے غائب ہو گیا' اور ایک اور پارۂ ابر سے نکلا۔ اس مرتبہ دیو کے ہاتھ میں ایک بانس تھا جس شعبدہ باز کے سر پر چوٹیں لگاتا تھا۔ مگر شعبدہ باز ہر بار بچ بچ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ شعبدہ باز نے بانس کو پکڑ لیا۔ اب دل لگی دیکھیے کہ ایک طرف سے شعبدہ باز دوسری جانب سے دنتوسس زور کر رہا ہے۔ جب دنتوسس کسی قدر غالب آیا' اور شعبدہ باز کا دم پھول گیا' تو اس حور طلعت نے ایک چاقو آسمان پر پھینکا۔ چاقو نے اس بانس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ آدھا دیو کے پاس اور آدھا شعبدہ باز کے ہاتھ میں۔

ولیعہد نے اس عورت سے پوچھا کہ لڑائی کا انجام کیا ہوگا۔

لیڈی: دل، (یعنی شعبدہ باز کی ہمراز) خدا جانے۔

ولیعہد: آخر کچھ تو معلوم ہو!

ل: ترش ہو کر، فتح یا شکست۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ولیعہد: شکست کا انجام کیا ہوگا؟

ل: موت۔

ولیعہد: تو لڑتے کیوں ہیں پھر۔

ل: ان کی مرضی۔

ولیعہد: تم ان کو منع کیوں نہیں کرتیں۔

ل: (مسکرا کر) وہ آسمان پر، میں زمین پر منع کیوں کر کروں۔

بادشاہ: ہماری عقل دنگ ہے۔

ل: ہوا ہی چاہے۔ ان کے شعبدوں سے دنیا بھر کی عقل دنگ ہے۔

بادشاہ: خدا کرے زندہ آئیں۔

ل: بس اب باتیں نہ کیجیے۔ مجھے ادھر دیکھنے دیجیے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دیو اور شعبدہ باز میں تلوار چل گئی۔ اِدھر دیو تیغ دو پیکر سوت کر جھپٹا، اور ادھر شعبدہ باز نے سبز کاشانی مخمل کے غلاف سے شمشیرِ خار شگاف چمکائی دونوں پینترا بدل بدل کر وار کرنے لگے، دیو سے ایک مرتبہ تلوار چھٹ گئی مگر دوسرے ہاتھ سے اس نے فوراً روک لی۔ شعبدہ باز نے کڑک کر مونڈھے پر تلوار لگائی مگر ہاتھ چھچھلتا ہوا پڑا دیو نے خشم گین ہو کر ایک اور تلوار دستِ چپ میں لی، اور دونوں تلواروں سے حملہ کرنے لگا۔

اس سانحہ ہوش ربا کو دیکھ کر وہ زنِ خوب رو ڈاڑھیں مار مار کر رونے لگی۔ ادھر آسمان پر وہ ہنگامہ بپا تھا۔ ادھر زمین پر یہ شور و بکا تھا۔ اس معشوقِ شیریں حرکات کے رونے سے کل تماشائیوں کا دل بھر آیا۔ ہر فرد بشر زار زار رونے لگا۔

اتنے میں دیکھتے کیا ہیں کہ دونوں نے تلواریں پھینک دیں۔ اور دور دور کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔ اس پر اس ستم زدہ نے باآواز بلند کچھ کہنا شروع کیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنے شوہر کو کچھ سمجھاتی ہے۔

ل: بائیں آنکھ۔ بائیں آنکھ۔ چرب، چرب، چرب۔

لوگ متحیر کہ یا الٰہی بائیں آنکھ سے کیا مطلب ہے اور یہ چرب چہ معنی دارد۔

اس نے اشارے سے کچھ پوچھا۔

ل: آں، آں، آں، آں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لوگوں نے دیکھا کہ لیڈی کے آن، آں، کہنے سے شعبدہ باز آگے کی طرف بڑھتا جاتا ہے۔

ل ؛ رائٹ ہنیڈ، یوفول، رائٹ ہنیڈ۔

شعبدہ باز دائیں طرف آگیا۔ اور آتے ہی دیو کے سر پر اس زور سے دو ہتھڑ لگایا کہ دیو پیچھے ہٹا۔

ل ؛ ہولڈ آن ہولڈ آن۔

شعبدہ باز اسی مقام پر کھڑا رہا، تو دیو نے جھپٹ کر ایک چپت لگائی اور شعبدہ باز کی زبان سے ہائے لفظ بے اختیار نکل گیا۔ اس پر لیڈی نے زمین پر مارے غصّے کے پاؤں کو زور سے دے پٹکا۔ شعبدہ باز اس صدمہ سے نیم جان ہوگیا تو دیو خوب ہی کھل کھلا کر ہنسا۔ اور اس کے بڑے بڑے دانت دیکھ کر تماشائیوں میں سے کوئی دو تین ہزار بزدلوں نے مارے ڈر کے آنکھیں بند کر لیں۔

ل ؛ ڈون اپان ہم۔ ڈون اپان ہم۔

شعبدہ باز یہ سن کر دنوسس پر جھپٹا، اور جھپٹتے ہی چپت دی تو دیو سر سہلاتا ہوا پیچھے ہٹا۔ پھر لیڈی نے غل مچایا کہ ہولڈ آن ہولڈ آن۔ یعنی آگے بڑھ کے ایک اور دے، لیکن شعبدہ باز پھر رُک رہا۔ اس پر لیڈی بہت ہی جھلائی۔

اتنے میں دیو نے جھپٹ کر شعبدہ باز کی گردن ہاتھوں سے پکڑ لی، اور کئی بار جھٹکے دئے۔ شعبدہ باز بالکل بے قابو ہوگیا۔

اتنے میں دیو نے ایک ہاتھ کاٹ ڈالا اور کٹا ہوا ہاتھ سیدھا اس چھولداری کے قریب گرا۔ بڑا غل مچا۔ لاکھوں آدمی ایک دفعہ ہی چلا اٹھے، اور وہ بُت پندار فرطِ اَلَم سے زمین پر گر پڑی۔ حضرت جہاں پناہ نے حکم دیا کہ اس کو بہ آرام تمام کمال ادب و تعظیم کے ساتھ اٹھالاؤ چنانچہ خدام ذوی الاحترام نے ویسا ہی کیا۔

لیڈی نے جو ولیعہد پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ :-

بالائی سرش زہوش مندی
میتافت ستارۂ بلندی

بادشاہ زادہ اور جوان کوئی بیس برس کا سن۔ اور خوب رو، مرغولہ مو، چہرے سے رعب و آداب شاہی نمودار تھا۔ ریجھ گئی، اور بے دھڑک ہاتھ پکڑ کر کرسی پر جا بیٹھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب دیو اور شعبدہ باز دونوں تھک گئے۔ کچھ یہ سمجھے کچھ وہ سمجھے۔ دونوں ذرا ستانے لگے۔ ولیعہد کو خوب موقع ملا اس بت رنگین ادا کے نازک نازک ہاتھوں کو پیار سے اپنے ہاتھ میں لے کر بے دھڑک گھل گھل کے باتیں کرنے لگے۔ سچ ہے ؛ ؎

عشق تا خام ست باشد بستۂ ناموس ننگ

پختہ مغزان جنوں را کے حیا زنجیر پاست

ولی عہد اس وقت اس قدر محظوظ و مسرور ہوا کہ گویا جامے میں پھولا نہ سمایا۔ مارے خوشی کے آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ جاری ہو گئے۔ اس مہ رو نے اپنے ریشمی رومال سے اپنے عاشق زار کے آنسو پونچھے، اور کہا۔ اب کسی اور امر کا خیال کرو۔

اتنے میں دیو اور شعبدہ باز پھر جٹ گئے۔ دیو نے منہ کھولا، اور لپک کر شعبدہ باز کو کاٹ کھایا۔ تھوڑی دیر میں اس بے چارے کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ کے گر پڑا۔ اور پھر غل مچا۔ دس منٹ تک برابر اس قدر غل مچتا رہا کہ کان پڑی آواز کسی کو سنائی نہیں دیتی تھی۔

دیو کے ہاتھ میں ایک خارا شگاف تیغ نظر آیا۔ اور لوگوں نے دیکھا کہ اس نے ایک ہاتھ ایسا بھرپور لگایا کہ شعبدہ باز کی دونوں ٹانگیں کٹ کر گر پڑیں۔ اس کے بعد دھڑ کے بھی کوئی بہتر ٹکڑے کر ڈالے۔ اور سر دیو لے بھاگا۔

خلقِ خدا اس انوکھے شعبدہ کو حیرت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ شعبدہ باز کی یہ گت بنی تو وہ پری چشم بجلی کی طرح چمک دمک کر بادشاہ کے سامنے آئی۔ اور دونوں ہاتھ اونچے کر کے کچھ کہا۔ تو چند بونے نظر آئے، اور وہاں خود بخود آگ پیدا ہو گئی۔ اس آگ میں کے شعلے آسمان کی خبر لاتے تھے۔ وہ شعلہ رو جل بھن کر خاک ہو گئی۔ اور بونوں نے اس خاک کو اٹھایا تو وہ ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ دم کے دم میں نظر سے اوجھل۔

شاہ زماں انگشتِ حیرت بدنداں۔ خلق خدا گریہ کناں ایسا شعبدہ کسی نے کبھی کاہے کو دیکھا تھا۔ عین مایوسی کی حالت میں لوگ اپنے اپنے گھر جانے ہی کو تھے کہ آسمان پر ایک شعلہ نمودار ہوا دیکھتے دیکھتے اس شعلے سے ایک ہاتھ نکلا۔ پھر دوسرا ہاتھ ظاہر ہوا۔ اس کے بعد ایک ٹانگ دکھائی دی۔ تماشائی بغور و تعمق دیکھتے جاتے تھے۔ ان لاکھوں آدمیوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس کی نظر آسمان کے رخ نہ ہو۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد اس شعلے میں سے ایک آدمی نکلا۔ دیکھا تو وہ ہی شعبدہ باز ہے۔ اس وقت وہ شور مچا کہ الاماں! شعبدہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باز فوراً زمین پر آیا اور شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بجا لایا۔ تماشائی متحیر کہ یا الٰہی یہ بشر ہے یا فرشتہ۔

شعبدہ باز: (ش) (بادشاہ سے) جہاں پناہ اس وقت میں بالکل شل ہو گیا ہوں۔

با: کارے کردہ شاباش۔

ش: گھنٹوں لڑائی رہی۔ طرح طرح کی مصیبت سہی۔

ولیعہد: بارے صحیح سلامت تو آئے۔

ش: حضور کے اقبال سے۔

وزیر: تم باکمال آدمی ہو۔

ش: جہاں پناہ وہ میری برق دم جورو کہاں ہے۔

با: کمال افسوس ہے کہ تمھاری حالت زار دیکھ کر وہ بے چاری جل مری۔

ش: کیا! جل مری! اے نہیں حضور۔

ولیعہد: (آبدیدہ ہو کر) ہائے افسوس وائے افسوس!

ش: حضور میری بیوی مجھ کو مل جائے ورنہ میں اپنی جان دوں گا۔ اور چاہے حضور توپ کے مہرے اڑا دیں، مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ مرزا ولی عہد بہادر نے اس کو گھر ڈال لیا۔

با: اس وقت تم جو چاہے کہو تمھارا قصور قابل معافی ہے۔

ش: حضور میری جورو تمام امریکہ کی لیڈیوں میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ حسن و جمال میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ میرزا ولی عہد بہادر نام خدا ابھی جوان ہیں۔ جوان کیا معنی عنفوان شباب ہے۔ اس سے سانٹھ گانٹھ کر لی ہوگی۔

ولیعہد: یہ لاکھوں آدمی دیکھ رہے تھے کہ وہ جل کے خاک ہو گئی، اور اس تودۂ خاک کو چھ بونے اٹھا لے گئے۔

ش: جہاں پناہ غریبوں پر کرم کرنا چاہیے۔

با: تم سب سے پوچھ دیکھو کہ کیا ہوا۔

ش: حضور یہ سب حضور کی رعایا ہے۔ میری سی کون کہے گا۔ بھلا بس صاف ظاہر ہے کہ اس کی اٹھتی جوانی اور اس کا چہرہ نورانی میرا دشمن ہوا اور میرزا ولی عہد بہادر کو بادشاہ ذی جاہ کا لڑکا اور کلے ٹھلے کا گبھرو دیکھ کر ریجھ گئی۔ اب میں نے اس سے ہاتھ دھویا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

با : بولو تم کو کیا انعام دیں۔
ش : جہاں پناہ جب تک میری بیوی مجھے نہ ملے گی میں کچھ نہ لوں گا اور اپنی جان دوں گا۔
ولیعہد : یا الٰہی اس کو کیوں کر کوئی سمجھائے۔
وزیر : بڑی خرابی ہے۔
ش : ہاں جس کی خرابی ہے اس کی ہے۔ میرزا ولی عہد بہادر کی تو بغل گرم ہوگی۔ مجھ پر البتہ اوس پڑ گئی۔ ہائے ایسی ماہ رو اب مجھے بھلا کہاں ملے گی۔
وزیر : تم ذرا دم تو لو ہم کُل باتیں تم کو سمجھا دیں گے۔
ش : بس میں سب سمجھ گیا۔ فیری فیری۔ ڈیر فیری۔
شعبدہ باز نے جو اپنی پیاری بیوی فیری کو تین بار آواز دی تو فیری نے کہا ہیلو ڈیما یہ کہہ کر وہی برق وش جو ابھی ابھی جل کے خاک ہو گئی تھی، بصد ناز و انداز میرزا ولی عہد بہادر کی کرسی کے نیچے سے نکل کر سامنے آن کر کھڑی ہوئی، اور شعبدہ باز نے قہقہہ لگا کر اس کو گلے لگا لیا۔
ش : دیکھا میں تو کہتا ہی تھا کہ میرزا ولی عہد بہادر کا اس پر دل آیا ہوگا۔
ل : یہ تو مجھ کو اپنے گھر ڈالنے کو کہتے تھے۔
ش : میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔
اس شعبدے سے خسروِ گیتی پناہ ازبس محظوظ ہوئے۔ اور بہ طیب خاطر فرمایا کہ جو انعام مانگے دیا جائے شعبدہ باز نے عرض کی کہ جہاں پناہ میں تو ایک غریب آدمی ہوں، لیکن حضور کے غلاموں کو میں نے خوش کر دیا ہے، اب حضور ہی زبان مبارک سے کچھ فرما دیں۔
با : دس کمروں کا سامان دے دیا جائے۔
ش : ۔ (آداب بجا لا کر) حضور میری بڑی قدر دانی کی۔ مشہور ہے کہ دس کمروں کا سامان تخمیناً اٹھاسی کروڑ روپے کا تھا۔ شعبدہ باز مالا مال ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔
یہ مقام دلکش ہے جہاں سڑکوں پر پانی کے عوض کیوڑا چھڑکا جاتا تھا، اور جہاں فواروں اور آبشاروں میں عطر ہی عطر نظر آتا تھا۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایوانِ خاص میں وہ تیاری تھی کہ شاہانِ ہفت اقلیم نے وہ سامان آرائش کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔
دو ہزار نوخیز و نوجوان خواصیں از سرتا پا عالمِ نور غیرتِ پری رشکِ حور عجب ٹھسّے کے ساتھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رہتی تھیں۔ روایت ہے کہ ایک خواص نے کسی فقیر کو اپنا نصف زیور بخش دیا تو اس کو بیچ کر فقیر ستائیس مرتبہ حج عتبات عالیات کے لیے گیا' اور ہندوستان کے دو ہزار شہروں میں اس نے مسجدیں بنوائیں (واللہ اعلم)

ایک ایک خواص کا ادنی سا خرچ یہ تھا کہ سات آٹھ من الائچی سے کم ہر روز صرف میں نہیں آتی تھی۔ خواصوں کی سواری کے ساتھ دو دو سو خاص بردار نکلتے تھے۔ اور ہٹو بچو دور باش و ادب کی آواز کوسوں جاتی تھی۔

یہ اس خسرو گیتی پناہ کے قیام کا مقام ہے' جس کے رعب سے شیروں کے کلیجے دہل جاتے تھے۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ اِس طرف سے ایک بد تمیز سانڈنی سوار جاتا تھا۔ جہاں پناہ نے پوچھا یہ سانڈنی کس کی ہے؟ بادشاہ کو دیکھ کر ساربان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ گھبرا کر بولا (جہاں پناہ! یہ اونٹ چند کی وتی ہے) یہ سانڈنی دیپ چند نامے خزانچی کی تھی ساربان ایسا گھبرایا کہ دیپ چند کو اونٹ چند واٹنی کو دتی کہ اٹھا۔

نقل ہے کہ ایک بار جہاں پناہ کی سواری نکلی۔ شہر میں پیشتر ہی سے آئینہ بندی ہو چکی تھی۔ جلوس عظمتُ مانوس' اور حشم و خدم کے ساتھ حضرت ظلِ سبحانی' خلیفۃ الرحمانی فیلِ کوہ شکوہ پر بصد طنطنہ شہریاری' و دبدبۂ جہاں داری' سوار تھے۔ خلق خدا کا وہ ہجوم اور بادشاہ وقت کی سواری کی وہ دھوم کہ دیکھئے آسے تعلق رکھتا تھا چھتیں پھٹی پڑتی تھیں۔

جہاں پناہ نے ایک چھت پر نظر جو ڈالی تو ایک حلوائی کی عورت سے چار آنکھیں ہوئیں وہ اس قدر خائف ہوئی کہ وضع حمل ہو گیا۔ جب جہاں پناہ کو خبر ہوئی تو چھ لاکھ کی جاگیر اس کو بخش دی۔ واللہ اعلم۔

روایت ہے کہ شاہِ ذوی الاحترام باشان و شکوہ ایک بار فرس باد رفتار پر سوار رمنے کی طرف ہوا کھانے جے تھے۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک وتا مست ہاتھی سامنے سے جھومتا ہوا آتا ہے' اور جس کسی کو راہ میں پاتا ہے' سونڈ سے فوراً اچھال دیتا ہے۔ لوگوں نے ڈرتے ڈرتے سمجھایا کہ حضور اس وقت گھوڑے کی باگ پھیر دیں۔ بادشاہ نے اپنے رعب کے زعم میں گھوڑا بڑھایا' اور جب ہاتھی ذرا قریب آیا تو للکار کر کہا کہ بس خبردار آگے نہ بڑھنا! بس رک کر ہاتھی فوراً بیٹھ گیا' اور جہاں پناہ پشت توسن سے اتر کر گردن پر جا بیٹھے یہ رعب جما تھا کہ انسان تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

انسان حیوان تک ان کی ڈانٹ میں آجاتے تھے۔ اور نام سننے سے مارے خوف کے تھرّاتے تھے۔ مشہور ہے کہ ایوان خاص میں دو سو من عطر روز چھڑکا جاتا تھا! اور کئی ہزار گندھی شاہی ملازم تھے۔ واللہ اعلم۔

اسی مقام پر جوگن کا چھوٹا سا خوش نما بنگلہ تھا۔ اور شہسوار اور جوگن دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

نئی روشنی والے اس مقام کے پرانے تاریخی حالات کو ڈھکوسلا سمجھتے ہیں۔ وہ اس کے معتقد نہیں کہ شعبدہ باز نے یہ کرتب دکھائے اور اتنا روپیہ پایا' اور خواصیں اس ٹھسّے سے رہتی تھیں۔ یہ ان باتوں میں سے کسی بات کو نہیں مانتے۔ اور نہ کسی کو سچ تصوّر کرتے ہیں، مگر پرانے فیشن والے عموماً ان سب باتوں کو آمنّا صدّقنا تسلیم کرتے ہیں۔

شہسوار: اب ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے ہی ساتھ زندگی بسر کریں۔

جوگن: زہے نصیب۔

شہ: آزاد اس کے ساتھ رہیں، ہم تمہارے ساتھ۔

ج: آزاد کو وہ' اور ہم کو تم مبارک ہو۔

شہ: آمین۔

ج: بھلا تم آزاد کو پاؤ تو کیا کرو؟۔

شہ: کچا چبا جاؤں۔

ج: (بگڑ کر) ہاں تو پھر ہم سے نہ بنے گی۔

شہ: کیوں؟

ج: دل صاف رکھو تو ہم سے تم سے بنے ورنہ اپنی راہ لگو۔

شہ: اب آج سے آزاد کا ذکر بھی نہ کریں گے۔

ج: اگر اس وقت آزاد ملے تو کیا کرو؟

شہ: جھک کر سلام۔

ج: اس سے ہاتھا پائی کرنے میں تمہارا ہی نقصان ہے۔

شہ: بے شک اب یہ ذکر جانے دو۔

ج: شہ آج سے تم یہیں رہو، مگر دل کی صفائی مقدّم ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہ: حکم کا تابع ہوں۔
ارد گرد کے گنوار ان پڑھ جاہل ضعیف الاعتقاد تو تھے ہی شعبدہ باز کے کرتب ان کو بخوبی یاد تھے۔ اِدھر بچہ بیمار ہوا، انھوں نے کہنا شروع کیا کہ وہی نٹ اس کے سر پر آیا ہے چاہے کوئی عارضہ ہو، مگر وہ جھاڑ پھونک سے باز نہ آتے۔ مہینے میں دس پانچ عورتوں کے سر پر نٹ ضرور آتا تھا۔ جوگن نے مشہور کیا کہ بھوت پریت آسیب کے دفعیے کے اس کو اچھے اچھے گر یاد ہیں۔ صدہا گنوار دور دور سے اس کے پاس آتے تھے۔ یہ جھوٹ موٹ جھاڑ پھونک کر کے ان سے کچھ نہ کچھ اینٹھ لیتی تھی۔ ایک گھوسی کا لڑکا جوگن کی دعا سے اچھا ہوگیا تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ ہر روز صبح و شام آدھ سیر دودھ جوگن کے پاس ضرور لے جاؤں گا۔ ایک کسان عین نزع کی حالت میں تھا۔ اس نے لوگوں سے کہا کہ جوگن کو لاؤ شاید وہ کوئی ایسی دعا دے جس سے میں صحیح ہو جاؤں۔ جوگن حسب الطلب گئی، اور حسن اتفاق سے وہ کسان بچ گیا۔ کسان کمال ممنون ہوا اور اس دن سے مہینے میں دس بارہ سیر غلّہ برابر جوگن کے ہاں بھیجنے لگا۔ اسی طرح جوگن کو کھانے بھر کا بخوبی سہارا ہوگیا۔ کسی بات کی پروا نہ تھی ایک دن جوگن اور شہسوار صبح کے وقت بیٹھے باتیں کر رہے تھے، کہ ایک بوڑھے کھوسٹ نے آن کر کہا کہ بڑا غضب ہوگیا۔ ہائے اگر یہ ہمارے گاؤں کی جوگن وہاں ہوتیں تو اس بے چاری پر تباہی کیوں پڑتی۔ شہسوار نے پوچھا کیا ہوا؟ پیر فرتوت پوپلے منہ سے یوں بولے کہ دریا کے کنارے ایک بڑا عالیشان مکان ہے۔ اس میں کئی بیگمیں رہتی ہیں، ایک سے ایک خوب رو اور ایک سے ایک زیادہ عنبر نو۔

شہ: آپ کا قطع کلام ہوتا ہے۔ کس دریا کے کنارے؟
پیر فرتوت: (پیر) گومتی کے کنارے۔
شہ: مکان بستی سے دور ہے؟
پیر: ہاں کوئی گولی بھر کے ٹپّے پر۔
شہ: گولی بھر کے ٹپے پر؟ یا تین کوس کے فاصلے پر بھلا اُس مکان کی قطع تو بیان کیجیے۔
پیر: زرد کوٹھی ہے، اور دریا اس مکان سے کوئی پچاس قدم کے فاصلے پر ہے۔ مکان ایک بہت بڑے اونچے ٹیکرے پر ہے۔
شہ: تو کوئی اور ہوگا۔ خیر ہاں فرمائیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوگن بھی کان دھر کے سنتی جاتی تھی۔ اس کے بشرے سے معلوم ہوتا تھا کہ شہسوار جس مکان کی نسبت پوچھتا ہے اس سے وہ خود بھی واقف ہے۔ پیر فرتوت نے یوں بیان کیا۔

یہ بیگمات مخدرات وعصمت سمات، ایک روز اپنے بام فلک احتشام پر مصروف خرام تھیں کہ دفعتہً ایک گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ پاس پڑوس کی عورتوں نے آتے ہی فتویٰ دیا کہ آسیب ہے۔ مگر دو بیگمیں آسیب واسیب کی قائل نہیں تھیں۔ انھوں نے فوراً ڈاکٹر کو بلایا۔ اور علاج کرنے لگیں۔ آج سنا کہ اس بیگم کی طبیعت اور بھی ناساز ہو گئی ہے، اور ایک آدمی کہتا تھا کہ بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اگر آپ وہاں ہوتیں تو وہ فوراً صحت پا جاتی۔

اس فقرہ ہوش رُبا نے شہسوار کو افسردہ کر دیا۔ مگر قلب کو تشفی دی کہ مکان کا پتہ جو اس پیر فرتوت نے دیا وہ مختلف ہے۔ وہاں نہ زرد کوٹھی ہے اور نہ دریائے گومتی ہے۔ کوئی اور بیگم ہوں گی۔ جوگن نے مضطرو بے قرار ہو کر پوچھا کہ بھلا اس بیگم زادی کا نام بھی سنا ہے۔ پیر فرتوت نے کہا ہاں سنا تو تھا، مگر اس وقت بھولا جاتا ہوں۔ بھلا ہی سا نام ہے۔ جوگن نے کہا حسن آرا تو نہیں نام ہے؟ شہسوار نے جوگن کو غور سے دیکھا اور پوچھا تم حسن آرا سے واقف ہو؟ جوگن نے کچھ جواب نہ دیا۔ پیر فرتوت نے کہا حسن آرا تو نہیں، مگر نام کے آخر میں آرا ہی ہے آپ کوئی اور نام لیں جس کے آخر میں آرا ہو تو شاید وہ نام مجھے یاد آ جاتے۔ جوگن نے کہا سلطنت آرا، جہاں آرا، سپہر آرا۔

پیر: ہاں ہاں سپہر آرا، سپہر آرا، افسوس کہ اس بے چاری کی جان مفت میں جاتی ہے اور کوئی فکر معقول نہیں کرتا ہم سے پوچھیں تو ہم یہی صلاح دیں کہ آپ کو یہاں سے لے جائیں۔

شہ: ہم آج جاتے ہیں، مگر پرسوں تک واپس آئیں گے۔

ج: ذری ٹھہرو۔

پیر: کیا وہیں جائیے گا؟

شہ: نہیں وہاں کیا کام ہے۔ ایک اور ضرورت ہے۔

ج: ہمیں تم سے تخلیہ میں کچھ کام ہے

شہ اچھا ذرا تھم کے جاؤں گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا بیگم کی بیماری کا بیان حسب تجویز ڈاکٹر

نقلِ مکان اور حاضرات کا سامان

آتش زنی کے پندرہ بیس روز بعد، ایک دن خاتون مہ لقا، سپہر آرا بیگم، تڑکے، گجر دم، خوابِ ناز سے بیدار ہوئیں۔ حسن آرا بیگم کو جگایا، کہ باجی جان اٹھیے! اذان ہو چکی۔ نماز پڑھ لیجیے۔ حسن آرا نے کہا: اس وقت مارے درد کے سر پھٹا پڑتا ہے، اور جی بے چین ہے۔ سپہر آرا نے روح افزا بیگم کو جگایا، اور دونوں بہنوں نے نماز صبح پڑھی۔ اس کے بعد روح افزا نے پوچھا، کہ حسن آرا کیسی ہیں؟ سپہر آرا بولیں رات تو اچھی تھیں اس وقت نماز پڑھی۔ کہتی ہیں کہ سر درد کرتا ہے، اور طبیعت اچھی نہیں ہے۔ اتنے میں بہار النسا بیگم بھی بصد ناز و انداز آئیں اور آتے ہی مسکرائیں۔ روح افزا بولی: باجی اس وقت حسن آرا بے چین ہیں، ذری دیکھیے تو۔

بہار النسا: ایں! کیوں کیسی ہیں؟

سپہر آرا: میں نے کہا باجی اٹھو۔ نماز صبح پڑھ لو۔ بولیں اس وقت درد سر ہے اور طبیعت بے چین۔

بہار النسا نماز پڑھ کر حسن آرا کے پلنگ پر جا بیٹھیں، اور آہستہ سے پوچھا کیسی ہو؟

حسن آرا۔ حسن آرا نے کہا، بہن کیا بتائیں، چار بجے سے مارے درد کے سر پھٹا پڑتا ہے۔ اور اس وقت دل سنبھالے نہیں سنبھلتا۔

بہار: کچھ بد ہضمی کی شکایت تو نہیں ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا: ہاں کھٹی ڈکاریں تو آتی تھیں۔
روح افزا: پیشانی ذرا گرم ہے
سپہر: اور پاؤں جیسے یخ۔
بہار: یہی تو برا ہوا۔ بھلا ڈکاریں کتنے وقت سے آتی ہیں؟
حسن: کوئی دو بجے ہوں گے۔ ہاں بس تین کا عمل ہوگا، اس وقت بات کرنا برا معلوم ہوتا ہے اور ہونٹھ سوکھ کے کانٹا ہو گئے ہیں۔

بہار النسا بیگم نے سپہر آرا سے کہا کہ جا کے امّاں جان کو تو بلا لاؤ، اور مہری سے کہو ان کو بھی باہر سے بلا لائیں۔ سپہر آرا بڑی بیگم کو، اور مغلانی نواب صاحب کو بلانے گئی۔

سپہر: امّاں جان بندگی۔
بڑی بیگم: جیتی رہو نماز پڑھی۔
سپہر: جی ہاں پڑھ چکی۔ اس وقت باجی جان کا پنڈا ذری پھیکا ہے۔ اور سر میں درد بتاتی ہیں۔
ب: رات کیسی تھیں۔
سپہر: کہتی ہیں کوئی تین کے عمل میں کھٹی ڈکاریں آئیں اور چار بجے سے طبیعت بے لطف ہے۔
ب: اور جگایا نہ کسی کو۔
سپہر: جی ہاں روح افزا بیگم کو بھی نہ جگایا۔ مجھ سے بھی نہ کہا۔ چپ چاپ لیٹی رہیں۔

بڑی بیگم آہستہ آہستہ حسن آرا کے پاس آئیں، اور نواب صاحب بھی تشریف لائے۔ بڑی بیگم نے حسن آرا سے پوچھا کہ کھٹّی ڈکاریں کتنے وقت آئی تھیں؟ حسن آرا بیگم نے کہا۔ جی دو بجے کے وقت۔

بڑی بیگم پرانے فیشن کی ضعیف الاعتقاد عورت تو تھیں ہی بولیں کہ نظر کا اسرار ہے۔

حسن: اے نہیں امّی جان۔ اَسرار وَسرار سب باتیں ہیں۔
ب: تم تو دانست دار ہوئے نادان بنتی ہو۔ ہزار دفعہ کہہ دیا کہ بابا عطر مل کے شام کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مہتابی پر نہ جایا کرو۔ مزاج میں لڑکپن ہے، مانتی ہی نہیں۔

سپہر: اچھا تو امّی جان ہم کیوں اچھے ہیں۔ ہم بھی تو عطر لگا کر کوٹھے پر گئے تھے۔

ب: مغلانی سے کہو فال کھلوائے۔

سپہر: ہاں یہ بات مانی، لائیے ہم خود فال دیکھیں گے۔

ب: نظر کا اسرار ضرور ہے بیٹی۔ تم ناحق کی محبت کرتی ہو۔

روح: اِس کے ہم بھی قایل ہیں۔

ب: پیاری کی ماں۔ جا کے حافظ جی سے تعویز لاؤ۔

پیاری کی ماں: بہت خوب وہی نہ جو بھجنت (مسجد) میں رہتے ہیں۔

ب: ہاں، ہاں، کہنا تعویز لکھ دیجیے۔

حسن: امّاں جان نہ منگوائیے۔ ہم کو تعویز وعویز کا اعتقاد نہیں۔

بہار: اے واہ، کیسی بچّوں کی سی باتیں کرتی ہو۔

روح: اچھّا اعتقاد چاہے نہ ہو مگر ہرج ہی کیا ہے۔

سپہر: لو میں دیوان حافظ لے آئی۔

ب: پھر فال دیکھو، خورشید دولھا مطلب بتا دیں گے۔

نواب: یہ گنڈا تعویز تو ہوا ہی کرے گا۔ علاج کی فکر کرنی چاہیے۔ کہیے تو ڈاکٹر کو بلا لاؤں۔؟

ب: نہیں بیٹا۔ ڈاکٹر واکٹر نہیں، حکیم صاحب کو بلاؤ ڈاکٹروں کی دوا گرم ہوتی ہے۔ آگ۔ (حسن آرا کی پیشانی نورانی پر ہاتھ پھیر کر) اف پسینے میں ڈوبی ہوئی ہے۔

سپہر آرا نے ؎

قسمِ شاخِ نبات ست ترا اے حافظ

فال راست بگو تا شودم باتو یقین

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ[1] ۝ حافظ شیرازی میری فال

---

[1] اے پروردگار پاک ہے تیری ذات، ہم کو جو کچھ تو نے سکھایا، بتایا ہے اس کے سوا ہم کو کچھ نہیں معلوم بیشک تو ہی جاننے والا اور دانا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صحیح صحیح بتا دو تو تمھارے دیوان کو مٹھائی سے تولوں۔ یہ کہہ کر دیوان کو کھولا تو یہ مطلع نظر سے گزرا:

روزِ ہجران وشبِ فرقتِ یار آخر شد
زدم این فال وگذشت اختر و کار آخر شد

بڑی بیگم پڑھی لکھی تو تھیں ہی نہیں آخر شد جو انھوں نے سنا تو ہوش اڑ گئے، منھ پر ہوائی چھوٹنے لگی، گردن جھکائی اور ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

حسن: ہائیں، ہائیں، امّاں جان!

روح: دولھا بھائی۔ انھیں سمجھائیے تو ذری۔

ن: آپ سمجھیں نہیں، اس کے معنی تو سمجھ لیجیے۔

بڑی بیگم کو آخر شد نے خون رلایا، سمجھیں کہ بس اب حسن آرا آخر ہو گئی، یہی دم واپسیں ہے۔ ہائے دل لگی حسرت دل ہی میں رہی۔ نواب صاحب نے بڑی بیگم کو بغور دیکھا تو چہرہ کا رنگ زرد پایا۔

ن: ایک التماس ہے سنیے تو عرض کروں۔

ب: (آبدیدہ ہو کر) اس وقت انھوں نے کیا پڑھا؟

ن: انھوں نے جو پڑھا اس کے یہ معنی ہیں کہ جدائی کا دن اور دوست کی فرقت کی شب گئی گزری، اب کارِ غم تمام ہوا لو شادیانے بجاؤ۔

ب: رات حاضرات کریں گے۔

حسن: کوئی فال دیکھتا ہے، کوئی حاضرات کرتا ہے، کوئی گنڈا تعویز لاتا ہے، کوئی حافظ جی کے پاس جاتا ہے، اور حکیم کی فکر ہی نہیں، اور میرا برا حال ہے۔

ن: میں جا کر حکیم صاحب کو بگھی پر اپنے ساتھ لیے آتا ہوں۔

حسن: (آہستہ سے) ہاں بھائی! بڑا احسان کرو گے، یہ لوگ گنڈے تعویز ہی کے پھیر میں پڑے رہیں گے۔

روح: جائیے اور ساتھ ہی لے آئیے۔

بہار: مگر ڈاکٹر کو نہ لانا کہیں۔ ان کو ڈاکٹروں کا برا اعتقاد ہے۔

ب: اب ان کو اختیار ہے جس طرح چاہیں اپنی سالی کا علاج کریں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب صاحب تو حکیم کو بلانے گئے، اور یہاں بڑی بیگم نے تھوڑی دور سے ایک عورت کو بلوایا، جس کے جھاڑنے پھونکنے کی دھوم تھی۔ کوئی اڑتیس برس کا سن : یہ عورت ایک ہی کائیاں تھی۔ آئی اور مسکرا کر بڑی بیگم کو سلام کیا، اور پوچھا کہ خیریت ہے بیگم صاحب؟ بڑی بیگم نے کہا: حسن آرا کا پنڈا پھیکا ہے، اور جی گھبراتا ہے۔ رات دو بجے سے بے چینی بتاتی ہے۔ پسینوں سے رومال تر ہو گیا۔ ڈوب پر ڈوب آ رہا ہے۔ اتنے پسینے بھی آتے کسی کو نہیں دیکھے۔ تم ذری اچھی طرح دیکھو، تو محمدی خانم کھل گئیں کہ اچھا شکار ہاتھ لگا۔ ان کے آنے سے بڑی بیگم کو تو ڈھارس ہوئی، مگر حسن آرا بد دماغ ہو گئیں۔ اس خاتونِ پری پیکر کو ضعیف الاعتقادی اور دقیانوسی خیالات سے بڑی نفرت تھی۔ بس چلتا تو کھڑے کھڑے محمدی خانم کو نکلوا دیتیں، خانم صاحب نے تھوڑی دیر تک بڑی بیگم سے باتیں کیں اس کے بعد حسن آرا کے قریب جاکر بیٹھیں۔

محمدی خانم : (م) کل رات کو دہی کھایا تھا؟

حسن : (منھ بنا کر) نہیں۔

م : دودھ کھایا تھا آسمان کے تلے؟

حسن : نہ۔

م : ہوں، (بڑی بیگم سے) ہے وہی بات جو آپ سمجھی ہیں۔

ب : دیکھا نہ میں تو پہلے ہی سمجھی تھی۔

م : جی ہاں جن کا سایہ ہے۔

ب : اللہ مالک ہے۔

م : معلوم ہوتا ہے، بیگم صاحب کسی دن ذری نہائی وہائی ہوں گی، اور ذری نکھر کے۔ اتفاق سے کوٹھے وو ٹھے پر گئی ہوں گی۔

ب : اور عطر میں بسی ہوئی تھیں۔

م : اے ہے! اکھیں ایسا غضب کرتے ہیں۔ عطر کی خوشبو پر تو جن عاشق ہوتے ہیں۔ اور پھر حسین، اور نامِ خدا جوان عورت کم سن، اللہ خیر کرے!

خانم صاحب نے جو بڑی بیگم کو اس درجہ ضعیف الاعتقاد اور ڈرپوک پایا، تو خوب ہی بنایا۔ روح افزا کو کمال شاق گزرتا تھا، مگر بہار النسا بھی بڑی بیگم کی طرح اس کے دم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیں آگئیں۔

حسن: (بے قرار ہو کر) ابھی دولھا بھائی نہیں آئے؟

سپہر: آتے ہی ہوں گے اب۔

حسن: دم نکلا جاتا ہے، اف! کسی پہلو چین نہیں آتا۔

روح: اب تپ بھی تیز ہے۔

حسن: آنکھیں جل رہی ہیں، میں پھنکی جاتی ہوں، اے مغلانی کبریا کے لیے ایک آدمی اور دوڑادو۔ امیّ جان میرا تو برا حال ہے۔ اِس دم کیا جانے بخار نے کب کی عداوت نکالی میرے ساتھ۔

بہار النسا نے دو کھیرے منگوائے، اور کاٹ کر حسن آرا کو سنگھائے، مگر چین نہ آیا۔ پاؤں بالکل سرد تھے، پیشانی گرم دماغ کی طرف انجرے جانے لگے تو ہذیان بکنا شروع کیا۔ اوف! وہ جاتا ہے، وہ جاتا ہے، بہار النسا بہن تم تو سوئی چبھوئے دیتی ہو۔ بڑی بیگم حسرت سے منھ تکتی تھیں، ان کو شک کی جگہ یقین کامل ہو گیا، کہ جن کا سایہ ہے۔ محمدی خانم نے چپکے سے کہا: کہ بیگم صاحب ایک بات یاد رکھیے گا۔ تین دن تک حکیم و کیم کا علاج نہ ہو۔ حکیم نے علاج میں ہاتھ ڈالا اور نصیب اعدا بس کچھ کہنے کی بات نہیں ہے۔ بس جو میں کہوں وہ کیجیے۔ اللہ چاہے کل تک آرام ہو جائے۔ بہار النسا نے بھی اس رائے سے اتفاق کر لیا۔ مگر سپہر آرا اور روح افزا دونوں کو محمدی خانم کی تقریر بری معلوم ہوئی۔ حسن آرا نے درد اور بے چینی کے سبب سے یہ تقریر نہیں سنی تھی، ورنہ نہایت ہی ملول ہو جاتیں۔

روح: امّاں جان! یہ بات تو اچھی نہیں۔

ب: آج کل کے زمانے کی لڑکیاں بڑے بوڑھوں کو بھی سبق دیتی ہیں۔

سپہر: پھر امّاں جان ہم بھلا کیسے چپ رہیں؟

روح: دیکھو تو سہی بھلا۔

ب: اچھا خورشید دولھا کو آنے دو، اگر وہ منظور کر لیں تو مانو گی یا تب بھی نہ مانو گی۔

بہار: وہ بھی انھیں کی سی کہیں گے۔ وہ تو کہتے ہیں بھوت پریت سب ڈھکوسلا ہے۔

م: جن کا ہونا تو قرآن کی رو سے ثابت ہے۔

سپہر: ہاں! بھلا یہ بھی ثابت ہے۔ کہ جو کوئی عطر ملکے کوٹھے پر جائے تو جن اس کے سر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر سوار ہو جائے۔

ب : اے محمدی خانم تم ان سے بحث نہ کرو۔

حسن : دولھا بھائی آئے۔ بھئی اللہ اف! ذری سا پانی پی لوں اچیّ جان!

ب : ہاں تازہ پانی ایک دو گھونٹ پی لو۔

بہار : بلکہ کلّی کر کے پھینک دو بہن۔ ذری زبان اور لب تر کر لو۔ پیو نہیں۔

حسن : اے ہے! میں تو پھنکی جاتی ہوں۔

اتنے میں مغلانی نے آن کر کہا حضور حکیم صاحب آ گئے، پردہ ہو جائے تو آئیں۔ بڑی بیگم کو تو محمدی خانم پٹی پڑھا چکی تھیں کہ خبردار حکیم کا علاج تین دن تک نہ کرنا۔ انھوں نے چپکے سے مغلانی کو ایک کونے میں بلایا، اور کہا ذری خورشید دولھا کو بلا لاؤ۔ مغلانی نے جا کر کہا کہ نواب صاحب چلیے بیگم صاحب کو حضور سے کچھ کہنا ہے۔ نواب صاحب اندر تشریف لائے تو بڑی بیگم نے آہستہ آہستہ یوں گفتگو کی۔

ب : محمدی خانم کہتی ہیں کہ تین دن تک علاج نہ ہونا چاہیے جن کا سایہ ہے۔

ن : محمدی خانم کون؟

ب : ہیں ادھر مکان ہے۔ وہ ان باتوں کو خوب جانتی ہیں۔

ن : اجی کچھ خبر ہے، آپ ذرا پردے میں بیٹھیں، اب اتنی دور سے جا کے حکیم صاحب کو لایا ہوں۔ نبض تو دیکھنے دیجیے۔

روح : یہاں پردہ ہے آپ بلائیے۔

حکیم صاحب تشریف لائے۔ میانہ قامت، گول بدن، بیالیس چوالیس برس کا سن، سفید ڈھیلے پانچوں کا پائجامہ، چکن کا کرتہ، شربتی کا انگرکھا، چوگوشیہ ٹوپی سر پر، عقیق کا کنٹھا ہاتھ میں، کپڑے صاف ستھرے آن کر کرسی پر متمکن ہوئے۔

ن : دو بجے کھٹّی ڈکاریں آئیں، اور چار بجے سے بخار ہے اور بے چینی۔

ن : (پردے کے پاس سے) نبض دکھاؤ۔

ح : (نبض دیکھ کر) شب کو کوئی ثقیل چیز تو نہیں کھائی؟

حسن : (بہت آہستہ سے) نہیں، معمولی غذا تھی۔

ح : حرارتِ شبینہ جو باعثِ تحریک ہوئی سببِ حدوث ان شکایات کا ہے جو آپ نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فرمائیں۔ ہنوز کوئی مرض ان اسباب سے پیدا نہیں ہوا۔ تغیّرات سے اختلاف واقع ہوگیا ہے۔

حسن : پیاس کے مارے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

ح : آلو کا پانی استعمال میں لائیے۔ شیخ الرئیس نے جناب نواب صاحب! ساٹھ فائدے آلو بخارا کے لکھے ہیں۔ اکسیر ہے اکسیر، ڈاکٹروں کے ہاں یہ مسکن ادویہ نہیں ہیں۔ وہ سوائے کنین کے اور کچھ نہیں جانتے۔

ن. مگر کنین ہے تو مفید۔

ح : لاریب۔ مگر ہر قسم کے بخار کو فائدہ نہ بخشے گی۔

ن : بے چین بہت ہیں۔

ح : ضیافتِ طبع اور سکون، باعثِ دفع خفقان و وحشت دل و حرارتِ دماغ ہوگا۔

حسن : (چپکے سے) دولھا بھائی نسخہ جلد لکھوائیے۔

ح : بس اب آلوے بخارا اور عرق کیوڑا استعمال میں لائیے۔

ن : بہت خوب۔

ح : بس عرق کیوڑا اور آب آلو کہ بہت بڑا مفرح اور مسکن ہے، نوش فرماویں۔ غذا میں تقلیل کیجیے، اور اسباب راحت میں زیادتی، فوراً حرارت دماغ کم ہوجائے گی، اور وحشتِ دل بھی دور ہوگی۔ چونکہ ڈکار کھٹّی آچکی ہے لہٰذا بقول معروف اطبّا صَوم و نَوم دونوں ازالۂ مرض کے لیے کافی ہیں۔ مگر صاحبزادی کی تشفّی کے لیے احتیاطاً نسخہ بتادیا۔ واسطے انشراحِ طبیعت کے اس امر پر توجہ ہونی چاہیے کہ جس سے حیلۂ طبیعت پیدا ہو۔ اور طبیعت مرض سے غافل ہوجائے۔ شیخ الرئیس نے آدابِ خلوتِ لطیف مزاجان، خصوصاً نسواں کے واسطے راحت اور سکون کو اولیٰ کیا ہے۔

ب : خورشید دولھا! پوچھا کہ پانی دیا جائے۔ پیاس کی بڑی شدّت ہے۔

مغلانی : (حکیم صاحب سے) حضور اس قدر کی پیاس ہے کہ پانی پیا اور بس ہونٹ سوکھ گئے۔

ح : آبِ آلو دیجیے، ازبس نافع۔

مغ : کل صاحبزادی نے امرود کھائے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ح : آج کل فصل خراب ہے۔ امرود وغیرہ سے احتیاط کامل لازم ہے۔ ہرگز گھر میں امرود نہ آنے پائیں۔ اس کا خیال رہے۔ ایسا نہ ہو گھر میں اور بچے بھی امرود و مرود کھالیں۔ اَلسَّعِیدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ[1]۔ پان الائچی نوش جان فرماکر حکیم صاحب تو رخصت ہوئے۔

نواب صاحب نے پانچ روپیہ نذر کیے۔

حسن : پھر آبِ آلو پلوائیے۔

ب : پھر اب کیا کہتے ہو، خورشید دولہا۔ جو تمھاری اور تمھارے ساتھیوں کی رائے میں آوے، وہ کام کرو۔

ن : نہیں مقدّم تو آپ کی رائے ہے۔ آپ بزرگ ہیں مگر میری طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ تین دن تک تبرید کے عوض جھاڑ پھونک ہی کے پھیر میں رہیں۔ آئندہ جو آپ مناسب سمجھیے وہ اولیٰ ہے۔

م : آبِ آلو اور کیوڑا دینے میں کیا قباحت ہے۔

ب : پلائیں پھر۔

م : ہاں ہاں شوق سے۔

تھوڑی دیر میں آبِ آلو اور عرق کیوڑا حسن آرا بیگم کو پلایا گیا، اور دس منٹ کے بعد پھر دیا گیا، تو تھوڑی دیر میں ذرا تسکین ہوئی بڑی بیگم سے کہا: امّی جان دیکھیے پیتے ہی قلب کو سکون ہوا۔ آپ جو سایے اور حاضرات اور گنڈے تعویز ہی کی فکر میں رہتیں تو میں ادھ جئیں ہو جاتی۔ سر کے درد کی دوا حکیم صاحب نے کچھ نہ دی۔ اتنی دیر بیٹھے رہے۔ قانونچہ بھر کا حال کہہ سنایا۔ مگر دردِ سر کی دوا نہ بتائی۔ حکیم تو حاذق ہیں مگر بکتے بہت ہیں۔ نواب صاحب نے مسکرا کر کہا کہ حکیم کے حکیم، اور مصاحب کے مصاحب۔ لیکن بلا کا مقرر آدمی ہے، زبان رکتی ہی نہیں۔ تڑ پڑ، تڑ پڑ۔ اور لطف یہ کہ ایک لفظ بھی بے مطلب منہ سے نہیں نکلتا۔ ایسی مسلسل تقریر ہے کہ صلِّ علیٰ۔

ان کے والد بزرگوار بھی بڑے نامی گرامی حکیم تھے۔

حسن : ہاں فال میں کون شعر نکلا تھا۔

---

[1] خوش بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ن : (ہنس کر) مضمون خیز شعر ہے :

روزِ ہجراں وشبِ فرقتِ یار آخر شد
زدم این فال وگذشت احترِ وکار آخر شد

حسن : (مسکرا کر) امّاں جان کے تو ہوش اڑ گئے کہ اتنی بڑی لڑکی گئی ہاتھ سے۔

بہار : اللہ نہ کرے! کیا واہیات باتیں زبان سے نکالتی ہو۔

حسن : (ہنس کر) بہار النسا بہن وہ دیکھو جوڑا کھلا جاتا ہے۔

بہار : (تنک کر) خیر آپ کی بلا سے۔ ہم اپنے سمجھ لیں گے سوائے وہی چھیڑ خانی کے۔

ب : محمدی خانم۔ تم کل آنا' اب' مگر آنا ضرور۔

حسن : (مسکرا کر) ضرور ضرور، جن کا سایہ ہے جن کا۔

م : اے بیوی میں نے پچاسوں بار کہا کہ جھٹپٹے میں دونوں وقت ملتے کوٹھے پر نہ جائیے۔

سپہر : بی مغلانی تم پر بھی کبھی کوئی جن عاشق ہوا ہے؟

م : اے! اب ہم پر کوئی موا کیا عاشق ہوگا۔ چونڈا سفید ہوگیا' سر ہلنے لگا' گالوں پر جھریاں پڑ گئیں، منھ پوپلا ہوگیا۔

ب : جب ہماری طرح بوڑھی ہوگی تب قدر عافیت معلوم ہو جائے گی۔ میں نے ہزاروں منتیں مان مان کے پالا، گرمی سردی ایک کو دھیان میں نہ لائی' اب ہم کو چٹکیوں پر اڑاتی ہیں۔

م : ہم حسن آرا بیگم کو کچھ بات بتائیں گے۔

حسن : دور ہی سے سلام ہے۔ ایسی ایسی باتیں ہمارے ناخونوں میں ہیں۔ اف! پھر جی نڈھال ہے۔

سپہر : آلو کا پانی لاؤں باجی جان؟

روح : ہاں ہاں لاؤ! اس میں پوچھتی کیا ہو۔ آلو اور کیوڑا تو کوئی کہے میں دن بھر پیئے جاؤں۔

بہار : میں اٹھالاتی ہوں۔

سپہر : جلد لائیے! مگر آپ کی تو نستعلیق چال ہیں۔

بہار : اب ہم تمھاری سی پھرتی کہاں سے لائیں۔

حسن : آج تو بخار نے ہلکان ہی کر دیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ب : ایک ہی پہر میں دیکھو کیا حال ہو گیا۔ چہرہ زرد ہو گیا۔

اتنی ہی دیر میں حسن آرا پھر بے چین ہوئیں، اور مارے دردِ سر کے تڑپنے لگیں۔ نواب صاحب کو اطلاع دی گئی۔ محمدی خانم پھر پردے میں بیٹھیں، اور نواب صاحب تشریف لائے، حسن آرا نے کہا دولہا بھائی: میں تو ہلکان ہو گئی، اب اس وقت سر کا درد مارے ڈالتا ہے۔ حکیم صاحب کو لکھ بھیجو کہ شام کو ضرور آئیں۔ بس ایسا کوئی پانچ اور چھ کے عمل میں آئیں۔

دردِ سر کا جو علاج ڈاکٹروں کے پاس ہے حکیم بے چارے کیا جانیں۔ میں اسپتال سے ایک شیشی ابھی منگواتا ہوں، دیکھو چٹکیوں میں دردِ سر جاتا ہے۔ بات کرتے خدا کی قسم۔ نواب صاحب نے اسسٹنٹ سرجن کے پاس چٹھی بھیجی، اور آدھ گھنٹے میں شیشی آئی۔

ن : (شیشی دے کر) لو بہت دیر تک سونگھنا، سونگھو! اور بند کر دو۔ پھر دس منٹ بعد سونگھو، اور ہٹا دو۔ پھر چار پانچ منٹ بعد سونگھو، اور ہٹا لو۔ دیکھو دم کے دم میں دردِ سر کافور ہو جاتا ہے کہ نہیں۔

حسن آرا نے شیشی کی دوا سونگھی تو کوئی بیس منٹ میں کہا کہ اب درد بہت کم ہو گیا۔

روح : یہ لٹکے ڈاکٹروں ہی کے ہیں۔ حکیم کیا جانیں بچارے۔

ب : جب ڈاکٹر نہیں تھے تب تو کوئی بیمار ہو کے بچتا ہی نہ تھا۔

بہار : اس سے کیا مطلب۔ یوں تو گانوں میں برسوں حکیم کا گذر ہی نہیں ہوتا۔ پھر کیا وہ لوگ بیمار ہوتے ہی مر جاتے ہیں۔ ایسا ہوتا تو کوئی گنوار نظر ہی نہ آتا۔

ب : چلو اچھا ڈاکٹر ہی اچھے سہی۔

بہار : پھوڑے پھنسی کے علاج میں تو ڈاکٹر بہت اچھے ہیں مگر اور باتوں میں کچے۔

روح : بجا۔ آپ سب باتیں جانتی ہیں۔

سپہر : کیوں دولہا بھائی! جو حکیم بیمار ہو، اور ڈاکٹر کے پاس جائے، اور ڈاکٹر علیل ہو کے حکیم سے رجوع لائے، تو آپس میں روپیہ لیں یا نہ لیں۔

ن : کہیں ٹھٹھیرے ٹھٹھیرے بھی بدلائی ہوتی ہے۔

شام کے وقت باغ سے باغباں ہٹا دیے گئے اور پردہ ہو گیا۔ حسن آرا نے مسہری پر ذرا آرام کیا۔ روح افزا اور بہار النسا اور سپہر آرا اور بڑی بیگم صاحب اور نواب صاحب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرسیوں پر متمکن ہوئے۔

حسن: کیا فرحت ہے۔ اس وقت ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آرہی ہیں۔ اور پھولوں کی بھینی بھینی مہک مشامِ روح تک کو مست کرتی ہے۔

روح: یہ خوشبو روح افزا ہے۔

حسن: (مسکراکر) اخاہ! اب تو ہماری بہن بڑی زبان آور ہوگئی ہیں۔

بڑی بیگم صاحب جریب ٹیک کر باغ کی سیر کرنے لگیں۔ مغلانیاں، اصیلیں، ادب کے ساتھ ہمراہ حضور! یہ کیاری خوب سینچی گئی ہے۔ دیکھیے! یہ درخت میوے سے کیسا لدا ہے اے بیگم صاحب! اس چھوئی موئی کو بھی اللہ نے کیا بنایا ہے۔ ایں! واہ! اے واہ، ذری چھولو بس اینٹھ گئیں۔

اتنے میں ایک روش کے قریب سانپ نکلا۔ مغلانیاں، اصیلیں بھاگیں۔ نواب صاحب دوڑ پڑے۔ اور لکڑی لے کر سانپ کو مار ڈالا۔

ب: یہ سانپ نہیں تھا۔ یہ بلیات میں سے ہے۔ بلا اکثر چھپکلی یا کتے کی صورت میں رہتی ہے بلیّاں اکثر انسان کو دق کرتی ہیں۔ ایک آدمی کے سرہانے ہر روز دو بلیّاں لڑا کرتی تھیں، وہ بے چارہ کچھ سمجھا نہیں، مہینوں برابر روز رات کو بلیّاں اس کے سوتے وقت چارپائی کے پاس لڑتی رہیں۔ جب اس کی آنکھ کھلتی تھی تو وہ بلیّاں بھاگ جاتی تھیں۔ ایک دن آدھی رات کے وقت اس نے کیا دیکھا کہ چار بلیّاں اس کی چارپائی سے کوئی تین گز اونچی ہوا پر لڑ رہی ہیں بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ایسا سہما، ایسا سہما کہ آنکھیں بند کر کے چپ چاپ پڑا رہا۔ رات کو خواب دیکھا کہ ہزاروں بلیّاں آئیں، ڈر کے مارے غل مچایا تو آنکھ کھل گئی۔ فجر کو اس نے لوگوں سے کہا کہ رات کو یہ کیفیت ہوئی۔ ایک آدمی نے کہا کہ آج رات یہ طباق اپنے سرہانے رکھ دینا۔ اس دن بلی وَلّی ایک بھی نظر نہ آئی۔ تم ابھی لڑکی ہو، یہ باتیں بھلا کیا جانو۔

رات کو محمدی خانم آئیں، اور چپکے چپکے بڑی بیگم سے کچھ باتیں کر کے، کہا: کہ بس اب بلائیے۔ بڑی بیگم نے بہار النسا کو آواز دی۔ بہار النسا نے حسن آرا سے کہا کہ وہ اس وقت حاضرات کریں گی۔ تم ان باتوں کو مانو، یا نہ مانو، مگر اماں جان کا حکم نہ ٹالو۔ کہنا مان لو۔ تمھارا کیا ہرج ہے۔ اس میں حسن آرا نے کہا: چاہے جو ہو ہم تو نہ مانیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار النسا تنک مزاج تو تھی ہیں، تنک کر چلی گئیں۔ روح افزا اور سپہر آرا نے منّت و خوشامد سے بہت سمجھایا کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ تم اپنے چپ چاپ بیٹھی رہنا، چلو چھٹّی ہوئی۔

روح: دولھا بھائی! محمدی خانم گھر میں آئی ہیں، امّاں جان نے باجی کی زبانی کہلا بھیجا کہ حاضرات کریں گی۔ حسن آرا کو بھیج دو اور یہ کہتی ہیں ہم نہ جائیں گے۔ آپ سمجھائیے انھیں۔

اتنے میں بہار النسا بیگم چھم چھم کرتی ہوئی پھر آئیں، اور بڑی تیکھی ادا سے پوچھا کہ آخر اس میں فائدہ کیا سوچی ہو؟ کہ ایک بڑی بوڑھی کو آٹھ آٹھ آنسو رلاؤ۔ اور نہ چلو تو اچھا۔ پھر محمدی خانم سے کہہ دیں کہ اپنے گھر کی راہ لیں۔ بس جب اس قدر کی خودرائی مزاج میں سمائی تو پھر کہنا اور سننا کیا۔ جو جی چاہے وہ کرو۔ نواب صاحب نے مسکرا کر کہا: افسوس ان بہنوں میں ایک یہی بے شعور رہیں۔ بہار النسا بہت تیکھی ہوئیں۔ چلیے آپ کی بلا سے۔ ہم بے شعور ہی سہی۔ پھر کسی کو کیا۔ چاہیے تھا کہ اس وقت حسن آرا کو سمجھاتے، وہ سمجھانا تو رہا۔ چھپّر پر، اور پٹّی پڑھاتے ہیں۔ کہ نہ جانا۔ خیر نہ چلیں۔

حسن: اچھا چلو صاحب چلیں۔

محمدی خانم نے کہا، اے حسن آرا بیگم ذری غسل کر ڈالیے۔ صاف پاک ہو کر آئیے۔ حسن آرا سوچی کہ ابھی شام تک تو بخار میں پھنک رہی تھی، اس وقت نہاؤں تو چار دن تک چارپائی سے اٹھنا دوبھر ہو جائے۔ روح افزا نے حسن آرا سے کہا کہ واسطے خدا کے نہانا وہانا نہیں۔ یہ تو دوانی ہو گئی ہیں۔ تم ان کے کہنے میں نہ جانا۔ سپہر آرا اور روح افزا، اور حسن آرا نے، باہم صلاح کی کہ نہائیں وہائیں نہیں اور آن کر کہہ دیں کہ نہا چکے، سفید کپڑے بدل کر حسن آرا اپنی بہنوں کے ساتھ آئیں۔ محمدی خانم نے ان کو ٹکٹکی کے سامنے بٹھایا۔ سوہے کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھیں، سرخا سرخ مہین لباس، اور اس پر عطر سہاگ کی بو باس، گلے میں بیلے کا طوق، ہاتھوں میں بیلے کے گجرے، ڈنڑوں پر بھیج بند، کانوں میں پھولوں کی بجلیاں، اور حلقے، سر پر بہت گھنا چھپکا۔ قادر پھول والے کے ہاتھ کا بنا ہوا، اور چھپکے کے سامنے موگرے کی جھالر۔ زیب سر طرہ اس پر یہ کہ جوہی کا طرّہ شانے پر بصد شان لٹکایا تھا۔ اور گلے میں ہار اور بدھیاں، کھلے ہوئے بال، کمر کے نیچے لٹک رہے تھے۔ اس ٹھاٹھ سے حسن آرا بیگم آئیں۔ اس گل بدن نے جو پھولوں کا گہنا پہنا تو کھل گئیں۔ ازراہِ مذاق ہنستے ہنستے کہا: کہ میرے دونوں شانے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھاری معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کہہ کر عمداً ایک بار انگڑائی لی۔ روح افزا یہ کیفیت دیکھ کر ہنس پڑی۔

بہار: دیکھنا نہ۔

حسن آرا نے سر نیچا کر کے، ذرا دو منٹ تک سکوت کیا۔

محمدی خانم آن کر بیٹھیں۔ ایک ٹوکری میں مٹھائی رکھی گئی۔ پنج میل، کوری رکابی میں اکیس پان، دساوری، تاکید کر دی تھی کہ تنبولی نے قینچی نہ لگائی ہو۔ پانوں پر چنبیلی لے پھول رکھے تھے، اور پھولوں پر دو سینکیں عطر کی۔ محمدی خانم نے چھوئی مٹّی سے زمین کو لیپا تھا۔ اس پر لوبان جلایا۔ ایک طرف عطر عروس کی شیشی، اور دوسری جانب حنا کے تیل کی کپّی، صفائی کے ساتھ نپّی سے منڈھی ہوئی، گوٹے سے منہ بندھا، اور پھندنا سرخ لٹکا ہوا تھا۔ ایک سمت کلاوٴں کی لچھّی، دو کوری کلھیاں اس پر دو کورے سکورے رکھے ہوئے۔ حسن آرا بیگم کھاروے کی لنگی پر بٹھائی گئیں۔ محمدی خانم نے ماش ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھنا شروع کیا۔ اور ایک دفعہ ہی منہ کے قریب لے جا کر اور دم کر کے سر پر کھینچ کر مارے، اور کہا کہ: حاضر شود بر سر ایں حسن آرا، ہر کہ سحر باشد ہر کہ جادو باشد، یا پری باشد، ہر کہ سایہ باشد بر سر ایں حاضر شود، و جواب گوید، حسن آرا کو بے لخت ہنسی آئی۔

حسن: چہ خوش چرا نباشد۔

روح: جواب گوید۔ جواب گوید۔

تھوڑی دیر میں حسن آرا نے گردن ہلا کر محمدی خانم کو ایک ٹکر دی۔ محمد خانم چیخ کر بھاگیں، اور ادھر روح افزا اور بہار النسا نے ہنسی کو ضبط کیا۔

م: دیکھا! ہم تو کہتے تھے۔ وہی ہوا نہ آخر۔

حسن: (مسکرا کر) حاضر شود۔ حاضر شود۔

روح: (قہقہہ لگا کر) ہر کہ باشد، ہر کہ باشد۔

حسن: (ہنس کر) سایہ باشد یا پری باشد۔ اُف بہن مارے ہنسی کے بُرا حال ہے۔

ن: (زینے کے پاس سے) کہو کیا حال ہے۔

روح: اچھّا حال ہے۔ حاضر شود جواب گوید۔ اف! خوب (خوب زور سے قہقہہ لگا کر) آئے، اور آتے ہی ایک ایسی ٹکر دی، کہ محمدی خانم بیس قدم کے فاصلے پر بھاگیں۔ اب سامنے آتے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ڈرتی ہیں۔

روح افزا اور بہار النسا اور سپہر آرا خوب کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ بڑی بیگم بھی مسکرا دیں، مگر ہاں محمدی خانم البتہ دل ہی دل میں حسن آرا کو بُرا بھلا کہہ رہی تھیں۔ جس وقت حسن آرا نے ٹکر دی تھی، گو چوٹ تو بہت آئی تھی، مگر محمدی خانم کھل گئی تھیں، کہ مار لیا ہے۔ لیکن قہقہہ پڑتے ہی دھک سے رہ گئیں۔ ارے یہ تو ان لڑکیوں نے ملکے بنا ڈالا ہم کیا سمجھے، اور ہوا کیا۔

روح : حاضر شود، حاضر شود۔

حسن : ہر کہ باشد۔

سپہر : دیو باشد یا پری باشد یا کیا باجی؟

حسن : سایہ باشد یا پریت باشد۔

محمد خانم نے کہا کہ اچھّا اب ہم اور تدبیر کریں گے۔ یہ کہہ کر پندرہ کا نقش ایک کاغذ پر لکھا۔

	پندرہ کا نقش	
۶	۱	۸
۷	۵	۳
۲	۹	۴

ب : یہ پندرہ کا نقش ہے۔ پندرہ کا نقش تو نہیں ہے۔

م : (چین بہ جبیں ہو کر) خیر نہ سہی۔ گن لیجیے۔

ب : آٹھ اور ایک نو اور چھ پندرہ۔

تین اور پانچ آٹھ اور سات پندرہ

چار اور نو تیرہ اور دو پندرہ

آٹھ اور تین گیارہ اور چار پندرہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک اور پانچ چھ اور نو پندرہ
چھ اور دو سات اور آٹھ پندرہ
پانچ اور دو سات اور آٹھ پندرہ
چار اور پانچ نو اور چھ پندرہ

م : ہے ؟
ب : بیشک ہے گن لیا۔
م : (جھلا کر) نہیں پھر گن لیجیے۔
ب : کیا خبط ہے مجھے۔

اِدھر بڑی بیگم، اور محمدی خانم میں جو یہ باتیں ہوئیں، اور ذری دیر لگی، تو روح افزا اور سپہر آرا نے حسن آرا بیگم کو پٹی پڑھا دی، کہ اب کی تھوڑی دیر جھوم جھام کر پھر ایک دفعہ محمدی خانم کو ایسی ٹکر دو کہ ذرا کچھ دن سیکیں۔ یہ نقش حسن آرا کو دیا گیا۔ محمدی خانم نے کہا اس کے سوراخ میں سے چراغ کو دیکھو۔ دیکھتے ہی حسن آرا جھومنے لگی۔ محمدی خانم نے پوچھا تم کون ہو۔

حسن : (جھومتی ہوئی) تم خود کون ہو؟ عورت ذات اور حاضرات۔
م : ان کو آپ کیوں ستاتے ہیں؟
حسن : ہم ان پر عاشق ہیں
م : ان کو چھوڑ دیجیے۔
حسن : (خوب جھوم کر) کبھی نہ چھوڑیں گے، ہرگز نہ چھوڑیں گے۔
م : ان سے کیا خطا ہوئی؟
حسن : یہ حسین ہیں، جوان ہیں، پری چہرہ ہیں، رنگین ہیں۔

یہ الفاظ زبان سے ادا کرتے ہوئے حسن آرا لجاتی تھی، اور محمدی خانم جامے میں پھولے نہیں سماتی تھی۔

م : ان کو آپ نے کہاں دیکھا؟
حسن : دونوں وقت ملتے، ہماری سواری نکلی، تو ہم نے دیکھا، کہ ایک ماہرو، کم سن عورت لبِ بام نکھر کر کھڑی ہے۔ عطر کی خوشبو سے ہم مست ہو گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

م : لاؤ فلیتہ؟

ب : فلیتہ لاؤ؟

بہار : اے مغلانی وہ فتیلہ اٹھا دو۔

حسن : (کھل کھلا کر) اَمّی جان بندگی یہ فلیتہ کیا ہوگا۔

روح : خانم صاحب سلام۔

سپہر : چلو بس، حاضرات واضرات سے فراغت پائی۔

محمدی خانم سخت خفیف ہوئیں اور جھلّا کر بولیں کہ اک ذری اور تامّل کیجیے۔ بڑی بیگم لڑکیوں پر بہت خفا ہوئیں، واہ ہر بات میں خود رائی اچھّی نہیں ہوتی، کوئی اپنے گھر آئے تو اس کی خاطر کرنا چاہیے، یا ہنسنا چاہیے، اس کو، ہمیں یہ بیہودگی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ حسن آرا اور روح افزا خاموش ہو رہیں۔ مگر سپہر آرا نے شیریں ادائی کے ساتھ کہا، کہ امّاں جان آپ کا حکم تو باجی جان بجالائیں، مگر ہمیں ہنسی آئے گی تو ہم ضرور ہنسیں گے۔ بی مغلانی بولیں۔ اے تم جم جم ہنسو، ہنسی کو کون منع کرتا ہے، ہنستے ہی ہنستے گھر بستے ہیں مگر کہنا ایک دفعہ اور مان لو۔

محمدی خانم نے بڑی بیگم کی اتنی شہ پائی، تو ایک تختی دیوار میں لگائی، اور خود اس کے پاس جا کر مؤدب بیٹھیں۔ اور حسن آرا سے کہا کہ اس تختی کو جو دیوار میں لگی ہے دیکھتی جاؤ۔ حسن آرا نے بڑی بیگم کے تیور جو بے ڈھب دیکھے تو ناچار تختی کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد محمدی خانم سے کہا۔ اخّاہ! یہاں تو ایک میدان نظر آتا ہے۔

روح : دیکھوں۔ افوہ! لق ودق میدان ہے۔ میں نے بھی دیکھا۔

حسن : ہمیں تو کاندو کا نالہ نظر آتا ہے۔

بہار النسا سمجھ گئی کہ یہ تینوں بہنیں بناتی ہیں۔ محمدی خانم نے کہا وہ دیکھو، وہ خاکروب آیا۔

سپہر : ہاں ہاں مگر کانا ہے۔

اس پر ایک فرمایشی قہقہہ پڑا، اور محمدی خانم کٹ کٹ گئی۔

روح : مواخاک روب تو بہرو بھنگی کا چچا معلوم ہوتا ہے۔

م : اب سقّہ آیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روح : ہاں مجھ پر بھی ایک چھینٹ پڑگئی۔

نواب آڑ میں کھڑے ہو کر سارا تماشا دیکھتے جاتے تھے۔ اور دل ہی دل میں ہنستے تھے، کہ بڑی بیگم بھی ماشاء اللہ کیسی خوش اعتقاد ہیں۔

سپہر: اے مغلانی! ذری اس سقّے سے تازہ تازہ پانی تو لے لینا۔

ب : تم ان کو بکنے دو محمدی خانم۔

م : لو اب فرش بچھنے لگا۔

سپہر: اہو ہو، کیا کیا غالیچے ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر۔

حسن : اے واہ، چاندنی میں تو شکن رہی جاتی ہے۔

روح : مسند تکیہ بھی ہے۔

م : سواری آئی، سواری آئی۔ وہ سوار آئے۔

حسن : اب سوار پھر آئے۔

روح : تانتا لگا ہوا ہے۔

حسن : اماں جان اب ہم جاتے ہیں۔

ب : نہیں بابا۔ ذری سی دیر کے لیے کام ادھورا چھوڑنا کیا معنی۔

حسن : اے پرائے مردوں کے سامنے اس طرح ہم سے نہ بیٹھا جائے گا۔ کہتی جاتی ہوں کہ خاک روب آیا۔ موا بہشتا آیا۔ سوار آے، پیادے آئے، اب ہم کس کس کو منھ دکھائیں۔

اس پر بہار النسا کو ہنسی آئی اور دیر تک قہقہہ لگائے۔

محمدی خانم تو اٹھ کر چلدیں، مگر یہاں بارہ بجے رات تک حاضرات ہی کی باتیں ہوتی رہیں۔ خوب قہقہے پڑے، حسن آرا اور روح افزا اور سپہر آرا اور نواب صاحب ایک طرف تھے اور بڑی بیگم اور بہار النسا ان کی رائے کے خلاف۔ حسن آرا نے کہا امّاں جان خاتونِ جنّت کی قسم جو ہمیں ذرا بھی کچھ معلوم ہوتا ہو، کہ کوئی سر پر آیا ہے اور پھولوں کا گہنا پہن کر جو ہم نے کہا کہ شانے بھاری معلوم ہوتے ہیں، وہ تو فقط محمدی خانم کی چھیڑنے کو تھا۔ روح افزا تنک کر بولی۔ اس جھوٹ پر ٹپکی پڑ جائے بہن۔ کبھی کہتی تھی میدان نظر آتا ہے۔ کبھی کہا سوار آیا تو یہ سنتے سنتے کان تھک گئے۔ بھلا کوئی بات بھی ہے۔ اس طرح تو جس کا جی ہے بیٹھ جائے،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور بھان متی کی طرح ہتھ پھیر کرنے لگے۔ ہم سے کہو، ہم بھی کہنے لگیں، کہ وہ میدان ہے۔ وہ چٹیل میدان نظر آیا، وہ سقّہ آیا، وہ فرش فروش بچھا۔ اے ہاں اس میں کون سا پہاڑ اٹھانا ہے۔ یہ امّاں جان کو یقین کیوں کر آ گیا، بڑی بیگم نے کہا تم ابھی یہ باتیں جانو کیا۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن کی تو پیدایش، تم کو لڑکپن کے سبب سے بھلا یہ باتیں کیا سمجھ میں آئیں۔ بہار النسا تم سے نام خدا کچھ دن بڑی ہیں۔ برس دو برس وہ سمجھتی ہیں۔ جب تم بھی تمیز دار ہو گی تو سمجھو گی۔ پھر نواب صاحب نے سپہر آرا کے کان میں چپکے سے کہا: کہ تم اپنی امّاں جان سے پوچھو کہ آپ نے بھی میدان دیکھا لق و دق، سپہر آرا تو اور سب بہنوں کی نسبت بڑی بیگم کی خدمت میں زیادہ گستاخ تھیں۔ بھولے پن کے ساتھ پوچھا کہ کیوں اماں جان سچ بتایئے آپ نے بھی میدان دیکھا تھا۔ بیگم مسکرائیں۔ بیٹا ہر کوئی تھوڑا ہی وہ میدان دیکھ سکتا ہے۔ وہ تو جو کوئی عامل ہو، جو کوئی حاضرات کرے، اس کو نظر آئے، تم اور روح افزا جو بڑھ بڑھ کر باتیں بناتی تھیں، ایک بولی ہاں ہاں ہم نے بھی میدان دیکھا۔ دوسری نے کہا اُف اللہ! کیا چٹیل میدان ہے۔ تیسری نے حامی بھری ہاں وہ سقّہ آیا ہے۔ میں سب سمجھتی جاتی تھی کہ تم محمدی خانم کو مل کے بنا رہی ہو۔ تینوں بہنیں ایک ہو رہی ہو۔ مگر یہ سایہ وایہ واہیات پایا۔ اے ہے جو سایے کا پھیر ہوتا اللہ نہ کرے تو یوں بیٹھی رہتی اور تمھارے ساتھ قہقہے لگاتیں۔ واہ! اب تک تو مار کے ہلکان ہو گئی ہوتیں۔ شعلے کی طرح بدن تھر تھر کانپنے لگتا ہے، سارے جسم میں تھرتھری ہوتی ہے، اور رنگ فق ہو جاتا ہے، اللہ بچائے! مگر حسن آرا دیکھو! کبریا کے لیے آج سے دونوں وقت ملتے ہرگز ہرگز کوٹھے پر جانے کا قصد نہ کرنا۔ خبردار، بہار النسا بیگم بولیں: اماں جان جھٹپٹے کے وقت تو اللہ جانتا ہے ہم بھی سیکڑوں بار مہتابی پر جا کر کھڑے ہوئے، اور عطر میں بسے ہوئے، کچھ بھی نہ ہوا۔ بڑی بیگم نے اس کا جواب سوچ سمجھ کر یوں دیا۔ بیٹی کیا کچھ ضرور ہے کہ ہر وقت ان کی سواری ہی نکلے۔ وہ تو ہوا ہیں۔ جس وقت اِدھر نکل آئے سیر کر لی۔ شام کے وقت کوٹھے پر جانا اور نہا دھو کے جانا بڑا بُرا ہے۔ اور جو پھولوں کے ہار ہوں، اور عطر کی لپٹیں آتی ہوں تو چاہے جس دن کسی پر آزما لو، بخار تو ضرور ہی آ جائے گا۔ آخر ہم نے کیا دھوپ میں چونڈا سفید کیا ہے؟

روح : حسن آرا بیگم اب کیسی ہو؟

حسن : اب تو آرام ہے اللہ کے فضل سے۔ مگر اس وقت محمدی خانم سے بکنا بہت پڑا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار: نہیں عقیدہ نہیں ہوا، پہلے وہ سمجھی تھیں کہ سچ مچ سایہ ہی ہے۔ اب کہتی ہیں کہ سایہ وایہ نہیں بیمار تھی۔

روح: اچھا اتنا تو معلوم ہو گیا کہ محمدی خانم جھوٹ موٹ بتّے دیتی تھیں۔

بہار: اب تم سمجھتی ہو کہ بس ایک تم اور دوسری حسن آرا دو ہی کو اللہ نے عقل دی ہے۔ بس: اب امّاں جان ایسی کوئی بچہ ہیں۔ دودھ پیتی ہیں کہ اتنا بھی نہ سمجھ سکیں۔

روح: دولھا بھائی نے تمھیں کچھ بھی نہ سکھایا بہن! ہمیں تو اس بات کا افسوس ہے۔

بہار: چلو خیر، ہم نادان ہی سہی۔

: نہیں نادان نہیں، مگر سست اعتقاد تو ضرور ہیں آپ۔

روح افزا اور سپہر آرا بڑی دیر تک ہنسی مذاق کی باتیں رہیں، ایک نے کہا: باجی وہ سقّہ آیا، دوسری بولی: بہار النسا بہن ذری آنچل سے منھ ڈھانپ لو، شاہ جن کی سواری آتی ہے۔ اے لو وہ دیکھو! دروازہ اپنے آپ ہی بند ہو گیا۔ بھئی ہم سے آج پلنگ پر یوں نہ سویا جائے گا۔ رات کو بُرے بُرے خواب دیکھیں گے، بہار النسا جھلّاتی بھی تھیں، مسکراتی بھی تھیں۔ الغرض آدھی رات تک یہی چہل پہل رہی۔ اس کے بعد بہار النسا نے کہا: حسن آرا نے کہا بہن اب تم سو رہو۔ نہیں اور ہلکان ہو جاؤ گی۔

سویرے، منھ اندھیرے، سپہر آرا خواب ناز سے بیدار ہوئیں، تو حسب معمول روح افزا بیگم اور حسن آرا بیگم کو جگایا۔ روح افزا بسم اللہ کر کے اٹھ بیٹھیں۔ مگر حسن آرا کی کیفیت دگرگوں پائی۔ تپ شدید، ضعف انتہا کا، تشنگی کا غلبہ، لب خشک، تالو میں کانٹے پڑے ہوئے، بے چینی اس دن سے بھی زیادہ، بات کرنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ آواز سے نقاہت صاف برستی تھی۔ روح افزا اور سپہر آرا تھوڑی دیر تک پلنگ کے پاس سرھانے بیٹھی رہیں کہ اتنے میں مؤذن کی آواز آئی۔ دونوں نے اٹھ کر نماز صبح پڑھی۔ نماز سے فراغت پائی ہی تھی کہ بہار النسا تشریف لائیں۔

روح: باجی! آج حسن آرا کل سے بھی زیادہ بے چین ہیں۔

بہار: کیوں؟ کیوں؟

روح: پنڈے پر ہاتھ رکھو تو معلوم ہوتا ہے جیسے پھنک گیا۔ اس قدر کا گرم ہے۔

بہار: پھر شگوفہ لائیں۔

سپہر: کل جاگی بھی دیر تک تھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار النسا نے نبض پر ہاتھ رکھا تو تپ شدید حسن آرا آہستہ آہستہ بولیں: باجی آج تو مارے ضعف اور پیاس کے ناک میں دم آ گیا۔

بہار النسا نے پیاری سے کہا: پیاری جا کے ان کو تو جگا لا۔ پیاری نے نواب صاحب کو جگایا اٹھیے چلیے آپ کو بلاتی ہیں۔ نواب صاحب انگڑائی لیتے ہوئے اٹھے، پوچھا کیوں خیریت تو ہے؟ پیاری نے کہا جی آج بھی ماندی ہو گئیں۔ نواب صاحب نے اٹھ کر منھ دھویا اور تشریف لائے۔ حسن آرا بیگم اپنی نازک پلنگڑی پر لیٹی ہوئی بہار النسا سے کہہ رہی تھیں کہ ذری ذری سردی سی معلوم ہوتی ہے۔ کچھ اڑھا دیجیے۔ اتنے میں نواب صاحب کی جو آمد آمد سنی، اور پیاری نے آن کر کہا: آتے ہیں تو حسن آرا بیگم نے اپنا ڈوپٹہ، پائجامہ، سنبھالا۔ اس وقت سر کے بال بکھرے ہوئے۔ کچھ کچھ سرہانے کے اِدھر اُدھر لٹک رہے تھے۔ اور دوپٹا کھسک کر سینے کے نیچے آ گیا تھا۔ روح افزا نے ایک دولائی اڑھا دی، اور حسن آرا نے سر کو ڈوپٹے سے ڈھانپ لیا نواب صاحب تشریف لائے۔

بہار: اے! آج پھر رنگ لائیں۔

ن: لاحولَ ولاقوۃ: کچھ بے احتیاطی تو نہیں ہوئی تھی؟

روح: رات بارہ بجے سوئی تھیں۔ مگر روز دس گیارہ بجے تو یوں بھی سوتی ہی تھیں۔

بہار: بہن روز کی بات اور ہے۔

ن: کھانے میں تو بے اعتدالی نہیں ہوئی تھی؟

سپہر: کھانا کھایا کہاں گیا ان سے دو ذری ذری ساری چپاتیاں لائی تھی۔ ان میں تین چار نوالے شاید انھوں نے کھائے ہوں تو کھائے ہوں۔

روح: منھ کا ذائقہ بدلا ہوا ہے۔

اتنے میں بڑی بیگم صاحب کو بھی کسی نے خبر دی۔ اولاد کی محبّت، بیتاب و مضطر ہو کر جریب ٹیکتی ہوئی آئیں۔ نواب صاحب اور بہار النسا بیگم اور روح افزا اور سپہر آرا سب نے جھک کر ادب کے ساتھ آداب عرض کیا، بڑی بیگم نے حسن آرا کی پیشانی نورانی پر ہاتھ رکھ کر کہا، کہ اللہ! اِس وقت تو میرا ہاتھ جلا جاتا ہے، کیا رات بھی پنڈا پھیکا تھا؟

سپہر: جی نہیں۔ جب بارہ کا گجر بجا، ٹھن ٹھن، تب تک باتیں کرتی تھیں۔ خاصی اچھّی تھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی بیگم نے اس وقت کوئی بات اٹھا نہ رکھی۔ صدقہ بھی اتارا، قرآن کی ہوا بھی دی، منّت بھی مانی، کہ یہ اچھی ہو جائیں تو مسجد میں گھی کے چراغ جلاؤں۔

نواب صاحب پھر حکیم جی کو بلا لائے۔ الغرض دس دن تک حکیم صاحب کا علاج ہوا کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ گیارھویں روز ڈاکٹر صاحب بلائے گئے، چھ دن تک وہ معالج رہے۔ بعد ازاں صاحب سول سرجن اور اسسٹنٹ سرجن دونوں کی صلاح و اتفاق کی رائے سے معالجہ ہوا تو سوا مہینے میں حسن آرا بیگم نے آرام پایا۔

سول سرجن نے صلاح دی، کہ تغیر آب و ہوا از بس ضروری ہے۔

روح : اماں جان ڈاکٹر کہہ گئے ہیں۔ کہ ——

ب : ہاں یہاں تو اب مہینا دو مہینا نہ رہنا چاہیے۔

ن : اگر آپ کی مرضی ہو تو اپنے ہاں لے جاؤں۔ وہاں ایک مکان خالی ہے۔ اس میں رہا کریں۔

ب : کیا بتاؤں۔

روح : اس میں کہنا سننا کیا ہے۔

ب : تم سمجھتی نہیں ہو بیٹی! بھیجنے میں تو کچھ ہرج نہیں ہے۔ مگر بہار النسا اور ان کی ساس میں دم بھر تو بنتی نہیں۔ میں بھیجوں تو کیسے بھیجوں۔ ساس ساس کی طرح اور بہو بہو کی طرح رہے تو بات بنے اور جب ساس اور بہو دشمن کی طرح رہیں تو دن رات تو تو، میں میں، ہوا ہی چاہے۔ بڑکی خدا خدا کر کے اتنے دن بعد ذرا اچھی ہوئی۔ اب وہاں بھیجوں جس میں اور کڑھے، روز روز کی ٹھائیں ٹھائیں سے نہ علیل ہوتی ہو تو خدا نخواستہ اس کے دشمن علیل ہو جائیں۔

روح : ہاں یہ تو ہے۔

سپہر : دولھا بھائی تو کہتے ہیں مکان سے ملا ہوا مکان ہے۔

بہار : ہاں خاصہ بڑا مکان، مکا کیا اچھی چھوٹی سی بارہ دری سی ہے۔ بخوبی وہ گھر رہ سکیں۔ خاصے طور سے وہاں حسن آرا چل کے ایک مہینے رہیں، تو پھر ویسی ہی ہو جائیں جیسی پہلی تھیں۔

ب : یہ مکان بڑا بھی ہے اور کھلا ہوا بھی ہے اور پھر میدان بھی ہے۔ یہ نہیں کہ گلی کوچوں میں ہو مگر بیماری سے کچھ بس نہیں چلتا انسان کا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن : امّاں جان! بہار النسا بہن کے ہاں دریا بھی پاس ہے۔

ب : اور یہاں کیا دور ہے کچھ۔

بہار : نہیں امّاں جان۔ وہاں تو بالکل ملا ہوا ہے۔ یہاں تو پھر بھی دور ہے۔

ب : ہاں ہاں کیا ہم نے وہ مکان دیکھا ہی نہیں ہے، مگر بہار النسا کی ساس تو کٹی مرتی ہے۔ حسن آرا کے جانے سے بھلا وہ خوش ہوگی۔

سپہر : اچھا بہار النسا بہن، دو مہینے کے لیے نہ لڑیں جھگڑیں۔

روح : ہونہہ، یہ ان ہونی بات ہے۔

بہار : اب تم سے جھگڑے کون؟ دو دن رہ کے دیکھ لو، کہ کیسا کیسا کوستی ہیں۔

ب : بیٹا کہنے سے تو برا مانو گی، جو تم دو چار دن ان کی باتیں سہہ لو تو وہ خواہی نخواہی کیوں برا بھلا کہیں۔

بہار : اچھا صاحب! ہم ہی برے سہی۔

اتنے میں نواب صاحب، جو چھت پر ٹہل رہے تھے تشریف لائے۔

ن : کہیے کیا رائے قرار پائی؟ سواری کی فکر کروں۔

حسن : واہ۔

روح : ہو چکی فکر،

سپہر : جا چکیں

ن : یہ کیوں، یہ کیوں؟

بہار : یہ کیوں! ہونہہ، (چپکے سے) تمھاری والدہ شریفہ کے سبب سے اور کیوں۔

ن : اچھا چلو اس کا بھی امتحان ہو جائے گا۔ بس خاصی بات ہے خود چل کے دیکھ لینا کہ کس کا قصور ہے۔

ب : یہ بہار النسا جانیں اور تمھاری ماں جانیں، ہمیں ان جھگڑوں سے کیا واسطہ۔ ہم تو انھیں کو برا کہیں گے، ہم تو یہی کہیں گے کہ انھیں کا سارا قصور ہے۔ وہ بڑی بوڑھی جہاں دیدہ عورت ہیں وہ جو کہیں گی انھیں کے فائدے کے لیے کہیں گی۔ یہ الّڑھ پن کے سبب سے چاہے نہ مانیں۔

ن : ہاں۔ ہے تو ایسا ہی، جیسا آپ نے فرمایا۔

بہار النسا تنک کر اٹھیں اور پائنچے ایک ادائے دلربا کے ساتھ اٹھا کر، اٹھلا اٹھلا کے جانے لگیں تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب نے روح افزا کو اشارہ کیا کہ ان کو روک لو۔ جانے نہ دو۔ روح افزا نے پھرتی کے ساتھ دوڑ کر بہن کو گلے لگا لیا۔ بہار النسا نے کہا ہائیں ہائیں بالکل بے شرم ہوتی جاتی ہو، روز بروز، دیکھو کوئی بیٹھا ہے کہ نہیں۔

روح : اچھا چلیے بیٹھیے، ذرا سی بات میں روٹھنا اچھا نہیں ہوتا۔

بہار : نہیں ہمیں جانے ہی دو، بڑے بوڑھوں کے سامنے مفت کا جھگڑا ہو۔ اس سے کیا فائدہ۔

نواب صاحب نے سپہر آرا کو اشارہ کیا کہ تم جا کے لے ہی آؤ۔ سپہر آرا نے جا کر قسمیں دیں کہ چلیے چلیے، بہار النسا بیگم ناز و انداز کے ساتھ آ کر بیٹھیں، مگر چتون ابھی تیکھی ہی ہے۔

اس حیص بیص اور مشورے میں دو دن گذر گئے اور سب تو راضی تھے، مگر بڑی بیگم کی مرضی نہ تھی۔ وہ کہتی تھیں کہ اگر بہار النسا کی ساس سے ان سے بنتی ہوتی تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ تیسرے دن نواب صاحب اپنے گھر گئے، دیوالی کی تعطیل میں یہاں آن کر رہے تھے۔ جب تعطیل ختم ہو گئی تو قصد روانگی کیا۔ حسن آرا بیگم کی طبیعت جو ناساز پائی تو جانا مصلحت کے خلاف سمجھے۔ وکالت کا ہرج کیا اور سوا مہینے کامل یہیں مقیم رہے۔ اب بہار النسا بیگم کو لے کر بڑی بیگم سے رخصت ہوئے اور چلے گئے۔ صبح کو تو نواب صاحب اور بہار النسا رخصت ہوئے اور شام کو حسن آرا کی طبیعت پھر ناساز ہو گئی۔ اگلے دن تک یوں ہی سی حرارت تھی، مگر بارہ بجے سے شدید تپ چڑھی، یہاں تک کہ ہذیان بکنے لگیں اور کئی بار پٹی پر سر دے دے مارا۔ اب سنیے! کہ حسن آرا کی تو یہ کیفیت اور مینھ کہتا تھا کہ میں آج ہی برسوں گا۔ وہ موسلا دھار مینھ برسا کہ چار گھنٹے کامل پرنالے چلا کیے۔ رات ایسی تیرہ و تار کہ الاماں! بجلی کا بار بار کوندنا، اور بھی ستم ڈھاتا تھا اور رعد اس زور سے گرجتا تھا کہ کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ اب فرمائیے کہ ڈاکٹر کو کون بلائے اور حکیم کے ہاں کون جائے؟ بڑی بیگم کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

حسن : اف! امّاں جان ذرا ہاتھ تو دو۔

ب : (ہاتھ دے کر) اُفوہ! کیسا جل رہا ہے۔

سپہر آرا نے اپنی پیاری بہن کی جو بے قراری دیکھی تو آبدیدہ ہو گئی۔

روح افزا سناٹے میں بار بار بخار آنا اچھا نہیں۔ بڑی بیگم کو اب کلی یقین ہو گیا کہ اس سایہ کا اتار محمدی خانم سے محال ہے، اس کے لیے کوئی بڑا عامل چاہیے۔ سوچیں کہ کل استانی جی کو بلاؤں گی، دو دن کا اقرار کر گئیں، اور آج تک نہ آئیں، کوئی وجہ خاص ضرور ہوئی ہو گی، سویرے ہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آدمی بھیجوں گی، تڑکے گجردم، اتنے میں حسن آرا نے جو کئی بار ہچکیاں لیں تو بڑی بیگم نے اپنا حال تباہ کیا اور کونے میں جاکر خوب روئیں۔ سپہر آرا پلنگ کے پاس بیٹھی ہوئی مایوسی کے ساتھ اپنی بہن کی حالت دیکھتی تھی۔ روح افزا بحسرت منھ تکتی تھی، مغلانیاں، اصیلیں دم بخود کھڑی تھیں، کمرے میں کئی لمپ روشن تھے، مگر ہوا جو زناٹے کی چلتی تھی تو گل ہو ہو جاتے تھے۔ بڑی بیگم بار بار آن کر پیشانی اور سینے اور نبض اور تلووں کو دیکھتی تھیں، اور آبدیدہ ہو جاتی تھیں۔ جب حالت نہایت بے قراری کی دیکھی تو سمجھ گئیں کہ حسن آرا ہماری آس توڑ کر دغا دیے جاتی ہیں۔ ایک عورت نے بڑی بیگم سے کہا کہ حضور! اب چاہے مینھ برسے، چاہے کہیں بجلی گرے، حکیم صاحب کے پاس آدمی ضرور بھیجیے

ب: مغلانی بتاؤ اب میں کیا کروں۔

م: حضور اللہ کرے! ان کی آئی ہوئی ہم سب کو لگ جائے، اللہ ان کو بچالے۔

حسن: (سر پر ہاتھ دھر کے) اف! اللہ میں اسی دم مرجاؤں۔

روح: اللہ نہ کرے، اللہ نہ کرے، یہ باتیں نہ کرو بہن۔

حسن: روح افزا بہن! ہے ہے میرا تو دم گھٹا جاتا ہے۔ ایک آگ سی لگی ہوئی ہے۔

حسن آرا نے چپکے سے سپہر آرا کے کان میں کہا: سپہر آرا اب تمھاری باجی جان رخصت ہوتی ہیں۔ سپہر آرا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ مغلانی نے جو سپہر آرا کو روتے دیکھا تو کہا: (ہا) کوئی ایسی بات کرتا ہے، سپہر آرا نے آنسو پوچھے تو پھر حسن آرا نے کہا: سپہر آرا دم واپسیں ایک بات سن لو آزاد کو نہ بھولنا۔ پیارے آزاد نے ہمارے لیے جان جوکھم کی، مگر اس کی آرزو نہ برآئی، دل کی دل ہی میں رہی۔ سپہر آرا نے جی کڑا کر کے سمجھایا کہ باجی خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کرو۔ مجھے ہول ہوتا ہے۔ جو ایسی باتیں کیں تو صبح تک میں خود ہی نہ ہوں گی۔ بہن کی یہ تقریر سن کر حسن آرا دم بخود ہو گئی، مگر دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ بار خدایا جو میں مر گئی تو سپہر آرا کیا جانے کیا کر گزرے۔ اس کو تو یہ اتنا بڑا مکان کاٹ کاٹ کھائے گا۔ ادھر یہ باتیں ہوتی تھیں اُدھر رعد اس زور سے گرجا کہ بڑی بیگم تک نے اس عمر میں کبھی ایسی آواز نہیں سنی تھی اور رعد کے گرجتے ہی بجلی چمکی، اور چمکتے ہی معمولی روشنی سے کہیں زیادہ تجلّی ہو کر بڑی بیگم صاحب کی کوٹھی کے اصطبل میں کھپریل پر گری۔ بجلی کے گرتے ہی حسن آرا کو غش آگیا۔ روح افزا کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے۔ اور ادھر اصطبل میں ایک سائیس اور ایک گھوڑا بجلی سے جل کر خاک سیاہ ہو گیا، اور بارش کی یہ کیفیت کہ ذرا دم نہیں لیتی، معلوم ہوتا تھا کہ برق و باران نے قسم کھائی ہے کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آج ہی سارے عالم کو تباہ کردیں گے۔ بڑی بیگم کی خود اس وقت ردّی حالت تھی، مگر اولاد کی محبت، گلاب کے خوب چھینٹے دیے۔ لخلخہ سنگھایا، حسن آرا کو ذرا ہوش آیا، مگر روح افزا کے ہاتھ پاؤں ابھی تک سرد ہی تھے۔ اصطبل کی کسی کو خبر ہی نہ تھی کہ وہاں سائیس اور گھوڑے کی جان گئی۔ جو جہاں بیٹھا تھا وہ بس وہاں ہی کا ہو گیا تھا۔ رعد پھر گرجنے لگا۔ اور اس مرتبہ اور بھی آواز بلند ہوئی، حسن آرا کانپنے لگی، روح افزا کو ایک اصیل نے آن کر دولائی اُڑھادی۔ اس وقت کوئی گرم چیز ہاتھ نہ آئی تو فلالین کا ایک نیا ٹکڑا اِدھر اُدھر لپیٹ دیا۔

حسن: امّاں جان دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں۔

ب: بیٹی کیا کروں۔ ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے ہیں۔

م: کیا بُرا وقت ہے۔ ادئی اللہ! ہے ہے، جی دہل رہا ہے۔

روح: ہائے! ہائے! جیسے معلوم ہوتا ہے کوئی کلیجا مسوس رہا ہے۔

سپہر: باجی کیا کریں؟ ہائے تم کو سمجھائیں یا اندر والے کو سمجھائیں۔

اب ہوا اِس زور سے چلی کہ جو دروازے کھلے ہوئے تھے۔ پھٹا پھٹ بولنے لگے، اور تین چار شیشے بھی ٹوٹ گئے۔ ہوا نے ایسا زور باندھا کہ درخت جڑ سے اکھڑ اکھڑ گئے۔ اتنے میں زلزلہ آیا، اور بڑی بیگم حسن آرا کی پلنگڑی کو آپ ہی آپ ہلتے ہوئے دیکھ کر زور سے چیخ اٹھیں۔

سپہر: ہائیں! ہائیں! امّاں جان جیسے کسی نے کوٹھی کو سر پر اٹھا لیا۔

مارے ڈر کے سپہر آرا بڑی بیگم سے لپٹ گئی۔

روح: اے ڈرو نہیں بھونچال تھا۔

م: جی ہاں کیوں کر نہ ہو۔ اب گناہ بہت ہونے لگے نہ۔

بڑی بیگم کو شک کی جگہ یقین تھا کہ کوئی جن یا بھوت پریت ہے، جس نے حسن آرا کے پلنگ کے اٹھانے کا قصد کیا، لہٰذا مارے خوف کے چیخ اٹھیں، لیکن جب روح افزا نے بھونچال کا نام لیا تو ذرا دل کو تسکین ہوئی، حسن آرا کی طبیعت اب اور بھی ناساز ہو گئی۔ حالت دم بدم زار ہوتی جاتی تھی۔ ایک آنکھ سے نیل ڈھلنے لگا۔

م: بیگم صاحب! بیگم صاحب!

حسن: (بہت آہستہ سے) ہاں۔

سپہر: باجی جان! پیاری باجی جان!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روح : اے حسن آرا! حسن آرا!

حسن آرا کو اس وقت بات کرنا شاق گزرتا تھا۔ اور سانس لینا تک دو بھر تھا' ان سب کی باتیں سنتی جاتی تھی، مگر لب تک نہ ہلاتی تھی۔ جب کئی بار ان سب نے مل کر پکارا تو حسن آرا نے ذرا آنکھیں کھول دیں اور اشارے سے دکھایا کہ لب خشک ہیں۔

ب : اتنی سردی ہے اس وقت، مگر ان کے ہونٹھ سوکھے جاتے ہیں۔

سحر کاذب کے وقت بنبھ تھما۔ تب بڑی بیگم کو معلوم ہوا کہ ایک سائیس اور ایک گھوڑا شب کو بجلی کی نذر ہوا۔ گھوڑے کے مرنے کا کمال افسوس کیا۔ یہ گھوڑا ان کے شوہر کی خاص سواری کا تھا۔ اب بہت بوڑھا ہو گیا تھا اور گویا پنشن پاتا تھا۔ صبح کو حسن آرا کی طبیعت ذرا ذرا ٹھہری، یہاں تک کہ نماز صبح بھی ادا کی۔ دفعتہً بڑی بیگم کو بہار النسا یاد آئیں۔ مغلانی سے کہا کہ یہ مینھ تو عالمگیر تھا۔ خدا جانے کس قدر فاصلے تک برسا ہوگا۔ خورشید اور بہار النسا نے راہ میں بڑی تکلیف اٹھائی ہوگی۔ ہم اپنے گھر میں تھے لیکن کلیجا منھ کو آتا تھا' دل ہاتھوں اچھلتا تھا' ان کی سفر میں کیا حالت ہوئی ہوگی۔ مغلانی نے سمجھایا کہ حضور ریل کی سواری کچھ چھکڑے کی سواری تو ہے نہیں کہ خدا نخواستہ کچھ خوف کی جگہ ہو۔ حضور ہیں' بہار النسا بیگم ہیں' دو عورتیں خدمت کے لیے ساتھ ہیں، چار سپاہی ہیں، خدمت گار ہے' اتنے آدمی ہیں پھر ڈر کیا ہے۔ بڑی بیگم نے کہا یہ سب ایک ہی درجہ میں تھوڑا ہی بیٹھے ہوں گے۔ لوگ کہتے ہیں ریل میں درجے درجے بنے ہوتے ہیں۔ مغلانی بولی پھر کیا ہوا؟ حضور اور بیگم صاحب اور دونوں عورتیں تو ایک ہی جگہ پر ہوں گی۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ اللہ مالک ہے۔ وہ بڑا کریم ہے اور حضور خدا جانے ریل اس وقت کتنے ٹیشن نکل گئی ہو۔

اتنے میں مہری دوڑتی ہوئی باہر سے آئی۔ افوہ! باہر تو وہ بھیڑ لگی ہے کہ بس کچھ پوچھو نہیں۔ صاحب لوگ بھی ہیں' اور سارا زمانہ امنڈ آیا ہے' روح افزا نے کہا ہاں بجلی گری تھی نہ کل۔

ب : بجلی کیا گری اب تک کلیجا دہل رہا ہے۔

سپہر : ہے ہے! اس وقت کیا کیفیت تھی۔ توبہ توبہ ایسا وقت اللہ نہ دکھائے پھر کبھی۔

روح : بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ کوٹھی اب گری اور اب گری۔

م : آنکھ ایسی جھپکی کہ بس کچھ نہ پوچھیے' اللہ نے بہت بچایا۔ روح افزا اور سپہر آرا ایک روشندان سے اصطبل کی طرف دیکھنے لگیں دیکھا ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نو بجے کے وقت حکیم صاحب تشریف لائے۔ پردہ کیا گیا، حکیم صاحب نے نبض دیکھی۔ حال پوچھا۔ نسخہ لکھا، اور کہہ گئے کہ کل صبح کو پھر حاضر ہوں گا۔ مگر شب کو پھر تپ آ گئی اور بے چینی اس روز سے بھی زیادہ ہوئی۔ اسی طور پر ایک ہفتہ گزرا۔ اس عرصہ میں نواب صاحب کے تین خط آئے۔ بڑی بیگم کو تشفی ہوئی کہ نواب اور بہار النسا مع الخیر اپنے گھر پہنچ گئے۔

روح افزا اور سپہر آرا نے باہم مشورہ کر کے نواب صاحب کے نام خط لکھا، کہ حسن آرا بیگم کی طبیعت روز بروز بے لطف ہوتی جاتی ہے۔ حکیم صاحب کے معالجہ سے ذرا افاقہ نہ ہوا اور ڈاکٹر کا علاج بھی سوا مہینے تک کیا تھا مگر پھر بخار آ گیا۔ اب ہم سب کی صلاح یہی ہے کہ آپ اس خط کے دیکھتے ہی یہاں آئیں، اور ہم سب کو وہاں لے جائیں۔ تاکہ ڈاکٹر کی صلاح کے مطابق تغیر آب وہوا ہو۔ اور حکیم جی کی بھی یہی صلاح ہے۔

یہ خط نواب صاحب نے پڑھ کر بہار النسا بیگم کو سنایا۔ انھوں نے کہا کہ جاؤ اور جس طرح ممکن ہو سمجھا بجھا کر لے ہی آؤ۔ اب بیماری طول کھینچتی جاتی ہے۔ یہ اچھی بات نہیں۔ نواب صاحب نے اپنے پڑوس ہیں ایک وسیع ودلکشا کوٹھی خالی کر دی، اور فرش مکلف سے کمروں کو آراستہ کر کے بہار النسا سے رخصت ہوئے، ریل کے اسٹیشن پر آئے، ٹکٹ لیا اور سوار ہوئے۔

جس وقت مہری نے خبر دی کہ نواب صاحب آئے ہیں۔ روح افزا اور سپہر آرا ایسی خوش ہوئیں کہ عمر بھر میں شاید دو ہی تین مرتبہ اس درجہ محظوظ ہوئی ہوں گی۔ بڑی بیگم کو بھی تشفی ہوئی۔ اور نواب صاحب کمرے میں داخل ہی ہوئے تھے کہ حسن آرا نے کہا: کہ نواب ہم اچھے ہو گئے۔ نواب صاحب نے بڑی بیگم کو بہ ادب سلام کیا اور بیٹھے۔

ن: پھر بخار آ گیا، یہ بار بار بخار آنا اچھا نہیں۔ اب کی جم کر علاج کرنا چاہیے۔

ب: خورشید دولہا! اللہ ویسی رات دشمن کو بھی نہ دکھائے، میں تو کہتی تھی کہ سویرا کیوں کر ہو گا۔

روح: دولہا بھائی ان کی تو یہ کیفیت تھی کہ دم بھر چین نہیں، بخار الگ، ضعف الگ، پیاس کے مارے ہونٹ بالکل کانٹا ہوئے جاتے تھے۔ اور تڑپتی جاتی تھیں اور اُدھر مینھ کہے کہ میں آج ہی برسوں گا۔ اور بجلی ایسی لونکے ایسی چمکے کہ الٰہی توبہ اصطبل پر گری تو کلیجہ دہل گیا۔ دروازے بند تھے مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی توڑے پھینکے دیتا ہے۔ اسی میں بھونچال آیا۔ ان ہم سب گھبرا اٹھے تھے۔

بڑی بیگم صاحب نے نواب نامدار کے لیے کچھ ولایتی انار اور کشمش اور پستہ بھیجا۔ مغلانی نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آن کر کہا، کہ حضور چائے بھی تیار ہے، لاؤں؟ نواب صاحب نے کہا نہیں۔ اب اس وقت نہیں شام کو۔
روح افزا بیگم نے پوچھا: دولھا بھائی وہاں جائیں گے تو رہیں گے کہاں؟ نواب صاحب تو پہلے ہی سے بندوبست کر چکے تھے۔ کہا کہ ہم کو اس کا خود خیال تھا، پڑوس میں ایک صاف ستھری اور وسیع کوٹھی ہے، اس کو آراستہ کر دیا ہے، نہایت دلچسپ مقام ہے، ایک مہینے میں آرام ہو جائے گا، انشاء اللہ۔ ڈاکٹر سب دوست ہیں۔ اور اگر بڑی بیگم صاحب اصرار کریں گی تو حکیم صاحب کا علاج بھی ہوگا۔ وہاں ایک سے ایک بڑھ کر حکیم ہے۔

بڑی بیگم کو یقین واثق ہو گیا تھا کہ اگر حسن آرا چندے اور اسی طرح علیل رہی تو آنکھیں جھپت سے لگ جائیں گی اور پھر کسی طبیب کا بس نہ چل سکے گا، لہٰذا انھوں نے منظور کر لیا، کہ حسن آرا اور سپہر آرا اور روح افزا کو لے کر ایک مہینے کے لیے وہاں جا کے رہیں۔ بہار النسا اور روح افزا دونوں کی سسرال وہیں تھی۔ نواب صاحب سے انھوں نے کہہ دیا کہ یہ صلاح مجھے پسند ہے۔ دوسرے روز روح افزا اور حسن آرا، اور بڑی بیگم اور مغلانی اور کئی پیش خدمتیں اور نوکر چاکر نواب صاحب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ نواب صاحب نے پورا درجہ کرایہ پر لیا، اور پردہ باندھ کر ایک طرف اور سب نوکر بیٹھے، اور دو کمپارٹمنٹ میں یہ سب کو لے کر بیٹھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کانسل کی عنایت اور قسطنطنیہ کی زیارت

اب سنیے! کہ میاں آزاد کا نام دور دور تک مشہور ہو گیا تھا۔ اور اکثر لوگ اِن کی ملاقات کے شائق تھے۔ مالٹا کے اخبار میں تو ان کی تعریف درج ہو ہی چکی تھی، اسکندریہ کے اخبار بھی ان کی توصیف سے مالا مال تھے۔ جس اخبار کو کھولو، جس میگزین کو پڑھو آزاد ہی کا ذکر خیر ہے۔ اسکندریہ کے ایک ہوٹل میں میاں آزاد، مع خوجی کے فروکش ہوئے۔ کھانا کھانے کا وقت آیا، تو خوجی رنگ لائے۔

خوجی: لاحول ولا قوۃ، یہاں کھانے والے کی اپنے حساب۔ ایسی تیسی، ہم کوئی بات خلافِ شرع نہ کریں گے۔ چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔ ذرا سی تکلیف کے لیے ہم اپنا مذہب نہ دیں گے۔ آپ شوق سے جائیں اور مزے مزے کھائیں، ہم در گذرے۔

آزاد: اور افیم کھانا خلاف شرع نہیں ہے؟

خ: ہرگز نہیں، اور اگر ہے بھی تو کیا فرض ہے کہ ایک امر خلاف شرع کریں، تو کُل امور شرع کے خلاف ہی کریں۔

آزاد: اب! تو نا معقول، یہ کس گدھے نے تجھ سے کہا کہ یہاں کھانا کھانا شرع کے خلاف ہے۔ میز کرسی دیکھی اور بک اٹھے کہ شرع کے خلاف ہے۔ اگر لحمِ خوک یا شراب ہو تو خیر۔ ہم کہیں خلافِ شرع ہے، اس میں کیا ہے صاف ستھرا مقام، مسلمان پکانے والے مگر خبط کا کیا علاج ہے۔

خ: جی، وہ خبط ہی سہی، آپ رہنے دیجیے، ہو نہہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: ہونہہ! ہونہہ کیا معنی۔ کھانا کھاؤ نہیں تو جہنم میں جاؤ۔

خ: جہنم میں وہ جائیں گے جو یہاں کھانا کھائیں گے اور ایں جانب سیدھے بہشت میں دندنائیں گے۔

آزاد: جی اس میں کیا شک ہے۔ اور وہاں افیم کہاں سے آئے گی۔

خ: ہم کسی نان بائی کی دوکان پر کباب اور روٹی یا باقرخانی اور گوشت یا پلاؤ مول لے کے کھائیں گے مسلمانوں ہی کا تو ملک ہے۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ دو ترکی آئے، اور اپنی کرسیوں پر بیٹھ کر مزے سے کھانے لگے۔ آزاد کی چڑھ بنی۔ پوچھا کہیے خواجہ بدیعا صاحب، مزاج مقطّع، بول گیدی اب شرمایا یا نہیں؟ شرم چہ کتّی ست کہ پیش مردان آید۔ کیا اب بھی وہی خم دم ہیں؟ جھیپو، جھیپو، مجھ سے نہ کہو، دل میں ذرا شرماؤ، پھٹّے سے منھ۔

خوجی نے پہلے تو کہا کہ یہ مسلمان نہیں ہیں، پھر کہا شاید ہوں۔ کوئی ایسے ویسے۔ آزاد نے کہا: ایسے ویسے نہیں، خاص الخاص تُرک ہیں۔ اور روم میں سب میز کرسی پر نصارا کے ساتھ کھاتے ہیں۔ خوجی کو اب تک اس بات کا یقین نہ آیا، غور سے دیکھا کیے، کہا شراب ان لوگوں نے نہیں مانگی اگر مسلمان ہیں تو مذہب کے خلاف کرتے ہیں۔ ذرا اِن سے پر وبال تو ملاؤں۔

خ: (ترکوں کے پاس جاکر) کیوں حضرت آپ کا نام کیا ہے؟

ایک ترکی: احمد آفندی۔

خ: اور آپ کا اسم شریف؟

دوسرا ترکی: عبدالصّمد۔

خ: دولت خانہ، بیت شریف۔

ایک: خاص استنبول۔

خ: اور آپ؟

دوسرا: میں اڈریانوپل کا باشندہ ہوں، مگر دس بارہ برس سے سفر میں ہوں، ہندوستان میں دو برس رہا، کلکتہ گیا، بمبئی لاہور دہلی اور چین میں رہا اور عدن میں رہا فرانس گیا، انگلستان میں چھ مہینے رہا۔

خ: آپ لوگ یہاں ہوٹل میں کھانا کھاتے ہیں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

احمد : برابر
خ : شرع کے خلاف نہیں ہے؟
عبد: شرع کے خلاف ؟ واہ، شرع کے خلاف کیوں ؟
احمد: آپ کا اسم شریف ؟
آزاد : میاں آزاد۔
احمد آفندی اور عبد الصمد دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ مصافحہ کیا اور کہا اخاہ ! میاں آزاد تمھیں ہو؟
آزاد: آپ کہاں سے جانتے ہیں مجھے ؟
عبد: آپ شہرۂ آفاق ہیں۔
خ (آہستہ سے) شیطان کے بڑے بھائی یہی تو ہیں۔
احمد: آپ کا بڑا نام ہے۔
عبد: بڑی خوشی ہوئی اس وقت کہ آپ سے ملاقات ہوئی، آپ بڑے جواں مرد ہیں۔
آزاد: آخر آپ سے کہا کس نے ؟
احمد: اخبار نے۔
آزاد: ہم کون ہیں ؟
احمد : آزاد ہو، ایک عروسِ سرمایۂ ناز کے عاشقِ زار ہیں اور اس بتِ ترسا کے سبب سے ٹرکی جاتے ہیں، ہم سے سنیے۔
خ : متحیّر ہوکر، آپ سے کس نے کہا؟
احمد: اخبار۔
عبد: آپ چل کر ہمارے ملک کے کانسل سے تو ملیے' وہ بھی آپ کے نام نامی سے واقف ہو گئے ہیں۔ ضرور چلیے۔
آزاد: حاضر ہوں، مگر رسائی وہاں تک محال ہے۔
عبد: آپ کے لیے اور رسائی کی ضرورت، آپ کا نام نیک ایسا مشہور ہے کہ جہاں چاہیے چلے جائیے۔ بے جھجک، ہم آپ کو لے چلیں گے۔
تھوڑی دیر کے بعد آزاد نے کپڑے بدلے، اور ان دونوں رؤسائے ٹرکی کے ہمرکاب کانسل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سلطنتِ روم کی خدمت میں مستفید ہونے چلے۔ آزاد نے اثنائے راہ میں کہا: کہ گو میں نے ہندوستان میں ہر قسم کی تعلیم پائی ہے اور ان امور کو خوب سمجھ سکتا ہوں، لیکن پھر بھی اگر کوئی خاص طرزِ ملاقات ہو تو اطلاع دیجیے۔ احمد آفندی نے بیان کیا کہ کانسل ممدوح بڑے سادہ مزاج آدمی ہیں۔ آپ چاہے سلام بھی نہ کریں ان کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ وہ خود ایک دن آپ کا تذکرہ کرتے تھے۔

میاں آزاد جو وہاں پہنچے اور احمد آفندی نے جاتے ہی کہا: میاں آزاد آپ ہی ہیں تو کانسل ممدوح نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا، اور پوچھا؟ آپ عربی بول سکتے ہیں؟ میاں آزاد نے عربی میں جواب دیا۔

کانسل : آپ کی ملاقات سے ہم بہت خوش ہوئے۔

آزاد : عنایت بندہ پروری۔

کانسل : جزیرۂ پیرم کے پاس آپ کا جہاز غرق ہو گیا تھا۔

آزاد : جی ہاں۔

کانسل : آج ہم نے تار میں پڑھا۔

آزاد : بڑی تباہی آئی۔

کانسل : آپ کی بڑی تعریف ہے، اب آپ کب جائیں گے؟

آزاد : بہت جلد۔

احمد : حسن اتفاق سے ہوٹل میں ملاقات ہوئی۔

آزاد : اب جنگ کا کیا حال ہے؟

کانسل : اب روس نے اشتہار جنگ دے دیا ہے۔ دریائے پرتھ سے روسی لشکر عبور کرتا ہے۔ اور ہماری باٹری اکثر مقامات پر ان پر آگ برساتی ہے، خصوصاً اڈیسہ کے پاس۔

آزاد : اف! جی چاہتا ہے، فوراً پہنچوں، اب ایک منٹ کا قیام بھی شاق گزرتا ہے۔

کانسل : ہاں جلد جائیے۔

آزاد : دیکھیے جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔

کانسل : اکثر وزرائے سلطنت عثمانیہ کو یقین ہے کہ برٹن سے مدد ملے گی۔ مگر مشکل ہے، ہمیں اس کی امید نہیں، انگلستان کی حکمت عملی یہ ہے کہ جب تک اپنا نقصان متصور نہ ہو کسی کا جنبہ نہ کرے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : اور روس بھی تو تنہا ہے۔

کانسل : ہاں، مگر فرق یہ ہے کہ وہ حملہ کرتا ہے اور ہم حملہ روکتے ہیں ہمارے اعضا و جوارح ہی ہمارے دشمن ہو گئے۔

احمد : سرویہ کو روس ہی نے ورغلایا تھا۔

آزاد : یہ تو ظاہر ہے۔

احمد : ہمارے وزرا میں صرف ایک مِدحتؔ پاشا قابلِ وزارت ہے مگر معتوب۔

آزاد : افسوس!

عبد : لیکن ترک جان دینے پر آمادہ ہیں، اور دیکھ لیجیے گا خوب لڑیں گے، چھکے چھڑا دیں تو سہی۔

آزاد : انشاء اللہ

کانسل : جنگ ڈُوسَرۡوَارۡدۡ۔ شاید خدا ہمیں کو فتح دے۔

آزاد : انشاء اللہ۔

کانسل : ہمارا ایک ایک سپاہی جان ہتھیلی پر لیے ہے۔

آزاد : خدا ان کو مدد دے گا۔

احمد : جرمنی اور روس کی سازش بری ہے۔

آزاد : اور آسٹریا بھی در پردہ انھیں کا جنبہ کرے گا۔

بہت عرصے تک کانسل اور آزاد اور احمد آفندی اور عبدالصمد میں ٹرکی کی نسبت گفتگو رہی۔ اس کے بعد میاں آزاد سے کانسل نے کہا: کہ آپ میرے ساتھ ہوں، آزاد نے بخوشی منظور کر لیا۔

احمد آفندی اور عبدالصمد شام کے وقت میاں آزاد کو اسکندریہ کی سیر کے لیے لے گئے اس شہر میں میاں آزاد نے یورپ اور ایشیا کے مختلف اقوام کے لوگ دیکھے۔ ٹرکی کے افسران اعلیٰ اور قسطنطنیہ کے عمائد اور رؤسا جو وہاں تشریف رکھتے تھے۔ ان کی خدمات ہمایوں میں بھی میاں آزاد نے نیاز حاصل کیا۔ اور جو شخص ان سے ملا، تپاک ہی کے ساتھ پیش آیا۔

حضرت خواجہ بدیع صاحب کو میاں آزاد ہوٹل ہی میں چھوڑ گئے۔

خوجی سوچے کہ بیٹھے بیٹھے مکھیاں کب تک مارا کریں گے آؤ دیکھیں کوئی ہندوستانی بھائی ہوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو گبیں اڑیں۔ اِدھر اُدھر ٹہلے، آخر کار ایک ہندوستانی سے ملاقات ہوئی، علیک سلیک کے بعد چہ میگوئیاں ہونے لگیں، خواجہ صاحب نے پوچھا کیوں بھائی اسکندر میں افیم ملتی ہے، کوئی چانڈو خانہ ہے، کہیں مدک اُڑتی ہے، چرس کی لو آسمان کی خبر لاتی ہے یا نہیں؟ ایک دم سے تین چار سوال کیے، اور اس بے چارے کو دم بھی نہ لینے دیا۔ وہ ان کے بھی استاد نکلے۔ کسی بات کا جواب ہی نہ دیا۔ خوجی تیکھے آدمی، ان کو بھلا یہ تاب کہاں کہ کسی سے سوال کریں اور وہ جواب نہ دے، بگڑ کھڑے ہوئے، قسم خدا پاک کی بس اس وقت لاش پھڑکتی ہوتی۔ ہونہہ خواجہ بدیع کو کیا وہ سمجھے ہیں؟ نہ ہوئی قرولی ورنہ تماشا دکھا دیتا اِنھوں نے جو اس قدر وحشت کی لی، تو وہ بے چارہ سمجھا، کہ یہ پاگل ہے۔ اگر بولوں گا تو خدا جانے کاٹ کھائے۔ جُھکَٹ دے۔ چوٹ کرے۔ لڑ پڑے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ چپکے ہو رہو۔ اس کے سکوت سے میاں خوجی سمجھے کہ دب نکلا۔ اور بھی اکڑ گئے۔ اس نے جو اس دیوانے کو اکڑتے دیکھا، تو سمجھا کہ اب چوٹ کیا ہی چاہتا ہے۔ ذرا پیچھے ہٹ گیا۔ پیچھے ہٹنا تھا کہ میاں خوجی اور بھی شیر ہوئے، مگر کندے تول تول کے رہ جاتے تھے۔ پوچھا ذرا ٹھنڈا پانی بھی یہاں مل سکتا ہے، مگر اس قدر سرد ہو، کہ دانتوں میں لگے۔ وہ جھٹ پٹ آب سرد لایا۔ خوجی نے پیا تو آب حیات کا مزہ پایا۔ پانی ہے یا آب زندگانی ہے۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔

اللہ اللہ، اب میاں خوجی اپنے وقت کے بادشاہ ہو گئے۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ اف ری تری سخاوت۔ اس آدمی کو اور بھی یقین ہو گیا کہ اس شخص کو خلل دماغ ضرور ہے۔ حالت تو اس درجہ زبّوں ہے، اور حاتم کی قبر پر لات مارنے کو مستعد ہیں۔ اس سے مانگوں تو کیا مانگوں۔ اس کے پلّے ٹکا تو ہے نہیں۔ خوجی نے پھر اکڑ کر کہا کہ مانگ کچھ۔ جو جی چاہے سو مانگ۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا: یہ جو ہاتھ میں ہے دے دیجیے۔ خوجی کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ ارے غضب۔ او ظالم! خدا تجھ سے سمجھے۔ جان تک مانگتا تو میں دریغ نہ کرتا۔ چنیا بیگم نہیں دی جاتی۔ اس کو اگر اتنا معلوم ہو جاتا کہ حضرت خواجہ صاحب کے دست مبارک میں افیم ہے اور افیم پر حضرت ہزار جان سے عاشق ہیں، تو کچھ اور مانگتا۔ مگر شامتِ اعمال پھر خوجی تنتے ہوئے بولے:

جو چاہے سو مانگ آتش درگاہِ الٰہی سے
محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو

اس شخص سے پوچھا کہ تم یہاں کب سے ہو، کیا کام کرتے ہو؟ نام کیا ہے، باشندے کس صوبے کے ہو اس نے جواب دیا، حضرت میں یہاں ہوٹل میں نوکر ہوں میرا نام تہور خاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

امروہے کا رہنے والا ہوں۔

خ : اخّاہ۔ یہ امروہہ۔ یہی امروہہ نہ ؟

تہور خاں : (تہور) یہ کون ؟

خ : (جھلاّ کر) اجی یہی۔ لاحول۔ مراد آباد کے پاس جو ہے۔

تہور : جی ہاں۔

خ : یہاں کب سے ہو۔

تہور : ابی سینیا کی لڑائی کے وقت سے۔

خ : بھلا اس ہوٹل میں مسلمان لوگ کھاتے ہیں ؟

تہور : برابر کیوں ؟

خ : ہم تو نہ کھائیں۔

تہور : پہلے میں سمجھا تھا کہ آپ کوئی پاگل ہیں۔ مگر اب تشفی ہوئی۔

خوجی نے وہ مجنونانہ حرکتیں کیں کہ ہوٹل والوں کو دل لگی ہاتھ آئی۔ بگڑے دل تو ہر شہر اور ہر ملک میں ہوتے ہیں۔ دو ایک دل لگی بازوں نے مسکوٹ کی، کہ خوجی کو چھیڑنا چاہیے۔ اس ہوٹل میں ایک شخص اس کام پر مقرر تھا کہ پنکھا قلیوں کی نگرانی کرے۔ یہ شخص بونا تھا۔ خاص قاہرہ کا رہنے والا۔ لوگ سوچے کہ اس بونے اور خوجی سے پکڑ ہو تو خوب بات ہے۔ بونا بڑا شریر آدمی تھا۔ پرلے سرے کا شہدا۔ لوگوں نے اس سے جا کر کہا کہ چلو تمھاری کشتی بدی گئی ہے۔

بونا : چلو چلو۔

لوگ : وہ دیکھو ایک آدمی ہندوستان سے آیا ہے۔

بونا : جوڑ تو اچھی ہے۔

لوگ : پھر جٹ جاؤ۔

یہ سن کر بونا میاں خوجی کے قریب گیا، اور جھک کر سلام کیا، خوجی نے جو دیکھا کہ ایک شخص ہم سے بھی اونچے ہیں، تو اکڑ کر اور اینڈ کر آنکھوں سے سلام کا جواب دیا۔ بونا نے اپنے دل میں سوچا کہ ٹھہر جا، جاتا کہاں ہے، تو سہی جو چچا بنا کر چھوڑوں۔ ادھر اُدھر دیکھ کر، ایک دفعہ ہی موقع پایا، تو میاں خوجی کی ٹوپی اتار کر چٹاخ سے ایک دھول جمائی، اور ٹوپی پھینک کر بھاگا، مگر ذرا دور سے ہانوں، بھاگ کے جاتا کہاں، خوجی بھی جھپٹے، آگے آگے بونا اور پیچھے پیچھے میاں خوجی ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

او گیدی! او مردک! نہ ہوئی قرولی، واللہ اس دم بھونک ہی دیتا' خچ سے قرولی بھونک دیتا۔
تھوڑی دیر میں بونے نے کہا کہ اب سانس نہیں لی جاتی، اور خوجی نے لپک کر ہاتھ پکڑا۔

خ : کیوں بے۔

بونا : (منھ چڑھانے لگا)

خ : اب بولو؟

بونا : (پھر منھ چڑھایا)

اتنے میں خوجی کو غصّہ آیا تو حضرت نے بھی ایک دھپ جڑی، تڑ سے پڑی اور چٹاخ کی آواز گونجنے لگی۔

خ : اور لے گا۔

بونا : اپنی زبان میں،چھوڑ، نہیں مار ہی ڈالوں گا۔

خ : ہات تیرے کی۔

بونا : آج رات کو گلا گھونٹوں گا۔

خ : (دھپ جما کر) او گیدی!

بونا : دو ہوئیں۔

خ : دے ماروں اٹھا کر؟

بونا : رات ہے، اور تم، اور میں۔

خ : (گھونسا لگا کر) ہات تیرے کی۔

خوجی نے جھلّا کر بونے کو دے مارا۔ چاروں شانے چت۔

خ : (اکڑ کر) وہ مارا!

من آں رستم گرد روئیں تنم
کہ وہ پاپڑ پختہ را بشکنم

اور لے گا؟ خوجی سے یہ باتیں۔

میاں آزاد احمد آفندی کے ساتھ ہوٹل میں آئے۔ اسباب لیا اور خوجی سے کہا: آج شب کو یہاں ٹھہرو۔ میں کانسل کے یہاں مدعو ہوں، جب جہاز پر سوار ہوں گا تو بلالوں گا۔ خوجی اس وقت زمین میں قدم نہیں رکھتے تھے۔ عمر میں انھوں نے آج پہلے ہی مرتبہ ایک آدمی کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نیچا دکھایا تھا۔

خ : اس وقت ایک کشتی اور نکالی۔

راوی : (اور) کے لفظ نے بھڑکا دیا گویا کئی کشتیاں اور بھی نکالی تھیں۔

آزاد : کشتی کیسی؟

خ : کشتی کیسی کیا معنی؟ کیسی ہوتی ہے کشتی؟

آزاد : معلوم ہوتا ہے پٹے ہو۔

خ : اس پٹنے والے کی ایسی تیسی، اور کہنے والے کو کیا کہوں۔

آزاد : کشتی نکالی؟

خ : ارے میاں بولتے نہیں؟

تہور : ہاں حضور یہ سچ کہتے ہیں۔

خ : لو۔

آزاد : (تہور خاں سے) کیا ہوا کیا؟

تہور : جی یہاں ایک بونا ہے، اس نے ایک دھول لگائی۔

آزاد : دیکھا نا، میں تو سمجھا ہی تھا کہ پٹے ہوں گے۔

خ : سن تو لو۔

تہور : بس دھول کھا کر یہ لپکے، اس کو کئی چپتیں لگائیں۔ اور اٹھا کر دے پٹخا۔

خ : وہ پٹخنی تبائی ہے کہ یاد ہی کرتا ہوگا۔ دو مہینے تک کھٹیا سے نہ اٹھ سکے گا۔

تہور : بجا ہے، وہ دیکھیے سامنے اکڑ رہا ہے۔

آزاد : یہی ہے، وہ تو اس وقت بھی اکڑ رہا ہے۔ تم تو کہتے تھے کہ دو مہینے تک اٹھ ہی نہ سکے گا۔

خ : ہوا تو چلنے دو۔

الغرض آزاد اسباب لے کر احمد آفندی کے ساتھ، کانسل کے ہاں گئے۔ شب کو میاں خوجی ہوٹل میں سوئے۔ کوئی نو بجے رات کو اٹھے تو دیکھا کہ لمپ گل ہوگیا۔ انھوں نے پکارا کوئی ہے؟ پانی پلاؤ: ایک آدمی نے دروازہ کھولا، پانی دیا، گلاس لے کے خوجی نے پیا، لیٹ رہے۔ اتنے میں اس کمرے میں چٹاخ کی آواز گونجی۔ ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ آواز کیسی تھی، یہ میاں خوجی کی کھوپڑی پر دھول لگی تھی۔ آگ بھبھوکا ہوکر خوجی اٹھے، تو دیکھا کہ ایک پستہ قد آدمی بھاگا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جاتا ہے۔

خ : ارے لاحول، یہ تو وہی نامرد کی معلوم ہوتا ہے۔ پانی اسی نے پلایا تھا اور چپت بھی اسی نے جڑی۔ اوگیدی! کیا تڑکا نہ ہوگا، ذبح کر کے رکھ دوں تو سہی۔

یہ کہہ کر خوجی کمرے میں آئے۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص نے جس کے ہاتھ میں ایک قیمتی لالٹین تھی خوجی کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ ایں! روشنی ندارد۔ اور ابھی نو ہی بجے ہیں۔ ایک آدمی پر حملہ کیا۔ خوجی اٹھ بیٹھے۔

خ : اوگیدی پھر آیا؟

اس شخص نے تہور خاں اور دو تین اور ہمراہیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بیان کیا، صاحب کوئی پاگل سا معلوم ہوتا ہے۔ خوجی نے اشارے سے بتایا کہ وہ بونا مجھ کو دق کرتا ہے تہور خاں نے اس شخص کو حکم دیا کہ جو یہ کہیں اس کا ترجمہ کر کے ہم کو بتاؤ؟ یہ شخص ہوٹل کا منیجر تھا۔ غل کی آواز جو سنی، تو آیا کہ دیکھوں ماجرا کیا ہے۔ بونا بلوایا گیا، آتے ہی منیجر نے اپنے ہاتھ سے ایک تھپڑ لگایا۔ اب سنیے! ادھر تو منیجر صاحب کمرے سے باہر گئے اور ادھر خواجہ بدیع صاحب کو دست آنے شروع ہوئے، وجہ یہ کہ پانی میں بونے نے جمال گوٹا ملا دیا تھا۔ اثر دکھایا ہی چاہے۔ ہوٹل کے نوکروں نے منیجر کو جگایا۔

منیجر : کیا ہے؟

نوکر : ایک آدمی ماندا ہو گیا ہے۔

منیجر : کیا ہیضہ ہوا؟

نوکر : جی نہیں۔ دست آتے ہیں۔ اب تک کوئی گیارہ دفعہ گیا ہوگا۔

منیجر : وقت کیا ہے؟

نوکر : دو بجے۔

منیجر : تم لوگ موقوف کر دینے کے قابل ہو، اب تک کیوں نہ اطلاع دی؟

نوکر : اس دن جگایا تو...

منیجر : چپ سور، ڈے سے کہو ڈاکٹر صاحب کے نام خط لکھے۔

ڈے کلرک کا نام تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے نام خط بھیجا، ایک گھنٹے کے عرصے میں تشریف لائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ڈاکٹر: اس کو کسی نے جال گوٹا دے دیا۔ برا حال ہے، دست بہت آئے۔

منیجر: پھر اب؟

ڈاکٹر نے نسخہ لکھا، اور حکم دیا کہ ابھی دوا لاؤ اور پلا دو۔

ٹرکی کے کانسل کے یہاں میاں آزاد، فرخ نہاد اور ایک صاف شفاف اور رفیع و وسیع کمرے میں آرام کر رہے تھے، کہ دفعتہً ایک گھنٹی اس زور سے بجی کہ میاں آزاد کی آنکھ کھل گئی اور انھوں نے سنا کہ ایک شخص ان کو کمرے کے باہر بلاتا ہے، پوچھا، کون؟ کہا، حضور کا خادم۔ ہوٹل سے ایک آدمی آیا ہے، اور آپ کو بلاتا ہے۔

میاں آزاد نے کہا، "لاحول ولاقوۃ" مدت کے بعد آرام کے ساتھ سونا نصیب ہوا تھا۔ اس خوجی مردک کے سبب سے سونے نہ پائے۔ بلاؤ صاحب بلاؤ، وہاں پھر جھگڑے ہوں گے کسی سے۔ عجب پاگل ہے، نالائق، خدا سمجھے اس سے، بھلا اس وقت آدھی رات ڈھل گئی، پوچھیے یہاں کیا کام تھا۔ میاں آزاد اٹھ کر باہر گئے، تو دیکھا کہ دو آدمی کھڑے ہیں۔ ایک کانسل کا نوکر جس کو انھوں نے میاں آزاد کی خدمت کے لیے مقرر کیا تھا، اور دوسرا کوئی اجنبی تھا، جس کو میاں آزاد نے بیشتر کبھی نہیں دیکھا تھا۔

آزاد: (اپنے دل میں) ایں! سمجھے تھے کہ میاں خوجی ہوں گے۔

اجنبی: ہوٹل سے آیا ہوں، منیجر نے بھیجا ہے، اور یہ چٹھی دی ہے۔

آزاد نے خط لیا، پڑھا تو رنگ فق ہو گیا۔

مسٹر آزاد: جس شخص کو آپ یہاں چھوڑ گئے تھے وہ گیارہ بجے رات سے علیل ہو گئے ہیں اب تک چودہ دست آچکے، ڈاکٹر صاحب کی رائے ہے: کہ اگر دو چار دست اور آئے تو یہ مر جائیں گے۔ آپ آئیے! آپ کے دوست کی بھی یہی خواہش ہے۔ ہمارے نزدیک اب یہ بڈھا آدمی دو ہی چار گھنٹے کا مہمان ہے۔

(آپ کا دوست منیجر ہوٹل الخ)

آزاد: (اپنے دل میں) اور سنیئے، اچھا رنگ لائے۔ چلتے چلاتے دغا دے گئے۔ اب نہ بچیں گے۔ جب ڈاکٹر نے جواب دے دیا تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔ افسوس!

نوکر: حضور، گاڑی بھی لیتا آیا ہوں۔

آزاد: ہم کپڑے پہن لیں تو ابھی چلتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کپڑے پہن کر میاں آزاد گاڑی پر سوار ہوئے، گھوڑے ہوا ہوئے اور دن سے ہوٹل میں داخل میاں آزاد نے دیکھا کہ کمرے میں خوجی لیٹے ہیں۔ اور منیجر اور ڈاکٹر سرہانے، کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ آزاد کو دیکھ کر خوجی نے سلام کیا اور کہا: الوداع!

خدا کرے تم ٹرکی سے سرخرو آؤ، اور حسن آرا بیگم کو عقدِ نکاح میں لاؤ۔ اس کے بعد پڑھنا شروع کیا ؎

ہیچ دانی کہ ماکیسیم و شما
سایۂ نورِ آفتابِ خدا
سایۂ آفتاب سایۂ اوست
تابشِ نور ہست عینِ ضیا
نیست خورشید از شعاع بعید
نیست سایہ ز آفتاب جدا
سایہ و آفتاب یک چیزند
ہست او واحد و کثیر نما
چوں یکے بود سایہ و خورشید
یارب ایں کثرت از چہ شد پیدا
نظر از عین ممکنات بدوز
تا کہ سایہ نمایدت یکتا
بگذر از سایہ زانکہ خورشید ست
آنچہ تو سایہ خواہش ہر جا
شیٔ واحد نگر کہ چوں گردید
عین ہستی جملۂ اشیا
ہست یک عین ایں ہمہ اعیان
یک مسمیٰ ست ایں ہمہ اسما

یہ پڑھ کر تین بار کلمہ پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

آزاد: (ڈاکٹر سے انگریزی میں) بچنے کی امید ہے یا نہیں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ڈاکٹر: بہت کم۔

آزاد: عارضہ کیا ہے؟ ہیضہ ہے؟ یہ ہوا کیا دفعتہً؟

ڈاکٹر: جمال گوٹا۔

منیجر: جی نہیں، دست آگئے، کسی وجہ سے۔ مگر بچنا محال ہے۔

آزاد: افسوس صد افسوس! کہاں پر ساتھ چھوٹا۔

خوجی نے آزاد سے یہ منت و سماجت کہا: کہ اس وقت سورۂ یٰسین کسی سے پڑھوائیے۔ آزاد نے منیجر سے کہا: کسی حافظ کو بلوائیے۔ چنانچہ ایک شخص یمن کے باشندے ملّا فرقان، بلوائے گئے۔ خوجی کے قریب بیٹھ کر انھوں نے سورۂ یٰسین قرأت کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔

آزاد: لاکھوں عیب اس شخص میں ہیں، مگر اپنے مذہب کا پکا، شرع کا پابند، روزہ دار، شب زندہ دار، مگر افسوس!

خ: کسی نے کیا خوب کہا ہے:

پہنچی نہ راحت ہم سے کسی کو ایسے اذیت کوش ہوئے
جان پڑی تب بارِ شکم تھے مر کے وبالِ دوش ہوئے

آزاد: اجی تم دو دن میں اچھے ہو جاؤ گے، سمجھے؟

خ: اجی واہ، میں مروں یا جہنم میں جاؤں، مگر بھائی واسطے خدا کے ذرا جان کا خیال رکھنا۔ ایسا نہ ہو کوئی جلتا ہو، تم آگ میں پھاند پڑو۔ خدا تمھارا حافظ و ناصر ہے، ہم تو اب چلتے ہیں خطا معاف، اب تک جتنی خوشی تمھارا ساتھ دیا، اب مجبوری ہے۔

صبح کے وقت میاں آزاد خوجی کو کانسل کے ہاں لے گئے اور کہا کہ یہ شخص میرا رفیق قدیم ہے جب میں ہندوستان سے چلا تو اس نے میرا ساتھ دیا۔ اب یہاں آ کر سخت علیل ہو گیا، ڈاکٹر کی رائے ہے کہ چار روز میں اگر بچ گیا تو خیر، ورنہ اس کے مرجانے میں شک نہیں۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو اور آپ بدل اجازت دیں، تو اس کو یہاں چھوڑ جاؤں۔ اگر صحت پائے تو آپ ازراہ نوازش اس کو جہاز پر ہندوستان واپس بھیجیے گا۔ کمال ممنون ہوں گا۔ کانسل نے کہا یہ بات ہی کون ہے جو آپ اس قدر منت و سماجت کرتے ہیں، آپ ان کو یہاں چھوڑ جائیے۔ دو آدمی ان کی خدمت کے لیے تعینات رہیں گے۔ ڈاکٹروں کی قلت نہیں، ہر طرح آرام کے ساتھ بقیہ عمر بسر کریں گے۔ آپ مطمئن رہیے، اب آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ جلد جائیے اور ضرور جائیے۔ دریائے پرتھ سے لشکر روس یہاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبور کرنے کو ہے۔ بڑی سخت جنگ ہوگی، خدا خیر کرے! دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے۔

آزاد نے خوجی کو سمجھایا کہ اب مجبور ہو کر ہم کو تمھارا ساتھ چھوڑنا پڑتا ہے۔ کل صبح کو جہاز روانہ ہوگا۔ تم یہاں رہو اور چین کرو۔ دو آدمی تمھاری خدمت کے لیے مقرر رہوں گے۔ ڈاکٹر صبح و شام آکر دیکھیں گے۔ تمھارا نقصان ہی کیا ہے۔ خوجی نے کہا بدرجۂ مجبوری رہنا پڑتا ہے، ورنہ میرا تو یہی دل چاہتا ہے۔ بقول:

حبّ الوطن از ملکِ سلیماں خوشتر
خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر
یوسف کہ بمصر بادشاہی می کرد
می گفت گدا بودنِ کنعاں خوشتر

اگر نہ رہوں تو کیا کروں؟ آج مُوا کل دوسرا دن۔ یہ تو بے حیائی کا جینا ہے، ایسے جینے پر لعنت خدا، یہاں چاہے دس خدمت گار رہوں، چاہے بیس، بے کار محض:

ہائے در زنجیر پیش دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

مگر آب و دانہ کی بات ہے، ہم کو یہاں کی مٹی گھسیٹ لائی۔

آزاد: اجی نہیں۔

خ: نہیں کیا معنی؟

آزاد: آج کے چوتھے روز دندناؤ گے۔ دیکھ لینا، ڈنڈ پیلتے ہو گے۔

خ: خدا کے اختیار ہے۔

آزاد: تمھارا مکان کہاں ہے خواجہ صاحب؟

خ: میں اصل باشندہ گجرات کا ہوں، مگر لکھنؤ، کانپور، آگرہ، اس طرف رہنے کا زیادہ اتفاق ہوا۔

آزاد: ارے یار! دیکھیے کب ملاقات ہوتی ہے۔

خ: ایک بات یاد رکھنا کہ ٹرکی میں سب سے مل جل کے رہنا، شکر رنجی نہ ہونے پائے، واسطے خدا کے، باتفاق رہنا۔ جوتی پیزار لڑائی جھگڑے سے مطلب بر آری معلوم، اور کبھی خواجہ بدیع کو بھی یاد کرنا۔ ہائے افسوس! یار جدائی ایسی شاق گذرتی ہے کہ بس کیا بیان کروں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: جب بیماری سے صحت پاؤ تو ہندوستان چلے جانا۔

خ: ہونہہ: اے میاں دم کا یہاں بھروسا نہیں ہے۔

خوجی سے رخصت ہو کر میاں آزاد روانہ ہونے کو تھے، خوجی نے آبدیدہ ہو کر کہا: کہ اب میں بعد صحت کیا کروں گا، کانسل نے تشفی دی، اور کہا: آپ نہ گھبرائیں، ہم آپ کے لیے ہر قسم کا بند وبست کریں گے۔ آپ مسٹر آزاد سے کچھ نہ کہیے، اگر آپ اچھے ہو گئے تو آپ کے وطن آرام کے ساتھ آپ کو بھیج دیں گے۔ خوجی کو ان کلمات سے بڑی خوشی حاصل ہوئی، آزاد سے ہاتھ ملایا، اور روتے روتے کہا: کہ اب وقتِ رخصت دو باتیں سن لیجیے۔

ایک یہ کہ وہاں سب سے مل جُل کر رہنا۔

دوسرے یہ کہ بے وجہ جان کو معرضِ خطر میں نہ ڈالنا۔

آزاد رخصت ہو کر جہاز پر سوار ہوئے۔ اتنے عرصے کے بعد خواجہ صاحب کی مفارقت سخت شاق گزری۔ عالم تنہائی میں طرح طرح کے خیال دل میں جگہ پاتے تھے۔ سوچے کہ ٹرکی تو پہنچ ہی جائیں گے اور کانسل نے جو خطوط افسرانِ عالی مقام اور عمائدِ ذی احترام کے نام لکھ دیے ہیں، ان کے ذریعہ سے کوئی نہ کوئی عہدہ بھی ضرور پائیں گے مگر یقین نہیں آتا کہ حسن آرا بیگم کو عقد نکاح میں لائیں۔ چنے کے برابر ایک گولی کام تمام کر دے گی۔ تھوڑی دیر کے بعد سو رہے پھر اٹھے، اِدھر اُدھر کی سیر دیکھی، صبح ہوئی، شام ہوئی، ایک مرتبہ سوئے تو خواب دیکھا، کہ حسن آرا بیگم کے دروازے پر یہ پہنچے، اور حسن آرا نے ان کو اپنے ہاتھ کا بنایا ہوا گلدستہ دکھایا مگر دفعتہً کسی شخص نے توپ داغی اور ان کی آنکھ کھل گئی۔ نہ تو حسن آرا، نہ گلدستہ، ناخدا نے کہا لیجیے، قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ آزاد قسطنطنیہ کے نام سے ایسے خوش ہوئے کہ جامے میں پھولے نہ سمائے۔ شکرِ خدا بجا لائے، کہ قسطنطنیہ تک زندہ تو آئے، ہائے! دیکھیے؛

یا ہاتھ توڑے جائیں گے یا کھولیں گے نقاب
سلطانِ عشق کی یہی فتح و شکست ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد کا نام

بڑی بیگم اور ان کی پری چہرہ و زیبا شمائل صاحبزادیاں، مشتری خصائل اور ناظورۂ ماہ سیما، روح افزا، اور نواب نامدار والا تبار داخلِ منزلِ مقصود ہوئے۔ خدّام عالی مقام نے فنسوں کا انتظام سرِ شام ہی سے کر رکھا تھا۔ مخدراتِ عصمت سمات، بیش بہا فنسوں پر سوار ہوئیں، نواب باوقار نے سمندِ سیاہ زانو کی باگ اٹھائی۔ اُدھر وہ ادھر تا دم کے دم میں پہنچ گئے۔ بہار النسا بیگم نے فرطِ طرب سے درِ خانہ تک پیشوائی کی، روح افزا اور سپہر آرا سے خوشی خوشی ملیں، بڑی بیگم صاحب کو آداب عرض کیا، مگر حسن آرا کو جو دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔ اوئی اللہ۔ انھیں ہو کیا گیا؟ بھلے کو روح افزا نے خط بھیج دیا۔ اے اللہ جانتا ہے۔ میں نے جب غور کر کے دیکھا تب پہچانا۔ خدا نخواستہ یہ تو وہاں چندے ہی میں تحلیل ہو جاتیں۔ چلو خدا نے بڑا فضل کیا، کہ یہ یہاں تک آ گئیں۔ اب علاج و لاج ہوتا رہے گا۔ حسن آرا بہن سے مل کر بولیں کہ باجی جان جس دن آپ روانہ ہوئی تھیں نا، اللہ نہ کرے ویسی رات پھر کبھی آئے۔ ہے ہے بہن کچھ بیان نہیں کر سکتی، مینھ تو موسلا دھار پڑ رہا ہے اور بجلی کی یہ کیفیت کہ پلک جھپکنے نہ پائے اور وہ تین باری لونک جائے اور رعد کی گرج۔ اف! اف! کان کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ اسی میں زلزلہ آیا۔ بھونچال کے آتے ہی امّاں جان تو سمجھیں کہ حسن آرا کی مسہری کو جنوں نے ہلایا۔ یہ تو ہاتھ مل کر چیخ اٹھیں، مگر روح افزا بہن نے سمجھا کر کہا، کہ بھونچال ہے۔ تب ذری ذری ڈھارس ہوئی، مگر رات بھر تڑپتے رہے، سپہر آرا نے کہا اے باجی ! سامنے ہی تو بجلی گری، ایک دفعہ آواز ہوئی زور کی، اور بجلی ایسی چمکی کہ عمر بھر ہم نے کوئی چیز ایسی روشن دیکھی ہی نہیں، اور گری کہاں سامنے والے اصطبل میں۔ وہ جو چھوٹے سے کمرے کے سامنے نہیں ہے، بس اسی میں اب سنو، کہ اتنی بھی مہلت منھ نے نہ دی کہ پوچھیں، بجلی گری تو سب بچے یا نہیں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روح افزا بہن کی طبیعت بھی اس وقت حد بھر بے لطف تھی، اور باجی جان تو تڑپ رہی تھیں۔ حسن آرا بولی: کہ تڑپنا کیا معنی۔ بہن، میرا دل تو پک گیا تھا۔ تلملا تلملا کے رہ جاتی تھی۔ رات بھر کسی کی آنکھ تک نہ جھپکی، دو ہی تین گھنٹے کی بارش نے تمام شہر کو تلپٹ کر دیا۔ بارے، خدا خدا کر کے تڑکا ہوا۔ اللہ بڑا بچانے والا ہے۔

روح : اماں جان کو سویرے تم یاد آئیں، دولھا بھائی یاد آئے، خفقان نے جو گھیرا تو سوچیں کہ ایک آدمی کو ریل پر ابھی ابھی بھیج دو۔ یہ مینھ دس کوس کے گردے میں ہوگا، تب ہم نے سمجھایا کہ ان کے خط کی راہ دیکھ لو، اور وہ اس وقت کیا جانے کتنی دور نکل گئے ہوں گے، ریل پر گئے ہیں کچھ جھکڑا تھوڑا ہی ہے کہ نو دن چلے اڑھائی کوس۔

ب : مکان تو بڑا کشادہ ہے اور ہوادار، پہلے اس کی اور ہی قطع تھی۔ دیکھو: چندر بیدی ہے کہ سورج بیدی۔

حسن : (مسکرا کر) ہاں: اماں جان یہ ضرور دیکھ لینا چاہیے۔

روح : (ہنس کر) اے لو ضرور، ہزار کام چھوڑ کر۔

دونوں بہنیں خوش و خرم، ہنستی بولتی، مکان کے دالان، اور کمرے اور شہ نشیں اور تہ خانے اور چھت کے کمرے، دیکھنے لگیں۔ روح افزا اور بہار النسا دکھاتی جاتی تھیں۔ چھت پر ایک عالی شان اور صاف شفاف کمرے کے دروازے جو کھولے تو حسن آرا اور سپہر آرا نے دیکھا کہ دریا لہریں مارتا ہے۔ غنچۂ دل کھل گیا۔ حسن آرا بھولے پن کے ساتھ بہار النسا کے گلے ملی۔ باجی! اس وقت جی خوش ہو گیا۔ ہماری پلنگڑی یہیں بچھے۔ ایسا مکان کسی کو نصیب کہاں۔ واہ واہ، برسوں کا بیمار یہاں رہے تو دو دن میں اچھا، بھلا چنگا ہو جائے اور چاہے انسان دن دن بھر اکیلا رہے، دل ہی نہ گھبرائے۔ واہ واہ۔ لو بہن مبارک۔ بیماری تو ہمارے پاس پھٹکنے بھی نہ پائے گی۔ کیا طاقت۔

سپہر : بہار النسا بہن! بھلا کبھی اندھیرے اجالے دولھا بھائی نہانے دیتے ہیں دریا میں۔

بہار : اے ہے! اس کا نام بھی نہ لینا، ان کو بڑی چڑھ ہے اس بات کی۔

روح : اب دروازوں میں دہری دہری چقیں پڑ جائیں گی، چاہے تمام دن دروازہ کھلا رہے، کچھ ہرج نہیں۔

حسن : ہاں بس چقیں پڑ جائیں جس میں ہوا کی ہوا آئے، اور سیر کی سیر دیکھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روح : ہم تو اب تھوڑی دیر میں جائیں گے۔

سپہر : سسرال ؟

روح : ہاں اب جائیں گے۔

حسن : یہاں سے کتنی دور ہو ؟

روح : ٹکا ڈولی۔

سپہر : بس تو پاس ہے، یہ کھلے ہوئے میدان میں ہے۔ مکان یا گلی کوچوں میں ؟

روح : نہیں۔ تین طرف سے میدان ہی میدان ہے۔ ایک طرف تکیہ، دو طرف میدان، ایک طرف مکانات ہیں۔ شریفوں کا محلّہ ہے، کھلی ہوئی کوٹھی ہے، اور اندر ہی ایک باغچہ بھی ہے۔

حسن : ہمیں حیرت ہے کہ یا اللہ! یہ لوگ گلی کوچوں میں کیسے رہتے ہیں۔ اف! ہمارا تو دم گھٹ جائے۔

بہار : عادت کے تعلق ہے، ہم تو اس مکان پر لوٹ ہیں۔

روح : اب یہاں ڈاکٹر کا علاج ہوگا یا حکیم کا ؟

حسن : کس کے لیے ہمارے لیے ؟ واہ۔ علاج اب کس بات کا، تم دیکھ لوگی کہ دو دن میں میں کیا سے کیا ہو جاتی ہوں۔

بہار : اللہ کرے تندرست رہو۔

اس عالی شان کوٹھی کی لطافت و فسحت کا کیا پوچھنا: ایک وسیع میدان میں لبِ دریا واقع تھی۔ دریا کی موج زنی سے ایک عجیب دلربا کیفیت نظر آتی تھی، سامنے رمنا سر سبز و شاداب، زمین فراخ و سیراب، ایک سمت دور تک اونچے ٹیلے، نظر آتے تھے جس پر ہری ہری دوب جمی تھی اور دور سے ناظرین کو کہسار کی سی کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ کوئی اونچا کوئی نیچا۔

شام کا وقت تھا۔ آفتاب کی سرخ سرخ کرنیں کچھ یوں ہی سی دکھائی دیتی تھیں۔ شفق کے سبب سے ان چاروں بہنوں کا جوبن اور بھی دوبالا ہو گیا۔ اٹھلا اٹھلا کر اونچی اونچی چھتوں پر ہوا کھانے لگیں، کہ اتنے میں ایک سمت سے دھواں اٹھا، تو حسن آرا نے پوچھا کہ یہ دھواں کیسا ہے ؟

بہار : اس طرف سے دھواں اٹھا ہے۔

روح : اے اس گھاس پر مردے جلائے جاتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن : ہندوؤں کے مردے یہاں ہی جلتے ہیں ؟

بہار : ہاں، مگر یہاں سے دور ہے

سپہر : ہائے! کیا جانے کون بے چارہ جل رہا ہوگا۔

روح : زندگی کا بھروسا نہیں۔

حسن : ایک دم کا نہیں۔ دم آیا آیا، نہ آیا، نہ آیا۔

روح : ہے ہے! میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ ایک مزدور بس چٹ پٹ مرگیا، دیکھتے ہی دیکھتے آناً فاناً، گٹھا اس نے زمین پر پھینکا، اور گر پڑا۔ بس ایک دفعہ ہی آنکھیں پھیر لیں اور چٹکیوں میں چل بسا۔

سپہر : ہمارے یہاں کے سائیس ہی کو نہ دیکھو، بھلا خاصا چنگا تھا۔ بجلی گری، صبح کو جلا بھنا ملا۔ راکھ کا ڈھیر۔

رفتہ رفتہ اسی دن بڑی بیگم سے کسی نے کہہ دیا کہ سامنے مرگھٹ ہے، ہندوؤں کے مردے وہاں جلائے جاتے ہیں۔ سنتے ہی بڑی بیگم کے ہوش اڑ گئے۔

ب : ارے مردے جلاتے ہیں، اے بہار النسا۔ تم یہاں رہیں کیوں کر؟ واہ خورشید دولھا آئیں تو میں ان سے کہوں۔

حسن : فائدہ، برسوں سے تو وہ یہاں رہتے ہیں۔ بھلا تمھارے کہنے سے مکان چھوڑ دیں گے۔

سپہر : پشت ہا پشت سے رہے، کچھ بھی نہ ہوا، ہم جو دو دن رہیں گے تو مردے چمٹ جائیں گے۔ آگے، بولیے ؟

بہار : اماں جان اس سے کیا ہوتا ہے۔ مرگھٹ کہاں، مکان کہاں، بھلا کوئی بات بھی ہے، توبہ توبہ کوس بھر کا ٹپا ہوگا۔

بڑی بیگم کا بس چلتا تو کھڑے کھڑے چلی جاتیں اور دونوں لڑکیوں کو ساتھ لے جاتیں، مگر بعد خرابی بصرہ اور انکار و اصرار بلیغ، نقل مکان کیا تھا۔ مجبور ہو گئیں، بار بار سوچتی تھی کہ چاہے کوئی ہنسے، چاہے کوئی کچھ کہے، میں چلی ہی جاؤں گی، مگر پھر طرح طرح کے خیالات دل میں جگہ پاتے تھے۔ بقول شاعر؛

تنگ آیا تھا نہایت خاطرِ مشتاق سے ہر گھڑی کہتی تھی چل، ہر وقت سمجھاتی تھی ہاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرے ہی روز حسن آرا بیگم کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے آن کر کیفیت دیکھی، تو بیان کیا کہ بیس روز سے ان کو بخار ہے۔ بڑی بیگم اور نواب صاحب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، کہ غضب ہی ہوگیا۔ جوان عورت اور تپ کہنہ، خدا ہی خیر کرے۔ اس تپ کہنہ ہی کے عارضہ میں بڑی بیگم کا ایک جوان لڑکا جاتا رہا تھا۔ ان کے شوہر نے بھی اسی عارضۂ مہلک میں انتقال کیا تھا۔ ان کے والد بزرگوار نے بھی تپ دق ہی سے قضا کی تھی۔ سنتے ہی ہوش ٹھکانے نہ رہے۔ نواب صاحب نے انگریزی میں پوچھا: کہ خطرہ تو نہیں ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے کہا عارضہ تو سخت ہے، مگر لاعلاج نہیں ہے۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ میں بہت اچھا علاج کروں گا۔ اسی وقت ڈاکٹر بابو نے ایک نسخہ لکھا، اور کہا کہ ایک شیشی آپ کو ملے گی تین دن میں صحیح ہو جائیں گی۔ بس ایک ہفتہ احتیاطاً استعمال میں لائیں، کافی ہے۔ دو ہی دن میں دوا کے استعمال سے، حسن آرا بیگم کی حالت کچھ سے کچھ ہوگئی۔ کچھ تو دوا کا اثر، کچھ نقل مکان، اور آب و ہوا کا اثر، بہت ہی جلد رو بہ صحت لائیں۔ تیسرے روز پورا پورا افاقہ ہوگیا۔ چوتھے روز سے ڈاکٹر نے دوا موقوف کر دی، اور مرغ کی یخنی پلانے کا حکم دیا۔ چھٹے روز غسلِ صحت ہوا اور ڈاکٹر صاحب کو بڑی بیگم نے ایک سو روپیہ اور ایک تھان زربفت کا، اور ایک شالی رومال خاص کشمیر کا دیا۔ اور اس روز عمدہ عمدہ کھانے بھی پکوائے اور فقرا اور مساکین، اور سیّدوں اور سیدانیوں کو خیرات بھی دی۔ غسل کے دوسرے روز صبح کے وقت حسن آرا بیگم جھروکے سے سیر دریا کرتی تھیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے فرحت بخشتے تھے، اور سامنے دریا کی روانی عجب لطف دکھاتی تھی۔ سبزہ چوطرفہ لہلہاتا تھا۔ غنچۂ دل نسیمِ طرب کے اہتزاز سے کھلا جاتا تھا۔ سینہ وفورِ سرور سے باغ باغ تھا، عرش پر دماغ تھا۔ سپہر آرا نے جب مناجات سے فراغت پائی تو بہن کے پاس آئی اور جھروکے سے مشاہدۂ لطفِ خداداد کرنے لگی۔ دونوں بہنیں بڑی دیر تک لطفِ طرب انگیز دیکھا کیں، جس طرف دیکھتی تھیں خدا کی قدرت مجسّم نظر آتی تھی۔

به سیرِ گلستاں، دریادِ آں سیمیں بدن رفتم
در آغوشِ سمن غلطیدن واز خویشتن رفتم
به وقت صبح دم گریاں چو شبنم از چمن رفتم
نہادم روئے بر روئے گل واز خویشتن رفتم

سپہر: باجی جان! کل بہار النسا بہن کہتی تھیں کہ یہ جو اس طرف دور تک اونچے نیچے ٹیلے نظر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آتے ہیں، جن پر گھانس جمی ہے، یہاں آبادی تھی، مگر اب محلّے کے محلّے اجاڑ ہو گئے اور، اور طرف تو کُل جا بیجے، اور یہ جہاں تم بیٹھی ہو یہاں وزیر کا مکان تھا۔ مجال کیا تھی کہ کوئی اس طرف آتو نکلتا۔ اور جس روز وزیر کی سواری نکلتی تھی، دو رویہ آئینہ بندی ہو جاتی تھی۔ وزیر کا حکم بادشاہ کے حکم سے بھی زیادہ مانا جاتا تھا اور اب یہاں خاک اڑتی ہے، کتے لوٹ رہے ہیں۔ اتنے میں ایک کشتی نظر آئی تو سپہر آرا نے کہا: باجی جان دیکھو: ادھر کشتی آرہی ہے۔

کشتی اسی مقام پر ٹھہری اور آدمی اس پر سے اترنے لگے۔ ایک متین آدمی شہتوت کے سایہ میں آن کر کھڑا ہوا۔ خدمت گار نے زمین صاف کر کے دری بچھا دی، اور اس پر قالیچہ، مرد معمّر بیٹھے خدمت گار نے حقّہ تازہ کیا، پینے لگے۔ مرد معمّر نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ارے میاں گلباز! ادھر آؤ، وہاں کیا کر رہے ہو۔ گلباز بولے تم اس درخت کے سایہ میں بیٹھو، ہم اس درخت کے سایہ میں بیٹھیں۔

مرد معمّر:

سینے کو چمن بنائیں گے ہم
گل کھائیں گے گل کھلائیں گے ہم

یہ میاں آزاد کا شعر ہے۔

حسن آرا نے جو میاں آزاد کا لفظ سنا تو چونک پڑی۔ چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ مرد معمر کو جھروکے سے بغور دیکھا۔ سپہر آرا نے پوچھا، باجی جان خیریت تو ہے؟ تمھارے چہرے سے اس وقت کچھ عجب بات پائی جاتی ہے۔

حسن : میاں آزاد کا نام فقط اس بوڑھے کی زبان سے میں نے سنا۔
سپہر : ایں! باجی، چونکتی ہو۔
حسن : خاتونِ جنّت کی قسم۔
سپہر : اے واہ۔
حسن : اِس بوڑھے نے کوئی شعر پڑھا، اور کہا یہ شعر میاں آزاد کا ہے۔
سپہر : سچ مچ

اتنے میں بوڑھے نے پھر وہی شعر پڑھا۔

سینے کو چمن بنائیں گے، ہم
گل کھائیں گے گل کھلائیں گے، ہم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ میاں آزاد کا شعر ہے۔ ایک ہی شخص ہے۔ واللہ خدا جانے بے چارہ کہاں ہوگا۔ ہائے:

سینے کو چمن بنائیں گے ہم
گل کھائیں گے گل کھلائیں گے ہم

آزاد! آزاد! پیارے آزاد!

سینے کو چمن بنائیں گے، ہم
گل کھائیں گے گل کھلائیں گے، ہم

یہ شعر پڑھ کر حسن آرا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور سپہر آرا بھی بے اختیار رونے لگیں۔

مرد: آزاد سے تم سے ملاقات نہیں، ورنہ خدا کی قسم تم خود کہتے کہ وہ واقعی فرد ہے۔ واللہ شیر مرد ہے۔

گلباز: (گل) یہ شعر ہماری شان میں کہا تھا۔

مرد: خدا جانے زندہ ہے یا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہائے!

اس فقرے نے سپہر آرا اور حسن آرا کو اور بھی ملول کر دیا۔

گل: میاں آزاد کون تھے بھئی؟

مرد: ایک جوانِ رعنا ہے، نکتہ سنج، مرنجان مرنج، نازک خیال، شیریں مقال، سیر مرد، جرأت و بسالت میں فرد، لائق فائق، ہمہ دان، سحبان جہاں، حسین و مہ جبین:

ہنوزش گرد گل نارستہ شمشاد
بخوبی سرو او، چون سروِ آزاد

گل: تو وہ گئے کہاں؟

مرد: کوئی بیگم ہیں، ان پر یہ عاشق ہوئے، مگر اس نے کہا کہ جب تک تم روم جا کر روسیوں سے نہ لڑو گے، تب تک میں شادی نہ کروں گی۔

گل: واہ، اچھی بیگم ہیں۔

مرد: مسلمان کو تو خوش ہونا چاہیے۔

گل: کیوں؟

مرد: کیوں، کیوں کاہے کی، اے میاں ایسی عورتیں تو واللہ زیارت اور سجدے کے قابل ہیں،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو اس درجہ اسلام کی حامی ہوں۔

گل : ہے تو ایسا ہی، مگر:

سجدہ بتوں کا مرد موحّد سے ہو چکا
کچھ بت بھی توبہ توبہ کسی کے خدا ہوئے

مرد : کہتے تھے کہ اگر شکست پائی تو پھر ہندوستان میں صورت نہ دکھائیں گے۔

گل : خدا کرے زندہ آئے اور سرخرو آئے!

حسن آرا نے گلباز کو غور سے دیکھا، اور سپہر آرا بولی آمین!

گل : مگر کیوں صاحب! بیگم ہوں گی بلا کی حسین؟

مرد : بس ایسی خوبصورت ہوں گی کہ شاید لاکھ دو لاکھ میں ایک ہو۔

اس فقرے پر سپہر آرا نے مسکرا کر کہا: باجی خوش تو نہ ہوئی ہو گی؟ حسن آرا نے کہا اس وقت بڑی خوشی تو یہ ہے کہ، آزاد کا نام مشہور ہوتا چلا۔ سپہر آرا بولی: باجی ان کے ساتھ تمھارا نام بھی تو مشہور ہو چلا۔ نام نہ سہی، مگر اتنا تو لوگ کہنے لگے کہ وہ بیگم خوبصورت عورت ہے، جس نے مذہبِ اسلام کی اس قدر حمیّت کی۔

حسن آرا بیگم نے شنجرف کی دوات، واسطی قلم اور اپنی بیاض منگوائی اور سپہر آرا سے یہ بیت اس پر لکھوائی:

سینے کو چمن بنائیں گے ہم
گل کھائیں گے گل کھلائیں گے ہم

اور کہا: کہ جب پیارے آزاد آئیں گے تو ہم یہ شعر ان کو سنائیں گے

مردِ معمر نے کہا کہ آزادِ عالی نژاد، کا ایک خاتونِ پری زاد، سرو قد، غیرتِ شمشاد، پر دل آیا، اور تیغِ نگاہ کا ایسا چرکا کھایا، کہ جان پر بن آئی۔ عشق کیا آیا، کہ شامت ہی آ گئی۔ وہ پری رو بھی اس جوان کی عاشقِ زار ہے، رنجِ مفارقت سے از بس دل فگار ہے، دونوں صیدِ الم و ملال ہیں مرزا علی رضا کے یہ اشعار ان کے حسبِ حال ہیں۔ گلباز نے پوچھا کون اشعار؟ مردِ معمر نے خدمتگار سے کہا کہ ذرا ہماری بیاض تو لاؤ۔ گلباز مسکرا کر بولے، کہ وہ لال کتاب ہی کے بھروسے پر رہتے ہو۔ خدمت گار نے بیاض لا کر دی، اور پیر مرد نے بلحن داؤدی یہ اشعار پڑھنے شروع کیے:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بر سرم دیگر ہمانے عشق بار
ریخت طرح آشیاں از خار خار
شوق بر گردِ دلم پر می زند
از طپیدن حلقہ بر در می زند
شد نمایاں تابش برقی ز دور
از شرر در خرمنم افتاد دور
ہمچو فانوس از فروغ عشق دوست
جملہ خونم نور شد در زیر پوست

یہ شعر پڑھ ہی چکے تھے کہ درخت سے ایک چھپکلی گری اور مرد معمر چونک پڑے۔

گل: درخت پر چھپکلی کم دیکھنے میں آئی ہے۔

مرد: چاہے کوئی ہم کو ضعیف الاعتقاد کہے، مگر ہم تو چھپکلی گرنے کو منحوس سمجھتے ہیں۔

گل: اجی جاؤ بھی بوڑھے ہو گئے مگر عقل نہ آئی۔

مرد: چلیے ہم اپنی بھگت لیں گے۔

عجب اتفاق ہوا، حسن آرا اور سپہر آرا یہ اشعار سن کر روتی جاتی تھیں۔

اب سنیے: کہ ایک دن میاں آزاد فرخ نہاد اپنی معشوق ماہ سیما حسن آرا اور ان کی بہن سپہر آرا کو بھی اشعار سناتے تھے کہ دفعتہً چھپکلی دیوار سے گر پڑی تھی، اس دن کی ہیبت ان دونوں بہنوں کی آنکھوں میں چھپ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں:

دل میں ایک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیے کیا یاد آیا

حسن: کہو یاد ہے، اے سپہر آرا؟

سپہر: (ہچکیاں بھر کر) ہائے! کچھ نہ پوچھو باجی جان، اس وقت دل قابو میں نہیں ہے۔ نہیں معلوم کون سے خیال دل میں آ رہے ہیں، کلیجا بیٹھا جاتا ہے، افسوس! ہزار افسوس!

حسن:

فلک کے پار ہوئی اپنی آہ نیم شبی
ہمارے تیر سے صیاد ہو گیا نخچیر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وہ کوہکن ہوں کروں میں جو قصد کوہکنی
تو آب تیشہ، واں ہو جائے چشمہ سیر
خیالِ سنبل خط میں چلوں جو میں وحشی
قلم کی طرح ترے نقش پا بنیں زنجیر

حسن آرا نے مہری کو بلا کر چپکے سے کہا، کہ دیکھو وہ بوڑھے سے آدمی وہاں کون بیٹھے ہیں؟ مہری نے پوچھا، وہ جو درخت کے سایہ میں بیٹھے حقہ پی رہے ہیں؟ حسن آرا نے کہا: ہاں وہی، جلد جا کے پوچھو مگر کوئی دیکھ نہ لے، ایسا نہ ہو کوئی سن لے، مہری گئی، پردے کے پاس جا کر ایک بہشتی کے لڑکے سے کہا: ذری جا کے ان بڑے میاں سے پوچھو، کہ کیا آپ سلیم پور سے آئے ہیں۔ بہشتی کا لڑکا دوڑتا ہوا گیا، اور پیر مرد سے پوچھا: میاں کیا آپ سلیم پور سے آتے ہیں؟ پیر مرد نے کہا: کیسا، میں نے تو سلیم پور کا نام ہی نہیں سنا۔ لڑکے نے آن کر کہہ دیا، مہری نے کہا پوچھ کہ آپ آج چلے جائیں گے یا یہیں رہیں گے؟ پیر مرد بولے کہ تم کو اس سے کیا؟

گلباز نے کہا اگر رہیں گے تو پانی تھیں سے منگوائیں گے، ہم دونوں سرا میں رہیں گے۔

مہری نے کوٹھے پر جا کر حسن آرا کو اطلاع دی، کہ وہ ابھی دو دن یہاں رہیں گے۔

حسن: بہشتی کے لڑکے کو یہ چونّی دو، اور کہو، جہاں یہ ٹکیں، ان کے ساتھ ساتھ جائے اور دیکھ آئے۔

م: بہت خوب۔

حسن: جلدی جاؤ۔

م: ابھی ابھی۔

مہری پردے کے پاس گئی، بہشتی کے لڑکے کو پکارا!

م: لو چونّی لو، اور سن یہ جو بیٹھے ہیں نہ، ان کے ساتھ ساتھ چپکے چپکے جاؤ، اور دیکھو۔ کہاں ملتے ہیں؟

لڑکا: خوش ہو کر، اچھّا۔

م: ان سے کچھ نہ کہنا۔

لڑکا: واہ، کیا کچھ سڑی ہوں۔

دو گھنٹے تک وہ لوگ وہیں بیٹھے رہے، اس کے بعد اسباب باندھا، گاڑی کرایہ کی، اور کہا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تلسی گنج کی سرا چلو، جب گاڑی چلنے لگی تو لونڈا چپکے سے گاڑی کے پیچھے بیٹھ گیا، تلسی گنج کی سرا میں وہ لوگ اتر پڑے، اور ایک گوش محل میں فروکش ہوئے، لڑکا وہاں سے واپس آیا، پردے کے پاس سے اس نے بی مغلانی کو بلایا۔

ہم: کہاں ٹکے۔

لڑکا: وہاں جو گنج ہے نہ، اجی بھلا سا نام ہے، وہ تلسی گنج، تلسی گنج وہیں سب کے سب صاحب تمہارے ٹھہرے رہیں گے۔

مغلانی نے حسن آرا بیگم سے جاکر کہا۔ حسن آرا بولی کہ بی مغلانی اس لڑکے کو کھانا دلوا دو باورچی خانے سے، اور اس سے کہو کہ اس کو ہم نے آج سے تین روپیہ مہینے پر نوکر رکھ لیا۔ کل تڑکے اس کو وہاں بھیجنا اور اس بوڑھے کو ذری بلوانا، مغلانی نے کہا: ہاں ستر برس کا توسن ہے۔ کہہ دیں گے کہ دریا کے کنارے بیٹھو۔ بس چھٹی ہوئی، ہے کہ نہیں؟ سپہر آرا نے صلاح دی کہ پہلے بلاؤ نہیں دریافت کرو کہ ہے کون، نام کیا ہے، کہاں سے آیا ہے، کہاں کو جائے گا، یہاں کس مطلب سے آیا ہے اور اگر ممکن ہو تو کسی طریقہ سے بھی دریافت کر لینا ضروری ہے، کہ اس کو میاں آزاد (آنکھوں میں آنسو بھر کر) یادش بخیر، سے کیوں کر تعارف حاصل ہوا، ایسا نہ ہو کہ ہم اپنا مطلب فرطِ بے قراری اور اضطراب میں اس سے بیان کر دیں اور بے سود ہو جائے۔

حسن: بہن ہم نے یہ تمہارا مشورہ پسند کیا، اور ہم کو بھی حیرت ہے کہ یہ ہے کون شخص میاں آزاد کو کہاں سے جانتا ہے:

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقارا بلند ست آشیانہ

اے پیکِ راستانِ خبر یار ما بگو — احوالِ گل بہ بلبلِ دستاں سرا بگو
تا محرمانِ خلوتِ انس غم مخور — با یارِ آشنا سخنِ آشنا بگو
دلہا ز دام طرہ چو بر خاک می فشاند — با آں غریب ما چہ گذشت از ہوا بگو
بر چیں چو می شدی سرِ زلفین مشکبار — با ما سرے چہ داشت ز بہرِ خدا بگو
مرغِ چمن ز نوحہ من دوش می گریست — آخر تو واقفی کہ چہ رفت اے صبا بگو

بر ایں فقیر نامہ آں محتشم بخواں
با ایں گدا حکایتِ آں بادشا بگو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

افشاں حسینِ خوبرو، گیسوئے عذار عربدہ جوئی، سہی سرو بوستانِ خوبی، نوبادۂ چمنستانِ محبوبی، صنمِ شیریں ادا، حسن آرا بیگم کا جدائی کی گھڑی سے، آزاد فرخ کے غمِ مفارقت میں دل پھٹا جاتا تھا، وفورِ الم سے کلیجہ منھ کو آتا تھا۔ تنورِ سینۂ سوزاں میں نائرہ عشق جوش زن تھا۔ آشیانۂ دل مرغ جنون کا نشیمن تھا۔ ابھی نام خدا کمسن ناکردہ کار، یہ کیا معلوم تھا کہ زلف چلیپا افعی رہزن ہے، یہ عشق خانہ خراب، نوجوانوں کا پرانا دشمن ہے، میاں آزاد، پری زاد سے آنکھ کیا لڑی کہ فوجِ حزن وملال یکایک ٹوٹ پڑی۔:

فوجِ اندوہ والم ٹوٹ پڑی دھوکے میں
آرزوئیں ہوئیں سب قتل پڑا رن کیسا

پیر مرد کی زبانی، میاں آزاد یار جانی کا ذکرِ خیر سنتے ہی جنون پھر سر پر سوار ہوا، مرغ دل شہباز عشق کا شکار ہوا، کچھ بس نہیں چلتا تھا۔ تلملا تلملا کر رہ جاتی تھی۔ اس شعلہ رو کی یاد آتش غم میں جلاتی تھی:

قیامت ہے کسی کو پیار کرنا اس زمانے میں
قضا کا سامنا رکھا ہوا ہے دل لگانے میں

سپہر آرا نے کہا: باجی جان اہاہا۔ ٹھنڈی ہوا کا اس وقت کیا جھونکا آیا ہے۔ حسن آرا نے سرد آہ بھری اور بصد حسرت ویاس،

بولی وہ کہ ہونے کو ہوا ہے
جو غنچہ کو گل کرے صبا ہے

ہمارے دل کا کنول بجھا جاتا ہے۔ یہ کھلے تو ہم سمجھیں کہ ٹھنڈی ہوا چلی۔ ہائے! کیا جانے اس دم پیارا آزاد کن بلاخیز جنگلوں اور مہیب کہساروں میں سر ٹکراتا ہوگا۔ وہ دشت وہاموں میں ہمارے لیے جان گنوائے، اور ہم کو ہوائے سرد کا جھونکا خوش آئے، بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے۔ وہ تو عین دوپہر کے وقت جب چیل انڈا چھوڑتی ہو، جنگی وردی ڈانٹے، ہتھیار باندھے، پشت توسن آہو شکار پر ران بڑی جمائے، دو دو لائیاں لگائے، میدان کارزار میں تشنہ لب مصروف جنگ ہو اور ہم ٹھنڈی ہوا کھائیں۔

لونڈی: بڑی بیگم صاحب نے کہا ہے یہ پانی پلاؤ۔ دیکھیے کس قدر کا ٹھنڈا ہے کہ دانتوں میں لگتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن : لاؤ! بس تم جاؤ۔

سپہر : پی لو باجی!

حسن : سپہر آرا بہن! اللہ کرے آزاد کو بھی عین معرکۂ رستخیز میں برفاب پینا نصیب ہو۔ اس وقت میرا پیارا آزاد آنکھوں تلے پھر گیا:

تری باتیں جو اے رشکِ چمن یاد آ گئیں مجھ کو
بہت رویا میں سن کر چہچہے بلبل کے گلشن میں

سپہر : دیکھو پانی گرم ہوا جاتا ہے۔ اچھا جاؤ، ہم بھی نہ پئیں گے۔

حسن آرا نے آب سرد پی کر کہا۔ بار الٰہا! اس وقت ایسا ہی ٹھنڈا پانی آزاد نے بھی پیا ہو۔

سپہر : باجی! اللہ کی قسم تمھاری آہ خالی نہ جائے گی۔

حسن : ہے ہے! غم کے نشتر نے دل لہو کر دیا۔ جوش اشک سے طوفان آ گیا۔

سپہر : باجی تم نے کیا اپنا حال کر دیا۔ کوئی دیکھے تو پہچان نہ سکے کہ یہ وہی حسن آرا ہیں۔

حسن : ہاں ہاں۔ مگر ؎

گو خاک ہو گئے نہ گئی جستجوئے یار
جوں گرد راہ پھرتے ہیں ہم دربدر ہنوز

ادھر دونوں بہنوں میں باہم یہ باتیں ہوتی تھیں۔ سپہر آرا مناتی تھیں۔ حسن آرا رنج مفارقت میں زار زار روتی تھیں۔ اُدھر سنیے کہ ان کے ایک عزیز محمد عسکری صاحب تشریف لائے۔ چکن کا کرتا، شربتی کا انگرکھا، مشروع کا ڈھیلے پائنچوں کا پائجامہ، چوگوشیہ ٹوپی زیب سر، رومال اوڑھے، عطر میں بسے، عقیق کا کنٹھا ہاتھ میں لیے، میرزا منش بنے ہوئے آن کر بڑی بیگم صاحب کو جھک کے سلام کیا۔

محمد عسکری : (ع) کہیے بہن کی آج کیسی طبیعت ہے؟ اب چہرے سے علالت تو نہیں پائی جاتی۔ مگر ابھی جم کے علاج کیجیے، اور غذا میں پرہیز کرتی جائیے گا۔ بھائی کہاں گئے ہیں؟ جب سے وہ آئے صرف دو بار ملاقات ہوئی۔

بہار : آج کوئی خون کا مقدمہ ہے اس میں وکیل ہیں۔

ع : تو پھر دیر میں آئیں گے۔ صاحب کمشنر کا قاعدہ ہے مقدماتِ خون کی اپیل میں زیادہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غور کرتے ہیں۔ کل ہم ایک مشاعرے میں گئے تھے۔ آج کل ایران سے ایک شاعر آیا ہے۔ خوب شعر سنائے۔ جگرم تہ زمین شد۔ اور قمرم تہ زمین شد، اور پیرم تہ زمین شد، بڑا عالی دماغ آدمی ہے۔

بہار: حسن آرا۔ کھٹے انار کھائے تو ہرج تو نہیں ہے۔

ع: بے تکلف نوشِ جان فرمائیں، قاطعِ صفرا ہے، اور مفرّحِ قلب۔ آج کل صفرا کی بڑی شدت ہے۔ اب آلو اور شربت لیموں ضرور استعمال میں لانا چاہیے اور اگر خوشبو اور تفریح طبع کے لیے کسی قدر کیوڑا اور برف ملا دے، تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ میں تو ہر صبح کو آبِ آلو پی لیتا ہوں۔ شب کو دس بارہ دانے بھگوئے، صبح کو منھ دھو کر آبِ زلالی لیا۔ اور چار بجے کے وقت دو لیموں کا افشردہ ضرور استعمال میں لاتا ہوں۔ آج کل اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے۔

بہار: عسکری کی زبان کترنی کی طرح چلتی ہے۔

ع: بجا ہے۔

بہار: کچھ جھوٹ بھی ہے کیا؟

اتنے میں بڑی بیگم کسی کام کے لیے گئیں۔ محمد عسکری اور بہار النسا اکیلے رہ گئے۔ مغلانیاں، لونڈیاں، اصیلیں اِدھر اُدھر اپنے اپنے کام میں مصروف تھیں۔ موقع، وقت غنیمت جان کر محمد عسکری صاحب نے اپنی کرسی کھسکائی اور بہار النسا کے پلنگ کے قریب جا بیٹھے۔ اتنے میں رات ہوئی۔ چاندنی چھٹکی۔

ع: کیوں بہن۔ اب تو حسن آرا سیانی ہوئی ہوں گی۔

بہار: ہاں! چشم بددور، اب سیانی ہیں۔

ع: دونوں بہنوں میں حسن آرا گوری ہیں نہ؟

بہار: اے دونوں اللہ کے فضل سے خاصی گوری چٹی ہیں، اور نمکینی کے ساتھ۔ مگر حسن آرا کی سی حسین تو شاید ہزار میں دو چار ہوں، ہم نے نہیں دیکھی۔ اللہ جانتا ہے حسن آرا کی سی خوبصورت ہم نے نہیں دیکھی۔ گلاب کے پھول کا سا مکھڑا ہے۔ گلاب کے سے لال لال ہونٹھ، اور دانت دار لڑکی ہے۔ سپہر آرا بھی سو دو سو میں ایک ہے۔ دونوں بہنیں نام خدا صورت دار ہیں۔ سپہر آرا میں ابھی ذرا الڑھ پن زیادہ ہے۔

ع: یہ تم ہماری بہن کیسی ہو؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار : اس کے کیا معنی۔

ع : اب صاف صاف کیا کہوں، سمجھ جاؤ۔

بہار : (مسکرا کر) ہاں!

ع : بہن ہو، بڑی ہو، اتنے ہی کام آؤ۔ پھر اور نہیں تو کیا عاقبت میں بخشاؤ گی۔

بہار : محمد عسکری! خاتونِ جنّت کی قسم، ہمیں دل سے تمھاری محبّت ہے۔

ع : ساتھ کھیلا ہے بہن، برسوں ساتھ کھیلا ہے۔

بہار : اونہہ، اونہہ! ساتھ کھیلا ہے! اے یوں نہیں کہتے کہ گودیوں کھلایا ہے۔

ع : یہ ہم نہ مانیں گے۔

بہار : زبردستی۔ اور جو امّاں جان سے پوچھوا دیں ہم؟

ع : ایسی آپ کتنی بڑی ہیں مجھ سے، برس نہیں حد دو برس۔

بہار : اے لو، اس جھوٹ کو دیکھو، چھٹیں پرانی ہیں۔

ع : اچّھا۔ پھر کوئی پندرہ بیس کی چھٹائی بڑائی ہے؟

بہار : ہئی ہے۔

ع : اچھا پھر اب کس دن کام آؤ گی۔ جو ہم کہیں وہ مان جاؤ۔ مگر از برائے خدا، مشہور نہ کر دیجیے گا۔ تم اس قدر اقرار کرلو کہ مان لوں گی اور کسی سے کہو گی نہیں۔ یہ نہیں کہ ہو، وہ کچھ بھی نہیں، اور ہماری جگ ہنسائی ہو۔

بہار : تو بھائی بے سمجھے بوجھے کیسے کہہ دوں۔ وہ کہو یا نہ کہو، میں پہلے ہی سمجھ گئی۔

ع : پھر کیوں نہ سمجھو۔ آخر بہن کس کی ہو۔

بہار : لے، اب صاف صاف نہ کہیے، تو ہمارا مردہ دیکھے۔ ہمیں کو ہے ہے کرے۔

ع : ہائے غضب! مجھے کوئی بے حیا مقرر کیا ہے۔ میں اپنے منھ سے کیا کہوں۔ کہنا بس اتنا ہی تھا کہ حسن آرا بیگم اب سیانی ہوئیں۔ اور میں بھی تمھارا بھائی ہوں۔

بہار : ہم تڑسے بھاپ گئے تھے۔ میں آج امّاں جان سے ذکر کروں گی، مگر بھائی حسن آرا سے بھی تو کہہ لوں۔ ایجاب و قبول شرع کی رو سے بھی مقدّم اور ضروری ہے۔ جو حسن آرا سن کر مسکرائیں، یا خاموش ہو رہیں، تو منھ مانگی مراد پائی۔

ع : تم پہلے بتاؤ کہ اگر ایسا ہو تو تم پسند کرو یا نا پسند، اس کا جواب دو؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار: اے واہ۔ چہ خوش۔ کچھ عقل گئی ہے۔ بھلا ہمیں پسند نہ ہوتی یہ بات تو تم صاف صاف یوں ہم سے کہہ سکتے، اللہ کرے حسن آرا جم جم سلامت رہے! اس سے زیادہ ہمیں کون ہے۔ کوئی اپنی بیٹی کو جان بوجھ کر کھاری کنویں میں ڈھکیل دیا کرتا ہے۔ ایسے کا اللہ منھ نہ دکھائے، کہ کنواری لڑکی بے سمجھے بوجھے بیاہ دے۔ خاتونِ جنّت کی قسم کھا کر کہتی ہوں۔ دیکھو تاروں بھری رات ہے۔ کہ اگر حسن آرا منظور کریں تو ہم تو پھولے نہ سمائیں۔

ع: پھر کوئی تدبیر ایسی کرو کہ حسن آرا مان جائیں۔

بہار: (مسکرا کر) کون تدبیر کروں۔ چھو منتر پڑھوں۔

اتنے میں حسن آرا بیگم نے اوپر سے آواز دی۔ اے باجی۔ ذری ہم کو ہرے ہرے، ملائم ملائم، سنگھاڑے نہیں منگا دیتیں۔ مگر ایسے ہوں کہ دانت سے ذرا دبایا، اور جیسے کیوڑے کی سی خوشبو آنے لگی۔ بہار النسا نے کہا اے نگوڑے سنگھاڑے بھی کوئی بڑی نعمت ہیں۔ ابھی ابھی منگواتی ہوں۔ سپہر آرا بولی باجی، جی ترس گیا۔ وہاں تو ملتے ہی نہیں نا۔ محمد عسکری نے رسوخیت جتانے کے لیے خواص سے کہا کہ باہر ہمارے آدمی سے جا کر کہو کہ چار سیر ملائم ملائم، تازے تازے، سنگھاڑے توڑوا کر لے آئے، مگر کئی دن کے رکھے ہوئے نہ ہوں۔

حسن آرا نے جو ان کی آواز سنی تو متحیّر ہو کر سپہر آرا سے دریافت کیا کہ کون آیا ہے؟ سپہر آرا نے کہا وہی آگئے ہیں وہ جو اس دن بہار النسا بہن کے پاس بیٹھے تھے۔ جن سے امّاں جان نے شکایت کی تھی، کہ ہم دو دن سے یہاں آئے ہیں، اور تم نے خیر و عافیت تک نہ دریافت کی۔

حسن: ہاں ہاں۔ وہ عسکری۔ عسکری۔ محمد عسکری۔

سپہر: وہ جو عطر سے بسے تھے؟

حسن: میں سمجھی۔ اے محمد عسکری۔ کیا ہم جانتے نہیں۔

تھوڑی دیر میں محمد عسکری صاحب تو رخصت ہوئے، اور چلتے وقت بہار النسا سے کہہ گئے کہ ہم نے جو کہا ہے اس کا خیال رہے بہن، مگر از برائے خدا کسی غیر کے کان تک خبر نہ پہنچنے پائے، مفت میں ہم نکّو بنیں۔ بہار النسا نے کہا۔ اے تو کیا تم کچھ لڑکی ہو یا دُلھن ہو۔ اور بھائی کی بات بہن کسی سے کہنے کیوں لگی۔ دیکھو اللہ چاہے تو آج کے دوسرے ہی مہینے حسن آرا بیگم کے ساتھ منگنی ہو محمد عسکری تو چلے گئے۔ مگر حسن آرا نے یہ بات سن لی اور رنگ فق ہو گیا۔ سپہر آرا سے کہا کچھ سنا؟ وہ بولی: ہے ہے! غضب ہو گیا۔ یہ بہار النسا بہن نے کہا کیا، اس وقت جیسے پاؤں تلے سے مٹّی نکل گئی۔ دونوں بہنیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کمرے میں گئیں۔ حسن آرا مارے رنج کے مسہری پر لیٹی اور یہ شعر پڑھ کر سو رہی :

معرکہ روز کا ہے چرخ ستم پرور سے
یا الٰہی یہ مہم دیکھیے ہو سر کس دن

سپہر آرا کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی رنج کی بات سنتی، دیوانِ حافظ ضرور کھولتی اور فال ضرور دیکھتی، چپکے سے دیوان حافظ اٹھا کر فال دیکھی، تو سرے ہی پر یہ شعر نکلا :

برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقا را بلندست آشیانہ

سپہر آرا اس درجہ مسرور ہوئی کہ ساری کلفت دور ہوئی۔ شعر پڑھتے ہی اچھل پڑی۔ واہ وا، واہ، کیا شعر نکلا ہے۔ موتیوں میں دیوانِ حافظ کو تولے :

برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقا را بلندست آشیانہ

مطلع پڑھا تو اور بھی خوش ہوئی :

سحر گاہاں کہ مخمورِ شبانہ
گرفتم بادہ با چنگ و چغانہ

فتح ہے۔ بس اب دل کو ذرا ڈھارس ہوئی۔ پھر یہ شعر نظر سے گزرا تو کہا کہ بیڑا پار ہے۔ بحرِ غم سے عبور آسان ہے :

بدہ کشتیِ مے تا خوش برآئیم
ازیں دریائے ناپیدا کرانہ

ادھر بہار النسا دل میں سوچتی تھی کہ محمد عسکری ہونہار ہوشیار عالی خاندان معالی دودمان۔ نجیب الطرفین، شریف الجانبین، خوبصورت، خوش سیرت، شائستہ، تربیت یافتہ، خوش قطع، باوضع نوجوان ہے۔ تین چار سو روپے ماہواری کی آمدنی ہے۔ علاقہ ہے۔ مکانات ہیں۔ اور رنگ ڈھنگ سے درست ہے۔ کوئی عیب، کوئی سقم اس میں نہیں۔ حسن آرا اگر منظور نہ کرے تو، اس سے بڑھ کر کوئی دیوانی نہیں، آج باتوں باتوں میں چھیڑوں گی۔ دیکھوں کہتی کیا ہے۔ اور کہے گی کیا۔ یقین ہے فوراً منظور کر لے۔ محمد عسکری کی میں بڑھ بڑھ کر تعریفیں کروں گی۔ سپہر آرا کو بھی سمجھاؤں گی، کہ بہن کو سمجھا بجھا کر راضی کر دے، اور عسکری ابھی ہے بھی کم سن۔ اللہ کرے حسن آرا منظور کر لے۔ مگر یہ خبر ہی نہ تھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہ حسن آرا چاہے زہر کھائے، مگر آزاد کے سوا اور کے ساتھ بیاہ نہ کرے گی:

بروایں دام بر مرغِ دگر نہ

کہ عنقارا بلندست آشیانہ

بہار النسا بیگم نے لونڈی سے کہا: کہ ذری جا کے حسن آرا بیگم کو تو کوٹھے پر سے بلا لاؤ۔ لونڈی نے آن کر جواب دیا کہ حضور وہ آرام میں ہیں، کہیے جگا دوں؟ بہار النسا کوٹھے پر تشریف لے گئیں، کہا: تمھارے سنگھاڑے آتے ہوں گے، عسکری نے اپنا آدمی بھیج دیا ہے، سپہر آرا کا رنگ فق ہو گیا۔ پھر کہا تم دونوں کو پوچھتا تھا، اور کہتا تھا حسن آرا تو نامِ خدا سیانی ہوئی ہوں گی۔ میں نے کہا ہاں! اب چشم بددور سیانی اور خوش سلیقہ ہیں۔ عسکری کی باتیں خوب ہیں اور ماشاء اللہ وضع دار ہے۔ عطر سے بہت شوق ہے۔ نفاست کا ہر دم خیال، دن میں دو دو دفعہ حمام کرتا ہے، اور خوش رُو بھی ہے، جامہ زیب بھی ہے۔ سپہر آرا نے بات ٹالنے کے لیے کہا آؤ باجی تم کو کچھ شعر سنائیں:

دل لگانا عذاب ہوتا ہے

آدمی کیا خراب ہوتا ہے

اس پر بہار النسا بولیں: اب اس وقت شعر خوانی رہنے دو، آؤ اِدھر اُدھر کی باتیں کریں۔ تم نے محمد عسکری کو دیکھا ہے؟ سپہر آرا محمد عسکری کا نام تک سننا نہیں چاہتی تھی۔ بہار النسا بیگم نے جو بار بار عسکری عسکری کی رٹ لگائی تو وہ اور بھی جھلّائی، مگر سوچی کہ ڈر کیا ہے، باجی کسی کا کہنا نہ مانیں گی اور فال میں تو یہی نکلا ہے کہ:

بروایں دام بر مرغِ دگر نہ

کہ عنقارا بلندست آشیانہ

اتنے میں حسن آرا بیگم بھی منھ دھو کر آئیں۔

بہار: اے۔ آج بے وقت کا سونا کیسا؟ خدا خیر کرے! واگ نہ لا نا کہیں۔

حسن: جی نہیں۔ مسہری پر لیٹی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا جو چلی تو بے اختیار نیند آ گئی۔

بہار: اے واہ۔ بھلا یہ کون وتیرہ ہے۔ چراغ میں بتی پڑی اور آپ نے لمبی تانی۔ اس وقت کے سونے سے سستی آتی ہے۔

سپہر: (لونڈی سے) ایں! واہ۔ پنکھا جھلتی ہے کہ اونگھ رہی ہے۔ گرمی پڑتی ہے شیطان نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ڈھکیل دیا گیا؟

بہار : جاؤ منھ دھو کے آؤ! ذری زور زور جھلو۔

سپہر : یہ موئی اکل کھری جب دیکھو روتی صورت، اونگھا کرتی ہے۔

لونڈی : ساری ماماییں، اصیلیں، پیش خدمتیں تو ماما پختیاں اڑائیں مجھ نصیبوں جلی پر جب دیکھیے آپ سب خفا ہی ہوا کرتی ہیں۔

بہار : بس انھیں تنک مزاجیوں کی بدولت تو اس سے اور اس کے میاں سے ایک دم بھر نہیں بنتی۔ نت جھگڑا، نت لڑائی، آئے دن جھونٹم جھونٹا ہوا کرتا ہے۔ بدمزاجی بھی تو کتنی۔

لونڈی : (گردن ہلا کر) ہاں حضور میں ہی بڑی ہوں وہ موا مردوا خدائی بھر کا شہدا۔

بہار : چلو اب بوڑھا جونڈانہ ہلاؤ۔ پنکھالے کے جھلو بس۔

بہارالنسا بیگم نے حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر کہا: اے حسن آرا! تم نے عسکری کو دیکھا ہے؟ اب جو آئے تو اوٹ میں سے دکھا دوں گی۔ خوب آدمی ہے۔ ہنس مکھ ملنسار۔ ہونہار۔ چار پیسے پیدا کرنے کا خیال اور پڑھا لکھا ہے۔ آج کل ان حکیم سے طب پڑھتا ہے، وہ جو ہیں نہیں دوہرا بدن، وہاں شفا خانے ہیں، انھیں سے۔ تم کو بہت پوچھتا تھا کہ حسن آرا بیگم اب تو چشم بددور سیانی ہوئی ہوں گی، کل آئیں تو ہم تم کو دکھا دیں۔ جس وقت آتا ہے مکان بھر مہکنے لگتا ہے۔ عطر کا بڑا شوق ہے۔ میری بیماری میں بے چارہ دن بھر میں تین تین پھیرے کرتا تھا۔ اماں جان کو سمجھایا کہ ڈاکٹر کا علاج کرو، خواہ حکیم جی سے رجوع لاؤ۔ دلی محبت ہے بے چارے کو، گھر بھر سے اس کو الفت ہے۔ کسی کے پاؤں میں خدا نا کردہ کانٹا چبھا اور وہ بے قرار ہو گیا اور روز سجیلا جوڑا ہی پہنے دیکھا۔ حسن آرا اس تقریر سے اداس ہو گئی، مگر چپ چاپ بیٹھی سنا کی۔ دل ہی دل میں سوچتی جاتی تھی کہ یہ کہہ کیا رہی ہیں۔ کیسے عسکری۔ یہاں آزاد کو دل دے چکے، وہ ٹرکی سدھارے ہم قول ہارے، قول جان کے ساتھ ہے۔ ان کو عسکری کی پڑی ہے۔ وہ روز سجیلا جوڑا پھڑکائیں، یا عطر میں بسے ہوئے آئیں، مگر یہ دل تو آزاد کا ہے۔ کوئی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، تکّے تکّے اڑائے؛ مگر آزاد کا خیال مرتے دم تک دل سے نہ جائے گا۔ اس گل بدن کی یاد میں بیکل رہتی ہے۔ راتوں کو زار زار روتی ہوں۔ ٹھنڈی سانسیں بھر بھر کے بصد یاس سوتی ہوں۔ یہ آئیں وہاں سے عسکری کا ذکر چھیڑنے مانا کہ ہنس مکھ ہے۔ پھر ہو۔

جب بہارالنسا نے دیکھا کہ حسن آرا خاموش ہو رہی؛ تو سمجھیں کہ نیم راضی ہے۔ نہایت محظوظ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہو کر یوں مخاطب ہوئیں۔

بہار: حسن آرا! محمد عسکری کو کیسا سمجھتی ہو؟

حسن: (لونڈی کی طرف اشارے سے دکھا کر) چُرب چرب۔

بہار: اے موئی زرزری بولی ہماری سمجھ میں نہ آئی، نہ آئے گی۔

سپہر: اے اس میں مشکل کیا ہے۔ آئیے ہم سکھا دیں۔ اسی وقت فر فر بولنے لگو۔

بہار: اچھا عسکری کو زرزرزری میں کیوں کر کہوگی۔

سپہر: عرمیں کرزر۔ زری۔

بہار: اور حسن آرا

سپہر: حرمیں ازا۔ زرا۔ حسن آرا۔

بہار: اے کچھ ہوگا بھی۔ حسن آرا ہماری بات کا تم نے جواب نہ دیا۔

حسن: میں سمجھی ہی نہیں۔

بہار: ہم پوچھتے ہیں محمد عسکری کو تم کیسا سمجھتی ہو (گدگدا کر) بتاؤ، بولو۔ کیا چپ پیر کا روزہ رکھا ہے۔ (پھر گدگدا کر) پتا نہیں۔ اللہ جانتا ہے گدگدا، گدگدا کے تڑ کا کر دوں گی، کیا برا زمانہ ہے بہن بہن کی بات کا جواب نہ دے۔ خیر اچھا یاد رکھنا۔

حسن: کیسی بیٹھی نیند سو رہی تھی۔ اِن کے غل غپاڑے میں اچٹ گئی۔

بہار: (خفا ہو کر) پچھتاؤ گی حسن آرا۔

سپہر: یہ بات کیا ہے بہن۔ بہار النسا بہن

حسن: روٹھ گئیں۔

بہار: جلاؤ اور پھر کہو روٹھ گئیں۔

سپہر: اے جلیں تمھارے دشمن، جو تمھاری طرف دیکھ نہ سکیں۔ واہ وہی باتیں منھ سے نکالتی ہو بس۔

حسن: اماں جان سنیں تو اس وقت بہت ہی خفا ہوں۔

بہار النسا نے بڑی دیر تک محمد عسکری کی تعریف کی۔ مگر حسن آرا کب پسیجنے والی تھی۔ حسن آرا کے دل پر بہار النسا کی گفتگو نے تیر کا کام کیا اِدھر اُدھر ٹہل ٹہل کر یہ غزل پڑھتی اور روتی جاتی تھی:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل ہے غذائے رنج جگر ہے غذائے رنج
پیدا کیا ہے ہم کو خدا نے برائے رنج
حاصل کسی سے کچھ نہیں ہوتا سوائے رنج
دنیا میں لاتی ہے ہمیں قسمت برائے رنج
آدم سے باغِ خلد چھٹا ہم سے کوئی یار
وہ ابتدائے رنج ہے یہ انتہائے رنج
ممکن نہیں ہے آئے جو بوئے گلِ نشاط
ایسی دماغِ جاں میں بھری ہے ہوائے رنج
ہم بارِ عشق کے متحمل نہ ہو سکے
بس دل پکڑ کے بیٹھ گئے وہ اٹھائے رنج

کہتے ہیں میرے دوست مرا حال دیکھ کر
دشمن کو بھی خدا نہ کرے مبتلائے رنج

اتنے میں ایک آدمی نے باہر سے آکر پکارا۔ دواجی اخبار لے جائیے۔ سپہر آرا نے کہا: اے دواجی، اخبار یہاں لے آیئے اخبار آیا۔ حسن آرا نے اخبار پڑھنا شروع کیا، پڑھتے پڑھتے ایک دفعہ ہی چونک پڑی۔

سپہر: خیر تو ہے باجی جان؟

بہار: ایں! یہ چونکی کیا۔

حسن آرا اخبار کے مطالعے میں اس قدر مصروف تھی کہ اس نے جواب نہ دیا اور پڑھتی ہی گئی۔ مضمون قابل دید ہے۔

اخبار کا مضمون سہ

بلند نام نگردد کسے کہ در وطن ست
ز نقش سادہ بود تا عقیق در یمن ست

یوں تو خدائی کی خدائی میں ایک سے ایک قومی ہمدردی، حب الوطنی، اولوالعزمی، شجاعت، بسالت، علم و فضل میں اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ دانایانِ فرنگ نے علوم و فنون میں علم وحدت بلند کیا، افریقہ کے باشندے اپنی قدرتی اور جبلّی شجاعت پر اتراتے ہیں۔ امریکا والے اپنی ترقی خداداد اور دانشمندی پر بل کی لیتے ہیں۔ ایشیا کے آدمی ظاہر ٹیم ٹام اور تزک و احتشام پر جان دیتے ہیں۔ مگر ہندی بھی اکثر امور میں فرد ہیں۔ اکثر اقوام ہندوستان کے آدمی انتہا کے ہمدرد، اور شیر مرد ہیں۔ جو بات ہندوستان نے زمانۂ پاشاہی میں حاصل کی تھی وہ اب کہاں، مگر پھر بھی ہاتھی لٹے گا تو کہاں تک۔ رسالۂ شمس الضحیٰ کے مؤلف نے دیباچے میں خوب لکھا ہے کہ سہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے دل شوریدۂ تر وشت کجاست
خامشی از زمزمہ جوشت کجاست
ملکِ سخن زیرِ نوائے تو بود
رامش دلہا ز نوائے تو بود
دیدبۂ پردہ شائیست کو
طنطنۂ نغمہ سرائیست کو
زمزمہ سینہ خراشت چہ شد
نالۂ الماس تراشت چہ شد

الہٰی یہ کیسی ہوا بندھی، کہ پیارے ہندوستان کے علم وفضل کا پھلا پھولا چمن اداس ہوگیا۔ اولوالعزمی کی ہری بھری شاخیں ایک ہی جھونکے میں پھٹ پڑیں۔ عظمت کے تناور اور بار آور درخت اڑا ڑاکر زمین پر آرہے۔ خزاں کے لشکر نے ایسا نرغہ کیا کہ بہار علم کا عمل کھڑے کھڑے اٹھ گیا۔ اب اہل ہند میں وہ جوش نہ وہ خروش ہے، جسے دیکھو بادۂ غفلت کے نشہ میں بے ہوش ہے، خواب خرگوش میں پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ بلا کی نیندیں امنڈ آئی ہیں۔ خیر خوب نیند بھر کر سو چکے اب بھی جاگیں تو ہم سمجھیں کہ بخت خفتہ بیدار ہوگیا ہے

شب نیمہ گذشت وصبح سر زد
اے مرد خدا بخواب تا کے

ابھی کل کی بات ہے کہ کشور تہذیب میں ہندوستان کوس لمن الملک بجاتا تھا۔ علم وفضل میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ علم ہندسہ میں اس کے جھنڈے گڑے تھے۔ ریاضی میں اس کی دھاک بندھی تھی۔ قلم وشائستگی میں اس نے اپنا سکّہ بٹھایا تھا۔ میدان صنّاعی میں علم وحدت اٹھایا تھا۔ یہ وہی ہندوستان ہے جس کے شمس لیاقت سے اور ملکوں نے نور اقتباس کیا۔ مصری اسی کے خوان حکمت سے شیریں کام ہوئے، یونانی اسی کے خرمن لیاقت کے خوشہ چیں تھے، ایک ایک طفل مکتب بطلی خواں اور اقلید بیاں تھا ہے

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

اب تو بعض حضرات کا مقولہ ہے کہ زیادہ پڑھنے سے انسان پاگل ہوجاتا ہے۔ اس کے سوا ضعف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دماغ کا دھڑکا، اور فقدان بصارت کا کھٹکا لگا ہے۔ بفرض محال یہ مصیبت بھی جھیلی تو فائدہ؟

جغرافیہ طبعی پڑھا تو کرۂ باد، سے کیا خاک نفع ہوگا؟ سیاروں کی تحقیقات سے کیا پتھر لے گا؟ دریا کا بیان کیا موتی رول لے گا؟ ریاضی میں ریاضِ شاقہ کیا تو کیا نتیجہ؟ شاعری کی طرف متوجہ ہوں تو دین و دنیا دونوں سے ہاتھ دھو کر، مجنون ہو جائیں، وکیلوں کی عنایت سے مقدمہ قائم ہو، الٹی آنتیں گلے پڑیں، منطق سیکھیں تو ہر سال فصد کھلوانی پڑے۔ علم الطیور کا مطالعہ کریں تو چڑی مار جنگ کی پھبتی سنیں۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ بانے کنکیاں چھپکائیں، بٹیر لڑائیں، چانڈو نوش جان فرمائیں، مدک کے دم لگائیں، خوب گلچھرّے اڑائیں؛

صبح تو جام سے گزرتی ہے
شب دلارام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گزرتی ہے

ماحصل اس کا یہ کہ اب اہل ہند کے مزاج سے اولوالعزمی منزلوں دور ہوتی جاتی ہے۔ بس جب کبھی ہم کسی ہندی کی جرأت یا ہمدردی یا بسالت یا اولوالعزمی کا حال سنتے ہیں تو باغ باغ ہو جاتے ہیں۔ حال میں ایک جری اور دل سوز اور جواں مرد ہندی کا ذکر خیر مختلف اخبارات انگریزی میں ہماری نظر سے گزرا۔ میاں آزاد نامی ایک ہندی آج کل ٹرکی گئے ہیں۔ اثنائے راہ میں ان کا جہاز جس کا نام جبنی وینس تھا بڑی مصیبت میں مبتلا ہوا۔ جزیرۂ پیرم کے قریب ڈوب گیا۔

حسن آرا بے اختیار چیخ اٹھی۔ اخبار ہاتھ سے گر پڑا، اور غش آگیا۔

سپہر: اے ہے باجی خیر تو ہے؟
بہار: ہائیں! ارے یہ ہوا کیا۔
لونڈی: مرگی تو نہیں آئی؟
بہار: (تھوتھو) اے نہیں اللہ نہ کرے۔

دونوں بہنوں نے مل کر اٹھایا، منہ پہ چھینٹے دیے، تو ذرا ہوش آیا۔

حسن: دواخط لاؤ!
بہار: آخر ش اس میں ہے کیا بہن؟
لونڈی: بڑی بیگم کو بلا لاؤں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن: نہیں نہیں۔

سپہر: لیجیے اخبار لیجیے! پڑھو تو اس میں ہے کیا؟

حسن آرا نے اخبار لے کر پڑھنا شروع کیا

کل بہتّر آدمیوں کی جان بچی، باقی سب لقمۂ نہنگِ اجل ہوئے، اس موقع پر میاں آزاد نے بڑا کارنمایاں کیا۔ صرف اپنی ہی جان نہیں بچائی۔ بلکہ اوروں کو بھی مدد دی"۔

حسن: شکرِ خدا۔ شکرِ خدا۔

دو بار جہاز سے بوٹوں میں کود پڑا، اور تین بار جہاز پر گیا، بہت سے بندگانِ خدا کی جان بچائی۔

ع این کار از تو آید و مردان چنین کنند

اس کے بعد اس جواں مرد نے، جو ہمدردی میں فرد ہے۔ ایک انگریز لفٹنٹ اپیلٹن کو ڈوبنے سے بچایا۔ سمندر کی موج اس کو بوٹ پر سے بہالے گئی تھی۔ اس واقعۂ جگر دوز، کو دیکھ کر آزاد نہایت استقلال اور جواں مردی کے ساتھ سمندر میں کود پڑا۔ اور اپیلٹن کو بچا لیا۔ مگر اتفاق وقت سے بوٹ پر نہ چڑھ سکا"۔

حسن: ارے خدا خیر کرے!

"لیکن واہ رے آزاد! پیرتا ہوا ساحل جزیرۂ پیرم تک پہنچا۔ اس وقت جزیرۂ مذکور کے مرد و زن کی اس شیر دل کی طرف نظر تھی۔ سنا ہے کہ کسی نوجوان اور حسین بیگم نے جس پر میاں آزاد کا دل آیا ہے، ان کو مجبور کیا، کہ ٹرکی جاکر ترکوں کی طرف سے لڑیں، اگر وہ نوجوان اور حسین بیگم صاحب اپنے عاشق زار، میاں آزاد کو ایسے کارِ نمایاں کے وقت دیکھتیں تو آزاد کی محنت ٹھکانے لگتی۔

حسن آرا اس وقت ایسی مسرور ہوئیں کہ عمر بھر کبھی اس قدر خوش نہ ہوئی تھیں۔ فرطِ طرب سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں مگر بہار النسا اور سپہر آرا کی تشفی کے لیے مسکرا دیں۔

بہار: ایں! ماجرا کیا ہے؟ ایک آنکھ سے روتی ہو، ایک آنکھ سے ہنستی ہو۔

سپہر: باجی جان کچھ کہو تو۔

حسن: خیریت ہے۔

سپہر: پھر آپ روتی کیوں ہیں۔ ذری اخبار تو پڑھنے دو۔

حسن: ایک جہاز ڈوبنے کا حال لکھا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر: ہے ہے! کیا کہتی کیا ہو۔ اے باجی کس کا جہاز۔ (روکر) ہائے ہائے بتاؤ تو کس کا جہاز؟

حسن: ع

رسیدہ بود بلائی ولی بخیر گذشت

سپہر: شکر ہے۔

بہار: ایک تو پاگل تھی ہی، دوسری بھی پاگل ہوگئی۔

حسن: اف!

سپہر: چھوڑو۔ ذری ہم بھی پڑھیں۔

حسن: لو اللہ نے بہت بچایا۔

سپہر آرا نے بڑے شوق سے وہ مضمون پڑھا۔ اور اچھل پڑی کہ میاں آزاد فرخ نہاد نے ٹرکی پہنچنے کے پہلے ہی نیک نامی حاصل کی۔ سوچی کہ لسان الغیب حافظ شیرازی نے خوب صحیح صحیح بنا دیا تھا کہ:

بروایں دام بر مرغِ دگر نہ

کہ عنقا را بلند ست آشیانہ

حسن آرا، اپنے دل میں کہتی تھی کہ کجا محمد عسکری کجا میاں آزاد:

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

بھلا جس شیر مرد نے میرے لیے یہ سختیاں سہیں، ایسی ایسی مصیبتیں اٹھائیں، جان کو ہتھیلی پر رکھ کر گیا، اس کو دھوکا دے کر، اور کسی کو دل دینا، کون سی بھلمنسی ہے۔ کیا مجال، محمد عسکری چاہے دو تولہ عطر روز ملیں، اور دن بھر میں دس جوڑے بدلیں، اور گلاب سے نہائیں، آزاد اور ہی فشن کا آدمی ہے یہ بات کسی میں کہاں۔ اس مضمون کے پڑھنے سے حسن آرا کسی قدر معزز ہوگئی، کہ ہمارے آزاد کی توصیف میں اخبارات رطب اللسان اور عذب البیان ہیں۔ سوچی کہ ہے ہے جس وقت جہاز ڈوبا، آزاد کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔ اف! اف! میرا خیال ضرور آیا ہوگا۔ خدا جانے وہ موا خوجی خبیث جیتا بچا یا ڈوب گیا۔ بہار النسا نے اس اخبار کے صفحے میں چپکے سے نشان بنا دیا۔ جس کو حسن آرا اور سپہر آرا نے غور سے پڑھا تھا۔ سوچیں کہ محمد عسکری سے پڑھواؤں گی، دیکھوں تو کیا لکھا ہے کہ دونوں بہنوں نے چپ چاپ پڑھ کر اشاروں میں باتیں کیں۔ اور ہم سے چھپایا۔ حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر کہا: کیوں بہن پھر تم ہماری بات کا جواب نہ دو گی۔ محمد عسکری کو آخرش یہ تم برا کیوں سمجھنے لگیں۔ حسن آرا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مسکرائی۔ سپہر آرا تیکھی ہو کر بولی: اے بہن کچھ خیر ہے؟ اپنا کام کرو، اس پھیر میں نہ پڑو، کون عسکری، کیسے عسکری، یہاں عسکری وسکری ایک کو نہیں جانتے:

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

انشا

بہار النسا نے کہا خیر صاحب تم جانو تمھارا کام جانے:

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

گلزار نسیم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوہِ قاف کی پری

دلبری بُرد از دلم صبر و قرار   گر زخش بر قع بود صبحِ بہار
غنچہ از شمع زخش پروانہ   نافہ از خالش دلِ دیوانہ
چشم جادو ویش پۓ تسخیر جاں   در نگہ سازد تبسم راعیاں
غمزہ اش بر سینہ ناوک زند
خندہ اش بر بوسہ خشک می زند

سوختۂ داغِ مہجوری وجفا، کشتۂ تیغِ عشق ووفا، میاں آزاد فرخ نہاد، شاداں وفرحاں، خوش وخنداں، دولتِ رفیعہ روم کے دارالسلطنت، رفیع المرتبت، میں خدا خدا کر کے داخل ہوئے۔ مالٹا کے تاجرِ باوقار و جم اقتدار کے صاحبزادہ بلند اقبال، وخجستہ خصال، ہرمزجی بھائی کی کوٹھی کا پتا پوچھتے چلے۔ آدھ گھنٹے میں کوچمین نے یہ مژدہ طرب انگیز سنایا، کہ لیجیے ہرمزجی بھائی کا مکان آیا۔ یہ سامنے والی کوٹھی انھیں کی ہے۔ میاں آزاد گاڑی پر سے اترے، اور ہرمزجی بھائی کے پاس ایک کے ذریعہ سے اپنا کارڈ بھیجا۔ کارڈ پر (میاں آزاد) دیکھ کر ہرمزجی بھائی نے ان کو بلوایا۔ مصافحہ کیا اور بڑے تپاک سے بٹھایا۔ آزاد نے جاتے ہی ان کے پدر بزرگوار کا نامہ قیص ختامہ دیا۔ پڑھ کر ہرمزجی بھائی اور بھی تپاک سے پیش آئے۔ بولے آپ کا گھر ہے میں آپ کا خادم و نیازمند ہوں۔ خدمت گار کو حکم دیا کہ پانچ کمرے آپ کے واسطے آراستہ کر دو۔ ایک ڈرائنگ روم نشست اور ملاقات کے لیے۔ ایک بڈروم آرام کرنے کے لیے۔ ایک باتھ روم غسل کے واسطے۔ ایک اسٹڈی روم مطالعۂ کتب کے واسطے ایک کمرہ گودام کے لیے۔ خدمتگار نے پانچوں کمرے آدھ گھنٹے میں آراستہ کر دیے۔

ہرمزجی بھائی نے میاں آزاد کی بڑی تعریف کی۔ آپ بڑے اہم کام کے لیے آئے ہیں۔ مہم سر کرنا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آسان نہیں، اپنے معشوق مطلوب کے ذرا سے اشارے میں جانبازی پر آمادہ ہونا، اور امید موہوم پر جان ہونا آپ ہی سے مردانِ خدا کا کام ہے:

آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو

ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ آپ کی مرادِ دلی بر آئے گی۔ دعائے نیم شبی رنگِ اثر جمائے گی، نقشِ مراد کرسی نشیں ہوگا یہ دعا بہ ہدف اجابت قریں ہوگا، آپ تمغہ پائیں گے؛ اور سرخرو ہوکر میدان کارزار سے ہندستان واپس جائیں گے۔ حسن آرا کے ساتھ نکاح ہوگا۔ ہنسی خوشی عاشق و معشوق کا بیاہ ہوگا۔ آپ کو جس شے کی ضرورت ہو مجھ سے فرمائیے! جس امر میں صلاح کی حاجت ہو، بے تکلف زبان پر لائیے۔ جناب والد ماجد آپ کے ازبس مدّاح ہیں۔ میرے پاس کل جناب ممدوح کا ایک والانامہ آیا تھا۔ اس میں بھی آپ کا ذکر خیر تھا، مگر نام نامی درج نہ تھا۔ ورنہ کارڈ دیکھتے ہی حاضر خدمت شریف ہوتا۔ معاف فرمائیے گا، میاں آزاد اپنے میزبانِ باتوقیر تاجر ذی عظمت امیر کبیر کی مہربانی، اور شیریں بیانی کے نہایت ہی مشکور و ممنون ہوئے۔ اس نوجوان پارسی سوداگر نے اپنے باپ کی مرضی اور حکم کے موافق میاں آزاد کی بڑی خاطر کی۔ شب کو آزاد بآرام تمام سوئے۔ صبح اٹھ کر غسل کیا۔ کپڑے پہنے اور باغ پر فضا میں ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگے۔ پڑھتے پڑھتے کیا دیکھتے ہیں، کہ ایک خاتون یوسف لقا محبوب پری چہرہ، نرالی سج دھج اور انداز معشوقانہ سے ایک روش میں ٹہل رہی ہے۔ ان کی اور اس خوبرو کی آنکھیں چار ہوئیں۔ اس بت عربدہ جو نے کسی قدر لجا کر ایک پھول توڑا، میاں آزاد اخبار پڑھنے لگے، مگر کنکھیوں سے اسی جادو جمال کو دیکھتے جاتے تھے، اور وہ بھی دزدیدہ نگہ سے آزاد پر نظر ڈالتی تھی تھوڑی دیر کے بعد وہ حور وش اٹھلاتی ہوئی ان کے قریب آن کھڑی ہوئی۔ میاں آزاد کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور زمین دوز ہوکر ہندوستان کے طریق کے بموجب، فراشی سلام کیا، خاتون پری پیکر نے مسکرا کر سلام کا جواب دیا، اور باغ پر بہار کے انہار لطافت بار کو دیکھنے لگی۔ آزاد پھر کرسی پر بیٹھے۔ اور اخبار ہاتھ میں لے کر اس سرو رواں کو بغور دیکھنے لگے۔ یہ خاتون زہرہ تمثال کو جیارجیا کی ایک نوجوان لیڈی تھی۔ جیارجیا متصل کوہِ قاف، ایک حسن خیز مقام ہے۔ اس شہر مینو سواد کا حسنِ خداداد، اور اس کی خواتین پری زاد، شہرۂ آفاق ہیں، دلبری اور رنگین ادائی میں طاق ہیں۔ آزاد نے جو اس رشک حور کو ازسرتاپا عالم نور دیکھا تو ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ مگر معاً حسن آرا بیگم یاد آئیں:

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد
بندہ طلعتِ آں باش کہ آنے دارد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس لیڈی کا نام میڈا تھا۔ انیس[19] برس کا سن، مرادوں کے دن، جوانی کی امنگ، بادۂ شباب کی ترنگ، ٹہلتے ہوئے حضرت اس شجر کے سایہ میں جا کھڑے ہوئے، جہاں وہ قوس ابرو لیڈی نہروں کے پانی کی چھلک اور روانی مشاہدہ کر رہی تھی۔ آزاد اور اس پری زاد کی آنکھیں پھر چار ہوئیں، خاتونِ عصمت مآب کسی قدر شرمائی، گو میاں آزاد پر دل آیا تھا، مگر اس درجہ لجائی کہ رخ پر زلف عرق آلود ہو گئی:

عرق آلودہ زلفیں ہیں رخ رنگیں جاناں پر
ترشح کا ہے عالم ابر چھایا ہے گلستاں پر

میاں آزاد نے ایک خوشنما پھول توڑ کر بصد ادب نذر کیا۔ خاتونِ پری چہرہ، پہلے تو پھول لیتے ہوئے جھجکی، مگر آزاد کے خوش کرنے کی غرض سے پھول لے لیا، اور ایک بار چوم کر اپنے جوڑے میں خوبصورتی کے ساتھ رکھ لیا۔ آزاد انتہا کے محفوظ ہوئے۔ قریب تھا کہ مکالمہ شروع کر دیں، مگر میڈا فرطِ شرم و حیا سے دوسری روش میں جا کھڑی ہوئی۔ میاں آزاد سوچے کہ زیادہ مبادرت کرنا خلاف عقل و مصلحت ہے۔ ناچار اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔ میڈا کا ان پر دل آیا، مگر حیرت تھی کہ یہ کون شخص ہے، آدمی تو نہایت حسین ہے، مگر وضع سے ترکی نہیں معلوم ہوتا۔ اتنے میں دھوپ کسی قدر تیز ہوئی، اور وہ نازک اندام فرسِ خوش خرام پر سوار ہو کر چلی گئی۔

آزاد متحیر، کہ یا الٰہی یہ انسان ہے یا پری؟ اللہ! یہ حسن گلو سوز، یہ شان دلبری، یہ مکھڑا تھا، یا بن گہنا چاند، افسوس سب سے زیادہ یہ تھا کہ پردیس کا واسطہ، نیا مکان، کسی سے اچھی طرح جان نہ پہچان، اب اس بتِ سیم بدن کو کیوں کر دیکھیں گے۔ نام معلوم، نہ نشان معلوم، واللہ اعلم! کس ملک کی لیڈی ہے۔ سمجھے کہ فرانسیسی ہے؛ جب ہی اس درجہ بانکی وضع اور بانکی ادا ہے۔ اس قدر شیریں حرکات و دلربا ہے۔ جس وقت خیال آتا تھا کہ ان کے تحفۂ محقر کو قبول کیا، اور مسکرا کر بصد نازدستِ رنگین سے پھول لیا، تو جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے؛ مگر جس دم خیال آتا تھا کہ حسن آرا بیگم سے قول ہارے ہیں، تو میڈا کا خیال دل سے دور ہو جاتا تھا۔ الغرض مختلف خیالات ان کے دل میں جگہ پاتے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد کوٹھی میں گئے۔ تاجرِ ذی وقار کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد دونوں میں بات چیت ہونے لگی۔

تاجر: اب آج تو آرام کیجیے! کل حمید پاشا وزیر صیغۂ جنگ سے ملیے۔
آزاد: ہاں آج نہ جاؤں گا، کل صبح کو ضرور بالضرور ملوں گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تاجر: اس وقت جی چاہتا ہے کہ آپ کو کوٹھی کی سیر کراؤں۔

آزاد: بسم اللہ!

تاجر آزاد کو لے کر کوٹھی دکھانے چلے۔ میاں آزاد نے کوٹھی کے مختلف کمروں کی سیر کی۔ تاجر نے کہا: یہ کمرہ لیڈیوں کے لیے ہے۔ لیڈیاں اس میں چار قہوہ پیتی ہیں۔ میاں آزاد نے پوچھا وہ کون لیڈی تھیں جو آج آپ کے باغ کی سیر کرنے گئی تھیں۔ تاجر نے کہا کچھ پتا دیجیے؟ آزاد نے کہا: کشیدہ قامت، نازک اندام، لب سرخ گلفام، زلف سیاہ، رخ غیرت ماہ، چال مستانہ، ناز معشوقانہ، بانکی ادا، انداز دلربا، بلٹ (کمربند) سے کمر نازک کسی ہوئی، عطر گلاب میں بسی ہوئی۔ تاجر نے ذرا غور کرکے کہا: اخاہ مسیڈا ہوں گی۔ وہ جیا رجیا کی لیڈی ہیں، نا کتخدا، آپ کے ایشیا ہی کی ہیں۔ کئی ترکوں کا اس پر دل آیا ہے۔ ایک فرانسیسی افسر فوجی کو اس کے بیاہنے کا شوق چرّایا ہے۔ اس کے جمال مبیں اور رخ رنگیں کا دور دور شہرہ ہے۔ جسے دیکھیے اس کا شیدا ہے۔ صبح شام کوٹھی میں آن کر قہوہ پیتی ہیں۔ علم موسیقی کا بدرجۂ غایت شوق ہے، پیانو اور ہارمیونم بجانے کا دلی شوق ہے۔ گھوڑے پر ایسا سوار ہوتی ہے کہ اچھے اچھے شہسوار ان مان گئے۔ حسن و جمال کے علاوہ بانکپن اور شوخی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ عورت کیا ہے کوہ قاف کی پری ہے۔ آزاد نے جو اس قدر تعریف سنی پوچھا کیا شام کو پھر آئیں گی۔ اور سیر باغ کو ضرور جائیں گی۔ تاجر نے کہا: ہاں ضرور تشریف لائیں گی، اور باغ میں دو گھڑی ضرور بہلائیں گی۔ یہ نوید بہجت خیز سن کر میاں آزاد کی باچھیں کھل گئیں۔ میاں آزاد اپنے کمرے میں گئے اور ایک ناول پڑھنے لگے۔ ایک عاشق بامراد کی ناکامی کا حال پڑھ کر کمال افسوس کیا یہاں تک کہ بے اختیار رو دیے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ حضرت بھی ایک ناول کے (ہیرو) ہوں گے۔

سات بجے کے وقت وہ خاتون شیریں ادا، حسب معمول پھر آئی۔ کمرے میں چائے نوش جان کرتے کرتے، دیکھا، کہ میاں آزاد ایک کرسی پر بیٹھے کتاب پڑھ رہے ہیں۔

میاں آزاد بڑے لطف سے ناول کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ایک عورت نے جس کا سن کوئی چالیس برس کا سن تھا، اور جس کی وضع سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی لیڈی کی خادمہ ہے، آن کے کہا: کہ ایک صاحب باہر آپ کی تلاش میں کھڑے ہیں۔ میاں آزاد نے متحیر ہو کر پوچھا، کہ میری تلاش میں؟ شاید تم کو دھوکا ہوا۔ میں کوٹھی کا مالک نہیں مسافر ہوں۔ اس عورت نے کہا۔ ہاں ہاں! میں جانتی ہوں، آپ ہی کو بلایا ہے۔ آزاد ناول ہاتھ میں لیے ہوئے اٹھے، باہر جاکر خادمہ نے کہا۔ حضور ذرا باغ تک قدم رنجہ فرمائیں، میاں آزاد باغ میں گئے، دیکھا کہ ماہ منیر جلوہ کناں ہے۔ چاندنی خوب نکھری ہے ستارے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چھٹکے ہوئے ہیں، بادِ فرحناک کے جھونکے دل کو مسرور کرتے ہیں. عورت نے اشارے سے کہا کہ اس درخت تک چلیے۔ مئیڈا نقاب زریں سے رخ زیبا کو چھپائے ہوئے ایک درخت کے سایہ میں چپ چاپ کھڑی تھی۔ گو میاں آزاد نقاب اور کسی قدر تاریکی کے سبب سے اس خاتون پری تمثال کے چہرۂ نورانی کو نہ دیکھ سکے، مگر زلفِ عنبر بار کی خوشبو نے ان کے دماغ کو طلبۂ عطار بنا دیا۔ دل میں سوچے کہ یہ تو خوب مقام ہے۔ صبح کو وہ نورانی صورت دکھائی کہ صلّ وجل اس وقت ایسی بوئے خوش آئی کہ دل کی کلی کھل گئی۔ مئیڈا نے نقاب الٹ کر کہا: آزاد ہمیں پہچانا؟ میاں آزاد ششدر کہ بارِ خدایا یہ کون ہے، ایسی پیاری آواز تو آج تک سنی ہی نہ تھی۔ مئیڈا نے پھر پوچھا: آزاد ہمیں پہچانا؟ میاں آزاد نے دبے دانتوں کہا: جی نہیں۔ افسوس ہے کہ میں نہ پہچان سکا۔ مئیڈا درخت کے نیچے سے چاندنی میں آن کھڑی ہوئی اور ہنس کر بولی کہ اب کہو پہچانا یا اب بھی نہیں پہچانا؟

آزاد : (قدموں پر گر کر) خوب پہچانا۔ خوب پہچانا۔

مئیڈا : میں وہی ہوں جس کو تم نے بھول دیا تھا۔

آزاد : اور آپ نے فرطِ عنایت سے قبول کیا تھا۔

مئیڈا : آزاد تم جنگ کے لیے جاتے ہو؟

آزاد : جی ہاں۔

مئیڈا : باشندے کس ملک کے ہو؟

آزاد : ہندوستان۔

مئیڈا : قوم، مذہب؟

آزاد : مسلمان کشمیری۔

مئیڈا : کشمیری ہو؟

آزاد : جی ہاں۔

مئیڈا : شادی ہو گئی ہے؟ کوئی اولاد ہے؟

آزاد : ناکتخدا ہوں۔

مئیڈا : بہت ہی خوش ہوئیں اور دل میں سوچیں کہ بس اب منھ مانگی مراد پائی۔

آزاد : اس کوٹھی میں کب تک قیام ہے؟

مئیڈا : خدا جانے، کل وزیر جنگ کے پاس جاؤں گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میڈا : اس جنگ کا برا ہو، جو ہزاروں گلبدنوں کو کفن پوش کرتی ہے۔ جس کے طفیل میں لاکھوں بندگانِ خدا کی جان گئی اور جس نے کروڑوں عورتوں کو بیوہ اور بچّوں کو یتیم کر دیا کیسے کیسے جوان رعنا اس کی بدولت تہ خاک ہوئے۔ ہائے افسوس وائے افسوس!

آزاد : ہاں مگر مجبوری ہے۔ کیا کیا جائے۔ مجبوری، مجبوری۔

میڈا : (دبے دانتوں) بھلا اگر نہ جاؤ تو کیا ہرج ہے۔

آزاد : غیر ممکن ہے۔ جانا ایسا ضروری ہے کہ نہ جانے کا خیال تک دل میں نہیں آنے پاتا۔

میڈا : جب تک تم یہاں ہو میں ہر روز آؤں گی۔

آزاد تجربہ کار آدمی تو تھے ہی، اس خاتونِ سیم عنغب کی باتوں سے تاڑ گئے کہ ان پر ہزار جان سے عاشق ہے۔ سوچے کہ اب بڑی مصیبت میں پڑے۔ خوبصورت حور طلعت خاتون، انیس[19] بیس[20] برس کا سن، عنفوان شباب، عالم نور از سر تا پا، ایسا نہ ہو کہ ہماری بھی نیت ڈانواں ڈول ہو جائے۔ حسن آرا سے جو قول ہارے ہیں، بھول جائیں۔ میڈا کی پیاری پیاری باتیں دل میں کھپ گئیں۔ کوئی آدھ گھنٹے تک اس حور لقا کے ہاتھ میں ہاتھ دیے میاں آزاد باغ میں ٹہلتے رہے۔ مگر میڈا نے صاف صاف کوئی بات نہ کی۔ اگر آزاد اس سے اس قدر کہہ دیں کہ میری شادی ہو چکی ہے تو وہ ان سے بات بھی نہ کرے۔ فوراً چلی جائے۔ مگر جب انھوں نے بیان کیا کہ ابھی شادی نہیں ہوئی، وہ باغ باغ ہو گئی۔ اتنے میں تاجر موصوف کو میاں آزاد نے باغ کی طرف آتے دیکھا، اور اشارے سے میڈا کو بھی دکھایا، کہ وہ پارسی آرہے ہیں۔ میڈا اپنی خادمہ کو لے کر چلی گئی۔

باغ کے پھاٹک کے پاس میڈا اور تاجر موصوف سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔

تاجر : اخاہ آپ اس وقت تک باغ میں سیر کر رہی تھیں؟

میڈا : ہاں۔ وہ جو مسافر ہندوستان سے آپ کے ہاں آن کر ٹکے ہیں ان کو اتفاق سے باغ میں دیکھا۔ انھیں سے باتیں کرتی رہی تھی اب جاتی ہوں۔

تاجر : بہت اچھا۔

میڈا : یہ بڑے لائق اور خوش خلق آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

تاجر : جی ہاں۔ تربیت یافتہ اور ذی علم ہیں۔ اور اپنے اخلاق سے ہر شخص کو مسخر کر لیتے ہیں

میڈا آپ کے ایک نوکر نے کل مجھ سے کہا تھا، کہ میدانِ جنگ میں جانے والے ہیں۔ بڑا ذی حوصلہ جوان ہے۔ خدا کرے بامراد آئے۔ سرویا کو تو آپ کے ردم نے شکست دی۔ اب دیکھیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روسیوں سے کیسی نپٹتی ہے۔

تاجر: اس ملک کے آدمی جری تو ضرور ہیں مگر باہمی ناچاقی روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے۔ یہ بڑے کہ سرویا کے تو چھکے چھڑا دیے، بھاگتے راہ نہ ملی۔ روسی جنرلوں نے کمک بھی کی مگر سرویا کے بزدل آدمی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ٹرکی جان پر کھیل گئے۔ واقعی بسالت بس اسی کے معنی ہیں۔ سنا کہ روسی جنرل للکارتے تھے کہ آگے بڑھو آگے بڑھو مگر سرویا کے سپاہی آگے قدم بڑھاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اس قدر خائف ہو گئے۔ ترکوں کی جرأت تمام عالم میں مشہور ہے، یہ ملک کے نام پر جان تک دینے کے لیے مستعد ہو جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ فرانس، آسٹریا، جرمنی، انگلستان، اطالیہ وغیرہ ملکوں کی طرح طرزِ حکومت عمدہ نہیں ہے۔ پاشاؤں کی باہمی شکر رنجی اور اعیانِ دولت کی ناچاقی ستم ڈھاتی ہے۔

مئیڈا رخصت ہوئیں۔ تاجر اور میاں آزاد باغ کے ایک چبوترے پر بیٹھے۔ آزاد سے تاجر موصوف نے کہا کہ ابھی اس لیڈی سے ملاقات ہوئی۔ آپ کی بڑی تعریف کرتی تھیں۔ جنگ کی نسبت بھی گفتگو ہوئی۔ وہ ترکوں کا جنبہ کرتی ہیں اور دست بدعا ہیں کہ خدا کرے ٹرکی ہی فتح پائیں اور روسیوں کو بھاگتے راہ نہ ملے۔ کہ حق کی طرف ہیں۔ ٹرکی نے روس کو چھیڑا نہیں، کہ یہ وجہ جنگ قرار دی جائے۔ سرویا کو اسی نے ورغلایا، اور جب ٹرکی کے دلاورانِ صف شکن نے سرویا کی سپاہ کو نیچا دکھایا، تو روس اس قدر جھلایا کہ اشتہارِ جنگ دے دیا۔ اب تمام یورپ کی نظر اس جنگ کی طرف ہے۔ دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے مگر لڑائی جلد ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ بڑی دیر تک تاجر، اور آزاد میں جنگِ روس و ٹرکی کی نسبت سرگرمی کے ساتھ گفتگو رہی۔ بعد ازاں دونوں آرام کرنے گئے۔

میاں آزاد کو تنہائی میں خاتونِ ماہ سیما مس مئیڈا یاد آئیں۔ سوچے کہ معشوق تو رنگیں ادا، اور یوسف لقا ہے۔ پری پیکر، رشکِ قمر، خوش تمیز، ہر دل عزیز، نازک اندام، گلفام، مگر حسن آرا بیگم سے قول ہارے ہیں، اور قول جان کے ساتھ ہے۔ خیر جب تک یہاں ہیں صبح و شام، غم غلط کرنے کے لیے کافی ہے۔ دو گھڑی بات چیت کر لیا کریں گے، مگر یہ ممکن نہیں کہ حسن آرا بیگم کو چھوڑ کر، مئیڈا کے ساتھ شادی کر لیں۔ کیا مجال۔ انھیں خیالات میں آنکھ لگ گئی۔ تو عجیب خواب دیکھا سنیے!

میاں آزاد پتلون اور جاکٹ پہنے، ایک مسہری پر لیٹے ہوئے حقہ پیتے جاتے ہیں، اور اشعار موزوں کرتے جاتے ہیں۔ سر بالیں ان کی پیاری حسن آرا بیگم آئیں، دو بار تالیاں بجائیں۔ میاں آزاد نے اٹھ کر دیکھا تو حسن آرا۔ دست بستہ کھڑے ہو گئے، اور کہا ایک بوسہ دیجیے۔ حسن آرا بولیں بس جائیے جائیے آپ کو بھی دیکھ لیا۔ ہماری تو تم پر جان جائیے، اور تم اوروں کو دل دیتے پھرو۔ واہ کیا انصاف ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: جانِ من۔ اس بدگمانی کے صدقے۔ ہائے ہم تو جان بکف ہندوستان سے روم سدھاریں اور تم ایسے ایسے بیڈھب خیالات کو دل میں جگہ دو۔ بتاؤ ہمیں گنجائشِ شکوہ کی ہے یا نہیں۔ ہم نے تو ٹھان لی کہ چاہے جان جائے، مگر تمھارا حکم نہ ٹالیں۔ اب ہم ہیں اور میدانِ کارزار۔ ہم ہیں اور جوشِ عشق کی گرم بازاری۔ اس وقت کلیجا شق ہوگیا۔ زخم جگر پر تم نے نمک چھڑکا۔

حسن: جی بجا ہے۔ یہ بھرے کسی اور کو دیجیے۔ ہونہہ۔

آزاد: اے ناکامی!

حسن: چلو بس اب بیٹھے رہو۔ صاف صاف نہ کہلواؤ۔

حسن آرا نے ایک گلوری آزاد کو دی آزاد نے کھائی اور کہا۔

اے جانِ من جانانِ من از من چرا رنجیدۂ

اتنے میں میاں آزاد نے ڈرتے ڈرتے کہا ایک ذرا سی چائے ہمیں بھی۔

حسن (تنک کر) اے واہ چہ خوش۔ چرا نباشد۔ منھ دھو رکھیے۔ آپ کو کیوں دیں۔ وجہ؟ آخر سبب۔

حسن آرا نے کہا، کہتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ جیارجیا کی نوجوان لیڈی سے چپکے چپکے باتیں کرنا، اور اس کے عشق کا دم بھرنا اور ہمیں چٹکیوں پر اڑانا، اور باتیں بنانا۔ یہ فقرہ سنتے ہی میاں آزاد کی آنکھ کھل گئی۔ مرگ جان کے ساتھ۔ کفر ایمان کے ساتھ، طاؤس ناز کے ساتھ، خزاں بہار کے ساتھ وہ نہیں کرتی، جو اس خواب پریشان نے میاں آزاد کے دل کے ساتھ کیا۔ پلنگ پر اٹھ بیٹھے۔ اندھیرا آنکھوں میں چھا گیا۔ جسم تھرانے لگا۔ دل ہی دل میں کہنے لگے کہ پیاری حسن آرا،

شوق مشتاق، آرزو مشتاق جان مشتاق تست

دیدہ مشتاق آشکارا، دل نہاں مشتاق تست

میں اور کسی اور کو دل دوں: کیا مجال۔ دن رات تم ہی کو یاد کیا کرتا ہوں۔ اور تمھاری ہی محبت کا دم بھرتا ہوں:

برتنم ہر موزبانی جز بیادِ یار نیست

موبمو ظاہر نماید، حاجت گفتار نیست

حسن آرا، پیاری حسن آرا، کیا تم سمجھتی ہو کہ آزاد کسی اور کو دل دے گا۔ اے توبہ۔ یہ دل اب تمھارا ہے۔ تمھاری چیز میں کسی کو دینے والا کون، مگر شکر ہے کہ خواب ہی میں تم کو دیکھا تو سہی:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شبی خیال تو آمد بخواب آسودیم
دگر زہم نکشادیم چشم گریاں را

لیکن افسوس! کہ بخت خفتہ کی بدولت، خواب میں تم کو بر سرِ ناز و عتاب دیکھا۔ خداوہ دن جلد دکھائے، کہ ہم اور تم باہم باتیں کریں۔ دوری کا پردہ مرتفع ہو۔ عاشق و معشوق مراد دلی پائیں۔ بغل گرمائیں۔ ہم یہ شعر پڑھیں:

وزید امشب نسیم وصل خوش در گلشن جانم
چناں شادم کہ غم بامن دریں غم خانہ می رقصد

اور تم اس کے جواب میں کہو:

تا بہ آں ماہِ دل افروز ہم آغوش شدم
از سرِ ہستی خود رفتم و بے ہوش شدم

محمد عسکری

دوسرے روز، بہار النسا بیگم نے محمد عسکری کو بلوایا، اور چپکے سے کہا کہ کل ہم نے حسن آرا سے تمھارا تذکرہ کیا، مگر اللہ جانے کیا سبب ہے کہ وہ ذری بولیں تک نہیں۔ اور ان کے بشرہ سے ایسا پایا جاتا تھا کہ جیسے کسی پر خدا ناکردہ ان کا دل آیا ہے۔ میں تو دھک سے رہ گئی۔ اللہ آبرو رکھے۔ باتیں ہوتے ہوتے حسن آرا اخبار پڑھنے لگیں۔ اخبار پڑھتے پڑھتے روتیں۔ خوب زار زار روئیں۔ پھر پڑھا، تو کہا: اب ذری تشفی ہوئی۔ مجھ سے کچھ کہا ہی نہیں۔ سپہر آرا نے البتہ ہم سے کہا کہ (بہن شادی وادی کے خیال سے درگزرو) کیا جانے کیا بھید ہے۔ اندر ہی اندر ہنڈیا پک رہی ہے۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ ذرا حال نہیں کھلتا۔ میں نے اس اخبار میں نشان بنا دیا ہے۔ مگر لاکھ لاکھ تدبیریں میں نے کی، اخبار انھوں نے دیا نہ دیا۔ اس وقت میں چوری سے اخبار لے آئی ہوں، دیکھو یہاں پر پڑھ رہی تھی۔ پڑھو تو اس میں لکھا کیا ہے۔ محمد عسکری نے اخبار کا وہ مضمون پڑھ کر کہا۔ کسی بے تکے نے لکھا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے آزاد نامی کوئی شخص ہے۔ اس سے حسن آرا بیگم نے وعدہ کیا ہے، کہ اگر تم روم جاکر روسیوں سے لڑو، اور وہاں سے سرخرو واپس آؤ، تو میں تمھارے ساتھ شادی کرلوں۔ اب یہ دریافت کرنا چاہیے، کہ میاں آزاد ہیں کون۔ لکھا ہے کہ ایک نوجوان اور حسین بیگم کی ہدایت کے بموجب گئے ہیں۔ جب ہی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا شادی کا لفظ تک زبان پر نہیں لائیں۔ بس ہم سمجھ گئے۔ یہی خاص سبب ہے۔ اب بہن تم ایک کام کرو۔ جب حسن آرا بیگم اور تم پاس بیٹھی ہو تو آزاد کا ذکر ضرور چھیڑو کہنا عسکری ابھی ابھی اخبار پڑھتا تھا۔ اس کا ایک دوست ہے آزاد۔ اخبار میں آزاد کی تعریف پڑھ کر عسکری بہت خوش ہوا، پھر کہتا تھا کہ آزاد نان بائی کا لڑکا ہے۔ اس طعامچی بچے کی خوش قسمتی کو تو دیکھو۔ کہاں جاکے شپّہ لڑایا۔ اور وہ بیگم بھی کیسی بے وقوف ہے جس نے بیاہ کا وعدہ کیا۔ طعامچی بچے کے ساتھ اور بیگم کا بیاہ، واہ۔ ع

دماغ بے ہودہ پخت و خیال باطل بست

اب تو بہار النسا بہن کوئی ایسی تدبیر کرنی چاہیے کہ آزاد کی طرف سے حسن آرا کا دل پھر جائے۔ آزاد یاد ہی نہ آئے۔ میں اخبار میں آزاد کی ہجو چھپواؤں۔ تم زبانی مذمت کرو۔ اور جس اخبار میں طبع ہو، وہ کسی ترکیب سے حسن آرا کو ضرور دکھا دو۔ خدا نے چاہا تو چٹکیوں میں دل پھر جائے گا۔ مگر حیرت ہے کہ بارِ خدایا! یہ آزاد کون بزرگوار ہیں۔ بہار النسا متحیر و ششدر کہ یہ اسرار کیا ہے۔

یہ گفتگو کر کے محمد عسکری رخصت ہوئے۔ بہار النسا بیگم اس اخبار کو چپکے سے حسن آرا کے صندوق پر رکھ آئیں۔ محمد عسکری نے گھر پر جاکر حسن آرا، اور آزاد کی باہمی ناچاقی، کی نسبت سیکڑوں ہی تدبیریں سوچیں۔ ٹھان لی، کہ دن رات اسی غور و فکر میں رہوں گا۔ کہ کسی تدبیر معقول سے آزاد کے نام پر حسن آرا لاحول پڑھنے لگیں۔ سوچے کہ پہلے تو کسی اخبار میں کچھ لے دے کر یہ چھپوا دوں کہ آزاد نامی ایک نان وہ کا لونڈا، آج کل روپوش ہے۔ کئی ہزار روپیہ ایک مہاجن کے لے کر چل دیا ہے۔ سنا کہ اب مصر کی طرف بھاگ گیا ہے۔ اگر کسی کو اس کا حال معلوم ہو تو بتائیے۔ اس کے بعد ایک خط چھپوا دوں، کہ آزاد مصر نہیں گیا۔ بلکہ پرسوں تک حیدر آباد میں تھا۔ یہ وہ شخص ہے جو ۱۸۵۷ء کے غدر میں ایک سرغنہ تھا، مگر گورنمنٹ کو اس کے خیالات سے ذرا بھی واقفیت نہیں ہونے پائی۔ یہ شخص بڑا نامی ڈاکو ہے۔ وسطِ ہند کے اکثر مقامات میں اس نے ڈاکے مارے، اور کئی آدمیوں کو زخمی کیا ہے۔ یہ شخص مختلف مقامات میں اپنے کو مختلف ناموں سے مشہور کرتا ہے۔ پھر کسی اور اخبار میں چھپوا دوں، کہ ایک شخص آزاد نامی کسی نوجوان بیگم کو دھوکا دے کر بھاگ گیا ہے۔ اگر اس پر بھی حسن آرا کا عشق کم نہ ہو تو کسی اخبار میں آزاد کی وفات کی تاریخ درج کرا دوں۔ تاکہ حسن آرا مایوس ہو کر آزاد کو رو بیٹھے، اور پھر ہمارے ساتھ دھوم دھڑلے سے شادی ہو۔

ادھر کا حال سنیے! سپہر آرا، اور حسن آرا کوٹھے کے کمرے سے سیر دریا کرتی تھیں، کہ بہار النسا بیگم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھی پہنچیں۔

بہار : اس وقت عسکری بہت خوش تھا۔ کسی اخبار میں اس کے دوست کی بڑی تعریف چھپی ہے۔

حسن : کون دوست۔

بہار : کیا جانے کیا نام بتاتا تھا۔ بھلا ہی سا نام ہے۔ کہتا تھا اخبار میں تعریف کے پُل باندھ دیے ہیں۔ ہاں خوب یاد آیا ہے۔ توبہ توبہ۔ بھلا ہی سا نام ہے۔

سپہر : قاسم خاں۔ تہور علی۔ رفیع الدین؟

بہار : نہیں تہور علی۔ نہ رفیع الدین۔

حسن : محمد غوث آزاد؟

بہار : ہاں ہاں۔ آزاد آزاد۔ کہتا تھا کہ آزاد میرا بڑا دوست ہے، مگر نان پز کا لڑکا ہے۔

حسن : (چونک کر) کس کا؟

بہار : نان پز کا لڑکا بتاتا تھا۔

سپہر : واہ! اچھے آپ کے عسکری ہیں جو نان بائیوں کے چھوکروں سے یارانہ کرتے پھرتے ہیں۔ یہی ان کی تعریف کرتی تھیں۔ جانیے بس دیکھ لیا۔

بہار : اے تو خیر، مگر آگے تو سنو۔ کسی دیدہ ڈھونی بیگم نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ تیرے ساتھ شادی کروں گی۔

سپہر : واہ اچھی بیگم ہیں۔

بہار : ایڑی چوٹی پر قربان کر دے۔

سپہر : اوہ یہ آپ کے عسکری کو کیا سوجھی کہ نان بائی والے سے یارانہ پیدا کیا۔ آدمی ملتا جلتا ہے اپنے برابر والے سے یا ایسے ایسے نیچ قوموں سے۔ واہ اچھے عسکری ہیں آپ کے۔

بہار : اس نان بائی کا منہ جھلس دوں موئے کا، جو بیگموں سے شادی کا وعدہ کرے۔ اپنی آبرو اپنے ہاتھ ہے۔

حسن آرا سکتے کے عالم میں تھی۔ سوچی کہ آزاد کے حالات سے کسی کو یہاں اطلاع تو ہے ہی نہیں شاید نان بائی ہی ہو۔ مگر یہ خیال ہم رنگ محال ہے۔ یہ نورانی صورت، یہ اخلاق، یہ علم و فضل، یہ شائستگی، یہ جرأت، یہ جواں مردی، نان بائی کیوں کر پا سکتا ہے نان بائی پھر نان بائی ہے۔ آزاد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو کوئی شہزادہ معلوم ہوتا ہے۔ نان بائی میں یہ باتیں کہاں۔ نان بائی میاں آزاد کی سی شستہ تقریر اور علمیت اور ایسی شکل وصورت کہاں پائیے۔ بھلا کوئی بات بھی ہے۔ سپہر آرا بولی باجی خاتونِ جنّت کی قسم جو اس میں ذری بال برابر بھی فرق ہو، کہ بہار النسا بیگم ادھار کھائے بیٹھی ہیں، کہ محمد عسکری کے ساتھ تمھارا نکاح ہو۔ کل تم چوک اس قدر گئیں کہ ان کے سامنے اخبار پڑھ کر رونے لگیں، اور پھر ہنس دیں بس وہ تار گئیں۔ حسن آرا بولی اس وقت تو میں از خود رفتہ تھی۔ سپہر آرا نے کہا باجی بس وہی اخبار لے جا کر انھوں نے عسکری سے پڑھوایا ہوگا۔ ساری کارستانی اسی کی ہے۔ تم چاہے مانو یا نہ مانو۔ ہم تو یہی کہیں گے۔ باجی اللہ جانتا ہے کھپ گئی ہے۔ ممکن کیا کہ جھوٹ ہو۔ بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے مگر ایک بات یاد رکھنا عسکری کے ہتھکنڈوں سے اب ڈرتی رہنا۔ وہ بڑا انٹ کھٹ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھیے ابھی کیا کیا باتیں بناتا ہے۔ کیا کیا تہمتیں تراشتا ہے۔ مگر بھرّے میں نہ آجانا۔ آزاد کو نان بائی بنا دیا۔ اے تیری قدرت۔ شانِ خدا۔ شام کو بہار النسا بیگم کی صلاح سے محمد عسکری نے حسن آرا کے نام ایک خط لکھا۔ مغلانی کو دیا کہ جا کے حسن آرا کے ہاتھ میں دینا، مگر خبردار خبردار یہ نہ کہنا کہ بہار النسا بیگم کے سامنے دیا ہے۔ مغلانی نے خط لیا، اور جا کے حسن آرا کو دیا۔

حسن : کس کا خط ہے؟

م : پڑھ لیجیے۔

سپہر : کیا ڈاک پر آیا ہے؟

حسن : نہیں۔

حسن آرا نے خط کھول کر پڑھا۔ مضمون خط ملاحظہ فرمائیے!

قدم رکھ دیکھ کر بحرِ محبت میں ذرا اے دل
خطر ہے ڈوب جانے کا بھی دریا کے نہانے میں

حسن آرا بیگم کی خدمتِ ہمایوں میں کورنش۔ میں جتائے دیتا ہوں کہ آزاد کے پھیر میں نہ پڑیے۔ وہ نیچ قوم آپ کے قابل نہیں۔ نان بائی کا لڑکا۔ تنور روشن کرنے میں طاق۔ آٹا گوندھنے میں شاق۔ وہ آپ کے لائق ہو۔ اے توبہ۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اوّل تو باجی۔ دوسرے مزاج میں تلوّن۔ برق کی چشمک کو تو شاید پائداری بھی ہو، مگر اس کے مزاج کو قیام نہیں۔ اور پھر طرّہ یہ کہ ان پڑھ۔ میں اچھا ہوں یا برا۔ بہار النسا بہن مجھے خوب جانتی ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مجھے جھوٹ بولنے سے کیا واسطہ۔ آزاد میرے دشمن ہیں نہیں۔ مجھے ان سے کسی قسم کی خصومت نہیں ہے۔ بلکہ میں اس شخص کو جانتا ہوں، اور بخوبی جانتا ہوں۔ اسی خاص سبب سے میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں، کہ آپ اس کا خیال دل سے دور کر دیں۔ جس وقت میں نے سنا کہ آزاد پر آپ عاشق ہیں میرا دل پھٹ گیا اور اگر آپ کی یہی کیفیت ہے تو خیر (نظیر نہیں آتی) اب تو ہم یہی دعا مانگتے ہیں کہ خیر سے وہ دن آئے، کہ تمہارے دل سے اس بد وضع کے عشق کا خیال دور ہو جائے۔

(محررۂ محمد عسکری)

اس خط کو حسن آرا نے دو بار پڑھا، اور جواب میں فقط ایک شعر لکھا :

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

سپہر آرا نے کہا کیوں باجی ہم کیا کہتے تھے۔ دیکھا وہی بات ہوئی نہ، اور جھوٹ تو اسی سے ثابت ہے کہ میاں آزاد کو ان پڑھ بتاتے ہیں۔ شانِ خدا۔ یہ اور آزاد کو ان پڑھ کہیں۔ اللہ جانتا ہے، ان لوگوں کو خوفِ خدا بھی نہیں ہے۔ اُف! کچھ ٹھکانا ہے۔ جھوٹ بھی تو کتنا، اور کیسے نیک بنے جاتے ہیں۔ کہ مجھے جھوٹ بولنے سے کیا واسطہ۔ سچ ہے۔ ہم تو کہتے ہی تھے کہ بڑا نٹ کھٹ معلوم ہوتا ہے۔ وہی بات ظاہر ہو گئی۔ مغلانی نے وہ کاغذ لے جا کر محمد عسکری کو دیا۔ محمد عسکری نے پڑھا،

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

ع : اہاہا۔ پھڑکا دیا۔ واللہ پھڑکا دیا۔ جی خوش ہو گیا۔ کیا شعر لکھ دیا ہے۔

بہار : ہماری بہن کچھ ایسی ویسی تھوڑا ہی ہیں۔

ع : چشم بد دور۔

حسن آرا اور سپہر آرا دونوں کوٹھے پر سے چپکے چپکے سنتی تھیں۔

سپہر : بہت خوش ہوئے شعر پڑھ کر۔

حسن : ہاں۔

سپہر : اب تو پہچان گئیں انھیں باجی جان۔

بہار النسا نے محمد عسکری سے کہا کہ بھائی اب ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ آسان امر نہیں ہے۔ حسن آرا نے بے سوچے سمجھے یہ شعر نہیں لکھا ہے۔ مگر خیر دیکھو میں کیا تدبیریں کرتی ہوں۔ ابھی ان سے کچھ نہ کہنا۔ محمد عسکری نے کہا کیا طاقت کچھ کہوں مقرر کیا ہے۔ تم برابر کی بہن ہو اپنی۔ تمھاری اور بات ہے ان کی اور بات۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رقابت کی کارستانی اور وزیر جنگ کی قدردانی

اب میاں آزاد کا حال سنیے! کہ انھوں نے وزیر جنگ کی خدمت میں جانے کی تیاری کی۔ مگر تاجر باوفا نے کہا کہ آج ایک مجلسِ شوریٰ قرار پائی ہے۔ وزیر ممدوح آج نہ مل سکیں گے۔ کل جائیے گا۔ صبح کو میاں آزاد باغ میں جا کر بیٹھے۔ مگر میڈا کی صورت نظر نہ آئی۔ شہر کے مختلف مقامات ان کے دوست صادق نے دکھائے۔ رؤسا اور امرار سے ملاقات کرائی۔ واپس آئے۔ کھانا کھایا۔ ناول پڑھا۔ شام کو تاجر ممدوح ان سے رخصت ہو کر، ایک دن کے لیے اپنے کسی دوست کے یہاں گئے، جو شہر سے دس میل کے فاصلے پر رہتے تھے۔ میاں آزاد کرسی پر بیٹھے ہوئے حقّہ پی رہے تھے، کہ ایک زداب (فرانسیسی افسر) نے پیچھے سے ان کے شانے پر دو بار زور سے ہاتھ مارا۔ متحیّر ہو کر آزاد اٹھ کھڑے ہوئے۔ پیچھے پھر کر دیکھا تو ایک خوش رو جوان۔ فرانسیسی جنگی وردی پہنے ہوئے نظر آیا۔ آزاد کو اس نے اور آزاد نے اس کو بغور دیکھا اور جو لیڈیاں اور جنٹل مین وہاں بیٹھے تھے انھوں نے بھی ان دونوں پر نظر ڈالی۔

آزاد: یہ اس کے کیا معنی مجھ سے آپ سے کبھی کی جان نہ پہچان، اس طرح بے دھڑک دو ہنٹر لگانا کیسا؟

زداب: دوست مجھے تم سے دو دو باتیں کرنی ہیں۔

آزاد: آپ کو جو کچھ کہنا ہے فرمائیے۔

زداب: پوشیدہ بات ہے۔

آزاد: نہیں، پہلے آپ بلا تامّل بتائیں کہ اس دو ہنٹر کے کیا معنی۔ پھر جو کچھ آپ کو مجھ سے کہنا ہو فرمائیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پوشیدہ بات ہے۔ آپ ذرا باہر تک تکلیف کریں۔

آپ کی وردی سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ فرانسیسی لشکر کے کوئی افسر ہیں۔ میں آپ کی اس جنگی (یونیفارم) وردی کی عزت کرتا ہوں، اور جس قوم کی فوج میں آپ ہیں اس کی بھی عزت کرتا ہوں۔ لیکن آپ پہلے یہ بتائیں کہ باہر آپ کو مجھ سے کیا کام ہے۔ اچھا چلیے!

یہ کہہ کر میاں آزاد اور زداب باہر گئے۔ اس وقت کئی یورپین اور چار جین لیڈیاں، اور جنٹل مین اور ٹرکی امرا، قہوہ پی رہے تھے۔ کوئی باتیں کرتا تھا۔ کوئی اخبار پڑھتا تھا۔ سب متحیر تھے کہ یہ فرانسیسی افسر اس اجنبی، غریب الوطن مسافر سے، جو شکل و صورت سے جنٹل مین معلوم ہوتا ہے کیا کہے گا۔

باہر کا حال سنیے کہ میاں آزاد کی طرف اس افسر نے ایک منٹ تک غور سے دیکھا، اس کے بعد دو چھریاں کمر سے نکال کر ایک آزاد کو دی، اور کہا پانچ قدم ہٹو اور صاف صاف بتاؤ کہ تم نے میری پیاری میڈا سے بات چیت کی تھی، اور ایک بار باغ میں تم اور وہ اکیلے تھے۔ میاں آزاد نے چھری اس کے ہاتھ سے لی اور پیترے بدل کر کہا۔ ہاں بیشک ایک جوان لیڈی مجھے باغ میں ملی تھی، مگر تنہا نہ تھی۔ اس کے ساتھ ایک خادمہ بھی تھی۔ پھر اس سے مطلب۔ اگر وہ تمھاری مطبوعہ ہے تو تم کو مبارک رہے۔ کیا تم ثابت کر سکتے ہو کہ میری اس کی ملاقات سے تمھارا کسی قسم کا نقصان ہوا۔ مجھے اس خاتونِ حیا پردر کا نام بھی اچھی طرح معلوم نہیں۔ زداب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ تڑ سے آزاد کی طرف جھپٹا۔ اور چھری بھونکنے ہی کو تھا، کہ آزاد نے خالی دی۔ اتنے میں ایک شخص چپکے چپکے سے آیا، اور آزاد پر تلوار چلائی تلوار چھچھلتی ہوئی بائیں شانے پر لگی۔ پلٹ کر آزاد نے جو ایک تلا ہوا ہاتھ لگایا تو وہ بزدل زخمی ہو کر تیورا کے گر پڑا۔ آزاد سنبھلنے ہی کو تھے کہ زداب ان کا کام تمام کرنے کو پھر جھپٹا۔ مگر آزاد نے پھر خالی دی اور کہا سنو۔ میرے امکان میں اس وقت ہے کہ میں تم کو مار ڈالوں۔ مگر مجھے تمھاری جوانی پر رحم آتا ہے۔ یہ کہہ کر میاں آزاد پیترا بدل کر اس کی طرف جھپٹے اور کیلی کر کے چھری چھین لی۔ غل کی آواز سن کر لیڈیاں اور جنٹل مین بھی باہر آ گئے تھے۔ آزاد نے چھری چھین کر ایک انٹی دی تو افسر منھ کے بل گرا۔ حاضرین نے آزاد کی بڑی تعریف کی، اور جب ان کو معلوم ہوا کہ یہ دو تھے، اور آزاد بے چارہ اکیلا، تو اور بھی تعریف کی۔ آزاد اس افسر کو گھسیٹ کر روشنی میں لائے تو اکثر آدمیوں نے پہچانا کہ روشفا نامی فرانسیسی ہے۔ یہ فرانس کے لشکر کے متعمد افسر تھے۔ اس نوخیز مشتری خصال لیڈی پر جان دیتے تھے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ میڈا کے والدین کی بھی یہی دلی خواہش تھی کہ روشفا کے ساتھ اس کی شادی ہو۔ مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ اگر ایک مہینے میں، میں نے کسی اور کو پسند کیا تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روشفا کے ساتھ شادی نہ کروں گی۔ ورنہ خیر۔ ستائیس دن گزر گئے تھے صرف تین روز اور باقی تھے۔ پھر نواب بے چارے کو برا معلوم ہوا یا نہ ہو میڈا نے جو آزاد کے حسن و جمال، اور خط و خال پر نظر ڈالی اور سنا کہ ہندوستان سے خاص اس غرض کے لیے آیا ہے کہ جنگِ روم میں شریک ہو تو ہزار جان سے عاشق ہو گئی۔ ٹھان لی قسم کھا بیٹھی کہ آزاد ہی کے ساتھ شادی کروں گی یا نا کتخدا رہوں گی۔

آزاد نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ حاشا میں میڈا کے عاشقوں میں نہیں۔ اسی کوٹھی میں میں نے اس لیڈی کو چند بار دیکھا تھا۔ مجھ کو اس فرانسیسی افسر سے بھی عداوت نہیں۔ گو انھوں نے میری جان لینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، مگر مجھ کو اس کا خیال نہیں۔ فرانسیسی افسر نے کہا، مجھے اس وقت صرف یہ خیال ہے، کہ اس میرے دوست نے (جس کے سبب سے میاں آزاد زخمی ہوئے اور جس کو میاں آزاد نے اپنے بچانے کے لیے زخمی کیا، بڑی غلطی کی۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس سے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ تم میری کمک کو آنا۔ مگر اس شخص نے مجھے ذلیل کیا۔ آزاد کو زخمی دیکھ کر قریب تھا کہ میں معافی چاہوں۔ یہ بات فنِ سپہ گری کے خلاف ہے کہ دو آدمی مل کر ایک شخص کو قتل کریں۔ اگر میرا یہی منشا ہوتا تو میں چھری انھیں کیوں دیتا۔ اسی خیال سے کہ میاں آزاد مجھ کو کچا سپاہی سمجھیں گے جب انھوں نے مجھے گھسیٹا تو میں چپ چاپ چلا آیا۔ حاضرین نے اس افسر کی بھی تعریف کی، اور میاں آزاد کو اس کی تقریر ایسی پسند آئی، کہ گلے لگا لیا۔ گو دونوں بغل گیر ہوئے، مگر روشفا کا حسد کم نہیں ہوا۔ رقابت بھی کیا بری چیز ہے۔

دوسرے روز صبح کے وقت میاں آزاد فرخ نہاد نے جنگی وردی پھڑکائی۔ شمشیر خارا شگاف کمر سے لگائی، اور پارسی سوداگر کے ایک طناز و دغا پسند، فرسِ سبک خیز پر سوار ہو کر، حضرت حمید پاشا وزیر جنگ کی شرف ملازمت کے لیے چلے۔ راہ میں انگلیاں اٹھتی تھیں۔ ہر فرد بشر میاں آزاد پر نظر ڈالتا تھا۔ جو دیکھتا تھا گھنٹوں توصیف کرتا تھا۔

ایک: بھئی کیا گبھرو جوان ہے۔ خدا چشم زخم حوادث سے بچائے۔

دوسرا: آمین!

تیسرا: گھوڑے پر کیا خوب سوار ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے کسی نے میخ گاڑ دی۔

چوتھا: کتنا خوش رو جوان ہے۔ یہ تو کسی فوج کا کپتان معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں: گھوڑا تو گھوڑا سوار بھی عجب سج دھج کا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چھٹا : اجی یہ وہی تو ہیں میاں آزاد جس کا حال اخبار العجائب میں درج ہے۔

ساتواں : سچ کہا۔ واقعی یہ وہی نوجوان ہے۔ خدا کرے جنگ میں کامیاب ہو۔

آٹھواں : خدا کرے، خدا کرے!

نواں : آمین، آمین!

میاں آزاد وزیرِ جنگ کے ایوانِ سپہر توامان پر پہنچے۔ جو خط ٹرکی کے کانسل متعینہ مصر نے ان کو دیا تھا، وہ انھوں نے بھیج دیا اور کہا عرض کرو، وہ بھی حاضر ہے۔ حمید پاشا نے خط پڑھا اور میاں آزاد کو بلوایا۔ آزاد نے جا کر زمین دوز ہو کے آداب عرض کیا، اور بصد ادب خاموش کھڑے رہے۔

حمید پاشا : (حمید) آپ ہی ہندوستان سے آئے ہیں جن کی کانسل نے بڑی تعریف کی ہے۔ بیٹھیے۔

آزاد : ہاں حضور فدوی ہی کا نام آزاد ہے۔

حمید : ڈیلی جینس نے آپ کو اور بھی مشہور کر دیا ہے۔

آزاد : حضور میں نے وہ کیا جو ہر ایک انسان کو لازم ہے۔

حمید : صحیح ہے۔ مگر ہر ایک انسان، انسان نہیں ہے۔ بعض آدمی بہائم سے بدتر ہیں۔ آپ سچے ہمدرد ہیں۔

آزاد : (آداب بجا لاکر) حضور کی نوازش۔

حمید : تو آپ یہاں کیا چاہتے ہیں۔ نوکری۔

آزاد : حضور میری دلی خواہش ہے کہ مجھے صیغۂ جنگ کا کوئی عہدہ ملے۔

حمید : تمھاری شکل و صورت، اور طرزِ گفتگو سے پایا جاتا ہے کہ تم ایک تربیت یافتہ اور اولوالعزم اور ذی حوصلہ نوجوان ہو۔ اور جری اور عالی خاندان ہو۔ جنگ کی کیفیت یہ ہے کہ سرویا کو تو ہم نے شکست دے دی۔ مگر اب روسیوں نے اشتہارِ جنگ دیا ہے۔ اور یہ تو ہم پہلے ہی سے جانتے تھے۔ کئی مہینے سے معلوم تھا کہ روسی ضرور لڑیں گے۔ میں غور کروں گا کہ تمھارے لائق کون عہدہ ہے۔ جنگی امور سے واقف ہو؟۔

آزاد : ہاں حضور۔ کئی کتابیں مطالعہ کی ہیں۔ جنرل والٹر کوسن عربی پڑھاتا تھا وہ مجھ کو جنگی علوم کے رسالے پڑھاتے تھے۔ مصنوعی جنگ میں کئی بار شریک ہو چکا ہوں۔ یہ ڈاکٹر کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سرٹیفکٹ ہے۔

حمید پاشا نے سرٹیفکٹ لے کر پڑھا، اور کہا۔ کافی ہے۔ ہم آپ کو عہدہ دیں گے۔ دو ایک روز میں آپ آئیں۔ آزاد پھر بصد ادب آداب بجالائے، اور کمیتِ باد رفتار پر سوار ہو کر چلے۔ اس وقت آزاد انتہا سے زیادہ خوش و خرّم تھے۔ ہندوستان سے روانہ ہونے کے وقت آزاد کو اندیشہ تھا کہ مبادا اٹر کی میں عہدہ نہ ملے۔ مگر جنرل والٹر کے سرٹیفکٹ، اور ان کے حسن و جمال، اور ڈنڈیل اور سپاہیانہ وضع نے، حضرت وزیرِ جنگ کے لوحۂ دل پر ان کی بسالت اور اولوالعزمی، اور عالی خاندانی اور حمیّتِ اسلامی کا نقش ایسا منقش کر دیا کہ فوراً عہدہ دینے کا اقرار کیا۔ آزاد شادان و فرحان فرودگاہ کی طرف جانے لگے۔ حسن اتفاق سے اثنائے راہ میں میاں آزاد کیا دیکھتے ہیں کہ، ایک لیڈی سمندِ دغا پسند کو بکٹٹ دوڑاتی آ رہی ہے۔ پھر کر دیکھا۔ تو میڈا کا گھوڑا جو تیزی کے ساتھ نکلا، تو میاں آزاد کے کمیتِ تند خو نے بھی کنوتی بدلی۔ اتنے میں میڈا نے گھوڑے کی باگ روک لی۔

میڈا : مسٹر آزاد آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟

آزاد : میں وزیرِ جنگ کے ہاں گیا تھا۔

میڈا : تم جنگ کے بڑے شائق ہو۔ اور واقعی تمھاری صورت ہی سے بسالت برستی ہے۔

آزاد : کل تو آپ کی بدولت ہماری جان ہی گئی تھی۔

میڈا : ہم سن چکے ہیں۔

آزاد : اب آپ سے بات کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔

میڈا : (مسکرا کر) درست۔

آزاد : خدا کی قسم خوف معلوم ہوتا ہے۔

میڈا : آزاد تمھارا سا خوبرو، اور وجیہ جوان ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔

آزاد : (خاموش)

میڈا : مجھے معاف کیجیے گا کہ یہ کلمہ میری زبان سے بے ساختہ نکلا مگر میں کیا کروں۔ مجبور ہوں۔

آزاد : میں آپ کی عنایت کا کہاں مشکور ہوں۔

میڈا : وزیرِ جنگ سے کیا باتیں ہوئیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : پوچھا کہ جنگ کی کارروائی سے واقف ہو، میں نے کہا کئی بار مصنوعی جنگوں میں شریک ہوا۔ جنرل والٹر کا سرٹیفکٹ دکھایا، فرمایا تمھاری صورت سے عالی خاندانی اور بسالت صاف ظاہر ہے ہم تم کو کوئی عہدہ ضرور دیں گے۔ دو ایک روز میں آؤ۔

میڈا : آزاد تمھیں جو دیکھے گا فوراً کہہ اٹھے گا کہ یہ کوئی شہزادہ ہے۔

آزاد : (مسکرا کر) واہ۔

میڈا : اس میں عورت ہو یا مرد۔

آزاد : دیکھیں وزیر جنگ ہمیں کون عہدہ دیتا ہے۔

میڈا نے آزاد سے کہا ہم کو نہیں یقین ہے کہ حمید پاشا تمھیں کوئی جنگی عہدہ دیں، اور اگر وہ دیں گے بھی تو ـــــ

آزاد نے پوچھا کیا آپ کو وہ جانتے ہیں۔ میڈا نے ہنس کر کہا کتنے سادے ہو۔ بھلا یہاں کوئی بھی ایسا ہے، جو ہمیں نہ جانتا ہو۔ فرانس تک سے لوگ ہمارے دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ حمید پاشا میرے باپ کے بڑے دوست ہیں۔ وہ مجھے مثل اپنے عزیزوں کے سمجھتے ہیں۔ تم سے مجھے کچھ کہنا ہے۔ اس وقت چل کر بغور سن لو۔ پھر تمھیں اختیار ہے جہاں چاہو جاؤ۔

آزاد نے تھوڑی دیر غور کر کے کہا۔ بسم اللہ آپ فرمائیے۔ میں غور سے سنتا ہوں۔ اور حتی الوسع آپ کا حکم بجالاؤں گا۔ آپ بیدریغ فرمائیں۔ میڈا بولی راہ میں کہنا وضع کے خلاف ہے۔ پارسی کی کوٹھی سامنے ہے۔ وہاں چلو، تو کہوں۔ اتنے میں دونوں گھوڑے اس سوداگر کی کوٹھی پر داخل ہوئے۔ میڈا اور آزاد کمرے میں جا کر بیٹھے۔

آزاد : اب فرمائیے۔

میڈا : تمھاری شادی تو کہیں ہوئی نہیں ہے۔

آزاد : جی نہیں۔

میڈا : پیارے آزاد میرا دل تم پر آیا ہے، اور گو وضع کے خلاف ہے، کہ تم سے صاف صاف کہوں، مگر دل قابو میں نہیں رہا۔ میں چاہتی ہوں کہ تمھارے ساتھ میری شادی ہو۔ میں وہ ہوں جس پر فرانس اور ٹرکی کے نوجوان امیرزادوں کی جان جاتی ہے۔ میں وہ ہوں، جس کے عشق میں روشفاسا افسر فرانس چھ مہینے سے یہاں فروکش ہے۔ میں وہ ہوں جس کے چاہِ زنخدان میں ایک بڑے معزز اور نوجوان پاشا کا دل ڈانواں ڈول ہے۔ مگر میں تم پر جان دیتی ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : مجھے افسوس ہے کہ۔

مئیڈرا : اف ! اف ! اف ! افسوس کے لفظ کے ساتھ تم نے اپنی گفتگو کیوں شروع کی۔ یہ لفظ تو اس وقت میں سننا ہی نہیں چاہتی تھی۔

آزاد : ابھی تو مجھے جنگ درپیش ہے۔

مئیڈرا : خوب یاد رکھو، کہ گو وزیر جنگ کی ملاقات سے تم خوش آئے مگر ــــــ

میاں آزاد نے بڑی لجاجت اور منّت سماجت سے عرض کی، کہ اگر آپ میرے عہدہ پانے میں خلل انداز نہ ہوں۔ واسطے خدا کے معاف فرمائیے۔ بڑی دیر تک سمجھایا۔ اور کہا کہ آپ خود ہی اپنے دل میں سوچیں، کہ آپ کی اٹھتی جوانی، اور رخِ نورانی، صورتِ زیبا، اور ادائے دل ربا، کی ملک فرانس تک دھوم ہے۔ اور خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں، کہ مجھے آپ کی ایک ایک چھب بھاتی ہے۔ ایک ایک ادا، دل میں کھب گئی ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ میں مجبور ہوں، ورنہ اگر آپ کی مرضی کے موافق کام کروں تو مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ اس خاتون سمن بر پری پیکر نے کہا، یاد رکھو۔ بہت پچھتاؤ گے۔ بہت پچھتاؤ گے۔ خوب یاد رکھو بہت پچھتاؤ گے۔

یہ کہہ کر مئیڈرا بصد حسرت وہاں سے ایک ہمجولی کے ہاں گئی۔ اور کہا، کہ بہن تھوڑا سا زہر کسی سے منگواؤ۔ تادمِ زیست تمھاری ممنون ہوں۔ وہ چونک کر بولی کہ یہ زہر کیا ہوگا۔ مئیڈرا نے کہا کھاؤں گی۔ اس کی ہمجولی نے غور سے اس پر نظر ڈالی۔ اور یہ پوچھا خیر ہے۔ یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہو۔ بہن۔ مئیڈرا بے اختیار زار، زار رونے لگی۔ اس کی ہمجولی نے کہا آخر ماجرا کیا ہے کچھ بیان تو کرو۔

کس کی ستم رسیدہ ہو کس کی ستائی ہو

کچھ معلوم تو ہو۔ مئیڈرا نے آنسو پونچھ کر بکمال ملال یوں کہا بہن آج ہم نے وہ بے حیائی کی ہے، کہ ہمارا ہی دل جانتا ہے، اور اس درجہ ناکامی حاصل ہوئی ہے کہ اللہ کرے ساتویں دشمن کو بھی نصیب نہ ہو۔ یہاں ہندوستان سے ایک جوان طنّاز، سراپا ناز، حسین و مہ جبیں، میاں آزاد آیا ہے۔ ہرمز جی کی کوٹھی میں، میں نے اس حور شمائل کو دیکھا، تو ہزار جان سے عاشق ہوگئی۔ سچ کہتی ہوں ایسا جوان خوبرو، دیکھا نہ سنا۔ گھنٹوں گھورا کرے اور سیری نہ ہو دو بار اس گل عذار کے ساتھ گلگشتِ چمن اور تماشائے نسرین و نسترن میں مصروف رہی۔ تیسرے روز کسی نے روشفا سے جا کے جڑ دی۔ وہ آگ بھبھوکا ہو کر کوٹھی گیا، اور میاں آزاد سے ڈویل لڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ چھری لے کر چاہتا تھا کہ، بھونک دے، مگر آزاد نے چھری چھین لی۔ خیر چوتھے روز میاں آزاد سپاہیانہ وضع بنائے گھوڑے پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوار وزیر جنگ کے ہاں سے آتے تھے۔ اثنائے راہ میں مجھے ملے۔ ہائے بہن۔ اس وقت کا جوبن تو ستم ہی ڈھاتا تھا۔ میں تو بس جیسے دیوانی ہوگئی۔ اس درجہ عشق نے زور دیا کہ کوٹھی میں جاکر میں نے اپنی آرزوئے دلی صاف صاف بیان کردی۔

ہمجولی : (ہ) کیا کہا اور تم سے کہا کیوں کر گیا۔

مئیڈا : میں نے کہا آزاد ہم تم پر عاشق ہیں۔ ایسا پری زاد، سج دھج، کا جوان ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔

ہ : پھر

مئیڈا : بس وہ ٹالنے لگے۔

ہ : ایں! اف۔ توبہ!

مئیڈا پھوٹ پھوٹ کر روئی، اور بولی کہ تو مئیڈا جو اس کو اس کا مزہ نہ چکھاؤں۔ چاہے جو ہو۔ آزاد سے بدلہ ضرور لوں گی۔ یا جان دوں گی۔ تم خوب جانتی ہو بہن کہ روشفا کتنے دن سے یہاں فروکش ہے، اور کن کن امیرزادوں، اور شریفوں کے پیغام آئے۔ کیسے کیسے خوش رو فوجی افسر، اور نوجوان رئیس جان دیتے ہیں۔ مگر میں نظر اٹھا کر بھی ان کی طرف نہیں دیکھتی۔ آزاد نے واقعی ایسی ہی صورت زیبا پائی ہے، کہ میرا دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ افسوس افسوس۔

ہ : بے سمجھے بوجھے۔

مئیڈا : اب تو جان پر بن آئی ہے۔

جلدی نہ کرو۔ کل ہم اور تم مل کر مشورہ کریں۔ اگر مان جائے تو کیوں مصیبت میں مبتلا ہو۔ **ع**

گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دے

وزیر جنگ سے ملاقات کر چکے ہیں۔ اپنی طرف سے بدی نہ کرنا چاہیے ورنہ مجبوری ہے۔

آزاد : ہاں۔ اور انھوں نے وعدہ بھی کیا ہے کہ کوئی جنگی عہدہ دیں گے۔

جب چوطرفہ تاریکی چھائی، تو ایک بیش بہا برقع اوڑھ کر ایک عورت وزیر جنگ کے پاس آئی۔ آدمیوں سے کہا اطلاع دو کہ ایک برقع پوش لیڈی آئی ہے۔ حمید پاشا نے کہا آنے دو۔ لیڈی کمرے کے اندر گئی۔ وزیر جنگ نے جو دیکھا کہ ایک کشیدہ قامت نازنین، لباس فاخرہ زیب تن کیے ہوئے چھماں چھماں تشریف لاتی ہیں، تو سرو قد تعظیم کی، اور کہا تشریف رکھیے۔ لیڈی بصد ناز کرسی پر متمکن ہوئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وزیر: فرمائیے۔

برقع: ہندوستان سے کوئی شخص آزاد نامی آیا ہے۔

وزیر: ہاں یاد آیا، بیشک آیا ہے۔ بڑا وجیہ اور قوی ہیکل اور حسین اور اولوالعزم اور لائق آدمی ہے۔

برقع: وہ یہاں کس غرض سے آیا ہے بھلا۔

وزیر: حمیت اسلام اس کو کشاں کشاں لائی ہے۔ وہ شریک جنگ ہونا چاہتا ہے۔

برقع: آپ اس کو فوجی عہدہ دیں گے۔

وزیر: ضرور بالضرور اور بہت جلد۔

برقع: میں یہی کہنے آئی ہوں کہ اس کو عہدہ نہ ملے۔

وزیر جنگ متحیر کہ یا خدا یہ برقع پوش کون ہے، اور کیوں کہتی ہے کہ میاں آزاد کو کوئی عہدہ نہ ملے۔ سمجھے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ کہا کہ لیڈی تمھاری وضع اور بول چال، اور پوشاک سے صاف مترشح ہے کہ تم ایک معزز اور عالی خاندان لیڈی ہو۔ مگر اس پوشیدہ طرز پر تم نے مجھ سے ملاقات کیوں کی؟ اور آزاد کے خلاف کیوں ہو اگر وہ مسلمان نہیں ہے، روسیوں کی طرف سے سازش کر کے آیا ہے تو صاف صاف بتا دو۔ لیڈی نے کہا۔ یہ شخص خاص یورپین ہے۔ وارسا کا رہنے والا۔ اس کا باپ سوداگر تھا۔ مگر اس کے کارخانے میں آگ لگ گئی، اور لاکھوں روپے کا مال جل بھن کر خاک سیاہ ہو گیا۔ اس شخص کو گورنمنٹ روس نے ہندوستان بھیجا، وہاں پانچ سال تک رہا۔ بعد ازاں ایران میں تین برس فارسی سیکھی۔ عرب میں کئی سال قیام کیا۔ فرنچ خوب بولتا ہے۔ اور عالم آدمی ہے۔ میں نے تحقیق پائی ہے کہ منجملہ ان آدمیوں کے جن کو گورنمنٹ روس نے اس لیے بھیجا ہے، کہ سلطنت روم کے حالات دریافت کر کے لکھ بھیجیں۔ ان میں یہ بھی ایک ہیں۔ یہ شخص اس قابل نہیں کہ ایک دم آزادی کے ساتھ رہنے پائے۔ وزیرِ جنگ بڑے استقلال کے ساتھ ساری داستان جو لیڈی نے اس وقت گڑھی تھی، سنتے رہے۔ مگر واہ ری لیڈی! حسن و جمال کے علاوہ فقرہ بازی، اور افترا پردازی میں بھی اپنی آپ نظیر تھی۔ کل کارروائی چٹکیوں میں بھگتا دی۔ وزیرِ جنگ نے بکمال استقلال کہا کہ آپ ایک جوان اور معزز لیڈی معلوم ہوتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ غلط کہتی ہیں، مگر چونکہ یہ پولٹیکل امور ہیں لہٰذا اس قدر کہنا ضرور ہے کہ جب تک کسی اور معتبر آدمی کی زبانی اس خبر کی صداقت نہ پہنچے۔ مجھے ہرگز یقین نہیں آسکتا، کہ آزاد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس قماش کا آدمی ہو۔ یہ سن کر مئیڈا کھڑی ہو گئی، اور قہقہہ لگا کر برقع کو رخ انور سے الٹ دیا۔

وزیر : مئیڈا۔

مئیڈا : اب یقین آیا یا نہیں۔

وزیر : وہ روسی فروکش کہاں ہے۔

مئیڈا : ہرمزجی بھائی کی کوٹھی ہیں۔

وزیر : اچھا اب تم جاؤ میں تمھارا مشکور ہوا۔ تمھارے باپ سے مجھ سے بڑی دوستی ہے۔ یہ داستان تم سے کس نے بیان کی۔

مئیڈا : جس شخص نے مجھ سے کہی وہ آزاد کا رازداں ہے۔ نام نہ بتاؤں گی۔

وزیر : اس قدر تشفّی دے دو کہ وہ شخص معتبر ہے۔

مئیڈا : نہایت معتبر۔

وزیر : تمھارا ذمّہ۔

مئیڈا : بیشک

مئیڈا وزیر جنگ کو پٹّی پڑھا کر رخصت ہوئیں۔ دل میں سوچتی جاتی تھی کہ اب میں نے اپنا بدلہ لیا۔ کہہ دیا۔ جتا دیا کہ بہت پچھتاؤ گے۔ سمجھا دیا کہ کہا مانو، ورنہ پچھتاؤ گے۔ پکار پکار کر اطلاع دی کہ دیکھو پچھتاؤ گے۔ بہت پچھتاؤ گے، مگر وہ نہ مانے تو ہم کیا کریں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شبراتی کی شرارت کی گھات اور دو بوڑھوں کی ملاقات

حسن آرا بیگم نے مہری کو حکم دیا کہ ذری اس سقّے کے چھوکرے کو بلالاؤ۔ یا یہاں بلانے کی حاجت نہیں۔ کہو کہ سرائیں جائے اور دیکھے کہ وہ بوڑھا آدمی ہے، یا چلا گیا۔ مہری نے پردے کے پاس سے آواز دی۔ شبراتی۔ شبراتی مرگیا موا! ارے شبراتی! دربان نے پوچھا۔ کس کو پکار رہی ہو بی مہری۔ کہا اے بہشتا کے لڑکے کو۔ دربان نے زور سے پکارا۔ شبراتی۔ ابے او شبراتی! چل جلدی۔ مہری پردے کے پاس کھڑی غل مچا رہی ہیں۔ شبراتی دوڑتا ہوا آیا۔ کہیے حاضر ہوں۔ مہری بہت ہی جھلّائیں۔ چلّاتے چلّاتے مارے گلا پھٹ گیا۔ سنتا ہی نہیں۔ کھیل کود کے پیچھے دوانہ ہو رہا ہے مُوا۔

شبراتی: (ش) آپ تو ناحق بن ناحق کھڑکتی ہیں۔ کھیلتا کون تھا۔ میں تو ذری پانی پینے گیا تھا۔

م: چل بہت باتیں نہ بنا۔ سن!

ش: (قریب جاکر) کہیے۔

م: اُس سرا میں جاکے دیکھ، وہ بوڑھے آدمی ہیں، یا چل دیے؟

ش: اچھا۔

م: کتّے کی چال جانا۔ بلّی کی چال آنا۔

ش: اجی ابھی پہنچا، داخل ہوں۔

شبراتی چلے۔ راہ میں لونڈے لاڑیے جو ملے، تو حضرت کو شوق چرّایا کہ چھلّا میری کھیلیں۔ مرّسی اور پھسّی کے پھیر میں ٹیان الا رہے ہیں۔ چت پٹ کی فکر ہے۔ ایک گھنٹے میں شبراتی نے کوئی ڈیڑھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیسے کی کوڑیاں جیتیں۔ مگر لالچ کا برا ہو۔ طمع میں جو آئے تو جم گئے۔ کوئی ڈھائی دمڑی کی کوڑیاں اِدھر اُدھر اور نظر آئیں۔ سوچے کہ یہ بھی بٹورے چلو۔ کہاں کا جھگڑا۔ مگر دم کے دم میں ڈیڑھ پیسا وہ ہارے۔ اور بارہ کوڑیاں گرہ سے گئیں۔

طمع را سہ حرف ست و ہر سہ تہی

وہاں سے اداس ہو کر چلے۔ راہ میں بندر کا تماشا ہو رہا تھا۔ اب میاں شبراتی جا چکے اینٹھا سنگھ کے سر پر ٹوپی آئی، اور شبراتی بولے (چھین) کبھی بندریا کو دور سے چھیڑا، کبھی بکرے پر ڈھیلا مارا۔ یہ تماشا دیکھ کر اور دس بارہ قدم گئے ہوں گے کہ مداری ملے۔ بڑے بڑے کھیل، اور بڑے بڑے تماشے۔ بھئی کوئی لونڈا تو آئے۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر میاں شبراتی کو پسند کیا۔ آو جوان تم کیدان معلوم ہوتے ہو۔

مداری: (مدا) آدمی ہو کہ جنور؟

ش: آدمی۔

مدا: سور کہ شیر۔

ش: ہم شیر تم سور۔

اس پر قہقہہ پڑا۔

مدا: گدھا کہ گدھی؟

ش: گدھا۔

اس پر ایک اور فرمایشی قہقہہ پڑا۔ اور میاں شبراتی کسی قدر جھینپے۔

مدا: الّو کہ بیل؟

ش: تم اُلّو۔ تمھارے باپ بیل۔ اور تمھارے دادا بچھیا کے تاؤ۔

اس پر تماشائی ہنس پڑے۔

ایک: لونڈا بڑا تیز ہے۔

دوسرا: یہ مداری کے بھی چچا نکلے۔

تیسرا: اجی ایسے ایسے مداری، انھوں نے چنگے کیے ہیں۔

چوتھا: بھائی ان لوگوں سے شیطان نے بھی پناہ مانگی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد میاں شبراتی یہاں سے بھی روانہ ہوئے۔ ایک رئیس کے ہاں سپیرا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سانپ کے تماشے دکھا رہا تھا۔ میاں شبراتی بھی ڈٹ گئے۔ سپیرا تو سبھی ہیں بھیر دیں کا رنگ دکھا رہا تھا۔ اتنے میں رئیس نے کہا کہ بھلا تب جانیں کہ کسی کے سر سے سانپ نکالو۔ سپیرے نے کہا کہ ہجور منتر میں سب کدرت (قدرت) ہے۔ مل کوئی آدھ سیر آٹا تو پیٹ بھر کھانے کو دے۔ لے جس کے بدن سے کہیے سانپ نکالوں۔ اور ابھی ابھی۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو لونڈے لاڑیے ہُرّا ہو گئے۔ کہ دھرے نہ جائیں۔ میاں شبراتی تو پرلے سرے کے شریر تھے۔ ڈٹے کھڑے رہے۔ بلکہ اور بھی اکڑ گئے۔

سپیرا: واہ جوان بس تم ہی ایک بہادر ہو۔

ش: اور ہمارے باپ ہم سے بڑھ کر اور ہم اپنے باپ سے بڑھ کر۔

سپیرا: یہاں بیٹھ تو جاؤ۔

میاں شبراتی بے جھجک زمین میں بیٹھ گئے۔ سپیرے نے کہا ہجور اس کے سر سے سانپ نکلتا ہے۔ دیکھتے جائیے۔ دیکھتے جائیے۔ حاضرین کی اسی طرف نظر تھی۔ دو چار منٹ سپیرے نے جھوٹ موٹ کوئی منتر پڑھا، اور زور سے میاں شبراتی کی کھوپڑی پر دھپ جما کر کہا یہ لیجیے، سانپ واہ واہ کا دونگڑا برس گیا۔ شبراتی نے کہا واہ تمھاری تو اتنی تعریف ہوئی۔ اور یہاں وہ دھول پڑی کہ کھوپڑی بھنا گئی۔ رئیس نے سپیرے کو پانچ روپے انعام دیے اور کہا اس لونڈے کو بھی چار آنے پیسے دے دو۔ میاں شبراتی نے چار آنے پائے، تو جامے میں پھولے نہ سمائے۔ جاتے ہی گول گپے والے سے پیسے کے کچالو، دھیلے کے دہی بڑے، دھیلے کی سونٹھ کی کٹان لیں۔ اور چکھتے ہوئے چلے۔ سبیل پر خوب تن کے پانی پیا، اور تکیے پر جا کر کوڑیاں کھیلنے لگے۔ دو پیسے کی کوڑیاں ہارے۔ وہاں سے اٹھے۔ حلوائی کی دوکان پر آئے۔ ایک آنے کی پوریاں کھائیں۔ کنویں پر پانی پیا، اور ڈیوڑھی پر بی مہری کو آواز دی۔

ش: بی مہری۔ اجی بی مہری۔

م: آئے کہو ہیں۔

ش: وہ تو چلے گئے۔

م: ارے! کب گئے کب؟

ش: کل شام کو۔

م: بھلا کچھ معلوم ہے کہاں گئے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ش : ریل پر سوار ہو کر کہیں چلے گئے۔
م : کوئی ہے یا کوئی بھی نہیں۔
ش : کوئی بھی نہیں سب چل دیے۔

مہری کے ہر ایک سوال کا میاں شبراتی نے پھرتی کے ساتھ جواب دیا، ذرا بناوٹ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ جو پوچھا تڑ سے اس کا جواب دیا۔ کب گئے ؟ شام کو کہاں گئے ؟ ریل پر کہیں گئے۔ شاباش واہ میاں شبراتی واہ کیوں نہ ہو۔ مہری نے حسن آرا بیگم سے کہا، اے حضور وہ تو سرا میں نہیں ہیں حسن آرا دھک سے رہ گئیں، ہے ہے ! دیر کی نہ ہم نے۔ بس چل دیے وہ مسافر تو تھے ہی۔

حسن : شبراتی کو بھیجا تھا کہ دیکھو سرا میں وہ بوڑھے ہیں یا نہیں۔ کہتا ہے کہ وہ شام کو چلے گئے۔
سپہر : اے ہے، بُرا ہوا۔
حسن : میاں آزاد کا اس سے کچھ پتا لگتا۔
سپہر : ضرور۔
حسن : وہ شعر ہمیں نہیں بھولتا :

سینے کو چمن بنائیں گے ہم
گل کھائیں گے گل کھلائیں گے ہم

سپہر : جب تک بیٹھا، میاں آزاد ہی کی تعریف کرتا رہا۔
حسن : کیا جانے کون تھا۔ مہری ذری تم پھر تو پوچھو، کہ شہر ہی میں ہیں یا کہیں باہر چلے گئے۔

مہری نے جا کے پھر شبراتی سے پوچھا کہ شہر میں ہیں، یا باہر چلے گئے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد اب کی میاں شبراتی نے کہا نہیں چلے نہیں گئے۔ ہیں شہر میں، مگر اکسو اور سرائے میں اٹھ گئے۔

م : کیوں رے جھوٹے تو تو کہتا تھا کہ ریل پر چلے گئے، اور اب کہتا ہے کہ اس سرائے سے دوسری سرائے میں اٹھ گئے۔
ش : میں نے ــــــ
م : چل جھوٹے تو گیا دیا نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ش : ابّا کی قسم گیا تھا۔

م : چل بہت بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بناؤ۔ موا نمک حرام۔

ش : اچھّا آپ کسو اور کو بھیج کے دکھوالیں۔

م : چل دور ہو۔ موا جھوٹا۔

میاں شبراتی تو کائیں کائیں مگر غپّا کھا گئے۔ مہری نے جا کر حسن آرا بیگم سے کہہ دیا کہ سرکار وہ موا سفّے والا چھوکرا گیا دیا نہیں۔ پہلے کہار ریل پر سوار ہو گئے۔ اب کہتا ہے اس جگہ سے کسی اور سرائے کو گئے ہیں۔ الول جلول بکتا ہے۔ ہم کو اس کا اعتبار نہیں۔ اتنے میں دھوبن نے کہا حضور وہ لونڈا شبراتی۔ وہ تو سانپ والے کے پاس بیٹھا ہوا کھیل رہا تھا۔ مہری نے کہا لیجیے بی اُجلی نے اس کھلنڈرے کو وہاں دیکھا تھا۔ میں جا کے کسی اور کو بھیجے دیتی ہوں۔ یہ موا کھیل کود کے پیچھے دوانہ ہو رہا ہے۔ کیا جانے کہاں جا کے بیٹھ رہا۔ اب باتیں بناتا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد مہری نے کہا، حضور کی سرکار کا وہ پرانا خانہ زاد آ گیا۔ حسن آرا نے کہا بس اب بات بن گئی۔ حسین بخش کو بھیج دیں گے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ایک بوڑھا آدمی بڑی بیگم کے ہاں کا خانہ زاد بجرے پر اس وقت سوار تھا جب میاں آزاد نے حسن آرا بیگم کو دیکھا تھا، اور بہانہ کیا تھا کہ ڈوب گئے۔ یہ شخص رخصت لے کر اپنے گھر گیا تھا، اب وہاں سے واپس آیا۔ حسن آرا بیگم نے بصد حسرت پیر مرد سے اپنی حالتِ زار بیان کی۔

حسن : میں سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔ محمد عسکری بے طور پیچھے پڑا ہے۔ امّا جان بھی اس کی تعریف کرتی ہے۔ بہار النسا بہن کو بھی اس کا جنبہ ہے۔ گھر بھر ایک طرف ہے۔ اور میں جو قول ہاری ہوں وہ تم خوب جانتے ہو۔ اب میں کروں تو کیا کروں۔ میاں آزاد کا کوئی خط نہیں آیا۔ مگر ایک اخبار کے ذریعہ سے ان کی خیر و عافیت معلوم ہو گئی۔ وہ بے چارے ڈوبتے ڈوبتے بچے۔ اس گاڑھے وقت اللہ نے ان کی جان بچائی۔ جس جہاز پر سوار تھے وہ ڈوب گیا، مگر آزاد بچ گئے۔ لکھا ہے کہ بڑا سخت طوفان آیا تھا۔ پانی بلّیوں اچھلتا تھا اور ہوا نے زور باندھا تھا کہ الاماں۔ چھوٹی چھوٹی کشتیاں جو ساتھ ہوتی ہیں، ان پر میاں آزاد اور کوئی پچاس ساٹھ آدمی کود پڑے۔ میاں آزاد کی جرأت اور ہمدردی کی بڑی تعریف کی ہے۔ بہت سے بندگانِ خدا کی جان بچائی۔ ایک انگریز کشتی سے سمندر میں گر پڑا۔ آزاد بڑی جواں مردی سے کود ے، اور اس کو ڈوبنے سے بچا لیا۔ مگر کشتی ہوا کے تھپیڑے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے دور نکل گئی۔ پھر ان کو پیرنا پڑا ہو سمندر میں لوگ کیوں کر پیرتے ہیں۔ خیر اللہ نے اس کی جوانی پر رحم کیا۔

ملّاح : ایک اخبار میں بھی لایا ہوں۔ اس میں بھی میاں آزاد کی تعریف چھپی ہے۔

سپہر : لاؤ لاؤ پڑھیں۔

ملّاح نے اخبار دیا۔ سپہر آرا نے پڑھ کر بہن کو سنایا۔

میاں آزاد فرخ نہاد

شاباش آزاد۔ شاباش۔ مرحبا۔ مرحبا۔

حماک اللہ عن شر النوائب

جزاک اللہ فی الدارین خیراً

میاں آزاد ایک باحمیت مسلمان آج اس نظر سے روم گئے ہیں، کہ شریک جنگ ہوں۔ روس اور روم میں عنقریب چھڑا چاہتی ہے۔ سرویا روس ہی کی سازش، اور اغوا سے برسرِ مقابلہ آیا تھا۔ اب روس خود جنگ پر آمادہ ہو گیا۔ میاں آزاد بڑی جرأت اور جواں مردی سے جان بکف گئے ہیں، کہ ترکوں کا ہاتھ بٹائیں۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

یہ ایک حسین، اور جری، اور تربیت یافتہ جوان ہیں۔ سنا کہ کسی پری وش خاتون پر ان کا دل آیا۔ ان کو اس کے ساتھ شادی کرنے کا شوق چرّایا۔ اس کے کچھ دن بعد پیغام بھیجا، کہ اگر روم جاؤ اور وہاں میدان کارزار میں تیغِ لیاقت کے جوہر دکھاؤ، اور سرخرو آؤ، تو نکاح ہو۔ ہنسی خوشی بیاہ ہو۔ ورنہ خیر۔ آزاد اس کے حکم بموجب روم سدھارے۔ اثنائے راہ میں جہاز پر بڑا کار نمایاں کیا۔ ساٹھ ستر آدمیوں کو اجل کے پنجے سے رہا کیا۔ اپنی جان کا ذرا خیال دل میں نہ آیا۔ ع

آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ تو

اس خاتون پاک نظر پری پیکر کی بھی ہم تعریف کریں گے جس نے بمقتضائے حمیتِ اسلام شادی کا دار و مدار فتحِ روم ہی پر رکھا۔ خدا کرے میاں آزاد مع الخیر روم پہنچیں۔ اور سفر کی زحمت سے مصون رہیں :

کردۂ عزم سفر لطفِ خدا یارِ تو باد

ہمتِ اہل نظر قافلہ سالارِ تو باد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آمین ثم آمین! خدا کرے، ہم جلد سنیں کہ میاں آزاد بخیریت داخل منزل مقصود ہوئے:

بہ سفر رفتنت مبارک باد

بہ سلامت روی و باز آئی

حسن آرا کا چہرہ گلنار ہو گیا۔

سپہر: لو باجی جان! ایک آرزو تو بر آئی، کہ میاں آزاد مشہور ہو گئے۔

حسن: جب ہم ان کو اپنی آنکھوں دیکھیں تب البتہ بات ہے۔

پیر مرد: انشاء اللہ

سپہر: اور وہ دن بھی جلد دکھائے گا۔

حسن: دو دن ہوئے ہم جھروکے سے دریا کی سیر دیکھ رہے تھے، ایک ناؤ آن کے یہاں پر ٹھہر گئی۔ دو چار آدمی ناؤ سے اترے ایک بوڑھا آدمی زین پوش بچھا کر پیڑ کے سایہ میں حقّہ پینے لگا۔ باتیں کرتے کرتے ایک آدمی سے اس نے کہا کہ ایک شعر سنایئں۔ میاں آزاد ایک شاعر ہیں، ان کا کلام ہے۔ آزاد کا نام جو سنا، تو میں چونک پڑی اتنے میں اس نے یہ شعر پڑھا:

سینے کو چمن بنائیں گے ہم

گل کھائیں گے گل کھلائیں گے ہم

میں نے سپہر آرا کو بلا کر کہا کہ دیکھو وہ بڑے میاں جو درخت کے سایہ میں بیٹھے حقّہ پی رہے ہیں، انھوں نے ابھی ابھی آزاد کا نام لیا، اور ایک شعر بھی پڑھا۔ پہلے تو انھوں نے کہا باجی تم تو چونک چونک پڑتی ہو۔ مگر جب بوڑھے نے پھر وہی شعر پڑھا، اور کہا آزاد کا کلام ہے تب ان کو یقین آیا۔

سینے کو چمن بنائیں گے ہم

گل کھائیں گے گل کھلائیں گے ہم

پیر مرد: پھر وہ آدمی کہاں گیا؟ اس سے تو ملوں گا میں۔

حسن آرا نے کہا بڑی دیر تک آزاد کی تعریف کرتا رہا اور کہا کہ کسی بیگم نے اس شرط پر آزاد کو روم بھیجا ہے، کہ اگر وہاں سے سرخرو آئے، تو شادی کر لوں گی۔ وہ سرا میں ٹکے ہیں۔ شبراتی کو بھیجا تھا۔ وہ گیا و یا نہیں۔ یہاں جھوٹ موٹ آن کر کہہ دیا کہ چلے گئے۔ تم ضرور جاؤ۔ پیر مرد نے پوچھا شبراتی کون۔ حسن آرا نے کہا سقّے کا لڑکا ہے۔ پیر مرد نے اسی وقت شبراتی کو بلوایا۔ مہری نے کہا شبراتی ان کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وہ سرا دکھادو۔ اب میاں شبراتی چکرائے کہ خدا ہی خیر کرے۔ برے پھنسے۔ دل میں چور تھا کہ سرا تک جانے کی نوبت تو آئی ہی نہیں، ایسا نہ ہو کہیں وہ ابھی ٹکے ہی ہوں، اور مجھ پر بے بھاؤ کی پڑنے لگیں۔ دبے دانتوں کہا، اچھا چلیے۔ پیر مرد آگے آگے میاں شبراتی پیچھے پیچھے۔ جاتے ہی کوٹھے کراتنے میں مہری نے شبراتی کو اشارے سے بلالیا۔ اور کہا شبراتی اگر ڈھونڈھ نکالا تو ایک روپیہ دلوادوں۔ بیگم صاحب سے جاکے کہوں، اور لڑلڑکے روپیہ لاؤں۔ شاباش بیٹا۔ ساتھ ساتھ جا اور سرا ان کو دکھادے۔ شبراتی نے جو روپے کا نام سنا تو کھل گئے۔ بہت اچھا ابھی ابھی پتا لگا تا ہوں مگر بی مہری کہہ کر مکر نہ جانا۔ پیر مرد کو لے کر حضرت چلے۔ راہ میں ایک لونڈے کی کھوپڑی پر دھپ جمائی، تڑسے، اور آگے بڑھے تو ایک دیوانے پر کئی ڈھیلے پھینکے۔ اور دو قدم گئے ایک بوڑھی ماما سے کہا نانی سلام۔ وہ گالیاں دینے لگی۔ مگر آپ خوب کھل کھلائے۔ اور کئی بار غل مچا کر کہا۔ نانی سلام۔ نانی سلام۔ سلام نانی سلام۔ تھوڑی دیر میں ایک اندھا ملا۔ آپ نے اس کی ٹوپی اتارلی، اور چٹاخ سے دھول لگائی پیر مرد کبھی مسکراتے تھے۔ کبھی سمجھاتے تھے۔ چلتے چلتے ایک تیلی ملا۔ میاں شبراتی نے پوچھا۔ کیوں بھئی تیلی کتنا دن ہوگا۔ تیلی نے کہا چپ۔ کیوں جبون۔ (زبون) بات نکلتا ہے منھ سے۔ اور آگے بڑھے ایک رنگریز سے پوچھا کیوں بڑے بھائی! اپنی داڑھی نہیں رنگتے۔ اس نے کہا تمھارے باپ کی داڑھی کہو رنگ دیں۔ نیل سے، چلتے چلتے ایک حلوائی سے پوچھا، ارے میاں دادی جی کی فاتحہ ذرا کھڑے ہو کر پڑھ لیں۔ اس نے کہا کنبے بھر کی فاتحہ پڑھ لو۔ پیر مرد بہت ہی ہنسے۔ میاں شبراتی نے ایک تنبولی سے کہا۔ دو پیسے کی گاڑی کی چون چون دینا۔ مسکرا کر اس نے جواب دیا، کہ جینے کی باتیں کرو۔ جینے کی۔ اب سنیے کہ دو ہندو آدمی پرانے فشن کے لوگ کہیں باہر جانے والے تھے۔ جیسے ہی وہ گھر سے باہر نکلے، آپ ایک آنکھ دبا کر سامنے جا کھڑے ہوئے۔ وہ لوگ سمجھے سچ مچ کانا ہے۔ ایک نے کہا ابے ہٹ سامنے سے او کانے۔ آپ نے وہ آنکھ کھول دی دوسری دبائی۔ اس پر قہقہہ پڑا۔ مگر دونوں ہندو شگون بد سمجھ کر اندر چلے گئے۔ اتنے میں ایک کانی عورت سامنے سے آئی۔ میاں شبراتی نے دیکھتے ہی یہ ہانک لگائی۔ ایک لکڑیا بانسے کی کانی آنکھ تماشے کی۔

شبراتی آپ جانیے ایک ہی شریر۔ سوچے کہ اگر سرا میں پیر مرد کو لے چلے اور ان لوگوں سے مڈھ بھیڑ ہوئی، اور شاید بات ظاہر ہوگئی تو خوب پٹیں گے۔ اس سرا میں نہ گئے۔ دوسری سرا میں لے چلے وہاں جا کر ایک کوٹھری کی طرف اشارہ کر کے کہا، کہ اسی میں ٹکے تھے۔ خدا جانے کہاں چل دیے۔ پیر مرد نے کہا بھٹیاری سے تو پوچھنا، شاید اس کو معلوم ہو۔ ان کے دل میں تو چور تھا۔ سوچے کہ بھٹیاری سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پوچھا تو قلعی کھل گئی۔ کہا جی نہیں یہ کیا جانے۔ صبح سے شام تک بیسیوں مسافر آتے جاتے رہتے ہیں۔
بھٹیاری نے اٹھ کر پوچھا کیا ٹکیے گا؟ آئیے آئیے۔

پیر مرد : یہاں کوئی بوڑھے آدمی پرسوں ٹکے تھے۔

ش : اجی آپ چلیے یہ کیا جانیں۔

پیر مرد : ٹھہرو۔

بھٹیاری : یہاں تو کوئی نہیں ٹکے تھے۔

ش : اجی آپ چلیں تو۔

بھٹیاری : اے ٹھہر جا چھوکرے۔ بات تو کرنے دے۔ ماں کے پیٹ میں کیوں کر رہا تھا نو مہینے۔

ش : اے واہ۔ اے واہ۔

پیر مرد : تو بڑا چھوٹا ہے بے۔

ش : آپ ساتھ چلیں تو آئیں۔

پیر مرد شبراتی کے ساتھ چلے۔ شبراتی سوچا کہ اگر وہ نہ ملے تو ایک چہرہ شاہی ہاتھ سے جائے گا۔ اب کی اسی سرا میں لے چلے جہاں وہ لوگ فروکش تھے۔

پیر مرد : اب کہاں لیے چلتے ہو؟

ش : جہنّم میں۔

پیر مرد : بڑا بدتمیز ہے بے تو۔

ش : آپ چلے تو آئیے

تھوڑی دیر میں داخل ہوئے۔

ش : وہ دیکھیے بڑے میاں ٹہل رہے ہیں۔

پیر مرد : یہی ہیں نہ؟

ش : ہاں ہاں۔

پیر مرد : تمہارا ذمّہ۔

ش : بیشک۔

پیر مرد خراماں خراماں پیر فرتوت کے پاس گئے۔ دونوں حضرت نوح کے ہم عصر۔ دونوں کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لمبی لمبی داڑھی۔ دونوں کی بھویں برف سی سفید۔ دونوں کی کمر خم۔ دونوں پوپلے۔ دونوں قبر میں ایک پانوں لٹکائے ہوئے۔

پیر مرد: (پیر) السّلام علیکم۔

پیر فرتوت: (پیر فر) وعلیکم السّلام۔

پیر: مزاج شریف۔

پیر فر: شکر ہے۔

پیر: کچھ کہنا ہے۔

پیر فر: مجھ سے؟

پیر: جی ہاں۔

پیر فر: بسم اللہ فرمائیے۔

پیر: پوشیدہ عرض کرنا ہے ذرا تکلیف ہوگی۔

پیر فر: آئیے فرمائیے۔

پیر: بس اس قدر اشارہ سمجھ جائیے۔

سینے کو چمن بنائیں گے ہم
گل کھائیں گے گل کھلائیں گے ہم

پیر فرتوت نے یہ شعر سنتے ہی پیر مرد کو گلے لگایا۔

پیر فر: آزاد۔

پیر: کچھ حال تو فرمائیے۔

پیر فر: مجھے خود ہی نہیں معلوم۔ کیا آپ کے عزیز ہیں۔

پیر: عزیزوں سے زیادہ۔

پیر فر: آئیے ادھر چارپائی پر بیٹھیں۔

پیر: بسم اللہ۔

پیر فر: آپ کے کون ہیں آزاد؟

پیر: اب یہ فرمائیے کہ یہاں آپ کا کب تک قیام ہے۔

پیر فر: دس بارہ دن اور ہوں ابھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیر: ہاں۔

پیر فر: فرمائیے۔

پیر: کچھ تھوڑا بہت حال آزاد کا آپ بتا سکتے ہیں۔

پیر فر: مطلق نہیں۔ مگر حیرت ہے کہ آپ کو یہ کس نے بتا دیا کہ میں آزاد سے واقف ہوں۔

پیر: (مسکرا کر) سبب عرض کروں گا۔ گھبرائیے نہیں۔

پیر فرتوت نے حقّہ بھروایا، اور کمال تپاک کے ساتھ پیر مرد کو گلوریاں کھلوائیں، اور باتیں کرنے لگے۔

پیر: آزاد کس قدر لائق اور شجاع آدمی ہے۔

پیر فر: سبحان اللہ کیا پوچھنا ہے۔ ایسے ہونہار نوجوان پیدا کہاں ہوتے ہیں۔

پیر: خوب آدمی ہے۔ خندہ پیشانی، ذی مروت، خوش فکر۔

پیر فر: زبان میں جادو ہے۔

پیر: کچھ معلوم نہیں آج کل ہیں کہاں۔

پیر فر: کہتے تھے کہ روم جانے والے ہیں۔ اب وہاں پہنچ گئے ہوں گے۔

پیر: روم کیا کرنے گئے۔

پیر فر: یہ ایک راز کی بات ہے۔ میں بیان نہیں کر سکتا۔

پیر مرد دل ہی دل میں خوب ہنسے۔ اور سنئے راز کی بات ہے۔ گویا ہم کو معلوم ہی نہیں۔

پیر: کیا کہنے کے لائق نہیں۔

پیر فر: ابھی میں آپ سے بخوبی واقف نہیں ہوں۔ ورنہ صاف صاف عرض کر دیتا۔

پیر: اب آپ یہ تشفی کر دیجیے کہ دس بارہ دن آپ یہاں رہیں گے۔

پیر فر: ضرور۔

پیر: اب بندہ رخصت ہوتا ہے۔

پیر فر: فی امان اللہ۔

وہ پیر مرد تو شبراتی کے ساتھ روانہ ہوا، اور ادھر آزاد کا خط ڈاک پر حسن آرا کے نام آیا۔ قسطنطنیہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پہنچ کر میاں آزاد فرخ نہاد نے ایک مختصر و موزوں نامۂ محبت شمامہ، حسن آرا بیگم کے نام لکھا جس کو ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

جان آزاد پیاری حسن آرا بیگم:

بپابوس لبم ہر دم دلم صد بار می آید
چہ منّت ہا کہ از نام تو بر کام و زبان دارم

خدا خدا کر کے وہ کافر سفر تو طے ہوا۔ اور اب آزاد قسطنطنیہ میں دندناتے ہیں۔ گو یہاں تک بعد خرابی بصرہ پہنچا، مگر ہنوز روز اوّل ہے۔ اب تفنگ اور تلوار ہے۔ اور میاں آزاد ہے۔ میدانِ کارزار ہے اور میاں آزاد ہیں۔ تمھارے حکم کی تعمیل آسان نہیں ہے۔ مگر مشکل بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ معشوق کے حکم کی تعمیل ہے۔ اگر جان جائے تو سمجھوں جی اٹھا۔ جان بکف آیا ہوں۔ اگر نثار ہو جائے تو واہ واہ۔ کہنے کو تو ہو گا کہ:

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یاری کردم
شادم از زندگی خویش کہ کاری کردم

افسوس ہے تو بس اس قدر کہ جان ایک ہی ہے۔ اگر ہر بُنِ مُو ایک جان ہو جائے، تو البتہ لطف ہے کہ روز ایک جان قربان کروں:

یک جان چہ متاعی ست کہ سازیم فدایت
الّا چہ تواں کرد کہ موجود ہمیں ست

حاضر ہیں حجت نہیں۔ کل شب کو خواب دیکھا۔ پیاری حسن آرا سر بالیں کھڑی، میٹھی میٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ بیدار ہوا تو یہ شعر ورد زبان تھا:

نمی دانم کرا دیدم کہ از خود می رود ہوشم
جنوں آہستہ می گوید مبارکباد در گوشم

حیران تھا کہ یا الٰہی اب کیوں کر اپنے معشوق کو دیکھوں۔ دردِ دل کہوں تو کس سے:

حیران ترا لب بہ سخن وا شدنی نیست
چوں بلبل تصویر کہ گویا شدنی نیست

خوجی کا ساتھ بھی چھوٹا۔ اسکندریہ میں اس کو چھوڑا۔ خدا جانے زندہ ہے یا کفن پوش ہوا۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تمھیں مژدہ ہو کہ حضرت وزیرِ جنگ نے، معزز عہدہ فوجی دینے کا وعدہ کیا ہے۔
یہاں کوہِ قاف کی ایک پری کا ہم پر دل آیا ہے۔ صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارا دل تو اندر کے اکھاڑے کی ایک پری چھین لے گئی۔ اس کے ایک عاشق زار سے چھری چلی۔ میں نے نیچا دکھایا، اور خوب ہی چھپایا۔ لیکن ملال میرے دل میں نہ آنے پایا؛

مرا از ہیچ کس گردِ ملالے نیست بر خاطر
کہ طبع نازکِ من بر نمی دارد دگر ایہا

سفرِ بحری کا حال ناگفتہ بہ۔ ہم تو سمجھے تھے کہ بس اب اللہ میاں نے بلا لیا۔ مگر شکر ہے کہ بہزار خرابی بچ نکلے۔ ہائے جس وقت جہاز ڈوبا اس وقت بچوں اور عورتوں کے زار زار پھوٹ پھوٹ کر رونے کی آواز، رگِ جان پر نشتر کا کام کرتی تھی۔ سمندر میں پیرنا بھی پڑا۔ خیر۔ ع

بر سرِ فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد

ایک قصور تو مجھ سے البتہ سرزد ہوا اور وہ یہ کہ مالٹا سے خط نہ بھیجا۔ مگر ڈھارس یہ ہے کہ:

پیشانیٔ عفو ترا بر چیں نہ سازد جرم ما
آئینہ کے برہم خورد از زشتی تمثالہا

سفر کے خوب مزے اٹھائے:

موی از سر چوں جدا افتد نمی گردد سفید
عیش و عشرت مرد را پیوستہ می دارد جوان

مگر بمصداق اس کے:

پای در زنجیر پیش دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

ابھی تک دل لگانے کا لطف خاک نہ اٹھایا۔ اگر اٹھایا تو یہ اٹھایا کہ داغِ مفارقت نصیب ہوا؛

بر خون دل ست ما را صد پارہ ز جدائی
ما حاصلے کہ دیدیم ایں بود ز آشنائی

ابھی تو بس یہی دھن ہے کہ معرکۂ رستخیز میں پہنچوں۔ انشاء اللہ، خدا جانے انجام کیا ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مگر اَلسّعی مِنّی وَالاِتمام مِنَ اللہ مرزا بیدل:

گر کارِ تو نیک ست بہ تدبیرِ تو نیست
ور نیز بدست ہم بہ تقصیرِ تو نیست
تسلیم و رضا پیشہ کن و شاد بزی
کیں نیک و بد جہاں بتقدیرِ تو نیست

حسن آرا پیاری حسن آرا۔ لاکھ ضبط کیا، مگر دل بھر ہی آیا۔ غم دوری و داغ مہجوری نے جیتے جی مار ڈالا۔ مگر: ع

ہرچہ بادا، بادما کشتی در آب انداختیم

اگر سرخرو ہوئے تو بیڑا پار ہے۔ ورنہ ہم ہیں، اور یہ منجدھار ہے۔ یا خدا مدد دے۔ یا خدا مدد دے۔ سمندر میں جس وقت طوفان آیا مثلِ ماہی بے آب تڑپنے لگا۔ مرنے کا خوف نہ تھا۔ مگر خیال یہ تھا کہ اگر وفات ہو گئی تو حسن آرا بیگم کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو گی اور وہ دل ہی دل میں کہیں گی کہ آزاد دھوکا دے گیا۔ خدا جانے پیاری تمھارے دل میں کیسے کیسے خیالات جاتے۔ مگر اب تک تو خدا نے سرخرو کیا۔ آیندہ کا حال کیا معلوم۔ وزیرِ جنگ نے وعدہ کیا ہے کہ دو ایک روز میں آؤ تو کوئی معزز عہدہ فوجی دوں۔ شاید لفٹنٹ یا کپتان مقرر کریں گے۔ چاہے جو عہدہ دیں جان ہتھیلی پر رکھ کر جاؤں گا۔ خدا حافظ و ناصر ہے۔ پیاری سپہر آرا بے چاری کو میرا بڑا خیال ہے وہ تمھیں سمجھاتی تھیں، کہ باجی جان، واسطے خدا کے ان کو نہ بھیجو۔ ہائے اس کا محبت سے سمجھانا وہ روٹھنا منانا۔ وہ ربطِ ضبط سب آنکھوں کے سامنے پھر گیا، میری بے کسی پر نظر ڈالو، کہ اپنا نہ بیگانہ خویش نہ یگانہ، پردیس کا واسطہ۔ ہم وطن اکّا دکّا۔ جان نہ پہچان۔ مگر تقاضائے حمیّتِ اسلام، اور اس امیدِ موہوم پر کہ شاید جان کھو کر صنمِ گل فام پاؤں۔ ڈٹا ہوا ہوں۔ اور انشاء اللہ اسی ہفتے میں مورچے پر جاؤں گا۔ زندگی شرط ہے۔ مورچے کے نام پر چونک نہ پڑنا۔ کیا سب میدانِ کارزار میں تہِ تیغ تھوڑا ہی ہوتے ہیں، اور یوں تو بقول شاہ شجاع:

دردیست اجل کہ نیست درمان اورا
برشاہ و گداست حکم و فرمان اورا
شاہی کہ بحکم دوش کرمان می خورد
امروز ہمی خورند کرمان اورا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جنگ دوسر دارد۔ یاد رکھو اگر میں مقتول ہوا، تو اس قدر افسوس نہ کرنا کہ زمانے بھر پر رازِ سر بستہ کھل جائے۔ تم سمجھنا کہ جہاں کروروں، سنکھوں آدمی اور مر گئے ایک آزاد بھی انھیں میں تھے:

افسوس کہ سرمایہ زکف بیروں شد
از دستِ اجل بسی جگرہا خون شد
کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو
کاحوالِ مسافرانِ عالم چوں شد

اب میں رخصت ہوتا ہوں، خدا حافظ ہے۔ تم خط اس پتے سے بھیجنا۔ قسطنطنیہ۔ کوٹھی ہرمزجی اینڈ کمپنی۔ نزد میاں آزاد برسد۔ بس کافی ہے۔ مجھے فوراً خط مل جائے گا۔

یہ خط میاں آزاد نے ڈاک کے صندوق میں اپنے ہاتھ سے ڈال دیا۔

نوجوان مہمان

ایک شب کو نواب صاحب بہادر آرام فرماتے تھے، اور حسن آرا بیگم اور سپہر آرا بیگم اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی محمد عسکری کی باتیں کر رہی تھیں۔ سپہر آرا نے کہا باجی فال میں یہ شعر نکلا تھا:

بروایں دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقارا بلندست آشیانہ

حسن آرا نے ہنس کر کہا۔ ہم فال کے قائل نہیں۔ مگر شعر اچھا ہے:

سحر گاہاں کہ مخمورِ شبانہ
گرفتم بادہ باچنگ وچغانہ
نہادم عقل را زادِ رہ ازمی
زشہرِ ہستیس کردم روانہ
نگاری می فروشم عشوۂ داد
کہ ایمن گشتم از مکر زمانہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

برو ایں دام بر مرغ دگرنہ
کہ عنقا را بلند ست آشیانہ

اتنے میں ایک گھوڑے کی کچھ ٹاپوں کی آواز سننے میں آئی اور جب حسن آرا بیگم آخری شعر پڑھ کر پانچویں بیت پڑھنے کو تھیں تو ایسا معلوم ہوا کہ گھوڑے کی باگ روک لی گئی۔ سپہر آرا نے کہا باجی جان کوئی سوار ہے، مگر گھوڑا دیوار کے پاس رک رہا۔ ہمیں تو خوف معلوم ہوتا ہے۔ حسن آرا نے کہا۔ اے واہ۔ خوف کیسا۔ کیا شہر شملہ ہے۔ ان دونوں بتانِ زاہد فریب کی پیاری آواز نے اس سوار کے دل کے ساتھ وہ کیا جو ابرِ بہار کشت کے ساتھ کرتا ہے۔ سوار نے گھوڑا روک کر آہستہ سے کہا:

از عاشقان صادقت اے دلستان منم
اوّل کسی کہ برتو فدا شد ز جان منم

سپہر: آہستہ سے باجی سنتی ہو۔
حسن: چپ رہو ذری۔
سپہر: یہ ہے کون؟
حسن: اے کوئی ہوگا بھی۔
سپہر: آخر وجہ کیا اس کی۔ یہ ہے کون؟
حسن: دیکھو معلوم ہو جائے گا۔

پھر آواز آئی،

گر تیغ بارد در کوے آں ماہ
گردن نہادیم اَلحُکمُ لِلّٰہ
من رند و عاشق انگاہ توبہ
استغفر اللہ استغفر اللہ
اَلصبرُ مرۃ العُمرُ فانٍ
یا لیت شعری حتّیٰ مع القاہ

حسن آرا نے کہا، بہن! ہے کوئی پڑھا لکھا آدمی۔ عربی شعر کا تلفّظ کیا۔ سپہر آرا نے جھانک کر دیکھا، اور کہا: باجی جان گھوڑا ادھر کھڑا ہے، اور کوئی گھوڑے پر سے اتر پڑا ہے۔ کیا معلوم کون ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا دنگ کہ یہ اسرار کیا ہے۔ پھر آواز آئی :

اے بخت سرکش تنگش بہ برکش
گہ جام زرکش گہ لعل دل خواہ
مہر تو عکسے بر ما نیفگند
آئینہ رُو یا آہ از دلت آہ

حسن آرا کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکل گیا :

عاشق مخور غم گر وصل خواہی
خون بایدت خورد در گاہ و بیگاہ

سوار یہ شعرِ آبدار اور کلام پُر فصاحت، اور در پردہ اقرار سن کر جامے میں پھولا نہ سمایا۔ اتنے میں گھوڑا آگے بڑھا، اور چوکیدار نے دربان کو جگا کر کہا کہ سرکار کو جگا دو۔ دربان اٹھا۔

دربان : (در) کیوں کیوں۔ جگا کیوں دیں ؟

چوکیدار : (چوکی) کوئی صاحب آئے ہیں۔

در : انگریز ؟

چوکی : نہیں نہیں۔ کوئی رئیس ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار ہیں۔

در : بندگی حضور !

سوار : سلام۔ نواب صاحب کو جگا دو۔

در : خداوند آرام میں ہیں۔ ٹھہریے میں حاجی صاحب کو جگا دوں۔

دربان نے حاجی صاحب کو جگایا، حاجی صاحب، حاجی صاحب، حاجی حاجی صاحب ! ذرا اٹھیے، دیکھیے کون صاحب ہیں۔

حاجی صاحب اٹھ بیٹھے۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔ کون ہے۔ دربان نے کہا، جی کوئی صاحب تشریف لائے ہیں۔ وہ اس گھوڑے پر۔ کہتے ہیں کہ نواب صاحب کو جگا دو۔ حاجی صاحب نے کہا، اب اس وقت جگانا محال ہے۔ ٹھہرو میں دیکھوں تو ہیں کون صاحب۔ حاجی صاحب ان کے قریب گئے۔ آداب عرض ہے۔

سوار : بندگی حاجی صاحب۔ پہچانا۔

حاجی صاحب : (حاجی) جی نہیں۔ میں نے نہیں پہچانا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوار: خیر اچھا نواب صاحب کو اس وقت جگا دیجیے۔

حاجی: حضور ـــــ اچھا مگر۔

اچھا پھر جو حکم ہو۔

سوار: آپ اطلاع تو کر دیں۔

حاجی: حضور گھوڑے پر سے اتریں۔ باغ میں چل کر تشریف رکھیں۔ کوٹھی کھلوا دوں آرام فرمائیں۔ اور میں حضور کو اطلاع کیے دیتا ہوں۔ مولوی صاحب جگاؤں یا نہیں۔

مولوی صاحب: (مولوی) ہاں ہاں آپ فرماتے ہی ہیں۔

اتنے میں ایک اور صاحب چارپائی پر سے اٹھے۔ کیا ہے حاجی صاحب؟

مولوی: کچھ نہیں حافظ جی۔ حضور کے کوئی دوست تشریف لائے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جگا دو۔

پھر جگا دیجیے نہ، بلکہ جگوا دیجیے۔

سوار اپنے دل میں سوچے کہ یہاں مولوی صاحب اور حاجی صاحب اور حافظ جی ہی بھرے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ رئیس باوضع اور متشرع آدمی ہے۔ ایک چارپائی پر حضرت بھی بیٹھے۔

دربان نے دروازہ کھلوایا۔ لونڈی کو بلایا۔ کہا بی مغلانی کو جگا دو۔ بی مغلانی سے کہا۔ ذرا نواب صاحب کو جگا دو۔

مغ: کیا کہوں کیا۔

در: حاجی صاحب نام کیا بتائیں۔

سوار: یہ کارڈ دے دو۔

مغ: کیا دے دو۔

سوار: یہ کاغذ۔

مغلانی اندر گئی۔ نواب صاحب کو جگایا۔ حسن آرا بیگم نے پوچھا کیا ہے۔ بی مغلانی مغلانی نے کہا نواب صاحب کے پاس کوئی آیا ہے۔

حسن: سنا سپہر آرا وہ ہی سوار ہے۔

سپہر: ہاں دروازہ پر ٹھہر گئے ہیں۔ سچ کہا دبی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب صاحب نے پوچھا کیا ہے۔ مغلانی بولی حضور کوئی صاحب مہمان آئے ہیں۔ چلیے بلاتے ہیں، اور یہ کاغذ دیا ہے۔ نواب صاحب نے کارڈ لے کر پڑھا۔ (شہزادہ میرزا ہمایوں فر)

ن: اخاہ کہاں ہیں کہاں۔

مغ: باہر ہیں۔

نواب صاحب نے منھ دھویا۔ کپڑے پہنے، اور چلے۔ حسن آرا نے پکار کر دریافت کیا۔ اے دولھا بھائی کون ہے۔ نواب صاحب نے کہا میرزا ہمایوں فر آئے ہیں۔ وہ پڑوس کے شہزادے۔

سپہر: (دانتوں کے تلے انگلی دبا کر) ارے۔

حسن: اُف۔

سپہر: (مسکرا کر) باجی وہ شعر تم نے کون پڑھا تھا۔

حسن: ارے غضب:

عاشق مخور غم گر وصل خواہی
خون باید خورد، درگاہ بیگانہ

پڑھا گیا تھا۔ کچھ جان بوجھ کے پڑھا تھا۔ اتفاق سے نکل گیا تھا زبان سے۔

سپہر: خدا کرے انھوں نے نہ سنا ہو۔ مگر سنا ضرور۔

حسن: اے لو اور سنو۔ سنا ہو۔ کیا کچھ بہرا مقرر کیا ہے۔ خدانخواستہ۔

سپہر: چاہے جو کچھ کہو ہم کو اس وقت بڑی خوشی ہوئی۔

اتنے میں نواب نامدار باہر تشریف لائے۔ آداب بجا لاتا ہوں حضور والا!

"تسلیم تسلیم مزاجِ اقدس"

حضور کی نوازش۔ آئیے بغل گیر تو ہوں"

بسم اللہ۔ بعد مدت زیارت ہوئی۔ تشریف لائیے۔

نواب صاحب نے دیکھا کہ کوٹھی کے کمروں کو خدّام باادب نے روشن کر دیا ہے۔ بہت ہی خوش ہوئے۔ حکم دیا کہ کرسیاں نکالو خدمت گاروں نے عرض کیا، حضور کرسیاں بچھی ہیں۔

"حضور تشریف رکھیں۔ واللہ میں نہ مانوں گا۔ حضور یوں تشریف رکھیں آرام چوکی پر۔"

"اجی بیٹھو صاحب۔ کچھ تکلف ہے۔ ہم تو اپنے گھر آئے ہیں"

"یہ کفش خانہ ہے حضور کا۔ اور میں نیاز مند قدیم ہوں۔ اس وقت آپ کے تشریف لانے سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑا اعزاز ہوا۔ اسباب کہاں ہے ؟

" آتا ہوگا۔"

حاجی صاحب آپ کے گھوڑے کو وہاں اصطبل میں۔ حضور بندھوا دیا گیا۔ اور تو بڑھ چڑھا دیا گیا۔"

" اور فرمائیے خداوند۔ آپ کا مزاج کیسا ہے ؟

" اب فضل الٰہی ہے۔ مگر جب پروائی چلتی ہے تو کچھ درد ہوتا ہے۔

" جاتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔ بیٹھیے۔ حافظ جی۔ حضور کا اسباب آئے، تو فوراً حفاظت کے ساتھ رکھوا لیجیے۔" ہمارا اسباب تو صبح تک آئے گا۔ یہاں دنگل دیکھنے آئے تھے۔ گو اور مقاموں پر بھی فروکش ہو سکتے تھے، مگر ہیں نے سوچا کہ سب سے زیادہ پُر فضا یہی مقام ہے۔ لبِ دریا۔ کھلا ہوا میدان۔ لق و دق۔

ایک دوست نے منع بھی کیا تھا کہ جان نہ پہچان، خواہ مخواہ مہمان بننا وضع کے خلاف ہے مگر۔

" واہ جان نہ پہچان کی ایک ہی کہی۔"

" ہیں شملہ پر تھا۔ تبدیلِ ہوا کے لیے چلا گیا تھا۔"

" جی ہاں ہیں نے سنا تھا۔ وہ رفوگر عبدالستار کشمیری مجھ سے کہتے تھے۔"

" حضرت اب آپ بھی آرام فرمائیں، اور بندہ بھی سوتا ہے۔ معاف کیجیے گا اس وقت بڑی تکلیف دی آپ کو۔"

" آپ کیا فرماتے ہیں۔ عین راحت ہے۔ آپ کے تشریف لانے سے۔"

" ہماری بے تکلفی کو دیکھیے گا۔ کہ بے بلائے آئے اور رات ہی کو جگایا۔"

" خدا کی قسم کمال خوشی حاصل ہوئی۔"

اب سنیے کہ ادھر تو نواب صاحب شہزادہ ہمایوں فر سے باتیں کرتے تھے، ادھر بہار النسا بیگم نے چائے تیار ہونے کا حکم دیا۔ خدمت گار چائے لے کر حاضر ہوا۔ حضور چائے حاضر ہے۔ شہزادہ ہمایوں فر بہت خوش ہو کر بولے کہ اہو ہو ہو۔ واللہ اس وقت چائے ہی پینے کو جی بھی چاہتا تھا۔ ع

ای وقت تو خوش، کہ وقت ما خوش کردی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میرزا ہمایوں فر اور نواب صاحب اور حاجی صاحب نے چائے پی۔ حافظ جی نے زکام کا عذر پیش کیا۔ حضور چائے سے بند ہو جاتا ہے۔ مجھے معاف ہی فرمائیے۔ چائے پی کر شہزادہ ہمایوں فر نے آرام کیا۔ اور نواب صاحب گھر میں تشریف لے گئے۔

حسن : دولھا بھائی۔ یہ آج کہاں آن پڑے۔

ن : دنگل دیکھنے آئے ہیں۔

حسن : (مسکرا کر) کیا کشتی لڑیں گے۔

ن : جی درست۔

سپہر : آپ سے کہاں کی جان پہچان ہے۔ ایسی۔ رات کو آن کر جگایا۔

ن : ہاں ایسا تپاک تو نہ تھا کہ آدھی رات کو جگایا۔

ن : کہتے تھے کہ وسیع میدان ہے، اور لبِ دریا ہے۔ اس لیے یہاں ہی مقام کیا۔

بہار : اُفّوہ۔ خدانخواستہ اس روز تو جل ہی گئے تھے۔

حسن : اللہ نے بچایا۔ کچھ اور ہوتا تو ہاتھ پاؤں تو نصیبِ اعدا ضرور ٹوٹ جاتے۔

ن : بہت بچے۔

بہار : اب تو اچھے ہیں۔

ن : ہاں۔ مگر ابھی کچھ یوں ہی سی کسر باقی ہے۔

بہار : کسر کیسی؟

ن : جب پروائی ہوا چلتی ہے، تو خفیف سا درد ہوتا ہے۔

نواب صاحب اپنے کمرے میں جا کر سو رہے۔ یہاں حسن آرا اور سپہر آرا چپکے چپکے باتیں کرنے لگیں۔

حسن : کچھ سمجھیں؟

سپہر : خوب سمجھیں۔

حسن : اچھا کیا سمجھیں۔

سپہر : اب کیا بتاؤں۔

حسن : نہیں کہو کہو۔

سپہر : اے تو کیا کہوں کیا باجی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن : یہ جو اس وقت ۔ وہ اس دن تم کو دپڑی تھیں نہ۔
سپہر : باجی اب اس کا ذکر نہ کرو۔
حسن (مسکرا کر) سن لو۔ سن لو۔
سپہر : بس سن چکی۔
حسن : ایں واہ ہے۔
سپہر : ہمیں اب نیند آتی ہے۔
حسن : اچھا کل صبح کو کہیں گے۔
سپہر : سمجھا جائے گا۔
حسن : خیر :

من از آن حسنِ روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را

سپہر : بجا ہے۔
حسن : اور نہیں کیا بیجا ہے۔
سپہر : باجی اب سونے دو ہمیں۔
حسن : کل سو رہنا۔

سپہر آرا نے کروٹ بدلی، اور منھ پھیر کر سونے لگی۔ حسن آرا نے گدگدانا شروع کیا۔

سپہر : بھئی اللہ۔
حسن : دیکھو سپہر آرا تم سونے نہیں دیتیں۔
سپہر : بجا ہے چھیڑ خانی تو خود کرتی ہیں اور الٹا ہمیں کو للکارتی ہیں۔
حسن ایسی بھی نیند کیا آتی ہے۔
سپہر : یہ بھی کچھ زبردستی ہے۔
حسن : ہئی ہے۔
سپہر : ہم ابّا جان سے کہہ دیں گے جا کے۔

اس پر حسن آرا کھل کھلا کر ہنس دیں۔

حسن : اے واہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر : (آہستہ سے) امّاجان دیکھو یہ نہیں مانتیں۔

حسن : (ہنس کر) اے تو اتنے زور سے کیوں پکارتی ہو۔

بی مغلانی کی چارپائی قریب تھی۔ ان کی باتوں سے اس کی نیند اچٹ گئی۔

مغ : دس بجے سوئی۔ بڑی بیگم صاحب نے یاد فرمایا۔ پھر سوئی کھٹملوں نے سونے نہ دیا۔ پھر بے حیائی سے سوئی دربان نے آواز دی۔ اب آپ نہیں سونے دیتیں۔ ہمیں کیا، ہم بھی دس بجے اٹھیں گے نہ سونے دیجیے۔

اتنے میں سپہر آرا نے ہاتھ جوڑ کر کہا، باجی اللہ جانتا ہے بڑی نیند آرہی ہے۔ سونے دو بہن۔ کل باتیں کرلیں گے۔

حسن : اچھا سو رہو۔ جاؤ تم بھی کیا یاد کروگی۔

سپہر : بندگی۔

مغ : جانو بڑا احسان کیا۔

بی مغلانی اور سپہر آرا سو رہیں۔ مگر حسن آرا کو تین بجے تک نیند نہ آئی۔ تین بجے سوئیں تو ایک عجیب خواب دیکھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایں گلِ دیگر شگفت

کوہ قاف کی پری بصد شانِ دلبری وزیر جنگ کو پٹّی پڑھا کر خنداں، وفرحاں، چماں، چماں، اپنی ہمجولی کے پاس گئی، اور کہا لو بہن فتح ہے۔ کل تک کوئی گل کھلے گا۔ میں نے آزاد کو روسی جاسوس بنایا۔ وزیر جنگ سنتے ہی دنگ ہو گئے۔ مگر سچ کہوں بہن کہنے کو تو کہہ آئی لیکن اب سوچتی ہوں کہ حد بھر برا کیا۔ ہمجولی بولی بہن ہے یوں ہی۔ مگر عورت کے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں، جب کسی مرد کو چاہے، اور وہ اس کو نہ چاہے۔ تم نے جی کڑا کر کے کہا تو مگر کہنے کا پھل پایا، دیکھو اتنا تو ہم بھی کہیں گے کہ تین باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو آزاد کی صحت میں فرق ہے۔ کسی عارضے کے سبب سے تمھارا کہنا نہ مانا، اور شادی سے انکار کیا۔ یا کسی ایسی پری چہرہ پر دل آیا ہے کہ تم ایسی حسین تک کی پروانہ کی۔ اور یا قول کا سچّا ہے۔ ممکن ہے کہ جس رشکِ قمر پر اس کا دل آیا ہے، وہ تم سے اچھی نہ ہو مگر قول کا اس درجہ خیال ہو کہ جو بات ایک دفعہ زبان سے نکلے وہ نہ ٹلے گی۔ میڈا نے کہا سنو بہن ہماری تو اس جوان رعنا پر جان جاتی تھی۔ اس کی صورت ہر دم نظر کے سامنے رہتی تھی۔ غمزے ہمیں کرنے چاہئیں، یا انھیں۔ وزیر جنگ سے ہم نے کہہ دیا کہ میاں آزاد کو جنگی عہدہ نہ دیجیے گا۔ نہیں تو بہت پچھتائیے گا۔ متحیّر ہو کر بولے کیا، کیوں، کیسا؟ میں نے کہا وہ روسیوں کا جاسوس ہے۔ ہندوستان سے نہیں آیا وایا۔ وہ اخبار میں اس جواں مرد کا حال پڑھ چکے تھے۔ بسترے سے پایا جاتا تھا پہلے تو ان کو یقین نہ آیا۔ مگر جب میں نے برقع عارض سے الٹ دیا تو دانتوں کے تلے انگلی دبائی۔ یہ تو وعدہ نہیں کیا کہ میاں آزاد کو ٹرکی سے نکلوا دیں گے۔ یا قید کریں گے مگر غور و خوض کر رہے ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کل ہی پرسوں تک کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلے گا۔ ہمجولی بولی بہن بُرا کیا۔ مگر اب تو جو کیا وہ کیا، جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا، اب اس کا غم ہی کیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گو مئیڈا نے میاں آزاد کی تباہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا مگر بار بار سوچتی تھی کہ بُرا کیا۔ بہت بُرا کیا۔ ایک بے گناہ بے چارے کو مفت میں ضرر پہنچایا۔ ہندوستان اس قدر دور و دراز ملک سے آیا ہے، کہ اپنے معشوق کے حکم کی تعمیل کرے۔ ترکوں کی طرف سے لڑے۔ جان رہے یا جائے، مگر بانکپن اور پاسِ وضع میں فرق نہ آئے۔ ایسے وضع دار، اور گل عذار، جوان کے ساتھ میں اس بے رحمی سے پیش آئی۔ اس نے اپنی ثابت قدمی کی سزا پائی، مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ بار بار مئیڈا کے دل میں خیال آتا تھا، کہ جا کر وزیرِ جنگ سے صاف صاف کہہ دیا جائے تو بڑی بدنامی ہو گی۔ پرانے چاہنے والے ہوا ہو جائیں گے، اور لوگ کہیں گے کہ بزدل دغا کھیلی۔

میاں آزاد بے چارے کوٹھی میں بیٹھے ہوئے حقّہ پی رہے تھے۔ انھیں کیا خبر کہ مئیڈا نے ستم ڈھایا ہے۔ بہتان کا طوفان باندھا ہے۔ صبح کا سہانا سماں۔ خوش و خرم تھے کہ اب عہدہ پایا، یوں لڑیں گے، اور یوں مقابلہ کریں گے۔ اور غنیم کو نیچا دکھائیں گے اور تمغے لٹکائیں گے۔ ہندوستان تک نام ہوگا۔ عاشق شاد کام ہوگا۔

میاں آزاد یہ سوچ ہی رہے تھے کہ، چند افسر وار آفس یعنی (صیغۂ جنگ) کے ہر مزجی کی کوٹھی پر آئے، اور دریافت کیا کہ یہاں آزاد نامی کوئی شخص آئے ہیں۔ آزاد نے جو اپنا نام سنا تو باہر نکل آئے دیکھا کہ چند جنٹل مین کوٹھی کے احاطے میں زینہ کے پاس کھڑے ہیں۔

آزاد: جی آزاد میرا ہی نام ہے۔

افسر: وہ جو ہندوستان سے آئے ہیں۔

آزاد: جی ہاں میں وہی ہوں۔ آپ صاحبوں کو گورنمنٹ سے کوئی تعلق ہے۔

افسر: نہیں مطلق نہیں۔ اور آپ کو؟

آزاد: میں تازہ وارد ہوں۔ حضرت وزیرِ جنگ کی خدمت میں حاضر ہو کر، عرض حال کیا تھا۔ اغلب ہے کہ کوئی عہدہ عنقریب ملے۔

ان میں سے ایک نوجوان اور حسین ٹرکی افسر نے سر ہلایا۔ جس کے یہ معنی تھے، کہ مل چکا۔ جاسوسوں کو عہدے نہیں ملا کرتے۔

افسر: آپ نے حمید پاشا سے جو کچھ کہا تھا اس کی صداقت کا ثبوت آپ دے سکتے ہیں۔

آزاد: ثبوت کیسا؟

افسر: کبھی برٹش گورنمنٹ یا کسی اور یورپین گورنمنٹ کی نوکری کی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: کبھی نہیں۔

افسر چلے گئے۔ میاں آزاد کوٹھی کے ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے پورب کے اشعار مطالعہ کر رہے تھے، کہ دفعتہً وہی افسر جن سے ابھی ابھی گفت گو ہوئی تھی، آئے، اور ایک افسر نے ازاد سے کہا کہ تم قیدی ہو۔

آزاد: (چونک کر) کیا؟

افسر: آپ قید کر دیے گئے۔

آزاد: کیا؟

افسر: قید۔

آزاد: قید؟

افسر: ہاں۔

آزاد: وجہ۔

افسر: حکم۔

آزاد: کس کا؟

افسر: گورنمنٹ ٹرکی کا۔

آزاد: ایں!

افسر موصوف نے دو آدمیوں کو بلایا، اور کہا اس جنٹل مین کے ساتھ جاؤ۔ آزاد بصد تعظیم چلے۔ آدھ گھنٹے کے عرصے میں بے چارے میاں آزاد سول قید خانے میں تھے۔ آزاد نے افسروں سے لاکھ پوچھا کہ آخر میرا جرم کیا ہے، اس قدر تو بتا دیجیے۔

افسروں نے کہا ہمیں اجازت نہیں ہے۔ ورنہ ضرور بتا دیتے۔

میاں آزاد اپنے دل میں سوچنے لگے کہ آخر ہم سے جرم کون سا سرزد ہوا، جس کے جلدو میں یہ مصیبت سہی۔ گھنٹوں سوچا کیے۔ اگر کسی جرم کے مرتکب ہوئے ہوتے تو یاد آتا۔ یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ کون سی خطا سرزد ہوئی۔ میدانِ کارزار کے عوض قید خانہ نصیب ہوا۔ خرمنِ آزادی پر دفعتہً بجلی گر پڑی۔ بہارِ عشرت حزنِ الم سے مبدّل ہوئی۔ کہاں تو میدانِ جنگ میں جانے کی تیاریاں تھیں، کہاں قید خانے میں آن پھنسے۔

پردیس کا واسطہ، پرایا ملک، اپنانہ بیگانہ، صلاح کس سے لیں، اور مشورہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کون دے۔:

وائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا
لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

وائے ناکامی، آئے اس لیے کہ ان لوگوں کو مدد دیں، اور انھوں نے ہی ہمیں قید کر دیا:

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے رہنما کرے کوئی

ہزاروں مصیبتیں جھیل کر یہاں تک آنا ہوا۔ دلی آرزو برآئی کششِ دل، اور حمیتِ اسلام، یہاں تک لائی۔ مگر خوبی قسمت نے ساتھ نہ چھوڑا۔ مصاحبت سے منھ نہ موڑا۔ اب دل کی دل ہی میں رہی۔ نقش مراد کرسی نشین ہونا، بالائے طاق۔ الٹی قید سہی:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

اب حسن آرا سے کیوں کر ملیں گے۔ ہائے کوئی اتنا بھی تو نہیں جو اس محبوبِ شیریں ادا تک عاشق نامراد کی ناکامی کی خبر پہنچائے،

گوش مہجورِ پیام و چشم محرومِ جمال
ایک دل تس پر یہ ناامیدواری ہائے ہائے

قید خانے کے ہر در و دیوار سے ناامیدی کی شکل مجسّم نظر آتی تھی۔ دل نہایت ہی بے قرار تھا،

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردشِ ایام ہم

میاں آزاد نامراد، اشعارِ حسرت بار، پڑھتے تھے مگر اس سوز و گداز کے ساتھ سننے سے تعلق رکھتا تھا۔

اس غم و غصہ میں میاں آزاد کی آنکھ لگ گئی، تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ مئیڈا کوہِ قاف کی پری، سرِ بالین کھڑی یہ اشعار سنا رہی ہے:

اللہ غم بتان میں یک چند
بے فائدہ جان کو کھپایا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ عشق وہ بد بلا ہے جس نے
ہاروت کو چاہ میں پھنسایا
سمجھا نہ کہ ہے رہ خطرناک
دین و دل و عقل کو لٹایا

آنکھ جو کھلی تو نہ میڈا، نہ اشعارِ عاشقانہ، فقط میاں آزاد اور قید خانہ:

کھا گیا جی غمِ نہاں افسوس
گھل گئی غم کے مارے جان افسوس
گل داغِ جنوں کھلے بھی نہ تھے
آگئی باغ میں خزاں افسوس

اتنے میں ہرمز جی بھائی ایک لمبی ٹوپی دیے ہوئے آئے۔

ہرمز جی: (ہرمز) مسٹر آزاد۔

آزاد: یہ بتائیے کہ جرم کیا ہے۔

ہرمز: ایں! میں تو آپ سے دریافت کرنے آیا تھا۔

آزاد: مجھے خاک نہیں معلوم۔

ہرمز: ذرا غور کیجیے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔

آزاد: کچھ جو سمجھ میں آتا ہو۔ حیرت ہے۔ انتہا کی حیرت ہے۔

ہرمز: کسی دشمن کا کام ہے۔ خفیہ کارروائی کچھ اس میں ضرور ہوئی ہے۔

آزاد: یہاں تو مجھ کو کوئی جانتا ہی نہیں۔ دشمن کون پیدا ہو گیا۔

ہرمز: کھل جائے گا۔

آزاد: اب میں کیا فکر کروں۔

ہرمز: پہلا سوال تو یہ ہے کہ آپ کا جرم کیا ہے۔ اب گھبرائیے نہیں۔ آج کل جنگ کے سبب سے یہاں انواع واقسام کی کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ اور نفاق لوگوں میں بہت ہے۔ مگر واقعی حیرت ہے کہ آپ کے ساتھ اور گورنمنٹ ٹرکی اس طرح پیش آئے۔

آزاد: افسوس صد افسوس کہ ترکوں کی حمایت کے لیے وطن چھوڑا، اور یہاں آئے مگر۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہرمز: کوئی بات پوشیدہ طور پر ہوئی ہے، کہ حکّام نے مجبور ہو کر آپ کو قید کر دیا۔ اب میں رخصت ہوتا ہو۔ مگر آپ دل مضبوط رکھیے میں پھر آؤں گا۔

آزاد: بجز آپ کی ذات کے یہاں اور کوئی دوست نظر نہیں آتا۔ اور آپ سے صرف دو دن کی ملاقات ہے۔ کسی قسم کا دعویٰ نہیں۔

ہرمز: مجھے آپ اپنے قدیم احباب کی طرح پکّا دوست سمجھیے۔

ہرمز جی رخصت ہو کر گھر گئے۔ میاں آزاد اپنے دل میں اس پارسی جنٹل مین کے کمال مشکور ہوئے۔

تین دن اسی طرح پر گزرے۔ میاں آزاد سنول قید خانے میں رہے۔ کبھی حسن آرا یاد آتی تھی کبھی وینیشیا اور ایبلیٹن۔ کبھی ناول پڑھتے تھے۔ کبھی ٹھنڈی سانسیں بھرتے تھے۔

چوتھے روز میاں آزاد بحضور وزیر جنگ طلب ہوئے۔ حضور ممدوح کے سکرٹری نے کہا کہ میاں آزاد تم نے غلط بیان کیا، کہ تم ہندی ہو۔ تمھاری نسبت بیان ہے کہ تم روسی جاسوس ہو۔ اور روس سے خاص اس غرض سے آئے ہو کہ سلطنتِ عثمانیہ کے حالات اور میدانِ جنگ کی کارروائی سے اپنی گورنمنٹ کو اطلاع دو، اور جہاں کہیں موقع پاؤ ہمیں شکست دلوادو۔ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ تم کسی طرح رہا نہیں ہو سکتے۔

آزاد: یہ الزام محض غلط ہے۔ کسی دشمن نے تہمت تراشی ہے۔ میں بصد ادب عرض کرتا ہوں کہ میں ایسے جرم کا مرتکب نہیں ہوں۔ میں ہندی کشمیری الاصل ہوں۔ روسی نہیں ہوں۔ میں سوچتا تھا کہ یا خدا کس جرم کا میں نادانستہ مرتکب ہوا کہ گرفتار کیا گیا۔ لیکن اب مجھے ذرا بھی خوف نہیں ہے۔ اب مجھے یہ بتائیے کہ یہ کس شخص نے بیان کیا۔

وزیر جنگ پر فرض تھا کہ اس کے نام سے میاں آزاد کو اطلاع دیں۔ کہا میڈا۔میڈا کا نام سنتے ہی آزاد خاموش ہو گئے۔ مگر ان کی خاموشی اور ان کے بشرے سے پایا جاتا تھا کہ ان کے شیشۂ دل پر ٹھیس لگی۔

وزیر: اب کیا آپ کہتے ہیں۔

آزاد: (خاموش)

وزیر: اچھا اب اس وقت آپ وہیں جائیں پرسوں پھر بلائے جائیے گا۔ مجھے ابھی اس معاملے میں بہت سے امور کی تحقیقات کرنی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میاں آزاد پھر سول قید خانے میں آئے :

پھر وہی کنجِ قفس پھر وہی صیّاد کا گھر

بستر پر لیٹ کر تین بار انھوں نے با آوازِ بلند کہا :

اوہ۔ میڈا ! میڈا ! میڈا !

واہ کیا اچھا بدلہ لیا۔ او کافر بدکیش۔ او ظالم۔ اور غریب آزار۔ سنگ دلی بھی تو کتنی۔ میڈا خدا شاہد ہے کہ میں بے قصور ہوں۔ تمھاری سی پری پیکر کو میں ضرور بیاہ لیتا، مگر حسن آرا سے جو قول ہارا اس کا خیال ہے۔ میڈا تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ ہائے اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو جھوٹ موٹ اقرار کر لیتا۔ مگر میں کیا جانتا تھا کہ میڈا دشمنِ جان نکلے گی۔

میڈا میں تیرے اس اشارے کو نہیں سمجھا تھا کہ بہت پچھتاؤ گے ہائے تین بار کہا تھا۔

بہت پچھتاؤ گے ! بہت پچھتاؤ گے ! بہت پچھتاؤ گے !

گھر بلا کر ہمیں غیروں سے نکلواتے ہو
میزباں آپ ہوں اور ہوں مہماں ہم سے
جان لے کر خاک پہنچیں ہم غریب
شہرِ دل کا سیکڑوں فرسنگ ہے
کوئی صورت نہیں بچنے کی وہ آفت آئی
کس قیامت کی بلائے شبِ فرقت آئی

ہرمز جی ایک روز ان کے پاس پھر آئے۔ اور تشفی آمیز باتوں سے ان کو سمجھایا، کہ گھبرایئے نہیں۔ رہائی کی کوئی نہ کوئی صورت جلد پیدا ہونے والی ہے۔

آزاد : رہائی کی تو اب امید نہیں رہی، اور بعد جنگ رہائی ہوئی بھی تو کیا فائدہ۔

ہرمز : نہیں۔ نہیں۔ جلد رہائی ہوگی۔

آزاد : آج پورے پندرہ روز سے یہاں ہوں۔

ہرمز : جرم تو آپ کو معلوم ہی ہو گیا ہوگا۔

آزاد : بخوبی

ہرمز : میرا قصد ہے کہ خود وزیرِ جنگ کی خدمت میں ایک عرض داشت بھیجوں، اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہوں کہ میاں آزاد کے ہندی ہونے اور ہندوستان سے آنے کا یہی کافی ثبوت ہے، کہ میرے والد نے اپنے خط کے ذریعہ سے ان کو میرے پاس بھیجا۔

آزاد: اور جبی ڈیفنس جہاز پر آئے۔ لفٹننٹ ایپلٹن کے ساتھ بمبئی سے روانہ ہوا۔ جہاز کے ناخدا مسٹر اسمتھ مجھے خوب جانتے ہیں۔

ہرمز: بہتر ہے۔

آزاد: پھر کب بھیجیے گا۔

ہرمز: پرسوں ذرا احباب سے مشورہ کرلوں۔

آزاد: نوازش۔ عنایت۔

ہرمز: آپ تو بھائی ہیں۔

آزاد: قیدی اور مجرم کو بھائی نہ بنائیے۔

اس گفتگو کے بعد ہرمز جی رخصت ہوئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شطرنج

شہزادہ ہمایوں فر بہادر کو جب ہم نے نواب صاحب کے مکان پر چھوڑا تو وہ خواب نازمیں تھے۔ نور کے تڑکے بسترِ استراحت سے اٹھے، اور غسل کیا۔ ورزش کی۔ کپڑے پہنے اور گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا کھانے چلے۔ سپہر آرا بیگم کوٹھی کے کمرے میں اس وقت بعد ادائے نمازِ صبح، مناجات پڑھ رہی تھیں۔ جس وقت شہزادہ ہمایوں فر کا کمیت خوش خرام، کمرے کی دیوار کے قریب سے گزرا۔ سپہر آرا نے اپنی خلقی نازک سی آواز سے یہ شعر پڑھا:

قافلہ شد، واپسیں ما بنیں
ای کس مابے کسی ما بنیں

ہمایوں فر نے جھروکے کی طرف نظر کی اور آہ سرد بھر کر، دل ہی دل میں کہا، بارِ خدایا مری دعائے سحری کچھ رنگ اثر جمائے، کہ معشوق سیم تن ہاتھ آئے:

اے صبا جذب پہ جس دم دلِ ناشاد آیا
اپنے آغوش میں اڑ کر وہ پری زاد آیا

سپہر آرا بیگم کو ذرا بھی خبر نہ تھی کہ شہزادہ بہادر گل گوں باد رفتار پر سوار، زیرِ دیوار مناجات کے اشعار سن رہے ہیں۔ اور جنون کی امنگ میں سر دُھن رہے ہیں۔ صدقِ دل سے مناجات پڑھتی جاتی تھی۔ چلتے چلتے میرزا ہمایوں فر ایک سُنسان میدان میں پہنچے۔ ہُو کا عالم۔ کھیت ہرے بھرے جس طرف نظر اٹھا کر دیکھیے، سبزۂ نوخیز، انفاسِ نسیم سحری، مشک بیز۔ ابر کے سبب سے تاریکی چھائی۔ گھٹا جھوم جھوم کر آئی۔ میرزا ہمایوں فر اس سہانے سماں پر لوٹ تھے تاریکی اور تنہائی ایسی بھائی کہ روح تک وجد میں آئی۔ سبزۂ نو دمیدہ کی لہک، اور آبِ رودبار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی جھلک نے سمندِ بہار پر تازیانے کا کام کیا۔ جا بجا اونچے نیچے ٹیلے اور بھی لطف دکھاتے تھے۔ اور ہری ہری دوب، جوان پر چوطرفہ جمی تھی، تو دور سے پہاڑ کی سی کیفیت نظر آتی تھی۔ مرغانِ خوشنوا کا اشجار پر بہار پر ہجوم۔ ع

کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم

ساقی دمیدِ صبح، قدح، پُرشراب کن — دورِ فلک درنگ ندارد شتاب کن
زان پیشتر کہ یاسمنِ صبح بشگفد — خود را بیک پیالہ گل آفتاب کن

میرزا ہمایوں فر نے دل میں ٹھان لی کہ چاہے جو صرف ہو، اس دل کش مقام کو اپنے قبضے میں ضرور لائیں گے اور ایک فرح بخش کوٹھی ضرور بنوائیں گے۔ اتنے میں سپہر آرا بیگم کا عشوۂ دلربا اور خندۂ دلکشا جو یاد آیا تو دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ سوچنے لگے کہ یا الٰہی وہ دن بھی آئیں گے کہ ہم اور سپہر آرا اس مقام دلچسپ میں لطفِ زندگی اٹھائیں گے۔ فوراً گھوڑے کی باگ اٹھائی اور کوئے محبوب کی طرف رخ کیا:

سرکوی کہ ختن با جگذار ست آنجا
در ہمہ شہر خزان ست بہار ست آنجا

شہزادۂ جم اقتدار والا تبار۔ سودازدۂ زلف خوباں گل عذار میرزا ہمایوں فر بہادر نے اس لق و دق میدان سے فرس تیز گام کی جو باگ اٹھائی، تو دم کے دم میں کوٹھی سامنے آئی۔ اس وقت حسن آرا اور سپہر آرا اور بہار السا جھروکے کی راہ سے قدرتِ حق کا مشاہدہ کر رہی تھیں۔ سامنے کے میدان میں آن روئے دریا، گائیں ہری ہری گھانس چر رہی تھیں۔ بچھڑے کلیلیں کرتے پھرتے تھے۔ چرواہے کا لونڈا بھینس کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا برہا گا رہا تھا "گوریا نے مارا برہ بان گوریا نے مارا برہ بان۔" کالی گھٹا سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا، اور کمرے کے نیچے دریا لہریں مار رہا ہے، کہ اتنے میں شہزادۂ بلند ارادہ کا اسپ صرصر تگ۔ اٹھکھیلیاں کرتا ہوا سامنے سے آنکلا۔ اِدھر بجلی کوندی۔ اُدھر ان کا برق دم پری چہم گھوڑا چمک کر نکل گیا۔

سپہر: (اپنے دل میں):

ہمایوں فر سمندِ ناز جولان کردہ می آید
کلہ برسر کج و کاکل پریشان کردہ می آید

حسن: (دل میں):

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بر پشتِ سمند ایں چہ بلا شوخ نگار یست
کہ گرد رہِ او برخ مہر غبار یست

میرزا ہمایوں فر بہادر کے پہنچتے ہی نواب صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

ن : یہ صبح صبح آپ کہاں سوار ہو گئے تھے۔ میں جو یہاں آیا تو سنا کہ سوار ہو گئے۔

شہز : جی ہاں ذرا ہوا کھانے گیا تھا۔ صبح شام ہوا کھانے کا عادی ہوں۔

ن : ضرور جائیے۔ صحت کے حق میں اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے۔

شہز : آپ روز ورزش کرتے ہیں؟

ن : جی ہاں کچھ تھوڑی بہت۔

شہز : اس جوڑی کے کتنے ہاتھ آپ ہلا سکتے ہیں۔

ن : جی یہی کوئی سو کے قریب۔

شہز : کوئی پچیس سیر کی۔

ن : جی اٹھائیس سیر کی ہے۔ یہاں ایک انگریز تھے۔ میتھوز۔ انجینئر تھے۔ ورزش کا کمال شوق۔ جب ولایت جانے لگے تو اسباب نیلام کیا۔ تین روپیے کو خریدی تھی۔

شوقین آدمی تھا، مگر آپ نے بہت ہی ارزاں خریدی۔

ن : کوڑیوں کے مول۔

شہز : اب یہ فرمائیے کہ دنگل کب ہے۔

ن : بائیس کو۔ چوبیس کو۔ چھبیس کو۔ آج اکیس ہے۔

شہز : آپ بھی اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ اچھے بے تکلف آدمی ملے۔

ن : خدا کی قسم آپ کے تشریف لانے سے مجھے اعزاز ہوا:

ز قدر و شوکتِ سلطان نگشت چیزی کم
ز التفات بمہمان سرائے دہقانی
کلاہِ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید
کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانی

شہز : آج گھٹا اس وقت عجب لطف بہار دکھاتی ہے:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گلبنِ عیش می دہد ساقی گل عذار کو
باد بہار می وزد بادۂ خوشگوار کو
ہر گلِ تو ز گلرخے یاد ہمی کند ولے
گوش سخن شنو کجا دیدۂ اعتبار کو

ن : واقعی عجب وقت ہے۔ سردی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ۔ اتنے میں خدمت گار نے آکر کہا حضور چائے تیار ہے، دونوں نے گرما گرم دودھیا چائے پی۔

شہز : اس وقت چائے کی واقعی ضرورت تھی۔

ن : جی ہاں۔

شہز : (فرط طرب سے) :

زکوے یار می آید نسیم باد نوروزی
ازیں باد آر دو خواہی چراغِ دل برافروزی

ن : حضرت کیا کلام ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ شعرا تو ایران میں ایک سے ایک بڑھ کر تھے مگر لسان الغیب کا رنگ ہی اور تھا :

درہمہ دیرِ مغان نیست چو من شیدائی
خرقہ جای گرد بادہ و دفتر جائی

شہز : سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ حضرت میں تو حافظ کے ایک ایک شعر پر عاشق ہوں۔

دوستانِ وقت گل آن بہ کہ بعشرت نوشم
سخنِ پیرِ مغان ست بجان می نوشم

ن : حافظ جی، حافظ جی صاحب

حافظ : حضور والا ارشاد۔

ن : آپ کے واسطے کچھ فواکہ تو لائیے۔

شہز : اس تکلّف کی کیا ضرورت ہے۔

ن : تکلّف! تکلّف برطرف۔ خانۂ بے تکلّف ہے۔

میرزا ہمایوں فر، اور نواب صاحب نے سیب اور کشمش پستے مزے مزے چکھّے۔

شہز : آئیے ہم سے آپ سے شطرنج ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ن : بسم اللہ۔ حافظ جی شطرنج بچھے۔

حافظ جی اور میرزا انثار حسین بیگ، اور مولوی صاحب اور شہزادۂ ہمایوں فر اور نواب صاحب شطرنج کھیلنے بیٹھے۔ پہلی بازی میں نواب صاحب نے دس ہی پانچ چالوں میں ہمایوں فر کا رخ پیٹ لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پیل رخی کی مگر شہزادہ نے مات کر دیا۔ دوسری بازی قائم اٹھی تیسری بازی میں شہزادے کے دو رخ رہ گئے اور نواب صاحب کے پاس فیل۔

ن : کیا مات کیجیے گا۔

شہز : امید تو ایسی ہی ہے۔

ن : ممکن ہی نہیں۔

شہز : واہ۔

ن : اچھا جب جانیں کہ مات کر دیجیے۔

حافظ : محال ہے۔ اس نقشے میں مات ہی نہیں۔

میرزا صاحب : (میرزا) واہ وا۔ مات نہ ہونا کیا معنی۔ دو رُخ ہوں اور مات نہ ہو۔

حافظ : آپ مات کر دیجیے۔

شہز : ان کو نکلنے نہ دیجیے۔ ایک رُخ یہ بیٹھ دیجیے۔ پٹی بند ہو گئی، دوسرا رُخ اس مقام پر آجائیے پیل نہ اٹھ سکے گا۔

بادشاہ کو آگے بڑھائیے بس مات ہے۔ ہے کہ نہیں؟

ن : اجی توبہ توبہ کیجیے۔

حافظ : حضورِ عالم اس نقشے میں مات ہو ہی نہیں سکتا۔

شہز : تعجب ہے۔ اچھا ذرا غور کر لیں۔

ن : بسم اللہ چاہے کل تک سوچیے۔

میرزا : دو رُخ ہیں اور مات نہ ہو سکے۔

ن : حضرت دو رُخ اور رکھ لیجیے۔ بھلا مات تو کیجیے۔

میرزا : حضور اب میں کیا عرض کروں۔

ن : آپ عرض کچھ نہ کیجیے۔ مات کیجیے۔

میرزا : حضور کچھ مٹھائی کھلوائیے تو یوں بھی سہی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حافظ : بھائی کیوں حجت کرتے ہو اس میں مات ہی نہیں ہے۔

نقشہ اس طرح پر تھا

سرُخ بازی

X | X

رخ سرخ | شاہ سرخ رخ سرخ

X | X

سبز بازی | پیل سبز شاہ سبز

شہز : واقعی مات نہیں۔

ن : وہ تو آپ کو یاد ہے۔:

شاہا دو رُخ بدہ و دلآرام رامدہ
پیل و پیادہ پیش کن و اسپ کشت مات

شہز : ہاں یاد ہے۔

ن : اور جائیے۔

شہز : حضرت ایک ہے آپ پر۔

ن : اجی ابھی ابھی فاضل کیے دیتا ہوں۔

شہز : بجا ہے۔

ن : مصرع۔

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

میرزا ہمایوں فر نے چوتھی بازی کھیلی۔ حافظ جی نواب صاحب کو بتاتے تھے۔ اور میرزا صاحب شہزادے کی طرف تھے۔ پہلے میرزا ہمایوں کا رُخ پیادے کے دھوکے سے پٹ گیا۔ نواب صاحب نے کہا حضرت اب فرمائیے، ہے یہ بات یا نہیں؟ تھوڑی دیر کے بعد ایسی چال پڑی کہ شہزادے نے نواب صاحب کا فرزین پیٹ لیا۔

ن : ارے۔

حافظ : لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ن : دھوکے کی چال تھی۔

شہز : بجا ہے ہم کوئی مہرہ پیٹیں تو دھوکے کی چال ہے۔ اور حضور پیٹ لیں تو استادی ہے۔

ن : خیر اب تو بازی کم ہی ہو گئی۔

شہز : اب کی برابر ہو جائیں گے۔

ن : ہاں پھر اب تو فرزین ہی ندارد ہے۔

حافظ : حضور وہ پیل تو لیجیے۔

ن : ہاں۔ (پیل ہٹکر) کشت۔

شہز : یہ بے کشت۔

ن : (پیل سے گھوڑا پیٹ کر) پھر کشت۔

شہز : ارے۔

میرزا : کچھ ہرج نہیں ہے خداوند۔

ن : مات ہے۔

میرزا : اس گھر میں بادشاہ کو لے آئیے۔

حافظ : اب پیادہ ہٹ کر گھوڑے کی کشت۔

شہز : نہیں صاحب اپنے فرزین کی بھی خیر ہے۔

حافظ : کیوں ؟

شہز : گھوڑے کی کشت

حافظ : اچھا پھر۔

شہز : اس گھر میں آئے۔ یہ پیل کی کشت۔ وہ کشت یہ گھوڑے کی کشت۔ فرزین پڑ گیا۔

حافظ : سبحان اللہ۔ خوب سوچے حضور۔

میرزا : افسوس۔

شہز : بھئی ایک طرف رہو۔

ن : ہاں یہ تعالی کے بیگن ہونا کیا معنی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس بازی میں شہزادہ برابر ہو گیا۔

شہز: برابر رہے۔

ن: اتفاق سے۔

شہز: حضور وزیر تو مفت ہی میں کٹ گیا پھر۔

میرزا: پورے بھرے بسے تھے، یا کم و بیش۔

شہز: اب کی اور ہو۔

ن: اب بدبد کے ہو۔

شہز: اچھا دس دس روپے بازی۔

حافظ: نہیں حضور۔

پانچویں بازی شروع ہوئی۔

ن: اب سے تو رُخ اٹھا کر کھیلنے کو جی چاہتا ہے

شہز: شانِ خدا۔

ن: واللہ اب کی رُخ اٹھا کر کھیلیں گے۔

شہز: حضرت ایک رُخ چاہیے اور بسا لیجیے۔

ن: آپ کو شطرنج کھیلنا سکھایا کس نے۔

شہز: جی بجا ہے۔

ن: واللہ ہنسی آتی ہے۔

شہز: مٹھائی رکھیے تو دو ایک چالیں بتا دوں۔

ن: دس بازیاں بدبد کر ہوں، تو میں بال باندھی مات کر دوں۔

حافظ: رخصت

ن: ایں؟

شہز: یہ رخصت کے کیا معنی؟

حافظ: حضور بدی بازی کے وقت میں نہیں بیٹھتا۔

شہز: کیوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حافظ: طبیعت۔
شہز: اجی دو گھڑی کی دل لگی ہے۔
حافظ: تو خداوند اور طرح پر انسان دل بہلائے بدنا کیا فرض۔
شہز: لطف ہی نہیں آتا۔
ن : علیٰ ہذالقیاس۔ ہماری بھی یہی کیفیت ہے۔
شہز: دیکھیے رخ ہیں نے پیٹ لیا۔
ن : ارے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ۔ ہم یہ چال نہیں چلتے۔
شہز: چال پھیرنے کی سند نہیں۔ واللہ ہم نہ مانیں گے۔
ن : واہ وا۔ ہم چلیں بھی جب۔
شہز: خدا کی قسم ہیں نہ مانوں گا۔
ن : اچھا لیجیے یہ کشت۔
شہز: یہ بے کشت۔
ن : پھر کشت بادشاہ کو۔
شہز: ارے رخ کٹ گیا۔
میرزا: چلیے برابر ہو گئے۔
شہز: ہائے افسوس۔ واللہ غضب ہو گیا۔ مگر خیر۔
ن : خیر کیا میں نے رخ کیا۔ آپ نے رخ پٹیا۔ میں نے پیل کی کشت دی۔
شہز: میں اِس گھر گیا۔
ن : ایک مہرہ کٹا جاتا ہے۔
شہز: کیا خوب، شاید آپ بچا بھی لیں گے۔ کیا مجال۔
ن : اُف یہ بری ہوئی۔
شہز: (مسکراکر) حضرت ہم تو ایسی ہی کھیلتے ہیں۔ چاہے کھیلیے چاہے قبولیت داخل کیجیے۔
ن : اللہ اللہ:

بُت کریں آرزو خدائی کی   شان ہے تیری کبریائی کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہز: وہ رخ پیٹ لیا۔
ن: یہ رخ پیٹ لیا۔
شہز: کشت
ن: اف! اف! یہ رخ بھی گیا۔
شہز: پھر حضرت چاہے کھیلیے، چاہے نہ کھیلیے۔
ن: ہاں اب تو آپ کی جیت ہے نہ۔ فہمیدہ خواہد شد۔
شہز: اب گھوڑے کو نکلیں فرسِ تیز گام کا اب کام ہے۔
ن: اجی گدھا بن جائے تو سہی۔
شہز: کیا خوب۔ جس میں جونپور کے قاضی کو بلانا پڑے۔
حافظ: کہیے کیا رنگ ہے۔؟
شہز: اچھا رنگ ہے۔
ن: برابر ہے۔ مگر ہماری بازی دب گئی ہے ذرا۔
شہز: ہونہہ۔ یہ نہیں کہتے کہ مات ہے۔ کہنے لگے دب گئی ہے ذرا۔
ن: اچھا سمجھا جائے گا۔ جاتے کہاں ہیں آپ۔
شہز: ٹھہریے! دس فاضل کر کے جاؤں تو سہی۔
ن: ٹھہریے! اب کی سب بازیوں کی کسر نکال لوں گا۔
شہز: جی بجا ہے۔

اسی طرح کئی بازیاں ہوئیں۔ آخر کار شطرنج ختم ہوئی، تو میرزا ہمایوں فر نے کہا ہماری تین ماتیں فاضل ہیں۔ نواب صاحب کو اپنی شطرنج بازی کا بڑا زعم تھا، مگر تین مات کھا کر کسی قدر خفیف ہوئے، اور کہا اچھا سمجھا جائے گا۔ ایک بازی کی تو سند نہیں۔ دو مات البتہ فاضل ہیں، اس کے بعد شہزادۂ ہمایوں فر نے کہا، بھلا ان نقشوں کو تو حل کیجیے۔ تین نقشے بنائے اور کہا طبع آزمائی کیجیے، مگر شرط یہ ہے کہ کسی سے پوچھیے نہیں۔ خود ہی طبع پر زور ڈالیے، اور حل کیجیے تو جانیں۔ آپ بڑے شاطر ہیں۔ نواب صاحب نے تینوں نقشے بغور دیکھے، اور کہا انشاء اللہ ضرور حل کروں گا۔ یہ بات ہی کیا ہے میں کوئی اناڑی شطرنج باز تو ہوں نہیں، آپ کی طرح۔ اس فقرے پر شہزادہ بہت ہی ہنسا۔ اے تیری قدرت۔ اور آپ ہمیں ہنسیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شانِ خدا۔ لیجیے تین نقشے تو پہلے حل کیجیے۔

نقشہ ہائے شطرنج

شاہ سبز۔

					شاہ سبز		
					پیادہ سرخ		
		پیادہ سرخ					
		رخ سرخ			شاہ سرخ		
					وزیر سرخ		

شاہ سرخ

سرخ تین چال میں مات کرے

بازی سبز

			پیادہ سبز				
						وزیر سرخ	
				پیادہ سبز			
			وزیر سرخ		اسپ سرخ		
		فیل سرخ			پیادہ سرخ		
سر					پیادہ سرخ		
خ				بازی سرخ			

دو چال میں مات ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سبز بازی

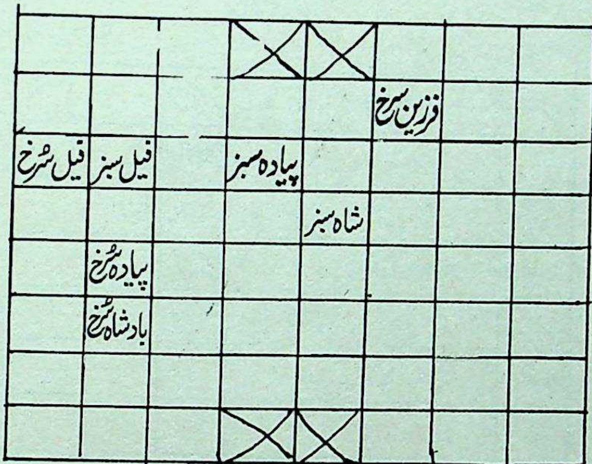

سرخ بازی

چار چال میں مات کرے۔

اب شہسوار کا حال نذرِ ناظرین ہے۔

شہسوار

اب بعد مدتِ دراز شہسوار کا حال سنیے۔ شہسوار دل فگار جوگن کے ساتھ رہنے لگے۔ گو ناکامی، اور نامرادی، سے ان کا دل دنیائے دوں سے پھر گیا تھا، مگر جوگن کی اٹھتی جوانی اور تمیز ولیاقت پر ہزار جان سے عاشق تھے۔ دل سے لگی تھی کہ جوگن کو عقدِ نکاح میں لائیں۔ لطفِ زندگی اٹھائیں لیکن جوگن کسی اور ہی دھن میں تھی۔ ٹھان لی تھی کہ عمر بھر شادی نہ کرونگی جس کے لیے جوگن ہوئی، اسی کے عشقِ صادق کا دم بھروں گی۔ شہسوار ان باتوں سے محض بے خبر تھا۔

ایک روز جو سنا کہ کسی بیگم کی طبیعت از بس ناساز ہوگئی ہے تو تڑپنے لگے۔ سپہر آرا کا نام سن ہی چکے تھے۔ کئی بار چاہا کہ جا کر دیکھیں تو ماجرا کیا ہے۔ گو ہمیشہ ناکام رہے۔ لیکن دل کی لگی بری ہوتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہ : خدا جانے کون بے چاری بیگم ہے۔ اگر تم اجازت دو تو میں دریافت کر آؤں، کہ کون بیگم ہے۔

جوگن : (جو) جانے بھی دو۔ دنیا میں ہزاروں آدمی علیل ہوتے ہیں۔ پھر اچھے ہو جاتے ہیں تم کو کیا پڑی، کہ خواہ مخواہ وہاں جاؤ، اور تحقیقات کرو۔

شہ : بہتر ہے، مگر میرا دل بے اختیار ہوا جاتا ہے۔

جو : یہ کیوں۔ یہ کیوں؟ ایسا دل بھی کیا جو انسان کے قابو میں نہ رہے۔ واہ۔ واہ وا۔

شہ : حسب حال:

تم ذرا پہلو سے اٹھے ہم تڑپ کر رہ گئے
یوں بھی دیکھا ہے کسی کا دم نکل جاتے ہوئے

خدا جانے کیا سبب ہے، کہ جب سے سنا ہے طبیعت بے قرار ہے۔

جو : اس کا سبب سوا تمہارے اور کون جان سکتا ہے۔

جوگن سوچی کہ اگر شہسوار وہاں جائے گا تو اور بھی مضطر و بے قرار ہو کر آئے گا۔ واللہ اعلم وہ بیگم کیسی ہو۔ انسان کی زندگی کا بھروسا کیا۔ آج موئے کل دوسرا دن۔ گویا پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ شہسوار کو بہت سمجھایا کہ کہاں بھی جاؤ گے۔ اور جاؤ گے تو بناؤ گے کیا۔ وہاں۔ مگر شہسوار نے لجاجت اور منت و سماجت کی، کہ خدا کے واسطے مجھے جانے دو۔ ناچار جوگن خاموش ہو رہی۔ شہسوار ریل پر سوار ہو کر چلے۔ ریل کے جس درجے میں یہ بیٹھے تھے اس میں ایک مسن منشی صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ نہایت لائق فائق، انشاپرداز، فصیح و بلیغ آدمی۔ طبابت میں بھی دخل تھا۔ شہسوار سے گفت گو ہونے لگی۔

شہ : ریل پر تو حضرت بعض اوقات بڑی مصیبت پڑتی ہے۔ خصوصاً جب کسی ایسے درجے میں بیٹھنے کا اتفاق ہو، جہاں گنوار ہوں۔ اے ہے، بس کچھ نہ پوچھیے۔ قیامت کا سامنا ہوتا ہے ایک مرتبہ ایک گنوار نے پاؤں جو پھیلایا، تو میں نے کہا، میاں ذرا انسانیت سے بیٹھو۔ بس اٹھ کر کہتا کیا ہے۔ سنو صاحب جیسے تم بارہ آنہ دہیو۔ ویسے ہم۔ تم تو لیٹو اور ہم گوڑ نہ پساری۔

منشی : واجبی بات ہے۔

شہ : میں ڈھونڈھ کر ایسے ہی درجے میں بیٹھتا ہوں، جہاں شرفا ہوں۔

منشی : بجا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہ : ورنہ مفت کی ٹھائیں ٹھائیں سے کیا واسطہ۔

منشی : حضرت دوروزہ زندگی کے اتنے جھگڑے بکھیڑے سب فضول ہیں۔ بیکار محض۔

ابنائے زمانہ در پئے شور و شر اند
اپناشتۂ نفاق و عین ضرر اند
مانند قطار اشتر، ایں فرقۂ دوں
باہم دگر اند، و در پے ہم دگر اند

لیکن جو لوگ طبعِ سلیم سے بہرہ کافی رکھتے ہیں، وہ ان باتوں سے منزلوں بھاگتے ہیں۔
اللہ باقی من کل فانی ؛

دنیا ہیچ ست و کار دنیا ہمہ ہیچ
ای ہیچ زبہر ہیچ در ہیچ مپیچ

شہ : ہے تو ایسا ہی۔

منشی : انسان کپڑے بنواتا ہے، سال بھر کے۔ مکان بنواتا ہے، اور کوشش کرتا ہے کہ برسوں کیا معنی، صدیوں تک اس کی دیوار پر بھی صدمہ نہ پہنچے۔ کسی نے گالی دی، اور اس کے دل پر چوٹ لگی، مگر سب پوچ۔

دو دن کی زندگی میاں مثلِ حباب ہے

شہسوار کے دل پر اس تقریر نے بڑا اثر کیا۔ نان بائی کا پھانسی پانا۔ لڑکے کا زار زار رونا چلانا اور بوڑھی عورت کا وفورِ غم سے دم توڑنا، بصد حسرت و الم دنیا چھوڑنا، ان سب باتوں کی تصویر اس کی نظر کے سامنے پھر گئی :

دنیا الم غفلت و عقبیٰ غمِ اعمال
آسودگی از ما دو جہاں فاصلہ دارد

شہ : مگر افسوس ہے کہ ایسے خیالات انسان کے دل سے جلد دور ہو جاتے ہیں۔

منشی : غفلت۔ انتظامِ کائنات میں نہ فرق آجائے۔ مگر جن لوگوں کی نفس مطمئنہ ان کی نفس لوامہ پر غالب ہے، اور جو نفسِ امارہ کی ذرا پیروی نہیں کرتے، وہ مقبول بندہ خدا کے ہیں۔ اور ہر دل عزیز۔ موت سے ان کو ذرا خوف نہیں۔ غم اور رنج دونوں میں سے ایک بھی نہیں جانتے :

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ز حکمت بیاموز مت نکتۂ
کہ در ہر دو عالم شوی سرفراز
لباسِ طریقت چو در بر کنی
بذلّت مرنج و بعزت منار

خاکساری سے زیادہ اکسیر اور دنیا میں کچھ نہیں:

ہر کہ شد خاک نشیں برگ و برے پیدا کرد
دانہ با خاک چو پیوست سرے پیدا کرد

شہ :

حُباب از سر بلندی پائمالِ موج می گردد
غبار از خاکساری سر بہ اوج آسمان دارد

منشی : اور یاد رکھنا چاہیے کہ کسی سے کدورت نہ رکھے۔ دل صاف رہے۔

سینہ صافان را غبارِ کینہ نیست
گل نباشد چشمۂ خورشید را

بغض و حسد دون منشوں کا کام ہے۔ خدا کے مقبول بندے حسد اور بغض سے منزلوں دور رہتے ہیں۔

شہ : حضور کا دولت خانہ کہاں ہے؟

منشی : ع

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست

شہ : اب آپ سے ملنا چاہوں تو کہاں ملوں؟

منشی : بشرطِ زیست بنارس میں:

از بنارس نروم معبدِ عام ست اینجا
ہر برہمن پسرِ لچھمن و رام ست اینجا

شہ : ہمیں کچھ سکھائیے۔

منشی : بس چودہ وصیتیں یاد رکھیے۔ علما و حکما کا قول یہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پہلی وصیّت

جس نوکر کو مقرّب بنائے اس کی نسبت شکایت نہ سنے۔ کیوں کہ جو لوگ بادشاہوں کے مقرّب ہو جاتے ہیں، ان سے اکثر آدمی حسد کرنے لگتے ہیں۔ اور حسد کے سبب سے اس بات کے خواہاں رہتے ہیں کہ بادشاہ کی نظر التفات اس پر سے اٹھ جائے اور اس کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں۔ خیر خواہ بن کر ایسی باتیں بناتے ہیں کہ بادشاہ اس سے ناراض ہو جائے اور بظاہر نصیحت اور نفع کی سی باتیں کرتے ہیں۔ مگر مقصود ان کا صرف یہ ہوتا ہے کہ محسود کی تذلیل اور زوال میں سعی کریں۔

دوسری وصیّت

چغل خور کو دربار میں گھسنے نہ دے کیوں کہ وہ لوگ بڑے فتنہ انگیز اور فسادی ہوتے ہیں بادشاہ کو جس وقت معلوم ہو کہ فلاں شخص چغل خور ہے، اسی وقت اس کے دفعیہ کی تدبیر کرے۔ تاکہ اس کے فساد سے جو ضرر پیدا ہوتے ہیں نہ ہونے پائیں۔

تیسری وصیّت

بادشاہ کو چاہیے کہ امرا اور ارکانِ دولت سے ایسا برتاؤ کرے کہ ان کو بادشاہ کی موافقت اور نیک خواہی کا یقین ہو جائے۔ کیوں کہ جس صورت میں مصاحبوں کی یکجہتی اور مخلصوں کی یکدلی میسّر ہوتی ہے، تو ان کے اتفاق اور معاونت سے بڑے بڑے کام آسانی سے انجام پاتے ہیں۔

چوتھی وصیّت

دشمن کی نرمی اور خوشامد پر فریفتہ نہ ہو۔ اور وہ کیسی ہی عاجزی اور انکساری سے پیش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آئے، ہرگز اعتماد نہ کرے، کیوں کہ دشمن سے دوستی کی توقع عقل کے خلاف ہے۔

الغرض چودھوں بیان کیں، اور منشی صاحب نے صاف صاف کہا کہ میں بیوی کو بہت چاہتا تھا، اور وہ نیک بخت میری عاشق زار تھی۔ میری شامتِ اعمال بخار کے عارضے میں وہ جاں بحق تسلیم ہوئی۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

منشی صاحب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اشک پوچھ کر کہا۔ ایک ہی ہفتے میں دو لڑکے جاتے رہے۔ ایک جوان تھا۔ کوئی بائیس برس کا۔ انتہا کا لائق فائق۔ دوسرا کوئی چودہ برس کا افسوس صد افسوس کہ دونوں کے دونوں ایک ہفتے میں مجھے داغِ مفارقتِ ابدی دئے گئے۔ واحسرتا، وا دریغا! سارا عالم میری نظروں میں تیرہ و تار تھا

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ

ای خاکِ تیرہ خاطرِ مہماں نگاہدار کیں نورِ چشمِ ماست کہ در بر گرفتۂ

بیس ہزار روپیہ میں نے نامِ خدا غربا اور مساکین کو دے دیا، اور سات ہزار روپیہ ایک عالمِ متقیّ کے نذر کیا، اور طلبہ کے وظیفہ مقرر کر دیے اب میرے پاس کچھ روپیہ اور ہے۔ کسی عزیز یا رشتہ دار یا دوست سے خط و کتابت نہیں۔ نہ کسی سے ملاقات کرتا ہوں۔ دو بار حج عتبات عالیات کر کے سعادتِ کونین حاصل کی۔ اللہ بس باقی ہوس۔

شہ : آپ بڑے متقی آدمی ہیں۔ ایسے بزرگوں کی زیارت مغتنمات میں سے ہے۔ نصیب کہاں ہوں۔

روی مقصود کہ شاہان بدعامی طلبند
سببش بندگی حضرتِ درویشان ست

جی چاہتا ہے تمام عمر آپ ہی کے قدموں تلے پڑا رہوں۔ بہشت ایسے ہی طیب النفس بزرگوں کے لیے ہے۔

از بارِ گنہ خمیدہ پشتم چہ کنم
نے دیر و نہ سجدہ کنشتم چہ کنم
نی در صفِ کافر نہ مسلماں جایم
نی لائقِ دوزخ نہ بہشتم چہ کنم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہ: ایک امر میں آپ سے مشورہ لینا ہوں۔

منشی: بسم اللہ فرمایئے۔

شہ: میں ایک بت پرست حوروش پر عاشق ہوں مگر وہ زن نوخیز و خوش محال ایک اور نوجوانِ رعنا کو چاہتی ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ اس رقیب سے بدلا لوں۔ اس بارے میں حضور کی کیا رائے ہے؟

منشی انتقام! اے تو یہ۔ ع

در عفو لذتی ست کہ در انتقام نیست

اگر آپ پر اس عورت کا دل آتا اور جس طرح آپ کے رقیب سرخرو ہوئے اسی طرح اس کے مقابل میں آپ سرخرو ہوتے تو اس کو آپ اجازت دیتے کہ آپ سے انتقام لے۔ نکاح خوشی کا سودا ہے اس میں زبردستی کیسی۔ بولیے؟ انچہ برخود نہ پسندی بدیگرے ہم مپسند۔ اگر اس مسئلے کی پیروی کیجیے تو ملال اور غم اور جنون انتقام قریب ہی نہ آنے پائے۔ اس خیال کو دل سے دور کیجیے۔

منشی صاحب اس قدر کہہ چکے تھے کہ ایک اسٹیشن آیا۔ اترے ہیضہ کیا! ڈاکٹر لاڈ مینیم کے تیس قطرے پلائے، اور اس کے بعد تھوڑی دیر میں کوئی دوا پلائی مگر دیکھتے ہی دیکھتے اور دو ہچکیاں لے کر چل بسے:

در دیست اجل کہ نیست درمان اورا
بر شاہ و گداست حکم و فرمان اورا
شاہی کہ بحکم دوش کرماں می خورد
امروز ہمی خورند کرمان اورا

فوراً دریافت کیا گیا کہ یہ کون شخص ہیں۔ ان کے پاس کس قدر اسباب و جائداد ریل پر تھی۔ کہاں ہے۔ ان کے ساتھ کوئی ہے یا نہیں۔ اسٹیشن ماسٹر نے شہسوار سے دریافت کیا۔

شہسوار زار زار رونے لگے۔ جناب میرے والد ماجد تھے۔ ہائے ابّا جان یتیم کر چلے۔ یا الٰہی ابّا جان داخل خلد ہوئے۔ سال ہی بھر میں آپ رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ افوہ! یتیم۔ یتیم۔ سنا کرتے تھے۔ مگر آج خود یتیم بن بیٹھے۔ یارو جس نے یتیم کی صورت نہ دیکھی ہو ہماری صورت دیکھ لے۔ یتیمی چہرے پر برستی ہے۔ ہائے ابّا جان ریل پر دغا دے گئے۔ ابھی ابھی یہ چودہ وصیتیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لکھ دیں اور کہا ان کے مطابق چلنا اور آنکھ پھیرلی۔

اسٹیشن ماسٹر: دیکھوں؟

شہ: دیکھیے۔

اسٹیشن ماسٹر: کیا لکھا ہے۔

شہسوار نے روتے روتے، تین چار وصیتیں پڑھیں۔ تجہیز و تکفین کے بعد شہسوار نے منشی مرحوم کا مال و اسباب لیا اور چل کھڑے ہوئے۔ اب سنیے کہ سات ہزار کی اشرفیاں اور دس ہزار نوٹ، اور کوئی سوا سو روپیہ، اور ایک بیگ کپڑوں کا ان کے ہاتھ آیا۔ چلیے امیر کبیر بن بیٹھے۔ فوراً جوگن کے پاس پہنچے۔

جوگن: کہو وہ بیگم کیسی ہے؟

شہ: واللہ اعلم بالصّواب۔

جو: کیا گئے نہیں پھر؟

شہ: آدھی راہ سے لوٹ آیا۔

جو: خوب کیا تم کو زمانے بھر کی بیماری سے کیا سروکار۔

شہ: ہاں اپنے کام سے کام ہے۔ مگر ہم امیر ہو کر آئے ہیں۔

جو: کیا کوئی پہیلی بجھواتے ہو۔ امیر کیسے بولو۔

شہ: گئے تھے خالی ہاتھ مگر خدا کی دین وہاں سے امیر کبیر ہو کر آئے:

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

جو: اوئی کہیں بھنگ تو نہیں پی آئے۔ کیا پایا کیا۔

شہ: زرِ کثیر۔

جو: واہ کہیں پایا نہ ہو۔ کیا ہم کو بناتے ہیں۔ کسی اور کو جا کے چٹکیوں میں اڑانا۔

شہ: خدا کی قسم ہزاروں ہی لے کر آیا ہوں یہ دیکھو۔

جو: اس میں کیا ہے۔ دیکھوں ادھر لاؤ۔

شہ: آنکھیں کھل جائیں گی۔

دنیا کے بھی عجب کارخانے ہیں۔ عقل ہی نہیں کام کرتی۔ دم کے دم میں درویش بینوا کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بادشاہ بحر و بر اور چٹکیوں میں خاقان ابن خاقان کو خانمان خراب کردے۔ اگر خدا کا فضل ہوا تو برسوں کی مصیبت ایک گھڑی بھر میں دور ہوگئی، اور اگر قہر ہوا تو پھر عیاذاً باللہ انسان کا ٹھکانا ہی نہیں۔ مگر اس کا رحم اس کے قہر سے زیادہ ہے:

صدقے اس بندہ نوازی کے ترے میں جاؤں
باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق و مشفق

شہسوار کو بات کی بات میں نہال کردیا۔ مگر روپیہ بھی کیا چیز ہے۔ کہاں تو شہسوار دل فگار تارکُ الدنیا ہوئے تھے۔ کہاں اب روپیہ جو پایا، تو شوق چرایا کہ مزے اڑائیں۔ چین کریں۔ امارت کی بو دماغ میں سمائی۔ اور کیوں نہ سمائے، بیٹھے بٹھائے مفت کی دولت ہاتھ آئی۔ زر پاتے ہی اترا گئے۔ سچ ہے:

ای زر تو خدا نہ، ولیکن بخدا
ستارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

تخمینہ کرنے سے معلوم ہوا کہ بائیس ہزار کی، دولت ہاتھ آئی۔ مگر اسباب کی گٹھری جو کھولی تو ایک فوق البھڑک ٹوپی دیکھ کر عش عش کرنے لگے۔ مخملی منڈیل مخمل، وہ بیش بہا کہ دیدہ نہ شنید۔ کسی کامل فن استاد نے اس پر کام بنایا تھا۔ موتیوں کے گچھے اِدھر اُدھر لٹکتے تھے۔ سو سو روپیہ کا ایک ایک موتی دہیرے ٹکے ہوئے۔ اندھیرے میں رکھ دو تو معلوم ہو چاند نکل آیا۔ ستارے چھٹکے ہوئے ہیں۔ شہسوار نے وہ بیش بہا ٹوپی جوگن کو دکھائی، اور کہا بھلا آنکو تو کتنے کی ہوگی۔ جوگن بولی میاں ٹوپی کیا جواہرات کہو۔ کوہِ نور کہو۔ کوئی دس بارہ ہزار سے زیادہ ہوگی۔ شہسوار از بس متحیّر ہوئے۔ ایں! دس بارہ ہزار۔ اف اس قدر دام۔ جوگن مسکرانے لگی۔ کہاں بڑھے ہو رہے ہے۔ کن لوگوں میں ہو۔ تمھیں اتنی بھی تمیز نہیں کہ نرے ہیرے ہی ہیرے ہیں، اور موتیوں کے گچھے اِدھر اُدھر لٹک رہے ہیں۔ آج لالہ ہیرا مل کو دکھائیں گے۔

لالہ ہیرا مل ایک نوجوان جوہری تھے۔ بڑے رنگین مزاج آدمی۔ جوگن کی ایک ایک ادا پر دل لوٹ تھا، اور آن کر عشق جتاتے تھے۔ مگر جوگن ان کے بھرّوں میں نہیں آتی تھی۔ اس کو اور ہی دھن تھی۔ خدا جانے کس کے فراق میں جوگن کا بھیس کیا تھا۔ ایسے ایسے جوہری اس کے پاس مہینے میں صدہا آتے جاتے تھے۔ شام کو لالہ ہیرا مل صاحب تشریف لائے۔ جوگن نے کہا لالہ صاحب سچ کہیے گا، ہمارا پیار آپ کو ہے، یا نہیں۔ لالہ ہیرا مل کھل گئے۔ بتائیے بتائیے۔ ہم کو اُلّو بناتی ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیا ایسا گوکھا بنایا ہے۔ ہونہہ جانِ من تمھارے اِشک (عشق) میں جان جاتی ہے۔ کوئی ہمارے دل سے پوچھے پچیس ہجار تیس ہجار (ہزار) روپیہ جہاں کہو رکھ دوں۔ بشرطیکہ ہماری ہوکر رہو۔ مگر تم جو ہو، کسو کا کہنا ہی نہیں مانتیں۔ روج روج (روز روز) آن کر کہتے ہیں۔ مگر تم کب سنتی ہو کسو کی آج تم نے یہ پوچھا کیا جان کر۔ چھیڑنے کے لیے پوچھا ہے نہ۔ بناتی ہو ہمیں۔ کھیر (خیر) اکھتیار (اختیار) ہے تھیں کھوب (خوب) دل کھول کر ستالو مجھے، جو ستاؤ اور جس کدر (قدر) کر کے ستاؤ۔ ہم اف نہ کریں گے۔

جو : ایک چیز آنک دو کہ کتنے کی ہے، اور بکوا بھی دو تو لونڈی ہو جاؤں۔ بولو کیا کہتے ہو، بتاؤ۔

لالہ ہیرامل : (ہیرا) چھو جس کی کسم (قسم) لو ایسی کون شے ہے جو کھریدنا (خریدنا) مشکل ہو اس کا۔

جو : ہے ایسی ہی چیز۔ بھلا خرید لو تو جانیں۔

ہیرا : دکھاؤ، لاؤ۔ ابھی لیتا ہوں۔ اسی دم۔

جوگن نازو ادا سے اٹھ کر ٹوپی لے آئی۔ جوہری نے جو ٹوپی دیکھی تو پھڑک گیا۔ خوب غور کر کے دیکھا۔ تیس ہزار کی آنکی۔ مگر مہاجن کا لڑکا، اور جوہری بچہ۔ یہ کب چوکنے والے۔ کہا جو کہو ابھی ابھی منگوا دیں۔ جو کہو تمھاری ہی رائے پر چھوڑا۔ جوگن نے لالہ ہیرامل کو گدگدانا شروع کیا۔ بڑے سخی بنے جاتے ہیں۔ جو کہو جو کہو۔ جو کہیں گے وہ دے دوگے۔ ایسے بڑے وہ بن کے آئے کیوں۔

لالہ ہیرامل سوچے کہ بہت مانگے گی۔ دو چار ہزار انتہا دس ہزار۔ کہا بولو نہ تم تو کھد بکھد (خود بخود) بات بڑھاتی ہو۔ بتاؤ کیا لوگی۔

جو : مسکرا کر بولی بیس ہزار۔

ہیرا : کوئی ہے ؟

خدمتگار : حاضر پیرو مرشد حکم۔

ہیرا : حسو جا کے منیب جی سے دس ہزار چہرہ شاہی ابھی گنوا لا۔ اور رُکا لیتا جا۔

جو : دس کہ بیس۔

ہیرا : دس ہزار تو اس بکت (وقت) اور دس ہجار پھر دیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیرا: اچھا۔ اچھا۔ ہم کب کہتے ہیں کہ ابھی دے دو۔

جوگن از بس مسرور ہوئی، کہ بیس ہزار پائے۔ ہم بارہ ہزار ہی آنکے تھے۔ آٹھ اور بڑھے شہسوار دروازے کے پاس سے سن چکے تھے۔ کہ دس ہزار اس وقت ملیں گے۔ باقی دو چار دن میں۔ جامے میں پھولے نہ سمائے۔ ادھر لالہ ہیرا مل خوش تھے، کہ اچھا پھانسا آج۔ تیس ہزار کی لونڈی بیس ہزار کو مول لے لی۔ جوگن نے کھل کھل کے باتیں شروع کیں۔ اللہ جانتا ہے جو تم میں مروّت ہو، نہ تو پیار کرنے کے قابل ہو۔ مگر مروّت کا تم نے سبق ہی نہیں پڑھا۔ ہیرا مل نے مسکرا کر کہا بجا۔ آپ میں مروّت ہے ہم میں چھو نہیں گئی۔ واہ شان اللہ کی۔ بیوی۔ مروت ہم میں ہے۔ جب جو کہتی ہو کر گجرتے ہیں۔ جوگن پھلواری میں ان کو لے کر ٹہلنے لگی۔ اٹھلا اٹھلا کر قدم رکھتی تھی، اور کبھی کبھی اِن تیکھی چتوں سے اِن پر نظر ڈالتی تھی، کہ حضرت ریشہ خطمی ہوئے جاتے ہیں۔

لالہ ہیرامل صاحب رخصت ہونے کو تھے، کہ دس ہزار روپیہ آگیا، جوگن نے جو دس ہزار چہرہ شاہی چمکتے دمکتے، کھن کھن، کر کے گنے تو جامے میں پھولی نہ سمائی۔ نہایت مسرور ہوئی۔ ہیرامل کو کئی بار پیار کی نظر سے دیکھا، اور کہا باقی روپیہ دو تین دن میں بھیج دینا۔

ہیرا: جرور۔ جرور۔ بھیجوں گا۔ ایسی بات ہے بھلا۔

جو: ایسے ہم ہنستے ہیں جی۔ کیا کچھ بے اعتبارے ہو۔

ہیرا: لاکھوں کی کوٹھی چلتی ہے۔

جو: کیا ہم جانتے ہی نہیں۔

ہیرا: اب کہو کیا کہتی ہو۔ صاف صاف بتا دو۔ جو بولے اب۔

جو: اے واہ اب رنگ لائی گلہری۔ اچھے آئے۔

ہیرا: اب تمھارے دماغ کاہے کو ملیں گے۔ اب تو امیر ہوگئیں نہ تم

جو: اونہ۔ اونہ۔ کیسی کچھ۔ امیر نہیں وہ ہو گئے۔

ہیرا: دس ہزار روپیہ تمھارے نزدیک کچھ ہوا ہی نہیں۔

جو: کیا؟ دس ہزار کیسا؟

ہیرا: دس ہزار نہیں بیس ہزار سہی۔ پھر کچھ تھوڑا ہے۔

شہسوار نے اشارے سے جوگن کو بلایا اور کہا کچھ خبر ہے۔ دس ہزار روپیہ بڑی رقم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہے کسی کا اعتبار کیا۔ اور پھر تم جس سے کہوگی کہ میری ٹوپی بیس ہزار کو خریدی تھی اب دس ہزار نہیں دیتے، تو پھر کوئی باور بھی تو نہ کرے گا۔ جوگن نے سوچ کر کہا۔ اے نہیں یہ کیا بات ہے بھلا اتنے بڑے ساہوکار اتنے بڑے جوہری اور دس ہزار کے لیے ایمان بیچ ڈالیں۔ اور میرے ساتھ ایسی بات۔ شہسوار نے کہا خوب سوچ سمجھ لو۔ دیکھو ایسا نہ ہو مفت میں روپیہ بھی جائے ہاتھ سے اور بے وقوف کے بے وقوف بنیں۔ زمانہ نازک ہے۔ ہم تو صلاح نہ دیں گے کہ ٹوپی دے دو۔ مگر اتنا ہے کہ اگر ٹوپی واپس لوگی تو وہ دس ہزار بھی لے جائیں گے۔ اور آیا ہوا روپیہ کھو جائے گا۔

جوگن نے کہا میں تو ان سے نہ کہوں گی۔ تم جا ہو جا کے کہو۔ کہ ٹوپی میری ہے۔ مگر مجھے تو ان کا لاکھوں کا اعتبار ہے۔ شہسوار نے کہا تو پھر ہم کو بھی اعتبار ہے۔

جوہری نے ایک بوسہ لیا۔ اور رخصت ہوا تو شہسوار نے کہا لو اب تو اللہ میاں نے چھپّر پھاڑ کے دولت دی۔ کہو پیاری جانی اب نکاح کی ٹھہرتی ہے۔ کیوں دیوانہ پن اور وحشت کی لیتی ہو۔ جوانی مفت میں کھوتی ہو۔ شباب کے مزے اڑاؤ۔ لطف جوانی و زندگانی اٹھاؤ۔ جوگن نے کہا اب رنگ لائی گلہری۔ کیا ریشہ خطمی ہوئے جاتے ہیں۔ اوچھے کے گھر تیتر، باہر رکھوں کہ بھیتر۔ کچھ دن کسی پر اس ثروت کا حال ظاہر نہ کرو۔ نہیں تو مفت میں دھر لیے جاؤ گے۔

تاڑ جاتے ہیں تاڑنے والے

گو جوگن نے اب کی پھر انکار کیا۔ مگر شہسوار کو پورا پورا یقین ہو گیا کہ کہنا مان لے گی۔ بات کو ہرگز نہ ٹالے گی۔ کہا افسوس ہے کہ تم نے ہمارا کہنا اب تک نہ مانا۔ خیر اب پھر غور کرو اور یہ سب مال اسباب اور روپیہ اپنے پاس رکھو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بے گناہ قیدی

وزیرِ جنگ نے آزاد کو کوئی ڈیڑھ مہینے کے بعد طلب فرمایا۔ پیشتر جب ان سے سوال کیے گئے تو میڈا اور قید کا نام سن کر مارے غصّے کے جواب شافی نہ دے سکے۔ الہٰذا وزیر جنگ نے ان کو سول قید خانے کو واپس بھیجا، اور کہا ہم برٹش سفیر متعینہ قسطنطنیہ کے ذریعہ سے چال چلن کا حال، گورنمنٹ ہندوستان سے دریافت کریں گے۔ اگر تم اصل میں ہندی ہو تو فوراً رہا کیے جاؤ گے۔ میاں آزاد کا فوٹو لیا گیا، اور وہ صاحب گورنر جنرل ہند کی خدمت میں بھیجا گیا۔ میاں آزاد نے بیان کیا کہ ہندوستان میں فلاں صاحب سے میرا حال دریافت کیا جائے۔ اس کے علاوہ کپتان اسمتھ اور لفٹنٹ اپلیٹن کے پاس بھی ان کے فوٹو بھیجے گئے۔ گورنمنٹ ہند نے جواب بھیجا۔ جس سے ظاہر ہوا کہ آزاد روسی جاسوس نہیں ہے۔ ساٹھ ستر معزّز آدمیوں نے گواہی دی کہ ہم ان صاحب سے خوب واقف ہیں۔ منجملہ ان اصحاب کے بمبئی کے نواب صاحب، اور علمائے بمبئی، اور وہ نواب نامدار بھی تھے جن کا طیرِ صف شکن علی خاں اُڑ گیا تھا۔ ان سب نے بھی دستخط کر دیے۔ لفٹنٹ اپلیٹن نے جواب لکھا کہ، یہ تصویر ایک کشمیری مسلمان کی ہے جو ہندوستان کے ممالک مغربی و شمالی و اودھ میں بود و باش کرتے ہیں۔ یہ صاحب ہمارے ساتھ بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئے، جس جینی ڈینس جہاز کا نام تھا۔ جہاز مذکور، جزیرۂ پیرم کے نزدیک ڈوب گیا۔ اسی جوان مرد نے اکثر آدمیوں کی جان بچائی۔ مالٹا تک ہمارا ان کا ساتھ رہا۔ وہاں سے ہم روانہ ہو گئے انگلستان کی طرف۔ اور وہ اسکندریہ گئے۔ کپتان اسمتھ نے لکھا۔ میں جینی ڈینس جہاز کا ناخدا تھا۔ بمبئی سے یہ شخص جہاز پر روانہ ہوا۔ نہایت لائق اور جواں مرد نوجوان جنٹل مین ہے۔ مالٹا سے میرا ان کا ساتھ چھوٹا۔ جہاز ڈوبنے کے وقت میاں آزاد نے ہمیں بڑی مدد دی۔ یہ شخص روسی جاسوس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہرمز جی نے بھی آن کر یوں بیان کیا۔ میاں آزاد میرے والد کا خط لے کر آئے۔ یہ صاحب مالٹا سے آئے ہیں' اور میرے مہمان ہیں۔ میں ان کو اچھا سمجھتا ہوں' اور قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں' کہ یہ روسی نہیں ہیں۔ ہندی ہیں۔

میاں آزاد نے بکمالِ فصاحت و بلاغت بیان کیا کہ میں ایک ہندی کشمیری الاصل ہوں۔ روسی جاسوس جس نے مجھے کہا وہ جھوٹ بولا۔ خادم اسلام اور عاشق اسلام ہوں۔ اور خاص اسی غرض سے آیا ہوں کہ جنگ میں شریک ہو کر ترکوں کو مدد دوں، مگر خوبی قسمت نے مجھے قید خانہ دکھایا۔

آدمی مجبور ہے تقدیر سے

گورنمنٹ ہند نے مجھے بری کیا۔ میری تعریف لکھی۔ مختلف مقامات کے لوگوں نے مجھے پہچانا۔ ایک انگریزی اور فوجی لفٹنٹ اپیلٹن نے میری نسبت لکھا ہے کہ یہ شخص بمبئی سے ہمارے ساتھ جہاز پر روانہ ہوا۔ خود ناخدا نے اس کی تصدیق کی۔ ہرمز جی سوداگر نے گواہی دی۔ اب بھی بری نہ ہوں تو اندھیر ہے۔

وزیر: بیشک آپ کی نسبت اب جرم کسی طرح پر ثابت نہیں ہو سکتا، مگر آپ دو چار روز تامل کیجیے۔ تو آخری حکم سناؤں۔ آپ سول قید خانے اس وقت واپس تشریف لے جائیے۔

آزاد نے جھک کر بہ ادب سلام کیا' اور چلے گئے۔ راستے میں سوچتے جاتے تھے کہ شاید اب رہائی ہو جائے۔ کیوں کہ میڈا کوئی ثبوت میرے روسی جاسوس ہونے کا پیش نہیں کر سکتی۔ اور میں نے ثابت کر دیا کہ اس نے صرف تہمت تراشی ہے۔

وزیر جنگ نے میڈا کو بلوایا' اور کہا افسوس ہے کہ تمھارا بیان غلط نکلا۔ میاں آزاد روسی جاسوس نہیں ہیں۔ ہندوستان سے خاص کر اسی لیے آئے ہیں، کہ ہماری فوج کی طرف سے روسیوں کا مقابلہ کریں۔ بہت سے ثبوت بہم پہنچے ہیں۔ گورنمنٹ ہند نے لکھا ہے کہ کامل تحقیقات کے بعد معلوم ہوا ہے کہ میاں آزاد کا چال چلن یہاں اچھا تھا۔

یہ فقرے سنتے ہی میڈا کا رنگ فق ہو گیا۔

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

بات کرنا محال تھا۔ وزیر جنگ نے پھر کہا کہ اگر آزاد آزاد کر دیا گیا تو بیشک تمھارے لیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اچھا نہ ہوگا۔ انصاف اِسی کا مقتضی ہے کہ جو بدنامی، اور پریشانی، اور ناکامی، آزاد کو نصیب ہوئی ہے اس کا معاوضہ کسی نہ کسی سے لیا جائے۔ اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ وہ ضرور آزاد ہو جائیں گے میڈا سے کہا کہ اب آپ جائیں۔ میڈا نے ایک ادائے دلربا سے حضور وزیر جنگ کو سلام کیا۔ اور رخصت ہوئی۔ لیکن اس پری تمثال کے بشرے سے ایک قسم کی مایوسی عیاں تھی۔ کمال افسوس تھا کہ یہ میں نے کیا کیا۔ یہ بات اب ٹرکی بھر میں مشہور ہو جائے گی۔ اور میری سخت بدنامی ہوگی۔ اپنی ہمجولی سے جاکر کل حال بیان کیا۔

اب آزاد کا حال سنیے، کہ اور قیدیوں کے ساتھ یہ جگر فگار، دلریش نوجوان غم غلط کرتا اور دل بہلاتا تھا۔ دو چار معزز قیدی ان کے دلی دوست ہو گئے۔ ان سے آزاد نے اپنی دلی خواہش اور حال سچا سچا بیان کر دیا۔ اور چونکہ اکثر امور میں وہ بھی ان کے ہمدرد تھے۔ لہٰذا خوب گزرتی تھی۔ محبت باہم روز بروز بڑھتی ہی گئی۔ تاہم ایک ایک گھڑی ان کو ایک ایک سال کے برابر تھی۔ اتنے دن کی قید نے ان کو بالکل مضمحل اور کم طاقت کر دیا۔ پہلے تو بالکل مایوس ہو گئے تھے، امید ہی نہ تھی کہ کسی روز آزادی کی صورت دیکھنے میں آئے گی سمجھ گئے کہ ہندوستان سے گویا اسی لیے ہی آئے تھے، آزاد سے اسیر ہوں۔ سوچتے تھے کہ اگر کسی کو قتل کیا ہوتا اور سزا پاتے تو خود شرماتے اور اپنے کیے ہوئے پر پچھتاتے۔ مگر بے گناہ آن پھنسے اور کوئی شنوائی ہی نہیں کرتا۔ حوصلہ پست ہو گیا۔ دل کا کنول بجھا جاتا ہے۔ ہائے جوانی مفت میں برباد ہوئی۔ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔:

شوق ہر رنگ رقیب سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

ایک روز آزاد نے ایک ناول میں کسی عاشقِ ناکام کا حال جو پڑھا، تو ان کو اپنی نامرادی پر کمال افسوس ہوا اور حسن آرا بیگم یاد آئیں۔ بڑی دیر تک تڑپتے رہے۔ دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ دو تین دن میں میاں آزاد کی اور بھی ردّی حالت ہوئی۔ یہاں تک کہ قید خانے کے منتظم نے اطبّا کو بلوایا، اور ان کی صلاح سے میاں آزاد کو اجازت دی گئی کہ صبح و شام سمندر کے قریب ہوا کھایا کریں ہرمز جی نے اپنے دو گھوڑے ایک کیپ قیمتی سات سو روپیہ کا، اور ایک ترکی قدم باز تعینات کر دیا۔ ایک روز میاں آزاد فرسِ تند خو، پر سوار ایک دل کش مقام پر بستی کے باہر جا رہے تھے۔ تو دیکھا کہ سامنے سے ایک گھوڑا بگٹٹ آرہا ہے۔ جب ان کے فرس آہو شکار کے قریب پہنچا تو انھوں نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیچھے پھر کر دیکھا ایک نوجوان نوخیز اس گل گون سمکِ خیز پر بصد طنطنہ رعنائی، و دبدبہ دلربائی، متمکن تھا۔ میاں آزاد نے دل ہی دل میں کہا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ کتنا خوب رو جوان طناز ہے معشوق سراپا انداز ہے:

هنوزش گرد گل نارسته شمشاد
بخوبی سرو او چون سروِ آواز

رخسارے گلِ تر۔ بلکہ رشکِ قمر۔ ادا وہ دلربا کہ زہاد تک فریفتہ ہو جائیں:

چو گل شگفته بصد آب و رنگ می آئی
ز شهر آئینه یا از فرنگ می آئی

جوان حسین و نازنین نے لجاتے اور شرماتے ہوئے میاں آزاد کو جھک کر سلام کیا۔ آزاد نے سلام کا جواب دیا۔ مگر دل میں سوچنے لگے کہ یا خدا یہ کون طفل پری چہرہ ہے۔ جس نے لجاتے ہوئے سلام کیا۔ اور اس ادائے دلربا سے طفل نوخاستہ، اور آراستہ نے کئی بار ان کو دیکھا مگر شرما شرما کر گردن پھیرلی:

چه گردن کشتهٔ او شمع کافور
بلورین دستهٔ فوّارهٔ نور

آزاد نے خود مبادرت کی، اور یوں سوال کیے۔

آزاد: (فرانسیسی زبان میں) آپ ترکی ہیں؟

طفل: جی نہیں میں پارسی ہوں۔

آزاد: اسم شریف آپ کا؟

طفل: حسن جی جمال جی۔

آزاد: (اپنے دل میں) اسم با مسمیٰ ہے۔ حسن جی جمال جی۔ آپ یہاں کس غرض سے آئے ہیں؟

طفل: تبدیل آب و ہوا کے لیے۔

آزاد: کہاں قیام ہے؟

طفل: محمود کے ہوٹل میں۔

آزاد: اب تو طبیعت اچھی رہتی ہے یہاں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طفل : ہاں شکر ہے۔

آزاد : اس وقت آپ کہاں سے تشریف لاتے ہیں، اور کہاں جاتے ہیں؟

طفل : ہوٹل سے ہرمزجی پارسی کی کوٹھی گیا۔ ہرمزجی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میں نے سنا ہے کہ ہندوستان سے ایک صاحب آئے ہیں۔ میاں آزاد۔ انھیں کی ملاقات کے لیے گیا تھا مگر ملاقات نہ ہوئی۔

آزاد : آپ آزاد سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟

طفل : یہاں ایک لیڈی ہیں، وہ مجھ سے آزاد کے اخلاق، اور تہذیب، اور خوش کلامی، اور شیریں بیانی، کی ازبس مدّاح ہیں، اور سنا بڑے عالم اور حسین آدمی ہیں۔

آزاد : آپ سے کس لیڈی نے کہا، اور اس کو کس قدر زمانہ ہوا؟

طفل : کوئی ایک مہینے کے قریب ہوا ہوگا۔

آزاد : لیڈی کا نام معلوم ہے؟

طفل : آپ شاید ناواقف ہوں۔ میڈا اس کا نام ہے۔

میڈا کا نام سنتے ہی میاں آزاد کا رنگ فق ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ پھر پوچھا کہ آپ ان کو کیسا جانتے ہیں۔ طفل خوب رو نے مسکرا کر کہا، یہاں جس قدر رنگین و پاک باز نوجوان ہیں سب اس عفیفہ سے واقف ہیں ان کے حسن و جمال کی دور تک دھوم ہے ——
میاں آزاد نے بغور دیکھا کہ اس بت جادو جمال کی تعریف کرنے کے وقت، طفل خوب رو کے گال اور بھی سرخ ہوگئے۔ مسکرا کر آزاد بولے۔ ہاں ہیں تو ایسی ہی خوش رُو مگر چشم بد دور آپ بھی کچھ ان سے کم نہیں۔ طفل عنبر مو نے نخرے کے ساتھ کہا، ہاں۔ ہو، مگر ہم تو مرد ہیں۔ حسن و جمال ہمارے لیے فخر کا مقام نہیں۔ آزاد نے کہا یہ سچ لیکن خوب رو مرد ہو یا عورت ہر دل عزیز ضرور ہوتا ہے۔ اور خدا جھوٹ نہ بلائے اگر آپ میڈا کے ساتھ شادی کرنا پسند کریں، تو وہ فوراً منظور کریں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج تک آپ کا سا حسین جوان نظر سے نہیں گزرا۔ طفل خوب رو نے مسکرا کر جواب دیا۔ مگر میاں آزاد کا گھوڑا اس وقت الف ہوگیا تھا۔ سن نہ سکے۔ بڑی دیر تک میاں آزاد اس کے ساتھ سیر کیا کیے۔ ایک سوار پیچھے پیچھے بہ نظر احتیاط ان کے ساتھ تھا کہ مبادا کہیں بھاگ جائیں، کبھی میاں آزاد اور وہ پری زاد ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ جاتے تھے۔ کبھی گھوڑا دوڑاتے تھے، آزاد نے کہا حضرت آپ گھوڑے پر خوب جمتے ہیں۔ فرمائیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب کب ملاقات ہوگی۔ طفل خوب رو نے پھر مسکرا کر کہا جب فرمائیے۔ اور جہاں فرمائیے۔ حاضر ہوں۔ آپ فروکش کہاں ہیں۔ اب میاں آزاد بتائیں تو کیا بتائیں۔ یہ کہنے سے ہے کہ قید خانے میں ہوں۔ سوار حفاظت کے لیے ساتھ ہے۔ رنگ زرد ہوگیا۔ گھبرا کر بولے کہ آپ یہیں ملیے۔ میں روز صبح شام ہوا کھانے آتا ہوں طفل خوب رو نے کہا بہت اچھا۔ یا اگر آپ کی مرضی ہو تو ہرمزجی کے باغ میں تشریف لائیے۔ میڈا بھی وہاں اکثر آتی ہیں۔ میڈا کا نام سن کر ان کو وہ وقت یاد آیا، جب اسی باغ میں میاں آزاد اس شکرلب کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں کرتے تھے۔ پہلے پہل اسی باغِ دل کش میں کوہ قاف کی پری بصد شانِ دلبری ان سے گرم جوشی کے ساتھ ملی تھی۔ انھوں نے کہا جی نہیں۔ بس اسی مقام پر ملیں گے۔

طفل : ضرور ملیے گا۔

آزاد : بالضرور۔

طفل : پھر اب رخصت ہوتا ہوں۔

آزاد : تسلیم کل ملیں گے۔

آزاد سول قید خانے چلے آئے۔

دوسرے روز صبح کو میاں آزاد نے اس طفل خوب رو کو نہ پایا۔ بڑی دیر تک منتظر رہے مگر پتہ نہ چلا۔ شام کو پھر حسب معمول، ہوا کھانے آئے تو دیکھا کہ وہ پری زاد اسپ صرصر تگ پر سوار، آہستہ آہستہ آتا ہے۔ دونوں کی چار آنکھیں ہوئیں۔ آزاد نے سلام کیا۔ طفل خوب رو نے جھک کر جواب دیا۔

آزاد : آج صبح کو آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

طفل : جی ہاں میں میڈا کے ہاں گیا تھا۔ بڑے تپاک کے ساتھ مجھ سے پیش آئی ہیں۔ حق یوں ہے کہ پریوں کا نام ہی نام سنا ہے یہ سچ مچ کی پری ہے۔ وہ خم و چم کہ انسان گھنٹوں گھورا کرے۔ اور پھر بھی سیری نہ ہو۔ خدا کی قدرت مجسم نظر آتی ہے:

معلّمت ہمہ شوخی و دلبری آموخت
جفا و جور و عتاب و ستمگری آموخت
من آدمی بہ چنین شکل و قد و خوی و روش
ندیدہ ام مگر این شیوہ از پری آموخت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور بنا ؤ چنا ؤ اور بھی ستم ڈھاتا ہے :

یکے خود خوبرو بودی وگر آراستی خود را

بتا معلوم شد ما را کہ قصدِ جانِ ما داری

نظرِ غلط انداز سے صفین کی صفین تہ و بالا ہو جائیں :

یک نگاہ غلط انداز ز چشم ساقی

کارِ صد شیشہ و صد ساغر و صد جام کند

مگر افسوس ہے، کہ سنگ دل ہے۔ شیوۂ بیداد میں طاق ہے۔ ایک غمزے میں ہزاروں کا کام تمام کر دے :

اے مرگ برو کہ غمزۂ او

تا آمدنِ تو کارِ خود کرد

افسوس ہے کہ آپ نے اس حور لقا' ماہِ سیما' کو نہیں دیکھا۔ قابل دید ہے۔ ہر عضو بدن سانچے میں ڈھلا ہوا۔ بڑا خوش نصیب وہ شخص ہے جس کی ہم خوابہ یہ پری ہو۔ اس سے بڑھ کر خوش نصیب کوئی نہیں۔

آزاد اپنے دل میں سوچنے لگے، کہ اللہ اللہ میڈا کے حسن و جمال میں یہ تاثیر ہے، کہ ایسا خوبصورت، حور طلعت، نوجوان تک ریجھا ہوا ہے۔ میڈا کی پیاری پیاری ادا، اور گورے گورے گال، اور مستانہ چال ان کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی، اور ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے۔ طفل خوب رونے جو دیکھا کہ حضرت آہ سرد کھینچ رہے ہیں، تو مسکرا دیا۔ آزاد کہنے کو ہی کو تھے، کہ تم بعینہ میڈا کی طرح مسکراتے ہو لیکن سوچے کہ غضب ہی ہو گیا تھا۔ اس سے تو میں کہہ چکا ہوں کہ میڈا کو آج تک میں نے دیکھا ہی نہیں۔ طفل خوب رو سے انھوں نے پوچھا کہ میاں آزاد اب کہاں ہیں؟ ان کا حال بھی معلوم ہے؟ وہ پری چہرہ مسکرا کر بولا، کہ اسی سنگ دل کی بدولت وہ قید خانے میں پڑے ہیں۔ ان معشوقوں میں یہی تو عیب ہے کہ سنگ دل ہوتے ہیں۔ آزاد نے بصد حسرت کہا :

از سنگ دل کہ فلک عہد شکن را

مقصود شکستِ دل ما بود، شکستیم

طفل : اب بے چارے زبان حال و قال سے قید خانے میں یہی کہتے ہوں گے :

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اے ترکِ شوخ اینہمہ نازو عتاب چیست
بادلِ شکستگانِ ستم بے حساب چیست

بہت پچھتاتے ہوں گے

آزاد اس فقرے پر آبدیدہ ہو گئے۔ کیوں کہ مئیڈا نے رخصت ہوتے وقت یہی فقرہ کہا تھا۔ کہ بہت پچھتاؤ گے۔ بہت پچھتاؤ گے۔

اسی طرح کئی دن تک دونوں ملتے رہے۔

آخر کار ایک روز طفل خوب رو نے کہا کہ میاں آزاد مجھے بہت نہ اڑاؤ۔ آزاد تم ہی ہو اور میں مئیڈا ہوں۔ آزاد سخت متحیر ہو کر بولے کہ کیا۔ اُفوہ بڑا دھوکا ہوا۔ تمھارے مسکرانے سے مجھے شک گزرتا تھا مگر شام کے وقت میں اچھی طرح پہچان نہ سکا مئیڈا نے کہا کہ میاں آزاد میں ہی تمھاری مصیبت کی باعث ہوئی۔ اب تم معاف کرو۔ مئیڈا نوخیز لونڈی تو تھی ہی، اور بلا کی حسین و نازنین، جادو جمال، وزہرہ تمثال، شوخی کے ساتھ جو اس نے معافی چاہی تو آزاد اس ادا پر ہزار جان سے شیدا ہو گئے۔

خوب رو جتنے ہیں دل لیتی ہے سب کی شوخی
ہے مگر آپ کی شوخی تو غضب کی شوخی

دونوں گھوڑوں پر سے ایک جھاڑی میں گئے۔ مئیڈا نے آبدیدہ ہو کر اشارے سے خواہش ظاہر کی کہ گلے لپٹ جاؤ۔ پہلے تو میاں آزاد جھجکے۔ لیکن اس پری پیکر کی چشم فتاں سے اشک جاری دیکھ کر ان کا دل بھر آیا۔ مئیڈا نے کہا آزاد جواں مردی اب یہی ہے کہ مجھ کو معاف کرو۔ آزاد نے بے جھجک گلے لگایا اور کہا،

گر زدستِ زلفِ مشکینت خطائے رفت رفت
ور زہندوئے شما برمن جفائے رفت رفت
گر دلم از طرۂ دل دار تابے خورد خورد
در میانِ جان وجاناں ماجرائے رفت رفت

دونوں گلے مل کر خوب روئے۔ آزاد اپنی مصیبت اور پریشانی یاد کر کے رو دیے۔ اور مئیڈا اس خیال سے روئی کہ میرے سبب سے یہ بے چارہ بے گناہ قید ہوا۔

جونیر افسر جو ساتھ تھا کسی قدر فاصلے پر کھڑا رہا اور یہ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو کر رخصت ہوئے، آزاد پھر زندان میں گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میاں خواجہ بدیع صاحب

خواجہ بدیع صاحب اسکندریہ میں چین سے رہے۔ ٹرکی کے کانسل متعینۂ مصر نے ان کی بڑی خاطر کی۔ خوجی تیسرے چوتھے سلام کر لیتے تھے۔ پندرہ روز میں خوجی خاصے ٹانٹھے، بھلے چنگے ہو گئے۔ اسکندریہ کی حضرت نے خوب سیر کی۔ جب کئی روز تک اچھے رہے بیماری نے بالکل مفارقت کی، تو ایک دن کانسل کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ اب فدوی حضور کے اقبال سے صحیح ہو گیا۔ عوارض نے پیچھا چھوڑا۔ امیدوار ہے کہ اجازت دی جائے۔ دریافت کیا گیا کہ سائل کس امر کی اجازت چاہتا ہے کہا صرف یہ چاہتا ہوں کہ میاں آزاد کے پاس بھیج دیا جاؤں۔ کانسل نے حکم دیا کہ جو جہاز قسطنطنیہ جاتا ہو اس پر خوجی بھیج دئے جائیں۔ سفر خرچ کے علاوہ زرِ نقد اور کپڑا بھی ان کو دیا جائے۔

ایک دن خواجہ بدیع صاحب لڑھکتے پڑھکتے چلے جاتے تھے، کہ مالٹا کی ایک عورت نے ان کو دیکھا (دو ماشے کا قد) اور دبلے پتلے ہاتھ پاؤں دیکھ کر مسکرائی۔ میاں خوجی اور بھی تن گئے۔ اب اکڑے ہی جاتے ہیں۔ زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے۔ سمجھے کہ عورت ہم پر ریجھ گئی۔ دل ہی دل میں سوچتے جاتے تھے کہ واللہ! واہ رے ہم۔ جس ملک میں جاتے ہیں انگلیاں اٹھتی ہیں۔ چھوٹے بڑے سب ہمیں کو دیکھتے ہیں۔ وہ عورت اور بھی غور سے دیکھنے لگی۔ اور حضرت کے اکڑنے پر خوب ہی کھل کھلائی۔ آپ سوچے کہ یہ نخرے کرتی ہے۔ شاید اس ملک کی یہی ریت ہو، کہ جوانِ طناز اور خوب رو کو دیکھا اور ہنسنے لگی۔ اور ماشاء اللہ آپ کے طناز اور وجیہ ہونے میں شک بھی نہ تھا۔ اور کسی کو ہوتا یا نہ ہوتا خواجہ صاحب کو تو ذرا بھی شک نہ تھا۔ یہ اپنے کو کلّے ٹھلّے کا گھبرو سمجھتے تھے۔ عورت کو کھل کھلاتے ہوئے پایا تو شوق چرایا کہ اس سے چہل ہو۔ قریب جا کر اور منہ بنا کر غور سے دیکھا۔ عورت کو اور بھی ہنسی آئی۔ اس پر خوجی اکڑ کر بولے (نہ ہوئے میاں آزاد) ورنہ حسن آرا تک کو بھول جاتے۔ واہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیا پری ہے۔ اور مجھ گھبرو کو دیکھ کر کھلی جاتی ہے:

اشتیاقی کہ بدیدار تو دارد دلِ من
دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

یہ شعر بڑے سوز و گداز سے حضرت نے پڑھا۔ مگر خیر سے کتنا حسبِ حال ہے۔ کھڑے دیکھ رہے ہیں۔ مگر

اشتیاقی کہ بدیدار تو دارد دل میں

کی اچھی ہانک لگائی۔ قریب جاکر عورت سے پوچھا:

چہ نامی کہ مولائے نامِ توام
درم ناخریدہ غلامِ توام

وہ اور بھی ہنسی۔

اتنے میں دس پندرہ رہرو بھی جمع ہو گئے۔ خوجی کی انوکھی قطع اور قد و قامت اور اکڑنا، برزنا، اور مسکرانا، اور اینڈنا، جو دیکھتا تھا ہنس دیتا تھا۔ اور خوجی کو یقین واثق ہو گیا تھا کہ ہمارے حسن و جمال پر نظر ڈال کر یہ لوگ خوش ہو رہے ہیں۔ آپ نے کڑک کر فرمایا:

می رسد ایں صدا بگوشِ جہاں
از پسِ پردۂ جہاں ہر دم
غیرِ او نیست در سرائے وجود
بحقیقت کسے دگر موجود

کوئی پوچھے اِن اشعار کا یہاں کیا موقع تھا بھلا۔ مگر پوچھے تو پوچھے کس سے۔ قرولی کھانا منظور ہو تو خوجی سے بھڑ پڑے۔ خواجہ صاحب ایسے مزے میں آئے، کہ حوالی موالی اور حاضرین کو ڈپٹنے لگے۔ ایک سے کہا تو یہاں کیوں کھڑا ہے بے۔ دوسرے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا چلا جا یہاں سے برابر۔ تیسرے سے خطاب کر کے بولے اُوگیدی جاتا ہے یا نکالوں قرولی۔ چوتھے سے پیلے ہو کر کہا۔ یہاں کیا تماشا ہے کچھ۔ اردگرد کے لوگ سمجھے کہ مسخرہ ہے۔ کوئی بعض بعض کو گمان ہوا کہ دیوانہ ہے۔ جوں جوں خوجی صاحب بگڑتے تھے، حوالی موالی اور بھی بناتے، اور کھل کھلاتے تھے۔ آپ نے عورت کی طرف مخاطب ہو کر اشارے سے کہا چلو ہم تو اس طرف چلیں اس پر اور بھی قہقہہ پڑا۔ اور سب نے چٹکیوں میں اڑایا۔ اتنے میں دو تین عورتیں اور بھی کھڑی ہو گئیں۔ تب تو خوجی مونچھوں پر تاؤ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دینے لگے۔ اللہ اللہ ہم بھی اتنے ہوئے۔ اب عورتیں ہم پر ریجھنے لگیں۔ اے تیری قدرت! خوجی اور عورتیں ان پر ریجھیں۔ شانِ خدا۔ خوجی تماشا بن گئے۔ بار بار اکڑنا اور بھی لطف دکھاتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس عورت نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ خوجی مسکرائے۔ مسکرانا تھا کہ اس نے ایک دھول جمائی۔ ہاتھ چھڑانے ہی کو تھے کہ پیچھے سے کسی نے ایک اور چپت جڑی۔ تیسرے نے چپکے سے دھپ لگائی۔ اِدھر دیکھتے ہیں تو اُدھر سے پڑتی ہے اور اُدھر نظر اٹھاتے ہیں تو اِدھر تڑاتڑ کی آواز آتی ہے۔ سمجھے کہ ہم پر جو عورت عاشق ہوئی تو یہاں کے باشندے جل مرے۔ اور جب عورت نے وفورِ عشق اور بڑے پیار سے ہمارا ہاتھ پکڑ لیا۔ تو یہ لوگ اور بھی جل بھُن کے خاک ہو گئے:

عاشقانِ کشتگانِ معشوق اند
بر نیاید کشتگان آواز

عاشقوں کی تو یہ کیفیت ہوتی ہی ہے، اور ابھی کیا ہے:

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

تب جانیں کہ ہم بھی عشّاق کے زمرے میں نام بر آوردہ ہو گئے۔ جب لڑکے ہم پر پتھر پھینکیں، اور جس گلی کوچے میں جائیں لونڈے لہاڑے تالیاں بجائیں۔ اور پھر ہم کو کہنے کا موقع ملے کہ:

فقیر مست ہوں نعمت مری حاضر ہے جو چاہے
کباب نرگسی ہے یا شرابِ ارغوانی ہے

میاں خواجہ بدیع صاحب سوچے کہ افیم کھانے کا وقت آن پہنچا۔ اگر گھر جاتے ہیں تو یہ عورت چھوٹتی ہے، اور اگر یہاں پینے کی خواہش کریں تو پانی ندارد ہے۔ اشارے سے حضرت نے پانی مانگا۔ کٹوری میں دیا گیا۔ افیم گھولی۔ پی اور باآواز بلند عورت کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

شانہ ٹوٹا تارِ گیسوئے معنبر توڑ کر
پھل نہیں پاتا کوئی شاخِ صنوبر توڑ کر

اس موزونیٔ طبع کے صدقے۔ کیا برجستہ پڑھ دیتے ہیں۔ تک ملے یا نہ ملے پوچھوں تو مرے گا:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چہ خوش گفت ست سعدی در زلیخا

الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

خواجہ صاحب نے پھر اشارہ کیا۔ کہ چلو ہم تم اور طرف چل کھڑے ہوں۔ عورت مسکرا دی۔ اتنے میں کسی نے پیچھے سے چٹکی لی۔ تو خوجی صاحب پلٹ پڑے۔ دیکھا تو دو بونے ایک وہی ذاتِ شریف۔ جنھوں نے پانی کے ساتھ ہوٹل میں جمال گوٹہ پلا دیا تھا۔ دوسرے ان کے کوئی یار وفادار تھے۔ خوجی نے اپنے پرانے دوست کو گھور کر دیکھا، اور تن گئے۔ کیوں بچّہ تم اپنی شرارت سے باز نہیں آتے۔ ابھی ایک کشتی نکال چکا ہوں، اب آج پھر سر کھجلایا۔ ہڈیاں چلچلانے لگیں۔ میرے بھی ہاتھ میں کھجلی ہو آتی ہے۔ جھپٹ کر میاں خوجی نے ایک چپت جڑی۔ دونوں بونے چمٹ گئے۔ خوجی نے کہا ہائیں۔ ہائیں۔ ایک۔ ایک۔ ایک۔ ایک۔ مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔ خوجی جھلّا گئے۔ ایک بونے کی گردن دبائی اور زور سے پٹخنی دی۔ چاروں شانے چت۔ وہ مارا۔ وہ مارا کہہ ہی چکے تھے کہ دوسرے بونے نے ٹانگ پکڑ کر کھینچ لیا، اور لڑ کھڑا کر خوجی گرے۔ مگر بونا بھی ساتھ ہی گرا۔ حوالی موالی خوب ہنسے۔ قہقہے پر قہقہہ پڑا، اور خوجی زمین سے اٹھ کر خوب ہی اکڑے۔ ہات تیرے گیدی کی۔ ابے ہم تو نہتے لڑتے ہیں۔ اور جو کہیں قرولی ہوتی تو توبہ ہی بھلی۔

خو : (عورت سے) کیوں سچ کہنا کیسی آنٹی دی ہے۔

عورت : (اشارے سے) شاباش بڑے پہلوان ہو۔

خو : پھر اب بھی ہماری شادی نہ ہو تو ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

دونوں بونے منھ چڑھانے لگے۔

خو : جاؤ۔ جوتے خورے۔ زمانے بھر کے بے حیا۔ نا معقول۔

بونوں نے دور جا کر خوجی پر ڈھیلے پھینکے۔

خ : لو جانِ من اب تو تمھارے دیوانے پر کلوخ اندازی بھی ہونے لگی :

لاکھ ہو گردشِ ایّام یہ حاضر ہے مدام
انس رکھتی ہے نہایت شبِ ہجراں ہم سے

راوی : یہ شعر بھی کس درجہ حسبِ حال ہے۔ بالکل چسپاں۔

عورت تھوڑی دیر میں چل دی۔ خوجی بادلِ پُر درد اٹھے اور جہاں ٹکے تھے وہاں جا کر سوچنے لگے کہ یہ عورت بے طور ہم پر ریجھی ہے۔ خدا نے چاہا تو صبح شام ہی نکاح ہو جائے۔ انشاء اللہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھر میاں آزاد البتہ کہیں گے، کہ ہاں بھئی خوجی کارے کردۂ۔

لوگوں نے جا کر حضرت کانسل سے بھی جڑ دی کہ یہ میاں خوجی کوئی مسخرے ہیں۔ شہر میں جس طرف جاتے ہیں انگلیاں اٹھتی ہیں۔ آدمی کیا تماشا ہے۔ کانسل نے ان کو بلوایا۔

خو: سات بار سلام کر کے حاضر ہے۔ غلام۔

کانسل: اب کیا چاہتے ہو۔

خو: پیر و مرشد۔

باز ہوائی چمنم آرزوست

کانسل: ہندوستان جانے کا ارادہ ہے۔

خو: ہاں حضور:

حُبّ الوطن از ملکِ سلیماں خوشتر
خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر
یوسف کہ بمصر بادشاہی می کرد
می گفت گدا بودنِ کنعاں خوشتر

کانسل: اچھا ہم جلد بھیج دیں گے۔

خو: (سلام کر کے) و ع

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو

کانسل: اچھا رخصت۔

خو: آداب حضور:

دل ہمہ دیدہ شد و دیدہ ہمہ دل گردید
کہ مراد دل و دنیا ز تو حاصل گردید

شام کو خوجی سوچے کہ میں نے ہندوستان جانے کی درخواست کیوں کی۔ آزاد بے چارے کو اکیلا تنِ تنہا بہ یک بینی، و دو گوش چھوڑ دینا۔ وضع اہل آبرو کے خلاف ہے۔ گو آدمی لائق فائق اور فہمیدہ ہے۔ مگر کم سن اور ناآزمودہ کار ہے۔ سوچ کر ایک عرضی حضرت نے لکھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عرضی عریضہ خواجہ بدیع فدوی

ای قبای بادشاہی راست بر بلائی تو
مصرعۂ ثانی یاد نیست لہذا حذف شد والائی تو

شہریار و جہاں پناہ، مخدوم و مکرم، ذی جاہ کانسل صاحب بہادر
بعز عرض می رساند۔

واجب بود بعرض رسانید۔

ازانجاکہ دیروز ہمایون سوز، کہ آن مخدوم اعلیٰ بنا بر وجہت روندگی۔ غلام بدیع، از لسان مروت تبیان بفرمایند کہ شما چہ می خواہی، ومن یعنی غلام بدیع گفتم، کہ وطن را دیدار می خواہم، فرمودندی کہ شما از رفتن سامان نمودہ می دہم، ومن سلام کردم و باز گفتند کواد رخصت شو۔ ازیں جا آمد کہ بوقت شام میاں آزاد عالی مقام کہ آقائے ما ہست۔ یاد آمد۔ چون اوشان را بیک بینی و دو گوش کہ عبارت از پھیٹیل ست۔ گذاردن خلاف آبروی آبرو منشان است، باز چگونہ شود، کہ بگویم مرا بہندوستان رفتن خواہش ست۔ خواہش نیست۔ الٰہی آفتاب دولت درخشان ست۔ ازین سبب مسبب لازم آمد، کہ عرضی معروضہ عرض دہم، وگویم کہ مرا بہند نہ فرست، بہ روم فرست۔ چہ کہ آزاد ازین طور د ازان طرز ہر دو طور برہمین نسق گذاشتن مرد میدان را خلاف ست۔

من غلام بدیع از عرصۂ چند ماہ طوق ملازمت آزاد صاحب در گردن ہمچو قمری می نماید۔ ہمراہ شان ہ۔ جا رفتم۔ وانچہ او کرد، کردم۔ واو گفت گفتم۔ بر مکان بیگم بمبئی ہم گذشتم۔ و ماندم او این طور خودش ملاقان نمودم۔

واضح و مخفی مباد کہ آزاد صاحب بر حسن آرا بیگم عاشق شدہ اند و او ازین گفت ست کہ شما روم در رود۔ و دران روم جنگ نمودہ باروس بیا۔ و بزودی بیا کہ من ہم شما صلہ دہم و باتو نکاح خوانم من را از فرایض آمد کہ ہر گاہ خواہم داشت نزد او بروم لہٰذا التجا کردم کہ من را بہ نزد آزاد اندر روم یا ہر کجا نمودہ آید روم اجازت خواہند۔

الٰہی آفتاب دولت با ہزاران ہزار ذرہ بے مقدار درخشد۔

عرضے

فدوی عالی جاہ خواجہ بدیع شما
پشت پناہ از اسکندریہ شریف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ نادر خط شستہ ایرانی زبان میں لکھ کر میاں خوجی نے کانسل کے پاس بھیجا. خط پڑھ کر. ان کو یقین ہو گیا کہ یا تو سٹری ہے یا مسخرہ۔

کانسل : عرضی کون لایا ہے؟

خدمتگار : حضور یہ لایا ہے نوری۔

کانسل : تم لائے ہو؟

نوری : (نو) ہاں خداوند۔

کانسل : کس نے دیا؟

نو : وہی جو ماندے تھے۔ پستہ قد سے ہیں نہیں۔

کانسل : سلام دو اور کہو اچھا۔

نوری جھک کر آداب بجالایا، اور خوجی سے جا کر کہا (کہا ہے اچھا)

خو : اچھا اچھا کیا معنی؟

نو : اب یہ آپ جانیں۔

خو : پڑھا بھی تھا۔

نو : ہاں پڑھ لیا تھا۔

خو : واہ کہیں پڑھا نہ ہو۔

نو : جی پڑھ لیا تھا۔

خو : تو سمجھے نہ ہوں گے۔ ہرگز نہ سمجھے ہوں گے۔

نو : اب یہ میں نہیں جانتا۔ سمجھے یا نہیں سمجھے۔

خو : ہرگز نہیں سمجھے۔ سمجھتے تو ضرور انعام دیتے۔

نو : ہوگا بھی کچھ۔

تیسرے روز کانسل نے میاں خوجی کو طلب کیا، اور کہا آپ کیا چاہتے ہیں۔ خوجی جھک کر آداب بجالائے اور کہا خداوند بس اب حضور کی پرورش چاہتا ہوں۔

"کیا پرورش چاہتے ہو۔ کچھ معلوم تو ہو"

"وہی جو عرضی میں عرض کر چکا ہوں"

"عرضی تو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی"

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"ہاں دیکھا نہ۔ میں تو سمجھا ہی تھا کہ کسی کی سمجھ میں نہ آئے گی۔ (ہنس کر) واللہ واہ رے میں واہ رے ہم' جو کام کیا کمال کا درجہ حاصل کیے بغیر نہ چھوڑا۔ کشتی لڑے تو ایسی ہی۔ اس گراں ڈیل لڑ نتیے' تنگڑے جوان کو ہوٹل میں مارا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ دو پہلوانوں کو چٹکیوں میں لڑا دیا۔ افیم کھائی تو ایسی۔ صبح شام پینک ہی میں رہے۔ کچھ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں۔ جہاز کے ڈوبنے کا غم نہیں۔ افیم کی ڈبیا جانے کا خیال فوراً آیا۔ فارسی پڑھی تو ایسی۔ یہ خود قبول دیے کہ عرضی کا مطلب سمجھ میں نہ آیا۔ اور سمجھیں کیوں کر سمجھنا کیا ہنسی ٹھٹھا ہے۔"

"بولو اب کیا چاہتے ہو۔"

"وہی جو عرضی میں لکھا ہے۔ ہونہہ سمجھے کے نام یوں۔ ذرا عرضی کھولو پڑھو تو۔ نوری سے میں نے اسی دم کہا کہ سمجھے نہ ہوں گے۔ وہ گدھا کہے کہ واہ سمجھے ہوں گے۔ منشیوں کی تحریر منشی ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ایسے ویسے کیا سمجھیں ہائے نہ ہوئے آزاد' اس وقت واللہ وہی داد دیتے۔ بس ایک وہ منشی ہے۔ دوسرے خواجہ بدیع۔"

"آزاد کے پاس جانا چاہتے ہو۔"

"چاہتے وہی ہیں جو عرضی میں لکھا ہے۔ بس کہہ دیا۔"

"عرضی میں کیا اول جلول لکھا۔"

صائب دو چیز می شکند قدرِ شعرا
تحسینِ ناشناس و سکوتِ سخن شناس

"ہم کچھ نہیں سمجھتے کہ تم کیا بک رہے ہو۔"

"تم سے امید بھی نہیں کہ خواجہ بدیع کی بات سمجھ لو۔ ایک ایک فقرا ہر سہ دفتر ابوالفضل ہے۔"

ابھی تیغ زبان سے لوں میں کار ذوالفقار آتش
کوئی کافر جو ہو منکر مری معجز بیانی کا

"آزاد کے پاس جاؤ تو کل بھیج دیں۔"

"بس وہی خواہش ہے جو کچھ عرضی میں ظاہر کی واہ کیا کیا فقرے لکھے ہیں:

اے قبائے بادشاہی راست بر بالائے تو
دوسرا مصرع یاد نیست لہٰذا حذف شد والائے تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لطف سخن یہ ہے کہ چٹ قافیہ ملا دیا۔ واہ رے میں۔ خواجہ بدیع فرد ہے، فرد ثانی نہیں رکھتا اپنا۔ اور یہ لوگ بھلا کیا سمجھیں گے۔

راوی : من چہ می سرایم وطنبورۂ من چہ می سراید۔

کانسل : تم سڑی ہو بس چل دو۔ جاؤ یہاں سے۔

جس وقت ہندوستانی نے ان کو سمجھایا کہ کانسل خفا ہو گئے اور حکم دیتے ہیں کہ یہاں سے چلے جاؤ تم سڑی ہو تو خوجی کی آنکھیں خون کبوتر کی سی سرخ ہو گئیں۔ اور جھلا کر کہا کہ آفسوس کیسے ناقدر دانوں میں آن پھنسے۔ واہ واللہ وہ عرضی لکھی کہ پھڑک جاؤ۔ ابتدا اس شعر سے کی ہے سنیئے گا ذرا:

اے قبائے بادشاہی راست بر بالائے تو

دوسرا مصرعہ یاد نیست لہٰذا حذف شد والائے تو

کیوں سچ کہنا۔ نہ کہو گے واہ رے ہم۔ بالائے تو والائے تو واہ، وہ فقرہ ملایا ہے کہ سُبحان اللہ۔

ہندوستانی : (ہند) اے یہ تو سب ہوا ہی کرے گا۔ یہ تو بتاؤ کہ اب کانسل صاحب بہادر کو کیا جواب دو گے۔

خو : وہی جو عرضی میں لکھا ہے۔

ہند : واہی ہو۔

خو : او گیدی اتنی قرولیاں بھونکی ہوں گی۔

ہندوستانی سامنے سے ہٹ گیا۔ کانسل سے کہا خداوند یہ سڑی ہے پکا سودائی۔ اس کو یہاں سے ہٹائیے۔ خوجی سمجھے کہ ہم نے جو یہاں کئی کشتیاں نکالیں تو ہوا بندھ گئی لوگ اب ہم سے ڈرنے لگے۔ خیر دیکھو آزاد سے کہوں گا کہ وہ عرضی لکھی کہ کوئی سمجھ نہ سکا۔ اور وہ شعر تو سُن کر آزاد پھڑک جائیں گے۔

الغرض کانسل نے دو آدمی مقرر کیے کہ جو جہاز اسکندریہ سے قسطنطنیہ جائے اس پر اس کو سوار کرا دو اور چھ مہینے کے کھانے کے لیے دے دو نقد، اور کپڑا۔

خو : کیا کہتے کیا ہیں یہ۔

ہند : دو آدمی انھوں نے مقرر کیے ہیں۔ کہ آپ کو آزاد کے پاس پہنچ دیں۔

خو : بہت اچھی بات ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہند : اب آپ وہیں جائیے جہاں آپ ٹکے ہیں۔

خو : اچھا سلام کرلوں۔

کانسل کے قریب جاکر کہا حضور آداب عرض ہے۔ جلا لیا۔ مگر کچھ دن ہم سے پڑھ لو تو فارسی لکھنا آجائے۔ داشتہ آید بکار۔ اگرچہ بود سرمار' افسوس ہے کہ ایسے نیک آدمی اور فارسی ذرا نہ سمجھ سکیں۔ ہائے افسوس وائے افسوس۔ پیر شو بیاموز۔

ہند : چلو اب بکو نہ بہت بے ہودہ آدمی

خو : کیا۔

ہند : بھائی صاحب ہمارے وطن کے ہو۔ لڑو نہ ہم سے۔

خو : اچھّا اچھّا۔ یار ہم کمیدانی کر چکے ہیں نہ۔ فوج میں رہ چکے ہیں۔ وہ سپہ گری کی بو نہیں جاتی۔ مجبور ہیں۔

ہند : بجا ارشاد ہوا۔

خو : اچھا حضور رخصت ہوتا ہوں۔

کانسل : جاؤ پرسوں جہاز جائے گا۔

مال مست

شہسوار تنگ ظرف نکلے۔ روپیہ کیا پایا کہ عقل ہی کھو بیٹھے۔ فاقہ مست سے' مال مست ہو گئے۔ اب تک تو جوگن کی خوشامد کرتے تھے۔ دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ تعمیل ارشاد کو فخر سمجھتے تھے۔ ہر بات میں خیال رہتا تھا' کہ جوگن چین بہ جبیں نہ ہونے پائے۔ کوئی امر اس کے دلِ نازک پر گراں نہ گزرے۔ جوگن کے ہاں ڈہئی دیے بیٹھے تھے' کہ کبھی نہ کبھی تو دل پسیجے گا۔ عورت ہے۔ معشوق مزاج' اور زود رنج ایسا نہ ہو ذرا سی بات پر تیکھی ہو جائے۔ معشوقوں کے مزاج کا آج تک تھل بیڑا ہی نہیں لگا۔ زمانے کی طرح کروڑوں رنگ بدلیں۔ اب زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے۔ چلتے بھی ہیں تو کندے تول کر۔ جوگن ان کی بات چیت گفت گو' بول چال' میل جول' ربط ضبط' سے بھانپ گئی کہ روپے نے ان کو مغرور کر دیا۔ اب یہ وہ شہسوار نہیں ہیں۔ جو ہاتھ جوڑ کر باتیں کرتے تھے۔ اور ہمارے عشق کا دم بھرتے تھے۔ بھلا ایسے تنگ ظرف کو میں دل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دیتی! کیا مجال۔ میں تو اس کی چتون ہی سے تاڑ گئی تھی کہ کھوٹا آدمی ہے۔ عاشقِ زار کی کہیں صورت چھپی رہتی ہے۔ ممکن نہیں۔ سیکڑوں ہزاروں میں کھوٹا کھرا پہچان لیں۔ یہ تارک الدنیا ہوتے تھے۔ شانِ خدا جوگن کو ان سے دلی نفرت ہوگئی۔ صورت دیکھنے کی روادار نہ تھی۔

اپنے دل میں ایک دن سوچی کہ جس کے لیے جوگن ہوئی، وہ جو کہیں اس غیر مرد کو یہاں دیکھ لے، تو بدظن ہو جائے۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ دل پر الگ تھلگ بستر جماؤں۔ یہاں سے بوریا بستر بچھاؤں۔ جوگن کی پھلواری میں صبح کے وقت ایک عورت آیا کرتی، اور پھول توڑ کر لے جایا کرتی تھی۔ جوگن نے اس کو ہمراز بنایا۔ ہمدم و ہمساز بنایا۔ کہا چمپا ہمیں صلاح دو کہ یہاں سے کہاں اٹھ چلیں۔ یہ مرد ہمیں مجبور کرتا ہے کہ میرے ساتھ نکاح پڑھوا لو۔ اور ہم دنیا کے کل عیش سے سیر ہو گئے ہیں۔ ہمیں بس اب خواہش ہے تو یہ کہ ایک گوشۂ عافیت میں بیٹھ کر یادِ خدا کریں۔ یہاں سے اٹھ چلنے کی کوئی تدبیر بتاؤ۔

چمپا نے کہا سوچ لوں تو جواب دوں۔ جلدی نہ کیجیے۔ خوب غور کر لیجیے۔

جو: اچھّا۔ مگر ایک ایک دن ایک ایک برس ہے۔

چمپا: ہوا ہی چاہے۔ لیکن ذرا تامّل کیجیے۔ "آدمی مالدار ہے۔ اور شریف زادہ، اور قبول صورت۔" اور ابھی اٹھتی جوانی ہے۔

جو: پھر اس سے مطلب۔

چمپا: مطلب یہ کہ شادی کرنے کا شرع میں حکم ہے۔ گناہ نہیں۔ عیب نہیں۔ پھر اگر نکاح ہو تو ہرج کیا ہے۔ آیندہ اپنی اپنی رائے۔

جو: میرا تو دل اس شخص سے پھر گیا۔

چمپا: تو ہرگز شادی نہ کیجیے۔ شادی تو دل کا سودا ہے۔ بے سمجھے کسی کو دل کیوں دیجیے۔

جو: ہاں اور کیا۔ یہ اگر کروڑپتی بھی ہو تو رُخ نہ کروں۔

چمپا: تو پھر صاف صاف کہہ دو کہ یہاں تم نہ رہو میں تنہا ہی رہنا چاہتی ہوں۔

جوگن سوچی کہ اگر ٹکا سا جواب دیتی ہوں تو سمجھے گا کہ دس ہزار کا غپا دیا۔ جوہری بچے سے دس ہزار روپیہ لیا۔ اور ہمیں دھتا بتایا۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ جب روپیہ آجائے تب اس سے صاف صاف کہہ دوں اور اکیلی رہنے لگوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چمپا: آپ خوب غور کر لیں۔

جو: چمپا تم اتنی عمر تک کیا کیا کیں۔

چمپا: میں ایک رئیس زادی کے پاس نوکر تھی۔

جو: کبھی کبھی دن کے وقت آیا کرو۔ ذرا دو گھڑی دل ہی بہلے گا۔

چمپا: آپ کے پاس اور آنے میں انکار۔ یہ میری طاقت نہیں، آپ کے پاس تو منزلوں سے ٹھاکر، اور راجہ بابو اور جوہری اور امیر کبیر دوڑ دوڑ کر آتے ہیں۔ میں بھلا کس میں ہوں۔ جب کہیے تو سر کے بل، آنکھوں کے بل حاضر ہوں۔

جو: اللہ نے میرے اور تمھارے کھانے اور پینے بھر کے لیے بہت کچھ دیا ہے۔ دنیا میں کسی سے مجھے واسطہ ہی نہیں۔

هر کس که بد هر نیم نانے دارد
وز بہر نشست آشیانے دارد
نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے
گو شاد بزی که خوش جہانے دارد

چمپا: جی ہاں اس میں کیا شک ہے۔ آپ اور دس کو دے کے کھا سکتی ہیں۔

جو: میں اس شخص کو اچھا نہیں سمجھتی۔ مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ اس قدر تنک ظرف ہے۔ دولت ملتے ہی اُبل پڑا۔ اب زمین پر قدم ہی نہیں رکھتا۔

گر بدولت برسد مست نہ گردی مردی

چمپا: یہ بڑے عالی ظرفوں کا کام ہے۔ ہر کوئی تھوڑا ہی ایسا ہو سکتا ہے۔

جو: مگر ایسے تنک ظرف بھی کم ہوں گے۔ خیر چاہے جو کچھ ہو۔ ہم چند روز میں اس سے علیحدہ رہیں گے۔ اب اس کی صورت سے نفرت ہو گئی۔ جی نہیں چاہتا کہ قریب جا کر بیٹھوں۔ یا بات کروں۔ توبہ۔ توبہ۔ مال پاتے ہی توتے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ گویا کبھی کی جان پہچان ہی نہ تھی کل قدموں پر گرتا تھا۔ غلاموں کی طرح حکم بجالاتا تھا۔ اب وہ بات ہی نہیں۔ گرگٹ کے طور پر رنگ بدلا۔ بھلے کو ہم نے دل نہ دیا تھا، نہیں تو بڑی بیڈھب ہوتی، اور دل دیتی ہی کیوں۔ یہ دل تو چوٹ کھایا ہوا ہے:

دارم دلے اما چہ دل صد گونہ حرماں در بغل   چشمے و خوں در آستیں اشکے و طوفاں در بغل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں حضرت شہسوار آئے۔ ہوا کے گھوڑوں پر سوار۔ جوگن سے پوچھا کیوں بھلا اس جوہری کے پاس اس قدر روپیہ ہوگا۔ ہم تو جانتے ہیں ہم سے زیادہ نہ ہوگا۔ بس اس وقت ہم بھی لاکھ کے پیٹے میں ہیں، اور لاکھ روپیہ جس کے پاس ہوتا ہے اس کو لوگ تین چار لاکھ کا آنکتے ہیں۔ یہ تو بنی بنائی بات ہے۔ گھوڑا تو وہ موجود ہی ہے۔ دو گھوڑے اور لیں گے۔ ایک ران سواری کا ہو۔ کاٹھی کسی اور دو کوس کا سپاٹا مارا۔ مگر ہم یہ مہاجنی کارخانہ نہ رکھیں گے، کہ چار جامہ اور زین پوش، اور الّم اور غلّم واہیات۔ بس انگریزی کاٹھی، اور ایک جوڑی فٹن کے لیے۔ یکرنگ شام کو ہوا کھانے نکلے۔ جو دیکھے کہے رئیس جاتا ہے، اور رئیس کے کیا دو سینگ ہوتے ہیں سر پر۔ رئیس وہ جو زردار ہو۔ اور زر کی یہاں کمی نہیں ہے۔ دس ہزار کی ایک اونی سی رقم مہاجن کے ہاں رکھی ہے۔ ایک کوٹھی بنوائیں گے۔ ایک باغ بھی خریدیں گے۔ گاؤں بھی دس بارہ لیں گے۔ کوئی تعلقہ دار اپنا تعلقہ بیچے تو کھڑے کھڑے خریدلوں گا۔ جوگن نے ان کی باتیں سنیں تو کمالِ افسوس کیا۔ دل ہی دل میں سوچی (اچھا بچھا کیا سے کیا ہوگیا) روپے نے اس کو دیوانہ کردیا۔ تعلقہ خریدیں گے۔ واہ ری عقل پچیس تیس ہزار تو میاں کے پلّے ہے۔ اس میں خریدنے چلے ہیں تعلقہ۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

عقل کا دشمن لالہ ہیرا مل سے مقابلہ کرتا ہے۔ جس کے ہاں جواہرات کی سوداگری کے علاوہ مہاجنی کا بھی لاکھوں روپیہ آتا ہے۔

شہ: آج کھانا کیا پکّا ہے۔

جو: بیسنی روغنی روٹی۔

شہ: یہ تو رئیسوں کا کھانا نہیں۔

جو: رئیس کون ہے۔

شہ: ہم تم دونوں۔ اب بھی ریاست میں منت ہے۔ ہم رئیس ہمارا باپ رئیس ہمارا دادا رئیس؛ اتنا روپیہ پاس ہو کر بھی رئیس نہ بنیں تو لعنتِ خدا ہم پر۔ کیا تم ہم کو رئیس نہیں سمجھتیں واہ کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا۔ اب ہم پرسوں تک کوئی چالیس پچاس آدمی نوکر رکھ لیں گے چلو بس رئیس ابن رئیس ہو گئے۔ اہاہا خوب یاد آیا ایک ہاتھی ضرور خریدیں گے۔

جو: ہاں بس اسی کی کسر تھی۔ ایک ہاتھی کی اشد ضرورت ہے دو تین اونٹ بھی ضرور ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور دو چار گدھے۔ دیکھ دیکھ کر خوش ہونا کہ گدھے بھی ہمارے ہاں ہیں۔

شہ : اچھا۔ مگر گدھے تو رئیسوں کے ہاں دیکھے نہیں۔

جو : نئی بات سہی۔

شہ : ہاں اچھا خوب سوجھی۔ یہ خوب سوجھی۔

جو : پھر یہ سب کب خریدو گے۔

شہ : اوہ جی جب چاہیں۔ روپے کا سارا کھیل ہے اور اس کی خدا کے فضل سے یہاں کمی نہیں جو چاہیں خرید لیں۔ مگر اب ہم کو یہ فکر پیدا ہوئی کہ اس جوہری بچے کے پاس روپیہ زیادہ ہے یا ہمارے پاس اس کا حال نہیں کھلتا۔ بڑی تشویش ہے مگر دل نہیں گواہی دیتا کہ وہ ہم سے بڑھ کر ہو۔ تیس چالیس ہزار روپیہ بہت ہوتا ہے کچھ ٹھکانا ہے۔ انسان گنے تو برسوں میں گنتی ختم ہو۔

جوگن نے کہا برسوں میں بھی گنتی ختم نہ ہو۔ دو تین آدمی تو اتنے عرصے میں مر جائیں۔ دو تین ماندے ہو جائیں۔ دو چار کی آنکھیں پھوٹیں۔ تیس چالیس ہزار کا گننا کچھ ہنسی ٹھٹھا ہے۔ شہسوار بہت ہی خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پوچھا کیوں بھلا قارون کے پاس کس قدر روپیہ تھا۔ اس کا نام تو آج تک مشہور ہے :

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت
نوشیروان نمرد کہ نام نکو گذاشت

خانہ فارسی میں ہزار کو کہتے ہوں گے یہی چالیس ہزار قارون کے پاس بھی تھے۔ بس اور کیا۔ اس سے زیادہ کسی کے پاس کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ سبحان اللہ اور تو اور ہزار کی فارسی اچھی خانہ خراب ٹھہرائی۔ روپیہ ملتے ہی محاورات فرس کے موجد بن بیٹھے۔ اگر ایسے ہی ایسے خیالات جمنے لگے۔ تو پاگل خانہ ضرور دیکھیں گے۔

جو : کھانا تو کھاؤ۔

شہ : اوہ جی کھا لیں گے۔

جو : پھر کب؟

شہ : خدمت گار کہاں ہے؟

جو : خدا جانے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شہ : باورچی کدھر چلے گئے ؟
جو : بلالو۔
شہ : ہم پکاریں۔ خدّام پکاریں گے۔ کوئی ہے ارے کوئی ہے۔ یا سب مر گئے۔
جو : اللہ فضل کرے اپنا۔
شہ : ارے فضل۔ او فضل۔ ابے آتا نہیں۔
جو : کہاں ہو کہاں اس وقت۔
شہ : ابّا جان کے محل معلیٰ ہیں۔
جو : اور ابّا جان کہاں ہیں۔
شہ : ان کا مقبرہ وہ سامنے نظر آتا ہے۔
جو : چلو کھانا کھالو۔
شہ : ہاتھی لاؤ دروازے پر، اور پچاس خاص بردار اور پچیس سوار۔
جو : وہ سب حاضر ہوں گے ذری دو نوالے تو کھالو۔
شہ : ہم نے سنا ہے کہ دستر خوان پر جو بچتا ہے اس کو نوکر چاکر بیچ لیتے ہیں۔ بڑے شریر ہیں۔ اب ایسا ہم نہ سنیں۔
جو : یا میرے اللہ۔ ایسا روپیہ بھی کسی کو نہ دے۔
شہ : ارے افضل۔ او فضل۔ تفضل۔ سب مر گئے۔ اک سرے سے۔

جوگن نے جو یہ بہکی بہکی تقریر سنی، تو بدن کا رونگٹا رونگٹا کھڑا ہو گیا۔ کانپنے لگی۔ شہسوار کی صورت دیکھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جنون کی کیفیت ایک ہی ساعت تک رہی کہ شہسوار بے اختیار رونے لگے۔ جب خوب رو چکے، تو جوگن سے کہا اُف اس وقت معلوم ہوتا ہے جیسے کئی من بوجھ کسی نے لاد دیا۔ کھانا کیا پکّا ہے۔ جوگن نے کہا بیسنی روغنی روٹی۔ شہسوار خوش ہو کر بولے لاؤ لاؤ جلدی لاؤ بڑی بھوک لگی ہے جوگن کو ذرا ڈھارس ہوئی۔ کہ اب ذرا آدمی کی سی تقریر کرنے لگے۔ فوراً کھانا لے آئی۔ شہسوار نے کھانا کھا کر کہا قلب پر بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔ جوگن نے کہا بے وقت کھانا کھایا ہے بوجھ تو معلوم ہی ہوا چاہیے۔ اب تھوڑی دیر چہل قدمی کر کے لیٹے رہو۔ شہسوار لیٹ رہے۔

اتنے میں ایک آدمی نے پکارا کوئی ہے۔ جوگن نے پوچھا کون ؟ کہا لالہ ہیرا مل نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھیجا ہے۔

جو : کیوں؟

آدمی : دس ہزار روپیہ بھیجا ہے۔

جو : لاؤ۔

آدمی : گن لیجیے۔ زمانہ نازک ہے۔

جو : ٹھہرو۔ دیکھوں (گن کر) دس توڑے ہیں جاؤ پائے۔ کہو تو رسید لکھوا دوں۔

آدمی : ہم سے کہہ دیا ہے کہ تم جا کے دے آؤ اور رسید دیں تو نہ لینا۔

جو : اچھّا جاؤ۔

آدمی : پوچھا ہے کہ آج کسی وقت آؤں تو ملیے گا۔

جو : آج نہیں کل سویرے آئیں۔ اس وقت کام ہے۔ اور شام کو بھی ملاقات نہ ہوگی کل صبح کو آئیں نو بجے تک۔

آدمی رخصت ہوا۔ جوگن سوچی کہ اگر شہسوار کو روپیہ دکھاتی ہوں، تو خوف ہے کہ مبادا اس کا جنون اور بھی ترقی کرے۔ روپیہ دیکھ کر پھر بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ اور نہ دکھاؤں تو لالہ ہیرال سے بدظن ہو جائے گا۔ اور جو معلوم ہو گیا کہ وہ کوڑی کوڑی ادا کر چکے تو مجھے لالچی سمجھے گا۔ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہیں پڑتی، بڑی دیر تک سوچی کہ کیا کروں۔ دکھاؤں یا نہ دکھاؤں۔ آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ اگر اب بھلے چنگے آدمیوں کی سی باتیں کیں، تو روپیہ حوالے کروں گی۔ ورنہ کچھ کہوں گی نہیں۔ جو اٹھتے کے ساتھی افضل اور فضل اور تفضل کو پکارا اور ہاتھی دروازے پر لانے کا حکم دیا تو بس سمجھ جاؤں گی کہ اب دیوانہ ہونے میں شک نہیں۔

شہسوار دو گھنٹے تک سویا کیے۔ دو گھنٹے کے بعد اٹھے تو جوگن نے کہا منھ دھو ڈالو۔ خوف تھا کہ کہیں خدمت گاروں کو نہ حکم دیں کہ پانی لاؤ۔ مگر شہسوار نے خود اٹھ کر منھ دھویا اور کہا اب ذرا ذرا آرام ہے۔

جو : کچھ یاد بھی ہے۔

شہ : ہاں۔

جو : کیا یاد ہے۔

شہ : یاد ہے کہ کچھ بک رہا تھا ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ کیا بکتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو : خدانہ کرے اب اس قسم کی باتیں کرو۔ ہے ہے۔ میرا تو کلیجہ دھڑ دھڑ کرتا تھا۔
شہ : اتفاق۔ اتفاق۔ خدا جانے اس وقت جنون کی حالت میں کیا کیا بک گیا۔

ان کی کشتی جمعیت دو آبہ امید و بیم میں تھی۔ کبھی خیال آتا تھا کہ اب ہم جوگن کی نظروں سے گر جائیں گے۔ کبھی سوچتے تھے کہ زرِ خطیر اس کو راہ راست پر لائے گا۔ ع

بیدل نیم ہنوز بہ بینم چہ می شود

دیکھیے انجام کیا ہوتا ہے۔ یا تو یہ دولت ہمیں شاہدِ آرزو سے ہمکنار کرے گی، یا مصیبت سے دوچار کرے گی۔ بہرکیف۔

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

گاہی خود را بہ اوج چون مہ دیدی۔ گشتی دل شاد

گہ چون یوسف فتادہ در چہ دیدی۔ کردی فریاد

میدار اندت چنانکہ می خواہندت۔ پس سعی مکن

کارے تو۔ بجہد نیست صدرہ دیدی۔ می باش آزاد

دفعتاً جنون نے پھر جوش کیا، اور شہسوار ازبس بے قرار ہوگئے، اور یوں آپ ہی آپ بکنے لگے۔

زر زر۔ روپیہ روپیہ۔ عجب چیز ہے عجب چیز ہے۔ بے زر کچھ بھی نہیں۔
زردار تو سب اٹھتے ہیں، بے زر کا خدا حافظ و ناصر

مگر

مغرور مشو بہ مال چون بیخبران

مال پر مغرور ہونا فضول ہے، آج ہمارا ہے، کل دوسرے کا۔ پرسوں تیسرے کا۔ اس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر۔ چوطرفہ پھرا کرتا ہے۔

یا خدا جوگن کی نظروں سے ہم نہ گر جائیں۔ مراد دلی پائیں۔ صندلی دوپٹے کی بنا پر دل لوٹ ہے۔ کلیجے پر چوٹ ہے۔ ہائے کیا کروں کیوں کر اس پری وش کو سمجھاؤں:

دل میرود زدستم صاحبدلان خدا را
دردا کہ رازِ پنہان خواہد شد آشکارا

جوگن نے جو یہ تقریر سنی تو نہایت ہی بے چین ہوئی۔ سمجھی کہ اب سنبھلنا محال ہے۔ روپے نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ان کو دیوانہ بنا دیا۔ بے تکی، بے پرکی، اڑا رہے ہیں۔ کبھی شعر کبھی کچھ۔ کیا جانے یہ کیا ہو گیا۔ بس ہوا کیا، یہی کہ اس قدر جو روپیہ پایا تو تنک ظرفی نے مجنون کر دیا۔ اب دو دن میں تنکے چننے لگیں گے۔ افسوس صد افسوس! شہسوار نے آپ ہی آپ کہا کہو یار چے اب تو گھرے ہیں۔ پو بارہ۔ واہ رے ہیں۔ اور اللہ رے ہم۔ اور اف رے تو۔ ہم بھی اب رئیس زادے اور رئیس ابن رئیس ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی ہزاروں خاص بردار دوڑتے ہوں گے۔

شہ : کہو اب ہمارے ساتھ نکاح کرو گی۔

جو : پھر کہوں گی۔

شہ : قسمت کی دھنی نہیں ہو۔

جو : ہاں ہے تو ایسا ہی۔

شہ : ہم سے نکاح ہو، تو تمھاری قسمت کھل جائے۔

جو : اس میں کیا فرق ہے۔

شہ : اگر ہماری بیوی بنو تو بڑی خوش نصیب ہو۔

جو : یہ کیا بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ اے واہ۔ ہوش کی دوا کر مردوے۔

شہ : نہیں خدا جانتا ہے، وہ کیفیت نہیں ہے جو پہلے تھی۔

جو : ہاں خیر شکر ہے۔ ذرا سنبھلو۔ آگ لگے اس روپیے کو۔

شہ : ہائے ہائے اس تیکھی چتون، اور بانکی ادا سے کہا ہے، کہ قتل ہو گیا۔

جو : یہ باتیں اس وقت ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔

شہ : ہم تو مگر ویسے ہی خادم ہیں۔

شہسوار نے دولت کے نشے میں ایک مرتبہ للکار کر کہا: جوگن! نہ مانو گی ہم ایسی بات تو کہتے نہیں، جو شرع کے خلاف ہو نکاح میں ہرج ہی کیا ہے۔ اور ہم لکھے دیتے ہیں کہ مہر پچاس لاکھ روپیہ۔ جوگن نے ہنس کر جواب دیا ہم لکھے دیتے ہیں کہ ہم نے چین کی سلطنت آپ کے حوالے کر دی۔ جائیے حکومتیں کیجیے۔

شہسوار نے خفا ہو کر پوچھا، تو کیا پچاس لاکھ روپے کی ہماری حیثیت نہیں ہے۔

جو : آپ کی حیثیت پچاس کرور کی سہی، مگر میری مرضی میری رائے۔

شہ : اچھا خیر۔ اب نہ کہیں گے۔ مگر مصیبت میں گرفتار ضرور ہو گی یاد رکھنا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوگن کا رنگ فق ہوگیا۔ سمجھ گئی کہ یہ تباہی کے باعث ہوں گے۔ اپنے آپے میں تو رہے ہی نہیں ہیں۔ خدا جانے کیا کر گذریں۔ دنیا سے الگ تھلگ یہاں بستر جمایا تھا مگر چین نہ آیا۔ نہ آیا۔ یہاں بھی شومی طالع نے ایک نیا گل کھلایا:

مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پاؤں

سنا میاں۔ بس اب بہت چل نہ نکلو۔ ہاں ذری بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بنائیے۔ آفت پڑے ایسے روپے پر، کہ دولت کیا پائی کہ سودائی بن گئے ایسا بھی کم ظرف نہیں دیکھا، واہ اور سنو تم چاہے جس کو بیاہو طعنے کسے دیتے ہو۔ کسی کو وہ مقرر کیا ہے۔ اب خیر اسی میں ہے کہ یہاں سے بوریا بدھنا اٹھاؤ۔ ہمیں آپ کی دولت کی ذرا پروا نہیں۔ بہت اترانے لگے تم۔ اب میں آپ کے ٹھہرنے کی روادار نہیں۔ بس ابھی ابھی بستر اٹھاؤ۔ نہیں میں سب پھینک پھانک دوں گی۔ موا دوانہ (دیوانہ) چل دفاں ہو یہاں سے۔ سنتے ہو کہ نہیں؟ اب ہم تمھارے یہاں بیٹھنے کے روادار نہیں۔ ذرا تو روا نہ رکھیں گے۔ ایسا بھی کوئی مال پا کے اترا نہیں جاتا۔ موا کوئی بھڑ بھونجا سا معلوم ہوتا ہے۔ بس اسی کائنات پر ناز۔ اللہ کی شان ہے کبھی بارا ج روپیہ کا ہے کو دیکھا تھا۔

تھوڑے عرصے کے بعد چمپا آئی۔ دیکھا کہ جوگن ناک بھوں چڑھائے بیٹھی ہیں۔ چہرہ مارے غصّے کے سرخ۔ آنکھیں لال لال۔ چمپانے کہا بندگی۔ جوگن نے اشارے سے جواب دیا۔

"کیوں آج حضور کی طبیعت کیسی ہے۔ بشرے سے ملال پایا جاتا ہے۔"

"ہاں۔ ملال کی تو بات ہی ہے۔ خوشی کہاں سے ظاہر ہو۔ افسوس۔"

"کیوں آخر ہوا کیا۔ کیا اور بھی بڑھ گئے۔ معلوم ہوتا ہے بڑھ ہی گئے۔"

"بڑھ گئے کیا معنی۔ اے یوں کہو دوانے ہو گئے۔ اب تو سودائی ہے وہ۔"

"ہاں یہ کہیے تو بس اب گئے گزرے کیا کہا کیا بتاؤ تو۔"

"کہا کیا۔ سنو۔ دن بھر تو بکے گئے واہی تباہی۔ کبھی کہا لاؤ میرا ہاتھی۔ لاؤ میرا گھوڑا۔ اسپنس نکالو۔ افضل تفضل فضل خدمت گاروں کو بلالو۔ ارے مر گئے سب کے سب۔ ابھی ہم سے پوچھا کہ یہ لوگ ہمارے دستر خوان کے بچے بچائے کھانے کو بیچ لیا کرتے ہیں نہ۔ پھر پوچھا میرے پاس دولت زیادہ ہے یا لالہ ہیرا لال جوہری کے پاس۔ تم دونوں میں کس کو امیر سمجھتی ہو۔ میں سنتے سنتے دوانی ہو گئی مگر چپ چاپ سنتی گئی۔ کرتی کیا۔ ناک میں دم آ گیا۔ میں نے کہا چلو کھانا تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کھالو۔ پوچھا کیا پکّا ہے۔ میں نے کہا روغنی بیسنی۔ بس بگڑ کھڑے ہوئے کیوں یہ کیوں پکّا۔ ہم نے کسی رئیس کے ہاں بیسنی روٹی نہیں کھائی۔ پلاؤ کیوں نہ پکّا۔ کلیجہ پک گیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو کھانا کھایا، اور کہا اب ذری آرام ہے۔ بس سو کر اٹھے تو پھر وہی کیفیت۔ سیکڑوں ہی شعر پڑھ ڈالے خوب روئے ایک دفعہ میں نے منع نہیں کیا۔ میں سوچی کہ خوب رونے دو۔ ذرا گرمی تو کم ہو۔

پھر تب سے کیسے ہیں؟ اب تو اچھے ہیں۔ یا اب بھی کچھ کسر ہے۔"

"کسر! اور سنو۔ ساری رام کہانی سن چکیں۔ پوچھتی ہیں کیا اب بھی کسر ہے۔ اب کسر بس یہ ہے کہ ہاتھ ابھی تک نہیں اٹھا۔"

"بس اتنی سی کسر باقی ہے۔ اور کچھ نہیں۔"

"نہیں تو اگر یہی حال ہے نہ تو ہاتھ بھی اٹھے گا ایک روز۔ روپیہ بھی عجیب چیز ہے۔

" اے آگ لگے ایسی دولت کو جو بیٹھے بٹھائے آدمی کو اونٹ بنا دے توبہ۔"

" جی ہاں پھر یہ تو ہئی ہے۔ اس میں شبہ کیا ہے۔ ابھی کل تک اچھے تھے۔"

" بس دولت نے بلٹا دیا۔"

شہسوار نے اتنے میں ہانک لگائی:

سیہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے
جہاں میں جو کوئی فتح وظفر کا طالب ہے
ہوا نہ غلبہ میسّر کبھی کسی سے مجھے
کہ جو شریک ہے میرا شریکِ غالب ہے

چمپا نے کہا۔ اللہ جانتا ہے آواز تک ڈراؤنی ہے۔ اُف۔ توبہ۔ توبہ

شہسوار نے جوگن کی نام میں دم کر دیا۔ بے چاری اس درجہ پریشان ہوئی، کہ جی چاہا کہیں بھاگ جائے۔ شہسوار کو کئی بار سمجھایا، کہ تم اگر مجھے دق کروگے، تو میں تمھاری صورت نہ دیکھوں گی مگر شہسوار کو دولت نے سڑی بنا دیا تھا، وہ اپنی ناپسندیدہ حرکتوں سے باز نہ آیا۔

شہ: تم ہو کیا بے چاری۔ تم ہو ہی کیا۔ ہمارے پاس اب وہ شے ہے جس کو فولاد پر رکھ دیں تو موم کی طرح پگھل جائے۔ پھر ہمیں کیا خوف ہے۔ جب زردار نہ تھے تو تمھاری خوشامد کرتے تھے۔ اب ہماری خوشامد کیوں نہ کرو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رات کے وقت چمپا سے جوگن نے صلاح کی، کہ اب میں کیا کروں۔ چمپا نے کہا کیا بتاؤں بیوی۔ کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہیں پڑتا۔ اب یہ تو دیوانوں میں ہیں۔ چار روز میں تنکے چننے لگیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ کسی نہ کسی تدبیر سے یہ نکال دیے جائیں۔ مگر چھٹکارا محال ہے۔ جوگن نے کہا ہم بتائیں۔ یہاں ایک آدمی رہتا ہے۔ حسّو۔ وہ موم کے کھلونے خوب بناتا ہے، اور موم کے آدمی ایسے بناتا ہے کہ آدمی بس سچ مچ کا ہی معلوم ہو۔ اور موم کے ہاتھی، موم کے گھوڑے، موم کے لنگور، اس کے ہاتھ کے بنے ہوئے میں نے دیکھے، تو عش عش کرنے لگی۔

چمپا: ہاں میں نے بھی دیکھے تھے۔

جو: پھر اس کو بلا لاؤ۔

چمپا: یہ کون وہ کیا کریں گے۔؟

جو: ان سے ہم کچھ کہیں گے۔

خیر حسّو نے آن کر کہا کہ جو کھلونا کہیے فوراً بنا لاؤں مجال کیا کہ کوئی پسند نہ کرے۔ جوگن نے کان میں کچھ کہا اور حسّو دس دن کی مہلت لے کر رخصت ہوا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیرِ فرتوت

دو بوڑھوں کی ملاقات اور گفتگو کا حال ناظرین کو یاد ہوگا۔ دو دن تک برابر شبراتی کو لے کر بڑے میاں سرا گئے، مگر بوڑھے سے ملاقات نہ ہوئی۔ ان دونوں بوڑھوں میں سرا والے بوڑھے کو ہم پیرِ فرتوت؛ اور دوسرے کو پیرِ مرد۔ تاکہ دھوکا نہ ہونے پائے۔ تیسرے روز شبراتی اور پیر مرد سویرے ہی سے سرا میں جا ڈٹے۔ پیرِ فرتوت اور پیر مرد سے ملاقات ہوئی، تو دونوں ازبس محفوظ و مسرور ہوئے۔ پیرِ فرتوت بڑے تپاک کے ساتھ آئے۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ حقہ بھروایا۔ گلوریاں بنوائیں اور باتیں کرنے لگے۔

میاں شبراتی نے دیکھا کہ یہ دونوں تو باتوں میں مصروف ہیں، اور ہم بالکل بے شغل بیٹھے ہیں۔ یہ کچھ بات ہے ہم کو بھی کوئی شغل چاہیے: آتش بازی کے چھچھوندر لے کر ایک کتے کی دم میں باندھی، مگر بھٹیاری نے دیکھ لیا، اور لگی غل مچانے اللہ سمجھے اس موئے عیبی سے۔ جب سرا میں آتا ہے کوئی نہ کوئی شرارت ضرور کرتا ہے، اور لو آج کتے کی دم میں چھچھوندر باندھ دی۔ اے واہ۔ چل دور ہو یہاں سے۔ بھٹیاری نے چھچھوندر کھول کر زمین پر پٹک دی۔ تو شبراتی بہت ہی جھلائے ایں۔ واہ ہے، واہ ہے۔ دو پیسے بھروں گا۔ ابھی ابھی ہو نہ ہو۔ کیا چٹ سے پھینک دی۔ گویا ان کے باپ کا مال ہے۔ اتنا سننا تھا کہ بھٹیاری آگ ہو گئی۔ جھلا کر شبراتی کو لاکھوں بے نقط سنائیں دونوں بوڑھوں نے سمجھایا، کہ بس اب جانے بھی دو۔ تم ہی غم کھاؤ، مگر وہ کس کی سننے والی تھی بھلا۔ اتنے میں حوالی موالی سب ارد گرد جمع ہو گئے۔ کیا ہے بی بھٹیاری کیا ہے؟

بھٹ : اے ہے کیا میاں۔ کیا بتاؤں کیا ہے۔ یہ موا لونڈا کتے کی دم میں چھچھوندر باندھ گیا یہ تو آگ لگا دیتا جو میں دیکھ نہ لیتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک ہمنوڑنے میاں شبراتی کی کھوپڑی پر آہستہ سے چپت لگائی، تو شبراتی مسکرا کر بولے۔ واہ بڑے بھائی رنجک چاٹ گئی۔ اک ذری زور سے چپت لگاؤ۔ لوگوں نے قہقہہ لگایا شبراتی بھی مسکرائے۔ بھٹیاری نے کہا بڑا عیبی ہے۔ اتنا سا لونڈا مگر جتنا اوپر ہے، اتنا ہی زمین کے نیچے ہے۔

پیر فرتوت : ہاں جناب فرمائیے۔ میاں آزاد کی نسبت آپ کیا جانتے ہیں۔

پیر مرد : بس صرف اس قدر کہ ایک بیگم صاحب نے ان کو اس شرط پر روم بھیجا ہے کہ اگر وہ وہاں سے نیک نام آئیں تو شادی کر لیں۔

پیر فرتوت : یہ تو ہم بھی سن چکے ہیں۔ اور کوئی تازہ بات بتائیے۔

پیر مرد : تازہ بات یہ ہے کہ آپ کشتی پر سے اترے، اور زین پوش بچھا کر حقّہ پیتے پیتے آپ نے میاں آزاد کا ایک شعر پڑھا۔

پیر فرتوت : ہاں ہاں پڑھا تھا :

سینے کو چمن بنائیں گے ہم
گل کھائیں گے گل کھلائیں گے ہم

پیر مرد : ہاں یہی شعر۔ ان بیگم صاحب نے سنا جنھوں نے میاں آزاد کو ٹرکی بھیجا تھا۔ بس تڑپنے لگیں۔ مجھ سے کہا کہ ان سے جا کر پوچھو کہ آزاد کی نسبت کچھ اور بھی آپ جانتے ہیں۔

پیر فرتوت : بس اسی قدر جانتا ہوں کہ وہ روم گئے ہیں۔ اور کچھ نہیں جانتا۔ خدا ان کو مع الخیر واپس لائے۔ اگر یہاں آنے کا اتفاق ہوا، تو لڑکیاں بھی ساتھ آئیں گی۔ بیگم صاحب سے ملیں گی۔

پیر مرد : ضرور ضرور۔ کیا قصد ہے کچھ۔

پیر فرتوت : ہاں یہاں نوکر ہو گیا ہوں۔ ایک لڑکی کی شادی ہو گئی ہے۔ دوسری کا نکاح آزاد کے ساتھ ہوتا، مگر وہ تو قول ہار چکے ہیں۔ مجبوری ہے۔

پیر مرد : میں مکان تلاش کر رکھوں آپ کے واسطے عمدہ مکان ہو۔

پیر فرتوت : ہاں کوئی سات آٹھ روپے ماہواری تک کا مکان ہو۔ بس کافی ہے، مگر شریفوں کا محلّہ ہو۔ چور چکار نہ بستے ہوں۔ گلی میں نہ ہو۔ بوسیدہ نہ ہو۔ پر فضا مقام ہو اگر آپ وعدہ کیجیے کہ ایسا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مکان ڈھونڈھ لوں گا تو بسم اللہ پھر تلاش کیجیے۔ ورنہ میں خود بندوبست کر لوں گا۔ انھوں نے کہا آج ہی مکان کا بندوبست کیے دیتا ہوں، اس میں مشکل ہی کیا ہے۔ یہ کہہ کر رخصت ہوئے حسن آرا سے کہا کہ ان کو میاں آزاد کا حال اچھی طرح معلوم نہیں ہے۔ مگر کہتے تھے کہ ان کا منشا تھا کہ اپنی بڑی لڑکی کا نکاح آزاد کے ساتھ پڑھوائیں۔ حسن آرا کا رنگ فق ہو گیا۔ سوچی کہ ایسا نہ ہو اس سے بھی میاں آزاد قرار کر گئے ہیں، تو غضب ہی ہو جائے، مگر آزاد کی خو بو سے خوب واقف تھی۔

بوڑھے نے کہا وہ یہاں مکان لینا چاہتے ہیں۔ کہیے تو اسی محلے میں مکان ڈھونڈھ دوں۔ حسن آرا نے کہا اس وقت ہم جواب نہ دیں گے شام کو سوچ کر کہیں گے۔

سپہر آرا سے یوں گفتگو کی۔

حسن : کچھ سنا؟

سپہر : نہیں۔ ہم یہاں تھے کہاں۔

حسن : ان کی بھی ایک لڑکی کے ساتھ آزاد کا نکاح ہونے والا ہے۔

سپہر : (خاموش)

حسن : سمجھیں:

سپہر : غلط بات ہے۔

حسن : وہ مکان یہاں لینا چاہتے ہیں۔

سپہر : اچھا پھر لیں۔

حسن : اسی محلے میں۔

سپہر : جہاں چاہیں لیں۔

حسن : دل لگی ہو جو کہیں آزاد اُدھر سے بھی اقرار کر گئے ہوں۔ چلو خیر۔ چار نکاح تک تو جائز بھی ہیں۔ لیکن اللہ جانتا ہے، یقین نہیں آتا۔ ہمیں تو ذرا یقین نہیں آتا۔ آزاد اگر ایسے ہرجائی ہوتے، تو جان بکف نہ جاتے۔ بڑے جواں مردوں کا کام ہے۔ ہر کوئی ایسا تھوڑا ہی کر سکتا ہے۔ اے توبہ۔ کیا مجال اسی سے میں آزاد کو اس قدر چاہتی ہوں۔ جواں مرد۔ قول کا پکّا۔ بات کا دھنی آن بان کا آدمی ہے،

شاہد آن نیست کہ موے و میانے دارد
بندۂ طلعتِ آن باش کہ آنے دارد

سپہر : اب یہ خیال تو اپنے دل سے دور کرو مگر مکان قریب دلوا دو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوگن کی وفات

حسن آرا اور سپہر آرا کا حال تو یہاں چھوڑا۔ اب جوگن بے چاری کا تذکرہ سنیئے۔ شب کے وقت کوئی بارہ بجے چمپا نے روتے روتے شہسوار کو جگایا۔ اٹھیے جلدی اٹھیے۔ ہائے غضب ہی ہوگیا۔ شہسوار گھبرا اٹھے۔ پوچھا کیا ہوا؟ چمپا بولی۔ کیا بتاؤں کیا ہوا، ذری چل کے ان کو دیکھیے تو۔ شہسوار اور بھی مضطرب حال ہوا۔ پوچھا کن کو؟ کن کو؟

چمپا نے کہا ان کا برا حال ہے آپ کی جوگن اب کوئی دم کی مہمان ہے۔

شہ : (چونک کر) این! کیا بکتی ہو۔ ہیں کہاں بتاؤ تو؟

چمپا : وہ کیا ہیں پلنگ پر۔

شہ : ہاں پھر سو رہی ہیں سونے دو نہ۔

چمپا نے کہا سونے کے بھروسے بھی نہ رہیے گا کہیں۔ سوتا کوئی اور ہوگا۔ وہ تو بالکل سرد ہوگئی ہیں شہسوار سنتے ہی گر پڑا۔ تم ذری اچھی طرح جا کے دیکھو تو۔ مجھے تو پاس جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے ہائے غضب خدا کرے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔

چمپا سچ سچ بتاؤ صاف بتاؤ یہ ہوا کیا۔ ہائے ہم تو کہیں کے نہ رہے۔ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ ہائے جب زر نہ تھا تب کس لطف سے رہتی تھی، اب روپیہ پاس آیا تو وہ خود ہی نہ رہی، افسوس صد افسوس! جو کام ہوا الٹا:

موت مانگوں تو رہے آرزوِ خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے

یہ اپنی قسمت کی خوبی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قریب جاکر دیکھا تو جوگن بے حس و حرکت پڑی ہے۔ چادر دور سے ڈرتے ڈرتے اٹھائی تو موت کی صورت مجسّم نظر آئی، کانپ اٹھے۔ بدن تھر تھرانے لگا۔ خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ ہائے جوگن۔ ہائے جوگن۔ غضب ڈھا گئی۔ ستم بپا کیا ہائے دغا دے گئی:

اگر دانستم از روزِ ازل داغِ جدائی را

نمی کردم بدل روشن چراغِ آشنائی را

شہسوار دیوار سے سر ٹکرانے لگے۔ چمپا نے لاکھ لاکھ سمجھایا، مگر انھوں نے ایک نہ سنی۔ خوب ہی روئے اور چلّا چلّا کر کہنا شروع کیا:

تابا تو دلاو آشنائی مارا۔ ای مونس جان

در دیدہ توئی چو روشنائی مارا۔ تحقیق بدان

روزان و شبانہ این دعامی خواہم من از دل و جان

یارب ندہی داغ جدائی مارا۔ در ہر دو جہان

مگر اب داغ جدائی دے ہی گئی۔ اُف خدا نخواستہ مر ہی گئی۔ ارے خدا نخواستہ کیا سمجھ کر کہا۔ اُف خدا ناکردہ کہنا لازم تھا' یا چپ ہی کیوں نہ رہا۔ بڑی خرابی کی بات ہے جی۔ بس اب پھر توبہ کی، کہ دنیا کو ترک کر دیں گے۔ اب یہاں نہ رہیں گے۔ دنیا ہی سے چل دیں گے' اور اگر رہیں گے بھی، تو فقیرانہ طور پر۔ توبہ ہزار توبہ:

آباد خرابات زمی خوردنِ ماست

خون دو ہزار توبہ بر گردنِ ماست

گر من نکنم گناہ توبہ کہ کند

افزایش رحمت از گنہ کردنِ ماست

اب کی توبہ شکنی محال ہے۔ توبہ شکنی پر توبہ۔ اور توبہ نہ کریں گے تو کریں گے کیا۔ توبہ شکنی تو ہے ہی نہیں۔

جوگن بے چاری کو کیا ہوا ہے۔ کچھ بتاؤ تو آخر یہ ہوا کیا۔ یہ شہسوار اور بھی زار زار رونے لگے مگر صبر:

زخمِ دلِ مجروحِ جگر سوختگان را

سازندہ تر از صبر دوائی دگری نیست

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چمپانے بھی رونا شروع کیا، اور کہا غضب ہوگیا۔

جوش جنون میں ایک مرتبہ چادر ہٹاکر منھ چوم لیا۔

چمپانے کہا ہائیں۔ ہائیں۔ یہ نہ کیجیے۔ ہا کوئی ایسا کرتا ہے۔ شہسوار نے رو رو کر کہا کیا بتاؤں، میں تو کسی کام ہی کا نہ رہا۔ دنیا سے دل اٹھ گیا۔

اُف اس وقت جوگن کی پیاری ادا نظروں کے سامنے پھر گئی۔ وہ مستانہ چال کہ دل پائمال ہوجائے۔ مگر کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ گویا پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ افسوس۔

شہسوار نے پھر جاکر چادر ہٹائی، اور جوگن کو چوم لیا۔ چمپانے کہا ہائیں پھر وہی۔ شہسوار بولے:

گر رود سر بر نگردد سر نوشت

ایں سخن باید بہ آب زر نوشت

چمپانے کہا۔ اچھا تو یہاں چپ چاپ بیٹھے رہیے۔ میں جاکر اپنے بھائی کو بلا لاؤں۔ وہ لپیٹ لپاٹ کرلے جائے گا۔ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی۔ ورنہ ہلڑ مچ جائے گا۔ اور تم بدنام ہوگے۔ سرکار سے سزا جو پاؤ گے، وہ الگ۔ شہسوار کو چمپا کی بات از بس پسند آئی۔ کہا اچھا تم جاؤ۔ میں یہاں بیٹھا ہوں۔ مگر ایک آدمی سے بھلا کیا ہوگا۔ چار ہوں تب تو جنازہ اٹھے۔ چمپانے کہا اس وقت آپ کے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں جنازہ اٹھنے کا کون موقع ہے بھلا۔ چپکے سے لپیٹ کر راتوں رات دریا میں بہا دے گا۔ جنازہ نکلنا کیا ہنسی ٹھٹھا ہے۔ شہسوار نے کہا کہتی تو سچ ہو، مگر اب جلد جاؤ ایسا نہ ہو کہ تڑکا ہوجائے۔ چمپا گئی۔ شہسوار بے چارے عین مصیبت کی حالت میں لاش کے قریب بیٹھے رو رہے تھے۔

جو مجھے معلوم ہو پیاری جوگن، کہ تم اس درجہ بیزار ہو، تو خدا کی قسم میں تم سے زیادہ بات چیت بھی نہ کروں۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ تم داغ حسرت دے جاؤ گی اور یہ دن ہمیں دیکھنا پڑے گا:

صد حیف دلا کہ غم گساران رفتند

سیمیں بدنان و گل عذاران رفتند

چوں بوی گل آمدند بر باد سوار

بر خاک چو قطرہ ہای باران رفتند

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہر در و دیوار سے، مہیب، اور ڈراؤنی، صورتیں نظر آتی تھیں۔ دل میں سوچنے لگے کہ ہم کس دھوم دھام سے آئے تھے۔ کس تپاک سے ملے تھے۔ کیا کیا دل لگیاں ہوتی تھیں۔ ہمارا اصرار، ان کا انکار، کبھی محبت کی باتیں، کبھی تکرار، عجب لطف ہوتا تھا! مگر اتفاق وقت۔ افسوس صد افسوس! عین خوشی کی حالت میں کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ ہائے افسوس خدا کرے مجھے بھی اسی وقت موت آجائے۔ تو بس ساتھ ہی چل بسوں:

اے اجل گر ہمتے داری بیا امشب بکش
ورنہ بے منتِ فراق یار فردا می کشد

اس کی جدائی میں زندگی شاق گزرے گی۔ بے موت مرے۔ خدا خیر کرے:

غم ہائے مردہ در دلِ ما زندہ ساخت ہجر
گویا شبِ فراق تو روزِ قیامت ست

اب سینۂ سوزاں ہے، اور ہم ہیں۔ چشم شرر افشاں ہے اور ہم ہیں:

رسید جان بلب از محنتِ فراق مرا
اجل کجاست کہ مشتاق او بجان شدہ ام

تھوڑی دیر میں ٹھان لی کہ خود بھی زہر کھالیں۔ سوچے کہ زہر کھالیا، تو یہ چالیس ہزار روپیہ کس کو دیں گے۔ جان جانے کا رنج نہیں، مگر افسوس یہ ہے کہ اس قدر روپیہ کہاں جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ وصیت لکھ جائیں۔ قلم دوات کاغذ تلاش کر کے وصیت لکھنے لگے۔

حالتِ ثباتِ عقل میں اقرار کرتا ہوں، کہ میرے پاس پچاس ہزار روپیہ ہے جس کو چھوڑ کر میں مرتا ہوں۔ یہ زرِ کثیر سپہر آرا بیگم کے لیے چھوڑے جاتا ہوں۔ سپہر آرا بیگم وہ بیگم ہیں، جو شہر خاص سے دو کوس پر رہتی ہیں۔ اور بڑی بیگم ان کی ماں یا دادی ہیں۔ یہ زرِ خطیر خاص سپہر آرا بیگم کے لیے ہے۔ رخصت

رفتیم و صد ہزار تمنا گذاشتیم
دنیا برائے مردم دنیا گذاشتیم

یہ روپیہ فوراً سپہر آرا بیگم کے پاس بھیج دیا جائے۔

چمپا اپنے بھائی کو لے کر آئی۔ شہسوار نے اس کے قدموں پر ٹوپی رکھ کر کہا۔ بھائی اس وقت ہماری آبرو تمہارے ہاتھ ہے۔ واسطے خدا کے کسی سے ذکر نہ کرنا۔ ورنہ میں اپنی جان دے دوں گا۔ بس زہر کھا کر سو رہوں گا۔ چمپا بولی۔ آپ چپکے بیٹھے رہیے۔ ہم اپنے سمجھ لیں گے۔ اور اللہ کے لیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زہروہر کا نام نہ لو۔ زہر کے نام سے دل کانپ اٹھتا ہے۔ ایک کو تو زہر کھلوایا' اب تو خدا سے ڈرو۔ چمپا کے بھائی نے لاش کو خوب لپیٹا' اور لپیٹ کر لے چلا۔ اٹھانے کے وقت شہسوار لاش کے قریب جاکر زار زار روئے :

من از یاد تو ہرگز نیستم غافل سرت گردم
ترا در عمر خود گاہے نہ از من یاد می آید

ہائے جوگن! وائے جوگن! دھوکا دے گئی۔ لوٹ لے گئی۔ ہائے چل بسیں۔ خیر یادِ دائمی کہہ کر سدھاریں۔

ہائے کل کہتی تھیں کہ مارے درد کے بستر سے اٹھا نہیں جاتا۔ اور آج دنیا ہی سے اٹھ گئیں۔ ہائے ستم وائے ستم :

کل وہ کہتی تھیں کہ ہم بستر سے اٹھ سکتے نہیں
اٹھ گئیں دنیا سے آج ان میں یہ طاقت آ گئی

چمپا نے سمجھایا کہ میاں اب کہتے کس سے ہو وہ بے چاری تو داغ دے کے سدھاری۔ ہائے کیا مجاز (مزاج) پایا تھا۔ دن رات اللہ کی یاد ہی کیا کرتی تھیں اٹھتی جوانی تھی۔ ہائے ابھی اٹھتی جوانی تھی۔ ہائے ہائے ابھی اٹھتی جوانی تھی (ہاتھ مل کر) ارے لوگو یہ کیا ہو گیا۔ چمپا کے بھائی نے کہا چپ چاپ۔ غل نہ مچاؤ۔

ش : گور تک تو چلنے دو۔

چمپا : اے ہے ایسا غضب نہ کرنا۔

ش : مٹی تو دے دوں۔

چمپا : بس اب تم نہ آؤ ساتھ۔

دو گھنٹے میں چمپا آئی' اور کہا لو صاحب دفنا آئے۔ اللہ کرے بہشت میں جائیں۔

ش : آمین!

چمپا : ہائے کیا ہوا۔

ش : قسمت۔ بس اب پھوٹ گئی قسمت۔ بدی تو یوں ہی تھی ہائے نہ روپیہ ملتا نہ ہم ستاتے' نہ وہ زہر کھاتی :

از سنگدلی گر فلک عہد شکن را
مقصود شکستِ دل ما بود شکستیم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدا شاہد ہے ہم نے دل لگانے کی سزا پائی

رہتی ہے یادِ ابروِ دلبر تمام رات
کٹتی ہے زندگی تہِ خنجر تمام رات
اس آفتاب کی جو مجھے لو لگی رہی
دھنتا رہا میں شمع صفت سر تمام رات
اے گردشِ فلک ترا خانہ خراب ہو
رہتے ہیں ہم عذاب میں دن بھر تمام رات

خاتونِ شیریں ادا، حسن آرا بیگم شب کے وقت صاف ستھرے سفید کپڑے پہن کر مہتابی پر ٹہل رہی تھیں۔ سپہر آرا چاندنی پر بیٹھی ہوئی بہار النسا سے باتیں کرتی تھیں۔ مغلانی ادب کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ حسن آرا نے پھولوں کا گہنا پہنا تھا۔ جس کی بوئے عنبر بار سے بہشت کی لپٹیں آتی تھیں۔ چاندنی نے کھیت کیا تھا۔ سامنے لق و دق میدان اور سہانا سماں۔ کھیت لہلہاتے تھے۔ غنچے کھلے جاتے تھے۔ رات خوب بھیگی تھی۔ چوطرفہ سناٹا۔ اتنے میں تینوں بہنوں نے دیکھا کہ مغرب کی سمت آگ روشن ہوئی۔ حسن آرا اور سپہر آرا متحیر ہوئیں کہ یہ آگ کیسی ہے۔

حسن آرا: اے بہن یہ روشنی کیسی ہے؟ اللہ نہ کرے کہیں آگ تو نہیں لگی۔ روشنی تیز ہوتی جاتی ہے۔ وہ دیکھو سامنے کی طرف آگ ہی لگی ہے۔

سپہر: خدا جانے کس بے چارے فلک ستائے کا گھر جل رہا ہے۔ ہائے اس وقت کوئی اس کے دل سے پوچھے کہ اس کے قلب پر کیسی گزرتی ہوگی۔ اس طرف کیا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار النسا بہن ؟

جانے بھی دو۔ کچھ ہوگا بھی۔ ایک دفعہ تو کہہ چکے ہیں۔ اب ہر گھڑی کون نام لے۔ یہ ہندوؤں کا مرگھٹ ہے۔ جہاں ان کے مردے جلائے جاتے ہیں۔

یہ فقرہ سنتے ہی سپہر آرا کا رونگٹا کھڑا ہوگیا۔ گو لاکھ دل کو سمجھایا، مگر اس درجہ خائف ہوئی کہ کانپنے لگی۔ بہار النسا سمجھ گئی۔ پوچھا سپہر آرا تم چپ کیوں ہو رہی ہیں۔ دفعتہً سپہر آرا نے دل کو مضبوط کرکے جواب دیا، مگر زبان مارے خوف کے لڑکھڑاتی تھی۔ مغلانی نے کہا چلیے بیگم صاحب نیچے کے کوٹھے پر بیٹھیے، اسی مارے تو ہم آنے نہیں دیتے، یہاں کسی کو۔ رات کا سماں، میدان کا واسطہ مرگھٹ سامنے، چاروں طرف ہُو کا عالم۔ یہ تو جنگل ہے جنگل۔ شہر اس کو کون کہتا ہے۔ خاصہ جنگل ہے۔

چاروں طرف وحشت نظر آتی ہے۔ چلیے نیچے کے کوٹھے پر چل کے بیٹھیں۔ حسن آرا نے جو اپنی بہن کی یہ کیفیت دیکھی تو پاس جاکر بہت سمجھایا۔ ہائیں۔ ہائیں۔ سپہر آرا اے واہ، پڑھی لکھی ہو کر نادان بنی جاتی ہو۔ چلو منھ دھو ڈالو۔ آخر اس رونے سے مطلب۔ چلو کہنا مانو اتنا۔ اور ایسا بھی ڈر کیا ہے واہ مردے سے خوف ہی کیا۔ زندہ ہو تو مار بیٹھے۔ کنوئیں میں ڈھکیل دے۔ چھری بھونک دے۔ مار ڈالے۔ کاٹ کھائے۔ اور مردہ کیا کر سکتا ہے۔ چاہے جلاؤ، چاہے دفناؤ، چاہے تکّے تکّے اڑاؤ۔ اس کا بس تھوڑا ہی چل سکتا ہے۔ بہار النسا نے کہا۔ بہن ابھی لڑکی ہے۔ ننھا سا کلیجہ۔ تم اپنی نہ کہو۔ تم ذرا سیانی ہو۔ نامِ خدا، مگر یہ تو ایسی باتوں سے سہم جایا ہی چاہیں۔ اٹھو سپہر آرا چلیں نیچے کے کوٹھے پر۔

سپہر آرا نے حسن آرا سے کہا۔ باجی جان اللہ جانتا ہے کچھ ڈر کے سبب سے نہیں، مگر کیا جانے ہمیں اس دم کیا یاد آیا۔ ہائے اندر والے کو کیوں کر سمجھاؤں۔ قلب کی کچھ عجب کیفیت ہے۔ قابو ہی میں نہیں۔ حسن آرا نے جو یہ تقریر سنی تو بے اختیار رونے لگی۔ بہار النسا نے کہا لو ایک نشد دو شد۔ اب کس کس کو سمجھاؤں۔ یہ تو دونوں کی دونوں اس دم رو رہی ہیں۔ بس یہاں سے چلو یہ بیٹھے بیٹھے، ہوا کیا۔

الغرض بہار النسا دونوں بہنوں کو نیچے کے کوٹھے پر لے گئی۔ مغلانی نے منھ دھلایا، پنکھا جھلا۔

حسن آرا بیگم کو میاں آزاد یاد آئے۔ اور طرح طرح کے خیالات نے دل میں جگہ پائی۔ خوب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پھوٹ پھوٹ روئی. بہارالنسا دنگ کہ یاالٰہی! یہ کیا ہو رہا ہے۔ مگر دردِ دل سے واقف نہ تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد بہارالنسا اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے چلی گئی۔ حسن آرا نے تنہائی میں سپہر آرا سے یوں باتیں کیں۔

حسن: تم خود بھی روئیں اور ہم کو بھی رلایا۔ بہارالنسا بہن جانتی سب ہیں۔ مگر بھول بھول جاتی ہیں۔ اب ہر گھڑی انھیں سمجھانے کو کون بیٹھے۔ ہائے کیا جانے آزاد پر کیا گزرتی ہوگی۔ ہم تو یہاں خس خانوں میں رہتے ہیں۔ اچھی سے اچھی غذا کھاتے ہیں۔ مسہریوں اور قیمتی پلنگڑیوں پر مزے سے سوتے ہیں۔ ہنستے ہیں، بولتے ہیں۔ وہ بے چارہ مورچوں پر جاتا ہوگا۔ رَن کی زمین میں غنیم سے مقابلہ کرتا ہوگا۔ یہ سب کانٹے میرے ہی بوئے ہوئے ہیں۔ شکوہ کروں تو کس سے اور شکایت کروں تو کس سے۔ از ماست کہ بر ماست۔ اب تو جو ہوا سو ہوا۔

سپہر: باجی جان ہائے کیا ستم ہوا۔ نہ خط کتابت، نہ پیام، نہ سلام۔ وہ اُدھر تڑپ رہے ہوں گے ہم اِدھر تڑپتے ہیں۔ اللہ جانے کیا ہوتا ہے۔ اس وقت دریا کے کنارے دھواں اٹھتے ہوئے جو دیکھا تو سن سے جان نکل گئی۔ آزاد یاد آئے۔ ہائے ایسے ہی میدانوں میں وہ بھی گولی بارود کا مقابلہ کر رہے ہوں گے۔

حسن آرا اور بھی زار زار روئی۔ یہاں تک کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔ سپہر آرا نے جی کڑا کر کے سمجھایا کہ بہن اب سونے کا خیال کرو، رات بہت آئی۔ مگر حسن آرا نے بجز خاموشی کے کچھ جواب نہ دیا، اور برابر روتی ہی گئی۔ مغلانی نے چپکے چپکے سمجھانا شروع کیا۔ بیوی دنیا میں رہ کر انسان کو سب سہنا ہے۔ رنج بھی غم بھی۔ سب ہی کچھ۔ اب ان باتوں کا کہاں تک خیال رکھیے گا۔ بس سو رہیے۔ اللہ فضل کرے گا۔ آپ دِن بدن گھلی جاتی ہیں۔ گھل کے نصیبِ اعدا کانٹا ہو گئیں۔ اب اور کسی طرف دھیان کیجیے ذری۔ حسن آرا بولی آج کی رات کاٹے نہ کٹے گی۔ کیا جانے کیا برے برے خواب دیکھے۔ خدا کرے کہیں جلد تڑکا ہو جائے، تو ذرا تسکین ہو۔ رات کیا پہاڑ ہو گئی۔

سپہر: جیسے کوئی کالی کالی صورت نظر آئی دیتی ہے۔ میں آج کی رات سہم گئی۔

حسن آرا بیگم بڑی دیر تک کروٹیں بدلا کیں۔ کسی پہلو چین نہ آیا۔ تین بجے سوئیں، تو خواب میں میاں آزاد کو دیکھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا کا خواب

خواب کا حال سنیے ؛ دیکھا کہ جنگ کے میدان میں ٹھیک آدھی رات کے وقت، کوئی نوجوان ایک مقام پر مجروح پڑا ہوا ہے۔ بدن سے خون کے شرّاٹے جاری ہیں۔ اور کیفیت دگرگوں ہے۔ حسن آرا نے اس کے سرھانے بیٹھ کر پوچھا تم کون ہو۔ اور اس وقت کیا حالت ہے۔ اس نوجوان نے آنکھ کھول کر کہا : ع

لو مسیحا دم فریاد آیا

حسن آرا پہلے تو کسی قدر جھجکی، مگر ایک درخت سے سپہر آرا کی آواز آئی، کہ باجی جان ذری پہچانو ہیں کون۔ حسن آرا نے اس نوجوان مجروح سے پوچھا آپ کون صاحب ہیں۔ اس نوجوان نے سیم تن سے کہا۔ آزاد خانہ برباد۔ اس قدر سنتے ہی حسن آرا نے گلے سے لگا لیا۔ دونوں عاشق و معشوق گلے مل کر خوب روئے۔

حسن آرا نے کہا سرگذشت تو بتاؤ۔ آزاد نے کہا میں خاندانِ چغتائی سے ہوں۔ حبش کے شہزادے کا اتالیق۔ افتاں و خیزاں بعد خرابی بصرہ یہاں تک آیا۔ آتے ہی تیر کھایا۔ کلیجے کے پار ہو گیا۔ خون کے شرّاٹے جاری ہیں۔ ذرا سا پانی ملے تو پیوں۔ جان میں جان آئے۔ حسن آرا ایک کنویں میں کود پڑی، اور وہاں سے پانی لے کر آئی۔ آزاد کو پلایا۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا۔ تو یوں بیان کیا :

الٰہی ایک دل کس کس کو دوں میں
ہزاروں بُت ہیں یاں ہندوستان ہے

پیاری حسن آرا، ایک تو دِل ہزار گاہک۔ جس کو دیکھو ہمارے دل کی خریداری کا سودا، ایک انار صد بیمار۔ مگر ایک ایک دانہ رشکِ یاقوت رمّانی : ع

دیو گڈھ فتح شد مبارکباد

میدانِ کارزار میں جو جو مصائب سہے ان کا حال حسن آرا کو لکھوں گا مگر ابھی نہیں۔ کل پرسوں تک۔ اب شوق ہے تو یہ ہے کہ اس کے سامنے جان دوں، اور دم توڑوں۔

آزاد : ایسی پری چہرہ نوجوان دیکھی نہ سنی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن : اے واہ۔
آزاد : کیا جھوٹ کہتا ہوں۔ سب صحیح تھوڑا ہی ہے۔
حسن : وہ شعر تو پڑھیے :

سینے کو چمن بنائیں گے ہم
گل کھائیں گے گل کھلائیں گے ہم

آزاد : این اثم کو کس نے بتایا۔ اب یہ بتائیے کہ آپ ہم سے ملیں گی کب تک۔
حسن : جب تک تب تک۔
آزاد : ہائے جان جاتی ہے۔ جان جاتی ہے۔ جانِ جان تم سخت سنگ دل ہو :

گر یار رعنی زنیاز آفریدہ اند
مارا نیاز مند نیاز آفریدہ اند

ایک تو تمھارا حسنِ گلوسوز، دوسرے ناز اس پر طرہ :

آوازۂ حسنت شدہ از ناز دو بالا
جون نغمہ کہ لطفش شود از ساز دو بالا

حسن : ہم تو سیہ بخت ہیں۔

میاں آزاد نے کہا حسن آرا اب جاؤ۔ میدان جنگ ہے۔ یہاں تمھارا کیا کام۔ ایسا نہ ہو توپیں دغنے لگیں۔ تو پھر ستم ہی ہو جائے۔ اتنے میں ایک توپ دغنے کی آواز آئی۔ دھننا اور حسن آرا کی آنکھ کھل گئی۔ تو مرغِ سحر کی آواز کان میں آئی۔ اخاہ تڑ کا ہی ہو گیا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ حسن آرا کی طبیعت غایت بشاش تھی۔ مگر تھوڑی دیر میں خواب یاد آیا تو تڑپنے لگی۔ ہائے آزاد کو دیکھا بھی تو کس کیفیت میں، بے چارہ سچ مچ طرح طرح کی مصیبتیں سہتا ہو گا۔ ہائے یہ مجھے سوجھی کیا کہ مفت میں اس کی جان کی خواہاں ہوئی۔ مگر خیر۔ اجر تو ہو گا۔ محنت ضرور ٹھکانے لگی گے۔ اگر ہم نے انعام نہ دیا تو خدا دے گا۔ اتنے میں سپہر آرا بھی جاگیں۔

سپہر : باجی جان بندگی رات کو خوب نیند آئی۔ اس وقت بھی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔
حسن : آزاد کو آج خواب میں دیکھا۔ جنگ کے میدان میں پڑے سسک رہے تھے۔ آزاد نے ہمیں اور ہم نے آزاد کو مفت صیدِ الم کیا۔ مجھے سوجھی کیا کہ جانے دیا۔ ہمیں تم اسی وقت سمجھاتی رہیں مگر ہماری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اتفاق افتاد۔ پھر اب تو گذشت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آنچہ گذشت۔

سپہر آرا نے کہا بس اب اس کا غم ہی کیا۔ جنگ کچھ خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں۔ جان بکف انسان جاتا ہے۔ بچ کر آئے تو اس کی قسمت ورنہ یہ تو سمجھ ہی لیتا ہے کہ میں جاتا ہوں۔ اپنی مرضی سے۔ مگر واپس آنا اپنے امکان میں نہیں۔ اگر زندہ بچا تو فہو المراد ورنہ یا قسمت یا نصیب۔ اب جو کیا اس کو ہم بھگتیں گے، اور وہ بھگتیں گے۔ لیکن خوشی یہ ہے کہ آزاد قول کے بڑے سچّے نکلے۔ اور خدا خدا کر کے وہاں تک پہنچ گئے۔

بہار: اماں جان ہم دونوں سے بہت خفا ہیں۔ رات اتنا روئیں اتنا روئیں کہ توبہ ہی بھلی۔ بڑی دیر تک ٹھنڈی سانسیں بھرتی رہیں۔ میں نے بہت سمجھایا، کہ اماں جان روئیے نہیں۔ حسن آرا آپ کہنا ضرور مان لیں گی۔ ایسی بات ہے، بھلا کہ، آپ کے حکم سے انکار کریں۔ بولیں کہ بٹیا آج کل لڑکیاں کسی کا کہنا سننا نہیں مانتیں۔ جو دھن سمائی۔ بس وہ سمائی، بڑے بوڑھے کو مانتا کون ہے۔ ذرا سیانی ہوئیں خود مختار بن گئیں اچھا پھر یوں ہی سہی۔

حسن: افسوس صد افسوس!

سپہر: کیا جانے کیا کہتی ہیں۔

حسن: کہنے دو۔

بہار: آئیں۔ واہ ہے۔ ہم کیا کہتے ہیں۔ اماں جان نے جو کہا ہم نے تم سے کہہ دیا۔

حسن: ہاں ہاں سمجھی۔

بہار: وہ تو صاف صاف کہتی ہیں کہ عسکری بڑا ہونہار لڑکا ہے۔

سپہر: اچھا پھر۔

بہار: پھر۔ پھر۔ ننھی ہو۔ سمجھتی تھوڑا ہی ہو۔

حسن: اے چپ رہو سپہر آرا۔

سپہر: تمھیں معلوم تو ہوا اماں جان کہتی کیا ہیں۔

بہار: کون وہ تو صاف صاف کہتی ہیں کہ عسکری لڑکا سعید ہے۔

سپہر: تو ایجاب و قبول بھی شرع کی راہ سے کوئی چیز ہے۔ یا کچھ بھی نہیں۔

بہار: اللہ ری ڈھٹائی اُف۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن: یہ سپہر آرا اس وقت خواہی نخواہی بات بڑھاتی ہیں۔

سپہر: ہمیں یہ باتیں بھلی معلوم ہوتیں۔

بہار: بھلی ہوں معلوم تو کیا، اور نہ ہوں معلوم تو کیا۔ تم ہو ہی کیا۔ کل کی لڑکی ہو۔ مگر باتیں بڑھ بڑھ کر بناتی ہو۔

حسن: اے بہن جانے بھی دو۔ اور کوئی ذکر چھیڑو۔

بہار: ذکر وکر نہیں۔ ہونا وہی ہے جو امّاں جان کہتی ہیں۔ عسکری گھر بھر کو پسند ہے۔ تم ہو کیا بے چاری، اور تمھاری رائے کیا۔

سپہر: تو اس بک بک سے کیا فائدہ، بہن بیس دفعہ کہہ چکی، کہ اس بات کو طول نہ دو۔ مانتی ہی نہیں۔

بہارالنسا بولی اللہ جانتا ہے اس میں خون ہو جائے، مگر امّاجان کی بات نہ ٹلے گی۔ اور مُوا آزاد خدائی خوار، ہے کون۔ ایڑی چوٹی پر سے اپنی قربان کر دوں۔ واہ خدا جانے کہاں سے بہتا بوڑتا آیا۔ نام معلوم نہ نشان۔ چلی ہیں باتیں بنانے۔ حسن آرا نے جو یہ تقریر سنی تو آگ بھبوکا ہو گئی۔ اگر بہارالنسا بڑی بہن نہ ہوتیں۔ تو عمر بھر ان کی صورت نہ دیکھتی۔ میاں آزاد کو جن کی ایک ایک ادا حسن آرا کے دل میں کھپ گئی تھی۔ کوئی ان کے سامنے بُرا بھلا کہے، اور ان سے صبر ہو سکے کیا مجال آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اللہ اللہ اب تو یہ کوسنے ہی لگیں۔ مُوا آزاد۔ اور خدائی خوار۔ ایڑی چوٹی پر قربان کر دوں۔ اف یہ عداوت۔ حسن آرا نے دل میں ٹھان لی کہ چاہے جو ہو عسکری کو منھ نہ لگائیں گے۔ اور نکاح ہونا تو محال ہے۔ نکاح کیسا۔ نکاح بس آزاد ہی کے ساتھ ہوگا۔ ناکتخدا رہوں گی۔

سپہر آرا نے جو یہ کلمات بہارالنسا کی زبان سے سنے تو تڑ سے جواب دیا۔ باجی بڑی ہو بس اور کیا کہوں۔ کوئی اور کہتا تو منھ نوچ لیتی، اور جایئے اماں جان سے بھی کہہ دیجیے، کہ اگر اب عسکری پسکری کا نام زبان پر لائیں نہ، اور ہم سے کوئی اس قسم کی بات کہی، تو ہم زہر ہی کھا لیں گے۔ جایئے کہہ دیجیے چوری کیا ہے۔ لائیں وہاں سے عسکری۔

حسن آرا اور سپہر آرا تھوڑی دیر تک چپ چاپ بیٹھی رہیں۔ اس کے بعد حسن آرا نے کہا بہن یہ بہارالنسا بہن کو کیا ہوا کہ ہم سے پھر گئیں۔ سپہر آرا بولیں ہوا کیا قسمت کی خوبی، اور ہوا کیا یہ عسکری کہاں سے آن کے کود پڑے۔ گھر بھر پر اس نے جادو کیا۔ اماں جان تک ہم سے خلاف

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہوگئیں۔ بس حد ہے نہ۔

حسن آرا نے کہا اب کیا تدبیر کریں، کچھ کرتے دھرتے بن ہی نہیں پڑتی۔

خواص: (زینے کے پاس سے) چلیے دونوں صاحب بڑی بیگم صاحب بلاتی ہیں۔ (قریب جاکر) بہار النسا بیگم کہتی تھیں کہ آپ ان دونوں کا بیاہ کر دیجیے۔ اور محمد عسکری کو حسن آرا بیگم کے واسطے تجویز تی ہیں۔ اور کیا معلوم کیا کیا کہتی ہیں۔ بہت گرمائی ہوئی ہیں۔ میں تو اچھی طرح سن ہی نہ سکی۔

بڑی بیگم نے حسن آرا کو بلوایا تو ناچار جانا پڑا۔

حسن: بندگی اماّ جان۔

بڑی بیگم نے منھ پھیر لیا۔ حسن آرا کو سخت شاق گذرا۔ آبدیدہ ہوگئی۔ یہ پہلا ہی مرتبہ تھا کہ بڑی بیگم نے اس درجہ بے اعتنائی کی ہو۔ حسن آرا چپ چاپ بیٹھی رہی۔ مثل پیکرِ تصویر خاموش۔ اتنے میں بہار افزا بولیں۔

بہار: اماّ جان تم سے سخت ناراض ہیں۔ حسن آرا۔

ب: میرا نام نہ لو۔

بہار: جی نہیں۔ خفا نہ ہوں آپ۔ جو حکم دیجیے گا۔ بجا لائیں گی۔

ب: سنا ہوا ہے سب۔

بہار: حسن آرا اماّ جان کے قریب آؤ۔

حسن آرا ششدر کہ اب کیا کروں۔ بہار النسا کے مشورے کے موافق بڑی بیگم کے پاس جا بیٹھیں۔ بڑی بیگم نے ان کی طرف بھی نہ دیکھا۔ حسن آرا کو اور بھی شاق گزرا۔

بڑی بیگم صاحب نے کہنا شروع کیا کہ عسکری سا لڑکا کوئی مشال (مشعل) لے کر بھی ڈھونڈھے تو نہ پائے۔ ایک تو پڑھا لکھا، دوسرے حکیم، تیسرے خاندان اچھا۔ پھر ہونہار۔ آج کل کے زمانے کے لڑکوں کی طرح آوارہ نہیں ہے۔ ہر طرح اچھا۔ مگر ان کی ضد۔ اور مجھے ضد سے نفرت۔ جب یہ میرے کہے میں نہیں ہیں، تو پھر مجھ سے واسطہ کیا۔ بہار النسا نے بڑی بیگم کی رائے سے اتفاق کر لیا اور کہا حسن آرا خوب سوچ کر اس کا جواب دو۔

ب: میں جواب وواب کچھ نہیں مانگتی۔

بہار: آپ دیکھ لیجیے گا حسن آرا آپ کا کہنا مان لیں گی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ب : بس دیکھ لیا۔
بہار: حسن آرا! اے حسن آرا!
حسن کیا بولوں کیا (اپنے دل میں)

بہ فہم ہیچ مضمون جز بہ لب بستن نمی آید
خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

بہار: امّا جان کیا کہتی ہیں۔
ب : از برائے خدا مجھ کمبخت کا نام نہ لو۔
بہار: امّا جان ایسی باتیں نہ کیجیے۔
ب : دل جلتا ہے۔ بہار النسا دل جلتا ہے۔ اپنے دل میں کیا کیا سوچتے تھے۔ مگر اب تو اٹھ ہی جائیں یہاں سے تو جی جائیں۔ دیکھیے کب وہ دن آتا ہے۔

بڑی بیگم نے ایک ماما کو حکم دیا، کہ کسی آدمی کو بھیج کر عسکری میاں کو بلواؤ اور خود شہ نشین میں جا بیٹھیں۔ حسن آرا اٹھ کر کوٹھے پر گئی، اور جاتے ہی مسہری پر لیٹی۔ اور لیٹتے ہی ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگی۔

تھوڑی دیر میں خواص نے آن کر کہا چلیے بلاتی ہیں۔

حسن : کون بلاتی ہیں۔
خواص : بہار النسا بیگم۔ آپ کی بہن۔
حسن : ہمیں نیند آتی ہے۔
سپہر: ہم بھی نہ جائیں گے۔
حسن : وائے قسمت:

شوق ہر رنگ رقیب سر و سامان نکلا
قیس تصویر کے پردے سے بھی عریاں نکلا

اب مرض لا علاج ہے۔ بس جان جائے گی:

دوست غم خواری میں میری سعی فرمائیں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ آئیں گے کیا

بہار النسا بہن خلاف۔ امّا جان خفا۔ محمد عسکری دشمن۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار: ذری پردے ہی میں رہنا۔
حسن: کیوں۔
بہار: اچھا نہ سہی چلی آؤ۔
سپہر: یہ پرزہ کیسا۔
بہار: اے عسکری آتے ہیں۔

بہار کمرے میں تشریف لائیں۔ حسن آرا کی طرف مخاطب ہوکر بولیں۔ ہم سے عسکری نے اس وقت کہا کہ چلو کوٹھے پر چل کر بیٹھیں۔ ہم نے کہا چلو اچھا۔ تم دونوں اس پردے کی آڑ میں ہو جاؤ تو وہ بھی بیٹھیں۔ کھانا نکلوایا جائے۔ امّاں جان کو سچ مچ بدہضمی ہے۔

حسن آرا نے جو محمد عسکری کا نام سنا تو کانپ اٹھی۔ سپہر آرا نے حسن آرا، اور حسن آرا نے سپہر آرا کی طرف دیکھا۔ بہار النسا نے ماما سے کہا، ذری وہ کرسی تو باہر بر آمدے میں بچھا دو بیٹھو محمد عسکری۔

عسکر: جی ہاں بیٹھا ہوں۔ آپ تکلیف نہ کیجیے۔ خوب ہوادار مکان۔
بہار: ہاں خوب ہوا چلتی ہے۔
عسکر: اس کمرے میں تم رہتی ہو نہ بہن۔
بہار: نہیں (مسکرا کر) ہم نہیں رہتے ہیں۔
عسکر: پھر کون رہتا ہے؟
بہار: ہماری بہنیں رہتی ہیں۔
عسکر: ہاں حسن آرا بیگم۔
بہار: ہاں اور سپہر آرا بیگم۔
عسکر: اب حسن آرا کی طبیعت کیسی ہے۔
بہار: پوچھ لو۔
عسکر: نہیں بتاؤ تو آخر۔
بہار: اب تو فضل الٰہی ہے۔ اچھی ہیں۔ وہاں البتہ سخت علیل ہوگئی تھیں۔ تو ہم نے یہاں بلا لیا۔ یہاں جب سے آئی ہیں تب سے صحت ہے۔
عسکر: شکر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار: تم بھی تو حکیم ہو۔ بھلا پردے کے پاس سے نبض تو دیکھو۔ اللہ کرے صحیح ہوں۔ اور اب چہرے سے بھی صحت پائی جاتی ہے۔

گو حسن آرا بیگم اپنے دل میں چاہے کچھ ہی سمجھتی ہوں۔ مگر بہارالنسا بیگم کا منشا اصل میں یہی تھا کہ دیکھیں نبض صاف ہے یا نہیں۔

حسن آرا اس وقت مسکرائیں۔ سپہر آرا نے کہا خیر۔ ہونہہ واہ' واہ' بہارالنسا۔ کیا؟

سپہر: کچھ نہیں۔

بہار: (مسکرا کر) تم تو ہوا سے لڑتی ہو۔

سپہر: (تنک کر) لڑتی ہی نہیں۔

بہار: ایں۔ اے واہ۔

عسکر: اس وقت کھانا کھا چکی ہوں گی۔ شام کو نبض دیکھوں گا۔ انشاء اللہ۔

بہار: اے ابھی کھانا کہاں کھایا۔

حسن: نہیں مٹھائی کھا چکی ہوں۔

بہار سچ۔ جو۔

حسن: کیا خوب۔ چہ خوش۔ سچ نہیں تو کیا جھوٹ بھی ہے۔

سپہر: ہاں ہاں کھا چکی ہیں۔ اس وقت نبض۔

بہار: کیسی دونوں بہنیں اس وقت ایک ہو گئیں۔

بہارالنسا اور حسن آرا اور سپہر آرا نے تھوڑی دیر میں کھانا کھایا۔ محمد عسکری رخصت ہوئے۔ بہارالنسا نے کہا حسن آرا اب بولو کیا کہتی ہو۔ حسن آرا نے کہا۔ کیا کیا کون بات ہے۔ سپہر آرا تنک کر بولی۔ اب کوئی اور بات بھی ہے۔ یا دن رات یہی تذکرہ ہے۔ کہہ دیا ایک دفعہ بلکہ سو دفعہ کہ جس بات میں یہ چڑھتی ہیں۔ وہ کیوں کرو۔ بہارالنسا نے کہا آخرش اس میں کیا بات ہے کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا' اور حسن آرا یاد رکھو۔ بہن ہونا ویسا ہی ہے۔ جیسا ہم چاہتے ہیں۔ پھر یہ روٹھنا اور رونا' اور آنکھیں کھونا' فضول ہے یا نہیں؟

حسن: خیر بہن پھر جو ہونا ہے وہ ہو رہے گا۔ اب اس کا ذکر ہی کیا ہے۔

سپہر: ناحق ناحق بے کار' بیٹھے بٹھائے مفت میں رنج بڑھاتی ہو۔ بہارالنسا بہن۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا کو بہار النسا بیگم کی گفتگو از بس ناگوار گزری، مگر سکوت اختیار کیا۔ بہار النسا نے پھر کہا چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے عسکری کی نسبت جو ہمارا خیال ہے وہ نہ ٹلے گا۔ اور وہی ہونا ہے۔ نہیں تو اماں جان ابھی ابھی آج ہی قسم کھا چکی ہیں کہ صورت نہ دیکھیں گی تم دونوں کی بس اب تمھیں اختیار ہے۔ چاہے مانو چاہے نہ مانو۔ وہ صورت دیکھنے کی روداد نہ ہوں گی، اور کیوں کر ہوں، جب اولاد کہنا ہی نہ مانے۔ اپنی ہی سی کہی جائے، اور اپنی ہی ہٹ کرے، تو ماں باپ کا کلیجا پھٹے یا نہیں۔ تم دونوں میں سے ایک کے ساتھ محمد عسکری کا نکاح ضرور ہوگا، اور اللہ نے چاہا تو حسن آرا ہی کے ساتھ ہو۔

دو دن اسی کیفیت میں گزرے۔ بڑی بیگم حسن آرا، اور سپہر آرا دونوں سے نہ بولیں جب کبھی حسن آرا سامنے آجائیں بڑی بیگم منھ پھیر لیں۔ دونوں بہنیں سخت مصیبت میں مبتلا تھیں۔ دن رات گریہ وزاری۔ سوچیں کہ یہاں تو سب کی سب ہمارے خلاف ہیں۔ آؤ روح افزا بیگم کو بلوائیں شاید وہ ہمارا ساتھ دیں۔ مغلانی کو حکم دیا کہ تم خود ڈولی پر سوار ہو کر کسی بہانہ سے روح افزا بہن کے پاس جاؤ، اور کہو اللہ کے لیے آپ دو دن کے لیے یہاں آجائیے۔ ہماری جان پر بن آئی ہے۔ اور تم صاف صاف کہنا کہ ایک نہ ایک دن دونوں بہنیں زہر کھالیں گی۔ جس طرح بن پڑے ان کو لے ہی آؤ۔ بی مغلانی خدا کے لیے جلد جاؤ اور ایسی تدبیر کرو کہ وہ فوراً ہی چل کھڑی ہوں، کہہ دینا کہ ہماری بیماری کے بہانے سے آئیں۔

مغلانی نے کہا میں ابھی ابھی جاتی ہوں۔ جہاں تک بن پڑے گا بہت کہوں گی، اور کہنا کیا حضور وہ جس وقت یہ باتیں سنیں گی۔ فوراً خود ہی دل نہ مانے گا، کہ نہ آئیں۔ خدا نخواستہ ایسی حالت ہو اور وہ نہ آئیں۔ میری تو عقل ہی نہیں کام کرتی، کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ بہار النسا الگ ناک بھوں چڑھائے رہتی ہیں۔ بڑی بیگم صاحب بات ہی نہیں کرتیں۔ آخر یہ ہے کیا آپ کو دیکھتی ہوں کہ جیسے خدا نہ کرے کوئی مہینوں کا بیمار ہوتا ہے۔ سپہر آرا بیگم دن رات رویا کرتی ہیں۔ کہاں تو ہنسی خوشی رہتے سہتے تھے، کہاں اب رونے دھونے کے سوا اور کچھ نہیں۔

سپہر آرا بولی بی مغلانی یہ ہماری قسمت کی خوبی ہے۔ اس کو ہم کیا کریں بیٹھے بٹھائے، اور کچھ نہیں یہی گل کھلا۔ اب تو روح افزا بہن کے آنے پر سارا دار مدار ہے۔ وہ آئیں تو شاید بات بنے نہیں تو اب خیر صلاح نظر نہیں آتی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ پیر مرد نے آکر کہا۔ کچھ خوشخبری سنائیں ہم۔ کیا مٹھائی کھلواؤ گی۔حسن آرا بولی اس وقت طبیعت سست ہے۔ دل کا کنول بجھا جاتا ہے۔ مٹھائی دٹھائی کا ذکر نہ کرو دل ہی قابو میں نہیں :

بڑی تکلیف تیرے ہجر میں او بے وفا پائی
خدا شاہد ہے ہم نے دل لگانے کی سزا پائی

یہ کہہ کر حسن آرا بے اختیار رونے لگی۔

پیر: اللہ جانتا ہے، وہ مژدہ ہے کہ جی خوش ہو جائے۔
سپہر: ہاں وہ خوش خبری کیا ہے۔
پیر: آزاد کا خط لو۔ کیوں۔ نہ کہو گی۔
حسن: (چہرہ گلنار) لاؤ۔ لاؤ (خط کو چوم کر) :

من و این مہر بانیہاے او قاصد چہ می گوئی
مساز از پیش خود حرفے کہ میدانم زبانش را

سپہر: ہم پڑھیں باجی جان (لفافہ لے کر) :

نیے جاتا ہے نامۂ بے کس
بال بے کا نہ ہو کبوتر کا

سپہر آرا نے پڑھ کر سنایا۔ حسن آرا کبھی روتی تھی، کبھی خدا کا شکر کرتی تھی، کبھی کہتی تھی، اف! بیڈھب سامنا ہے۔ کبھی کفِ افسوس ملتی۔ کبھی آہ سرد بھرتی۔ جب سپہر آرا نے خط سنا دیا تو حسن آرا نے خود پڑھا۔ اور خط بند کر کے کہا۔ بہن بڑی تسکین ہوئی۔ مگر آزاد کو ہماری تباہی کا حال ذرا نہیں معلوم، کہ ہم پر کیا گزری ہے۔ کس بلا میں ہم مبتلا ہوئے، مگر اس بے چارے کا اس میں کیا قصور ہے۔ یہ سب ہماری ہی نارسائی طالع ہے۔

اتنے میں بہار النسا نے کہلا بھیجا کہ عسکری آئے ہیں۔ نبض دیکھیں گے، پردہ کرو۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ بہار النسا بیگم نازو ادا سے کوٹھے پر تشریف لائیں۔ اور آتے ہی کہا: اے حسن آرا، ذری پردہ کر کے محمد عسکری کو نبض دکھا دو۔ زینے پر کھڑے ہیں۔ حسن آرا مجبور ہو گئی۔ اچھا کہہ کر کمرے میں گئی۔ سپہر آرا کو اشارے سے بلوایا، اور کہا بہار النسا بہن تو باہر ہی بیٹھیں گی۔ ہمارے عوض تم نبض دکھاؤ، دیکھو یہ عسکری ہیں کتنے۔ سپہر آرا نے مسکرا کر کہا: اچھا۔ اور پردے کے پاس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیٹھ کر نبض دکھائی۔

عسکری: دوسرا ہاتھ لائیے۔

بہار: بخار تو نہیں ہے خدا نخواستہ۔

عسکری: خفیف سا ہے۔ ضعف بہت ہے۔ اور کیوں کر نہ ہو۔ سخت تپ تھی نہ، نسخہ لکھ کر بھیجوں گا۔

حسن آرا نے بہار النسا کو اشارے سے بلایا۔

حسن: بڑے نباض ہیں آپ کے عسکری۔

بہار: کیا شک بھی ہے۔

حسن: اف۔ مارے ہنسی کے بُرا حال ہے۔ اس وقت واہ رے حکیم۔

سپہر: نیم حکیم خطرہ جان۔ نیم مُلّا خطرہ ایمان۔

بہار: یہ کاہے سے۔ کچھ وجہ بھی تو ہو۔ یا یوں ہی بے وجہ۔

حسن: نبض کس کی دیکھی تھی۔

بہار: تمھاری۔

حسن: اے واہ کہیں دیکھی نہ ہو۔ بس دیکھ لی حکمت۔

بہار: پھر کس کی نبض دیکھی، کیا سپہر آرا بیٹھ گئی تھیں۔

سپہر: (ہنس کر) ہاں اور نہیں تو کیا۔ بندگی۔ ضعف بتاتے تھے۔ ضعف ہمارے دشمنوں کو ہو۔ واہ مفت میں بدشگونی کی بات۔ اور خفیف سا بخار بھی بتایا۔

بہار: (شرما کر) بھلا علاج میں کیا ہنسی کرنی تھی۔

باہر جا کر بہار النسا نے محمد عسکری کو خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ اے بس جاؤ بھی، مفت میں ہم کو وہ بنایا۔ حسن آرا نے ہنسی ہنسی میں سپہر آرا کو اپنے عوض بٹھا دیا، اور تم ذرا نہ پہچان سکے۔ اللہ جانتا ہے ہمیں بڑی شرم آئی۔ ہمیں ذلیل کیا۔ بڑے حکیم بنے ہیں۔ محمد عسکری از بس خفیف ہوئے۔

محمد عسکری شادان و فرحان گھر گئے، اور آج خوش کیوں نہ ہوں گے سپہر آرا کی نبض دیکھی۔ حسن آرا سے باتیں کیں۔ اور انھوں نے ہنسی ہنسی میں انھیں بے وقوف بنایا۔ سوچے کہ اب کی جاؤں گا، تو کہوں گا۔ ایک ہوئی، یاد رکھیے گا خدا نے چاہا تو بہت جلد نکاح ہوا۔ اب نیم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راضی ہوگئی ہیں، مگر یہ معلوم بھی نہ تھا کہ یہ سب شیخ چلّی کے منصوبے تھے۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح حسن آرا میاں آزاد کو کب دل دے چکی محمد عسکری منہ دھو رکھیں۔

آزاد کا خط جو حسن آرا نے پایا تو روز کی نسبت آج ذرا رنج و الم کم تھا، اور بہار النسا بیگم کے کوٹھے پر آنے، اور ہنس ہنس کر محبت جتانے سے اور بھی خوش ہوئی۔

بات بڑھ گئی

دونوں بہنیں باتیں کر رہی تھیں کہ، بہار النسا بیگم آئیں۔

حسن : (مسکرا کر) آیئے۔

بہار : آج ہم تم سے بہت خوش ہوئے۔

سپہر : بھلا خیر شکر ہے۔

بہار : کہنا مانا نہ۔ خوش ہو گئے۔

سپہر : کیا کہنا مانا۔

حسن : نبض دکھائی اسی کے سبب سے خوش ہوئیں۔

بہار : ہاں اللہ جانتا ہے جی خوش ہو گیا۔

حسن : اور نبض دکھائی کس نے۔

سپہر نبض دکھائیں ہم، اور خوش آپ ان سے ہوں۔

حسن : اور اس میں خوشی کی بات ہی کیا ہے۔

بہار : اب دس بارہ دن میں امّاجان تم سے پوچھیں گی کہ محمد عسکری کے ساتھ تمھارا نکاح پڑھا جاتا ہے، کہو منظور ہے۔

حسن : (چونک کر) کیا!

سپہر : کیا کیا۔

بہار : تمھاری اور ان کی شادی کی فکر ہے۔ ان کا تو محمد عسکری کے ساتھ نکاح ہوا داخل ہے اس میں ذرا شک نہیں۔

حسن : اف!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اف کہہ کر حسن آرا گر پڑی اور خوب ہی روئی:

دل می رود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

اب سنیئے کہ روح افزا بیگم کے ہاں بی مغلانی ڈولی پر گئیں۔ اور روح افزا سے کہا کہ حضور بس اب دیر نہ لگائیے۔ جلدی کیجیے۔ روح افزا از بس متحیر ہوئی، کہ یہ کیا کہہ رہی ہے۔ پوچھا کہتی کیا ہو بی مغلانی۔ جلدی کیسی۔ کس امر میں جلدی کروں؟ مغلانی نے کہا تین دن سے گھر کی عجب ہی کیفیت ہے۔ بڑی بیگم صاحب بہتر از خرابی کھانا کھاتی ہیں۔ حسن آرا دن رات روتی ہی رہتی ہیں۔ سپہر آرا کو ہر دم اداس پایا۔ بہار النسا بیگم سے ان دونوں بہنوں سے نہیں بنتی۔ جلی کٹی سنایا کرتی ہیں — بڑی بیگم کو ایک دفعہ بڑی صاحبزادی نے بندگی کی، مگر بڑی بیگم صاحب نے منھ پھیر لیا۔ جواب نہ دیا۔ گھر بھر میں اداسی چھائی ہے۔ حسن آرا بیگم کئی بار کہہ چکیں کہ ہم زہر کھالیں گے اس پر چھوٹی صاحبزادی بولیں کہ باجی جان ہم کیا ساتھ نہ دیں گے بڑی وہ ہو رہی ہے۔ وہاں آپ چلیے۔ تو شاید کچھ فیصلہ ہو۔ وہاں تو ایک ایک مدعی ہے۔

روح افزا سخت ملول ہو کر بولی۔ یہ تم نے بری سنائی۔ حسن آرا، سپہر آرا، بڑی بیگم صاحب میں اس قدر نفاق ہو جائے یہ تو ان ہونی بات ہے۔ یہ آخر ہوا کیا۔ کچھ سبب تو بتاؤ۔ بے وجہ کچھ ہوتا نہیں۔ ہماری تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ اُف بڑی بُری سنائی۔

مغ : اب کسی ترکیب سے آپ چلی چلیں۔

مغلانی نے جا کر روح افزا کی ساس کو بندگی کی، اور کہا بڑی بیگم صاحب نے مزاج پوچھا ہے، اور خیر و عافیت دریافت کی ہے۔ اور بلایا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد روح افزا بیگم فنس پر سوار ہوئیں مہری ساتھ چلی، اور ایک سپاہی۔ بی مغلانی کی ڈولی پیچھے پیچھے۔ دن سے داخل ہوئیں۔ روح افزا کو دیکھ کر بڑی بیگم متحیر ہوئیں۔

روح : امّاں جان بندگی۔

ب : جیتی رہو۔ تم کیوں کر آئیں۔

روح : چلی آئی۔

بہار : کیا روح افزا آئی ہیں۔

روح : جی ہاں۔ بندگی۔ شہ نشیں سے باہر آئیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار: کب آئیں؟

روح: ایلو اور سنو۔ ابھی ابھی چلی آتی ہوں۔

بہار: خوب آئیں۔

روح: حسن آرا، سپہر آرا کہاں ہیں؟

بہار: ہوں گی کہیں۔

روح: کیا؟

بہار: ہمیں ان کا حال معلوم نہیں۔ کوٹھے پر ہیں۔

روح: بلوائیے۔

بہار: ہم سب سے دونوں بہنیں خفا ہیں۔

روح: ایں! یہ آپ آج کیا کہہ رہی ہیں۔ خفگی کیسی۔ اماّں جان یہ کہتی کیا ہیں۔

ب: ہمیں نہیں معلوم۔

روح: اے ذری حسن آرا کو تو بلانا۔

حسن آرا اور سپہر آرا کو جو روح افزا کے آنے کی خبر ہوئی تو باچھیں کھل گئیں۔ اتنے میں بہار النسا اور روح افزا ان دونوں کے پاس آئیں۔ مارے خوشی کے سپہر آرا روح افزا سے گلے ملیں اور خوب روئیں۔

روح: ایں! اے واہ جیسے کوئی۔

بہار: بیٹھو بیٹھو۔

روح: حسن آرا یہ تم کو کیا ہو گیا۔ وہ صورت ہی نہیں۔ وہ رنگ روپ ہی نہیں۔ یہ ماجرا کیا ہے۔ ہماری تو سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

حسن آرا نے جواب نہ دیا۔ مگر رونے لگی۔

روح: (گلے مل کر) ہائیں ہائیں!

سپہر: آپ کو یہاں کا کچھ حال بھی معلوم ہے۔ یہاں سب ہم سے خلاف ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے بے وجہ۔ اور یہ سب ہماری بہن کے سبب سے۔ بہار النسا بیگم صاحب۔ جی ہاں۔ کیا جانے اماّں جان سے کیا کیا کہا جا کر۔ اب وہ اتنی خفا ہیں، کہ بات کیا جو بندگی کریں تو منہ پھیر لیتی ہیں۔ کھانا بڑی خرابی سے کھاتی ہیں۔ اور بہار النسا بہن ہماری دونوں کی شکایتیں کرتی جاتی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب بھی باز نہیں آتیں۔ ہم کیا بتائیں بہن کہ آج کل کیسی گزرتی ہیں۔ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب حرام ہے۔ اور ان کی قطع تو آپ نے دیکھ لی ہے۔ پہچان نہیں پڑتیں۔ آخر کوئی تو سبب ہے۔

بہار : تم کہہ لو سب، تو پھر ہم بھی کہیں۔ ہم ساری داستان کہہ سنائیں گے۔

حسن : وہ کہہ چکیں اب آپ فرمائیے۔

بہار : ناک میں دم کر دیا۔

روح : یا اللہ ایسی عداوت ہے، کہ سرے ہی سے شکایت ہے۔

بہار : تمھیں کچھ حال تو معلوم ہی نہیں۔

روح : اے تو بتاؤ۔

حسن : ہاں فرمائیے۔

بہار : دیکھو روح افزا تم فہمیدہ ہو۔ ذرا غور سے سنو۔

سپہر : اب کچھ کہیے گا بھی۔

بہار : بڑی بوڑھی کا کہنا لڑکیوں کو ماننا چاہیے یا نہیں یہ بتائیے پہلے۔

روح : ضرور۔

بہار : بس اب ان سے پوچھ لو۔

روح : کس سے پوچھوں یا اللہ۔ کوئی بتاتا ہی نہیں۔

بہار : حسن آرا اتنا یاد رکھنا کہ شادی تمھاری عسکری ہی کے ساتھ ہوگی۔ اور جس موئے کا تم کو خیال ہے وہ دل سے دور کر دو۔

روح : ہائیں ہائیں! باجی کوئی ایسی تقریر کرتا ہے۔

بہار : اب بے اس کے مانیں ہیں گی نہیں یہ۔ کیوں جی عسکری میں کیا برائی ہے۔ شریف نہیں ہیں وہ۔ یا پڑھا لکھا نہیں ہے۔ یا خوش قطع نہیں ہے۔ آخر وہ بات کیا ہے۔ اس میں جو یہ انکار کریں۔ اور اگر ایسا ہی انکار ہے تو خدا حافظ چلو بس ہو چکی۔

سپہر : اب ہم سے چپ نہیں رہا جاتا۔ اور چپ کیوں رہیں۔ آخر بولو چپ رہنے کا سبب کیا۔ سنتی جاتی ہو کہ دشمنوں کی طرح پیش آتی ہیں، اور کہتی ہو چپ رہو۔ چپ کب تک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رہیں۔ کلیجا پیپ ہو گیا۔ چپ کا ٹھکانا بھی ہے۔ اب اس سے بڑھ کر اور ہو گا، کیا۔ امّاں جان نے بولنا تک چھوڑ دیا۔ بات کرو تو منھ پھیر لیں۔ یہ بالکل خلاف ہیں۔ پھر اب چپ رہنے سے واسطہ۔

حسن : اچھا وہ جو کہیں می زیبد۔ بڑی بہن ہیں۔

سپہر : ہاں بیشک مگر بڑی بہنوں کو ایسا نہ چاہیے۔

روح : تو یہ کہو۔ بات بہت بڑھ گئی ہے۔ اس قدر نوبت پہنچی۔ اور ہم کو اطلاع ہی نہیں، اور روز آدمی آتے جاتے تھے۔ ذری بھی کچھ حال معلوم ہوتا تو فوراً آ جاتی۔

بہار : اب آئی ہو تو کیا بنا لو گی۔ یہ ایک نہ مانیں گی۔

روح : وہ تو شاید مان بھی جائیں، مگر آپ کا مان جانا البتہ ذری مشکل ہے۔

بہار : ہاں تو یہ کہیے۔ آپ ان کی طرف سے لڑنے آئی ہیں خیر۔

روح : ہاں ہم سے تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ خواہی نخواہی جھگڑا ہو بیکار بیکار۔

حسن : اور کیا۔ پوچھو کہ لڑائی ہے کس بات کی۔

بہار : اچھا تم اتنا کہہ دو کہ عسکری کے ساتھ نکاح منظور ہے۔

روح : اے تو باجی یہ ہمیں نہیں اچھا معلوم ہوتا کہ بے سمجھے بوجھے قبولوائے لیتی ہو۔

بہار : اچھا نہ سہی۔ تو یہ خود مختار ہیں پھر۔

سپہر : اجی آپ سے کیا واسطہ۔ ہم عسکری کا نام نہیں سننا چاہتے۔

حسن آرا نے روح افزا سے کہا، بہن اب میں کیا کروں۔ امّاں جان اور بندگی کے جواب میں منھ پھیر لیں۔ ہے ہے۔ خون آنکھوں میں اتر آیا۔ مگر مجبوری ہے۔ اور یہ بہار النسا بہن اس کے کہنے میں جاتی ہیں جن کو بڑا حکیم اور یہ وہ سمجھتی ہیں۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ بڑی بیگم صاحب بھی جریب ٹیکتی ہوئی تشریف لائیں۔

روح : آئیے امّاں جان۔ حسن آرا بندگی کرو۔

حسن : (آہستہ سے) بندگی امّاں جان۔

ب : نے جواب نہ دیا۔

روح : امّاں جان حسن آرا بندگی کرتی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ب : میں اونچا نہیں سنتی ہوں۔
روح : نہیں آپ نے جواب نہیں دیا نہ۔
ب : کوئی تو وجہ ایسی ہے۔
روح : ہمیں کیا معلوم۔
ب : میں اس وقت صاف کہے دیتی ہوں، کہ عسکری کے ساتھ نکاح ضرور ہوگا۔ اس میں چاہے ساری خدائی ایک طرف ہو، میں کسی کی نہ سنوں گی۔ حسن آرا سے کہو کان کھول کر سن لیں۔ میں جان دوں گی۔ مگر کروں گی یہی جو کہتی ہوں۔ اس میں فرق نہ پڑے گا۔ یہ نہ مانیں گی تو زہر کھا لوں گی۔ مگر کروں گی وہی جو کہہ رہی ہوں۔ ایک دفعہ میں نے دھوکا کھایا تھا، کہ ایک جگہ سے پیغام آیا اور میں نے منظور کر لیا۔ اور پھر وہ لڑکا چور نکلا، مگر عسکری کو تو گودی کھلایا ہے۔ نام خدا ہونہار ہے، ہوشیار۔ لکھنے پڑھنے میں طاق اور وضع دار۔ سیدھا لئیق۔ بس اگر یہ نہ ہوا تو میں جان دے دوں گی۔ بس۔

اس تقریر نے حسن آرا کے ساتھ وہ کیا، جو موت جان کے ساتھ کرتی ہے۔ بڑی بیگم تو کہہ کر چلی گئیں۔ حسن آرا اس قدر روئی اس قدر روئی، کہ آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ روح افزا نے سمجھایا، تو حسن آرا نے کہا بہن اب سمجھانا بے کار ہے۔ اماں جان مانیں گی نہیں، اور ہم سوا آزاد کے اور کسی کے ساتھ شادی نہ کریں گے۔ نتیجہ یہی ہونا ہے کہ ہم ہی نہ ہوں گے۔ جنازہ کل ہی پرسوں تک نکلتا ہوگا۔ سپہر آرا نے جو یہ سنا تو حسن آرا سے چمٹ کر خوب زار زار روئی۔

غم و غصّہ و یاس و اندوہ و حرمان ہمارے بھی ہیں مہربان کیسے کیسے

حسن آرا بیگم کی جان عذاب میں تھی، بڑی بیگم سے بول چال ترک، بہار النسا سے محبت یک قلم القط۔ محمد عسکری روز ایک نیا گل کھلاتے تھے۔ روح افزا بھی ان سے خلاف ہو گئی تھیں۔ مغلانی اور مہری کو سمجھا دیا تھا، کہ اگر حسن آرا کی کوئی بات مانی تو گھر سے نکال

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دی جاؤں گی۔

بہارالنسا بیگم کے شوہر نواب صاحب بھی اپنی بیوی ہی کا جنبہ کرتے تھے۔ ہاں ایک سپہر آرا ہماری البتہ ان کی ہمدرد تھی۔ دونوں بہنوں کا کھانا پینا حرام۔ دن کو گریۂ وزاری شب کو اختر شماری۔ ایک دم چین نہیں۔ دونوں صیدِ مصائب، دونوں کا گھر بھر دشمن، ہنسنا بولنا بالائے طاق۔ زار زار رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔

محمد عسکری ایک ہی کا ئیاں۔ حسن آرا کے جمال مبین پر ہزار جان سے عاشق۔ بہارالنسا بیگم کے دل میں ان کی جگہ۔ بڑی بیگم ان کی مدّاح۔ روح ان کی ثنا خوان۔ مغلانی کو پانچ روپیہ دیے۔ ان کا دم بھرنے لگی۔ پیاری کو جوڑا بنوا دیا۔ اس کی یہ کیفیت کہ ادھر محمد عسکری دروازے پر آئے اور وہ کودتی ہوئی دوڑی کہ "عسکری میاں آئے"، نواب صاحب ان کے لنگوٹیے۔ یار حافظ جی کو بھی گانٹھ لیا تھا۔

حسن آرا اور سپہر آرا کے لیے کوٹھے پر کھانا بھیج دیا جاتا تھا، اور دوسرے تیسرے دن جب روح افزا رہتی تھیں، ان سے تھوڑی دیر کے لیے ملتی تھیں۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔ ایک روز روح افزا چپکے چپکے اوپر آئیں۔ دیکھا کمرے کے سب دروازے بند ہیں۔ متحیر تھیں کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ دروازے بند۔ سناٹا۔ کوئی منکتا تک نہیں۔ ایک شیشے کی راہ سے جھانک کر دیکھا کہ حسن آرا ہچکیاں لے کر رو رہی ہے اور سپہر آرا سر بزانوے تفکر نہایت ہی اداس تھوڑی دیر تک کھڑی دیکھا کیں۔ حسن آرا کبھی اٹھ کر بیتابی کے ساتھ اِدھر اُدھر جاتی۔ کبھی آہ سرد بھرتی۔ کبھی اس قدر روتی کہ ہچکیاں بندھ جاتیں۔ روح افزا گو ان دونوں بہنوں کے خلاف تھیں، مگر دل بھر آیا۔ آہستہ سے دروازہ کھولا، تو سپہر آرا چونک اٹھی۔ روح افزا مثل پیکرِ تصویر ایک ساعت تک کھڑی رہی۔ حسن آرا نے ان کو دیکھ کر منھ پھیر لیا۔ سپہر آرا نے پھر زانو پر سر رکھا۔ اور آہستہ آہستہ ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگیں۔ روح افزا بے اختیار (ہائے) کہہ اٹھی مگر دونوں بہنوں نے کچھ جواب نہ دیا۔

روح : ہائے اپنی کیا حالت کر دی ان دونوں نے۔

دونوں بہنیں خاموش رہیں۔

روح : حسن آرا۔

حسن آرا نے اس کا جواب نہ دیا، مگر گردن اٹھا کر روح افزا پر بصد حسرت نظر ڈالی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ روح افزا کا دل اور بھی بھر آیا۔ لپک کر حسن آرا کو گلے لگایا، اور دونوں بہنیں گلے مل کر خوب روئیں۔ سپہر آرا بدستور سر بزانوے تفکر۔ وہ اس درجہ محو تھی کہ، ان دونوں کے رونے کی آواز اس کے کان تک نہ پہنچی۔

روح : اب ذری منھ دھو ڈالو۔ اور آؤ ادھر ہوا میں بیٹھیں۔

جبکہ حسن آرا نے رومال سے آنسو پونچھے تو رومال تر ہو گیا۔ مگر روح افزا کی خاطر سے دریچے کے قریب جا بیٹھیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے ذرا دل کو ڈھارس ہوئی۔ روح افزا نے اپنے ہاتھ سے منھ دھلایا۔ اور پنکھا جھلنے لگی۔

سپہر آرا اسی طرح بیٹھی تھیں۔ گویا دنیا و مافیہا سے بے خبر۔

روح افزا نے آہستہ سے پکارا (سپہر آرا) جواب ندارد۔ پھر ذرا زور سے کہا (سپہر آرا) صدائے برنخاست۔ پھر باواز بلند پکارا۔ (سپہر آرا) مگر بے سود۔ آہستہ سے اٹھ کر سپہر آرا کو گلے لگایا۔ سپہر آرا نے دیکھا تو روح افزا بیگم غنچۂ دل کھل گیا۔ سوچی کہ اخاہ روح افزا اور اس درجہ عنایت۔ لیکن سمجھی کہ شاید اب محبت اور پیار کر کے دھوکا دیں۔ ہائے :

ہے بس کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشان اور
کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گمان اور

روح : اب ذرا ادھر ہوا میں چل کر بیٹھو تو باتیں کریں۔

سپہر : تشنگی کا غلبہ ہے اس وقت۔

روح : اے مہری ذری برف کا پانی تو لاؤ صراحی میں۔

مہری صراحی میں برف کا پانی لے کر آئی۔ لیجیے کون پیے گا۔

روح : سپہر آرا کو دو۔

سپہر آرا نے برف کا پانی پیا اور برف ہی کے پانی سے آنکھیں بھی دھوئیں۔ روح افزا نے کہا، حسن آرا کو بھی بلاؤ۔

روح افزا نے کہا، واسطے خدا کے بتاؤ تو کیا ماجرا کیا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں کیوں بھرتی ہو۔ کیا ہوا کیا۔ گھر میں ہنسی خوشی درکنار۔ جب دیکھو آئے دن نت نیا جھگڑا۔ جسے دیکھو منھ پھلائے بیٹھا ہے۔ یہ ہوا کیا ہے۔ آخر ہمیں تو کچھ تھل بیڑا ہی نہیں معلوم ہوتا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا نے جواب نہ دیا۔ سپہر آرا نے کہا کہ جلے ہوئے کو جلانا، مرے ہوئے کو مارنا، کس مذہب میں روا ہے بھلا۔ جان بوجھ کر انجان بنتی ہو بہن۔ بھلا تم سے کوئی بات پوشیدہ ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ تم بھی ہمارے خلاف ہوگئیں۔ خیر اللہ مالک ہے۔ روح افزا کسی قدر تنک کر بولیں چہ خوش۔ تمھاری نئی باتیں ہیں۔ جلے کو جلانا۔ اللہ اللہ یہ کلمہ اور ہماری نسبت، جہاں تمھارا پسینہ گرے، وہاں ہم لہو گرائیں، اور تم سمجھتی ہو کہ ہم تمھیں جلاتے ہیں۔ شانِ خدا۔ بس انھیں باتوں سے تو امّاں جان برا مانتی ہیں، اور وجہ کیا ہے۔ امّاں جان نے کیوں بولنا چھوڑ دیا۔ بہار النسا بہن کیوں خلاف ہوگئیں۔ یہ الٹا ہمیں کو للکارتی ہیں۔ واہ، وا، واہ۔

حسن آرا نے کہا سنو باجی! اب صاف صاف کہلواتی ہو تو بسم اللہ، یہ بتاؤ کہ تم جانتی کون سی بات نہیں ہو جو پوچھتی ہو۔ جو بہار النسا بہن پوچھتیں تو ہم سمجھتے کہ چھیڑنے کے لیے کہتی ہیں۔ مگر بہن تمھارا پوچھنا البتہ برا معلوم ہوتا ہے۔ روح افزا کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ پوچھا وہی ان کا معاملہ نہ۔ وہ جن کو بہار النسا بہن اٹھلّو چولھا، کہتی ہیں۔ حسن آرا نے کہا جن کا جی چاہے سو کہیے۔ مگر آپ سے یہ امید نہ تھی۔ روح افزا بولیں۔ اے تو ہم سے کیا واسطہ۔ باجی کہتی ہیں کچھ ہم کہتے ہیں۔

حسن آرا نے کہا تم سے ہم صاف صاف کہہ ہی چکے، کہ آزاد کو ہم نے دل دیا۔ برا کیا یا بھلا کیا۔ اگر اس میں کوئی بدی کی بات ہو تو اللہ ہم سے سمجھے۔ پھر اب عسکری کو دل کیوں کر دیں۔ یا تو عمر بھر کنوارے پن میں بسر کریں گے۔ یا آزاد کے ساتھ نکاح ہوگا۔ بہن تم اتنا تو سوچو اپنے دل میں کہ ہمارا قصور اس میں کیا ہے۔ کوئی بدی کی بات دیکھو تو سرزنش کرو۔ ٹوکو یہ کیا کہ ہم تو صاف صاف کہہ چکے ہیں۔ اور آپ خواہی نخواہی ہم کو دق کرتی ہیں۔ بہار النسا بہن میرے روبرو کوس چکیں۔ اب بتاؤ جی جلے یا نہ جلے۔ جس پر ہماری جان جائے، جس کا آسرا لگائے ہم بیٹھے ہوں۔ جس کے نام سے ہمارے بدن میں جان آجائے، جس کی زندگی پر ہماری زندگی منحصر ہو۔ جس کی جان کو ہم اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہوں، جس کے لیے ہم مہینوں دن رات روئیں۔ اس کو جو کوئی ہمارے سامنے برا کہے تو ہماری کیا حالت ہو۔ سرگشتگی کا حال کیا بتاؤں۔ گومگو کا معاملہ ہے۔ یہ نوبت آئی مگر دھن وہی ہے:

گو خاک ہوگئے نہ گئی جستجوے یار
جوں گردِ راہ پھرتے ہیں ہم دربدر ہنوز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور ہماری بڑی بہن ہمیں کو پیستی ہیں۔ بس اتنا سوچیے کہ کچھ تو سبب ہے کہ ہم اس ردّی حالت کو پہنچے، اور ابھی تک کسی کی بات نہیں مانتے۔ ؎

یہ زار ہوں کہ موے بدن بھی دبال ہے
رِتس پر ہے دل میں الفتِ موے کمر ہنوز

ہائے افسوس کوئی کہاں تک کہے۔ فراق کا صدمہ، جان جانے کا دھڑکا، اعزّا و اقربا کی طعنہ زنی کا خیال۔ ایک جان اور یہ جنجال ؎

تا کجا ظلم و ستم بس اے ستم ایجاد بس

ظلم کا بھی کوئی ٹھکانا ہے۔ کوئی حد ہے۔ اب تو کلیجہ پک گیا۔ اف کیا کروں کیا بتاؤں میں۔

سپہر آرا بولیں، بس ہم اس بات سے خوش ہوئے کہ صاف صاف کہہ دیا۔ اے آخر شش خوف کا ہے کا ہے۔ کچھ معلوم تو ہو۔ کہہ دیا سمجھا دیا کہ آزاد آئیں گے تب ہی نکاح ہوگا۔ ورنہ نکاح نہ ہوگا۔ ایسے ایسے تین سو ساٹھ عسکری ہوں تو کیا ہے۔ ہزار دفعہ کہہ دیا۔ لاکھ بار کہہ دیا۔ پھر اب کیوں کر کہیں۔ کہتے تو جاتے ہیں کہ جو کوئی بدی کی بات ہو تو تنبیہہ کرو۔

روح : حسن آرا اب اس وقت بات بڑھ جائے گی۔ اور کچھ گفتگو کرو۔

حسن : ہم فقط اس قدر چاہتے ہیں، کہ آپ ذرا انصاف کیجیے۔ انصاف کا خون نہ کیجیے۔ پیاری بہن۔ اللہ جانتا ہے۔ ہمارا قصور نہیں، اور ہم پر بڑا جبر ہوتا ہے۔ ہم کس سے کہیں۔ ہائے کس سے کہیں؟

روح : ہم تمہارا کہنا مان لیں، تم کو بھی تو ہماری نصیحت کا کچھ خیال رہے۔

حسن : بیشک۔ مگر۔

امّاجان ہم سے ناحق اس قدر خفا ہیں۔ مگر وہ لاکھ خفا ہوں جو بات بس ہی میں نہیں، اس کو ہم کیا کریں۔ ہماری بے بسی پر ان کو ذرا خیال نہیں۔ بولنا چھوڑ دیا۔ کہ ہم ان کا حکم بجا لائیں۔ بہار النسا بیگم الگ خفا ہو گئیں۔ کہ ہم ان کی خفگی سے ڈر کر کہہ دیں منظور سب پاپڑ بیلے لیکن ؎

گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی
یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب تو ہم نے ٹھان لی نا، کہ چاہے جان جائے، مگر آزاد کا آسرا لگائے بیٹھے رہیں گے۔ مصیبت سہنا منظور، لیکن آزاد کی محبت کم نہ ہوگی۔ :

خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیا
ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا

اتنے میں بی مغلانی نے آن کر کہا۔ لیجیے حضور، کہا ہے یہ تصویر ہمارے کمرے میں لٹکا دیجیے۔ روح افزا نے تصویر لے لی۔ دیکھتے ہی مسکرائی، اور کہا بس یہی چھیڑ خانی تو اچھی نہیں۔ پہلے تو تصویر چھپالی۔ مگر تھوڑی دیر میں سپہر آرا کو دے کر کہا۔ بھلا پہچانو تو کس کی ہے۔ سپہر آرا نے تصویر لے کر کہا، کیا معلوم کس کی ہے۔ مگر اُفوہ بہن ایسی بھدّی تصویر آج تک نہیں دیکھی۔ واہ ماشاء اللہ چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ غبی آدمی ہے۔ ہونٹھ بھدّے، دانت نکلے ہوئے۔ آنکھیں ذرا ذرا سی، گال پھولے پھولے، ناک بڑی اور لمبی، بھوں خراب۔ سارا نقشہ برا ہے۔ واہ ماشاء اللہ کیا تصویر دکھائی ہے آپ نے۔ اے ہٹاؤ بھی۔ کیا جانے کس موئے گھامڑ کی تصویر ہے۔

روح افزا نے کہا ماشاء اللہ کیا نظر ہے آپ کی۔ بس جاؤ دیکھ لیا۔ یہ بھونڈی تصویر ہے۔ چلو بس رہنے دو۔ ایسا ایک جوان تو نظر نہیں آتا۔ پتلے پتلے ہونٹھ۔ لال لال، گورا گورا مکھڑا اور پیارے گال، کلّے ٹھلے کا جوان گبھرو ہے۔

روح : سنو بہن جو تم نے کہا میں نے سنا۔ مگر امّا جان تو مانتی ہی نہیں۔

سپہر : اور سینے گا ذری۔ ساری گلستان پڑھ گئیں پوچھتی ہیں حکایت کے کیا معنی۔ اور خرابی کیا ہے۔ یہی تو خرابی ہے کہ امّاں جان نہ ہاری مانیں نہ جیتی۔

حسن : امّاں جان ہی مان جاتیں تو یہ رونا کاہے کا تھا۔ اس وقت تو وہی زلیخا زن بود یا مرد والی بات ہوئی۔ بہار النسا بہن کی دال نہ گلتی پھر۔

روح : اچھا اب کچھ کہو تو۔ گتھی کیوں کر سلجھے گی۔

حسن : بتاؤ روح افزا بہن کہ امّاں جان سے کیوں کر بولیں۔ اب ہماری تو توقع ہی ٹوٹ گئی۔ بے لحاظی بھی کی، مگر وہی ڈھاک کے تین پات۔ اچھا اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ ہم شادی نہیں کرتے۔ بے بیاہے ہی رہے سہی۔ پھر اس میں شرم ہی کیا ہے۔ کل بہار النسا بیگم نے وہ بات کہی کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ہائے غفلت۔ روح افزا نے کہا کس نے بہار النسا نے۔ بہار النسا بہن نہیں کہتیں اب۔ حسن آرا بولی پہلے سن تو لو بہن۔ وہ بات کہی کہ دل پر اب تک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صدمہ ہے۔ کہنے لگیں کہ ہمارے پاس کیوں آکے بیٹھیں گی۔ اپنے ہوتے سوتوں کے پاس بیٹھیں گی۔ ہے ہے۔ یہ آسمان کیوں نہیں پھٹ پڑتا۔ ارے غضب۔ ہمارے حق میں اور یہ کلمہ، اور ایک دفعہ کہا تھا کہ بی مغلانی تم نہیں سمجھیں یہ حسن آرا کی کھٹ چالیں ہیں۔ اب بوبیے جگر پاش پاش ہو کہ نہ ہو۔ مگر کہوں کس سے۔ کوئی سننے والا بھی ہو۔ جب۔ خیر جی اللہ مالک ہے۔ ہم بے گناہ ہیں۔ اس سے تو وہاں اپنے شہر ہی میں اچھے تھے۔

بہار النسا بیگم نے آن کر کہا۔ روح افزا۔ لو سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ اب ان دونوں سے پوچھ لو منظور ہو تو تیار ہوں۔ ورنہ امّاں جان تو قسم کھا بیٹھی ہیں کہ ان کی صورت نہ دیکھیں گی۔

روح افزا اور بہار النسا نے چپکے چپکے کچھ باتیں کیں۔ بہار النسا چلی گئی۔ روح افزا نے ان دونوں بہنوں سے آن کر کہا بڑا برا سامنا ہے۔ کہو کہوں، کہو نہ کہوں۔ حسن آرا کا کلیجا دھڑ دھڑ کرنے لگا سپہر آرا کا رنگ فق ہو گیا۔

روح : کہیے یا نہ کہیے۔ اختیار ہے آپ کو :

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکدان کیے ہوئے

روح : ایک بات کہیں جو مانو بہن۔ واسطے خدا کے سن لو۔

سپہر : کچھ سناؤ گی کیا۔

حسن : ہم تو سب کچھ سننے کے لیے مستعد ہیں۔ جب تک آزاد واپس نہیں آتے جس کا جو جی ہے سنائے۔ مگر خدا وہ دن دکھائے آزاد کی صورت نظر آئے، پھر کوئی کچھ کہے تو جانیں۔

سپہر : روح افزا بہن یا تو کہا نہ کرو، اور جو کہو تو پھر صاف صاف۔

حسن : ہاں بیان کرو نا بہن۔ ہم تو سختیاں سہنے کے لیے پیدا ہی ہوئے۔

روح افزا نے کہا کہ باجی جان ابھی ابھی کہہ گئی ہیں کہ، امّاں جان نے قسم کھائی ہے کہ عسکری ہی کے ساتھ حسن آرا کا نکاح ہو، اور سپہر آرا کے لیے نواب باقر علی خاں کے بھتیجے کو تجویز ا ہے؛ اگر تم دونوں منظور کرو گی تو خیر، ورنہ امّاں جان تمھاری صورت عمر بھر نہ دیکھیں گی۔ اور بھی بہت سی باتیں کیں کہاں تک بیان کروں۔ کہتی ہیں کہ امّاں جان شاید ایک مکان میں ساتھ نہ رہیں۔ حسن آرا نے متحیر ہو کر پوچھا۔ کیا؟ سپہر آرا نے دانتوں تلے انگلی دبائی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی نے زینے پرسے کہا۔ حضور اخبار آیا ہے۔ پڑھیے تو لاؤں، نہیں تو نواب صاحب کے پاس بھیج دوں۔ حسن آرا نے کہا لاؤ لاؤ ہم پڑھ لیں تو پھر لے جانا۔ سپہر آرا دوڑ کر اخبار لائی۔ حسن آرا نے اِدھر اُدھر مضمون اور خبریں پڑھیں، پڑھتے پڑھتے دفعتاً ایک مضمون کی سرخی نظر پڑی۔ دیکھتے ہی چونک اٹھی۔ بشرے سے حیرت اور حسرت نمودار تھی۔ سپہر آرا نے جو بہن کے چہرے کی طرف نظر ڈالی تو بھانپ گئی، کہ آزاد کا حال ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس غریب الوطن پر کچھ تباہی آئی۔ روح افزا بھی غور سے دیکھنے لگی۔ متحیر تھی کہ ماجرا کیا ہے۔ حسن آرا اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد سپہر آرا، اور روح افزا بھی گئیں تو دیکھا کہ حسن آرا ایک پلنگ پر بے خبر سوتی ہیں۔

سپہر آرا نے اخبار کی چاروں طرف تلاش کی، مگر کہیں نہ ملا۔ روح افزا نے بھی ڈھونڈھا مگر نہ پایا۔ دو دفعہ دونوں نے چوطرفہ ڈھونڈھ مارا مگر نہ ملا نہ ملا۔ دونوں متحیر کہ اخبار گیا کہاں۔ زمین کھا گئی یا آسمان کھا گیا آخر رکھا کہیں یہاں ہی ہوگا۔ تیسری بار دونوں نے پھر ادھر اُدھر ڈھونڈھا مگر بے سود

روح افزا نے کہا حسن آرا کے نیچے نہ ہو۔ شاید اخبار ہی پر سو گئیں ہوں۔ سپہر آرا بولی بہن معلوم ہوتا ہے یہاں آ کر اخبار پڑھا اور پڑھ کر مارے رنج کے سو رہیں۔ روح افزا نے پوچھا رنج کیسا اے یہ رنج کس بات کا۔ سپہر آرا نے اس کا جواب نہ دیا۔ روح افزا بڑی دیر تک کچھ بڑبڑایا کی۔ اتنے میں بڑی بیگم نے بلوایا پیاری نے آن کر کہا چلیے آپ کی سسرال سے کوئی ماما آئی ہے۔ بڑی بیگم صاحب حضور کو یاد فرماتی ہیں۔ روح افزا بڑی بیگم کے پاس گئیں۔ تو سپہر آرا اپنی بہن کو پنکھا جھلنے لگی۔ حسن آرا جاگ اٹھی۔ دونوں بہنوں کی چار آنکھیں ہوئیں تو حسن آرا رونے لگی۔ سپہر آرا نے کہا ہم تو پہلے ہی سمجھے تھے۔

حسن : اُف۔ ہے ہے۔

سپہر: پھر وہی۔ ہائے اللہ میں کیا کروں اب۔

حسن : جاؤ اخبار پڑھ لو۔ مگر ہم سے کچھ نہ کہنا۔

سپہر: سارے میں ڈھونڈھ مارا کہیں نہ ملا۔

حسن : الماری میں رکھا ہے۔

سپہر آرا نے اخبار لے کر مضمون پڑھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سائیس کے ساتھ آزاد کی شادی اور حسن آرا بیگم کی خانہ بربادی

حیف برین دانش و تدبیرِ او
کور شدہ دیدۂ تقدیرِ او

واہ ری دنیا، اور واہ ری ہوا و ہوس۔ لعنت ہے ان لعینوں پر، جو بھلے مانسوں کا نام بد کرتے ہیں۔ پہلے پاک بازی اور عشقِ صادق کا دم بھرتے ہیں۔ اور پھر دھوکا دے جاتے ہیں:

این نہ مردان اند اینہا عورت اند
بستۂ نان اند و مردِ شہوت اند

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم نے میاں آزاد نامی ایک ہندی کی تعریف کی تھی، اور لکھا تھا کہ میاں آزاد ٹرکی گئے ہیں، تاکہ جنگ میں شریک ہوں۔ ترکوں کا ہاتھ بٹائیں۔ روسیوں کو نیچا دکھائیں۔ ایک نوجوان اور عالی خاندان حسین و مہ جبین، شائستہ و تربیت یافتہ، بیگم صاحب نے ان کو شریف الجانبین، اور نجیب الطرفین، اور فہمیدہ و سنجیدہ سمجھ کر ٹرکی بھیجا کہ اگر وہاں سے سرخرو آؤ گے تو نکاح ہوگا۔ مگر۔

دیگر بخود منازکہ ترکی تمام شد

ایک معتبر ذریعے سے معلوم ہوا کہ میاں آزاد، ٹرکی میں ایک سائیس کی نوجوان بیوی پر عاشق ہوئے۔ لاحول ولاقوۃ۔ لاحول ولاقوہ۔ اے پھٹکار۔ کجا یہ قول و اقرار، کجا یہ کردار۔

اس شخص نے اپنے اس خرقۂ سالوس سے اس خاتونِ عفیفہ کو بڑا دھوکا دیا، مگر للہ الحمد کہ وہ معصوم ہی رہی۔ ہم کو یقین واثق ہے کہ جب بیگم یہ خبر وحشت اثر سنے گی، تو آزاد کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نام پر لاحول پڑھے گی۔ مگر افسوس ہے کہ اس بے چاری تک یہ خبر نہ پہنچنے پائے گی۔ وہ شب و روز کی جدائی میں جلے گی، اور یہ خبر ہی نہ ہونے پائے گی کہ میاں آزاد وہاں گل چھرّے اڑا رہے ہیں۔ بیگم کو شکر کرنا چاہیے کہ ایسے دون منش کے زور سے انھوں نے نجات پائی:

ہاں مشو نا امید چون واقف نئی ز اسرارِ غیب
باشد اندر پردہ بازیہائے پنہاں غم مخور

بیگم بے چاری کے دل سے کوئی پوچھے، یہ خبر اس کے دل کے ساتھ وہ کرے گی جو تپِ دق جوان کے ساتھ، اور فالج پیرِ فرتوت کے ساتھ کرتا ہے۔ افسوس صد افسوس! وہ بے چاری سوچتی ہوگی، کہ میاں آزاد سرخرو آئیں گے۔ نام ہوگا، اقصائے روم سے ہندوستان تک، اہلِ اسلام اور اہلِ ہنود ان کی تعریف میں رطب اللسان ہوں گے، یورپ میں آزاد کی شجاعت و بسالت کا غلغلہ ہوگا۔ مگر:

ما در چہ خیالم و فلک در چہ خیال
کارے کہ خدا کرد فلک راچہ مجال

ہزاروں آرزوؤں کا خون ہوگیا۔ اور دو دن میں سن لیجیے گا کہ اس خاتونِ عصمت مآب کو جنون ہوگیا۔ امید کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ سوچیں گی کہ اللہ اللہ جس کو ہم دل دیں وہ ہیچ قوم متبذل عورتوں پر ریجھے۔ بڑے شرم، اور خفت، اور حیرت کی بات ہے۔ اس سے بڑھ کر اور صدمہ کیا ہے۔ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ:

تو ان شناخت بہ یک روز از شمائل کرد
کہ تا کجاش رسید ست پائے گاہِ علوم
ولے ز باطنش ایمن مباش و غرہ مشو
کہ خبثِ نفس نگردد بسالہا معلوم

نفسِ امّارہ، جب نفسِ مطمئنہ پر غالب آتا ہے تو انسان کو بے قابو کر دیتا ہے، مگر طیب النفس بزرگوار نفس امّارہ کو مغلوب کر دیتے ہیں۔ ممکن کیا کہ نفس پلید ان پر غالب آجائے، کیا مجال:

اے نفسِ پلید آدمی بن
کتے میں ولی کی خصلتیں ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہم اس قدر لکھ چکے تھے کہ روم کے ایک معتبر و مستند اخبار سے اس خبر کی صداقت ہوئی اخبار مذکور میں درج ہے کہ میاآزاد نے ایک سائیسن کو زہر دلوایا، اور اس کی زوجہ بست سالہ کے ساتھ نکاح پڑھوالیا۔ اے لعنتِ خدا۔ تم کلامہ۔

حسن : سپہر آرا ہم تو ایسا نہیں سمجھتے تھے۔

سپہر : باجی یہ سب غلط ہے۔

حسن : کیا قسمت کی خوبی ہے۔ جو کام ہوا برا ہی ہوا۔

سپہر : یہ سب افترا پردازی ہے۔

حسن : اخبار والے نے خوب لکھا ہے۔

کہ خبث نفس نگردد بسالہا معلوم

سپہر : باجی جان ہم تو فال دیکھیں گے

سپہر آرا نے فال دیکھی، کہ یہ خبر سچ ہے یا غلط۔ یہ غزل نکلی:

خوش آمد گل وزاں خوشتر نباشد
کہ در دستت بجز ساغر نباشد
پیا اے شیخ در خمخانۂ ما
شرابی خور کہ در کوثر نباشد

سپہر آرا کو تو ڈھارس ہو گئی، کہ حافظ شیرازی نے سچا سچا حال بتا دیا۔

حسن آرا نے کہا۔ ہمارا تو شیشۂ دل چکنا چور ہو گیا۔ ہائے ہم کیا جانتے تھے، کہ عشق خانۂ خراب یہ نتیجہ اور یہ برا دن دکھائے گا:

نامِ الفت سے ہم نہ تھے آگاہ — کسی یوسف کی تھی نہ ہر گز چاہ
عیش و عشرت سے کٹتی تھی اوقات — چہچہوں میں گزرتے تھے دن رات
عشق کا سنتے تھے نہ افسانہ — شمع رویوں پہ تھے نہ پروانہ
جان دیتے نہ تھے کسی گل پر — ہنستے تھے نالہائے بلبل پر
دل چھپائے ہوئے تھے چوروں سے — خوف تھا انکھڑیوں کے ڈوروں سے
دم نکلتا تھا تیغِ ابرو سے — دل الجھتا تھا ذکرِ گیسو سے
دل کو چاہِ ذقن کی چاہ نہ تھی — کسی یوسف لقا سے راہ نہ تھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قیس کا سنتے تھے جو افسانہ
کہتے تھے وہ بشر تھا دیوانہ

مگر ہے ہے یہ معلوم ہی نہ تھا :

جب طبیعت کسی پہ آئے گی
ساری حکمت یہ بھول جائے گی

جب دل آیا تو معلوم ہوا کہ عشق اس کو کہتے ہیں۔ جب ان سے جدائی ہوئی تو کڑھنے لگے۔ کبھی غم و افسوس کرتے تھے۔ کبھی دل کو ڈھارس دیتے تھے۔ مگر :

حالِ اوّل سے یہ نہ تھا ظاہر
کہ اسی غم میں ہوں گے ہم آخر

اپنا کیا اپنے آگے آیا۔ اف فوّہ بڑا دھوکا کھایا۔ میاں آزاد کے ہتھکنڈے کیا معلوم تھے :

زجوشِ آتشِ غم شعلہ افشاں شد چراغِ من
خدایا بر دلم رحمی کہ خون گردید داغِ من

ہائے یہ کیا ہوا۔ ہمارا ذرا خیال نہ آیا۔ ایک نیچ قوم عورت کو بیاہا۔ حسن آرا کو بھول گئے۔ مہینوں اسی رنج میں گزر گئے، کہ ٹرکی کیوں بھیجا۔ ہائے بیٹھے بٹھائے اس کی جان کی کیوں خواہاں ہوئی۔ رات دن دعا مانگی، کہ یا الٰہی ! بامراد واپس آئے مگر یہ کیا معلوم تھا کہ دفعتاً خرمنِ امید پر غم کی بجلی گر پڑے گی۔ نصیبوں کی شامت نے آج یہ خبر سنائی۔ برسوں کی محنت خاک میں ملائی۔ قسمت پھوٹ گئی۔ ہائے بس آرزو ہے تو یہ ہے کہ ایک دفعہ چار آنکھیں ہوں، تو جھک کر سلام کروں۔

اگر یہ سچ ہے تو بڑا چھتّیسا پن کیا۔ یہ سوجھی کیا ؟ پھر اتنی دور گئے کیا کرنے تھے۔ مگر یہ خبر ضرور غلط ہے۔

روح افزا جو کوٹھے پر آئی، تو سپہر آرا نے کہا ذری باجی کو تو دیکھو۔ پوچھا کیوں کیوں کیسی ہیں ؟ کہا کیا بتاؤں ایسا بخار ہے کہ نبض پر ہاتھ نہیں رکھا جاتا۔ بدن خدانخواستہ تنور کی طرح جل رہا ہے۔ روح افزا نے دُلائی ہٹا کر دیکھا تو کہا اف یہ اتنی ہی دیر میں ایسی تپ آگئی۔ حسن آرا نے روح افزا کو دیکھ کر رونا شروع کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روح افزا نے کہا۔ بہن روتی کیا ہو۔ اچھّی ہو جاؤ گی۔ ذری دل کو ڈھارس دو۔ طبیعت کو قابو میں رکھو، ایسا بھی نوج کوئی بیماری میں گھبرائے۔ بہار النسا کو بلوایا۔ وہ بھی بیتاب ہو کر آئیں آتے ہی زینے کے پاس سے بآواز بلند پوچھا۔ کیسی ہیں ؟ کیسی ؟ آن کر دیکھا تو متحیر۔ ایں! یہ کب سے۔ بخار۔ سپہر آرا اُف! بدن پر ہاتھ رکھا تو معلوم، جیسے کسی نے جھلسا دیا۔ اف! توبہ، توبہ۔ اس وقت ان کے دل سے کوئی پوچھے۔ بہار النسا کے یہ کلماتِ محبت سن کر حسن آرا نے کہا، باجی! میرے قلب کی عجیب کیفیت ہے۔ ہر طرح کی بیماری میں نے اٹھائی ہے۔ مگر قلب اس درجہ کبھی ضعیف نہیں ہوا۔ ہاتھ پاؤں سنسناتے ہیں، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہر عضوِ بدن سے جان نکل رہی ہے۔ بولتی ہوں تو کمال تکلیف ہوتی ہے، اور قلب کے پاس میٹھا میٹھا درد سا ہوتا ہے۔ رہ رہ کے درد ہوتا ہے، اور سر پھٹا جاتا ہے۔ میں کیا کروں ؟ بہار النسا آبدیدہ ہو گئیں۔ بڑی بیگم کو بلوایا۔ وہ جریب ٹیکتی ہوئی بدحواس اور سراسیمگی کی حالت میں آئیں۔

ب : (پیشانی پر ہاتھ رکھ کر) اف! اللہ یہ کیا ہوا۔

بہار : بخار سا بخار ہے۔

نواب صاحب دوڑتے ہوئے آئے۔ خیریت ہے ؟ اوپر آئے تو اصیلیں، اور ماما، اور روح افزا، اور سپہر آرا، اور بہار النسا، سب کو افسردہ پایا۔ حسن آرا کو دیکھا تو آنکھیں چھت سے لگی ہوئی تھیں دل بہار، قرآن کی ہوا دے رہی ہے۔ پیاری کی ماں نے صدقہ اتارا۔ نواب صاحب نے نبض پر ہاتھ رکھا تو رنگ فق ہو گیا۔ پوچھا یہ حال کب سے ہے ؟ ہمیں کسی نے اطلاع بھی نہ کی۔ حسن آرا نے بہت آہستہ سے کہا۔ دولھا بھائی اس کے بعد کچھ کہنے کو تھی، مگر غشی طاری ہو گئی۔ بڑی بیگم نے کہا سورۂ حمد دم کرو۔ سورۂ حمد دم کرو۔ روح افزا نے کہا دولھا بھائی ڈاکٹر کو بلواؤ۔ اتنے میں محمد عسکری صاحب تشریف لائے۔

عسکر : ہم آئیں۔

بہار : اے چلے بھی آؤ۔ اس وقت۔ عسکری ذری نبض تو دیکھو۔ میرا بھائی کچھ بتا۔ اے دم کے دم میں کیا ہو گیا۔

عسکر : (نبض دیکھ کر) بڑے حکیم صاحب کو بہت جلد بلوائیے۔

ن : دوڑو اور جلد بلا لاؤ۔ کسی سواری پر آئے ہو۔

عسکر : پالکی گاڑی پر۔ ابھی بلاتا ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار النسا نے محمد عسکری کو علیحدہ لے جاکر پوچھا۔ بھائی عسکری سچ سچ بتانا حسن آرا کیسی ہے؟ محمد عسکری نے کہا۔ بہن کیا بتاؤں نبض ہی نہیں ملتی۔ اس فقرے پر بہار النسا نے دوہتڑ پیٹنا شروع کیا۔ عسکری نے کہا اب مجھے جانے دو۔ مگر جب تک وہ آئیں یہاں خدا جانے کیا ہو جائے گا۔ بہار النسا اور بھی روئی اور سر پیٹنے لگی۔ نواب صاحب نے آن کر سمجھایا، اور کہا یہ وقت دوا اور علاج کا ہے۔ اور رونا تو عمر بھر ہے۔ بہار النسا جی کڑا کر کے کمرے میں آئی۔ آنکھیں لہو کی بوٹیاں، بدن تھر تھر کانپ رہا ہے۔

محمد عسکری فوراً پالکی پر سوار ہو کر، بڑے حکیم صاحب کو بلانے گئے، اور نواب صاحب نے کوچمین کو حکم دیا کہ ابھی ابھی فٹن تیار کرو۔ ذرا دیر نہ ہو۔ ہمایوں فر نے پوچھا خیر تو ہے۔ یہ آج سب کے سب بد حواس کیوں ہیں۔ نواب صاحب نے حال بیان کیا تو ہمایوں فر بھی آبدیدہ ہو گئے۔ کہا آپ یہاں ہی رہیں۔ میں جاکر سول سرجن کو ساتھ لاتا ہوں۔ نواب صاحب نے شکریہ ادا کیا۔ ہمایوں فر فٹن پر سوار ہو کر سول سرجن صاحب کے ہاں گئے۔ کارڈ بھیجا۔ پرنس میرزا ہمایوں فر بہادر، پڑھ کر صاحب ممدوح باہر نکل آئے، اور بڑے تپاک سے ہاتھ ملا کر، حال پوچھا، اور کہا میں ابھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ اسی دم صاحب سول سرجن آئے۔ نواب صاحب کو اطلاع کی گئی۔ باہر آئے۔ صاحب سے ہاتھ ملایا۔ خواص نے آن کر کہا پردہ کرایا گیا آئیے۔ حضور سول سرجن اور نواب صاحب اندر تشریف لے گئے حسن آرا بیگم کی نبض دیکھی۔ جیبی گھڑی ملو کے پھر نبض دیکھی۔ حال پوچھا کہا ہم جانتے ہیں، کہ کسی سانحے کی خبر سنی ہے۔ جس کے صدمے سے اس درجہ بیتاب ہو گئیں۔ کسی عزیز کے مرنے کی خبر سنی ہو، یا کسی بنک میں روپیہ رکھا ہو اور دوالہ نکل گیا ہو۔ یا کوئی اور بات اس قسم کی ہوئی ہو۔ کچھ ایسا ہی قلب پر صدمہ پہنچا ہے۔ نواب صاحب نے قلم دوات کاغذ مانگا۔ پیاری نے حاضر کیا۔ نسخہ لکھا اور کہا جالشن اینڈ کمپنی کی کوٹھی سے منگواؤ۔ آٹھ بجے ہم پھر آئیں گے۔ نواب صاحب نے باہر دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک طبیعت کیسی ہے ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ ردی حالت ہے۔ بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ علاج مشکل ہے۔ ایک اشرفی پاکٹ میں رکھ کر صاحب سول سرجن تشریف لے گئے۔ اتنے میں محمد عسکری صاحب بڑے حکیم جی کو لے کر آئے۔ بڑے حکیم معمر آدمی، تجربہ کار، لائق فائق، عالم فاضل، تمام شہر میں ہوا بندھی تھی۔ لوگوں کا مقولہ تھا کہ دست شفا ہے۔ حکیم صاحب محمد عسکری کے ساتھ تشریف لائے۔ بسم اللہ کہہ کر نبض دیکھی اور سوال شروع کیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حکیم: کتنے دن سے طبیعت علیل ہے، صاحبزادی کی۔

نواب صاحب: جی بس آج ہی بخار آگیا' اور دیکھتے ہی دیکھتے تب اس درجہ شدید ہوگئی۔

حکیم: کسی قسم کی خلش بیشتر سے تھی؟ غذا میں بے احتیاطی تو نہیں ہونے پائی؟

ن: مطلق نہیں۔

حکیم: گھر میں کسی سے لڑائی یا تکرار ہوتی تھی؟

ن: نہیں۔

عسکر: ان کی دادی ——— وہ والدہ کسی امر پر ان سے ناراض تھیں، مگر کوئی جھگڑا نہ تھا۔

حکیم: ہمارے علم و یقین میں کسی امر کے رنج اور انتہا کے غم نے ان کو بیمار کر دیا۔

ن: ڈاکٹر صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔

حکیم: کس کی رائے؟

ن: ڈاکٹر صاحب آئے تھے۔ سول سرجن۔ انھوں نے بھی یہی فرمایا۔

حکیم: (چین بہ جبین ہوکر) کہا معالج ڈاکٹر ہے؟

عسکری: نہیں حضور، بلالیا تھا ان کو بھی سب گھبرا گئے تھے۔

حکیم صاحب نے پھر نبض دیکھی۔ باہر جاکر بیٹھے۔

محمد عسکری کے کان میں کہا (کام تمام ہوگیا) نسخہ لکھ کر تشریف لے گئے۔ نواب صاحب کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ میرزا ہمایوں فر اسسٹنٹ سرجن کو بلالائیے۔ نواب صاحب نے کہا حضرت اب ہم آپ کو جانے نہ دیں گے۔ اسسٹنٹ سرجن نے بھی جاکر نبض دیکھی۔ حال پوچھا۔ صاحب سول سرجن کا نسخہ دیکھا اور کہا صاحب نے خوب نسخہ لکھا ہے۔ میرزا ہمایوں فر نے دریافت کیا کہ طبیعت کیسی ہے۔ سچ سچ بتائیے گا۔ اسسٹنٹ سرجن نے کہا: بہت ردّی حالت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ خدانخواستہ جان ہی پر بن جائے گی۔ مشکل ہے۔ حکیم کا علاج ہوگا تو پھر ہلاک ہی ہوجائے گی۔

میرزا ہمایوں فر، اور نواب صاحب اور محمد عسکری باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے تو شہزادہ ہمایوں فر نے کہا ان کی رائے ہے کہ اگر حکیم کا علاج ہوا تو بچنا محال ہے۔ نواب صاحب نے کہا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور حکیم جی ڈاکٹر کا نام سن کر بڑے خفا ہوتے تھے۔ یہ تو ان لوگوں کا قاعدہ ہے۔ محمد عسکری نے مشورہ دیا کہ طبیب یونانی معالج ہوں۔ مگر شہزادہ ہمایوں فر نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ سوداگر کی دوکان سے دوا آئی۔ ایک (مارک) یعنی ایک مرتبہ کی مقدار دی گئی۔ نواب صاحب نے جانچ کر دوا دی۔ اب حسن آرا کی کیفیت سنیے! کہ انتہا کی نقیبہ۔ آنکھیں چھت سے لگی ہوئیں تشنگی کا غلبہ۔ قلب الٹا جاتا تھا۔ بے چینی کی حد نہ تھی۔ آنکھوں سے اشک جاری۔ دماغ پر اس قدر گرمی تھی کہ مثل تنور پھنک رہا تھا۔ کبھی سپہر آرا کو دیکھ کر روتی تھی۔ کبھی روح افزا سے کہتی تھی، کہ بہن کہا سنا معاف، مگر اچھی طرح کوئی سمجھ سکتا نہ تھا، کہ کیا کہا۔ بہار النسا انتہا سے زیادہ مضطر و بے قرار تھی۔ جب حکیم صاحب نے کہا، کہ گھر میں کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا، تو بہار النسا اپنے دل میں سخت خفیف ہوئیں۔ سپہر آرا کو خوب معلوم تھا کہ حسن آرا کو بیماری کیا ہے۔ بڑی بیگم بے چاری چپ چاپ بیٹھی، حسن آرا کی کیفیت دیکھ رہی تھیں۔ اس درجہ غم تھا کہ زبان سے کوئی کلمہ نہیں نکلتا تھا، مگر آنکھیں اشک بار، اور دل مضطر و بے قرار۔

ن: حسن آرا بیگم۔ حسن آرا بیگم۔

حسن آرا نے آنکھیں کھول کر دیکھا، مگر بات کرنے کی طاقت نہ تھی۔

بہار: بولو پیاری بہن۔ آہستہ سے کچھ کہو۔

حسن آرا نے اشارے سے کہا پانی پلاؤ۔ بڑی شدت کی تشنگی ہے۔

حسن آرا غلبۂ تشنگی سے سخت بے چین تھی۔ تھوڑی دیر میں ذرا سا پانی بہار النسا نے دیا۔ پانی پینے سے کسی قدر تشفی ہوئی۔ اتنے میں سول سرجن صاحب پھر آئے۔ پردہ کیا گیا۔ زبان دیکھی۔ نبض دیکھی۔ نسخہ لکھا، اور کہا: دو گولیاں آئیں گی، دونوں اسی وقت کھلا دیجیے۔ اور شیشی میں جو عرق آئے گا، وہ گولی کھانے کے آدھ گھنٹے بعد پلائیے۔ آدھ آدھ گھنٹے کے بعد ایک ایک مارک پلانا۔ صبح کو ہم پھر آئیں گے، اور ضرور آئیں گے۔ اگر رات کو طبیعت زیادہ بے چین ہو، تو ہم کو فوراً اطلاع دیجیے گا۔ پانی بہت کم پائیں۔ اس کا ضرور خیال رہے، اور جس طرح کمرہ صاف ہے۔ اسی طرح صفائی کا خیال رہے۔

حسن: (آہستہ سے) قلب از بس ضعیف ہے۔

ن: کہتی ہیں قلب بہت ضعیف ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سول سرجن: پوچھیے کوئی وجہ بیان کرسکتی ہیں۔
حسن: ہاں دل پر صدمہ پہنچا تھا۔
سول: ہم سمجھے ہی تھے۔
یہ کہہ کر سول سرجن صاحب باہر تشریف لے گئے۔
حسن: مگر اب ہمیں اپنے بچنے کی ذرا امید نہیں۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ رگ رگ سے کوئی جان نکال رہا ہے۔ اور قلب پر برچھی کی نوک سی لگتی ہے۔ اف ہاتھ پاؤں اینٹھے جاتے ہیں۔ ذرا کسی پہلو چین نہیں آتا۔ انتہا کی بے قراری ہے بات کرنا پہاڑ ہے۔ سپہر آرا کہاں ہے۔ بہار النسا بہن کہاں ہیں۔
بہار: سب بیٹھے ہیں تمھارے پاس۔ تم گھبراؤ نہیں۔ ہم سب بیٹھے ہیں۔ ذرا دل کو مضبوط رکھو۔ ڈاکٹر صاحب کہہ گئے ہیں کہ بہت باتیں نہ کریں۔ (قریب جاکر) بہن بتاؤ تو ایسا کیا صدمہ پہنچا، خدانخواستہ کہ دم کے دم میں یہ حالت ہوگئی۔ صورت دیکھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے نواب صاحب نے پوچھا۔ اب تو خوف کا مقام نہیں ہے۔ سول سرجن نے کہا ابھی آرام نہیں ہوا۔ طبیعت ٹھہر گئی ہے۔ صبح آن کر ہم کچھ کہہ سکیں گے۔

رات بھر حسن آرا تڑپا کی۔ بڑی بیگم آٹھ دس دفعہ اِدھر اُدھر جاکر منھ ڈھانپ ڈھانپ کر روئیں۔ بہار النسا اور روح افزا آپس میں گلے مل مل کر اشکبار ہوئیں، اور سپہر آرا کی تو عجیب ہی کیفیت تھی۔ اشک تمام شب آنکھوں سے جاری ہے۔ نواب صاحب نے سر بالیں بیٹھے بیٹھے تڑکا کر دیا۔ مغلانیوں، اصیلوں، نے آنکھوں میں رات کاٹی۔ باہر شہزادہ ہمایوں فر مثل ماہی بے آب تڑپ رہے تھے۔

رات کو دو مرتبہ شہزادہ معزاللہ ڈاکٹر صاحب کے پاس بھیجے گئے۔ صبح کے وقت حسن آرا کو اس قدر طاقت نہ تھی کہ بات کرسکتی۔ آنکھوں کے اشارے سے باتیں کرتی تھی۔ مگر بے کلی اور بے چینی صاف ظاہر ہوتی تھی۔

ٹھیک چھ بجے کے وقت سول سرجن صاحب تشریف لائے۔
سول: رات کو دوسری مرتبہ نسخہ لکھا اس نے فائدہ کیا۔
ن: جی ہاں، ہچکیاں بند ہوگئیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سول : بخار شب کو کیسا تھا؟

ن : کبھی کم کبھی زیادہ۔ تین بجے کے وقت اس قدر شدت تھی کہ پیشانی پر ہاتھ محال تھا۔ سارا بدن پھنک رہا تھا۔ اور بار بار پانی مانگتی تھی۔

سول : (نبض دیکھ کر) کم ہے۔

اس کے بعد صاحب سول سرجن نے ایک آلۂ چوبی سے قلب اور جگر کا امتحان لیا، اور باہر آن کر نواب صاحب سے کہا۔ "بہت کم امید ہے۔"

اتنے ایک ماما نے اندر سے آن کر کہا۔ نواب صاحب حضور جلدی سے آئیے۔ حسن آرا بیگم کی عجب حالت ہے۔ ہمایوں فر، اور حکیم صاحب سخت متحیر ہوئے، اور نواب صاحب دوڑتے ہوئے اندر گئے۔ ڈاکٹر صاحب اور حکیم صاحب دونوں بلوائے گئے۔

مغ : ٹھہر گئی۔ ٹھہر گئی۔ طبیعت۔

پیاری کی ماں اُف اف۔ کیا جانے کیا ہوا تھا۔

ماما : اللہ نے عزت رکھی۔

بابو : ڈاکٹر صاحب نے دوپہر کے بعد پھر جگر کا آلۂ چوبی سے امتحان لیا۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی۔ دونوں کی رائے تھی کہ سابق کی نسبت اب ضعف زیادہ ہے۔ فوراً صاحب سول سرجن طلب ہوئے۔ انھوں نے آن کر حال سنا۔ اسسٹنٹ سرجن سے مشورہ کیا۔ نسخہ لکھا۔ نواب صاحب کی تشفی کی اور کہا دوا نے اثر دکھایا۔ اب ہم کو ذرا تشفی ہوئی اب تک تو ہم کو بھی نہیں معلوم تھا کہ دوا اثر کرے گی بھی یا نہیں۔ شکر ہے کہ اب ہم کو تقویت ہوئی۔

حسن : دولھا بھائی۔ میرا کام تمام ہوا جاتا ہے۔

ن : بہن گھبراؤ نہیں۔ دو چار گھنٹے میں افاقہ ہو جائے گا۔

بڑی بیگم نے نواب صاحب کو پردے کے پاس بلا کر کہا۔ لو یہ دس اشرفیاں صاحب کو دو۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہو کہ اس وقت یہیں بیٹھیں۔ باہر نہ جائیں۔ نواب صاحب نے کہا اچھا۔ دس اشرفیاں صاحب سول سرجن کو بطریق نذر دکھائیں۔ انھوں نے فوراً قبول کر لیں۔

ن : جناب ان کی والدہ بہت بے قرار ہیں۔ فرماتی ہیں کہ آپ مہربانی کر کے کچھ عرصے تک یہیں تشریف رکھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوول : ہاں ہم ہیں۔ کچھ دیر تک۔ اور بابو صاحب بیٹھے ہیں۔
حکیم : میں رخصت ہوتا ہوں۔
ن : نہیں قبلہ۔ آپ یہیں تشریف رکھیں۔
حکیم : گھر تک ہو نہ آؤں۔
ن : ہم تو اس وقت نہ جانے دیں گے۔

حکیم صاحب نہایت ہی خوش ہوئے کہ دو ڈاکٹروں کے سامنے اس درجہ خاطر ہوئی، اور ڈاکٹر صاحب اپنے دل میں سوچے کہ ایسا نہ ہو لوگ ڈھلمل یقین تو ہیں ہی اور عورتوں پر یہاں دارومدار بھی زیادہ ہے۔ کہیں حکیم صاحب کا علاج نہ شروع کر دیں۔ اسسٹنٹ سرجن نے انگریزی میں کہا کہ، ان لوگوں کو ذرا بھی انگریزی ادویہ کا بھروسہ نہیں۔

حسن آرا نے سپہر آرا سے کہا: بہن! اب تو بچنے کی امید نہیں، تم لوگ تو چشمِ ظاہر بیں دیکھتے ہو تمھیں حال کیا معلوم کہ، قلب کی کیا کیفیت ہے۔ بس یہی معلوم ہوتا ہے کہ زہر کی بجھی ہوئی برچھی کوئی بھونک رہا ہے۔ اور اس وقت سب سے زیادہ یہ خیال ہے، کہ آزاد پیارے ہمارے کیا کریں گے:

ہر دم از افغان و آہِ آتشین و چشمِ تر
رعد نالان، برق سوزان، ابر گریانیم ما

اِدھر حسن آرا بیگم، سپہر آرا سے آہستہ آہستہ گفتگو کرتی تھیں۔ اُدھر نواب صاحب کو حکیم جی پٹی پڑھا رہے تھے۔

حکیم : حضرت ان کے علاج سے تو ازالہ مرض معلوم۔
ن : دیکھیے خدا مالک ہے۔
حکیم : خدا معلوم کیا الّم غلّم دیتے جاتے ہیں۔
ن : درست ہے۔

شہزادہ مرزا ہمایوں فر ڈاکٹروں کے از بس مقلّد تھے۔ جھلّا کر آہستہ سے کہا: نواب صاحب آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ درست درست کہتے چلے جاتے ہیں اور حکیم صاحب تو ڈاکٹروں کے خلاف کہا ہی چاہیں۔

اب سنیے کہ بڑی بیگم صاحب نماز پڑھ رہی ہیں۔ بہار النسا چھت پر مغلانی سے باتیں کرتی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیں۔ نواب صاحب اور میرزا ہمایوں فر، بہادر حکیم جی کی نسبت باتیں کر رہے تھے۔ حکیم صاحب ایک گھنٹے کے لیے رخصت ہو کر گھر گئے تھے۔ محمد عسکری بھی ہمرکاب حکیم صاحب چلے گئے تھے۔ کہ دفعتہً اندر سے رونے کی آواز آئی۔ سب دنگ کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ نواب صاحب فوراً لپکے بڑی بیگم غل مچاتی ہوئی زینوں پر جاتی تھیں۔

ن : کیا ہوا کیا۔ ہوا کیا۔

بہار : (سر پیٹ کر) جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔

سپہر آرا کونے میں کھڑی سر پیٹ رہی ہے۔ روح افزا سرہانے زار زار روتی ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے اینٹ اٹھائی اور زور سے سر پر لگائی۔

نواب صاحب نے جا کر دیکھا تو حسن آرا بالکل مردے کی طرح بے حس و حرکت پڑی تھی۔

ن : یہ کیا ہوا۔

مغ : ایک ہچکی آئی اور بس آنکھیں پھر گئیں۔

نواب صاحب نے نبض دیکھی۔ اور کہا نہیں ابھی گرم ہے۔ گھر بھر مصروفِ گریۂ زاری تھا۔ کہرام مچا ہوا۔ تمام محلّے سے بُکا و بیں کی آواز بلند تھی۔ سپہر آرا نے تین دفعہ دیوار سے سر ٹکرایا تو خون جاری ہو گیا۔ مغلانی نے لاکھ لاکھ سمجھایا مگر بے کار۔

ن : ارے ذرا چپ رہو۔ میں ابھی ڈاکٹر کو لاتا ہوں۔

یہ کہہ کر نواب صاحب گاڑی پر سوار ہوئے۔ اور ڈاکٹر کے ہاں گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قیدی کی رہائی

اتنے عرصے قید میں رہ کر میاں آزاد نہایت ہی پریشان ہوئے۔ ایک روز انھوں نے وزیرِ جنگ کے نام خط لکھا۔

"حضورِ اقدس"

میں قید خانے میں بیٹھا ہوا، اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھتا ہوں جس کی بدولت میں ناکردہ گناہ قید ہو گیا:

انچہ کردی تو بمن، ہیچ بہ انسان نہ کند
مرگ باجان نکند کفر بہ ایمان نہ کند

مگر افسوس ہے کہ گو اب وہ میرے خلاف نہیں۔ مگر نامساعدتِ بخت کو کوئی کیا کرے۔ میں صاف صاف لکھوں گا کہ حضور نے تحقیقاتِ کامل نہ کی، اور یہاں تک اس معاملے میں اغماض فرمایا کہ اب تک میری خبر ہی نہ لی۔ جرم تو یہی عائد ہوا نہ کہ میں روسی ہوں۔ مگر ہندوستان، اور انگلستان، اور مالٹا تک سے خطوط آئے کہ یہ شخص روسی جاسوس نہیں ہندی ہے، لیکن اس پر بھی قید خانے سے نجات نہ ملی۔ افسوس صد افسوس! مس میڈا جنھوں نے مجھے روسی جاسوس بتایا، وہ خود معترف ہیں کہ ان سے غلطی ہوئی۔ ہرمزجی کی کوٹھی میں فروکش ہوا، وہ اور ان کے باپ دونوں مجھ سے واقف ہیں۔ لفٹنٹ اپلیٹن۔ اور کپتان اسمتھ نے شہادت دی، مگر ہم قید خانے میں ہیں۔ افسوس! حیرت اور حسرت کی انتہا نہیں، اب یا تو میرے قتل کا حکم ہو جائے، یا رہائی کا۔ کیوں کہ اگر رہائی نہ ہوئی تو جینے سے کیا فائدہ، ہندوستان سے آئے تھے، کہ ترکوں کی طرف سے لڑیں۔ مگر اتفاق شامتِ اعمال:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شوق ہر رنگ رقیبِ سروسامان نکلا
قیس تصویر کے پردے سے بھی عریاں نکلا

سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ اب کس مصلحت سے قید ہوں۔

عریضہ فدوی آزاد مجرم

یہ خط صاحب سپرنٹنڈنٹ سول جیل کے ذریعے سے وزیرِ جنگ کے پاس بھیجا گیا۔ انھوں نے پڑھا، اور اس پر لکھ دیا جلد رہائی ہو گی۔

میاں آزاد کے پاس یہ جواب بھیج دیا گیا۔ پڑھ کر خاموش ہو رہے۔

اب سنیے، کہ دوسرے روز سول قید خانے میں ایک اور قیدی آیا۔ میاں آزاد نے دیکھا کہ ایک سرخ و سفید آدمی ہے نہایت ہی حسین و وجیہ۔ باہم گفتگو ہونے لگی۔

آزاد : آپ کس ملک کے باشندے ہیں؟

دوسرا قیدی : فرنچ ہوں اور آپ؟

آزاد : ہندی۔

فرنچ : یہاں کب سے ہیں آپ؟

آزاد : ابھی چند ہی روز ہوئے۔

ف : کس جرم میں سول جیل میں آنا ہوا۔

آزاد : کیا عرض کروں افسوس ہے۔

ف : ہماری نسبت مشہور کیا گیا ہے کہ روسی جاسوس ہے۔

آزاد : ہاں! تو آپ ہمدرد ہیں ہمارے۔

ف : کیا آپ پر بھی یہی جرم عائد ہوا ہے؟

آزاد : جی ہاں!

ف : اندھیر ہے اندھیر۔

آزاد : جنگ کا زمانہ ہے نہ۔ جاسوس کے نام سے تو لوگ بھڑکا ہی چاہیں۔

ف : یہ سچ، مگر انتظام بھی ٹھیک نہیں ہے۔

آزاد : ابھی میں اس کی نسبت کچھ رائے نہیں دے سکتا۔

ف : ہاں، واقف نہیں ہیں بخوبی آپ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میاں آزاد نے اس نوجوان فرانسیسی سے پوچھا، آپ روسی زبان سے بھی واقف ہیں؟ اس نے کہا، ہاں، خوب واقف ہوں، ترکی، فرانسیسی، روسی، تینوں زبانیں بول سکتا ہوں۔ دو دن آزاد اور فرانسیسی مل جل کر رہے تھے کہ فرانسیسی نے کہا:

حضرت! اب ہم اور آپ رازداں ہو جائیں۔

آزاد: رازداں ہو جائیں۔ اس کے کیا معنی؟

ف: ہم آپ سے راز کی باتیں کہیں۔ آپ ہم سے۔

آزاد: بہتر۔

ف: ہم روسی جاسوس تو نہیں، مگر جب قید ہوئے تب سے ترکوں کے خلاف ہو گئے۔

آزاد: افسوس صد افسوس۔

ف: افسوس کا ہے کا، اس ہیں؟ ہماری طبیعت۔

آزاد: ترک بڑے پاک باز اور سچّے آدمی ہیں۔

ف: آپ بھی واقف نہیں۔ ہم سے پوچھیے۔

آزاد: ہم ترکوں کے عاشق ہیں۔

ف: ابھی، اس حالت میں بھی؟

آزاد: بیشک۔

ف: آپ کو بے وجہ قید کر دیا۔

آزاد: خوب کیا۔

ف: خوب کیا تو ہم دشمن ہو گئے ہیں۔ بے وجہ قید کر دیا۔

آزاد: جنگ کا وقت ہے نہ۔

ف: بڑا برا کیا۔

آزاد: اور کسی ملک میں ہوتے تو اب تک مار ڈالے گئے ہوتے۔

ف: فرانس میں ایسا نہ ہوتا۔ جو ہمارا ملک ہے۔

آزاد: جی ہاں؛

حب وطن از ملکِ سلیمان خوشتر
خارِ وطن از سنبل و ریحان خوشتر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یوسف کہ بمصر بادشاہی می کرد
می گفت کہ گدا بودنِ کنعان خوشتر

حبِ وطن کا تقاضا یہی تھا جو آپ نے فرمایا۔

ف : آپ جب برس چھ مہینے یہاں رہیں گے تو کیفیت معلوم ہوگی۔

آزاد : ہاں، اگر آدمی اچھے ہیں۔

ف : اور گورنمنٹ ؟

آزاد : ابھی رائے نہیں دے سکتے۔

ف : لکھا اور پڑھا کیا ہے ؟

آزاد : ع۔

شنیدہ کی بود مانند دیدہ

ف : ہاں یہ سچ ہے۔

اس نوجوان قیدی نے میاں آزاد سے پوچھا آپ یورپ کے علوم سے واقف ہیں۔ آزاد نے کہا جی ہاں کچھ کچھ۔ فرانسیسی نے پوچھا۔ آپ جانتے ہیں کہ شہاب ثاقب کی کیا اصلیت ہے۔ آزاد نے کہا؛ اولاً جبل النّار ارضی کے ٹکڑے بعض اوقات اجزائے کبریتیہ ارضیہ کے جوش کھانے سے اوپر چلے جاتے ہیں۔ ثانیاً، بخاراتِ ارضیہ اوپر چڑھ جاتے ہیں، اور پھر بصورت شہب زمین پر گرتے ہیں۔ ثالثاً، کرۂ قمر کے کوہِ آتش فشاں کے ٹکڑے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ رابعاً شہاب بھی اور اجرام کی طرح اجرام فلکی ہیں۔

پوچھا، کہ یہ پہاڑ جناب باری نے کس مصلحت سے بنائے ؟

آزاد نے کہا، پہاڑوں کی چوٹیاں بادلوں کے پانی کو منجذب کر لیتی ہیں۔ جس سے انسان فائدہ کثیرہ اٹھاتے ہیں۔ پودے نشوونما پاتے ہیں۔ درخت خضارت و نضارت سے سبزانِ ہند کی یاد دلاتے ہیں۔ کوسوں سبزہ زار، چشمہ سار اور دریائے نہار بن جاتے ہیں۔ دور دور کے ملک تراوٹ سے شاداب ہو جاتے ہیں۔

ف : زلزلہ کے اسباب بیان کیجیے ؟

آزاد : بہت اچھا۔

اولاً کسی قسم کے اجزائے ارضیہ کبریتیہ وغیرہ جوش کھاتے ہیں۔ ان سے ابخرہ پیدا ہوتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وہ ابخرات محتبسہ باہر نکلنے کے واسطے متحرک ہوتے ہیں۔ جبکہ زمین کی کثافت کے باعث سے، اس کے بخاری ومنافذ مسدود ہو جاتے ہیں اور ابخرہ مذکور نکل نہیں سکتے۔ ناچاران کی حرکت سے زمین میں زلزلہ پیدا ہوتا ہے۔

ف : آپ بہت لائق آدمی ہیں۔

آزاد : یہ آپ کی ذاتی لیاقت اور حسنِ اخلاق ہے۔

ف : آپ فرنچ بخوبی بول سکتے ہیں ؟

آزاد : جی نہیں۔ مگر مطلب سمجھا دوں گا۔

ف : آپ آئے کس غرض سے ہیں ؟

آزاد : شریکِ جنگ ہونے۔

ف : آپ کی حالت افسوس ناک ہے۔

آزاد : آئے تھے میدانِ کارزار میں شمشیرِ لیاقت کے جوہر دکھائیں گے۔ یہ معلوم نہ تھا کہ قید خانے جائیں گے۔

ع برسرِ فرزند آدم ہرچہ آید بگذرد

اور **مصرعہ**

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

ف : ایک شخص میاں آزاد نامی آئے تھے۔

آزاد : آئے ہوں گے۔

ف : آپ ہی کے ملک کے ہیں۔

آزاد : ہوں گے۔

ف : کیا آپ سے ان سے ملاقات نہیں ہے ؟

آزاد : چار آنکھیں کبھی نہیں ہوئیں۔

ف : سنا کہ کسی بیگم نے ان کو بھیجا ہے۔

آزاد : باشد۔

ف : جنگ کے فنون سے آپ واقف ہیں۔

آزاد : جی ہاں واقف ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ف : مجھے بھولیے گا نہیں۔

آزاد : نہیں، ایسی بات ہے بھلا۔

شب کو قیدی کا پتا نہ ملا۔ میاں آزاد نے اِدھر اُدھر جستجو کی مگر بے سود۔ لوگوں سے پوچھا، مگر بے کار۔ حیرت تھی کہ یا الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیدی بھاگ کھڑا ہوا۔ صبح کو وزیر جنگ کے پاس ایک شخص عرضی لے کر گیا جس کا یہ مضمون تھا۔

"حضور والا"

حسب الارشاد، واجب الانقیاد، خاکسار دو دن تک سول جیل میں رہا۔ یہاں آزاد نامی قیدی سے ملاقات کی مختلف امور کی نسبت گفتگو ہوئی۔ آدمی نہایت فہمیدہ وسنجیدہ وذی علم ہے۔ روسی جاسوس کہنا اس پر تہمت تراشنا ہے۔ نہایت ملول وافسردہ ہے۔ خود میں نے کئی بار ترکوں کی شکایت کی مگر آزاد نے مجھ سے اتفاقِ رائے نہ کیا۔ یہ شخص ترکوں کا عاشقِ زار، اور روم کا جاں نثار ہے۔ کمال قلق اور افسوس کا مقام ہے کہ ایسے جانباز دوست، اور خیر طلب کے ساتھ لوگ اس طرح پیش آئیں۔ حضور ازراہِ نوازش وکرم اسی وقت اس بے گناہ کی رہائی کا حکم صادر فرمائیں، ورنہ وہ کڑھ کڑھ کر مر جائے گا، اور ہماری بڑی بدنامی ہوگی، کہ ایسے جوان مرد کو قید کر کے مار ڈالا۔ اور طرہ یہ کہ، بے گناہ ہے، اور نہایت ذی علم۔

یہ عرضی پڑھ کر، وزیرِ جنگ نے حکم دیا کہ تم خود جا کر رہا کرو، اور کہو، پرسوں ہم سے ملاقات کریں یہ صاحب سینیئر یعنی اعلیٰ ناظم قید خانہ سول تھے۔ یہ وزیر جنگ کے حکم بموجب میاں آزاد کے پاس قیدیوں کی طرح رہتے تھے، تاکہ اس بہانے سے ان کے کل حالات دریافت کریں۔ تھوڑی دیر میں ناظم ممدوح گھوڑے پر سوار ہو کر، قید خانے کے پھاٹک پر پہنچے۔ حکم دیا کہ میاں آزاد کو طلب کرو۔ آزاد آئے تو دیکھا کہ جو صاحب کل شام کو قیدی تھے، وہ اس وقت حاکم سے گھوڑے پر سوار سامنے کھڑے ہیں۔

آزاد : کل تو آپ ہمارے ہمدرد بنے تھے۔ مگر خوب بھرّے دئے آپ فرانسیسی بنے تھے بھلے کو کوئی کلمہ خلاف روم زبان سے نہ نکلا، اور نکلتا کیوں کر۔

ناظم : اب آپ رخصت ہوں۔

آزاد : قید خانے کو سلام ہے۔

ناظم : ہم بہت خوش ہوئے کہ آپ نے رہائی پائی۔ مگر افسوس ہے کہ اس قدر عرصے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تک آپ کو مفت میں مصیبت سہنا پڑی۔

میاں آزاد ہشاش بشاس قید خانے سے چلے۔ ہرمزجی پارسی کی کوٹھی پر پہنچے۔ ہرمزجی نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا اور کہا مئیڈا ابھی اسی وقت یہاں سے گئی ہیں۔ وزیر جنگ نے ان کو بلایا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا سزائے سخت پاتا مگر اس پری پیکر کی ادا نے عین غصّے کے وقت ایسا مجبور کیا کہ سزا نہ دی۔ بس اتنا کہا کہ مئیڈا اس شکل وصورت کے ساتھ سیرت بھی خدا نے تم کو اچھی دی ہوتی تو سبحان اللہ۔ مئیڈا نے گردن نیچی کر لی۔

میاں آزاد اور ہرمزجی نے کھانا کھایا اور آرام کیا۔ شام کو خاتون مہ لقا مس مئیڈا تشریف لائیں۔ اور بہت جھک کر میاں آزاد کو سلام کیا۔ آزاد نے مسکرا کر جواب دیا۔

مئیڈا : آپ سے قول واقرار ہو گیا ہے کہ گذشتہ را صلوٰۃ یہ مسکرانا کیا معنی جو کچھ ہوا ہوا۔ میں اپنی غلطی اور حماقت پر خود مضمحل ہوں۔

آزاد مس مئیڈا کو لے کر ایک کمرے میں گئے۔ مئیڈا نے کہا آزاد میں نے تم کو سخت مصیبت میں مبتلا کیا۔ مجھے کمال افسوس ہے۔ مگر تم مطمئن رہو کہ میں اس کے عوض میں ایسا سلوک کروں گی کہ تم عمر بھر یاد کرو گے۔ وزیر جنگ نے مجھے کل بلایا تھا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر ان سے کہا کہ یہ قصور معاف کیجیے، اور ایک التماس قبول فرمائیے۔ کہا ہم نے قصور معاف کیا۔ میں نے التجا کی کہ ایک اور التماس قبول فرمائیے۔ کہا بسر وچشم منظور۔ میں نے کہا۔ آزاد کو کوئی معزز جنگی عہدہ دیجیے۔ یہ کہہ کر میں بے اختیار رونے لگی۔ میری تشفی کی، اور کہا تین چار دن میں ہم ان کو ایک افسری کا عہدہ دیں گے۔ تم اپنے ساتھ ان کو لاؤ۔ پرسوں کا وعدہ ہے۔ آپ میرے ساتھ چلیے گا۔

آزاد : زہے طالع۔

مئیڈا : ضرور چلیے گا۔

آزاد : بالضرور، ایسی بات ہے بھلا۔

مئیڈا، اور آزاد باہر آئے۔ ہرمزجی نے پوچھا کیا راز ونیاز کی باتیں ہوتی تھیں۔ آزاد، اور مئیڈا، دونوں مسکرائے۔ اور مئیڈا رخصت ہوئیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عبرت اور نصیحت

لب چشمہ سار، لطافت بار، ایک گلشنِ پُر بہار، رشکِ گلزار، فرخار، میں، ایک پری تمثال، جادو جمال نوجوان عورت، بڑی بڑی دوب پر سفید چاندنی بچھائے بصد ناز و اندازِ دلربائی، و شانِ برنائی متمکن ہے۔ سامنے ایک ادھیڑ عورت کھڑی باتیں کر رہی ہے۔ نوجوان عورت کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ کسی بڑی مصیبت سے بچ نکلی ہے۔ ہنس ہنس کر اپنی پچھلی مصیبت کی نسبت گفتگو کرتی ہے۔

نوجوان : (نو) اف! بڑی مصیبت سے اللہ نے بچایا۔

خادمہ : (خ) کیسی کچھ۔

نو : مگر سچ کہنا، کیا تدبیر سوجھی ہے۔ کیوں؟

خ : اللہ جانتا ہے، اور کو نہ سوجھتی

نو : مگر پتہ لگاتے رہیں گے، اب کیا کیفیت ہے۔

خ : میں روز روز، کا کچّا چھٹا کہہ سناؤں گی۔

نو : ہاں خوب یاد آیا۔ تم سے کیا واسطہ، مرے تو ہم۔

خ : اللہ نہ کرے!

نو : اف! اس وقت تم سے ہنسی کیوں کر ضبط ہوسکی۔

خ : بیوی مارے ہنسی کے بُرا حال تھا، اور ان کی یہ کیفیت کہ ڈھاڑیں مار مار کر روئیں۔ تو میں سمجھاؤں، کہ دیکھو دیکھو ایسا نہ ہو سب راز کھل جائے کہ زہر کھایا ہے۔ بڑی دل لگی ہوئی۔ چہرہ زرد ہوگیا، اور ایک دفعہ بڑی زور سے آہِ سرد بھر کر نعرہ مارا، اور گر پڑے کہا، ہائے افسوس اس کے پیچھے اوقات ضائع کی، مگر نتیجہ یہ نکلا۔ بڑی دیر تک لڑتے رہے، کہ میں بھی ساتھ چلوں گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں نے کہا کچھ خبر ہے میاں۔ ہوش کی دوا کرو۔ ہم اپنے اللہ جانے کس تدبیر سے دفنائیں کس راہ سے جنازہ لے جائیں۔ ہمارا گاؤں ہمارا محلّہ۔ تم لاش لے کر نکلو، تو محلّے بھر میں ہلڑ مچ جائے۔ بہت روئے بیٹھے۔

نو: ان کو اپنے تن بدن کی تو سدھ ہی نہیں۔ میں کھانا نہ دیتی تو دو دو دن تک فاقہ ہی کرتے۔ جب کہوں، کھانا کھالو کہیں، خدمت گار کو بلاؤ۔ افضل، تفضل، فضل، یہ وہ۔ خدا جانے کیا کیا بکتے تھے۔ واہی تباہی۔ ایک دن کہہ بیٹھے کہ تم ہو کیا بے چاری۔ میں ایسی بری کے ساتھ نکاح کروں کہ تم بھی شرما جاؤ۔ بس دل پر ملال گزرا۔ دن میں سو سو بار بے ہودہ بکیں۔ ہاتھی لاؤ۔ گھوڑا کسو۔ بگھی نکالو۔ الٰہی توبہ ناک میں دم کر دیا۔ مارے رنج کے کھانا پینا حرام تھا۔ بارے خدا خدا کر کے مصیبت سے بچی۔

خ: ہاں یہ تو سچ، مگر آپ نے اچھا نہ کیا۔

نو: یہ کیوں؟

خ: ہم ہوتے تو ضرور نکاح کر لیتے۔ آدمی صورت دار، ہزاروں روپیہ پاس۔ شریف، پڑھا لکھا، بد نہیں۔ مفت میں ایسے روپے والے کو ہاتھ سے کھو دیا۔ کوئی پوچھے ملا کیا تم کو۔

نوجوان عورت نے اس فقرے پر آہِ سرد کھینچ کر کہا تم کو کیا معلوم کہ ہم نے کس کو دل دیا ہے۔ اس کو دل دیا ہے جو اپنا دل کسی اور ہی کو دے چکا، مگر خیر خدا ہمارا بھی مالک ہے۔ یہ ایک راز کی بات ہے۔ ہم کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔

ناظرین با تمکین سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ یہ دونوں عورتیں کون ہیں، ان میں ایک جوگن ہے دوسری ہے چمپا۔ اب اکثر اصحاب کو حیرت ہوگی کہ جوگن تو مر گئی تھیں۔ انھوں نے زہر کھایا تھا۔ چمپا کا بھائی لاش کو دفنا آیا تھا۔ یہ پیدا کہاں سے ہو گئیں۔ سبب سنیے؛

حقیقت حال یوں ہے، کہ جوگن نے چمپا کے ذریعہ سے ایک شخص کو بلایا تھا۔ وہ موم کے کھلونے بنانے میں طاق تھا۔ جوگن نے اس کو بلا کر کہا کہ ایک عورت بنا لاؤ۔ مگر ہاتھ پاؤں، نقشہ، چہرہ، قدو قامت بعینہٖ ہمارا ہی سا ہو۔ چنانچہ وقت مقررہ پر وہ لے آیا۔ جوگن چلی گئی۔ چمپا نے ایک چادر اڑھا دی اور چراغ گل کر دیا۔ باقی حال ناظرین کو خود ہی معلوم ہے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ چمپا بار بار کہتی تھی کہ آپ ساتھ نہ چلیے، آپ الگ ہی رہیے۔ آپ غل نہ مچائیے۔ بڑی حسنِ لیاقت سے چمپا نے موم کی عورت کو اٹھوایا۔ شہسوار کو ذرا بھی نہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

معلوم ہوا کہ انھوں نے کیا کارروائی کی ہے۔

جو: میں اپنا حال کیا بتاؤں۔ میری تقدیر نے کس قدر پلٹے کھائے۔ افسوس پہلے کیا تھی، پھر کیا ہوئی۔ اب کیا ہوں اور آئندہ خدا جانے کیا ہو، بے حیائی کی زندگی ہے۔ کاٹے نہیں کٹتی۔

سنو چمپا! اللہ جانتا ہے ایک وہ زمانہ تھا کہ ہم فنس پر سوار ہو کر ٹھسّے سے نکلتے تھے۔ بارہ بارہ سولہ سولہ کہار فنس اٹھاتے تھے۔ اور یا ایک زمانہ اب ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ لونڈیاں اور اصیلیں تھیں۔ یا اب ایسا وقت آن پڑا۔

ہائے یہ سب ہماری حماقت، اور آوارگی کا نتیجہ ہے۔ نہیں تو یہ دن ہم کیوں دیکھتے۔ اور اس میں ہمارے والدین کا بھی قصور تھا، کہ ایک مسن آدمی سے بیاہ کر دیا۔ جس کے منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ ہماری زندگی تلخ کر دی۔ فعل بد کا نتیجہ بھی بد ہے۔ ہائے ستم! میں نے کیا کیا۔ اس وقت اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میری یہ درگت ہوگی تو کیوں ایسا کرتی۔

چمپا: بیوی جو کچھ آپ نے کیا سو کیا۔ ہمیں اس کا حال نہیں معلوم مگر بہت برا کیا کہ اس خوبصورت روپے والے کے ساتھ نکاح نہ پڑھوایا۔ اب بھی سویرا ہے اور وہ آپ پر جان دیتا ہے۔

جو: چمپا تم کو ہمارے بھید سے اطلاع ہوتی، تو تم ایسا نہ کہتیں۔

چمپا: ہاں اب لے مجھے کیا معلوم۔

جو: ہائے افسوس میں نے کیا کیا۔ بڑی بری گھڑی تھی۔ باخدا جو گت میری ہوئی، کسی شریف زادی کی نہ ہو۔

یہ کہہ کر جوگن بہت روئی۔ چمپا نے لاکھ لاکھ سمجھایا مگر آنسو نہ رکے۔ کیوں کر رکتے۔ خدا جانے کیا یاد آیا تھا۔

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

جوگن نے چمپا سے کہا، تم مجھے سمجھاتی کیا ہو، میری قسمت میں یہی لکھا ہے، کہ میں عمر بھر رویا کروں۔ میں اپنی حماقت اور بے وقوفی اور غلطی پر روتی ہوں۔ یا خدا! کبھی کوئی شریف زادی ایسی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مصیبت میں مبتلا نہ ہو چمپا متحیّر تھی۔ اس کو جوگن کے دردِ دل کی خبر نہ تھی۔ بہ اصرار کہا کہ بیوی اب کسی اور بات کا ذکر چھیڑو۔ اللہ جانے آپ کو اس وقت کیا یاد آیا۔ میری عقل ہی نہیں کام کرتی۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی شخص نے یہ شعر پڑھا:

نہ داغ یاس سے گھبرا بر آئے گی امید
گلوں کے بعد ہوا کرتے ہیں ثمر پیدا

جوگن نے جو یہ شعر سنا تو ذرا ڈھارس ہوئی۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی، کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ آخر کار ایک پیر مرد نظر آیا۔ جوگن اور پیر مرد کی آنکھیں چار ہوئیں، تو پیر مرد نے جوگن سے کہا اگر مضائقہ نہ ہو تو میں تیرے قریب آن کر بیٹھوں ورنہ خیر۔

جو: زہے نصیب آئیے۔

پیر مرد: میں بڑی دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ تو اپنا حال تباہ کرتی ہے۔ دو گھنٹے سے زار زار روتے دیکھا۔ اس کے دو ہی سبب ہیں، یا فراق و دردِ اشتیاق یا افعالِ بد پر نفس کو لعنت ملامت کرتی ہے۔

جو: ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔

جوگن نے کہا جب میں نے آپ کو دیکھا تب بھی ڈر گئی تھی وجہ یہ کہ آپ کے نہ داڑھی ہے نہ موچھ، اور پوشاک بھی دنیا سے نرالی ہے۔ پیر مرد نے مسکرا کر کہا، ہاں ہے تو ایسا ہی۔ مگر میری شکل اور وضع کا خیال نہ کرو۔ میری نصیحت پر دھیان رکھو۔

یہ کہہ کر پیر مرد نے جوگن سے التجا کی، کہ اگر جی چاہے، اور عیب نہ سمجھو، تو میرے ساتھ میرے گھر چلو۔

جو: کوئی عذر نہیں۔

پیر مرد: جھٹپٹے وقت چلو۔

جو: جب حکم ہو۔

جب آفتاب لبِ بام آیا، تو پیر مرد جوگن کو لے کر اپنے گھر کی طرف چلے۔ چمپا ساتھ ساتھ تھی۔

چمپا: کیا آپ کا مکان یہاں سے دور ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیر مرد: نہیں پاس ہی ہے۔
چمپا: پیسا ڈولی۔ ٹکا ڈولی۔
پیر مرد: دو قدم ہے۔
جو: اس قدر بنا دیجیے کہ وہاں کون کون ہوگا؟
پیر مرد: میں اور ایک خادمہ۔
جو: بس تو پھر کیا ہرج ہے۔

تھوڑی دیر میں پیر مرد نے کہا، لو یہ مکان ہے۔ جوگن اور چمپا کو لے کر پیر مرد اپنے مکان میں داخل ہوئے، اور کہا کہ تم دونوں یہاں صحن میں مونڈھوں پر بیٹھو۔ میں آتا ہوں ابھی ابھی آیا۔ یہ کہہ کر پیر مرد، دالان کے اندر گئے۔ چراغ روشن ہوا، اور خادمہ نے ان کو کہا چلیے آپ کو بلاتے ہیں، اور چمپا سے کہا تم یہیں بیٹھی رہو۔ جوگن جانے لگی، تو چمپا نے کان میں کہا کہ ہمیں کچھ دال میں کالا کالا معلوم ہوتا ہے۔ اکیلا مکان، تیرہ و تاریک، چراغ اب روشن ہوا۔ کبھی کی جان نہ پہچان۔ آپ نہ جائیے تو اچھا۔

جو: گھبراؤ نہیں خدا مالک ہے۔
چمپا: جیسی خوشی ہو۔

جوگن بے جھجک کمرے کے اندر چلی گئی۔ دیکھا کہ صاف ستھرے کمرے میں فرشِ مکلّف بچھا ہے۔ چراغ روشن ہے، مگر مکین ندارد خادمہ سے پوچھا پیر مرد کہاں گئے۔

خادمہ: (مسکرا کر) آتے ہیں۔

اتنے میں جوگن کیا دیکھتی ہے، کہ ایک بوڑھی عورت کوٹھری میں سے برآمد ہوئی۔ جوگن کے پاس آن کر بیٹھی۔ جوگن نے کہا: آئیے! کیا آپ بھی اسی مکان میں رہتی ہیں۔

ضعیفہ: پہچانا؟
جو: کبھی دیکھا ہو تو پہچانوں۔ بن دیکھے کوئی کسی کو کیا پہچانے۔
ضعیفہ: مجھ کو دیکھا ہے آپ نے۔
جو: دیکھا ہوگا یاد نہیں آتا۔
ضعیفہ: سوچیے، غور کیجیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو: (خادمہ سے) پیر مرد کو بلاؤ۔ کہو صاحب اب آئیے۔

خادمہ: (ہنس کر) بہت خوب بلاتی ہوں۔

جو: اس میں ہنسی کی کوئی بات تھی۔ میں سمجھی نہیں۔

خادمہ: حضور کس کو بلواتی ہیں؟

جو: وہ جو پیر مرد ہمارے ساتھ آئے تھے۔ ہم کو ساتھ لائے تھے۔

خادمہ: وہ یہ کیا بیٹھے ہیں۔ (مسکرا کر) ہیں کہ نہیں۔

ضعیفہ: میں نے تو عمداً پوچھا کہ پہچانا۔ میں پیر مرد نہیں عورت ہوں۔

جو: میں نے تو پہلے ہی کہا تھا آپ سے، کہ ڈاڑھی نہ مونچھ اور مردانہ وضع بھی عجیب و غریب، مگر نہیں سمجھی تھی کہ مرد نہیں ہیں۔ اچھا دھوکا ہوا۔ آپ عورت ہیں۔

ضعیفہ: اب تم چین سے یہاں رہو اور جو کہنا سننا، پوچھنا مشورہ لینا ہو میں حاضر ہوں۔

سنو! اب میں تم سے اپنا حال صاف بیان کر دوں۔ میرا خاص پیشہ یہ ہے کہ شریفوں کی بہو بیٹیوں کو امورِ نیک کی تعلیم دوں، اور سیدھے دھرّے پر لگاؤں۔ تم دس پندرہ ہی دن اگر میرے ساتھ رہو گی تو سب حال تم پر کھل جائے گا، کہ میں کیا کارروائی کرتی ہوں۔ اور کن کن شریف خاندانوں میں میرا گذر ہے۔ سب لوگ مجھ کو استانی بی کہتے ہیں۔

منجملہ اور خاندانوں کے استانی جی نے حسن آرا اور سپہر آرا کا بھی ذکر کیا کہ ان کے ہاں بھی میں جاتی آتی ہوں۔ جوگن ان دونوں کا نام سن کر چونک پڑی۔ متحیّر ہو کر پوچھا کہ آپ ان کو جانتی ہیں۔

استانی: بخوبی۔ دونوں بہنوں کو مثل اپنی خاص لڑکیوں کے سمجھتی ہوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

امیروں کا کھلونا

چھوٹا موٹا ٹمّا بونا

میاں آزاد فرخ نہاد ہرمزجی بھائی کی کوٹھی میں بآرام تمام بیٹھے ناول پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے دفعتہً غل مچا کر کہا (اوگیدی نہ ہوئی قرولی)۔ آزاد کے کان کھڑے ہوئے۔ ایں! یہ کس کی آواز آئی بھئی۔ قرولی اور گیدی میاں آزاد سخت متحیّر ہوئے۔ اٹھنے کو تھے کہ (پھر آواز آئی) قسم خدا کی کتارا کھینچ ماروں گا' اوگیدی۔

آزاد: کوئی ہے؟

چپراسی: حکم حاضر ہوں۔

آزاد: یہ باہر کیا غل مچ رہا ہے؟

چپراسی: ایک پستہ قد آدمی ہے۔ کہتا ہے کوٹھی کے اندر جانے دو۔

آزاد: آنے دو۔

چپراسی نے اس آدمی سے جاکر کہا۔ اچھا چلیے اندر۔ چلیے۔ تشریف لائے تو آزاد نے ہنس کر کہا۔ اخّاہ خوجی ہیں۔ آؤ بھئی خوب آئے۔

خو: شکر ہے کہ تم کو صحیح و تندرست پایا۔

آزاد: سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے تھے۔ آزاد نے مختصر طور پر سب حال بیان کیا کہ اتنے عرصہ تک قید خانے میں رہے۔ چھ چھ دفعہ تحقیقات ہوئی۔ جرم کچھ ثابت نہ ہوا۔ مگر اتفاق اور شامتِ اعمال قید سے رہائی نہ ہوئی۔ آخر کار، وزیرِ جنگ کی خدمت میں عرضی بھیجی۔ خدا خدا کرکے اب رہائی ہوئی۔

خوجی نے باستقلال یہ ساری داستان سنی' اور کہا، سچ کہنا اس وقت ہوش ٹھکانے نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یا نہیں؟ آزاد نے قسم کھائی تو خوجی کا چہرہ مارے غصّے کے سرخ ہوگیا۔ پوچھا، صاف صاف بتاؤ، کس جرم میں ماخوذ ہوئے تھے۔ بتاؤ۔ ٹھیک ٹھیک، کل حال مو بمو کہنا۔ آزاد نے کہا ایک عورت کے پھیر میں۔

خوجی بہت ہی محظوظ ہوئے۔ گھپ گئی کہ اس نوجوان جمیلہ کو ضرور عقد میں لائیں گے۔ تھوڑی دیر غور کر کے میاں آزاد سے پوچھا ہاں یہ بتاؤ، قید کیوں کر ہوئے؟ یہ تو کوئی جرم نہیں، کہ آپ نے شادی کرنا قبول نہ کیا۔ آزاد نے ساری داستان بیان کی خوجی نیلے پیلے ہوئے۔

خو: سنا میاں۔ ہم تمھارا بدلا لیں گے۔ کل امور اور امور کی تہہ سمجھ گئے ہیں۔ یہ اس مہوش کا کام نہیں۔ یہ کسی نے ورغلا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ کسی کی سکھائی پڑھائی تھی۔ مگر اس مردود۔ سے انشاء اللہ ہم کھڑے کھڑے بدلا لیں گے۔ اخوہ اتنے دن قید خانے میں بھی رہے۔ افسوس صد افسوس بڑا رنج ہوا۔ اس وقت واللہ کمال افسوس ہوا۔

آزاد: چلیے اب افسوس نہ کیجیے۔ مضیٰ ما مضیٰ۔

خوجی نے کہا کہ ہم خوب بن ٹھن کے بیٹھتے ہیں۔ شام کو ہمیں اس کے پاس لے چلیے۔ دیکھتے ہی عاشق نہ ہو جائے تو سہی۔ مگر استاد شرط یہ ہے کہ قرولی ہمارے پاس ضرور ہو۔ ورنہ بے قرولی کے ہم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ آزاد نے کہا کیا لڑیے گا۔ بولے نہیں صاحب لڑنا کیسا بے قرولی کے جوبن نہیں۔ ہم تو اونچی بن کے جانا چاہتے ہیں نہ۔ آپ یہ باتیں کیا جانیں:

تمھاری تیغ کا منھ چڑھ کے لے لیا بوسہ
کبھی نہ آپ سے ہم دبکے بانکپن میں رہے

آزاد: خوب، کیا برجستہ شعر فرمایا ہے اور حسب حال۔

خو: اور نہیں کیا۔ یہاں تو بس یہ جانتے ہیں:

الٰہی یہ کس کو لکھا خطِ شوق
کہ دل کی تڑپ نامہ بر ہوگئی

آزاد: یہ شعر اور بھی حسب حال ہے۔

اتفاق سے میڈا بھی اَنَا اَلبَرق کہتی ہوئی تشریف لائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: لو وہ خود آگئیں۔

خو: ارے۔ غضب ہوگیا۔

آزاد: یہ کون؟

خو: اجی بنے ٹھنے ہوتے تو ریجھتی۔

حضرت نے وحشت میں آن کر ہوٹل کی ایک میز کا کپڑا اوڑھ لیا، اور تولیا سر میں باندھا، اور ایک چھری (فورک) ہاتھ میں لے کر اکڑ فوں بن کے کھڑے ہوئے۔

آزاد نے استاد ہو کر مئیڈا سے مصافحہ کیا۔ مئیڈا کا جوبن دیکھ کر خوجی ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ اور بڑے غور سے گھورا کیے۔ آزاد سے کہنے لگے قسم خدا کی وہ جھمگڑا ہے کہ دید نہ شنید۔:

بصورت تو بُتے کمتر آفرید خدا
ترا کشیدہ ز دوست از قلم کشید خدا
چو کرد وصف تو بر صفحۂ وجود رقم
صد آفرین ز زبانِ قلم شنید خدا

مئیڈا نے جوان پر نظر ڈالی تو عجیب الخلقت آدمی دیکھ کر مسکرا دی۔
خوجی از بس محظوظ ہو گئے۔

خو: کیوں میاں آزاد سچ کہنا۔ ایں جانب کے دیکھتے ہی کھِل گئیں نہ، واہ رے ہم۔ جو عورت دیکھتی ہے، گھنٹوں گھورا کرتی ہے۔ جوانی کی امنگ اور حسن گلوسوز بھی کیا چیز ہے۔:

من گویم کہ یار کشت مرا
دل بے اختیار کشت مرا

مئیڈا نے آزاد سے پوچھا یہ کون شخص ہے۔ آزاد نے کہا یہ ایک پاگل ہے۔ اس کو یہ خبط ہے کہ جو عورت مجھے دیکھتی ہے ریجھ جاتی ہے۔ تم ذرا اس کو بناؤ، اس وقت۔ مئیڈا شوخ تو تھی ہی اتنی شہ پاتے ہی خوجی کو خوب بنایا۔ اشارے سے اپنے قریب بلایا۔ حضرت ریشہ خطمی ہو گئے۔ مسکراتے ہوئے گئے، اور قریب جا کر کرسی پر جا ڈٹے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میڈا: (ہاتھ میں ہاتھ دے کر) آپ کا نام کیا ہے؟

خو: (سمجھاتے جاؤ جی۔ (آزاد سے)

آزاد نے سمجھانا شروع کیا۔ یہ جو کہتی تھی۔ ان کو سمجھاتے تھے، اور وہ جو کہتے تھے اِن کو سمجھاتے تھے۔

خو: آپ کی ملاقات سے بہت خوش ہوا۔

میڈا: (مسکرا کر) کل آپ کی دعوت ہے۔

خو: (توند پر ہاتھ رکھ کر) منظور۔

میڈا: آپ شراب پیتے ہیں؟

خو: ہاں۔ نہیں۔ مگر۔ اچھا۔ نہیں نہیں۔

آزاد: مرد آدمی ایک بات کہو تو میں سمجھاؤں، یہ نہیں اور ہاں، اور مگر، اور اچھا کیا معنی۔

خو: کہو افیم پیتا ہوں۔

میڈا: یہ آپ کا گلاب سا چہرہ کمہلا جائے گا۔ افیم نہ پینا چاہیے۔ شراب پیو گے؟

میڈا نے خوجی کا ہاتھ چوم لیا۔ اللہ اللہ اب کیا پوچھنا ہے۔ اب تو دماغ عرشِ بریں پر ہے۔ مزاج ہی نہیں ملتا۔ کھِلے جاتے ہیں۔ اکڑے، اور آزاد کی طرف گھور کر دیکھا۔ اور کہا کیوں استاد۔ سچ کہنا ہم کیسے جوان رعنا ہیں، اور تسپر ابھی بنے ٹھنے نہیں۔ ورنہ سیکڑوں بار ہاتھ چوم لیتی۔ واہ رے ہم۔

آزاد: چین لکھتا ہے۔

خو: چلو۔ چلو۔ نظر نہ لگاؤ۔ واہ۔

میڈا: آپ کا نام کیا ہے۔ نام بتائیے۔

آزاد: (اردو میں) ان کا نام خوجی۔

خو: (بگڑ کر) کس مردود کا نام خوجی ہے۔ حضور مجھے لوگ جناب خواجہ بدیع صاحب کہتے ہیں۔

میڈا: اُہو ہو کیا پیارا نام ہے۔

خو: (زمین دوز ہو کر سلام کیا) کیوں کتنی تعریف کی ہے نام کی نہ کہو گے۔ اور جو خوجی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہتے تو نظروں سے گر جاتے۔

مئیڈا: آپ کچھ تھوڑا تھوڑا گانا بھی جانتے ہیں۔

آزاد: انکار نہ کرنا۔ کہو ہاں جانتا ہوں، ضرور۔

خو: ہاں اور ناچنا بھی جانتا ہوں۔

مئیڈا: اہو ہو ہو۔ تو پھر ناچو۔

خوجی نے ناچنا شروع کیا۔ مئیڈا اور آزاد کی یہ کیفیت کہ مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔

مئیڈا: اف۔ بس۔ اب ختم کرو۔

مئیڈا تھوڑی دیر میں ہوٹل لے گئیں۔ تو میاں خوجی کے دماغ عرش بریں پر تھے۔ زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے تھے۔ میاں آزاد نے کہا خواجہ صاحب ذرا اِدھر تشریف لائیے۔ فرمایا ہشت۔ پھر آزاد نے کہا قبلہ ذرا اس طرف مخاطب ہوجیے۔ آپ نے کہا دہشت۔

آزاد: اب ایک کام کیجیے۔ کہ خوب بن ٹھن کے جائیے۔ خوب نکھر کر۔ جس میں وہ بھی کھل جائیں کہ ہاں ایسا جوان دیکھا۔

خو: ہونہہ۔ شانِ خدا۔ آپ اور ہم کو سکھائیں۔

آزاد: سنا نہیں پیر شو بیاموز۔

خو افسوس کہ تم نے ہمیں ابھی پہچانا ہی نہیں کمال افسوس کا مقام ہے۔

آزاد: اجی ہم نے آپ کی ذات تک پہچان لی۔

خو: کوسو کوسو۔ گالیاں دو۔ جس کا خدا برا کرے۔

آزاد: افوہ۔ میں تم کو ایسا نہیں جانتا تھا۔

خوجی اپنے دل میں نہایت ہی خوش تھے۔ جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے، اور میاں آزاد دل ہی دل میں سوچتے تھے، کہ اچھّا الّو پھنسا۔ یہ معلوم ہی نہیں کہ مئیڈا اسے بنا رہی ہے۔

تھوڑی دیر میں مئیڈا کا خط آیا۔ آدمی نے آن کر خوجی کو دیا، اور کہا آپ کے نام ہے۔ آزاد بولے، جناب خواجہ صاحب ہم کو تو ذرا خط دکھائیے۔

خو: بس بس چلیے الگ ہٹیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد : لاؤ ہم پڑھ دیں تم سے بھلا کیا پڑھا جائے گا۔

خو : (حامل خط سے) تم باہر ٹھہرو۔

حامل خط : بہت اچھا۔

خو : (آزاد سے) عجب آدمی ہیں آپ۔ میں نے تو ایسا آدمی ہی نہیں دیکھا۔ صریح دیکھتے ہیں کہ مئیڈا کا نوکر جو خط لایا ہے، وہ کھڑا سن رہا ہے، اور کہنے لگے کہ تم سے بھلا کیا پڑھا جائے گا۔ بڑے عالم کے وہ بن کے آئے ہیں وہاں سے۔ لاحول ولا قوۃ۔

آزاد : اچھا اب تو دکھا دو۔

خوجی نے خط کو تین بار چوما، اور میاں آزاد کو دے دیا۔ آزاد نے پڑھا تو یوں لکھا تھا۔ میرے پیارے نوجوان! تمھاری ایک ایک ادا نے میرے دل میں جگہ کر لی ہے۔ تمھارا سرو قد اور تمھاری سارس کی گردن، اور بیل کے سے گول گول، دیدے، اور بندر کی سی حرکتیں۔ جب یاد آتی ہیں، تو میں اچھل اچھل پڑتی ہوں۔ اب یہ بتاؤ کہ آج کس وقت آؤ گے۔ ایسا نہ ہو کہ نہ آؤ۔ یہ خط اپنے دوست آزاد کو نہ دکھانا، مگر تمھیں اسی کی قسم جس کو سب سے زیادہ چاہتے ہو، کہ اس خط کو گن کر سو بار چوم لینا۔ اور وعدے پر آنا ضرور آنا

میاں آزاد نے یہ خط پڑھ کر خواجہ بدیع صاحب کو سنایا تو از بس مسرور ہوئے۔

خو : افسوس ہے کہ تم کو کل حالات معلوم ہو گئے۔ مگر اس پری چہرہ سے نہ کہہ دینا۔

آزاد : ضرور کہوں اور بالضرور کہوں۔

خو : (ہاتھ مل کر) ارے غضب بڑی بُری ہوئی۔

آزاد : میں تو جا کر شکایت کروں گا کہ ہم سے کیوں مخفی رکھا۔ واہ کیا دل لگی ہے۔

خو : (سر پیٹ کر) لاحول لاحول۔ لعنت بکارِ شیطان۔

آزاد : میں ابھی ابھی ایک چٹھی بھیجتا ہوں۔ آپ گھبرائیے نہیں۔

خو : ارے، ہائے افسوس اور مجھ سے کہتے ہو کہ آپ گھبرائیے نہیں۔

آزاد : بھائی سنو۔ ہم کو تو حسد ہوتا ہے۔

خو : پھر چاہے جو ہو۔ لے جائیے، کہہ دیجیے۔ وہ ہم پر عاشق ہم اس کے عاشقِ زار۔ تم ایسے ہزار لگی لپٹی باتیں کریں۔ ہو گا کیا۔ اے توبہ! آپ کی حقیقت ہی کیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لاحول ولاقوة۔

آزاد اپنے دل میں خوب ہی ہنسے۔ مگر خواجہ بدیع صاحب کو شک کی جگہ یقین، بلکہ یہی ایمان ودین تھا کہ میڈا کی ہم پر جان جاتی ہے۔ آزاد بھی پُرچک۔ دیتے جاتے تھے۔

آزاد: یار اب تمھارے ساتھ نہ رہیں گے۔

خو: وجہ۔

آزاد: بس سمجھ گئے ہم، اب ساتھ نہ ہوگا۔

خو: آخر وجہ بتائیے؟

آزاد: غضب خدا کا، میڈا سی ماہرو اور ہمارے سامنے تمھارا عشق ظاہر کرے۔

خو: (کھل کھلاکر ہنس پڑے) ہا، ہا، ہاہا۔ اب سمجھے۔ ہم جوان ہی ایسے ہیں۔ اس کو کوئی کیا کرے۔ لیکن تم اگر خلاف ہوگئے تو واللہ میں میڈا سے بات تک نہ کروں۔ مجھ کو جان تلک سے زیادہ تم عزیز ہو۔ قسم خدا کی اب دنیا میں تمھارے سوا اور کوئی میرا مربّی اور سرپرست نہیں ہے۔ باپ دادا، مربّی، آقا، جو کچھ ہو تم ہو۔ بس فقط تم، اور کوئی نہیں۔ اور ہم تو اب بوڑھے ہوئے۔ یہ بھی اس پری چہرہ کی عنایت ہے کہ ہم پر اور کرم۔ مگر ہاں اس میں شک نہیں کہ ہم کلّے ٹھلّے کے گھبرو جوان ہیں۔

آزاد: یہ تو میں خود جانتا ہوں۔

خو: ہاں بس اس میں جو شک کرے وہ کافر۔

آزاد: ہر کہ شک آرد۔

خو: سگ ست۔

آزاد: مگر ایسا ریجھی کہ ہاتھ تک چوم لیا۔ واہ وا۔

خو: (اکڑکر) اجی اسکندریہ میں تم نہ تھے۔ وہاں بھی ایک گراں ڈول اور خوب رو ہم پر عاشق ہوگئی تھی۔ مگر خرابی کیا تھی۔ نہ ہم اس کی بات سمجھیں، نہ وہ ہماری سمجھ سکے۔ اشاروں سے البتہ خوب باتیں ہوئیں۔

خوجی نے میاں آزاد سے پوچھا، کیوں میاں، بھلا فارسی میں خط لکھیں تو کیسا۔ آزاد نے کہا فارسی یہاں کوئی کیا جانے بھلا۔ اردو میں لکھو تو سب سمجھ جائیں، خوجی نے میڈا کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نام خط کا جواب اس طرح بھیجا۔

عزیز از جان، سعادت نشان، نورچشمی، روشن لقا مئیڈرا، کو بعد سلام و نیاز کے گلدستوں کے، یہ واضح ہو جائے کہ تمھارا نیاز نامہ مورخۂ تاریخ آج کا واسطے اس کے کہ میں آؤں گا، یا نہیں بیان کردوں۔ میں نے پایا۔ مژدۂ پیغام لایا:

ترے گدا کے مشام جاں میں طمع کی بو بھی نہیں گئی ہے
بری ہے تو جہان سے دامن پہ گرد چھو بھی نہیں گئی ہے

خط میں نے بغور پڑھا۔ فائدہ بخشا۔ اچھا لکھا ہے بقول صفدر ؎

ستم سہتے ہیں ہم جان کیسے کیسے
وہ لیتے ہیں روز امتحان کیسے کیسے

میں وقت مقررہ کے پہلے ہی آؤں گا۔ تم پر جان دیتا ہوں۔ ہر روز صبح کو اٹھ کر نام لیتا ہوں برسوں کا عاشق ہوں۔

خو: کیوں بھئی گلدستہ کی فارسی کیا ہے۔

آزاد: پھلہتی

خو: یہ تو آگرے کے ایک محلّے کا نام ہے۔

آزاد: اجی۔ گل۔ پھول۔ دستا۔ ہتی۔

خو: ہم پھلہتا۔ لکھیں گے۔ دستی تھوڑا ہی ہے کچھ۔

آزاد: ہاں ہاں ہم ہی بھولے تھے۔

خو: اہو ہو ہو۔ خوب یاد آیا۔ خدا گواہ ہے کانسل کے نام وہ خط لکھا کہ باید و شاید۔ اور سرخی یہ تھی پھڑکتی ہوئی۔

اے قبائے بادشاہی راست بر بالائے تو
مصرعۂ ثانی حذف یاد نیست والائے تو

آزاد: این! سچ مچ لکھ ہی دیا۔

خو: دن سے ایک عرضی داغ ہی تو دی۔

میاں خوجی دو سطریں لکھتے تھے اور دس منٹ تک ٹہلتے تھے دو سطریں لکھیں اور اٹھ کر اکڑنے لگے آدمی نے دیکھا کہ حضرت کے مزاج کا ٹھلبٹرا ہی نہیں بڑھ کر کہا صاحب جواب دیجیے گا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یا جاؤں۔ خوجی نے کہا ہوں ہوں جانا کیسا بیٹھ۔ پھر یوں لکھنا شروع کیا۔

مدتیں ہو گئیں کہ غم سے دل دو چار ہے۔ تیر پار ہے۔ آرزو دار اور تمنا مند ہوں کہ ازراہ کرم مہربانی کر کے اجازت دی جائے کہ آج ہی ساچق لے کر آؤں۔ ڈھول اور نقارہ اور لکڑ لگڑ جھیڑ جھیڑ کی صدا بلند ہو۔ پھر کیا پوچھنا ہے۔ بڑی دل لگی ہو واللہ اگر اجازت دو تو دولھا بن کر آؤں اور تم کو بیاہ لے جاؤں مگر شرط یہ ہے کہ بعد خرچ کرنے کہ اس قدر رقم کے میں مطلب کو اپنے پہنچوں۔ آگے جو رائے ہو۔ بندہ رائے کا ہوں بندہ صلاح کا ہوں اور باقی کچھ نہیں

لیا جو ایک دل اس نے تو دو دیے بوسے

ہزار شکر یہ سودا بہت گراں نہ رہا

خواجہ صاحب نے خط لکھ کر مس مٹیڈا کے آدمی کو دیا اور اکڑ کر آزاد سے کہا۔ کیوں قبلہ کہیے۔ اب بولیے۔ ہو نہ سمجھے تھے کہ بس ایک ہم بڑے خوبرو جوان ہیں۔ اجی فضلنا بعضکم علیٰ بعض۔ اس نے بھی دیکھا کہ سرخ و سفید اور رنگین مزاج اور شگفتہ جبین آدمی ہے۔ بشرے سے بانکپن برستا ہے اب اس کو چھوڑ کے اور کس کے ساتھ شادی کروں چلیے ترّسے خط لکھ بھیجا۔ آزاد نے کہا۔ اس میں کیا فرق ہے۔ آپ ایک جوان رعنا اور زیبا اندام ہیں۔ بھلا آپ نہ کیوں کر ریجھتی۔ اور آپ پر نہ ریجھتی تو پھر کس پر ریجھتی مگر خط تو گھٹوا لو۔ میاں خلیفہ کو بلاؤ۔ خوجی نے فوراً حکم دیا کہ جاؤ ایک آدمی حجام کو بلا لاؤ۔ حجّام آیا خط بننے لگا۔

خو: (گال پر ہاتھ رکھ کر) گھوٹو۔ گھوٹو۔ ابھی گھوٹے جاؤ۔ ابھی کھونٹی باقی ہے۔ خوب گھوٹو۔

حجّام نے پھر اُسترہ پھیرا۔ خوجی نے پھر ٹٹول کر کہا۔ اور گھوٹو۔ ابھی کھونٹی باقی ہے۔ خلیفہ نے پھر استرہ پھیرا۔

خواجہ صاحب نے جھلّا کر کہا، تم کچھ بھی نہیں جانتے کھونٹی کیوں رہ گئی چلو گھوٹو۔

آزاد: گھوٹو نہ بھئی۔

حجام: تو حضور کب تک گھوٹا کروں۔

خو: دونی مزدوری دیں گے ہم۔

حجام: مانا۔ مگر کوئی حد بھی ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خو: تم کو اس سے کیا مطلب۔
حجّام: پیرو مرشد خون نکلنے لگے گا۔
آزاد: یار اچھا ہے۔ لوگ کہیں گے کہ نوشہ کے چہرے سے خون برستا ہے۔
خو: ہاں واللہ خوب سوچے۔ گھونٹو۔
حجّام: (کسبت سنبھال کر) اب کسی اور نائی سے گھٹوائیے۔
آزاد: اچھا۔ اچھا پٹے تو کترتے جاؤ۔
خو: پر قینچ کردو۔

حجّام نے جھلاّ کر آدھے بال کتر ڈالے، ایک طرف کی آدھی مونچھ اڑا دی۔ ڈاڑھی کے سفید سفید بال بدستور رہنے دیے۔ الغرض چار ابرو کا صفایا کر دیا۔ خوجی تو یوں ہی بڑے حسین تھے۔ حجام نے کتر کترا کے اور بھی ٹھیک بنایا۔

آزاد: خواجہ صاحب کے اور تو کُل عضوِ بدن سانچے کے ڈھلے ہیں، مگر ناک ذرا بے ڈول ہے۔ ہے کہ نہیں؟
خو: چلیے بس رہنے دیجیے۔
حجّام: ہاں ہے تو بے ڈول، کہیے کتر لوں ذرا سی ناک بھی۔

خوجی نے جو آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو مونچھ نہیں۔ لنڈورے بنے ہوئے ہیں جھلاّ کر کہا اوگیدی یہ کیا کیا۔ میاں خلیفہ ہوا ہو گئے، کہ کہیں خواجہ صاحب مار نہ بیٹھیں۔ جھلّے آدمی تو ہیں ہی۔

آزاد: کیوں۔ کیوں۔ خفا کیوں ہو بھئی؟
خو: دیکھتے ہیں آپ، کیا قطع بنائی ہے۔ نہ ہوئی قرولی۔ واللہ آنتوں کا ڈھیر ہوتا سامنے، اور آپ نے بھی نہ روکا۔
آزاد: آپ کو تو ہے خبط۔ بندہ خبطی نہیں۔
خو: کیوں خبط کیسا۔ پٹّے اول جلول کترے، اور آپ نے ٹُک ٹُک دیدم، دم نہ کشیدم، پر عمل کیا۔ واہ سبحان اللہ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ۔۔۔۔

آزاد نے کہا میں سچ کہتا ہوں آپ اس وقت انتہا کے حسین معلوم ہوتے ہیں۔ اور وہم کی دوا تو لقمان کے پاس بھی نہ تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خو: کیوں صاحب سہرے کی تو فکر کیجیے۔

آزاد: ہاں۔ ہاں۔ گھبراتے کیوں ہو۔

خو: ہم کو یاد آتا ہے کہ نوشہ کے سامنے چھوٹے چھوٹے لڑکے غزلیں پڑھتے ہیں۔ دو ایک لونڈے کرایہ پر منگوا لیجیے، تو ان کو غزلیں رٹا دیں۔

آزاد: بہت خوب یہ تو عمدہ تجویز ہے واللہ۔

دو لونڈے بارہ بارہ برس کے کرایہ پر منگوائے گئے، اور میاں خوجی ان کو غزلیں برزبان یاد کرانے لگے۔ ایک غزل تو میاں آزاد نے یہ بتائی؛

لاحول ولاقوۃ یہ کون بشر ہے
سب صورت لنگور فقط دم کی کسر ہے

خو: چلیے بس رہنے دیجیے۔ ہونھ اچھے ملے۔

آزاد: اچھا اور غزل لکھوائے دیتے ہیں؛

فغاں ہے، آہ ہے، نالہ ہے، بے قراری ہے
فراقِ یار میں حالت عجب ہماری ہے

خو: واہ۔ شادی کو اس شعر سے کیا واسطہ۔

آزاد: اچھا صاحب یہ غزل یاد کرا دیجیے۔:

کہا تھا بلبل سے حال میں نے ترے ستم کا بہت چھپا کر
یہ کس نے ان کو خبر سنائی کہ ہنس پڑے پھول کھل کھلا کر
مرے جنازے کو ان کے کوچے میں ناحق احباب لے کے آئے
نگاہِ حسرت سے دیکھتے ہیں وہ، رخ سے پردہ اٹھا اٹھا کر

خو: واہ جنازے کو شادی سے کیا تعلق ہے بھلا؟

آزاد: اوپر والا شعر پسند ہے؟ مطلع۔

خو: ہاں ہنسنا اور کھل کھلانا، ایسے لفظ ہوں تو کیا پوچھنا۔

آزاد: اچھا سنیے اور سنیے!

پریرو آدمی کا دل نہ ہو کس طرح دیوانہ
تری بہکی ہیں باتیں، اور تری چالیں ہیں مستانہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سرِ مُو فراق کچھ اس میں نہیں تشبیہ کامل ہے
کسی زلفِ پریشان کا دلِ صد چاک ہے شانہ
بدلتا ہے مرا دل رنگ کیا کیا عشق بازی میں
کبھی بلبل ہے گلشن میں، کبھی محفل میں پروانہ

او ری قسم کے شعر مطلوب ہوں تو کوئی لالہ ڈھونڈھیے، مگر یہاں کہاں۔

خوجی نے یہ غزل لکھ لی، اور دونوں لونڈوں کو رٹانے لگے۔ دو گھنٹے کے بعد پوچھا کہو کیا یاد کیا۔ پہلا شعر تو پڑھو۔ ایک نے یوں پڑھا:

پر یرو ہو نہ ہو طرح ادانہ
ترا بہک چاہیں آستانہ

خو: (جھلا کر) لاحول، لاحول۔ دوسرے سے تم پڑھو:

دوسرا: بہت اکڑ کر:

پریرو ماو ما دیو شانہ
بہک بات اور مست مردانہ

خو: واہ من چہ فش ام۔ برادرِ فلاں من بسیار فش ست۔

آزاد: یار یہ بڑی ٹھیڑی کھیر ہے۔

خو: کچھ پوچھو نہ بھئی۔ لاحول ولا قوۃ۔ رٹاتے رٹاتے ناک میں دم آ گیا۔ مگر کتے کی دم بارہ برس زمین میں گاڑی، ٹیڑھی ہی نکلی۔

آزاد: توبہ۔ توبہ۔

خو: ہاں خوب یاد آیا، آپ ذرا باجے والوں کی تو فکر کیجیے۔ ہاتھی، گھوڑا، ہوادار فنس، پالکی، جھنڈی بردار، چوبدار، نوبت والے، شہنائی والے، کے بغیر شادی کیسی۔ مگر ہمارے لیے جو گھوڑا منگوایئے گا ذرا شائستہ ہو۔ گو رسالداری اور کمیدانی کی حالت میں برسوں گھوڑے پر سوار ہوئے ہیں، مگر اب ربط نہیں ہے۔

آزاد: دیکھیے سب فکر ہوئی جاتی ہے۔ بھلا گھوڑا نہ ملے خچر ہو تو کیسا؟

خو: واہ آپ نے مجھے بھی کوئی گدھا مقرر کیا ہے۔

آزاد: تو حضرت دریافت کر لینے میں کیا ہرج ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میاں آزاد نے ہرمز جی سے کہا کہ یہ شخص مسخرہ ہے۔ مگر سمجھتا ہے کہ مجھ سے بڑھ کر حسین، اور وجیہ کوئی دنیا میں نہیں پیدا ہوا۔ مس میڈا کے بیاہنے کا شوق چرایا ہے۔ میں نے میڈا سے کہہ دیا تھا کہ ان کو ذرا بناؤ۔ وہ تو آپ جانتے ہیں کہ ایک ہی شوخ طبع ہے۔ ان کا ہاتھ چوم لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ تب سے اینڈتے پھرتے ہیں۔ اب سنیے کہ میڈا نے گھر سے آپ کے نام ایک خط بھیجا کہ میرے ساتھ شادی منظور ہو تو آج شام کو آؤ۔ نائی کو بلا کر خط بنوایا ہے۔ ذرا قطع چل کر دیکھ لیجیے۔ اب کہتے ہیں جس طرح ہندوستان میں برات نکلتی ہے، اسی طرح یہاں بھی ہاتھی اور گھوڑے، اور باجے، لے کر میڈا کو بیاہنے جائیں گے۔

ہرمز : آپ کہہ دیجیے کہ یہاں بالکل شرع کے مطابق شادی ہوتی ہے۔

آزاد : چلیے آپ بھی چلیے۔

ہرمز : اچھا۔ مگر مجھ سے ہنسی نہ ضبط ہو سکے گی۔

میاں آزاد نے جا کر کہا کہ ہرمز جی صاحب کہتے ہیں، یہاں شرع کے مطابق شادی ہوتی ہے۔ باجا لے کے نہیں جاتے۔ ہرمز جی نے کہا مبارک۔ میڈا اسی حسین عورت واقعی آپ ہی کے قابل ہے۔ جیسی وہ خوشرو ہیں، ویسے ہی خوش قطع آپ بھی ہیں۔ مگر باجا لے کر جائیے گا، تو لوگ یہاں ہنسیں گے۔ ہاں ایک بات ہو سکتی ہے، کہ پھول کے برتن دس پانچ آدمیوں کو دے دیجیے۔ بانس کی کھپاچ سے وہ بجاتے جائیں۔ آواز کی آواز باجے کا باجا۔

خوجی نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔

خو : میاں آزاد کی رائے لیجیے۔

آزاد : بجا ہے۔

خو : بندوبست کیجیے، پھر اب وقت تھوڑا ہے۔ اور سواری کا کیا فکر کیجیے گا؟

ہرمز : ہمارے نزدیک تو پیدل جائیے۔ یا جس طرح یہاں امرا جاتے ہیں، اسی طرح جائیے۔ مگر آپ شاید پسند نہ کریں۔ آدمی کی گود میں۔

خو : منظور۔ مگر ہم کو اٹھا سکے کا کوئی ؟

آزاد : یہی تو بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔

ہرمز : ہم اس کا بندوبست کر دیں گے۔ آپ گھبرائیے نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خو: اجی تو پھر اب کب بندوبست کیجیے گا۔ ایسا نہ ہو وقت پر پھر جگت ہنسائی ہو، مفت میں۔

ہرمز: کوئی جنازہ اٹھانے والوں میں سے، دو ایک ہٹے کٹے آدمیوں کو لے آؤ، مگر خوب مضبوط ہوں۔

بڑی دیر تک یہی گفتگو رہی۔ دو گھڑی دن رہے ہوٹل سے خوجی کی برات چلی۔ تین مزدور پھول کے برتن کو لکڑی سے بجاتے جاتے ہیں۔ دو لونڈے آگے پیچھے ساتھ۔ خوجی ایک مزدور کی گود میں، گیروے کپڑے پہنے ہوئے، سر پر سیاہ پگڑی، اور سہرا لٹکا ہوا، راہ میں جس طرف نکل جاتے ہیں، لوگ انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ قہقہے پر قہقہہ پڑتا ہے۔ خوجی اکڑے بیٹھے ہیں، اور دل ہی دل میں سوچتے ہیں کہ لوگ ہمیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں ایسا وجیہ جوان کبھی کسی نے کاہے کو دیکھا تھا۔ لونڈوں سے پوچھا۔ کہو غزل یاد ہے۔ ہاں کہو پر پروا آدمی ہے۔ بولو۔ اب وہ بولیں تو کیا بولیں۔ بولیں تو تب جب کچھ سمجھیں۔ میاں خوجی نے ان کو خوب للکارا۔ مگر ان کے کان پر جوں بھی نہیں ریں گی۔

خو: اہاہاہا۔ ارے رے رے۔ لاحول ولاقوہ۔ روک لو۔ روک لو۔ برات روک لو۔ پنشاخے والے کہاں ہیں۔ ہائیں! کوئی بولتا ہی نہیں۔ پردیس میں بھی انسان پر کیا مصیبت پڑتی ہے۔ افسوس صد افسوس! اب میں دولھا بن کر رہوں یا انتظام کروں، یا جلوس کا بندوبست کروں۔ کروں تو کیا کروں۔ یہ دونوں گیدی نرے جانگلو نکلے۔ توبہ ہی بھلی۔

پھر یاد آیا کہ نشان کا ہاتھی تو ہے ہی نہیں۔ اتنے میں ایک جمائی آئی۔ پھر ایک جمائی آئی۔ ارے! اہو ہو افیم پینا بھول گئے۔ مارے خوشی کے یاد ہی نہ رہا۔ کہ افیم ابھی نہیں کھائی ہے اب کیا کیا جائے۔

پھر یاد آیا کہ قرولی تو پاس ہے ہی نہیں۔ اُف غضب ہو گیا۔ حکم دیا کہ لوٹا دو برات۔ چلو ہرمزجی کی کوٹھی میں چلیے۔ برات ہرمزجی کی کوٹھی میں داخل ہوئی۔

آزاد: یہ کیوں واپس کیوں آئے۔ بولو بھائی۔

خو: کیا بولیں میاں:

قیس و فرہاد جو اس عہد میں زندہ ہوتے پیتے دھو دھو کے مرے سنگ لحد کے تعویز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: سبحان اللہ شعر تو ایسے حسب حال پڑھ دیتے ہیں جی خوش ہو جاتا ہے، مگر بے نیلِ مرام واپس آنے کی وجہ تو بتاؤ، آخر یہ ہوا کیا؟

خو: نشان کا ہاتھی تو تھا ہی نہیں۔

آزاد: بس اسی وجہ سے واپس آئے؟

خو: قرولی تو پاس تھی ہی نہیں۔

آزاد: عجب آدمی ہو بھئی۔ آپ جنگ کے میدان میں جاتے ہیں یا شادی کرنے، پھر قرولی سے کیا واسطہ۔

خو: جس میں بانکے معلوم ہوں۔

آزاد: واہ کیا کہنے لگے بانکے معلوم ہوں۔

خو: ہاتھی منگوائیے۔

آزاد: بھائی یہاں ہاتھی کہاں۔ یہ بھی ہندوستان ہے کچھ۔ ہاں ایک بات ہو سکتی ہے کہ خچر پر ایک جھنڈی رکھوا دیں۔ یا تم خود ہی ایک جھنڈی ہاتھ میں لے لو۔

خو: کیا مصیبت ہے بھئی۔ نوشہ بھی ہمیں بنیں، جھنڈی بردار بھی ہمیں بنیں۔ انتظام بھی ہمیں کریں۔ لاحول ولا قوۃ۔

اتنے میں مس میڈا بھی آگئیں۔ آزاد نے کہا لو وہ تو خود ہی یہاں آگئیں۔ میڈا نے ہنستے ہوئے کہا ہم نے ان کو بازار میں دیکھا تھا۔ ایک مزدور کی گود میں بہت اکڑے ہوئے بیٹھے تھے، اور خدا جانے کون چیز دو ایک آدمی بجاتے جاتے تھے۔ خوجی نے جھک کر سلام کیا میڈا کو، اور مسکرا کے میڈا نے سلام کا جواب دیا، اور کہا واہ آپ خوب آئے۔ آزاد نے خوجی کو میڈا کا مطلب سمجھا دیا۔

خو: کمال خفیف ہوا، انتہا کی خفت ہے اس وقت۔ وجہ یہ ہوئی کہ جب برات آدھی دور نکل گئی تو یاد آیا کہ ہاتھی نہیں ہے۔ پھر دس قدم پر جمائی آئی۔ یاد آیا کہ افیم نہیں کھائی ہے اور تھوڑی دور چلا تھا، کہ قرولی یاد آئی، لہٰذا اثنائے راہ سے واپس آیا۔ اب فرمائیے کیا رائے ہے آپ کی۔

میڈا: اب اس وقت تو جانے دیجیے کل سمجھا جائے گا۔

میڈا نے کہا چلیے اس کمرے میں ہمیں کچھ کہنا ہے۔ خوجی کی باچھیں کھل گئیں۔ میاں آزاد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی طرف بڑے غرور سے دیکھا، اور مئیڈ کے ساتھ کمرے میں گئے۔ مئیڈا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی تڑسے ایک چپت دی، اور پھرتی کے ساتھ کمرے کے باہر تھی۔ خوجی نے ٹوپی اٹھائی، اور سوچے کہ بیڈھب سامنا ہے۔ اچھے گھر بیعانہ دیا۔ ابھی سے کھوپڑی سہلانے لگیں۔ مگر مضائقہ نہیں سمجھا جائے گا۔ باہر تشریف لائے۔

آزاد کہو کیا کہا؟

خو: ایک بوسہ لیا، اور طرارہ بھرا تو کمرے کے باہر تھی۔

آزاد: بڑے خوش قسمت ہو۔

خو: (ایک مونچھ پر تاؤ دے کر) ہیں ہی۔ ہیں نہیں تو یوں ہی۔

آزاد: تم نے بھی بوسہ لیا۔

خو: لینے کو تھا، مگر وہ شوخی کے ساتھ چل دی۔

آزاد: اس میں شک نہیں کہ یہ عورت پری ہے۔ حورِ جنت واللہ حورِ بہشتی، مگر میں نے تو پہلے ہی شادی سے انکار کیا تھا۔

خو: اگر آپ نے یہ کلمہ دہرایا تو قرولی بھونک کر خود ہی مر جاؤں گا۔ اتفاق سے ایک بیجا بات زبان سے نکل گئی:

چیست ہندو یا مسلمان کوزۂ یک کوزہ گر
گرچہ کوزہ دو شمار آید ولیکن گل یکیست

آزاد: لے بس اب تمہارا قصور معاف کر دیا۔ ایسا برجستہ شعر تم نے پڑھ دیا، حسبِ حال، جی خوش ہو گیا۔ جاؤ وہ معاف کیا۔ سلام کرو۔

مئیڈا نے خوجی سے کہا چلو باہر چاندنی میں سیر کریں۔ خوجی نے کہا چلیے، میاں آزاد کو بھی ساتھ لیا اور تینوں سیرِ چمن کرنے لگے۔ مئیڈا نے کہا آپ کا نام ہم بھول گئے ہیں خوجی بولے کہ، خواجہ بدیع صاحب میرا نام ہے۔

مئیڈا: یہاں ایک فرانسیسی افسر ہے (روشفا) وہ مجھے عرصے سے چاہتا ہے۔ پہلے تم اس سے لڑو۔ پھر ہمارے ساتھ شادی ہو۔

ایک مرتبہ میاں آزاد نے عمداً اور قصداً کہا: ارے میاں خوجی ذرا ایک بات سنو۔ خوجی کے غصّے کا پارہ ایک سو بیس درجے کا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خوجی پر خدا کرے آسمان پھٹ پڑے۔ خوجی مردک ہے، کون مرے، خوجی۔ اسی دم خوجی گدھے، سوّر کا جنازہ نکلے۔ خوجی مردود کی ایسی تیسی۔ اب خوش ہوئے معشوق کے سامنے رنگ پھیکا کرتے ہو۔ خوجی خوجی۔ ماں باپ نے خواجہ بدیع نام رکھا۔ یاروں دوستوں نے خواجہ صاحب، خواجہ صاحب، کہا آپ خوجی بنائے دیتے ہیں۔

آزاد: معاف کیجیے۔

خو: پھنک گیا پھنک گیا۔ ازسرتاپا پھونک دیا۔ خوجی کہہ کر معافی کے خواہاں ہونا۔ جلے کو اور جلانا۔

آزاد: اچھا پھر اب تو معاف کرو۔

اور کروں گا کیا آخر معاف کرنے کے سوا اور کیا ہے۔ رنگ پھیکا کر دیا۔

مئیڈا نے کہا کیسے پھر اس افسر سے کس دن لڑائی ہوگی۔ خوجی نے کہا ہم حاضر ہیں۔ پچاس افسروں سے جنگ کرنے پر آمادہ ہیں۔ ہم کمیدانی کر چکے ہیں۔ رسالدار رہ چکے ہیں۔ دگلے والی پلٹن نے وہ نام کیا کہ باید و شاید۔ ایسی لڑی ایسی لڑی۔ کہ وا رے، اور ہم نے دگلے والی پلٹن کی وہ رسالداری کی کہ دھوم ہے۔ کوئی پلٹن ایسی نہ تھی۔ اختری، نادری، جنگی افسر جیسے وہ تھے ایسے ہم تھے۔ دونوں فوجی افسر جب لڑیں گے تو خوب لڑیں گے مگر شرط یہ ہے کہ میاں آزاد ہم کو ایک قرولی خرید دیں۔

میاں آزاد، اور مس مئیڈا اور ہرمزجی نے باہم مشورہ کیا اور مشورہ کر کے خوجی سے کہا کہ کل صبح کو آپ تیار رہیے گا۔ خواجہ صاحب نے کہا اجی ہم اب تیار ہیں۔ سویرے منھ اندھیرے میاں خوجی اٹھے منھ ہاتھ دھویا۔ جوڑی کے کئی ہاتھ ہلائے کوئی تین چار۔ جی اور نہیں تو کیا سینکیا پہلوان ہیں کہ باتیں۔ کپڑے پہن کر لیس ہو رہے۔ تھوڑی دیر میں مئیڈا ناز و ادا کے ساتھ اٹھلاتی ہوئی آئیں۔ اور خوجی کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

خو: واہ رے میں۔ معشوق نے دیکھا اور باچھیں کھل گئیں۔

آزاد نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ عبیداللہ اس کمرے میں بیٹھے ہیں ذرا ان کو بلا لو۔ عبیداللہ ایک مشہور و معروف ترکی پہلوان تھے۔ جیسے ہی وہ سامنے آئے اور میاں آزاد نے کہا کہ لیجیے آپ کے رقیب ہی ہیں۔ خوجی کے ہوش اڑ گئے۔ یا الٰہی! یہ ڈھو کا ڈھو۔ دنیا بھر کے آدمیوں سے دو مٹھی اونچا اس سے عہدہ برآ ہونا محال ہے۔ آج ذلیل ہوئے مگر خیر شاید ڈپٹ میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آجائے۔ ترکی پہلوان نے جو سکھایا پڑھایا ہوا تھا۔ قہر آلود نظر ڈالی، تو خوجی کے رہے سہے حواس بھی غایب ہوگئے۔ دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ آج ہڈی پسلی ٹوٹی۔ یہ تو کچّا ہی کھا جائے گا۔ ایک چپت دے تو ہم زمین میں دھنس جائیں۔ مقابلہ اس سے کون کرے گا بھلا۔ ترکی پہلوان نے پھران کی طرف قہر کی نظر سے دیکھا۔ خوجی مارے ڈر کے ذرا تھوڑی دور ہٹے۔ مئیڈا نے کہا، آپ تو ابھی سے ڈرنے لگے۔ خوجی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک دفعہ بیٹھ گئے اور کہا، یارو ذرا ڈاکٹر کو بلاؤ۔ اس طرح کا درد ہو رہا ہے کہ کچھ نہ پوچھو۔ ایک دفعہ جب ہم دکلے والی پلٹن میں نوکر تھے، تب بھی ہوا تھا، اور اب بھی ہو رہا ہے مگر مر گئے تو چلیے۔ ع

ہماری جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

افسوس یہ ہے کہ ہم اس وقت اپنی پھکیتی اور پہلوانی کے جوہر نہ دکھا سکے۔ واللہ ہے اُٹھا کے پٹخنی دیتا تو توبہ ہی بھلی۔

اتنے میں ترکی پہلوان نے ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکا دیا تو خوجی کرسی پر سے دس قدم کے فاصلے پر جا گرے اور پینترے بدل کر کہا او گیدی نہ ہوئی قرولی ورنہ ڈھیر کر دیتا۔

آخر کار اس بات پر فیصلہ ہوا کہ خوجی کا درد رفع ہو جائے تو پھر کسی روز زور آزمائی ہوگی۔

کُہرام! کُہرام! کُہرام!

ناظرین باتمکین کو یاد ہوگا، کہ نواب نامدار نے، جب حسن آرا بیگم کی حالتِ زار دیکھی تو ڈاکٹر صاحب کے پاس دوڑے گئے۔ صاحب سول سرجن فوراً ساتھ آئے۔ ادھر میرزا ہمایوں فرہاد صاحب انسپکٹر جنرل اسپتال کو بلا لائے۔ حسن آرا کی اس کیفیت سے محلّے بھر میں کہرام مچ گیا۔ جسے دیکھو کھڑا ماتم کر رہا ہے۔ سپہر آرا بت بنی ہوئی کھڑی ہے۔ بیگم صاحب کے سر سے خون کے سرّاٹے جاری تھے۔ بہار النسا آہیں و بکائیں کرتی تھیں۔ روح افزا سکتے کے عالم میں تھی۔ الغرض اندر اور باہر کہرام مچا ہوا تھا۔

بڑی بیگم نے رو رو کر کہا۔ ہائے میرے دل کی چین، کلیجہ کی ٹھنڈک، ارے لوگو میں لٹ گئی۔ ہائے مجھ نصیبوں جلی کی موت نہ آئی۔ ہائے یہ روز میں نے دیکھا۔ حسن آرا اپنے ابّا کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پاس چلیں۔ ہائے کل بھائی کو روئی تھیں۔ آج خود ہی اٹھ گئیں۔ سپہر آرا دوڑ کر بڑی بہن کی لاش سے چمٹ گئی اور چھاتی سے لگا کر کہا۔ ہائے باجی جان۔ عدم کے جانے کی تیاریاں کر دیں۔ ہمیں ساتھ نہ لیا۔ اب ہم کڑھ کڑھ کر مریں گے۔ باجی جان دغا دے چلیں۔ اُف۔ اُف اے مرے اللہ (زور سے) ہائے ہائے ہائے ہائے ہائے۔ باجی جان کچھ قول بھی یاد ہے۔ ـــــ ارے! ہائے۔

ہائے کہہ کر حسن آرا کے تکیے پر سر رکھ دیا۔

مغلانی اور ایک ماما نے سپہر آرا کو زبردستی وہاں سے اٹھایا۔ کہ اتنے میں بہار النساء نے دولائی جو منھ پر سے اٹھائی، اور حسن آرا کا زرد زرد چہرہ نظر سے گزرا، تو خوب زور سے سر پٹا، ہے ہے یہ وہی حسن آرا ہیں۔ ہائے لوگو دھوکا ہوا ہے، یہ حسن آرا نہیں ہے (شانہ ہلا کر) بہن کب تک سویا کرو گی۔ نماز کا وقت آ گیا بہن اٹھو، وضو تو کر لو۔ کیا اب نہ جاگو گی۔ ہائے! (کان کے پاس منھ لے جا کر) بہن کیا اب سچ مچ نہ جاگو گی؟ (سر پیٹ کر) یہ دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہوا۔

مغ: ابھی ابھی باتیں ہوتی تھیں۔

ماما: ایک ہی ہچکی میں کام تمام ہو گیا۔

پیاری کی ماں: نصیبوں کی گردش۔ ہائے نصیبوں کی گردش۔

مغ (چھاتی پیٹ کر) اللہ اس آفت میں ساتویں دشمن کو بھی نہ ڈالے۔

پڑوس کی بوڑھی عورت نے سینے پر ہاتھ رکھا۔

بوڑھی: (سر پیٹ کر) ہے ہے بالکل سرد ہے۔

سپہر آرا اٹھی کہ بہن کی لاش کو گلے لگائے مگر لڑکھڑا کر گر پڑی، پھر اٹھی تو مغلانی نے آہستہ سے ہاتھ پکڑ لیا۔

ادھر نہ جائیے برائے خدا ادھر نہ جائیے۔

سپہر: ہے ہے اب آنکھ بھر کر دیکھیں بھی نہیں۔ دو گھڑی اور صورت دیکھنے دو ارے اللہ مجھے نہ روکو۔

اس فقرے پر کل عورتیں انتہا سے زیادہ اشکبار ہوئیں۔ اور ماتم کی آواز ایسی بلند ہوئی کہ الامان الحذر۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ب : ہائے مدتوں کی آس توڑی۔ میں ابھی ابھی باتیں کر کے نیچے گئی کہ بس چٹ پٹ ہو گئی۔

یہ کہہ کر تین بار پٹی پر سر ٹکرایا۔ تو مغلانی نے کہا ہائیں! ہائیں! ابھی خون جاری ہے۔ یہ کیا کرتی ہیں۔ حضور آپ یہ کریں گی تو سپہر آرا بیگم کو کون سمجھائے گا۔

ب : مجھ فلک ستائی کو کیا معلوم تھا، کہ یہ یوں دیکھتے دیکھتے میری کمر توڑ جائیں گی۔ ہائے برسوں آمین اللہ کر کے پالا، اب سیانی ہوئیں، تو دغا دے چلیں۔ حسن آرا تم سے۔ ہائے۔ (ہاتھ مل کر) لوگو میں کیا کروں۔

بہار النسا کا یہ حال تھا، کہ کبھی سرہانے پر جا کر سر پیٹتی، کبھی پائینتی۔

سپہر : (منہ سے دولائی ہٹا کر) ہمیں کس کے سپرد کیے جاتی ہو باجی جان! ہائے اتنا تو بتا دو۔ اماں جان تو بے چاری بوڑھی ہیں، اور تم اور بھی ان کی کمر توڑ چلیں۔ باجی ہائے باجی۔ ہم روئیں پیٹیں اور تم کو ذرا خبر نہ ہو۔

بڑی بیگم سپہر آرا کو گلے سے لگا کر خوب روئیں۔

شہر بھر میں خبر ہو گئی جس نے سنا کفِ افسوس ملا۔ ڈولیوں پر ڈولیاں، اور فنسوں پر فنسیں آنے لگیں۔ باہر صدہا آدمیوں کا جماؤ۔ ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے۔ آپس میں یہ باتیں کرتے تھے۔

ایک : اٹھتی جوانی تھی ابھی۔

دوسرا : ہائے ہائے۔

تیسرا : بڑی بیگم کی کمر توڑ چلیں۔

چوتھا : اجی یہ تو یہاں تھوڑے ہی دن سے رہتی ہیں، مگر ہمارے مکان سے ان کا مکان آمنے سامنے ہے۔ جھٹپٹے میں شام کے وقت بجروں پر دریا کی سیر کو جاتی تھیں۔ مگر رہے نام اللہ کا۔

پانچواں : یہی بات ہے بھائی۔

چھٹا : سنا۔ بس دم کی دم میں جان نکل گئی۔

ساتواں : ایک ہچکی آئی کچھ بھی نہ تھا۔

آٹھواں : وہ ہچکی نہ تھی ملک الموت تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواں : اسی جگہ انسان بے بس ہے۔

دسواں : ہائے ذرا بس نہیں چلتا۔

گیارھواں : ارے توبہ۔

بارھواں : اور سنا بڑی پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ ہائے۔

تیرھواں : یہی کارخانے ہیں دنیا کے۔

اتنے میں مردِ معمر سیاہ پوش نے تھوڑی دور جاکر کل جماعت کو مخاطب کرکے یوں تقریر کی:

ہشیار باش خواجہ کہ از مرگ چارہ نیست
غافل مشو کہ عمرِ عزلت دوبارہ نیست
در زندگی بکوش کہ فرصت ہمیں دم ست
زیراکہ روزِ مرگ بہ کس آشکارہ نیست

بھائیو! اس وقت تم جس قدر آدمی یہاں کھڑے ہو، سب کا دل بھر آیا ہے۔ اور وجہ یہ کہ ایک نوجوان کی وفات کی خبر نے تم کو انتہا کا مغموم اور ملول کر دیا ہے یہ وہ حادثہ حیرت انگیز اور سانحہ عبرت خیز ہے کہ جس قدر زیادہ افسوس کریں کم ہے۔ یہ لڑکی جس نے اپنی جانِ شیریں جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ابھی بہت کم سن تھی۔ اٹھتی جوانی اور اس قدر حسین و مہ جبیں، نازک اندام، و نازنین کہ لاکھوں میں لاجواب، کرداروں میں انتخاب۔ اگر ایک دفعہ بھی کوئی اس کو دیکھتا تو ہزار جان سے عاشق ہو جاتا۔ اور اس نازنین کی پاک محبت کا دم بھرتا۔ صورت میں جادو۔ سیرت میں جادو۔ چال ڈھال میں جادو۔ بال بال میں جادو۔ پور پور میں جادو کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ اور عفیفہ اس درجہ کی کہ اس کی پاک دامنی کی قسم کھانی چاہیے۔ صورت اور سیرت دونوں باتیں اللہ نے عطا کی تھیں، مگر جس خدا نے اس کو پیدا کیا تھا اس نے واپس لے لیا۔ امانت تھی۔ لے لی۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی، کہ اگر اس مجمع کثیر میں سے کسی شخص کی اس دخترِ شکر لب پر نظر پڑتی، تو کہہ اٹھتا کہ خدا کی قدرتِ کاملہ کا بہترین نمونہ ہے۔ اس صنّاع کی صنّاعی کے صدقے جس نے یہ پیاری صورت بنائی:

بصورتِ تو بتے کمتر آفرید خدا
ترا کشیدہ و دست از قلم کشید خدا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ابروشمشیر برّان، بلکہ تیغ اصفہان، چشمِ جادوانہ، جمال مستانہ۔ ایک ایک اشارے میں لاکھ لاکھ انداز۔ مجسّم خوبی، سراپا ناز، پیشانی نورانی، جبین جبین، رگ برگ گل، یا موجِ جام مل۔ مژگان سحر ساز، جادوطراز، زلف لخلخہ باز، سیہ بہار۔ دم تقریر یہ معلوم ہوتا تھا کہ پھول جھڑ رہے ہیں:

سرتا قدمش کرشمہ و ناز
ہم سرکش عشق و ہم سر انداز
افگندہ بدوش کف چون شست
او بیخبر و نظارہ گر مست
معجونِ لبش بہ دُر فشانی
پروردہ بہ آب زندگانی

اب جا کر دیکھو تو وہی صورت، جس کو دیکھ کر کل خدا کی قدرت مجسّم نظر آتی تھی۔ بھیانک اور ڈراؤنی معلوم ہو۔ وہ آنکھیں جو کل سحرِ سامری کو سبق دینے کا دم بھرتی تھیں۔ اب بند ہیں۔ وہ دہن جو بقول شعرا، رمزِ حدیث لن ترانی تھا۔ اب حشر تک نہ کھلے گا۔ وہ گورا گورا مکھڑا جو بن گہے چاند کو شرماتا تھا' اب خود گہنا گیا' اور اس طرح گہن میں آیا کہ قیامت تک نہ چھوٹے گا۔ وہ لبِ لعل شکرخا اب سیاہ ہو گئے۔ ابھی ابھی لبوں سے قند گھومتی تھی، ہنستی بولتی تھی۔ اب لب ہلانے کی قسم کھا بیٹھی:

صد حیف کہ گل رخان کفن پوش شدند
وز خاطرِ یکدگر فراموش شدند
آناں کہ بصد زبان سخن می گفتند
آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند

اللہ بس، باقی ہوس۔

اعضا وہی ہیں، جسم وہی ہے' ہاتھ وہی، پاؤں وہی، منھ وہی، زبان وہی، مگر سب بیکار آمین اللہ کر کے اس کی ماں نے پالا ہوگا۔ امیر کی لڑکی تھی۔ نازونعم پروردہ، مگر تھوڑی دیر میں بخوشی تمام، خاص اسی کے اعزّا و اقربا کو گورستان لے جائیں گے، اور دفنائیں گے۔ وہ سیم بدن جو دھوپ میں شہ نشین سے باہر نہیں نکلتی تھی اب خاک کے سپرد کی جائے گی:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

این ماتم سخت است کہ گویند گی جوان مرد

اٹھتی جوانی تھی۔ عین عالمِ شباب اور وہ آب و تاب کہ زاہدِ صد سالہ تک، دیکھتا تو اسی کا کلمہ پڑھتا:

حسنِ یوسف بھی اس کے آگے ماند چہرہ زلفوں میں جیسے ابر میں چاند
جلوۂ حسن رشکِ شعلۂ طور چشم بددور آنکھیں موتی چور
رخ پہ وہ بکھرے بکھرے زلف کے بال رگِ گل سے وہ ہونٹھ پان سے لال
رگِ گل سے کمر لچکتی ہوئی
چوٹ ایڑی تلک لٹکتی ہوئی

وہی چوٹی اب بھی ہے، مگر بے کار:

در دیست اجل کہ نیست درمان اورا
بر شاہ و گداست حکم و فرمان اورا
شاہے کہ بحکم و دوش کرمان می خورد
امروز ہمی خورند کرمان اورا

اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیے، کہ انسان کو دو روزہ زندگی کے لیے بغض اور تعصب سے کنارہ کش ہونا لازم ہے۔ عداوت، کس زندگی کے لیے؟ افسوس صد افسوس ایک ایک دیوار کے جھگڑے پر لوگوں نے اپنی جان دی ہے، یا پڑوسی کی جان لی ہے۔ مر گئے تو نہ در ساتھ گیا نہ دیوار گئی۔ جانتے سب ہیں کہ موت سے چارہ نہیں، مگر جو نتیجہ اس کے علم سے مستخرج ہونا چاہیے، اس سے ذرا سروکار نہیں۔ حیف صد حیف کیا معاملہ مشکل ہے:

نبینده کہ اصل و فرع خود نیکو یافت
این ہستی این سوئے ہمہ زان سو یافت
این جوی روان را کہ جہان می گویند
سرچشمہ نیافت غیر خود ہر کو یافت

لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کارِ امروز بفردا بگذار کہ مفہوم پر مطلق نظر نہیں ڈالتے۔ سوچتے ہیں کہ رفتہ رفتہ منہیات و معصیات سے اجتناب کریں گے۔ ساٹھ برس کے ہو لیں، تو توبہ کریں، مگر افسوس ہے، کہ وہ غافل ذرا عبرت نہیں حاصل کرتے۔ ذرا نہیں سوچتے کہ آج

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مرے کل دوسرا دن۔ زندگی کا بھروسا کیا۔ یہ کس برتے پر کہتے ہیں کہ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں۔ جو کام آج ممکن ہے اس میں دریغ نہ کرو۔ کل کی کل سمجھی جائے گی۔

یہ سمجھنا کہ مریں تو خاک میں مل جائیں گے۔ پھر عذاب و ثواب کون بھگتے گا۔ بڑی غلطی ہے۔ جسم چاہے جہاں جائے، مگر ملک جسم کے شہنشاہ سے اس کا ضرور مواخذہ کیا جائے گا:

صد سال اگر سخن زما خواہد رفت
آخر بہ نفخت فیہ وا خواہد رفت
ہرکس گوید بخاک خواہم رفتن
فکرے نہ کہ اصل من کجا خواہد رفت

اسی دوروزہ زندگانی کے لیے حرص اور طمع، اور حسد، اور بغض اور تعصب اور نفسانیت اور خودی اور نخوت اور فساد اور عناد اور غضب اور غصّہ یہ سب انسان کے روز مرّہ کے مہمان ہیں:

خواہی کہ دلت صاف شود چوں آئینہ
دہ چیز بروں کن از درون سینہ
حرص و حسد و بخل و حرام و غیبت
بغض و غضب و کبر و ریا و کینہ

بعض آدمی سمجھتے ہیں، کہ جب ہم توبہ کریں گے، تو بفحوائے التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّاذَنْبَ لَہٗ۔ وہ بالکل معصوم ہو جائے گا۔ یہ سچ۔ مگر:

نکتہ ہا ہست بسے محرم اسرار کجا

دیکھو یہ نوجوان اور حسین لڑکی، ابھی ابھی ہنس رہی تھی، اور اب دم کے دم میں یہ کیفیت ہو گئی کہ وہ خود دنیا و مافیہا سے بے خبر ہے۔ مگر اس کے اعزا و اقربا ماتم کرتے ہیں۔ پر ظاہر ہے کہ بات کی بات میں جان نکل گئی۔ اس بے ثبات زندگی پر، حسد اور نفسانیت معنی چہ۔ اس دوروزہ زندگانی پر، یہ گھمنڈ کہ ہم امیر کبیر ہیں، ہم درویش کامل ہیں۔ ہم حاکم، ہم نثار ہیں۔ ہم شاعر، ہم عالم و فاضل ہیں۔ ہم چو من دیگرے نیست:

این جہان نقشے بر آبی پیش نیست
موج آبے یا بر آبے پیش نیست

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیش نور چشم عبرت بین ما
اوج گردون جز حباب پیش نیست
این همہ جوش و خروش ہر دو کون
جز خیالاتے و خوابے پیش نیست

اللہ بس باقی ہوس۔

مقبول بندے خدا کے وہی ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنے دوست سے پوچھا کیوں صاحب یہ ان کی مونچھ نہ داڑھی یہ کوئی خواجہ سرا تو نہیں ہیں۔ اس کے دوست نے کہا۔ آپ کو ان کا حال ہی نہیں معلوم یہ مرد نہیں عورت ہیں۔ استانی جی۔ استانی جی مشہور ہیں۔

اس کے بعد پیر مرد چلے گئے۔

تھوڑ دیر میں استانی جی نے گھر پر جا کر کپڑے بدلے اور ڈولی منگوائی اور آئیں تو دیکھا کہ حشر برپا ہے، دور تک کھٹ کے کھٹ لگے ہوئے۔ ایک پر ایک گرا پڑتا ہے استانی جی اندر گئیں۔

اتنے میں نواب صاحب نے کہا پردہ کرو۔ ڈاکٹر صاحب آتے ہیں، پردہ ہو گیا۔ بڑی بیگم حسن آرا کی لاش کے قریب ہی بیٹھی رہیں۔ وقت ہی ایسا تھا۔ صاحب انسپکٹر جنرل اور صاحب سول سرجن تشریف لائے۔ نبض دیکھی۔ آلات چوبی سے جگر کا امتحان لیا۔ انگریزی میں باہم یوں گفتگو کرنے لگے۔

سول سرجن : زندہ ہے۔

انسپکٹر جنرل : ہاں۔ ہاں۔

سول ؛ یہ لوگ ناحق گھبرا گئے۔

انسپکٹر ۔ وجہ یہ ہے ایک تو بالکل بے ہوش ہے۔ دوسرے نبض بڑی دقت سے ملتی ہے۔ انتہا کا ضعف ہے۔ کیا کوئی صدمہ پہنچا تھا۔

سول ؛ ہاں گھر میں شاید کچھ لڑائی ہوئی تھی۔

صاحب انسپکٹر جنرل نے نسخہ لکھا، اور سول سرجن کو بھی دکھا دیا

ب : کیا حال ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سول: غفلت ہے۔ گھبرائیے نہیں۔ آپ لوگ۔

ب: کیا زندہ ہے؟

سول: ہاں بیشک زندہ ہے۔ بیشک زندہ ہے۔

ب: زندہ۔ زندہ ہے۔ حسن آرا زندہ ہے۔ سچ؟

سول: بیشک ابھی آنکھ کھول دیں گی۔

ب: اف فوہ! ارے میں خواب دیکھ رہی ہوں، یا سچ سچ۔

انسپکٹر: ابھی اچھی ہو جائے گی۔ آپ گھبرائیے نہیں۔

ان دونوں نے کچھ چٹکلے کہے، تو دوا کے آنے کے قبل ہی حسن آرا کی نبض گرم ہو گئی۔

سول: حضور بیگم صاحب ذرا نبض پر ہاتھ رکھیے۔

بڑی بیگم نے جو نبض پر ہاتھ رکھا تو کہا شکر ہے۔ شکر ہے۔

بہار النسا، اور روح افزا اور سپہر آرا بڑے غور سے سن رہی تھیں۔

سپہر: شکر ہے۔ شکر ہے۔ ہزار شکر کا مقام ہے۔

بہار: ہم سب جی اٹھے۔

روح: ابھی کیا معلوم۔

بہار: بس اب ہمیں کچھ فکر نہیں

دوا آئی فوراً پلائی گئی۔

انسپکٹر: ہم باہر کوٹھی میں ٹھہرے ہیں

سول: جب آپ سے باتیں کریں گی۔ تب ہم جائیں گے۔

سب: بندگی۔

نواب صاحب اور محمد عسکری سول سرجن صاحب اور انسپکٹر جنرل صاحب کو ساتھ لے کر باہر آئے۔

سول سرجن نے ہدایت کی تھی کہ دس دس منٹ کے بعد ایک ایک مارک دوا پلائی جائے چنانچہ اسی کے مطابق نواب صاحب دس دس منٹ کے بعد دوا پلاتے جاتے تھے۔ آدھ گھنٹے کے عرصے میں حسن آرا نے آنکھ کھول دی۔ سپہر آرا نے کہا باجی! اس کے بعد کچھ کہنے کو تھی، کہ بڑی بیگم نے کہا اب ان کو دق نہ کرو۔ بہار النسا اور روح افزا اور مغلانی تینوں نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مارے خوشی کے گھیر لیا تھا۔ نواب صاحب نے سب کو پلنگ کے پاس سے ہٹادیا۔

ب : آج عمر بھر میں انگریز سے بات کی۔

ن : ہاں وقت ہی ایسا نازک تھا۔

روح : چلیے اب اس کے ذکر سے کیا واسطہ۔

نواب صاحب نے باہر جاکر کہا" ابھی آنکھ کھولی۔

سول : دس منٹ میں ہم بھی دیکھیں گے۔

ن : بہت خوب۔

انسپکٹر : اب آپ دوسری شیشی کی دوا پلا دیجیے۔

ن : کس قدر۔

سول : جس قدر اس چھوٹی شیشی میں ہو سب دے دیجیے۔

ن : بہت اچھا۔

انسپکٹر : ان کو تکلیف نہ دیجیے گا۔ نہ بہت باتیں کیجیے گا۔ آرام اور سکون مقدم ہے۔

ن : درست۔

نواب صاحب نے اندر آکر چھوٹی شیشی کی دوا حسن آرا کو پلا دی۔

سپہر : باجی جان۔

ن : باتیں نہ کرو ان کو آرام سے لیٹے رہنے دو۔

ب : میں نے تو پہلے ہی کہا تھا۔

ن : ڈاکٹر صاحب خود آن کر دیکھیں گے۔

روح : پردہ کیا جائے۔

ن : ابھی نہیں۔

روح : ڈاکٹر کا آج سے ہم کو عقیدہ ہو گیا۔

سپہر : اب بھی نہ ہو گا۔

بہار : یہ کس کو امید تھی۔ اللہ جانتا ہے ہم تو سمجھے تھے کہ۔

ب : اونھ تو اس ذکر سے کیا واسطہ۔

ن : میں ذرا ڈاکٹر صاحب کے پاس ہو آؤں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب صاحب باہر تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب سے کہا دوا پلادی؟

سول : ہم چلنا چاہتے ہیں۔

ن : تشریف لایئے۔

سول سرجن صاحب چلے، مگر انسپکٹر جنرل بیٹھے ہی رہے۔ نواب صاحب نے پوچھا، کیا آپ نہ تشریف لے چلیں گے؟ صاحب ممدوح نے کہا نہیں۔ صاحب اچھی طرح دیکھ لیں گے۔ پردہ کیا گیا۔ **سول سرجن** نے بعد معائنہ وغور کے کہا۔ اب آرام ہے۔ ہم ایک نسخہ اور لکھتے ہیں۔ جو دوا اب تک دی تھی اب اس کی ضرورت نہیں۔ پھینک دی جائے۔ نسخہ لکھ کر فرمایا کہ آدھ آدھ گھنٹے میں ایک ایک مارک دیجیے شام تک۔ اور اس دوا کے قبل دو گولیاں کھلا دیجیے گا۔ اس کا یہ نسخہ ہے۔ دروازے بند کر دیجیے، اور پنکھا جھلوایئے۔ مگر غل اور شور نہ ہونے پائے۔ اِن کے اِرد گرد بھیڑ نہ ہو۔ اس کمرے میں جو بولے آہستہ سے۔ بہت جلد آرام ہو جائے گا۔

سول سرجن اور انسپکٹر جنرل گاڑی پر سوار ہونے لگے، تو نواب صاحب نے کہا ذرا کوٹھی میں تشریف لایئے، کچھ عرض کرنا ہے۔

سول : اچھا۔

دونوں صاحب تشریف لائے۔ بیٹھے۔ نواب صاحب نے ایک ایک ہار نذر کیا، اور سَو سَو اشرفیاں۔

سول : ہم بہت مشکور ہوئے۔

انسپکٹر : ہم بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

جناب یہ تو اس وقت نذر کیا جاتا ہے مگر خفت ہے کہ یہ رقم ہی کیا ہے۔ جس روز غسلِ صحت ہوگا اس روز آپ کو پھر تکلیف دی جائے گی۔

سول : ایک گھنٹے میں ہمارے پاس حال کہلا بھیجیے گا۔ شام کو ہم پھر آئیں گے۔

دونوں صاحب سوار ہو گئے۔

میرزا ہمایوں فر بہادر نواب صاحب باتیں کرنے لگے۔

شہر : حضرت بلا تشبیہ مسیحا ہیں اپنے وقت کے۔ خدا کی قسم وہ کار نمایاں کیا کہ باید و شاید۔ سبحان اللہ سبحان اللہ جس قدر زیادہ تعریف کیجیے کم ہے۔ میں تو آج سے اور بھی زیادہ معتقد ہو گیا۔ اور حضرت حق تو یوں ہے کہ مردے کو زندہ کر دیا۔ واہ ری حکمت۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ن : عرض کروں، جو تحقیقات کامل انھوں نے کی ہے، کبھی کسی نے کاہے کو کی تھی، اور جو تحقیقات اب تک کرتے جاتے ہیں، اور لاکھوں روپیہ صرف کرتے ہیں، اور ہر قسم کی بوٹی اور دوا، پھول پھل کو تجربے کی کسوٹی پر کستے ہیں۔ وہ کسی کو نصیب کہاں۔

مولوی صاحب : ہاں پھر اب ان کا توراج ہی ہے۔ جو چاہیے کہہ لیجیے۔ ورنہ جب ڈاکٹر نہ تھے تو کیا جیتا نہیں بچتا تھا آدمی۔

ن : یہ اور بات ہے مولوی صاحب۔ یوں تو گانوں کے باشندے بخار میں بھٹے کھاتے ہیں۔ اس سے کیا مطلب۔

مولوی : خداوند اَلنَّاسُ عَلیٰ دِینِ مُلُوکِہِم۔

شہر : نواب صاحب آپ لاکھ ثبوت دیجیے، مولوی صاحب نہ مانیں گے۔

مولوی : یوں کہیے مان لوں۔ مگر عقیدے کو کیا کروں۔

نواب صاحب محل سرا میں تشریف لے گئے۔ حسن آرا بیگم نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ نواب صاحب نے کہا شکر ہے۔ آج تو بس غضب ہی ہوگیا تھا۔ دو تین گھڑی تک حواس ٹھکانے نہ تھے۔

ب : بارے اللہ نے بڑی خیر کی۔

سپہر آرا لیٹ رہی، اور آنکھ لگ گئی۔

حسن آرا ایک گھنٹے تک چپ چاپ لیٹی رہی۔ ایک گھنٹے کے بعد پانی مانگا۔ پانی پی کر کہا اب ذرا ذرا آرام سا معلوم ہوتا ہے۔ اُف ہلکان ہوگئی۔ مجھے کچھ خبر ہی نہیں کہ کیا ہوا۔ ہوش ہی نہ تھا۔ خبر کیوں کر ہوتی۔ اف فوہ۔ اس کے بعد کہا ہمیں نیند آتی ہے۔ بڑی بیگم نے کہا کیا معلوم سونا اس وقت اچھا یا بُرا۔

ن : ضرور سوئیں صحت کی دلیل ہے۔ اب آرام کیجیے۔ پنکھا برابر جھلا جائے۔ آدھ آدھ گھنٹے میں بدلی ہو۔ مگر از برائے خدا غل نہ مچنے پائے۔

روح افزا، استانی جی کے پاس جا کر باتیں کرنے لگیں۔

استانی جی : مبارک ہو۔

دو گھنٹے کامل حسن آرا بیگم نے آرام کیا۔ جاگیں۔ منھ دھویا اور کہا اماں جان اب طبیعت کچھ کچھ بحال ہے۔ اس عرصے میں بہار النسا اور محمد عسکری میں باہم جو گفتگو ہوئی سننے کے قابل ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بہار : محمد عسکری غضب ہی ہوگیا تھا۔ سمجھے کیا تھے ہوا کیا۔ جو اماں جان کو، یا کسی اور کو معلوم ہو جائے تو ہماری صورت سے بیزار ہو جائیں۔ اف جان ہی لی تھی، خدا نخواستہ بے چاری کی۔

ع : ایک بات کہوں بس اب خاموشی ہی کا موقع ہے۔ اس کا ذکر نہ کیجیے۔ میں اپنے دل میں خود خفیف ہوں۔

بہار : ہم تو حسن آرا کے معاملات میں دخل ہی نہ دیں گے۔

ع : بالکل نہیں کچھ واسطہ ہی نہ رکھنا چاہیے۔ ورنہ۔

بہار : ورنہ اب کی خدا جانے کیا ہو جائے۔ بیٹھے بٹھائے۔

عسکر : اس میں کیا شک ہے۔ خدا نے بڑی خیر کی، ورنہ ایسا غضب ہوا تھا کہ شاید خون ہماری ہی گردن پر ہوتا۔

حسن آرا نے بڑی بیگم سے کہا اماں جان گلوری کھانے کو جی چاہتا ہے۔ بڑی بیگم نے کہا بے ڈاکٹر کے پوچھے میں گلوری تو نہ دوں گی، مگر الائچی چاہے کھا لو۔

ایک الائچی حسن آرا بیگم کو دی۔

نواب صاحب نے کہا میں ڈاکٹر کے ہاں گیا تھا۔ میں نے کہا سو رہی ہیں۔ کیا صحت کی علامت ہے۔

ب : شکر ہے۔ شکر ہے۔ خدا کا شکر ہے۔

ن : فرمایا سونے دو۔ جگانا نہیں خود ہی جاگیں گی۔

ب : دو گھنٹے تو سوئیں۔ اب اور کیا سوئیں۔

ن : خود ہی جاگیں نہ۔

حسن : جی ہاں۔

ن : یہ دوا لایا ہوں۔ ابھی پلا دیجیے۔ اسی وقت۔

حسن : کڑوی ہے۔

ن : اس درجہ خوشبو ہے کہ عطر کو بھول جاؤ۔ سونگھ کر دیکھ لو چاہے۔

ب : نہیں۔ نہیں۔ دوا کو سونگھتے نہیں۔ اثر جاتا رہتا ہے۔

حسن : کیوں اماں جان؟

ب : اثر جاتا رہتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن آرا مسکرانے لگیں۔ بڑی بیگم نے کہا تم نہ مانو، مگر ہم تو سونگھنے نہ دیں گے۔ اس پر بہار النسا، اور روح افزا اور سپہر آرا کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ استانی جی بولیں شکر ہے۔ پاک پروردگار کا کہ اب ہم سب ہنس بول رہے ہیں۔ شکر کرو۔ شکر کرو۔

الغرض ایک ہفتے کے بعد بڑی بیگم صاحب صاحبزادیوں کو لے کر روانہ ہوئیں۔

آزاد پاشا جونیئر افسر افواجِ ٹرکی

ساقی بنورِ بادہ برافروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہان شد بکامِ ما

اللہ اللہ، آج کچھ عجب سمان ہے۔ ہر سمت خوشی کا ڈنکا بج رہا ہے۔ قلم کی باچھیں کھلی جاتی ہیں۔ نوخیز معشوقوں کے مزاج کی طرح بل کرتا ہے، اور کیوں نہ ہو، وہ مژدہ طرب انگیز معرضِ بیان آتا ہے:

برین مژدہ گر جان فشانم رواست
کہ این مژدہ آسایشِ جانِ ماست

نور کے تڑکے میاں آزاد فرخ نہاد بسترِ استراحت سے اٹھے، اور ہر مزجی کے گل گونِ صرصر تگ پر سوار ہو کر ساحلِ بحر کی راہ لی، کہ ادھر ادھر ہوا کھائیں۔ دو گھڑی دل بہلائیں۔ صبح کا سہانا سماں، بادِ گل بیز دلخلخلہ آمیز، مرغانِ خوشنوا اشجار پر بہار پر فرطِ طراب سے چہکتے تھے۔ انواع و اقسام کے خوشنما پھول چوطرف مہکتے تھے

عجب ہے نامِ خدا لطفِ رنگِ خاکِ چمن
حنائی ہوتے ہیں پائے بتان دمِ رفتار
نسیمِ گل میں ہے تاثیرِ معجزِ عیسیٰ
نہ کوئی دیدۂ نرگس کو اب کہے بیمار

میاں آزاد کا دل غنچۂ گل کی طرح کھل گیا۔ بہارِ گلزار کے مزے اڑاتے، نرگس سے آنکھیں لڑاتے حضرت ایک فرح بخش باغ میں بڑی دیر تک ٹہلتے رہے۔ جس تختے کو دیکھتے ہیں دلہن ہے۔ سبزانِ چمن کا جوبن پھٹا پڑتا ہے:

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سر و مینا ہے، نوائے فاختہ مستانہ ہے
دستِ ساقی شوخ ہے ہر ایک گل پیمانہ ہے
لڑکھڑاتی پھرتی ہے گلشن میں مستانہ نسیم
ساغرِ گل ساغرِ مے ہے چمن میخانہ ہے

قدرتِ حق مشاہدہ کر کے میاں آزاد بادل شاد ہرمزجی کی کوٹھی پر واپس آئے۔ ہرمزجی کے ساتھ کھانا کھایا۔ بعد فراغِ طعام دونوں میں باتیں ہونے لگیں۔

آزاد: خدا کرے کہیں پروانۂ تقرری آئے۔ اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ۔

ہرمز: گھبرائیے نہیں۔ آتا ہوگا۔ صبح شام آیا داخل ہے۔ دل گواہی دیتا ہے دو ہی دن میں دیکھیں گے، کہ ہمارے کرم فرما میاں آزاد، جنگی وردی پہنے مورچے پر جا رہے ہیں۔

آزاد: خدا وہ دن دکھائے، ہم کو تو نومیدی سی ہو گئی ہے۔

ہرمز: یہ کیوں۔ مایوسی کیسی۔ کل تک ضرور پروانہ آئے گا۔

آزاد: سچ کہوں یقین نہیں آتا۔ خیر۔ دو دن اور سہی۔ دنیا بامید قائم۔ مگر اب ایک ایک دن ایک ایک برس کے برابر ہے۔ انتظار تابہ کے۔

ہرمز: اب آپ تو اپنا ناول مطالعہ فرمائیے۔ اور میں یہ کتاب پڑھتا ہوں۔

آزاد: یہ کون کتاب ہے حضرت؟ کوئی ناول ہے یا فکشن؟

ہرمز: شاہ رسلس کا تذکرہ ہے۔ کیا کتاب ہے۔ سبحان اللہ۔

آزاد: میں پڑھ چکا ہوں۔ نصف کے قریب ایک مرتبہ ترجمہ بھی کر چکا ہوں۔ دو چار شعر سنیئے گا۔ آپ بھی تو فارسی سے واقف ہیں:

اے مقیمانِ تہِ سقفِ سپہرِ غدّار — تابکے در پے اصنامِ خیال و افکار
کب تلک فکرِ ہم آغوشیِ محبوبِ امید — تاکجا خود غلط از بہرِ نشاطِ جاوید
کیا سمجھتے ہو کہ امید یہ بر آئے گی — آج یا کل کبھی حسرت یہ نکل جائے گی
کب نکل سکتی ہے پیری میں تمنائے شباب — یہ خیالات تمہارے ہیں فقط نقش بر آب

پئے تسکین شہِ رسلس کا فسانہ دیکھو
آیہ فَاعْتَبِرُوْا یَااُولِی الْاَبْصَار پڑھو

ہرمز: بہت خوب۔ اردو لفظ دو ایک اچھی طرح نہیں سمجھا، مگر جہاں تک سمجھا ہیں، ایمان

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے کہتا ہوں کہ ہو بہو ترجمہ ہے، اور درد انگیز۔ سبحان اللہ۔

آزاد: تسلیم۔ اسی طرح پر کوشش کی تھی، مگر عدیم الفرصتی مانع ہوئی۔

ہرمز: اگر نصف کے قریب آپ ترجمہ کر چکے ہیں، تو وقت فرصت ہم کو اس کو پورا کرنا چاہیے۔ خدا کی قسم کیا ترجمہ کیا ہے۔ جی خوش ہو گیا۔

آزاد: ان کلمات کو میں آپ کی ذاتی لیاقت، اور حسنِ اخلاق پر محوّل کرتا ہوں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ حضرت حقیقت حال یوں ہے، کہ ترجمہ سخت مشکل کام ہے۔ جب تک دونوں زبانوں سے بخوبی واقف نہ ہو ممکن نہیں، کہ ترجمہ میں لطف آئے۔

یہ گفتگو ہوتی ہی تھی کہ ایک آدمی نے پوچھا میاں آزاد یہاں فروکش ہیں۔ ہرمز جی نے اس آدمی کو غور سے دیکھا، اور کہا۔ آپ مطلب کہیے۔ اس نے کہا ان کے نام ایک خط لایا ہوں۔ ہرمز جی نے کہا میاں آزاد یہ بیٹھے ہیں۔ خط ان کو دیجیے۔ آزاد نے خط کھولا۔ پڑھا تو اچھل پڑے۔ اور کہا لیجیے۔ حضرت عہدہ تو فضل خدا سے مل گیا۔

ہرمز: ہاں شکر ہے۔ شکر ہے۔ کیوں میں نے کیا کہا تھا کہ صبح شام پروانہ آیا داخل ہے۔ مبارک ہو۔ اب آپ تیاری کیجیے خدا آپ کو اسی طرح کامیاب کرے۔

آزاد: رسالے میں جونیر کمیشن ملی۔ مگر خوشی یہ ہے کہ رسالے کی افسری عطا ہوئی۔

ہرمز: ہاں اس میں کیا شک ہے۔ ہم بھی رسالے ہی کو پسند کرتے ہیں۔

آزاد نے خط پڑھ کر سنایا۔

آزاد: حضور وزیر جنگ کے حکم سے آپ کو اطلاع دی جاتی ہے، کہ آپ عنایاکر دولت رفیعہ روم کے جونیر کمیشنڈ افسر مقرر ہوئے۔ آپ کو رسالے کی جونیر افسری حضور مغری الیہ نے عطا کی ہے۔ بارچمنٹ حسب ضابطہ آپ کے پاس بھیجا جائے گا۔

ہرمز: اس وقت میں جامے میں پھولے نہیں سماتا۔

آزاد: امید ہی آپ سے ایسی تھی۔ آپ میرے سچے دوست ہیں۔

ہرمز: اب دعا یہ ہے کہ آپ کامیاب آئیں، اور میدانِ کارزار میں آپ کا نام ہو۔

آزاد: آمین۔ انشاء اللہ۔ یوں تو ناکامی اور خوش نصیبی اتفاق پر منحصر ہے، مگر میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھوں گا۔ آیندہ اختیار بدستِ مختار:

این بندہ چہ داند کہ چہ می باید خواست　　دانندہ توئی ہر انچہ دانی آن دہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہرمز: میاں خوجی سے تو خوشخبری کہیے۔ وہ ہیں کہاں اس وقت۔

آزاد: ہاں خوب یاد آیا۔ ان کو تو بھول ہی گئے ہم۔ بلوائیے۔

ہرمز: ایک آدمی ادھر آؤ۔ ان کے ساتھ جو صاحب آئے ہیں ان کو بلا لاؤ۔

اب سنیے! کہ خواجہ صاحب کو آدمی نے کوٹھری بھر میں ڈھونڈھ مارا۔ ہوٹل میں تلاش کیا چو طرفہ دیکھا۔ مگر ان کا پتا ہی نہیں۔ جب تھک گیا، تو آ کر کہا کہ حضور وہ تو کہیں ملتے ہی نہیں۔ ہرمز جی نے مسکرا کر کہا، کہیں مینڈا کی تلاش میں تو نہیں گئے ہیں۔ میاں آزاد اٹھے کہ ہم ڈھونڈھیں گے۔ ہرمز جی اور دو چار آدمی ساتھ چلے۔ اِس کمرے میں دیکھا۔ اُس کمرے میں دیکھا۔ اِدھر ڈھونڈھا اُدھر ڈھونڈھا۔ کہیں پتا ہی نہیں۔

ہرمز: کہیں مینڈا کے پھیر میں تو نہیں گئے ہیں، صبح صبح۔

آزاد: جناب ان سے کسی بات کا تعجب نہیں۔ عجب بے تکا آدمی ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔

ہرمز: یہ چلے کہاں گئے۔ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔

آزاد: خدا جانے لڑ بیٹھا کسی سے، یا کسی کو گالی دے بیٹھا۔ خدا کی مار مردک پر۔

ہرمز: یہ آپ ان کو ساتھ کیوں لائے۔ آپ بھی دل لگی باز آدمی ہیں۔

یہ باتیں ہوتی تھیں کہ ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا۔ مسکرا کر کہا، حضور آئیے میں بتا دوں، کہاں ہیں۔ مگر جلد آئیے۔ میاں آزاد اور ہرمز جی اس کے ساتھ چلے، تو دیکھا کہ ایک کوٹھری میں سرنگوں ہیں۔ ایک ہاتھ میں دست پناہ دوسرے میں چلم۔ دونوں کو بے اختیار ہنسی آئی۔ کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ مگر وہ پینک ہی میں ہیں۔

میاں آزاد نے لکڑی سے، سر کو ہلانا شروع کیا۔ تو یوں منمنا کر بولے۔ او گیدی بھونک دوں قرولی۔ آزاد جھلّائے، ہوئے تو تھے ہی ایک چپت جمائی۔ چپت لگے کھاتے ہی، خوجی آگ بگولہ ہو گئے۔ آنکھ کھولی تو دیکھا۔ اِدھر انگیٹھی اُدھر چلم۔ اور چمٹا زمین پر اوندھے پڑے ہیں۔ اور میاں آزاد سات آٹھ آدمیوں کو لیے کلّے پر کھڑے ہیں۔ چپ۔

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

نہایت ہی خفیف ہوئے۔

میاں آزاد خوجی کو کوٹھی میں لائے۔ ہرمز جی نے کہا خواجہ صاحب مبارک ہو۔ آپ کے میاں آزاد نے فوجی عہدہ پایا۔ خوجی کی باچھیں کھل گئیں۔ اچھل پڑے۔ ہرمز جی کے قدموں پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ٹوپی رکھ دی، اور کہا دیکھیے اور چاہے جس امر میں ہنسی مذاق کیجیے۔ مگر اس میں نہیں۔ اب سچ سچ بتائیے، کیا واقعی حکم آگیا۔ میاں آزاد نے وہ پروانہ دکھایا۔ خوجی نے چھین لیا، اور دس بارہ مرتبہ اس پروانہ کو چوما، اور رو رو کر کہا، آزاد جس عنایت سے تم ہمارے ساتھ پیش آئے، اس کا شکریہ ہم ادا نہیں کر سکتے ہیں۔ بس اب ہم چاہے زندہ رہیں، یا مر جائیں، کچھ پروا نہیں، اور تو ہم کسی مصرف کے ہیں نہیں۔ سائیسی کریں گے۔ اس پر میاں آزاد اور ہرمزجی مسکرائے۔ تو خواجہ بدیع صاحب بہت جھلّائے۔ کچھ تمیز بھی ہے۔ بس ہنس دیے۔ سائیسی علم دریاؤ ہے۔ کچھ دل لگی نہیں۔ برسوں میں انسان کھر پالینا سیکھتا ہے۔ جی ہر کسی کا کام نہیں۔

چہ داند بوزنہ لذّاتِ ادرک

آزاد: سوچ لوں تو جواب دوں۔ جلدی کیا ہے۔ کہوں گا۔ کہوں گا۔

میاں آزاد کمرے میں جا کر پلنگ پر لیٹے۔ کمرے کے دروازے سب بند کر دیے، اور سوچنے لگے کہ ٹکا تو ہمارے پاس نہیں، اور ہم کیولری افسر، یعنی رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ جب دس ہزار روپیہ ہو تو کہیں انتظام مناسب عمل میں آئے۔ دس ہزار کے بغیر تیاری محال ہے۔ اور دس ہزار روپیہ ملنا غیر ممکن۔ مردہ چاہے جی بھی اٹھے، مگر دس ہزار روپیہ ہم کو کوئی نہ دے گا۔ اجنبی آدمی، پرایا ملک، دس ہزار روپیہ یک مشت مل جانا، کچھ خالہ جی کا گھر تھوڑا ہی ہے۔ گورنمنٹ ٹرکی سے پیشگی بطریق قرض مانگنا، نامناسب ہے۔ ہرمزجی گو بڑے سچے دوست اور پکے عنایت فرما ہیں، مگر ان سے اس قدر زرِ خطیر کیوں کر مانگیں۔ ممکن نہیں کہ دو دن کی ملاقات میں دس ہزار روپیہ کوئی دے نکلے۔ مفت میں بات کھونا محض فضول ہے۔ اب روپیہ آئے تو کہاں سے آئے۔ اس خیال نے میاں آزاد کو منتشر اور پریشان خاطر کر دیا۔ یہاں تک کہ مایوس ہو گئے۔ اور سوچے کہ بس مدرّسی سے جو کچھ ملے اس پر بسر کرو۔ ہندوستان واپس جانے کا نام زبان پر نہ لاؤ۔ ہرچہ بادا باد۔ حسن آرا بیگم بے وفا سمجھیں گی، مگر مجبوری ہے۔ اپنی حالتِ زار پر میاں آزاد نے کمال افسوس کیا۔ سوچے کہ ہم آئے کس لیے تھے، خاص اسی غرض سے جنگی عہدہ پائیں، اور سرخرو ہو جائیں، اور حسن آرا بیگم کو بیاہیں، مگر افسوس صد افسوس بعد خرابی بصرہ، یہاں پہنچ کر عہدہ بھی پایا، لیکن بے سود۔ بخت برگشتہ یہاں بھی ساتھ آیا۔ میاں آزاد کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے:

داغِ دل تازہ ہوا آہِ دلِ ناشاد سے
ہو گیا روشن چراغ اپنا گزارِ باد سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی دیر تک میاں آزاد، اسی خیال میں آہِ سرد بھرا کیے۔ یقین واثق ہوگیا کہ میدانِ کارزار میں جانا نصیب نہ ہوگا۔ سوچے کہ رنج وغم کرنا فضول ہے۔ راضی بہ راضی رہیں، مگر ہندوستان نہ واپس جائیں گے۔ اتنے میں ہرمزجی نے پکارا۔ میاں آزاد میاں آزاد! آپ بہت سوئے آج۔

آزاد چپ چاپ سنا کیے۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھولا باہر آئے۔ میاں آزاد اور ہرمزجی اور خوجی نے چائے پی۔ ہرمزجی نے کہا اس وقت میاں آزاد کچھ افسردہ سے پائے جاتے ہیں۔ وہ لطف صحبت اور وہ لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی نہیں ہے۔ بلبل کی طرح چہکتے ہوئے اس وقت مگر خلاف معمول جو اتنی دیر سوئے تو طبیعت مضمحل ہوگئی۔

جی ہاں! اس وقت درد سر ہے، طبیعت بھی پریشان ہے۔

چائے پی کر ہرمزجی اپنے ایک دوست کے ہاں گئے۔ خوجی سے کہا کہ آج محفل رقص وسرور میں چلیے۔ آپ کو بھی لے چلیں۔ اور میاں آزاد تو چلیں ہی گے۔

آزاد نے زبان حال سے کہا:

در محفلِ خود راہ مدہ ہمچو منی را
افسردہ دل افسردہ کند انجمنی را

جب ہرمزجی نے اصرار کیا تو آزاد نے کہا: آج معاف فرمائیے۔ ہرمزجی نے خوجی کو ساتھ لیا اور چلے۔

اتنے میں مینڈا آئیں۔ معطر و معنبر، اٹھلاتی ہوئی کمرے میں تشریف لائیں۔ آزاد کو دیکھا کہ ایک کرسی پر بیٹھے کچھ سوچ رہے ہیں۔ مسکرا کر مصافحہ کیا، مگر آزاد کی سرد مہری پر کمال رنج ہوا۔ قریب کی ایک کرسی پر بیٹھیں۔ جس تپاک کے ساتھ آزاد پیش آیا کرتے تھے؛ وہ منزلوں کا فور تھا۔ ماتھا ٹھنکا۔

مینڈا: کیوں طبیعت کیسی ہے؟ اس وقت چہرہ اترا ہوا ہے۔ اور کمال ملول معلوم ہوتے ہو۔ کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہے۔ عہدہ فوجی ملنے کی ہم خبر پاتے ہی آئے، کہ مبارکباد دیں تم کو اس وقت مسرور ہونا چاہیے یا مغموم۔ یہ الٹی بات کیسی۔ جو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

آزاد: کچھ نہیں طبیعت ہی تو ہے۔ اچھا ہوں۔

مینڈا: کوئی وجہ ضرور ہے۔ بلا سبب انسان ملول نہیں ہوتا۔ وجہ خاص بیان کیجیے۔ تعجب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ ہے کہ عہدہ افسری پاتے ہی آپ افسردہ اور پژمردہ ہوگئے اس کا کیا سبب ؟

آزاد نے مس میڈا کے دستِ سیمیں کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ؛ پیاری میڈا تم صحیح کہتی ہو میں واقعی ملول ہوں۔ بیشک میرے بشرے سے ملال اور غم اور رنج ظاہر ہوتا ہوگا۔ مجھے اس قدر رنج ہے کہ عمر بھر کبھی نہیں ہوا تھا۔ مگر درد لا دوا ہے علاج ممکن نہیں۔ میڈا نے کہا آخر کچھ تو معلوم ہو۔ اگر درد لا دوا ہے تو مجبوری کا مقام ہے۔ مگر سنیں تو سہی۔ آزاد نے کہا۔ پیاری میڈا تم سے میں نے کوئی بات مخفی نہیں رکھی۔ کل امور صاف صاف بیان کر دیے۔ اب میں کمال انفعال کے ساتھ کہتا ہوں، کہ مجھے جونیر افسری رسالے کی ملی ہے۔ لیکن ٹکا پاس نہیں، اور کم سے کم دس ہزار روپیہ ہو تو کام نکلے۔ یہاں یہ کیفیت ہے کہ دس ہزار روپیہ کیا معنی، دو سو کا بھی کہیں سہارا نہیں۔ حسن آرا بڑی مالدار ہیں۔ اک ذرا سے اشارے میں ہزارہا روپیہ بھیج دیں، مگر حسن آرا سے روپیہ منگوایا، تو عزّت خاک میں مل گئی۔

میڈا: اب اس کی تم فکر نہ کرو۔ ہم سمجھ لیں گے۔ دس ہزار روپیہ ہے نا۔ پھر یہ کون بات ہے میں ابھی آتی ہوں۔ میڈا ان سے رخصت ہوئیں۔ اور آن کے میاں آزاد کو ایک لفافہ دیا اور کہا اس وقت جاتی ہوں کل آؤں گی۔ اب اِدھر میڈا رخصت ہوئیں، اُدھر میاں آزاد نے لفافہ کھولا تو اچھل پڑے۔ بڑے استنبول بنک کے نام بیس ہزار کا چک پایا۔ ایک خط جس کا یہ مطلب تھا۔ جان سے زیادہ عزیز آزاد پاشا۔ یہ لفافہ نذر ہے۔ بس اس بارے میں اور کچھ نہ لکھوں گی۔ اتنا یاد رہے کہ میں دل و جان سے تم پر عاشق ہوں۔ جانتی ہوں کہ جو بات چاہتی ہوں وہ غیر ممکن ہے۔ تم قول کے سچے ہو، مگر تاہم پیار کرتی ہوں۔

نہ تلطّف نہ محبّت نہ مروّت نہ وفا
سادگی دیکھ کہ اس پر بھی مری جاتی ہوں

خدا کرے تم نیک نامی حاصل کرو، اور منہ مانگی مراد پاؤ۔

"تمھاری پیاری میڈا"

آزاد، حضور وزیرِ جنگ کی ملاقات کو گئے۔ جھک کر آداب بجا لائے۔ کہا میں تیار ہوں کہ اپنے لشکر میں شامل ہوں۔ جس روز حکم دیجیے۔ حاضر خدمت ہوں۔

حضور وزیر جنگ بکمال عنایت و مہربانی پیش آئے۔ فرمایا۔ ہم تم سے نہایت خوش ہیں۔ دو تین دن میں تم ہمارا حکم پاؤ گے۔ یہ کہہ کر آزاد کو بیش بہا خارا شگاف تیغِ آبدار دی۔ اور کہا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدا کرے اس شمشیر برّاں سے تم بڑے بڑے کارنمایاں کرو۔

وزیرِ جنگ سے رخصت ہو کر آزاد پاشا بنک گئے۔ چک دیا، اور ٹرکی کے چمکتے دمکتے سکّے گنوائے۔ بنک کے ایک اہل کار سے پوچھا کہ ہندوستان کے سکّے کے مطابق یہ کس قدر ہوا۔ اس نے کہا بیس ہزار۔ گھوڑے پر سوار ہو کر ہرمزجی بھائی کی کوٹھی میں داخل ہوئے، اور اسی مالدار اور ذی وقار تاجر کے ذریعے سے انتظام خاطر خواہ کر لیا۔

دوسرے دن صبح کو مئیڈا آئی، اور آزاد کو نہایت ہی مسرور و محظوظ پایا۔ آزاد نے سروقد تعظیم کی۔ ادب کے ساتھ ہاتھ ملایا، اور مئیڈا کو قریب کی کرسی پر بٹھایا۔

آزاد: جانِ من۔ بس اب ایک بات اور باقی ہے۔ صرف ایک ہی بات۔

مئیڈا: کہو کہو اس قدر اصرار کیوں کرتے ہو۔

آزاد: تم خوب جانتی ہو مئیڈا کہ میں تمھارا کمال مشکور و ممنون ہوں۔

مئیڈا: ایسی باتیں ہم سننا ہی نہیں چاہتے۔ صاف مطلب کہیے۔

آزاد: اس درجہ احسان کر کے زبان پر نہ لانا بڑے عالی ظرفوں کا کام ہے۔ سچّا عشق اسی کو کہتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ تم بادہ عشق کے نشے میں چور ہو:

صوفی از پرتوِ می رازِ نہانی دانست
گوہرِ ہر کس ازیں لعل نورانی دانست

مئیڈا: اس سے مغائرت پائی جاتی ہے۔ اب ایسا کلمہ زبان پر نہ لانا۔

یہ باتیں ہوتی ہی تھیں کہ آزاد کے نام وزیرِ جنگ کا پروانہ۔ جس کے لفافے پر یہ لکھا تھا (پاس آزاد پاشا جونیر کیویری افسر کے پہنچے)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بی شبّو جان مرنجان مرنج

اور

میاں سلار و خادم بذلہ سنج

جانانۂ رنگین ادا، ناظورہ ماہ سیما، یعنی جوگن بے چاری اس شہسوار سے جان بچا کر بھاگی مگر استانی کے ہاں ایک اور بلا میں مبتلا ہو گئی:

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا
پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

کچھ دن تو استانی جی کے ہاں خوش خوش آرام کے ساتھ رہیں۔ مگر ایک روز استانی جی باہر جو گئیں، تو پڑوس کی ایک ماما نے کہ کٹنی بھی تھی، اور جوگن کا حسن و جمال دیکھ چکی تھی۔ تھانہ دار سے جا کر کہا کہ حضور آج وہ مال دکھائیں کہ حضور بھی عش عش کر جائیں۔ عمر بھر لونڈی کے احسان مند رہیں۔ تھانہ دار کی باچھیں کھل گئیں۔ کہا از برائے خدا جلد لاؤ، اور وہ پری ہم کو دکھاؤ۔ دیکھوں تو کون پرکالۂ آتش ہے۔ جس کی تم اس قدر تعریف کرتی ہو۔ ماما نے کہا حضور ہمارے ساتھ چلے چلیں وہ گھر گرہست ہیں۔ دو بھرسوں میں راہ راست پر لے آوئں گی۔ تھانہ دار نے وردی اتار ڈالی اور معمولی کپڑے پہن کر ماما کٹنی کے ہمراہ چلے۔ ماما پہلے چلی گئی۔ دیکھا تو استانی جی کا لونڈا شمّو بھی غائب ہے، اور استانی جی بھی دو دن سے نہیں آئی ہیں۔ دو چار گھڑی جوگن سے باتیں کیں اور باہر جا کے تھانہ دار کو اشارہ کیا، تو وہ دن سے مکان کے اندر موجود۔ جوگن سمجھی کوئی اہل غرض استانی جی کے پاس آیا ہوگا۔ کہا استانی جی نہیں ہیں۔ تھانہ دار نے جو ان کو دیکھا تو ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔

تھانہ دار: (ت) وہ نہیں ہیں تو جان من تم تو ہو۔ خدا پاک کی قسم کیا حسن ہے۔ ایسی عورت کبھی نہیں دیکھی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ماما: اے تو ذری سنبھل کے بات چیت کیجیے گا میاں۔

ت: کیوں بی صاحب ہم کیا کوئی چماریا جولاہے ہیں۔ جانتی ہو کہ نہیں شہر کا کوتوال ہوں۔

ماما: یہ بیچاری کنواری لڑکی ہے اس سے نہ ہنسو بولو۔

ت: کنواری ہی کی تو ہم کو بھی تلاش ہے۔ اگریوں نہ مانیں گی تو آج ہی دو چار بدمعاشوں کو بھیج کر نکلوا منگوالوں گا۔

اِتنے میں شمّو آگیا اور تھانہ دار دوسرے دروازے سے چلے گئے، اور تھوڑی دیر میں دو برقنداز لے کر دروازے پر آئے، اور اندر دھنس پڑے۔

شمّو: اے میاں زنانہ مکان ہے۔ پردے والیاں رہتی ہیں۔

ت: چپ۔ خفیہ خفیہ۔ افیم بیچتے ہو، اور پردے والیاں بتاتے ہو۔ تلاشی لو جی، اور افیم برآمد ہو تو ایک سرے سے سب کو باندھ لے چلو۔ کیا دل لگی ہے۔

جوگن کا رنگ فق ہو گیا کہ دھری گئی، اور ماما چپ چاپ کھڑی رہی۔ اور شمّو کا لونڈا ڈپٹ میں آگیا، اور ادھر ایک برقنداز نے کہا حضور افیم برآمد ہوئی۔ مخبر نے کتنا ٹھیک بتا دیا تھا۔ تھانہ دار نے کہا اچھا تم دونوں کانسٹبل دروازے پر ٹھہرو۔ وہ دونوں چلے گئے، تو جوگن کے قریب آکر کہا۔ اگر نہ مانوگی تو سات برس کو بھیج دوں گا یہ کہہ کر قریب جاکے لپٹ کے ایک بوسہ لے لیا، اور کہا جان من ہمارے ساتھ چل کے رہو۔ یہاں کہاں پڑی ہو۔ شمّو نے جان پر کھیل کر کہا صوبہ دار صاحب یہ بات اچھی نہیں ہے۔ ادھر جوگن نے ہاتھ جوڑے اور عرض کی۔ حضور کل شب کو کسی وقت آئیے گا۔ اس وقت استانی جی آتی ہوں گی۔ کوتوال نے کہا اچھا تو پھر ہم افیم کی رپٹ نہ لکھیں گے۔ اگر کل وعدہ خلافی ہوئی تو جان ہی لے لوں گا۔

کوتوال نے پھر ایک بوسہ لیا، اور چل دیا، مگر استانی جی کا نام سن کر کسی قدر خائف ہوا۔ کہ عورت بڑی رسا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مخمصے میں پھنس جاؤں۔ جوگن نے اس ماما کو وہیں بٹھایا، اور شمّو سے کہا ذری میں ایک کام کو جاتی ہوں۔ ابھی ابھی آتی ہوں۔ یہ کہہ کر باہر گئی۔ بہت ہی سہمی ہوئی تھی۔ جانا کہیں تھا راستہ بھول گئی۔ چلتے چلتے ایک نالہ ملا۔ نالے میں دو چور بیٹھے چوری کے مال کے حصے بخرے کر رہے تھے۔ جوگن کے آنے کی آہٹ پاکر دونوں بے تحاشا بھاگے۔ مگر رقم ساتھ لیتے گئے۔ بدحواسی میں کوئی ستر روپیہ اور کچھ کپڑا وہیں چھوڑ گئے۔ جوگن سمجھ گئی کہ چور تھے۔ مگر ایسی گھبرا گئی کہ قدم کا اٹھانا محال تھا۔ نالہ بھیانک چوطرفہ لمبی لمبی گھانس۔ کہیں کتے بھونکتے، کہیں کانٹے چبھتے تھے۔ کہیں اونچے نیچے پر پاؤں پڑتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جب اس مقام پر پہنچی جہاں چور بیٹھے تھے، تو دو چار روپیہ پاؤں کے تلے آئے، کسی قدر کھنکھناہٹ بھی ہوئی۔ جھک کر دیکھا تو روپیہ اور کپڑے، جی چاہا کہ روپیہ اٹھالے مگر جرأت نہ ہوئی۔ سردی کے سبب سے کانپ اٹھی تھی۔ کپڑوں کو جو دیکھا تو جامہ وار کا تین چار گز کا ٹکڑا نظر آیا۔ فوراً اٹھا کر اوڑھ لیا، اور چلی۔ خدا خدا کر کے وہ کافر نالا طے ہوا، تو دیکھا کہ لالٹین لیے ایک آدمی سامنے سے آتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ ایک سفید پوش ہیں۔ سمجھی کہ سفید پوش آقا ہیں، اور خدمتگار کے ہاتھ میں لالٹین۔ جب وہ قریب آئے تو جوگن نے جامہ وار سے منھ کو چھپا لیا۔ سفید پوش آدمی تھے رنگین مزاج۔ چپکے سے چٹکی لی۔ جوگن شوخی کے ساتھ دب گئی۔ سفید پوش نے چادر کو چہرے سے ہٹایا، تو نور کا بکّا نظر آیا۔ جوگن کی پیشانی نورانی اور چاند سا مکھڑا، اور گورے گورے گال، اور بیش بہا جامہ وار، اوڑھے جو دیکھا تو سمجھے کہ کوئی رئیس زادی ہے، مگر حیرت تھی کہ یہ سن و سال، یہ حسن و جمال، اور آدمی تک نہیں۔

سفید پوش: حضور کی خدمت میں آداب۔

جو: (گردن پھیر کر خاموش)

سفید: گردن کیا فوارہ ہے۔

جو: (آبدیدہ) ہمیں نہ چھیڑیے۔

سفید: اس لب و لہجے کے قربان۔

جو: خیر وقت کی بات ہے۔

سفید: یا الٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ تم اس قدر طرح دار اور گل عذار۔ یہ تمھاری جوانی، یہ بانکی ادا، یہ مکھڑا، اور اس شبِ تیرہ و تار میں یہ بیش بہا لباس زیب تن، کہو کے تنہا کہاں جاتی ہے۔

جو: وقت کی بات ہے۔

سفید: شہزادی ہو، نواب زادی ہو، رئیس زادی ہو، آخر ہو کون؟

جو: غریب زادی ہوں۔

سفید: غریب زادی ہو، مگر شریف زادی ہو۔

جو: جیسا آپ سمجھیے۔

سفید: لیکن آوارہ۔

جو: (آبدیدہ ہو کر) خیر یوں ہی سہی۔

سفید: سہی کیا معنی کچھ جھوٹ بھی) ہے۔ بھلا کوئی شریف زادی بھی اس وقت تین بجے رات کو اس طرح پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باہر نکلے گی۔ لاحول ولا قوۃ اور تمھارے سِن کی تو کوئی آوارہ مزاج بھی جرأت نہ کرے گی تم کل حال بتاؤ ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ تم اپنے میاں کی چوری سے نکل آئی ہو بس یہی بات ہے ہمیں کامل یقین ہو گیا ہے کہ تم کسی کی بیوی ہو۔

جو: آپ آدمی شریف ہیں۔ صورت سے شرافت برستی ہے۔

سفید: اب ایک کام کیجیے۔ ہمارا کہنا مانیے۔ غریب خانہ قریب ہے وہاں تک چلی چلیے۔ بآرام تمام بیٹھیے اور ہمیں اپنا کل حال بتائیے ہمیں وحشت ہوتی ہے کہ آپ اس درجہ حسین اور خوش پوش ہیں اور رات کے وقت اس طرح تنہا نالے کے اندر ——— الامان الامان۔

جو: مجھے آپ کے دولت خانہ تک جانے میں ذرا بھی تامّل نہیں مگر شرط یہ ہے کہ میری عزت کے خلاف کوئی بات نہ ہو

سفید: استغفر اللہ۔

جو: پھر قول جان کے ساتھ ہے۔

سفید: بیشک۔

جو: چلنے کو تو ہم چلتے ہیں مگر قول مردان جان دارد

سفید: انشاء اللہ۔

جو: خیر چلیے۔

جوگن نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر ان کا کہنا نہ مانا تو چھٹکارا محال ہے۔ علاوہ بریں یہ بھی خوف تھا کہ مبادا تھانہ دار پکڑ لے جائے ایسا نہ ہو کہ ماما کہیں دیکھ پائے۔ تڑکا ہوا ہی چاہتا ہے۔ اب آخر جاؤ گی کہاں۔ انھیں کے گھر کو غنیمت سمجھو۔

سفید پوش دیکھنے میں تو شریف معلوم ہوتے تھے مگر دل کے بڑے کھوٹے تھے سوچے کہ پھانسے لیچلکر انکو سبز باغ دکھاؤ اور ایسی جگہ بند کر دو جہاں سے عمر بھر نکل نہ سکیں عورت تھی خوبصورت حضرت زیجھ گئے خدمت گار کو حکم دیا کہ لالٹین کو گل کر دے اس نے بتی بجھا دی۔ تو بالکل تاریکی ہو گئی۔ جوگن کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر چلنے لگے کبھی آہستہ سے چٹکی لیتے تھے۔ کبھی ہنس ہنس کر باتیں کرتے تھے جوگن سمجھ گئی کہ یہ دغا ضرور کرینگے جب انکی یہ کیفیت ہے کہ راہ میں میرا ہاتھ پکڑے بے دھڑک چلے آتے ہیں اور چھیڑتے جاتے ہیں تو خدا ہی حافظ ہے۔ مگر اس وقت کرتی کیا بیچاری مجبور تھی۔

جوگن نے سفید پوش سے کہا کہ میرا ہاتھ آپ چھوڑ دیجیے ایسا نہ ہو کوئی دیکھ لے تو بدنام ہو جاؤں مگر سفید پوش نے ایک نہ مانی اور طوعاً و کرہاً جوگن کو بہ منت و سماجت لے گئے اور کہا ہم بڑے نامی وکیل ہیں جوگن جو ان کے گھر گئی تو دیکھا کہ ایک کمرے میں ٹاٹ پر دری اور چاندنی بچھی ہے۔ ایک کونے میں چارپائی پر قالیچہ اور دو تکیے رکھے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میز پر بیس پچیس کتابیں اور کاغذ قلم دوات ہے باقی اللہ اللہ خیر صلاح سوچی کہ یہ وکیل کوئی ٹٹپو نجیے نظر آتے ہیں
ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے

وکیل: آیئے بیٹھیے۔

جو: آنکھیں جھکی پڑتی ہیں۔

وکیل: سو ئیے گا۔

جو: جی ہاں۔

وکیل: تو چارپائی تو ایک ہی ہے۔

جو: کچھ مضائقہ نہیں۔ ہم زمین پر سوئیں گے۔

وکیل: اچھا سو رہیے۔

جو گن جامہ وار اوڑھ کر لیٹی۔ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ اور خرّاٹے لینے لگی۔ وکیل نے حقّہ پیا اور آدمی کو یوں پٹّی پڑھائی۔

وکیل: سلار بخش تم صبح کو ان سے کہنا کہ آپ بڑی خوش نصیب ہیں۔ وہ پوچھیں گی کہ وجہ۔ کہنا تم سے بڑھ کر کوئی خوش قسمت ہی نہیں۔ بڑی دیر کے بعد وجہ بتانا کہ میاں ایسے جوان تم پر عاشق ہوئے اور ہماری بڑی تعریف کرنا۔ کہنا یہ رئیس ہیں۔ ان کے باپ چکلہ دار، اور نانا بخشی الملک تھے، اور ان کے ہاں دو بگھیاں ہیں، آدمیوں کی تنخواہ مہینے میں تین سو روپیہ دیتے ہیں، اور کہنا میاں بڑے سیدھے آدمی ہیں، اور نواب صاحب کے ہاں سے قیمتی اسباب لے آنا۔

سلار بخش: قیمتی اسباب کیا؟ زیور کی قسم سے۔

وکیل: الّو ہی رہے بڑے۔

سلار بخش: ہاں جب سے آپ کے ہاں آیا۔

وکیل: بکو نہیں بس۔

سلار بخش: میاں آپ تو بوکھلائے ہوئے ہیں کچھ۔ بھلا وہ نہ کہیں گی، کہ اگر رئیس، اور روپیہ والے ہیں تو پھٹے حالوں کیوں رہتے ہیں۔ ایک تو کھٹیا آپ کے پاس نہیں اس پر باتیں کہ ہم ایسے اور ہم ایسے۔

وکیل: آہستہ آہستہ باتیں کرو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سلار بخش : میں اتنا کہہ دوں گا کہ ہمارے حضور دل کے سادہ ہیں

وکیل : وہ کیا معنی

سلار بخش : اجی چالاک ہیں۔

وکیل : ہاں یہ مانا۔ کہنا دل کے چالاک ہیں چالانک نہیں بولتے۔

سلار بخش : تو ہم کیا کچھ منشی ہیں۔

وکیل : اچھا آج کھانا تو دل لگا کر پکانا۔

سلار بخش : تو کسی باورچی کو بلوا لیجیے نا۔ وہ خوب پکائے گا۔ اچھے سے اچھا باورچی لے آؤں گا۔ اور دو روپیہ خرچیے تو عمدہ سے عمدہ کھانا پکوادوں۔ پھر چٹ پٹ بولیے، مگر ایک میں تو نوکر آپ کا۔ ان کے لیے کوئی ماما نوکر رکھیے۔ بے اس کے بات نہ بنے گی۔ خداوند۔ ہاں چاہیے۔ مارڈالیے ہمیں۔ ہم جھوٹ نہ بولیں گے کبھی۔

وکیل : دیکھو رفتہ رفتہ سب فکر ہو جائے گی۔

سلار بخش : فکر کیا خاک ہوگی۔ مقدمے والے تو آتے ہی نہیں۔

وکیل : آئیں گے آئیں گے۔

سلار بخش نے اپنے آقا کو سمجھایا کہ میاں اس پھیر میں نہ پڑو۔ روٹی کپڑے پر راضی ہو تو خیر، اور جو بیگم بن کے رہنا چاہیں، تو دھتا بتاؤ۔ ورنہ بلٹ جائیے گا۔

وکیل : اجی ایک مقدمے میں عمر بھر کی کسر نکل جائے گی۔

سلار بخش : تو جب آپ کو پتیائے بھی کوئی۔

وکیل : کہتے ہیں تمہیں یقین ہی نہیں آتا۔

سلار بخش : تو کیا ملے گا ایک مقدمے میں، کونسی ایسی رقم مل جائے گی۔

وکیل : اجی ملنے کی نہ کہو ملے تو دو لاکھ مل جائے۔

سلار بخش : ایں! اتنا جھوٹ۔ میاں میں نوکری نہ کرنے کا۔ دیکھیے چھت نہ گر پڑے کہیں۔ کہتے ہیں کال پڑتا ہے۔ ہیضے کا زور ہوتا ہے۔ مینھ نہیں برستا ہے۔ برسے کیا خاک۔ اس جھوٹ کو تو دیکھیے کچھ ٹھکانا ہے۔ دو لاکھ ایک مقدمے میں آپ پائیں گے۔ کبھی باباراج دو ہزار کی بھی صورت دیکھی تھی۔ ہم نے تو آپ کے باوا کو بھی جوتیاں چٹخاتے ہی دیکھا، دو لاکھ پائیں گے۔ ہونھ۔ پاچکے۔ وہ تو کہیے فقیر کی دعا سے روٹیاں چلی جاتی ہیں۔ یہی غنیمت سمجھو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وکیل : تم بڑے گستاخ ہو۔

سلار بخش : میں تو کھری کھری کہتا ہوں

وکیل : ایسی کھری کھری کیوں کہو کہ کسی کا دل دکھے۔

سلار بخش : تو لگی لپٹی ہمیں نہیں آتی۔

وکیل : اچھا ایک کام تو کرنا۔ ذرا دو ایک آدمیوں کو لگالانا۔

سلار بخش : کیا کرنا؟

وکیل : دو چار آدمیوں کو اہلِ مقدمہ بنا کر لے آنا۔

سلار بخش : یہ کیوں؟

وکیل : ہے ایک مصلحت۔

سلار بخش : یہ تو خبط کہلاتا ہے۔

وکیل : تم تو ہونا معقول۔ سمجھتے نہیں اور ہر بات میں شاخیں نکالتے ہو۔ تم نوکر ہو یا آقا۔ کہہ دیا کہ دو چار آدمیوں کو مقدمہ والا بنا کر لاؤ۔ جس میں یہ سمجھیں کہ ان کے پاس مقدمے بہت آتے ہیں۔ ہم تو رنگ جماتے ہیں نہ اپنا۔ یہ بات سمجھے۔ وہ ہم کو بہت اچھا سمجھنے لگیں گی۔ اور ہمارا دم بھریں گی۔ ہم کو اس بکھیڑے سے کیا واسطہ۔

سلار بخش : وہ بیکار باتیں ہیں آپ کی۔ جن کا سر نہ پیر۔ اگر دو ایک کو پھانس پھونس کے لائے بھی، تو کیا فائدہ۔ ٹکا تو وصول نہ ہوگا۔

وکیل : وہ سمجھیں گی تو کہ یہ بہت بڑے وکیل ہیں۔

سلار بخش : اجی چاہے صبح سے شام تک دو سو مقدمے والے آپ کے ہاں آئیں، یا چاہے دن بھر سناٹا رہے، ان کو اپنے زیور، ماما چھوچھو، مہری الّم غلّم سے واسطہ ہے، اور جو آپ کے ہاں صبح سے شام تک پانچ ہزار آدمی بھی آئے اور ان کو ایک چھلا بھی آپ نے نہ بنوا دیا تو کیا۔

وکیل : دیکھو فکر میں ہیں ہم۔ کوئی نہ کوئی تدبیر نکالیں گے انشاء اللہ۔

سلار بخش : آپ ایک کام تو کیجیے۔

وکیل : وہ کیا۔

سلار بخش : وہ بڑا ضروری کام ہے۔

وکیل : تو کچھ کہو گے بھی؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سلار بخش : وہ ضروری کام یہ ہے کہ خود بھی سورہیں حضور، اور غلام کو بھی آزاد کردیں۔

وکیل : خاصی بات ہے۔

سلار بخش : سلام۔

وکیل : مگر ہم کو اٹھانا نہیں۔ ہم دوپہر تک سونا چاہتے ہیں۔

سلار بخش : وہ آپ چاہتے کیا ہیں۔ ایسا تو ہونا ہی ہے۔ اب ترڑ کا تو ہی ہے۔

وکیل اور ان کے خدمتگار، بلکہ مصاحب میاں سلار بخش سور ہے۔ سوئے تو گھوڑے بیچ کر دنیا ومافیہا کی خبر ہی نہیں

جوگن نے تمام شب سردی کھائی تھی، اور رات بھر سونے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ سوئی تو گیارہ بجے آنکھ کھلی۔ سلار بخش نے پانی دیا۔ منھ ہاتھ دھویا۔ گلوری کھائی۔ اور کہا اِن کو جگا دو اب۔

سلار بخش : حکم ہے کہ ۱۲ بجے جگانا۔

جو : کس کا حکم ہے؟

سلار بخش : ہمارے مالک کا۔

جو : ابے ہمارا راج ہے۔

سلار بخش : بہت خوب۔

جو : ان کا نام کیا ہے؟

سلار بخش : ان کا نام ہینگن۔

جو : کیا؟

سلار بخش : ہینگن۔

جو : اے ہے ہینگن۔ تو تو شریف ضرور ہوں گے، اور ان کے باپ کا نام کیا ہے ہینگن؟

سلار بخش : باپ کا نام ہداری۔

جو : واہ بس معلوم ہو گیا' اور پیشہ کیا ہے۔ معلوم شد بافندگی۔

سلار بخش : دلالی کرتے ہیں۔

جو : اے یہ دلال ہے۔

سلار بخش : اجی اور کیا۔ باپ دادا کے وقت سے دلالی ہوتی آئی ہے۔ وکیل صاحب لیٹے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیٹے سن رہے تھے اور دل ہی دل میں سلار بخش کو گالیاں دیتے جاتے تھے کہ مردود نے جما جمایا رنگ لے کے پھیکا کر دیا۔ حالانکہ سمجھا دیا تھا کہ خبردار، خبردار، ایسی باتیں نہ کرنا کہ بھڑک اٹھے۔ مگر ایک ہی مردک ہے۔ ہمارا نام ہینگن بتایا ابا کا نام مداری، پیشہ دلالی، اچھا بچا۔

اتنے میں بارہ کی توپ دغی اور ساتھ ہی حضرت وکیل بھی اٹھ بیٹھے۔

وکیل: پانی لاؤ۔

سلار بخش: حاضر ہوا خداوند۔

وکیل: (منھ دھو کر) آج وہ دوسرا خدمت گار کہاں ہے۔ الہی؟

سلار بخش: حضور چھٹی لے گیا ہے۔

وکیل: کہیے آپ تو خوب گھوڑے بیچ کر سوئیں۔

جوگن: اے ہے۔ ذری سچ کہیے گا۔ اور آپ اپنی نہ کہیں گے۔

وکیل: آج مبارک قدم نہ آئی۔

سلار بخش: رات اس کے لڑکا ہوا ہے۔

راوی: واہ رے خدمتگار۔ اچھا تک ملا جاتا ہے۔

وکیل: اور کالے خان کہاں مر گیا آج۔

سلار بخش: لال خاں کے پاس بھیجا ہے حضور۔

وکیل: اور محرر نہ آیا ہمارا۔

سلار بخش: حضور نواب صاحب نے بلوا بھیجا تھا۔

وکیل: اہل مقدمہ کوئی آئے تھے۔

سلار بخش: حضور سب واپس چلے گئے۔

وکیل: کچھ پرواہ نہیں۔ ہم تو مقدموں کی کچھ ایسی پرواہ نہیں کرتے۔

سلار بخش: حضور کے گھر کی ریاست کیا کم ہے۔

وکیل نے جوگن سے کہا کہ آج آپ ایسی تیز قدم آئیں کہ آج کوئی آدمی ہی نظر نہیں آتا۔

جو: (تنک کر) جب کوئی ہو بھی۔ (مسکرا کر) بس ایک سلار بخش ہی سلار بخش نظر آتے ہیں۔ ہمیں، اور ہاں خوب یاد آیا۔ ذری آپ کا نام تو سنوں۔

وکیل: ہمارا نام مولوی مرزا محمد صادق علی بیگ وکیل عدالت۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو: گھر کی پھنکی باسی ساگ۔

وکیل: ایں! اور سنیئے۔

جو: تمھارا نام ہینگن ہے، اور ہبنگن کے لڑکے ہو، اور دلالی کرتے ہو۔

وکیل: ہینگن کس مردود کا نام ہے۔

جو: سلار بخش تمھارے میاں کا کیا نام ہے؟

سلار بخش: مرزا جی، مرزا جی، لوگ کہتے ہیں۔ کوئی کوئی مرزا صاحب بھی کہتا ہے۔

جو: یہ نہیں۔ ہم پوچھتے ہیں نام ان کا کیا ہے۔

سلار بخش: (مسکرا کر) ہم کو نہیں یاد۔

وکیل: ارے نام کیوں نہیں بتاتا۔

سلار بخش: ان سے کسی نے کہہ دیا کہ (مسکرا کر) ہینگن ہے۔

وکیل: (جھلا کر) اور اوپر سے ہنستا ہے۔ پاجی اور کون کہنے بیٹھا۔ تو ہی نے کہا ہوگا۔

سلار بخش: اب آپ کے پاس کیا میں ہی اکیلا نوکر ہوں، کچھ رات کو پندرہ بیس آدمی تھے۔ کسی نے بک دیا اس کو ہم کیا کریں گے بھلا۔

وکیل: آپ اس پاجی کے کہنے میں نہ جائیے، اسی کے سبب سے ہمارے یہاں کوئی آدمی نہیں ٹکتا۔ میں سنتا تھا کہ چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے۔ ہینگن اور ہبنگن نمک حرام کہیں کا، اور ہنستا ہے اوپر سے بے غیرت۔

سلار بخش آڑ میں کھڑا ہو کر خوب ہنسا۔

وکیل: ہم سے ایک بہت بڑے درویش نے کہا ہے، کہ تم جلد بادشاہ ہونے والے ہو۔

جو: (ہنس کر) ہاں پھر اُلّو تمھارے سر پر بیٹھا ہی چاہتا ہے۔

وکیل: بڑی حاضر جواب اور زبان دراز ہو۔

جو: نہیں اللہ جانتا ہے دو طرح سے غریب آدمی بادشاہ ہو سکتا ہے، یا تو ٹانگ توڑ ڈالے، ادھر ٹانگ ٹوٹی ادھر تیمور کے طور پر چٹ بادشاہ ہو گیا۔ یا اُلّو سر پر بیٹھے تو غریب آدمی بادشاہ ہو جائے۔

وکیل: (متحیر ہو کر) ہاں!

جو: ہم نے تو ایسا ہی سنا ہے۔ جو کہیں اُلّو سر پر بیٹھے تو آپ بھی بادشاہی کریں۔ مگر پھر ہمیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کاہے کو پوچھیے گا۔ پھر تو دماغ ہی نہ ملیں گے۔

وکیل : واہ اب تمھارا ساتھ چھوٹ سکتا ہے۔

جو : آپ کی آمدنی کیا ہے۔

وکیل : یہ نہ پوچھو۔ کچھ روپیہ گاؤں سے آتا ہے۔ کچھ وثیقہ ہے۔ کچھ وکالت کے ذریعہ سے پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح بسر ہوتی چلی جاتی ہے۔

جو : سواری کیا ہے تمھارے پاس فٹن ہوگی۔

سلار بخش : (آہستہ سے) گدھا۔

جوگن مسکرائی۔ وکیل نے کہا آج کل تو بس ایک پالکی اور دو گھوڑے۔

سلار بخش اس فقرے پر ہنسے

وکیل : یہ کون ہنسا؟

سلار بخش : حضور مجھے ہنسی آئی۔

وکیل : کیوں ہنسی کی اس میں کیا بات ہے۔

سلار بخش : حضور نے جو اس وقت کہا کہ دو گھوڑے ہیں تو وہ دونوں ہنہنائے۔

جو : کیا کہیں پاس ہی بندھتے ہیں۔

سلار بخش : جی ہاں اِدھر ایک اصطبل ہے اور اس کے پاس ہی فیل خانہ ہے۔

جو : کس کا فیل خانہ ہے۔

سلار بخش : (اشارے سے) ان کا۔

جو : ایں! کیا فیل نشیں ہیں آپ؟

وکیل : نہیں جی کہنے دو اسے یہ یوں ہی کہا کرتا ہے۔

جو ذری ہم کو دکھلاؤ۔

وکیل کے ہوش پران کہ گھوڑا کیسا یہاں گدھا تک تو ہے نہیں ہم تو ڈینگ ہانکتے تھے، کہ دو گھوڑے ہیں ایک پالکی، اس مردود نے کہاں سے سن لیا کہ ہنس دیا اور کہتا ہے کہ ہنہنانے کی آواز آتی ہے۔

جو : وکالت میں کیا ملتا ہوگا؟

وکیل : اب تو آج کل مقدمے ہی کم ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو : تو بھی بھلا۔

سلار بخش : اس کی نہ پوچھیے۔ کسی مہینے میں دو چار ہاتھی مختانہ میں، کسی مہینے میں دس پانچ اونٹ مل گئے۔ کبھی دو گدھے آ گئے۔

وکیل : (خفا ہو کر) تو اٹھ جا یہاں سے۔

جوگن نے لاکھ چاہا کہ ہنسی ضبط کرے، مگر نہ کر سکی۔

جو : آدمی شریر معلوم ہوتا ہے۔ یہ سلار بخش ملازم ہے کہ مصاحب۔

وکیل : ہزار بار کہہ دیا کہ مسخرے پن سے ہم کو نفرت ہے۔ نابکار۔

جو : اب غصہ کو تھوک دو۔

جوگن ایک کامنی چھیل چھبیلی عورت اور پالے پڑی ایک انوکھے وکیل کے۔ وکیل نے پہلے ہی دن سے حماقت کا اظہار کرنا شروع کر دیا۔ کانا ٹٹو بدھو، نفر ایک آدمی ٹٹروں ٹوں۔ وہ بھی منہ چڑھا۔ اور اپنے کو ظاہر کیا چاہیں رئیس ابن رئیس، مگر واہ رے سلار بخش۔ جواب ترکی بہ ترکی دینے میں تم بھی خوب مشاق ہو۔ وکیل نے پوچھا آج ماما نہیں آئی یہ بولے حضور کل اس کے لڑکا ہوا۔ وہ عذر بیان کیا کہ ایک مہینے تک کی غیر حاضری کے لیے کافی ہے۔ حضرت نے پوچھا آج مقدمے والے نہیں آئے۔ کہا حضور سب پھر گئے آپ آرام میں تھے۔

ان وکیل صاحب کی بڑی لمبی چوڑی کہانی ہے، جس کو ہم ضرور بیان کریں گے، بالفعل یہ لطیفہ بھی سننے کے قابل ہے، کہ وکیل نے سلار بخش کے کان میں جوگن کی چوری سے آہستہ آہستہ یوں گفتگو کی۔

وکیل : سلار بخش وہ بات بھول گئے۔ کیوں جی۔ ہو بے وقوف کہ نہیں؟

سلار بخش : کون بات میاں۔ مجھے تو یاد ہی نہیں ہے کچھ۔

وکیل : گولی مار دے ایسے آدمی کو۔

سلار بخش : تو پھانسی بھی پائے۔

وکیل تجھ سے کچھ کہا تھا ہم نے۔

سلار بخش : آپ تو جلدی جلدی گھبرا گھبرا کر بہت کچھ کہہ گئے۔ اب سہی۔

وکیل : کمبخت دو چار مقدمہ والے بنا لا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سلار بخش: ہاں اچھا۔ مگر میاں پہلے اِن کے لیے کھانا تو پکواؤ۔
وکیل: لاحول ولا قوۃ۔
سلار بخش: اچھا آپ تشریف رکھیں میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔ دو چار کیا معنی دس پندرہ کو پھانس لاؤں۔ مگر یہ بھی بیٹھی رہیں جس میں لوگ سمجھیں کہ وکیل کی بڑی آمدنی ہے اور میں کہدوں گا کہ گانا سننے کے لیے نوکر رکھا ہے۔ سو روپیہ مہینہ دیتے ہیں۔
وکیل: سو نہیں دو سو کہنا۔
سلار بخش: وہی بات کہیے گا جو بے تکی ہو۔ بھلا کسی کو بھی دنیا میں یقین آئے گا کہ دو سو روپیہ یہ وکیل خرچ کر سکتا ہے۔
وکیل: کیوں یہ کیوں۔
سلار بخش: اجی اب آپ تو ہنڈی کی چندی نکالتے ہیں۔ دھیلے دھیلے پر تو آپ مقدمے لیتے ہیں۔ دو سو کی رقم بھلا گانے کے لیے کون خرچ کرے گا آپ اپنے سوا اور سب کو پاگل سمجھتے ہیں۔
وکیل: اچھا ایک نہ بہت جا بھانس لا دو چار اہل مقدمہ کو۔
سلار بخش: بہت اچھا۔
وکیل: کہیں اس نئے مہمان کے سامنے نہ ایسی ویسی باتیں کر بیٹھنا۔
سلار بخش: ہم تو کھری کھری کہتے ہیں حضور۔

سلار بخش باہر گئے کہ دو چار اہل مقدمہ کو پھانس لائیں مطلب یہ کہ کسی جان پہچان اڑوسی پڑوسی کو سمجھا دیں کہ میاں ایک عورت کو کہیں سے لائے ہیں تم تم لوگ چل کر کہو کہ حضور ہمارا مقدمہ ہے۔ مگر محنتانے کی بڑی لمبی چوڑی رقمیں بتانا جس میں وہ عورت بھرّے میں آجائے اور میاں کا دم بھرنے لگے۔

سلار بخش ایک ہی شریر آدمی۔ دنیا بھر کا نیار یا دس بارہ آدمیوں کو پھانس لایا اور کہا کہ باری باری دو دو چار چار آؤ۔ سب ایک دفعہ ہی بھڑ بھڑا کر نہ چلے آنا۔
اندر آئے تو وکیل کو دیکھکر سلار بخش موچھوں پر تاؤ دینے لگے مطلب یہ کہ آج وہ کارگزاری کی ہے کہ انعام

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا استحقاق ہوگیا وکیل از بس خوش جامے میں پھولے نہیں سماتے کہ آج سونے کی چڑیا ہاتھ آئی چین ہی چین لکھتا ہے۔
تھوڑی دیر کے بعد سلار بخش حقہ بھر لایا۔ حقہ مٹی کا جسمیں تین سیر پانی آئے۔ نیچہ بھدا جب تک ایک انچہ منھ نہ کھولے پی نہ سکے۔ چلم وہ جس میں آدھ سیر تمباکو بھر لو خدمت گار نے جوگن کے سامنے حقہ رکھا۔
جو: کیا لکڑ والے کی دوکان سے لائے۔ نگوڑے لکڑ والے بھی تو ایسا بھدا حقہ نہیں رکھتے یا تمباکو والے کی دوکان سے لائے ہو۔ ہٹا لیجاؤ ہٹا لیجاؤ ہم نہ پیئیں گے تمہیں مدریا بھی نہیں جڑتا۔
وکیل: ارے سلار بخش۔
سلار بخش: خداوند۔
وکیل: یہ حقہ کہاں سے اٹھا لایا۔ اتنے چاندی کے جوڑے ہیں۔
وہ حقہ کہاں رکھا ہے جو نصیر الدین حیدر کے پینے کا تھا۔ وہ چمبر کہاں ہے جو سیٹھ سے لیا تھا، جس پر مور بنا تھا، اور پینے کے ساتھ ہی مور کی چھنکار محل بھر کو دنگ کر دیتی ہے۔ وہ گنگا جمنی گڑگڑی کہاں ہے جو ہمارے سالے نے بھیجی تھی۔
سلار بخش: وہ جو حضور کے سالے نے بھیجی تھی وہ تو حضور کے بہنوئی لے گئے۔
وکیل: بہنوئی ہمارے کون؟
سلار بخش: وہ نہیں ہیں ٹھنگنے ٹھنگنے۔
وکیل: وہ تو ہمارے سالے ہیں۔
سلار بخش: مگر وہ تو بہنوئی بتاتے تھے۔ چلیے ہمارے نزدیک جیسے آپ کے سالے، ویسے آپ کے بہنوئی، دونوں یکساں۔ ہم آپ کے بھی تابعدار ان کے بھی تابعدار۔
وکیل: تو آخر: بیچوان، اور چاندی کا حقہ اور زیر انداز اور چمبر کیوں نہیں نکالتے، جو یہ بھدا لیسل حقہ اٹھا لائے وہاں سے۔ جو حرکت ہے آپ کی وہ ناشایستہ ہے۔ لاؤ جا کے۔
سلار بخش: خداوند وہ تو سب بند ہے وہ خدمت گار آج آیا کہاں۔
جو: تو چلو ہٹاؤ یہاں سے۔
سلار بخش: حضور ایک دم لگا لیں۔
وکیل: بس معاف کیجیے اٹھا لے جاؤ۔
جو: اے تو مدریا ہی منگواؤ۔ یہ سب سامان بند کہاں ہے۔ ذری سارا تو مکان۔ مرغی کے ٹاپے کے برابر (برابر) وہ کن کوٹھوں میں بند ہے سب کا سب۔
اتنے میں کسی شخص نے پکارا، طالب، او طالب! سلار بخش نے کہا کون ہے؟ اس نے کہا ہم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مقدمہ والے۔ وکیل ازبس محظوظ ہوئے کہ سلار بخش پھانس لایا۔ فرمایا بلالو۔ سلار بخش نے کہا آوجی۔ حضور بلا تے ہیں۔ کوٹھے کا یہ راستہ ہے۔

مقدمہ والا آیا۔ سلار بخش نے کہا سامنے جاؤ۔ اب دل لگی دیکھیے کہ مقدمے والے کے ایک ہاتھ میں جھاڑو دوسرے میں پنجہ۔ آتے ہی جھاڑو کونے میں کھڑی کر دی، اور پنجہ ٹیک کر بیٹھا۔ وکیل ازسرتاپا پھنک گیا۔ پوچھا تم کون ہے۔ اس نے کہا ہم بھنگی ہیں صاحب۔ جوگن مسکرائی۔ وکیل نے سلار بخش کی طرف دیکھا۔ سلار بخش سر کھجلانے لگا۔

وکیل : تم کیا کرنے آیا ہو یہاں تمھارا کون کام ہے؟

بھنگی : حضور کا مہتر ہوں۔ میری ٹٹی کا ایک بانس کوئی نکال لے گیا۔ ایک شخص پر شک ہے۔ تو حضور کو وکیل کرنے آیا ہوں۔ غلام ہوں خداوند۔

وکیل : کوئی ہے نکال دو اس پاجی کو۔ چل جا یہاں سے۔

سلار بخش : خداوند امیروں کا مقدمہ تو آپ لیں اور غریبوں کا کون لے۔ اس دن وہ راجہ آئے جن کے ساتھ بیس سوار تھے۔ حضور نے اپنی جگہ نہ چھوڑی، اور وہ ہاتھ ہی جوڑا کیے۔ وکیل تو درزی کی سوئی ہے۔ کبھی زربفت میں، کبھی لٹھے میں۔ امیروں کا مقدمہ آپ لیں، اور غریبوں کا کون لے۔

وکیل : غریبوں کا غریب وکیل لے۔

راوی : بجا ارشاد ہوا۔ حضور تو ایڈووکیٹ جنرل ہیں۔ مہاراجہ ملہر راؤ نے سرجنٹ بالٹائن کو ناحق ہی ولایت سے بلوایا۔ حضور تو یہاں موجود ہی تھے۔

سلار بخش : اچھا مہتر بتاؤ کیا دو گے؟

مہتر : (ٹینٹ سے دو پیسے نکال کر) ہمارے پاس تو دو دو ساہی ہیں۔

وکیل : (جھلا کر) نکالو نکالو اس کمبخت کو۔

وکیل صاحب اس قدر جھلائے کہ جھاڑو لے کر مہتر پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ وہ جھاڑو پنجہ چھوڑ کر بھاگا تو حضرت جوگن کے قریب جانے لگے۔

جو : (بھاگ کر) الگ ہی رہنا میاں۔ الگ ہی رہنا۔

وکیل : کیوں کیوں؟

جو : ارے مہتر کی جھاڑو چھوئی، اور فرش پر چلے آئے۔

وکیل ہائے ہائے بھول گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو: ادئی اللہ میں کہاں پھنسی آن کے۔

وکیل: پھر اب کیا کروں؟

جو: غسل کرو۔

وکیل: ہائے افسوس یہ تو نہ ہوسکے گا۔ آج بڑی سردی ہے۔

جو: پھر اللہ جانتا ہے غسل کرو نہیں تو چھوئیں گے نہیں۔

سلار بخش: ہاں سچ تو کہتی ہیں۔

وکیل: تو چپ رہ مردود۔

سلارو، شریر تو پرلے سرے کا تھا ہی، مسکرانے لگا۔ اس پر وکیل صاحب اور بھی جھلاّئے، اور سلارو کو مارنے دوڑے، تو سلار بخش نے کہا دوہائی ہے حضور کی (جوگن کی طرف اشارہ کرکے) جوگن نے کہا بس خبردار۔ ہاتھ نہ اٹھانا۔ وکیل صاحب خاموش ہورہے۔

جو: اب آپ حمام کو جائیے۔

سلار بخش: اے ہے۔ کہیں یہ صلاح بھی نہ دینا میاں افیمی آدمی، نہانے کے نام سے کانپ اٹھتے ہیں۔ جھوٹ موٹ کہہ دیں گے کہ حمام خانے گیا تھا، اور یوں ہی کورے چلے آئیں گے۔

وکیل: دیکھو اب میں اس کو پیٹ چلوں گا۔

جو: اے تو آخر نہاؤ گے یا یوں ہی بیٹھے رہو گے۔

وکیل: اف اس وقت نہانے کے نام سے روح لرزتی ہے۔ جگر تک ٹھٹھرا جاتا ہے۔

جوگن نے سلار بخش کو حکم دیا کہ تم پانی بھرو۔ سلار بخش پانی بھر لائے۔ وکیل صاحب نے روتے روتے کپڑے اتارے۔ لنگی باندھی۔ سلار بخش نے کہا لیجیے نہائیے۔ جیسے ہی بدن پر پانی پڑا۔ حضرت غل مچاکر بھاگے، اور سلار بخش چمڑے کا ڈول لیے ہوئے پیچھے دوڑا۔ پھر پانی پڑا۔ پھر روئے۔ جوگن مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئی۔ الغرض بعد خرابی بصرہ آپ نے غسل سے فراغت پائی۔ تھر تھر کانپتے تھے۔ سلار بخش نے اس پر طرہ یہ کیا کہ پنکھا جھلنے لگا۔ تب اور بھی جھلاّئے، اور کس کے دو تین لاتیں لگائیں مگر سلارو بھاگ کھڑے ہوئے۔ جوگن نے دگلا دیا۔ سلار بخش انگیٹھی میں آگ لے آیا تاپنے لگے۔

جو: اب یہ چاندنی تو اٹھواؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وکیل : کیوں چاندنی نے کیا قصور کیا ہے، بیچاری نے۔

سلار بخش : حضور بھنگی اسی پر تو بیٹھا تھا۔

وکیل : ارے تو پھر بولا سنا' سلار بخش مارتے مارتے ادھیڑ کے دھر دوں گا۔

سلار بخش : خداوند مالک ہیں، ہمارے۔ مارڈالیے تو بھی حشر کے دن ہم دامن نہ پکڑیں گے۔

سلار بخش ایک لونڈی کو بلا لایا۔ اس نے چاندنی اٹھائی تو قلعی کھل گئی۔ چاندنی کے نیچے ایک پھٹا پُرانا ٹاٹ بچھا تھا۔ بابا آدم کے وقت کا، دری نہ کوئی فرش۔ وکیل کٹ گئے۔ جوگن نے کہا بھے اب کوئی فرش اس پر بچھواؤ۔

وکیل : وہ بڑی دری لے آؤ جو چھکڑے پر لد کر آئی تھی۔

سلار بخش : وہ۔ اس کو تو ایک لونڈا چرا لے گیا۔

جو : اوئی چھکڑے پر لد کے تو موئی دری آئی، اور ذرا سا لونڈا نگوڑا چرا لے گیا۔

وکیل : تو بھنگ تو نہیں پی گیا سلارو۔

سلار بخش : کون ؟ سلارو! سلارو میاں مدارو کے ہاں رہتے ہوں گے۔

وکیل : بھلا اتنی بڑی دری چور کیوں کر لے جاتا۔ اور پھر لونڈا۔ تمھارے باپ سے تو اٹھتی نہیں۔

سلار بخش : بے شک۔ ہمارے باپ کوئی سر بوجھیے یا مزدورے تو تھے نہیں۔ ہم جانتے ہیں لونڈا اپنے ساتھ اونٹ لے کر آیا تھا۔ جب ہی لے گیا۔

وکیل : اچھا وہ قالیچے اٹھا لاؤ، جو جیل خانے سے بن کر آئے ہیں۔ بیس بیس روپیہ جوڑی۔

سلار بخش : خداوند وہ تو سب بند پڑے ہیں۔

وکیل : اچھا جا کر دیکھو جو کچھ ملے اٹھا لاؤ۔

سلار بخش جا کر اپنا کمبل اور ایک دستر خوان اٹھا لائے۔ وکیل تو برآمدے سے بازار کی سیر دیکھتے تھے، اس نے جھپ سے کمل بچھایا، اور دستر خوان اس پر رکھ دیا، اور کہا آیئے میاں بچھ گیا۔ وکیل جو آئے تو کمل اور دستر خوان، اور جوگن کھل کھلا کر ہنس رہی ہے۔ وکیل نہایت برافروختہ ہوئے۔ سلار بخش ایک کوٹھری میں چھپ رہا تھا۔ وکیل نے ڈھونڈھ نکالا اور دیکھتے ہی دیکھتے دو چار بار دست محبت سے کھوپڑی سہلائی۔ سلارو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وکیل : آخر کم بخت جو تو میرا نمک کھاتا ہے، تو رنگ کیوں پھیکا کرتا ہے میں ایک کہوں تو دو کہا کر۔ خیر خواہی کے یہ معنی ہیں۔ سکھلا دیا، سمجھا دیا کہ ہم جو کچھ مانگیں کہدے بند ہے۔ ہنڈی کی چنڈی نکالتا ہے۔ نامعقول، خبر۔ اب توبہ کر۔

سلار بخش : توبہ (کان پکڑ کر) توبہ (پھر کان پکڑ کر) توبہ! تو اب تک تو ہم یہ سمجھے ہی نہ تھے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ اب آپ ایک کہیں گے میں دو کہوں گا اور جو کچھ آپ مانگیں گے میں کہہ دوں گا بند ہے۔ بس یا اور بھی جو کچھ سمجھانا ہو سمجھا لیجیے، پھر میں نہیں جانتا۔ ہاں!

وکیل : اچھا ہم جاتے ہیں تو آن کر کہنا قصور معاف کیجیے۔ اور رونا خوب۔

وکیل صاحب یہ ہدایت کر کے چلے گئے۔ جا کر چارپائی پر جوگن کے پاس بیٹھے ہی تھے، کہ سلار بخش روتا سر پیٹتا ہوا آیا جوگن دھک سے رہ گئی۔ سمجھی کہ ان کا کوئی عزیز مر گیا ہے۔ وکیل صاحب کے ہوش پران کہ یا الٰہی ماجرا ہے۔ پوچھا کیا ہوا خیر تو ہے۔ ارے آخر کچھ بتائے گا بھی، یا سر ہی پیٹے گا۔ کیا ہوا کیا؟ کیا کوئی مر گیا خدا نخواستہ۔ سلارو تھوڑی دیر تک خوب روئے اور وکیل کے قدموں پر گر کر کہا۔ حضور میرا قصور معاف فرمائیں۔

وکیل : لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ۔ نرا گنوار ہے کم بخت۔ جی چاہتا ہے اپنا منہ پیٹ لوں۔

اچھا جاؤ معاف کیا۔ کوئی اس طرح روتا ہے اللہ جانتا ہے ہم سمجھے کہ ہم خدا نخواستہ کوئی بیچارہ آپ کے عزیزوں سے اب کیا کہوں۔ جان نکل گئی تھی کہ کہیں گے، اچھی سبز قدم آئی۔

اتنے میں وکیل صاحب کے نام ایک خط آیا۔ وکیل کمرے کے باہر خط پڑھنے لگے سلارو بھی قریب کھڑے تھے۔ جوگن نے پوچھا آپ کے ابا جان ہیں زندہ۔

سلار بخش : حضور کے باپ؟ ہاں۔ دو باپ ہیں۔

وکیل نے تیکھی چتوں سے سلارو پر نظر ڈالی، معلوم ہوتا تھا کہ پھاڑ کھائیں گے سلارو نے چپکے سے کہا حضور تو کہہ کر بھول جاتے ہیں۔ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ ہم ایک کہیں تو تم دو کہنا۔ قریب تھا کہ وکیل صاحب پیٹ چلیں، مگر جوگن آ گئی تو دانت پیس کر رہ گئے۔

جو : یہ کیا پڑھ رہے ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وکیل : صاحب کے پاس سے ایک چٹھی آئی ہے۔

جو : کون صاحب کوئی انگریز ہیں۔

وکیل : ہاں ضلع کے صاحب ہیں۔ ہم سے یارانہ ہے۔

سلار بخش : آپ سے نہ۔ جی ہاں ان سے اور دوسرے صاحب سے بھی تو ہے، جنھوں نے جرمانہ ٹھونک دیا تھا۔

وکیل : صاحب نے ہمیں بلایا ہے۔

آخرش تم کھاتے پیتے بھی ہو یا یوں ہی ہوا پھانک کر جیتے ہو۔ کچھ ٹھکانا ہے دوپہر ہونے کو آئی۔ پیٹ میں کاٹھ کی روٹی باندھے ہو۔

سلار بخش : ہونھ۔ دوپہر ہونے کو آئی! ایک بجا چاہتا ہے۔ آپ کہتی ہیں دوپہر ہونے کو آئی۔

جو : کیا ایک ہی وقت کھاتے ہو کیا۔ تو ہم تو بے موت مرے میاں۔

وکیل : ارے سلارو کھانا پکا؟

سلار بخش : بند ہے۔

وکیل : بند ہے تو بازار سے خرید لا۔

سلار بخش : بند ہے۔

وکیل : کیا بند ہے؟

سلار بخش : بازار۔

وکیل : کے بجیں گے۔

سلار بخش : دو۔

جو : ایں! ابھی ایک کہا اب کہتا ہے دو۔

سلار بخش : حکم ہے ایک کے دو کہو۔

وکیل : کھانا پکاؤ۔ جھٹ پٹ

سلار بخش : بند ہے

جو : اے آگ لگے تیرے اس مسخرے پن کو۔ یہاں آنتیں تک قل ہو اللہ پڑھتی ہیں۔ اسے دل لگیاں سوجھتی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی دیر کے بعد سلار بخش نے کھانا پکایا اور آن کر دست بستہ کہا خداوند خاصہ تیار ہے۔ وکیل صاحب نے فرمایا لاؤ۔ کھانا آیا تو آٹھ موٹی موٹی روٹیاں۔ ایک پیالے میں دال ماش۔ دوسرے میں آدھ پاؤ گوشت، اور آدھ سیر آلو۔ جوگن بھوکی تو تھی ہی، اسی کو غنیمت سمجھی اور وکیل کا شکریہ ادا کر کے کھانا کھایا۔

وکیل : آج پلاؤ نہیں پکا۔

سلار بخش : حضور بلی کھا گئی۔

وکیل : اور گوشت بس ایک ہی طرح کا پکایا۔

سلار بخش : خداوند اور آدمی تو ہے نہیں، میں پانی بھرنے گیا کتا چکھ گیا۔

جو : بلی اور کتے یہاں بڑے لاگو ہیں۔

سلار بخش : کچھ پوچھیے نہ بس۔

وکیل نے جوگن سے پوچھا کہ آپ کا اسم شریف کیا ہے؟ جوگن نے کہا ہمارا نام شبو۔ وکیل نے کہا یہ انوکھا نام ہے۔ شریف زادیوں کا نام شبو تو نہیں سنا، آج تک۔ جوگن بولی اپنے اپنے ملک کی ریت ہے۔ ہماری طرف ایسے ہی نام ہوتے ہیں۔

اتنے میں کسی نے دروازے پر زور سے ہاتھ مارا۔ اور کہا میاں سلارو ہیں۔ سلارو نے جواب دیا، کہ آئیے کون صاحب ہیں۔ اخاہ۔ آؤ۔ کوٹھے پر چڑھ آؤ۔ وہ داہنے ہاتھ کی طرف زینے کا راستہ ہے۔

وکیل : کون صاحب ہیں۔ کون صاحب ہیں۔ ایسا نہ ہو ماموں صاحب چلے آئیں۔

سلار بخش : پھر آنے دیجیے۔ دیکھیں گے تو اور خوش ہوں گے کہ بھانجا ہونہار ہے۔

اتنے میں جس نے پکارا تھا وہ اوپر آن پہنچا۔

وکیل : اُدھر ہی رہنا۔ خبردار بے اطلاع کے ادھر نہ آنا۔

سلار بخش : حضور وہ ہے ممن تیلی۔

وکیل : ممن تیلی کون۔ ہم تیل ویل نہ لیں گے۔ رات کو لمپ جلتے ہیں۔ ہمارے ہاں یا موم کی بتی۔ اور کھانے میں تیل آتا نہیں۔ پھر تیلی کا یہاں کیا کام۔ نکال دو۔ ایسے ویسوں کو کمرے میں نہ بلایا کرو۔

سلار بخش : مقدمہ لایا ہے حضور۔ سامنے حاضر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تیلی جو سامنے آیا تو وکیل آگ ہو گیا۔ تیلی اس وقت میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھا۔ ہاتھوں میں ایک کپی۔ آن کر ٹاٹ پر بیٹھ گیا۔

وکیل : کیا مانگتا ہے۔

تیلی : ہم پر نالش کر دی ہے۔

وکیل : دوگے کیا۔

سلار بخش : (سر پیٹ کر) ہائے ہائے۔ اجی پہلے اس کی فریاد تو سنو، کہ وہ کہتا کیا ہے۔ بس یہی تو ان میں بڑی خرابی ہے، کہ مقدمہ والا آیا، اور انھوں نے اس کا ٹیٹو الیا پہلے یہ بتاؤ کہ دے گا کیا تو۔ بس مردہ چاہے دوزخ میں جائے چاہے بہشت میں، اپنے حلوے مانڈے سے مطلب ہے۔ پہلے سن لیجیے کہ وہ کہتا کیا ہے۔ کچھ جھوٹ سچ اس کو سمجھائیے۔ دو چار سوال کیجیے۔ یہ نہیں کہ آتے ہی ہاتھ پھیلا دیا۔ اچھا بتاؤ تم ہی بتاؤ کیا دوگے۔

تیلی : ایک پتی تیل۔

وکیل : نکال دو اس کو نکال دو ابھی ابھی۔

تیلی : اچھا صاحب تین پتی لے لو۔

سلار بخش : اچھا آدھی کپی تیل دو۔ بس اتنا کہنا مانو۔

وکیل : ہائیں! ہائیں! کیا شرح بگاڑتے ہو۔ تم جاؤ جی

سلار بخش : پہلے دیکھیے تو، آدھی کپی پر راضی بھی ہوتا ہے، وہ۔

تیلی چلا گیا، اور وکیل نے سلار بخش کو ڈانٹنا شروع کیا کہ تو سخت نابکار ہے۔ تجھ کو کس نے کہا کہ بیچ میں بول اٹھا کر۔ تو اپنے تئیں کیا سمجھتا ہے۔ آخر تو کون ہے۔ ٹکے کا خدمتگار اور باتیں بناتا ہے اوپر سے۔ آخر تو ہے کون؟

سلار بخش نے دبے دانتوں کہا ہم مصاحب ہیں، اور ہیں کون۔ جوگن متحیر تھی کہ یہ کس قطع کے آدمی ہیں اور خدمتگار کو کیوں اس قدر سر چڑھا رکھا ہے۔

سلار بخش : حضور شام کو کیا پکے گا۔ ابھی سے تیار کروں۔

وکیل : چولھے میں گیا۔

سلار بخش : تو خداوند آپ کا کھانا چولھا چھوڑ بھاڑ میں جائے۔ چاہے، مگر غلام تو دو روپیہ مہینے اور کھانے پر نوکر ہے۔ اگر یوں ہی کھانا جائے گا تو ہم تو ٹیں ہو جائیں گے۔ آپ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نہ کھائیں ہمارے واسطے تو تجویز یہ ہے۔

وکیل : تجویز ناکیا معنی؟ اپنے واسطے چھیچھڑے لے آجا کے۔

سلار بخش : (دبے دانتوں) وہ بھی جب بچنے پائیں آپ سے۔

جوگن نے جو یہ فقرہ سنا تو بے اختیار ہنس پڑی۔ وکیل نے متحیر ہو کر پوچھا۔ کس بات پر ہنسیں؟ آخر کچھ بتاؤ تو اس وقت تو ہنسی کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اخاہ۔ اب میں سمجھا۔ یہ جو میں نے چھیچھڑوں کا فقرہ کہا اس پر ہنسیں۔ میں ایسی ہی کہتا ہوں۔ اس پر جوگن کو اور بھی ہنسی آئی۔

وکیل : اللہ ری شوخی، کچھ ٹھکانا ہے ؎

خوبرو جتنے ہیں دل لیتی ہے سب کی شوخی
ہے مگر آپ کی شوخی تو غضب کی شوخی

آپ نے جو کہا کہ چھیچھڑے پکا کر کھاؤ تو مجھے۔

سلار بخش : اور میں نے پھبتی اپنے اوپر کہی وہ سنی ہی نہیں آپ نے ـــــ

وکیل : وہ کیا؟

سلار بخش : میں نے کہا کچھ کتّے نے کاٹا ہے مجھے۔

وکیل : خوب چھیچھڑے کے لیے کتّے کا لفظ اچھا ہے مگر پلّے کیوں پڑتے ہو۔

سلار بخش : یہ ڈوریے کا انگرکھا پہنے ہیں نہ آپ۔

جو: اے واہ ہے۔ میاں اور خدمت گار میں جگت بازی ہونے لگی جیسے میاں ویسے میاں کے آدمی۔

اتنے میں آواز آئی۔ شلجم، گھیاں، مولی، بینگن، آلو، لوترکاری کو۔ جوگن نے کہا آلو خرید لو ایک دو پیسے کے شام کو پکیں گے۔ سلار بخش نے مسکرا کر پکارا۔ ادھر آ۔ ادھر آ۔ او کبڑن! ادھر اس پھاٹک میں آ۔

وکیل : آلو کتنے سیر ہیں سچ سچ بتانا؟

کبڑن : مول تول کروں یا واجبی کہوں۔

سلار بخش : پہلے مول تول کر پھر واجبی کہو۔

کبڑن : تین پیسے سیر آئیں گے چاہے لو چاہے نہ لو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وکیل : واہ۔ کل تو ہم نے ٹکے سیر لیے تھے۔ کیوں سلار بخش۔

سلار بخش : واہ ایک آنے خریدے تھے۔

وکیل : عجب نالائق ہے تو۔

سلار بخش : ہو شاید ایسا ہی ہو۔

وکیل : صریح وہ کہتی ہے کہ تین پیسے سیر دوں گی اور تو کہتا ہے ایک آنے سیر لیے تھے۔ بھاؤ بگاڑتا ہے۔

سلار بخش : آپ کا حکم تھا نہ کہ ایک ایک کے دو دو کہا کرو۔ آپ نے کہا ٹکے سیر ہم نے اس کا دونا کہا۔ ایک آنے سیر۔ خود ہی تو ایک بات کہتے ہیں آپ اور خود ہی بھول جاتے ہیں۔ کہا نہ تھا کہ میں ایک کہوں تو تو دو کہنا۔ اب کہیے ایک کے عوض چار کہوں۔ کسی طرح آپ خوش تو ہوں۔

جوگن نے سیر بھر آلو خریدے، اور پیسے اپنے پاس سے دیے۔ کبڑن چلی گئی، تو جوگن نے کہا یہ آدمی نکال دینے کے قابل ہے، کسی مقام پر مسخرے پن سے نہیں چوکتا ہے۔ جب دیکھو بات کاٹ دیتا ہے۔ یہ بری بات ہے۔

وکیل : بی شبّو جان صاحب۔

سلار بخش : کیا گل شبّو ہیں۔

جو : ہاں جیسے گنوار لوگ گلری کا پھول کہتے ہیں۔

وکیل : واہ۔ وہ اور یہ اور۔

سلار بخش : حضور گل شبّو ہیں جب ہی کھلی جاتی ہیں۔

وکیل : اور گل بدن، غنچہ دہن۔

سلار بخش : آپ بھی تو جامے میں پھولے نہیں سماتے۔

وکیل : تم کو کیوں خار ہوتا ہے۔

سلار بخش : تو چٹکتے کیوں ہیں حضور

وکیل : جہاں گل ہے وہاں خار ہے۔

سلار بخش : واہ رو دو بار

جوگن کو اپنی حالتِ زار پر اس وقت کمالِ افسوس تھا کہ تو دھری نہ جائے نہ کہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو دل بے قرار ہو۔ شہسوار کے خوف سے رات کو بھاگنا، اور ساری رات جاگنا، اپنا نہ بیگانہ، خویش نہ یگانہ، عزیز نہ رشتہ دار، بے کس و بے بس، پھر استانی جی کی مہربانی سے اس کی پریشانی و حیرانی کا دور ہونا، استانی جی کی عدم موجودگی میں تھانہ دار کا آنا، اور شادی کا شوق چرّانا۔ جوگن کی تنہائی اور پارسائی، تھانہ دار کی فقرہ بازی، یہ باتیں یاد کر کے طبیعت از بس بے قرار تھی۔ لاکھ ضبط کیا مگر اشک جاری ہی ہو گئے۔

دل میں ایک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانیے کیا یاد آیا

سلار بخش : میاں! میاں! بولتے ہی نہیں میاں۔

وکیل : کیا میاں ٹیاں نکالا ہے۔

سلار بخش : (اپنے دل میں) گھاس تو نہیں کھا گیا ہے (وکیل سے) آپ تو بات کرتے کاٹے کھاتے ہیں۔ سیدھی بولتے ہی نہیں۔ آخر یہ روتی کیوں ہیں بولیے؟

وکیل : بولوں کیا تیرا سر۔ کوئی بات ذہن میں آتی نہیں کہ کیا ماجرا ہے ہم سے تو کوئی قصور نہیں ہوا۔ ہوا تو کس طرح کا قصور ہے۔ ہمیں بتائیں نہ چاہیں مگر معاف کر دیں۔ ابھی تو خاصے طور سے کھل کھلا رہی تھیں اور ابھی یہ حال ہے۔

سلار بخش : یہ نہ کہیے۔ یوں کہیے کہ چاہے قصور نہ معاف ہو مگر بتا تو دیجیے کہ کون سا قصور سرزد ہوا۔

وکیل : معاف نہ کریں تو فائدہ۔

سلار بخش : فائدہ! فائدہ یہ کتنا بڑا ہے کہ پھر کبھی وہ قصور نہ سرزد ہو گا۔ بولیے۔ اور جو قصور معاف ہوا اور آپ سے پھر وہی خطا ہوئی، پھر روٹھ جاویں گی۔ گتھی کو سلجھانا آپ نہیں جانتے۔ آپ صرف بات بڑھانا جانتے ہیں۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔

وکیل : ہاں ہے تو بات عمدہ، مگر جو قصور بتا دیا اور معاف نہ کیا، تو خالی خولی بتانے سے کیا فائدہ۔

سلار بخش : ہائے ہائے! میاں تم وکالت کیا خاک کرتے ہو۔

اس فقرے پر جوگن ہنس پڑی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وکیل : شکر ہے شکر ہے۔ سلارو بات تو تم نے کسی قدر سخت کہی تھی مگر بی شبّو کو روتے سے ہنسا دیا، اس سبب سے تم کو ہم نے چھوڑ دیا۔

راوی : (کسی قدر) کے لفظ نے بھڑکا دیا اب اور کیا گالیاں دیتا۔

وکیل : بی شبّو جان صاحب ذری اِدھر دیکھیے۔

وکیل نے بڑی منّت و سماجت کی کہ اگر ہم سے کوئی قصور سرزد ہوا ہو تو معاف کردو مگر ہمیں اس قدر تو بتا دو کہ کون سا ایسا قصور ہوا جس کے سبب سے آپ خفا ہو گئیں۔

جو : اللہ جانتا ہے اس بات پر نہیں روئی۔ ہمیں خدا جانے اس وقت کیا یاد آیا۔ دل ہی تو ہے۔ تم تردّد نہ کرو۔ تم نے رات کو سونے کو جگہ دی۔ کھانا کھلایا۔ دل جوئی کی۔ میں تم سے بھلا کیوں خفا ہونے لگی۔ کوئی بات بھی ہو نہ۔ جب، یا یوں ہی آپ ہی آپ خفا ہو جاؤں گی۔

وکیل : (ہاتھ جوڑ کر) زر خرید غلام ہوں۔ مگر:

ہر دم آزدگی غیر سبب راچہ علاج
ما گر شتیم ز لطفِ تو غضب راچہ علاج

جو : ہم ناخواندہ ہیں۔ عورت ذات، فارسی کیا جانیں۔

وکیل : ایک ایک ادا پر عاشق ہوں۔ بس اتنا سمجھ لیجیے۔

سلارو بخش : دو دو۔ حضور ایک ایک نہیں بلکہ دو دو۔

وکیل : کیا؟ تو کیا بکتا ہے۔ دو دو کیا معنی؟

سلار بخش : حکم ہے ہمیں کہ ہم ایک کہیں تو تم دو کہو۔ ہے کہ نہیں؟

اتفاق سے اس روز وکیل کے نام ایک منی آڈر آیا۔ بیس [20] روپیہ کا منی آڈر۔ اس کے ساتھ ہی ایک خط بھی تھا، جس میں یہ عبارت درج تھی۔

لفافہ بعونہ الخ

بشرف ملاحظہ مخدوم و مطاع بندہ میرزا صادق علی صاحب ایجنٹ مال بگڈرو۔

خط۔ اجی حضرت آداب۔ مزاج مقطع۔ یار تمھاری دوستی بھی کچے (سوت) کا ڈورا ہے۔ میاں اور نہیں ہماری فرمائشوں ہی کی تعمیل کر دیا کرو۔ بیس روپیہ کا منی آڈر بھیجتا ہوں۔ چلیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آپ کا قرضہ ادا ہو گیا۔ اب سینئے کہ لالہ جگن مل کو ایک بمبو کا رٹ چاہیے۔ اگر پچاس تک ملے تو خرید لو دام فوراً بھیج دیں گے، مگر تم سے امید نہیں۔ یہاں جو آتا ہے تمھاری شکایت کرتا آتا ہے۔ کوئی تو کہتا ہے کہ خللِ دماغ ہے، کوئی کہتا ہے انھیں پاگل خانے کب تک بھیجیے گا۔ یہ تم کو ہو کیا گیا۔ اور وہ آپ کے سالار بخش تو بے ادبی معاف آپ کے بھی چچا ہیں: ع

وزیرے چنیں شہر یارے چناں

سنا آج کل آمدنی ٹکا بھی نہیں ہے۔ پھر آخر بسر کیوں کر ہوتی ہے، ایک شخص نے کہا صاحب جائینٹ مجسٹریٹ سے آپ بھڑ پڑے تھے۔ یہ تم کو سوجھی کیا آخر۔ کوئی اہل کار رشوت نے چاہے جبر کرے، آپ کوئی خدائی فوجدار ہیں۔ واللہ اس محرر نے بڑی انسانیت کی، ورنہ آپ دھر لیے جاتے۔ رونیو ایجنٹی رکھی رہتی، اور ڈپلوما بھی تشریف لے جاتا۔

ہاں خوب یاد آیا، اور یہ آپ نے سر رشتہ دار سے کیوں عداوت پیدا کرلی۔ اے لعنتِ خدا۔ یا تم کو جنون ہو گیا ہے۔ فصد کے بغیر اچھے ہوتے نہیں نظر آتے۔

منشی نعمت خاں صاحب بندگی عرض کرتے ہیں اور آپ کی شان میں یہ شعر لکھتے ہیں:

ا آدمیت اور شے ہے، علم ہے کچھ اور چیز
لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا (فقط)

جو: ایں! ہم تو وکیل سمجھتے تھے۔ رونیو ایجنٹ نکلے۔ ایں گلِ دیگر شگفت۔ اب تو آب کی قلعی کھل گئی۔ بس۔

ایجنٹ نے بیس روپیہ کا نوٹ پایا تو جامے میں پھولے نہیں سمائے۔ سوچے کہ پانچ چھ روز خوب گلچھرے اڑائیں گے۔ اس خط کا جواب اپنے دوست کو یوں لکھا۔

"مشفقی": بندگی۔ بیس روپیہ کا نوٹ میں نے پایا۔ شکر ہے کہ تم نے ہمیں یاد تو کیا۔

راوی: کیا خوب۔ ان کے لیے (تم نے) اور اپنے لیے (ہمیں)

"باقی جو کچھ لکھا ہے جھک مارا ہے، اور آیندہ ایسا لکھو گے تو نالش داغ دوں گا۔ مجھے کوئی ایسا ویسا وکیل نہ سمجھیے گا۔ اور آیندہ خط لکھیے تو ان الفاظ کا استعمال نہ ہو۔ ہاں بلیشک ہم سر رشتہ دار سے لڑ پڑے۔ ہم کسی کو سمجھتے کیا ہیں۔ ہم خوشامد نہ کریں گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کسی کی۔ کیا مجال اور صاحب سے بھی ہم لڑ پڑے تھے۔ کبھی ان کا وار چلتا ہے کبھی ہمارا۔ ہم کو کہا کہ موٹے آدمی ہو اور تمھاری عقل بھی بھدّی ہے۔ ہم نے فرمایا کہ "____"

راوی : کیا خوب آپ نے فرمایا اور حاکم نے عرض کیا۔

" ہم نے فرمایا کہ تم چھوٹے آدمی ہو، اور تمھاری عقل بھی چھوٹی ہے۔

" ہم کو آپ نے کیا سمجھ کر ایسا لکھا کہ پاگل ہو، اور فصد لو____ لوگ یوں کہتے ہیں اور دوں کہتے ہیں۔

راوی : حضرات ناظرین اس چیستاں کو ابھی نہ سمجھ سکیں گے مگر ہم بہت جلد کل امور پوست کندہ معرض بیان میں لائیں گے اور ان حضرات کی ساری داستان کہہ سنائیں گے۔

" بس آئندہ اگر ایسے خطوط آئے تو بگاڑ ہو جائے گا ہماری شان کے خلاف کوئی کلمہ زبان پر نہ آئے۔ آج سے ہم کوئی ایسے وکیل نہیں ہیں۔

راوی : جی آپ کی وکالت کی دھوم ہے۔

" اور اگر پھر کبھی ہم کو خبطی بنایا، یا کوئی کلمہ ہماری شانِ وکالت کے خلاف لکھا تو آیندہ : ع

الفظ ہے قلم کی دوستداری

راقم مولوی مرزا صادق علی بیگ وکیل۔

راوی : صاحب کا لفظ نہ آگے بڑھا دیا۔

جو : یہ دوسرا خط کہاں سے آیا ہے۔

وکیل : کلکتہ سے ایک مہاجن نے بھیجا ہے۔

سلار بخش : قرضے کا تقاضا کیا ہوگا۔

وکیل : (برافروختہ ہو کر) کیا؟

سلار بخش : کچھ نہیں۔

وکیل : قرضہ کیسا؟

سلار بخش : مہاجن نے آپ سے قرض کیا تھا۔ (مسکرا کر) یاد ہے۔

وکیل اپنے دل میں سخت نادم ہوئے کہ میں نے مہاجن کا نام کیوں لیا۔ شبّو کے دل میں کھپ گئی ہو گی، کہ یہ قرض دار ہیں۔ اس مردک سلارو کو سوجھی کیا، کہ واہی تباہی بک دیا۔ ہم تو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہتے ہیں مہاجن کا خط آیا ہے جس میں شبّو سمجھیں بڑے بڑے مہاجنوں سے ان کا یارانہ ہے، اور یہ کہتا ہے کہ میاں قرضے کے تقاضے کا خط ہوگا۔

وکیل : سلار بخش نیچے سے چارپائی اٹھالاؤ۔

سلار بخش : لے آؤں گا۔ ذرا پیاز کتر لوں۔

وکیل : پھر کتر لینا۔

سلار بخش : نہیں سب خراب ہو جائے گا۔

وکیل : (جھلّا کر) آپ کی بلا سے۔

وکیل صاحب چاہتے تھے کہ سلار بخش کو نیچے لے جاکر خوب میٹیں، اسی لیے کہا تھا کہ چارپائی لے آؤ۔ اور سوچے تھے، کہ نیچے گیا اور دُم کے ساتھ ہم بھی پہنچے۔ مگر وہ ایک ہی کائیاں پہلے ہی سمجھ گیا۔

وکیل : جاؤ لے آؤ۔

سلار بخش : تو لاؤں کیا۔ بتائیے کیا لاؤں۔

وکیل : چارپائی۔

سلار بخش : چارپائی تو اوپر بچھی ہے۔

وکیل : اچھا جھاڑو لاؤ۔

سلار بخش : جھاڑو اب اس وقت کیا ہو گی؟

جو : ایک جھاڑو چھوئی تو سردی میں نہانا پڑا، اب دوسری جھاڑو پھر چھوؤ گے۔

وکیل : آپ اس بات میں نہ پڑیے۔

سلار بخش نے کہا، بیوی لے دیکھتی جائیے ہم نے کچھ کہا نہ سنا، اور یہ ہم کو لے جاکر پیٹنے پر آمادہ ہیں۔ آپ ذری یہاں آن کر کھڑی ہو جائیں، تو جو کچھ کہیں، میں اٹھالاؤں نیچے سے۔ یا ان کو جانے دیجیے۔ بس دو ہی باتیں۔ یا یہ آپ کے پاس رہیں۔ یا آپ یہاں آن کر ان کو روکیے۔

جو : آخر اس نے اس وقت کیا کہا، جو دانت پیس رہے ہو کھڑے۔ اس وقت تو کوئی کام بگاڑا بھی نہیں۔ بے کار بے کار کو آدمی کو چھیڑنا، آپ کی بھی کیا حرکتیں ہیں۔ کیا مانگتے ہو۔ بولو۔ کیا کیا چاہیے کیا۔ میں لا دوں جا کے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سلار بخش : نہ بیوی۔ ایسا غضب بھی نہ کرنا کہیں تم نیچے گئیں اور انھوں نے بخار نکالا مجھ پر۔

شب کو بھٹیاری کی چارپائی شبّو کے لیے منگوائی گئی، اور انھوں نے آرام کیا۔ جب مرغ نے ککڑوں کوں کی بانگ دی، وکیل صاحب سمجھے، کہ تڑکا ہے۔ لحاف ہی کے اندر پڑے پڑے شبّو کو آواز دی۔

وکیل : (لحاف کے اندر سے) بی شبّو جان۔

بی شبّو جان صاحب (اپنے دل میں سوتی ہیں ابھی۔ پھر جوانی کی نیند تو مشہور ہی ہے۔ اچھا سونے دو۔ اب تو انشاء اللہ ہم اور یہ میاں بیوی کہلائیں گے۔ انشاء اللہ سہرا بندھے، اس اٹھوارے میں، اور گھوڑے پر سوار ہوں۔ ہم اسی اٹھوارے میں نوشاہ بنیں تو سہی میاں سلارو۔ ارے سلار بخش کیا سانپ سونگھ گیا۔ چلو اٹھو حقّہ بھرو۔ جلد لاؤ حقّہ۔

سلارو ان کی باتیں سنتا جاتا تھا، مگر عمداً مست مارے پڑا تھا۔ وکیل نے پھر للکارا۔ اٹھتا ہے یا میں اٹھوں پھر۔ ایسے خدمتگار ہم نے نہیں دیکھے کہ جب آقا ان کو جگائے تب بیدا ہوں۔ خدمتگار کے یہ معنی کہ تڑکے گجر دم اٹھے۔ پانی بھرے۔ حقّہ تازہ کرے۔ نہ کہ میاں جگائیں، اور نوکر کی آواز تک نہ نکلے۔ جواب تک نہ دے۔

مگر ابھی تک لحاف سے منھ نکالتے۔ لحاف ہی میں سے للکار رہے ہیں۔ سلارو نے انگڑائی لی اور دور سے اون اون کی آواز آئی، تو انھوں نے کہا، کیا بڑے رئیس کے بچے بنے ہیں۔ ابھی انگڑائی ہی لے رہے ہیں۔

سلار بخش : کیا بک لگائی ہے۔ میاں ابھی تین تو بجے نہیں اور آپ غل مچانے لگے۔ واہیات بات!

وکیل : (جھلّا کر) ادنا بکار۔ اٹھ تو ذرا۔ ارے تڑکا ہو گیا۔ لٹ گئے ہم۔

سلارو : (گھبرا کر) کیوں، کیوں۔ کیا ہوا کیا چوری ہو گئی۔

وکیل : اٹھے گا بھی یا لیٹے لیٹے باتیں بنائے گا۔

سلارو : تو حضور میں سردی میں اٹھ کر کیا کروں۔ اگر چوری ہوئی ہے تو میرے اٹھنے سے چور واپس نہ آئے گا۔ پھر بھلا مجھ کو سردی میں کیوں دق کرتے ہو۔ بھائی جان۔

وکیل آگ ہو گئے۔ ایک تو اٹھتا نہیں دوسرے غرّاتا ہے۔ اور گفتگو تو سنیے آقا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے کہتا ہے اتنا کیوں بکتے ہو۔ اب اٹھنے سے کیا فائدہ۔ چور واپس آنے سے رہا۔ آخر میں آقا کے لیے بھائی جان کا لفظ بھی کس قدر بھی موزوں ہے۔

وکیل نے آن کر ایک لات لگائی، تو سالارو اٹھ بیٹھے۔

سالار بخش : وہ چور لے گیا ہوگا۔ ہے کیا آپ کے پاس جو چور لے جاتا۔

وکیل : ارے کمبخت ادھر آ۔ دیکھ یہ جگہ خالی پڑی ہے۔

سالارو : اے شبّو جان صاحب۔ اجی شبّو جان صاحب! اے بی شبّو جان کدھر گئیں۔ ذرا دیکھیے تو۔

وکیل : ہمارے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

سالارو : آئیے گھر بھر میں دیکھیں۔

وکیل : بی شبّو جان صاحب۔ بس اب چلی آئیے۔ یہ دل لگی بازی ہم کو پسند نہیں۔ بس اب دل لگی ہو چکی۔

وکیل اور سالارو نے گھر بھر میں تلاش کی، مگر شبّو جان کا پتہ ہی نہیں۔ وہ بوئے گل کی طرح رواں ہو گئی تھیں۔ پھر شبّو تو تھیں ہی۔

وکیل : سالارو۔

سالارو : حکم خداوند۔

وکیل : (آبدیدہ ہو کر) ہماری قسمت۔

سالارو : پھوٹ گئی خداوند۔ آپ کی قسمت پھوٹ گئی۔

وکیل : پھر اب۔

سالارو : کیا عرض کروں حضور۔

وکیل : گھر بھر میں تلاش کر چکے نہ تم۔

سالارو : ہاں خداوند۔ اور تو سب کچھ دیکھ چکا۔ مگر اب بس ایک بدرو باقی ہے، وہاں آپ جھانک لیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عیدالاضحیٰ کی تیاریاں

عیدِ قرباں ہے، یہی دن تو ہے قربانی کا
آج تلوار کے مانند گلے مل قاتل

عیدِ سعید کے ایک دن قبل عروسِ ماہ سیما، حسن آرا اور خاتونِ رنگین ادا، سپہر آرا پردہ کراکر مصروف گلگشت چمن، و تماشائے نسرین و نسترن تھیں کہ اتنے میں ایک دربان نے مہری کو پکار کر کہا، عباسی ذرا پردہ کر دو، سواریاں اتریں گی۔

سپہر: لو باجی گیتی آرا اور جہاں آرا بہن آگئیں۔

حسن: چلو جلدی سے پردہ کرو۔

دونوں بہنیں طرارہ بھر کے مکان کے اندر ہو رہیں۔ بگھی کھڑکھڑاتی ہوئی احاطے میں آئی، اور پھاٹک کے قریب ٹھہری۔ کوچبین اور دربان اور سپاہی الگ ہٹ گئے۔ پہلے نواب صاحب گاڑی پر سے اترے۔ اس کے بعد مہریوں نے چاروں طرف پردہ کر لیا۔ جہاں آرا بیگم اور گیتی آرا بیگم بدن کو چرائے، ناز و انداز سے قدم اٹھائے، چھم چھم کرتی ہوئی اندر تشریف لے گئیں۔ حسن آرا اور سپہر آرا سے ملیں اور سب کی سب مل کر بڑی بیگم صاحب کے پاس گئیں۔

گیتی آرا: آداب عرض ہے امی جان۔

سپہر: امی جان بندگی۔

بڑی: جیتی رہو۔ ممتاز دولھا نہیں آئے کیا؟

گیتی: آئے تو ہیں۔

سپہر: اسباب دسباب اترواتے ہوں گے، گاڑی پر سے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی : روح افزا کی آنکھیں ڈھونڈھتی تھیں تم دونوں کو۔

جہاں آرا : امی جاں پارسال حسینؑ کا تیجا کر کے کوئی دوسرے دن ملی تھیں، ہم سے، مگر وہاں ان سے ملنے کو البتہ کوئی ———— کے برس ہوئے ہوں گے (گیتی آرا کی طرف مخاطب ہو کر)

گیتی : اے کوئی ڈیڑھ برس ہو گا۔

اتنے میں نواب ممتاز علی خان بہادر جہاں آرا بیگم کے شوہر بھی آئے۔ بڑی بیگم صاحب کی خدمت میں ادب آداب بجا لائے۔ انھوں نے دعا دی۔ پاس بٹھایا۔ باتیں کیں۔ ایک فراخ کمرا جو فرش و فروش مکلّف سے آراستہ تھا ان کے لیے تجویز کیا گیا۔ دو گھڑی دن رہے حضور بیگم صاحب نے مہری کو حکم دیا کہ مالیوں سے کہو مہندی توڑ کر بھیجیں۔ مگر پتّی پتّی الگ ہو۔ سر شام ہی آجائے۔ مہری نے تعمیل کی مالی جھٹپٹے وقت جھوے میں مہندی لے کر ڈیوڑھی پر حاضر ہوا۔ عباسی مہری باہر آئی۔ مہری لگن لے آئی۔ جب لگن میں مہندی بھر چکی تو مالی نے کہا بڑی بیگم صاحب کو دعائے دولت پہنچا دو، کہ حضور گنگا دین مہندی توڑ لایا۔ عباسی بیگم صاحب کے پاس لگن لے گئی آداب بجالائی اور کہا حضور مہندی حاضر ہے۔

بڑی : پتّی پتّی الگ ہے ... ڈنٹھل تو نہیں ہے۔

مہری : جی نہیں حضور۔

بڑی : خواصوں کو حکم دو کہ اچھی طرح دیکھ لیں۔ کوئی کیڑا ویڑا نہ ہو۔ اور دھو کر پیش خدمتوں کو دیں کہ وہ خوب باریک سرمہ سا پیس لائیں۔ آج نو بجے لڑکیوں کے ہاتھوں میں لگائی جائے گی۔ بی مغلانی ذری سوہا ہاتھ باندھنے کے لیے ہمارے توشہ خانہ سے نکال لینا۔ خوش رنگ ہو اور لچکا ٹکا ہو۔

سب حکم کے مطابق چلیں۔ اور اپنے اپنے کام میں مصروف ہوئیں۔ بڑی بیگم صاحب نے دونوں کو حکم دیا کہ عطر کے کنٹر اور خوشبودار تیل لے آؤ۔ شام کے وقت منشی نثار حسین صاحب کے کارخانہ سے عطر کے کنٹر اور تیل لاکر بیگم صاحب کی خدمت میں بھیجے۔

مہری : روتے یہ کنٹر لائے ہیں پسند کر لیجیے۔

بڑی : جہاں آرا پسند کرو۔

جہاں آرا بیگم نے ہر طرح کے عطر کو سونگھ کر کہا، امّی جان ہمیں تو یہ پسند ہے۔ کیتکی کا عطر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیسی نازک اور بھینی خوشبو ہے۔ حنا کا عطر بھی اچھا ہے مگر بہت تیز ہے۔

بڑی: اچھا کیتکی کے عطر کا کنٹر رکھ لو تم بھی پسند کرو۔ گیتی آرا۔

گیتی: ہم تو موتیا عطر لیں گے۔

بڑی: دونوں کنٹر رکھ لو باقی پھیر دو۔

اتنے میں آٹھ بجے اور نورن نے آکر عرض کیا کہ حضور خاصہ تیار ہے۔ حکم ہو نکالو۔ پیش خدمتیں اور خواصیں حکم پاتے ہی اٹھیں۔ باورچی خانے گئیں۔ خوانوں میں رکابیاں اور قابیں لگانی شروع کر دیں۔ ایک خوان میں پیالے لگائے۔ کسی میں شیرمال اور پراٹھے کسی میں دوغ اور کباب و پلاؤ وغیرہ۔ کسی میں اچار مربا۔ خوانوں پر کھانچے ڈھکے۔ اور خوان پوش ڈھانپ کر عرض کیا، حضور کھانا نکالا گیا۔ خواصیں سلفچی آفتابہ لائیں۔ ہاتھ دھلایا، ایک خواص نے دسترخوان بچھایا۔ دوسری نے دسترخوان کے چاروں طرف اِکّے روشن کیے۔ پیش خدمتوں نے دسترخوان پر پیالے چننے شروع کیے۔ جب چن چکیں تو آداب بجا لائیں۔ اور ہٹ گئیں۔ آبدار خانے والی صراحی اور گلاس لے کر باادب کھڑی ہوئی۔ سب نے بسم اللہ کہہ کر کھانا تناول فرمانا شروع کیا۔ جہاں آرا بیگم اور ان کے شوہر باوقار علیحدہ کمرے میں کھانا کھاتے تھے۔ قابوں میں پلاؤ تھا۔ کسی میں کوکو پلاؤ۔ کسی میں زیر بریانی۔ کسی میں قند کے چاول، کندن قلیہ، مرغ پلاؤ، شامی کباب، تلی اردیاں، مربہ، اچار، اچار چاشنی دار بیج کی سراکا۔ نورتن چٹنی انواع و اقسام کی اغذیہ لذیذ چنی ہوئی۔

سپہر: آج پلاؤ میں ذرا نمک کم کر دیا ہے۔

حسن: ذری کندن قلیہ چکھیے۔

گیتی: زیر بریانی خوب خوش ذائقہ پکّی ہے اس میں سلونا پن ہے۔

سپہر: شامی کباب۔

بڑی: پلاؤ میں ذری نمک کم ہے اور تو سب ہمیں پسند ہے۔

گیتی: یہ اچار کہاں کا ہے امی جان۔

بڑی: بیج کی سراکا۔

گیتی: آج کیا جانے کتنے دن بعد امی جان کے ساتھ کھانا کھایا۔

حسن: جی ہاں جہاں آرا بہن کبھی کبھی خط لکھتی بھی تھیں، مگر آپ نے وہ سون کھینچی کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

توبہ ہی بھلی۔

اب سنیئے کہ ادھر تو یہ تینوں بہنیں بڑی بیگم صاحب کے ساتھ کھانا کھاتی تھیں، ادھر نواب صاحب اور جہاں آرا بیگم میں مزے مزے کی باتیں ہوتی جاتی تھیں۔

نواب : بڑی خوش خور ہیں آپ کی امّی جان صاحب۔

جہاں : ہئی ہیں۔

ن : دریں چہ شک۔

جہاں : اے آخر یہ کیوں۔ یہ کاہے سے کہا آپ نے۔

ن : اور تو خیر، مگر پلاؤ ماشاء اللہ خوب پکّا ہے۔ آب و نمک کتنا درست ہے۔

جہاں : (مسکرا کر) یا الٰہی بندہ بشر ہے۔ ذری نمک کم ہو گیا تو طعنے دینے لگے۔ آپ کا باورچی سو بار مر کے بھی زندہ ہو تو ایسا کندن قلیہ نہ پک سکے۔

ن : (ہنس کر) ہم تو اس پلاؤ پر عاشق ہیں۔

جہاں : چلو بس بہت باتیں بنانے کو رہنے دو۔

ن : زیر بریانی خوش ذائقہ ہے۔ اور اچار تو ایسا ہم نے کبھی نہیں کھایا تھا۔ ایمان کی بات ہے۔

جہاں : یہ دلّی سے آیا ہے حسین بخش کے ہاتھ کا اور آم کا اچار بیچ کی سرا کا ہے۔

ادھر بڑی بیگم صاحب نے حکم دیا کہ کھانا بڑھاؤ۔ مغلانیوں نے خوانوں میں قاب اور رکابیاں لگا کر کھانا بڑھایا۔ ایک پیش خدمت دسترخوان اٹھا کر لے گئی۔ ایک خواص آفتابہ لائی۔ دوسری بیسن دانی لیے کھڑی تھی پہلے بیگم صاحب نے گرم پانی سے ہاتھ دھویا۔ اس کے بعد لڑکیوں نے۔ خواص نے دست پاک حاضر کیا۔ ہاتھ پونچھے۔ خواصوں نے پاندان کھولا اور خاصدان میں گلوریاں رکھ کر سامنے کیا۔ ٹھنڈی خانے والی پیچوان تیار کر کے لائی۔ بیگم صاحب پلنگڑی پر لیٹ کر مشکبو اور دھواں دھار پیچوان پینے لگیں۔

اتنے میں جہاں آرا بیگم بھی آئیں اور چاروں بہنیں علیحدہ کمرے میں جا کر باتیں کرنے لگیں۔

بڑی : مہندی پس کے تیار ہوئی۔

مغلانی : حاضر ہے حضور۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی : لڑکیوں کو بلاؤ۔

مغلانی : بہت خوب۔

مغلانی نے جا کر کہا۔ بیگم صاحب یاد فرماتی ہیں۔

مغلانیوں نے دونوں نا کتخداؤں کے ہاتھوں میں پہلے مہندی لگائی اور ہتھیلی پر چھلّا رکھ کر ارنڈ کے پتّے لپیٹ دیے۔ ان پر سوہا لپیٹا اور زربفت کا حنا بند باندھا۔ پھر جہاں آرا اور گیتی آرا کے ہاتھوں میں مہندی لگائی اور اسی طرح ارنڈ کے پتّے اور سوہا لپیٹ کر اطلس کا حنا بند باندھا۔

جہاں : بی مغلانی امّی جان کے ہاتھوں میں تو لگاؤ۔

بڑی : نہیں بس صرف پوروں پر۔

بی مغلانی نے بیگم صاحب کی دسوں پوروں پر مہندی لگائی۔ حسن آرا سپہر آرا نے ایک ہی پلنگڑی پر آرام کیا، پلنگڑی کے نیچے ایک مغلانی لیٹی رہی کہ حنا بند کھل نہ جائے۔

بڑی : دیکھو تم دیکھتی رہنا بچپنے کی نیند ہے۔

سپہر : نہیں امّاں جان۔ مجال ہے کھل جائے۔

حسن : اچھا تو بی مغلانی کو یہاں سونے دو نہ۔

گیتی : ہماری پلنگڑی بھی پاس ہی لا کے بچھا دو۔

گیتی آرا بھی بہنوں کے پاس ہی پلنگڑی پر لیٹیں۔

حسن : امّاں جان سے اب کی ہم لڑ لڑ کے عیدی لیں گے۔

گیتی : اور ہم، پار سال بھی۔ ہم یہاں نہیں تھے۔

سپہر : آپ کو تو کوئی تیسرا برس ہے کہ عید یہاں نہیں ہوئی۔

گیتی : ہاں تیسرا سال ہے۔ حسن آرا کہو وہ حال تو کہہ چلو۔

حسن : کہیں گے بہن۔

سپہر : عسکری نے ان کے ساتھ کیا جانے کب کی عداوت نکالی تھی جھوٹ موٹ لگا دی بس ان کی بری حالت خدا ناکردہ ہو گئی اور امّاں جان نے ہم دونوں سے بولنا تک ترک کر دیا تھا اور ادھر بہار النسا بہن نے امّاں جان کو بھرنا شروع کیا کہ حسن آرا اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محمد عسکری کی شادی ٹھہر جائے اور باجی جان کی یہ کیفیت کہ دن کو گریہ وزاری رات کو اختر شماری ایک باری اخبار میں کیا جانے کیا واہی تباہی چھپوا دیا۔ سب جھوٹی باتیں جن کا سر نہ پیر۔ وہ تو اللہ نے فضل کیا۔ ہے ہے ایک روز تو ایسی بری گھڑی۔

گیتی : ہم سن چکے ہیں۔ اب اس وقت ان باتوں کا ذکر نہ کرو۔ اف بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، سننے سے ہے ہے۔ اللہ ساتویں دشمن کو بھی ایسی گھڑی نہ دکھائے۔ ہم نے جس وقت سنا پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی۔ بس دھک سے رہ گئی، کہ اللہ یہ کیا ہوا۔

حسین : میں کس سے کہوں بہن، کہ میرے قلب پر کیسی گذرتی تھی۔

گیتی : اور یہ بہار النسا بہن کو کیا سوجھی، ان سے تو ہم کہہ چکے تھے۔

سپہر : کہنے لگیں ہم نے بھی اڑتی سی خبر پائی ہے۔

حسن : ہماری زندگی تھی کہ بے حیائی سے بچ گئے۔ ورنہ کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا، مگر بہن اتنا ضرور کہیں گے کہ وہ اپنی دانست میں ہمارے بھلے کے لیے کہتی تھیں۔

گیتی : اور نہیں تو کیا کچھ دشمن تھوڑا ہی ہیں تمھاری۔

حسن : اور نواب دولھا نے جو لکھا تھا کہ ہم آئیں گے۔

گیتی : اے اسٹیشن تک تو آئے تھے۔ ہم کو پہنچا کے چلے گئے۔ امّاں جان سے تو کہہ دیا تھا ممتاز دولھا نے۔

سپہر : قسمیں دے کے لے آئی ہوتیں۔

گیتی : نہیں انھیں ایک ضروری کام تھا۔

جہاں آرا بیگم اپنے کمرے میں حضور نواب صاحب سے مزے مزے کی باتیں کرتی تھیں۔

ن : تمھاری سب بہنوں میں حسن آرا بیگم چشم بد دور بڑی نستعلیق ہیں۔

جہاں : ہوئی ہیں۔ اور آپ کی ہمشیرہ جان ایسی کی گانٹھ ساس سے دو گھڑی بھی نہیں بنتی۔ شادی کے دوسرے ہی مہینے ماں بیٹوں کی بخ چلوا دی۔

ن : بجا ہے۔ انھوں نے لڑوا دیا، وہ خود کٹ مری۔ لڑکے سے ان سے بنتی ہی کب تھی۔ اور تم اپنی بہار النسا کو بھول بھول جاتی ہو۔ خدا کی قسم ان کے میاں ہم سے کہتے تھے، کہ بھائی بعض اوقات ناک میں دم آجاتا ہے۔ ایک دفعہ کہہ بیٹھیں کہ تم ساس کاہے کو ہو تم تو میری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوت ہو۔ بھلا یہ باتیں کہیں شریفوں کی بہو بیٹیوں میں جائز ہیں۔ مگر ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ ہم کو فہمیدہ بیوی ملی اللہ جانتا ہے، جو بہار النسا کی سی بیوی ملتی نہ تو۔

جہاں : اے کیا باتیں کرتے ہو یہ ملتی وہ ملتی اب سونے دو تڑکے اٹھنا ہے۔ ذری سی مہندی تم بھی لگالو۔

ن : اجی ہٹاؤ بھی۔

جہاں : ہماری خاطر سے۔

ن : میں ان عورتوں کے جھگڑے میں نہیں پڑتا۔

جہاں : نہیں خدا کی قسم تم کو لگانا پڑے گی۔ میں نہ مانوں کی کسی صورت۔

ن : تم بھی ایک نیا رنگ لاتی ہو نا حق قسم کھا بیٹھتی ہو، بے سمجھے بوجھے۔

جہاں : پھر لگاؤ۔ اتنا ہمارا ہی کہنا کرو۔

ن تمھاری بھی عجیب ضد ہے۔ باہر جاؤں گا تو لوگ ہنسیں گے۔ یہ سنگار عورتوں کو زیبا ہے۔ یا ہم کو مفت میں نکّو بنواؤ گی۔

جہاں : اے واہ آج شبِ عید ہے۔ سب ہی لگاتے ہیں۔ ہاں جو آدمیت سے خارج ہیں۔ ان کی اور بات ہے (مسکرا کر)

ن : چلیے ہم آدمیت سے خارج ہی سہی۔

جہاں : واہ تو ہم کیوں کر مانیں۔ لے لگاؤ ہمارے سر کی قسم۔

ن : اچھا صاحب لاؤ، تمھاری خاطر منظور ہے۔ تم ضد ہی کرتی ہو تو ہم مجبور ہیں۔

جہاں : تو آدمی تو سب ہی لگاتے ہیں۔ جانور کا ذکر نہیں۔

ن : توبہ کچھ فرض ہے کہ جو نہ لگائے وہ جانور ہی بن جائے۔

نواب صاحب نے ایک ہاتھ میں تھوڑی مہندی ملی۔ اور کہا گرم پانی منگواؤ ہم دھوئیں گے۔

جہاں : واہ وا۔ چہ خوش، ابھی لگائی کیا تم نے۔ ملو تو اچھی طرح ورنہ اس سے تو نہ لگائی ہوتی

ن : لہو لگا کے شہیدوں میں داخل ہو گئے۔

گرم پانی سے تسلے میں ہاتھ دھو کر۔ نواب صاحب نے گلوریاں چکھیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم صاحب نے حکم دیا، کہ چار بجے ہمیں جگا دینا۔ پیش خدمتیں اور بی مغلانی ٹھیک چار بجے اٹھیں۔

مغلانی: (آہستہ سے پاؤں دبا کے) حضور؟

بیگم: (بیدار ہو کر) کئے بجے۔

مغ: حضور چار بج گئے۔

بڑی: حسن آرا اور سپہر آرا اور گیتی آرا کو جگا دو، اور ان کو بھی اٹھاؤ (جہاں آرا کو)

مغ: شمع لاؤ۔ لسلہ لاؤ۔

حسن آرا بیگم اور سپہر آرا کو جگایا۔ گیتی آرا بھی اٹھیں۔ مگر جہاں آرا ابھی خواب نازمیں ہیں خیر لگن میں ہاتھ کھولے گئے۔ پیش خدمتوں نے مہندی چھڑائی۔

حسن: بس اب چھوٹ گئی۔ پانی کا لوٹا لاؤ۔ گرم پانی کیا ہے یا نہیں؟

پیش خدمت: جی ہاں۔

سپہر: افوہ مثال آگ گرم ہے۔ ذری ٹھنڈا پانی ملالو۔

جب سب لڑکیاں ہاتھ دھو چکیں، تو بڑی بیگم صاحب نے حکم دیا کہ عطر کے کنٹر لاؤ۔ مغلانی دو شیشیوں میں عطر لائی۔ لڑکیاں شمع کے سامنے ہاتھ لے گئیں۔ مغلانیوں نے عطر ملا۔

بڑی: اے شمع کے سامنے ہاتھ نہ لے جاؤ۔ رنگ شرما جاتا ہے۔

حسن: بہت خوب (نزاکت سے ہاتھ ہٹا کر)۔

سپہر: اس بات کے تو ہم بھی قائل ہیں۔

گیتی: یہ تو ہے ہی۔ رنگ بیشک شرما جاتا ہے۔

حسن: جی ہاں۔ کیوں نہیں۔

بڑی: حسن آرا کاہے کو ماننے لگیں بھلا۔

گیتی: یہ نہ مانیں، امی جان ان کے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے۔

ایک مغلانی نے جا کر خواص سے کہا کہ جہاں آرا بیگم کو جگا دو۔ بیگم صاحب فرماتی ہیں کہ بیدار کر دو۔ جہاں آرا بیگم جوانی کی نیند کے نشہ میں متوالی ہو رہی تھیں۔ لاکھ لاکھ جگایا مگر انگڑائیاں لے لے کر کروٹیں بدلا کیں۔ بارے خدا خدا کر کے پانچ بجے آنکھ کھلی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خواص : حضور صبح ہو گئی۔

جہاں : اوئی سونے دو ذری۔

خواص : بیگم صاحب نے بھیجا ہے، کہ اٹھیے ہاتھ دھوئیے۔

جہاں : لوٹا اور سلفچہ منگواؤ۔

خواص : سب حاضر ہے۔

خواص نے حنا بند کھولا پتوں کو الگ کیا۔ مہندی لگن میں چھڑائی۔ ہاتھ پر پانی ڈالا۔ پیش خدمت دست پاک پیش کیا۔

جہاں : ہمارا صندوقچہ لاؤ۔ اور عطر نکالو۔

عطر ہاتھوں میں مل کر نواب صاحب کو جگایا، اور کہا دیکھو ہمارے ہاتھ میں مہندی کیسی رچی ہے۔

ن : دست نگارین چوم کر :

مہندی مل کر ہے چوٹ مرجان پر
ہاتھ لانا نگار کیا کہنا

جہاں : گھوڑے بیچ کر سوئے تھے۔ دیکھو خاصہ تڑکا ہے۔

ن : تڑکا نہیں بلکہ دھوپ نکل آئی۔ خدا جھوٹ نہ بلائے چار تو بجے نہ ہوں گے۔ ذرا حقہ منگواؤ۔

جہاں : اٹھ کے بیٹھو۔ عید ہے آج۔ لیٹے کیا ہو۔

ن : ہماری تو عید شب کو ہو گئی جلسے ہوں گے۔ دیکھیں گے۔

جہاں آرا بیگم منہ تو دھو ہی چکی تھیں۔ دوپٹہ سنبھال کر ادب کے ساتھ بڑی بیگم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور آداب بجالا کر بیٹھیں۔

بڑی : مہندی اچھی طرح لگائی تھی رات ؟

جہاں : جی ہاں امی جان مگر چھلا رکھنا بھول گئی۔

بڑی : بی مغلانی ممتاز دولھا کو بھی جگا دو۔

مغ : حضور اٹھے ہیں۔

عید کے بیش بہا جوڑے پہلے ہی سے تیار ہو گئے تھے۔ امیر کا گھر۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لاکھوں روپیہ کا اسباب، زیور، جواہرات، کپڑا، پوشاکیں، سب ہی کچھ تھا۔ مغلانیوں اور خواصوں اور نوکروں چاکروں کے لیے بھی ان کی حیثیت کے موافق جوڑے بنے تھے۔ بی مغلانی کی لڑکی پیاری کی آنکھ جو کھلی تو لحاف ہی کے اندر سے پکارا کہ حضور ہمارا جوڑا اب نکلوا دیجیے تو ہم پہن لیں۔

مغ: ایں! اے واہ! ہے ابھی لحاف ہی کے اندر پڑی ہے اور جوڑے کی فرمائشیں ہونے لگیں۔ اٹھو بیٹیا۔ بڑی حضور کو آداب بجالاؤ۔ اور سب کو بندگی کرو۔ نہاؤ منھ ہاتھ دھوؤ۔ تو پہنو۔ یہ گھبراہٹ! کچھ ٹھکانا ہے۔

سپہر: پیاری کے لیے کچھ بنا ہی نہیں اب کی۔

پیاری: واہ ہم سے بڑی بیگم صاحب نے فرمادیا ہے۔ آپ ہم کو جھٹلاتی ہیں ہمیں سب معلوم ہے۔

گیتی: (آہستہ سے) پہلے میاں تو کوئی تجویز کرو، پھر جوڑا پھڑکانا۔

پیاری: حضور بہتیرے ہو جائیں گے۔

اس بھولے پن کے ساتھ پیاری نے یہ فقرہ کہا کہ چاروں بہنیں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ بڑی بیگم صاحب نے پوچھا کیا ہنسیں؟ سپہر آرا بولیں کچھ نہیں اماں جان اس پیاری کی باتوں پر ہنسی آئی۔ ہزار داستان کی طرح چہکتی ہے۔

حسن: اب اٹھتی ہے لحاف سے کہ نہیں۔

پیاری: حضور ہمیں تو سردی معلوم ہوتی ہے۔

سپہر: ہاں! اچھا تو ٹھنڈا ٹھنڈا پانی ڈالیں۔ تب اٹھے گی۔

پیاری: اے ہے نہیں بیوی۔ لوییں اٹھ بیٹھی۔ اب جوڑا لائیے۔

سپہر: اچھا گاؤ تو جوڑا دیں۔

پیاری: پہلے لائیے یا مقبولہ کیجیے۔

سپہر: بڑی ایک ہے۔

مغ: اے تو گھبراہٹ ایسی کیا ہے بیٹی۔ حضور حکم دیتی ہیں گاؤ گاتی کیوں نہیں۔

جہاں: مگری ہوتی جاتی ہے دن بدن۔

پیاری: آج عید کی صبح ہے آج نہ کچھ کہیے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس فقرے پر بھی ایک فرمایشی قہقہہ پڑا۔ مگر بڑی بیگم صاحب کو خبر ہی نہیں کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ وہ اسی پھیر میں تھیں کہ آج کس کس قسم کا پلاؤ پکے۔ کباب کے طرح کے ہوں۔ تنگی کس سے پکوائیں۔ لڑکیوں کو عیدی کیا دیں۔ ممتاز دولھا برسوں کے بعد آئے ہیں، اور عید پڑی۔ کبھی یہاں تھے نہیں۔ ان کو عیدی کتنی اشرفیاں دیں نوکروں اور روتوں اور مالیوں اور چاکروں اور اصیلوں مغلانیوں، پیش خدمتوں خواصوں مہریوں کو کیا انعام دیا جائے۔ الغرض انواع و اقسام کے خیالات ان کے دل میں جاگزیں تھے۔

لڑکیوں کو اس سے کوئی واسطہ نہ تھا کہ کس کو کیا دیں۔ صبح عید کی خوشی تھی جہاں آرا اور گیتی آرا حسن آرا سپہر آرا برسوں کے بعد ملی تھیں۔ اور بشاش تھیں کہ سب ہنس مل کر خوش روزہ کریں گے۔

حسن : اب ذری اور دن چڑھے تو مہتابی پر چل کر دریا کی سیر دیکھیں۔ چلو گی بہن؟

جہاں : ضرور ہزار کام چھوڑ کے۔

گیتی : مگر بے پردگی نہ ہوگی۔ ممتاز دولھا کو اس کی بڑی چڑھ ہے۔ ریل پر لائے تو اس طرح کہ بس اللہ جانتا ہے۔ دم گھٹ جاتا تھا اور مجال کیا کہ بچہ تک بول سکے۔

جہاں : مجھے تو وہاں پر غصہ آیا جہاں ریل ٹھہری تھی۔ دو چوکیوں کے بعد کہتی ہوں کہ پیاس لگی ہے۔ صراحی میں پانی نہیں ہے۔ کہتے ہیں یہاں نہ بولو۔ ایک ملاقاتی کھڑا ہے۔ آگے چل کے پانی مل جائے گا۔

گیتی : ہاں وہاں دونوں میں خوب ہوئی۔

حسن : اب دیکھیے ہم بھی ایک دن لڑا دیں گے۔

جہاں : شاباش۔ چھوٹی بہنیں ایسا ہی کرتی ہیں۔

حسن : ہاں خوب یاد آیا۔ یہ تو کہنا بھول ہی گئے تھے، جب بہار النسا بہن یہاں آئیں، تو خورشید دولھا بھی آئے تھے۔ یہاں کوئی مہینہ بھر رہے۔ تو پہلے دن بڑی دل لگی ہوئی مگر کہیں کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اف چاہیے تو نہیں تھا ہم کو روح افزا بہن نے مجبور کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہم چپکے چپکے بہار النسا بہن اور دولہا بھائی کی باتیں سننے لگے۔ اس وقت دونوں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ دروازے سب بند تھے۔ مگر آواز آتی تھی۔

جہاں: اچھا! یہ کہو۔ اب ہمارے بھی کان ہوئے۔

سپہر: نہیں باجی اب روز روز کیا۔ ایک دفعہ کہیں چھینکنے کی حرکت ہوگئی۔

بیگم صاحب صفائی اور فرش فروش اور تنکی اور پلاؤ اور انعام اور جوڑوں کی فکر میں غلطاں پیچاں تھیں۔ حکم تھا کہ آج کوئی تیل یا مردے' یا جنازے' یا تابوت کا لفظ زبان پر نہ لائے۔ کوئی چھینکنے نہ پائے۔ یا الٰہی ضعیف الاعتقادی بھی تو کتنی۔ بات کرتے زبان اور چھینکتے ناک کٹتی ہے۔ خدا کرے۔ مغلانیاں اور پیش خدمتیں ادب کے ساتھ حکم کی تعمیل میں مصروف تھیں۔ خواصیں بھی ڈر رہی تھیں کہ کہیں ناک سے چھینک یا زبان سے کوئی کلمہ بد نہ نکل جائے' تو بڑی بیگم صاحب بد دماغ ہو جائیں۔

بڑی: کل شام کو جو باتیں ہم نے سکھائی تھیں یاد ہیں۔

مغلانیاں: ہاں حضور۔

خواصیں: کیا مجال جو ان باتوں کے خلاف کریں۔

پیش خدمتیں: سب یاد ہیں حضور۔

عباسی مہری: حضور برسوں سے ہیں اس سرکار میں۔ کیا اتنا بھی نہیں جانتے۔

حسن: اماں جان بیا بانی کی ڈومنیوں کو بلایا ہے۔

بڑی: ڈومنیاں حاضر ہوں گی فوراً۔ آج انھیں کی تو عید ہے۔ انعام لینے نہ آئیں گی کیا۔ اب ذری دھوپ نکلے تو نہاؤ۔ حمام کرو۔ کپڑے پہنو۔ ڈومنیاں وومنیاں سب آپ ہی حاضر ہوں گی۔

اتنے میں روتّا نے عباسی مہری کو پکارا اور وہ جمکتی ہوئی باہر گئی۔

روتّا: وہ کنٹر جو ہم کل لائے تھے' ان میں سے جو پسند ہو وہ رکھ لو۔ اور جو پسند نہ ہو وہ واپس کر دو۔

مہری: ہم لانے تھے! میں لایا تھا نہیں کہتا' آج عید نہ ہوتی تو نکلوا دیتی کھڑے کھڑے۔

بڑی بیگم صاحب کے ہاں چھ مہینے ادھر کل مغلانیاں مہریاں اور خواصیں بوڑھی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عورتیں تھیں، مگر یہ عباسی مہری جو کوئی ایک مہینے سے نوکر ہوئی تھی، نوجوان اور بلا کی حسینہ تھی۔ جوانی اور جوبن پھٹا پڑتا تھا اور شوخی ایک ایک رگ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ حسن آرا بیگم اور سپہر دونوں اس کے ساتھ عنایت سے پیش آتی تھیں۔ گو عباسی نوکر تھی، مگر ہنجولی تھی۔ عباسی نے جو روٹے کو للکارا تو وہ خاموش ہو رہا۔ اتنے میں نواب صاحب کی جو اس طرار اور گلعذار مہری پر نظر پڑی تو میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگے۔

ن : کیا ہے، بی مہری صاحب۔

عباسی : (انگلیاں مٹکا کر) اے حضور ہے کیا یہ ٹکے کا آدمی اور ہم سے جب بات کرتا ہے تو اپنے کو ہم کہتا ہے۔ موا گنوار۔

ن : اچھا جانے دو۔ اب تم اپنی طرف دیکھو۔

عباسی ، اے حضور میں کچھ کہتی تھوڑا ہی ہوں، مگر یہ بدتمیز آدمی ہے۔ محلات کی ڈیوڑھی پر آج سے نہ آنے پائے۔ جو بیگم صاحب سے یا صاحبزادیوں سے جا کے کہہ دوں۔ موا ہولا خبطہ۔

روٹا حضور یہ تو اندر کی جانے والی ہے۔ جو چاہے وہاں جا کے کہہ دے مگر میں سچ کہتا ہوں کہ فقط عطر کے کنٹر مانگے تھے۔ بس ہزاروں صلواتیں سنائیں۔

ن اچھا چپ رہو بدتمیز، کنٹر آجائیں گے۔

عباسی ایک عورت طرار سمجھ گئی کہ میاں ریجھے ہیں۔ سر کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ دوپٹہ کھسک گیا، اور گوری گوری گردن صاف نظر آئی نواب صاحب اور بھی ہزار جان سے عاشق زار ہو گئے۔ اور گھورنا شروع کیا۔ روٹا بوڑھا خرانٹ اور تجربہ کار آدمی تھا چتونوں سے تاڑ گیا کہ نواب صاحب کا اس نوخیز مہری پر دل آیا ہے۔ عباسی کے ہاتھ جوڑ کر کہا اب خطا معاف کرو۔ اور کنٹر ذرا لا دو۔

ن : جو عطر پسند آیا ہو وہ رکھ لو باقی پھیر دو۔

عباسی : (چمک کر) حضور کل ہی شب کو پھیر دیے گئے تھے یہ تو موا سودائی ہے۔ سبزی پی پی کر ڈیوڑھی پر آتا ہے۔ ٹھہر جا عید ہولے تو، نکلوا دوں اللہ جانتا ہے کھڑے کھڑے نکلوا دوں اس دوسرے روٹے سے تو پوچھ جا کے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباسی دل میں کھلی جاتی تھی، کہ نواب صاحب کی نظر پڑی۔ اب چاندی ہے۔ پانچوں گھی میں ہیں۔ اور روتا چلا مرتا تھا۔ ٹھان لی کہ چاہے نوکری جائے مگر کسی نہ کسی کے ذریعہ سے بیگم صاحب کو ضرور اس بات کی اطلاع دوں گا کہ نواب صاحب عباسی مہری پر ریجھ گئے اور کہلا بھیجوں گا کہ بے طور دل آیا ہے۔ جاتے کہاں ہیں۔ میری نوکری جائے تو پروا نہیں مگر عباسی نہ رہنے پائے۔ جس دن نواب صاحب کے گھر میں معلوم ہو گیا، اسی دن نکالی جائے تو سہی۔ روتا ادھر ادھر ہٹ گیا۔ نواب صاحب نے دربان کو حکم دیا کہ جاکر دیکھو عید گاہ میں لوگ جمع ہوئے ہیں یا نہیں۔ وہ سپاہی کو حکم دینے گیا ادھر نواب صاحب نے میدان خالی پاکر عباسی سے اشارت آمیز گفتگو شروع کی۔

ن : بی عباسی صاحب مزاج اچھے ہیں۔

عباسی : (لجاکر) دعا کرتی ہوں۔

ن : خدا کرے ہماری بھی دعا قبول ہو۔

عباسی : آمین۔

ن : (مسکرا کر) پوچھو تو دعا کیا مانگتے ہیں ہم۔

عباسی : اللہ جانے۔

ن : بھلا تم کیا جانتی ہو۔

اتنے میں عباسی اندر چلی گئی۔

بڑی بیگم صاحب نے محلدار سے کہا کہ چوبدار کو باغ بھجوا دو۔ اور کہو دیکھ آئے حمام تیار ہے۔ کہو دوڑ جائے۔ چوبدار فوراً روانہ ہوا اور آن کر مہری کو پکارا۔ عباسی باہر آئی۔ چوبدار نے کہا کہہ دو حمام تیار ہے۔

بڑی بیگم نے جہاں آرا سے کہا ممتاز دولہا سے کہہ دو کہ پہلے وہ حمام کر آئیں۔ پھر سواریاں جائیں گی۔ جہاں آرا نواب صاحب کے پاس گئیں۔

جہاں : (اندر بلوا کر) امی جان کہتی ہیں تم جا کے حمام کر آؤ تو پھر ہم سب جائیں گے۔

ن : سردی میں تو ہم ابھی نہ جائیں گے۔

جہاں : اے واہ اچھی سردی ہے۔ جاؤ ہمارے سر کی قسم امی جان کی خوشی کرو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب صاحب دوشالہ اوڑھ کر اٹھے ساس کی خدمت میں آداب عرض کیا۔ بڑی بیگم نے کہا جیتے رہو۔ جاؤ پہلے تم حمام کر آؤ، تو پھر سواریاں جائیں۔ ہم عورتوں کے نہانے میں بڑا بکھیڑا ہوتا ہے۔

اِدھر محلدار نے ڈیوڑھی پر حکم دیا کہ ممتاز دولھا برآمد ہوتے ہیں۔ چوبدار اور خدمتگار تیار ہیں اور بگھی بھی تیار ہو رہی ہے۔ حمام خانے جائیں گے۔ سب نے تعمیل حکم کی۔

اتنے میں نواب صاحب برآمد ہوئے اور سوار ہو کر چلے۔ ہرکارہ پہلے ہی سے دوڑ گیا تھا۔ حمامی سے کہا نواب صاحب آتے ہیں۔ تیار رہو۔ جب سواری داخل ہوئی تو حمامی آداب بجالائے۔ چوبدار نے پردہ اٹھایا۔ حمام کا دروازہ کھولا۔ تشریف لے گئے۔ پانچ منٹ تک توقف کر کے کپڑے اتارے۔ لنگی باندھی۔ حمامی نے بھی کپڑے اتارے اور کھڑاؤں سامنے رکھی۔ ایک حمامی نے کھیسا اٹھایا۔ دوسرے نے دروازہ کھولا۔ حمام کے اندر داخل ہو کر حوض پر متمکن ہوئے اور نہا کر گھر گئے۔

محلدار : (بڑی بیگم سے) حضور تشریف لے آئے۔

بیگم : حکم دو کہ فنسین نکالی جائیں۔ سواریاں جائیں گی۔ مہریاں تیار ہوں۔

فنسین نکالی گئیں۔ قنات گھر گئی۔ چار فنسوں پر چاروں سوار ہوئیں۔ مہریاں بصد شانِ دل ربائی فنس کا کونا دبائے ناز سے قدم بڑھائے، ساتھ ساتھ تھیں اور اپنی اپنی ادائے رنگین سے تماشائیوں کو لبھائی تھیں۔ سپاہی اور چوبدار بھی ہمراہ تھے۔ بڑے ٹھسے سے سواریاں حمام میں داخل ہوئیں۔ حمامی فنس کے قریب آن کر آداب بجالائے۔ الغرض حمام کر کے اپنے دولت خانے پر تشریف لائیں۔ یہاں بڑی بیگم صاحب نے محلدار سے کہا کہ چوبدار کو حکم دو کہ امیرن چوڑی والی کو بلا لائے۔ چوڑی والی آئی۔ پہلے حسن آرا اور سپہر آرا کو چوڑیاں پہنائیں۔ اس کے بعد بڑی بیگم صاحب نے جہاں آرا اور گیتی آرا سے کہا ذری آگے بڑھ بیٹھو۔ چوڑی والی نے ان کے ہاتھ کی چوڑیاں الگ کیں۔ جہاں آرا بیگم نے ایک سلمے کا جوڑا پسند کیا جس کے بندوں پر موتی جڑے ہوئے تھے اور سبز بانک تھی، چوڑی والی نے جوڑا لگایا۔

اتفاق سے جہاں آرا کے سر سے دوپٹہ کھسک گیا تھا۔ بڑی بیگم صاحب ضعیف الاعتقاد تو تھیں ہی۔ کسی قدر ترش ہو کر کہا۔ بیٹا سر پر دوپٹہ ڈال لو ننگے سر چوڑی نہ پہنو۔ جب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوڑیاں پہن چکیں تو دونوں نے چوڑی والی کو سلام کیا۔ اس نے دعا دی کہ وارث زندہ رہے۔ کوکھ مانگ سے ٹھنڈی رہو۔

جہاں : (اٹھ کر) اماں جان بندگی۔

گیتی : اماں جان تسلیمات عرض ہے۔

بڑی : پھلو پھولو۔ پوتا کھلاؤ۔

بڑی بیگم نے حکم دیا کہ دیوان خانے میں دنبے اور مینڈھے اور بکرے ذبح کراؤ۔ پھر کیا تھا ان بے زبانوں پر چھری تیز ہونے لگی۔

عباسی : دیکھتے رہنا یہ لوگ بوٹیاں نہ اڑا دیں۔

چوبدار : بہت خوب۔

عباسی : کہیں بھیڑ ویڑ تو نہیں ہے کوئی۔

چوبدار : کیا مجال۔ حلال کر کے دھر دوں بوچڑ کو۔

عباسی : کام تو یہ لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔

بوچڑ : ہاں مگر کھانے کے وقت بھی یاد رہتا ہے؟

چوبدار : اس وقت مزے سے ہتّے لگاتے ہیں۔

بوچڑ : اور کیا۔

لگنوں اور کٹھروں میں پارچے الگ کیے گئے

ادھر بڑی بیگم صاحب نے دوسرا اہتمام شروع کیا۔

بڑی : مغلانی جہاں آرا اور گیتی آرا کی چوٹی گوندھو۔ پیش خدمت نے آئینہ سامنے رکھا۔ خواص نے چنبیلی کا تیل سر میں ڈالا۔ کنگھی سے بال صاف کیے۔ چوٹی گوندھی۔ جوبن اور بھی دوبالا ہو گیا۔ دونوں بہنوں کی چوٹی گندھ گئی۔

بڑی : پوشاک بدلو۔

جہاں آرا اور گیتی آرا نے لباس بیش بہا زیب تن کیا۔ سبز گرنٹ کا پائجامہ۔ اس پر کار چوبی آڑی بیل کا کام، موتیوں کی بنت ٹکی ہوئی۔ سنہری کرن لگی ہوئی۔ نورات کی گوٹ دوپٹہ جامدانی کا، اس پر کام کامدانی کا۔

دوسری کا دوپٹہ ململ کا پیازی رنگا ہوا ہلکا۔ اتّو کی ہوئی اودی گوٹ۔ شلوکا پھنسا ہوا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آستینوں دار، کامدانی کا خوشرنگ گلنار۔ ایک کی جامہ وار کی رضائی۔ دوسری کی فوق البھڑک دلائی۔ موتیوں کا چھپکا زیب سر، ماتھے پر جڑاؤ چاند ٹیکی۔ چوٹی پر سیس پھول، کانوں میں پتّے، جھملے انتیاں۔ بجلیاں کرن پھول، گلے میں دھکدھکی، چمپاکلی موتیوں کا ہار۔ بازووں پر نورتن جوشن۔ دست سیمیں میں ہیرے کے کڑے۔ موتیوں کی لچھّیاں، چوہے دنتیاں، پاؤں میں چھڑے، کڑے، چھاگل۔ جہاں آرا بیگم ہر ہفت آرایش سے مزین اور گیتی آرا جہل پیرایش سے مشین ہوئیں۔ تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوہ قاف کی پریاں آئی ہیں۔ ایک تو یوں ہی کم سن، اور نوخیز تھیں اس آرایش اور نکھار نے جوبن کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا زاہدِ صد سالہ کی بھی نظر پڑتی تو ان کا کلمہ پڑھنے لگتا۔

ملائک دوش بر رخسارِ خوبت آیۃ الکرسی
ہمی خوانند و می گفتند رخسار این چنیں باید

گو گیتی آرا بھی آفت کا پرکالہ تھی اور ابھی نام خدا شانزدہ سالہ تھی، مگر جہاں آرا پر عالم ہی اور تھا۔ رخسارِ تابان گل تر، بلکہ رشکِ قمر:

نگارخانہ صبح است ایں نہ رخسار ست
نگاہ کن ورقِ سادہ چہ پرکار ست

بڑی: (خواص سے) پوشاک بدلی؟

خواص: ہاں حضور۔

بڑی: زیور پہنا دیا گیا؟

خواص: ہاں حضور۔

بڑی: حسن آرا اور سپہر آرا بھی پہن چکیں؟

خواص: اب پہنتی ہیں حضور۔

بڑی: جہاں آرا اپنے میاں سے کہو عیدگاہ جائیں اور نماز دوگانہ پڑھ آئیں۔ اب وقت بہت تنگ رہ گیا ہے۔

جہاں آرا بیگم بصد ناز و ادائے دلربا اٹھیں اور چھم چھم کرتی ہوئی چلیں۔

نہ آہی حلقۂ زد نی نالۂ من ہفت دنبالش
خبر از رفتنِ دل می دہد آوازِ خلخالش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب صاحب نے جو اپنی چاہیتی ورنگین ادا بیوی کے جمال کا نظارہ کیا تو نور کا عالم نظر آیا۔ مسکرائے۔

جہاں: امی جان کہتی ہیں کہ عید گاہ ہو آؤ۔

ن: یہ تمھاری چوٹی کس نے گوندھی۔

جہاں: آخر پوچھنے کی وجہ۔

ن: قسم خدا کی ہم اس کو انعام دیں گے۔

جہاں: آپ اپنا انعام رہنے دیں۔ اے چلو اٹھو اب۔

ن: خدا کی قسم آج تو وہ نور برس ــــــ

جہاں: چلو چلو۔ آخر بڑی بوڑھی کا کہنا بھی نہ مانو گے کیا۔

نواب صاحب نے کپڑے پہنے۔ دوشالہ اوڑھا اور بڑی بیگم صاحب کے پاس گئے۔

ن: آداب عرض ہے۔

بڑی: اللہ زندگی دے۔

ن: (نذر دکھا کر) قبول کیجیے۔

بڑی بیگم صاحب نے ممتاز دولھا کو چھاتی سے لگایا۔ بلائیں لیں۔ دعا دی۔ جوانی کا سکھ سیکھو۔ خوش رہو اس کے بعد خاصدان میں دس اشرفیاں رکھ کر خاصدان سامنے بڑھایا۔

بڑی: لو یہ عید گاہ کا خرچ ہے۔

نواب صاحب نے آداب عرض کر کے اشرفیاں اٹھا لیں۔ جب چلنے لگے تو سالیوں نے کہا ہمارے واسطے کیا لاؤ گے دولھا بھائی۔

ن: جو کہو۔

حسن: جو آپ کا جی چاہے۔

سپہر: جو شے آپ کو پسند ہو۔

ن: نہیں جو کہو۔

حسن آپ ہی کی رائے پر چھوڑا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بڑی : اے تو کس سواری پر جاؤ گے بیٹا۔
ن : جی بگھی پر۔
بڑی : نہیں نہیں بھیڑ بھڑکے میں کہیں گھوڑے نہ بھڑکیں۔ ہوادار نکلواؤ۔ یا فنس پر جاؤ۔ نہیں مجھے خفقان رہے گا۔
ن : ہوادار پر تو آج تک کبھی سوار ہی نہیں ہوا۔
حسن : اے تو آج ہوادار پر سوار ہو جائیے۔
ن : اچھا اب تو باہر جاتا ہوں پھر سمجھا جائے گا۔

نواب صاحب باہر تشریف لے گئے۔ عباسی عمداً اور قصداً خوب بن ٹھن کر دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ سرمئی گرنٹ کا لہنگا۔ پڑا قے کی ہاتھ چوڑی گوٹ۔ گوٹ پر آٹھ آٹھ پلیٹیں۔ اس پر تاج بنے ہوئے۔ سرخ گرنٹ کا نیفہ، جو یاقوت احمر کو خون رلائے۔ اس میں لاہور کا اودا ریشمی ازار بند پڑا ہوا، گچھے دار اور کرن ٹکی ہوئی۔ پور پور چھلّے کانوں میں انتیاں۔

ن : اونھ اونھ۔ اس وقت تو بڑے ٹھسّے سے کھڑی ہو۔
عباسی : (گلوری چبا کر) جی ہاں حضور سب حضور ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔
ن : چلو تم کو عید گاہ لے چلیں۔
عباسی : (مسکرا کر) بندگی۔
ن : کیوں کیا کچھ ہرج ہے۔ بگھی پر بیٹھ لینا۔
عباسی : کیا نکلوائیے گا گھر سے۔
ن : اب ہم کو دو چار روز اور ٹنگنا پڑا یہاں۔
عباسی : (دوپٹے کو سنبھال کر) یہ کاہے سے۔
ن : تمھیں جانو۔
عباسی : حضور کوئی آنہ جائے اب سوار ہو جائیے۔
ن : بہت اچھا مگر۔

مگر کہہ ہی چکے تھے کہ محلدار آ پڑی۔ نواب صاحب نے پردہ اٹھایا اور تڑ سے باہر ہو رہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوبدار نے کہا، بسم اللہ حضرت فٹن پر سوار ہو کر عیدگاہ گئے۔ ادھر بڑی بیگم صاحب نے دریافت کیا کہ حسن آرا اور سپہر آرا نے پوشاک بدلی۔ مغلانی نے کہا حضور پہن رہی ہیں۔

ان کی پوشاک کا حال سنیے دونوں بہنوں کے لیے ایک ہی قسم کا جوڑا بنا تھا۔ سنہری اطلس کا پائجامہ۔ چھڑیاں ٹکی ہوئیں۔ گوٹ کے اوپر پھل۔ کریب کا بہار دار دوپٹہ۔ بانکڑی ٹکی ہوئی۔ کانوں میں کرن پھول اور بجلیاں۔ گلے میں آڑی ہیکل، جگنو، دھکدھکی، ہاتھوں میں ہیرے کے کڑے اور جڑاؤ کنگن۔ بازووں پر نورتن۔ پاؤں میں بازیب اور چھڑے۔

حسن آرا اور سپہر آرا کی پوشاک اور زیور میں فرق صرف اس قدر تھا کہ حسن آرا کریب کا دوپٹہ اوڑھے تھیں اور سپہر آرا کا کامدانی کا گلابی تھا۔ گیتی آرا کا دوپٹہ آبی تھا۔

ان دونوں بہنوں کی اٹھتی جوانی، اور رخسارِ تابان اور پیشانی نورانی، دست حنائی، شانِ برنائی و دلربائی، اس وقت عجب لطف و بہار دکھاتی تھی۔ جہاں آرا نے مسکرا کر کہا۔ چشم بد دور ہماری دونوں بہنیں چندے آفتاب چندے مہتاب ہیں۔

حسن: (لجا کر) بنائیے بنائیے۔

سپہر: اللہ جانتا ہے۔ جہاں آرا بہن کی سی شاید ہزار دو ہزار میں کوئی اکا دکا نکلے۔

حسن اسے کہتے ہیں۔

جہاں: لے بس اب تعریفیں نہ کیجیے۔

گیتی: بہار النسا بہن سے کہیں تو وہ اترا جائیں۔

حسن: اے واہ یوں کیا کم اتراتی ہیں۔

گیتی، اب بھی وہ خبط ہے کہ دن رات مانگ چوٹی میں گرفتار رہتی ہیں۔

حسن: اے ہے کیسا کچھ۔ دو گھنٹے تک ایک دن چھپکا ہی نہیں درست ہوا۔

سپہر: اور روح افزا بہن ہنستی ہیں ان کو۔

حسن، ہنسنا ہی چاہیں۔

سپہر: گھنٹوں آئینہ سامنے رہتا ہے۔

جہاں: بی مغلانی۔ ذری سننا۔ یہاں آؤ۔ (کان میں) کس سواری پر گئے ہیں۔ ہوادار پر تو نہیں گئے ہوں گے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغ : بھلا ہوادار پر کیا جاتے۔ دو ایک صاحب اور آ گئے تھے۔ سب کے سب گاڑی پر سوار ہو کر گئے ہیں۔ اس میں خوف ہی کیا ہے۔ مگر بڑی حضور سے کون کہے اب۔

حسن : ہم تو پہلے ہی سمجھے تھے کہ گھوڑے پر یا بگھی پر جائیں گے۔ اب پالکی یا ہوادار پر کون سوار ہوتا ہے۔ ہے کس رئیس کے یہاں۔

اتنے میں بڑی بیگم نے پوچھا اے مغلانی ممتاز دولھا کس سواری پر عید گاہ گئے۔

مغلانی نے کہا حضور کچھ معلوم نہیں، دریافت کر لوں۔

بڑی، ذری باہر پوچھو تو۔

مغلانی بہت خوب حضور کہہ کر باہر گئی۔ ڈیوڑھی میں کھڑی رہی۔ پوچھے کس سے جانتی تو تھی کہ فٹن پر گئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یوں عرض کیا۔

مغ : حضور ہوادار بھی نکلوایا تھا اور گاڑھی بھی۔ مگر سوار نہیں ہوئے تھے۔ دو چار نواب زادوں سے باتیں کرتے ہوئے حاطے کے باہر جاتے تھے۔

بڑی : تو شاید ہوادار ہی پر گئے ہیں۔

گیتی : ہاں امی جان ہوادار ہی پر گئے ہوں گے (مسکرا کر) آپ اتنا گھبراتی کیوں ہیں امی جان۔ گاڑی بگھی گھوڑے پر روز سب ہی جایا کرتے ہیں۔ کیا آج ہی انوکھی عید ہوتی ہے۔ ہوادار پر بھلا کیا جاتے۔

بڑی : جب ہمارے بیاہ ہو گی تب معلوم ہو گا حال۔

بیگم : ابھی ہم نے کوٹھے پر دیکھا پچاسوں بگھیاں اور گھوڑے اور ہاتھی جاتے تھے

گیتی : ادھر کیوں آتے ہیں۔ لوگ شہر کو چھوڑ کر اس طرف کیا کرنے آتے ہیں۔

حسن : عید گاہ اس طرف تو ہے ہی۔

بیگم : اماں جان دولھا میاں کب آئیں گی۔

بڑی : آتی ہوں گی گھبراتی کیوں ہو۔

گیتی : عید کی صبح کو بھی کیا سماں ہوتا ہے۔

حسن : ہماری تو عید کل ہی تھی کہ آپ آئیں :

ہلال آمد و عید عشرت افزوست

مبارک باد کامروز روز نوروز است

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر : ہمیں بھی عید گاہ کا ایک شعر یاد ہے۔
جہاں : چلو اوپر چلیں۔
حسن : ذری ٹھہر جاؤ ابھی چلتے ہیں۔
سپہر : اوپر والے کمرے میں چل کر بیٹھیے۔
چاروں بہنیں کمرے میں گئیں۔

بچھڑے ہوئے بعد مدت کے ملے

مصنوعی وکیل کا حال تو یہاں چھوڑا۔ ان کو سر پیٹنے دیجئے۔ اب سنئے کہ صباحت و وجاہت کی کان بی شبّو جان صاحب شب کو کمال سراسیمگی و پریشانی میں مصنوعی وکیل کے گھر سے میاں سلاور کی صلاح سے بھاگیں۔ اثنائے راہ میں ایک کانسٹیبل نے للکارا، کون؟ کون جاتا ہے۔ یہ کون کترایا ہوا چلا جاتا ہے۔ صدائے برنخاست۔ جواب ندارد۔ جوگن طرارے بھرتی ہوئی گلیوں گلیوں بھاگی۔ کانسٹیبل اپنے دل میں سوچا کہ بھاگتے کا پیچھا کرنا فضول ہے۔ شاید پھرتی اور تیزی کے ساتھ نکل جائے۔ اور ادھر یہ حضرت بھی چنپت ہوں۔ جوگن تو بے تحاشا بھاگ کر نکل گئی۔ مگر میاں سلاور کو اس نے پکڑ لیا۔ پھر جوگن بے چاری مصیبت میں پڑی۔ یکہ و تنہا اپنا نہ بیگانہ خویش نہ یگانہ۔ شب تیرہ و تار جوان عورت۔ تھانہ دار دشمن۔ گلیوں گلیوں سراسیمگی کے ساتھ جاتی تھی ذرا کھٹ ہوا اور کانپ اٹھی کسی نے آواز دی اور دبک رہی کوئی بولا اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چلتے چلتے ایک میدان میں پہونچی، ہو کا عالم آدھی رات کا وقت جانور تک گھونسلوں میں دبکے دبکائے پڑے تھے۔ جوگن جو دیکھتی ہے تو چو طرفہ سناٹا اوپر آسمان نیچے زمین اور ہر طرف تاریکی۔ اس مقام پر جوگن ڈاڑھیں مار مار کر زار زار رونے لگی سوچی کہ جاؤں تو کدھر جاؤں اور کروں تو کیا کروں۔ گو اس وقت مصیبت کے سبب سے اس کو معلوم نہیں ہوا مگر وہ دو کوس زمین طے کر آئی تھی۔ تھوڑی دیر تک اسی لق و دق میدان میں جو ایک ایک چپے سے صد ہا مہیب صورتیں دکھاتا تھا کھڑی سوچا کی کیا کرے آخر کار ایک سمت کو چلی۔ قدم قدم پر خوف معلوم ہوتا تھا کہ مبادا کوئی درندہ آن کر مار ڈالے کھا جائے۔ زخمی کرے کوئی بھوت پریت ستائے۔ چلتے چلتے ایک مقام پر اس کے کان میں آواز آئی (غرغرا ہاہا)، اس آواز اور انوکھی بولی کے سنتے ہی جوگن کے ہوش اڑ گئے۔ ع

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

اس درجہ خائف ہوئی کہ بدن تھر تھر کانپنے لگا اور قدم اٹھانے کی طاقت تک باقی نہیں رہی۔ آٹھ آٹھ آنسو روئی اور خدا سے دعا مانگی کہ بار خدایا! مجھے اس مصیبت سے بچا۔ اور آگے بڑھی تو ایک ندی پر پہونچی۔ کہا جو بیٹھ کر جوگن نے رونا شروع کیا اتنے میں کسی شخص نے آواز دی کہ اے نیک مرد یا نیک عورت یا جو کوئی ہو تو کون ہے اور بستی سے اس قدر فاصلے پر آدھی رات کو کیا کام ہے اور اس قدر زار زار رونے کا کیا سبب خاص ہے جوگن نے جو ہم جنس کی آواز سنی تو جان میں جان آئی کسی قدر تسکین ہوئی۔ ادھر ادھر دیکھنے لگی مگر آدمی نہ آدم زاد متحیر کہ یہ آواز کدھر سے آئی۔ پھر اسی شخص نے یوں مخاطب کیا (اے نیک بندے خدا کے مجھے اپنے درد دل سے اطلاع دے شاید کچھ علاج کرسکوں ورنہ تن بہ تقدیر) جوگن کھڑی ہو کر ادھر ادھر بغور دیکھنے لگی۔ پھر رب کے سمت آں روئے چشمہ سار تھوڑی تھوڑی روشنی نظر آئی پہلے تو ڈری کہ شاید آگیا بیتال ہو لڑکپن میں ایسی کہانیاں اپنے والدین سے سنی تھیں اور وہی خیالات دل میں جمے ہوتے تھے۔ مگر تھوڑی دیر میں یہ خیالات دور ہو گئے وہ روشنی چراغ کی تھی۔ دیکھا کہ ایک جھونپڑے سے ایک پیر مرد چراغ ہاتھ میں لے کر دریا کی طرف آتا ہے جب قریب آیا تو جوگن نے اس کو بغور دیکھا۔ پشت پیرانہ سالی کے سبب سے خم ہو گئی تھی آنکھوں کی روشنی بھی یوں ہی سی باقی تھی کیوں کہ چراغ ہاتھ میں تھا مگر ٹٹول کر قدم رکھتا تھا۔ لب جو آتے ہی ہوا نے وہ زور باندھا کہ چراغ گل اور پیر مرد (ہائے) کہہ کر خاموش ہو گیا۔

جوگن: ابا جان ہمیں اس مصیبت سے بچاؤ۔ ہائے اس وقت ہمارا یہاں کوئی نہیں ہے۔

پیر مرد: بیٹیا ہوا کو بھی تیرے عداوت ہے چراغ کو گل کر دیا

جوگن: مجھے اب کسی طرح اپنے پاس بلاؤ میں یہاں کڑھ کڑھ کے مر جاؤں گی۔

پیر مرد نے کپڑے اتارے لنگی باندھی اور فوراً ندی میں داخل ہو گئے ندی پایاب تھی اس کنارے پر آنے تو مثل سو برس کا سن کر لم لٹھیا ٹیک کے دس بارہ قدم چلنا بھی دوبھر تھا سردی کی راتیں جہاں فراغ ندی کا واسطہ کانپ اٹھے۔ جوگن بے چاری کے پاس وہ جامہ [illegible] کا ٹکڑا بھی نہ تھا [illegible] تھوڑی دیر کے بعد پیر مرد نے آنکھ کھولی اور کہا اب تو طاقت نہیں کہ [illegible] جاؤں اور اگر تمام شب یہاں پڑا رہا تو [illegible] کا سامنا ہے [illegible] گھر بنا ہوا نظر آؤں گا [illegible] جاتے ہی [illegible]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہو جاؤں مگر تم اس جھوپڑے سے کمل نکال کر مجھے اڑھا دینا۔
جوگن: ابا جان یہ تو ہم سب کچھ کریں مگر دریا میں قدم رکھتے ہوئے جان نکلتی ہے ہم تو پیرنا جانتے ہی نہیں ذرا پاؤں ڈگمگایا اور گئے گزرے۔
پیر مرد: پانی بہت کم ہے دریا پایاب ہے خدا کا نام لے کر ہلو بیٹا۔
جوگن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے مگر کرتی تو کیا کرتی۔ ناچار پیر مرد کا ہاتھ پکڑ کر چلی اور تھوڑی دیر میں اس پار پہونچی۔
پیر مرد: اس مرتبہ ویسی سردی نہیں معلوم ہوئی۔
جوگن: شکر ہے شکر ہے۔ اب چلیے سایے میں چلیں۔
پیر مرد جوگن کو لے کر اپنے کلبۂ احزان میں آ گئے۔
پیر مرد: بابا ہم ایک مصیبت زدہ اور ستم رسیدہ آدمی ہیں۔ دنیا وما فیہا سے سروکار نہیں اپنی بیتی تھوڑی دیر میں سناؤں گا۔ پہلے تو اپنا حال کہہ سُنا۔
جوگن: ابا جان ہم اس وقت شل ہیں اور مارے بھوک کے کلیجہ منھ کو آتا ہے۔
پیر مرد نے کہا جو کچھ حاضر ہے میں سامنے لاتا ہوں کھاؤ یہ کہہ کر پیر مرد ایک رکابی میں دو روٹیاں اور ایک پیالے میں ساگ لائے۔ جوگن نے اندھیرے ہی میں بیٹھ کر روٹیاں کھائیں ان موٹی موٹی روٹیوں اور ساگ کی ترکاری میں وہ لطف آیا کہ کبھی کسی قسم کی غذا میں نہیں آیا تھا۔
پیر مرد: بابا ہم اسی کو ہزار غنیمت سمجھکر کھاتے ہیں۔
جوگن: اس وقت جو لطف کھانا کھانے میں آیا وہ تمام عمر نہیں آیا تھا۔
پیر مرد: کھانا کھا کر لیٹو اور لیٹے لیٹے اپنا حال بیان کرو۔
جوگن: غم کی داستاں کیا سناؤں۔
پیر مرد: ہماری داستاں سے بڑھ کر نہ ہوگی۔
جوگن: میں نے کھانے سے فراغت پائی اب آپ تکلیف نہ کریں آپ مجھے بتا دیں کہ پانی کہاں رکھا ہے۔ بس میں اٹھ کے پی لوں۔
پیر مرد: مجھے اب اٹھنے کی طاقت ہی نہیں رہی۔ میں مارے سردی کے مرا جاتا ہوں اور ٹھٹھرا جاتا ہوں اس طرف کونے میں ٹھلیا رکھی ہے۔
جوگن نے منھ دھویا پانی پیا۔ پوچھا میں کہاں لیٹوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیر مرد ! اس کونے میں دو کمل ہیں۔ سفید کو اوڑھو۔ اور سیاہ کو بچھاؤ بڑے گرم ہیں۔
جوگن نے بہزار وقت کونے سے دونوں کمل نکالے اب اندھیرے میں سفید اور سیاہ کی کیوں کر تمیز ہو ایک بچھا کر لیٹی اور دوسرا اوڑھا۔
جوگن ! کیا اس جنگل میں بھوت پریت بھی ہیں۔
پیر مرد ! مجھے اس میں رہتے ہوئے عرصہ ہوا مگر میں نے بھوت پریت کی شکل تک نہیں دیکھی اور نہ مجھے کبھی کسی نے ستایا۔
جوگن ! راہ میں ندی کے اس طرف عجیب طرح کی آواز کان میں آئی۔ میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تھر تھر کانپنے لگی۔
پیر مرد ! اس جنگل میں طرح طرح کے پیڑ ہیں اور ان کے پتوں سے طرح طرح کی آوازیں نکلتی ہیں تم شہر کی رہنے والی ہو یہ باتیں کیا جانو کسی درخت کے پتے کی آواز ہوگی۔
جوگن ! شیر تو اس جنگل میں نہیں ہیں ؟
پیر مرد ! بستی سے اس قدر دور فاصلہ پر جنگل نہیں ہے کہ یہاں شیر رہ سکے۔
جوگن ! آپ کب سے یہاں رہتے ہیں۔
پیر مرد ! (ٹھنڈی سانس بھر کے ، کیا بتاؤں ناگفتہ بہ، میں ایک روز اپنی چاہتی بیوی کو لے کر سرائیں فروکش ہوا۔ باہر میں سویا اندر کی کوٹھری میں اپنے ڈیڑھ مہینے کے ایک معصوم بچے کو لے کر وہ سوتی۔ شب کو ڈاکوؤں نے بھانپا اور دوسری کوٹھری سے سنید دے کر چاہا کہ زیور نکال لیں سوچے ہوں گے کہ شاید زیور نکالنے میں جاگ اٹھے مع زیور اس کو غائب کر دیا صبح کو دیکھا کہ وہ غائب ہیں، مگر ڈیڑھ مہینے کا معصوم بچہ چارپائی پر پڑا بلک رہا ہے۔ ادھر وہ بے چاری تڑپتی ہوگی ادھر میں ماہی بے آب کی طرح اس کی جدائی میں تڑپا کیا بچہ ماں سے چھٹ کر ایک دن جیا دوسرے روز اس نے بھی آنکھیں پھیر لیں اور چل بسا میں نے اس معصوم بچے کو مسافرت کے عالم میں ایک مقام پر زمین کے سپرد کر دیا :

اے خاک تیرہ خاطر مہمان نگاہ دار
کیں نور چشم ماست کہ در بر گرفتۂ

ہائے اس وقت دل بھر آیا۔ وہ بے چاری لڑکے کی جدائی سے کس درجہ بے قرار ہوتی ہوگی اور شیشۂ ناموس جو چکنا چور ہوا وہ اس سے بڑھ کر ستم ہے۔ میرے بڑھس پر خدا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی مار کہ پیرانہ سالی میں میں نے پھر شادی کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ بیوی کا پتہ نہیں ملتا۔ ان سے جا کر کسی نے کہہ دیا کہ تمہارے میاں مر گئے۔ حالانکہ میں بد بخت ابھی تک زندہ ہوں۔ جوگن نے جو یہ فقرے سنے تو دریائے حیرت میں غوطہ کھانے لگی۔

شاید یہ بھید اکثر حضرات ناظرین کی سمجھ میں نہ آیا ہو یہ پیر مرد وہی حضرت ہیں جن کے نام ان کی بیوی نے ایک مذاق کا خط بھیجا تھا اور میاں آزاد نے اس خط کا جواب لکھا تھا جوگن انھیں کی بیوی ہیں جب ان کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی تو ان کا نام بھی اور طرح پر مشہور ہوا۔ اور یہ اب جوگن ہو گئی ہیں۔

جو خط انھوں نے اس زمانے میں اس پیر مرد اپنے شوہر کے نام لکھا تھا اس کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین کی سمجھ میں سلسلہ سخن آ جائے۔

وہو ہذا۔

میرے کھوسٹ شوہر خدا تم سے سمجھے سکندر ظلمات سے پیاسا آیا مگر تم نے آب حیات کے دو چار قطرے ضرور پی لیے ہیں جب ہی مرنے کا نام نہیں لیتے کچھ اوپر سو برس کا تو سن ہو گیا اب کیا عاقبت کے بوریے بٹورو گے ہزاروں نوخیز کفن پوش ہوتے جاتے ہیں مگر تم ٹیاں سے موجود ڈنکو بھی آیا مگر تم جیسے کے تیسے بیٹے کے باپ کو چٹ کر جاؤ اور ڈکار تک نہ لو ہے ہے میں کس ساعت تمہارے پالے پڑی۔ ہاتھوں میں رعشہ منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ کمر کمان کی طرح خم مگر بیاہ کرنے کا شوق چرایا اور مجھے کہیں کا نہ رکھا الخ۔

اس کا جواب یوں لکھا گیا تھا۔

وہو ہذا

میری البیلی چھیل چھبیلی نازک بدن غنچہ دہن بیوی کہ اس کے سن رسیدہ گرگ باران دیدہ شوہر کی اٹھتی جوانی دیکھنا نہ نصیب ہوا اٹھارہ لڑکے ہوں اور چھتیس لڑکیاں جب میں دہلیز میں قدم رکھوں سب بچے کہیں ابّا آئے ابّا آئے مٹھائی لائے مگر خدا کے لیے کہیں ان کے دیکھا دیکھی تم ابّا نہ کہنے لگنا۔ مجھے تمہاری دادی کی خالہ کا گڑیاں کھیلنا اس طرح یاد ہے جیسے کسی کو صبح کا کھانا یاد ہو میں بوڑھا تو ہوں مگر دل جوان ہے مانا کہ آنکھوں میں نور نہیں مگر چشم نگراں ست قوت سامعہ سے بے بہرہ ہی سہی مگر گوش بر آواز زن جوان است تم عصائے پیری ہو تمہارا پیارا مکھڑا۔ وہ خندہ شکر آمیز وہ زلف عنبر بیز وہ خال مشکین وہ لعل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نگاریں صحن سے جو طرارہ بھرا تو تڑسے بام پر، یہ چلبلاپن اور وہاں سے ایک ذقن میں مہتابی پر ہورہیں۔

تمہارا نابالغ شوہر

جوگن نے ان کی آواز پہچانی تو بے اختیار آنسو بھر آئے عجب اتفاق ہے۔ عام میں خبر مشہور ہو گئی تھی کہ پیر مرد چل بسے اور یہ جیتے جاگتے موجود ہیں۔ سوچی کہ ان سے اپنا حال بیان کروں یا نہ کروں۔

اتنے میں پیر مرد نے کہا ہماری پہلی بیوی کا تو پتا ہی نہیں مگر ڈاکوؤں نے اس کو قتل کر ڈالا ہوگا۔ دوسری بیوی کا حال سن کر ہم کو کمال قلق ہوا۔ مگر ہم سے ایسی ہی حماقت سرزد ہوئی تھی خود کردہ را چہ علاج مقام مجبوری ہے ہماری سسرال کی مہری جمنا نے شادی کے قبل ہم کو بہت کچھ سمجھایا تھا کہ میاں لڑکی کو ابھی تیرھواں سال ہے اور تم سو برس کے ہو شادی نہ کرو مگر ہم نے ایک نہ سنی اب پچھتاتے ہیں تم خاموش کیوں ہو گئیں۔

جوگن: (دبے دانتوں) یوں ہی

پیر مرد: نہیں کوئی وجہ ضرور ہے۔

راوی: اس لفظ پر جوگن کو اور بھی رنج ہوا۔ بوڑھے میاں نے تو ان کو پہچانا نہ تھا مگر یہ ان کو خوب پہچان گئی تھی۔

جوگن: بھلا دوسری بیوی کا نام کیا تھا؟ تم کو کچھ یاد ہے۔

راوی: پیر مرد کو سخت حیرت ہوئی کہ یہ کل کی لڑکی اور مجھ بوڑھے کو آپ کے عوض تم کہتی ہے یہ معلوم ہی نہ تھا کہ اس کا درجہ مساوی تھا تم ہی کہنا جائز تھا۔ آپ لفظ اس کی زبان سے نہ نکلا۔

پیر مرد: ہماری دوسری بیوی کا نام ثریا بیگم تھا۔

جوگن کو اور بھی یقین کامل ہو گیا۔ اپنا نام بعد مدت سن کر آہستہ آہستہ رونے لگی مدت مدید کے بعد یہ نام سنا تھا کوئی شبو جان کہتا تھا کوئی جوگن کوئی کچھ کوئی کچھ،

پیر مرد: کیا تم جانتی ہو ان کو۔

جوگن: نہیں میں کیا جانوں۔

پیر مرد: ہم نے اس کی زندگی خراب کی۔

جوگن: (اپنے دل میں) ہے تو سچ اس میں شک نہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیر مرد نے کہا اب آرام کرو تھکی ہوئی ہو اور میں بھی اس وقت مارے سردی کے کانپ رہا ہوں صبح کو بات چیت ہوگی مگر اپنا حال صاف کہہ سنائے۔

جوگن: بہت اچھا اب آرام کیجیے۔

سویرے جوگن کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ پیر مرد اینٹھے پڑے ہیں۔ چہرے پر ہاتھ رکھا تو سرد نبض دیکھی تو ساقط۔

اتنے میں ایک عورت نے آواز دی بابا ہم اندر آئیں۔ جوگن نے کہا آؤ آؤ۔ خیر اللہ نے صورت تو آدمی کی دکھائی یہ جن کو تم بابا کہہ کے پکارتی ہو وہ چل بسے۔

عورت نے کہا ارے! ہائے ہائے۔ دیکھوں چہرے پر ہاتھ لے گئی تو برف ہاتھ بالکل سرد پاؤں بے حس و حرکت اور اوپر کی سانس لیے جاتے ہیں۔

عورت: گذر گئے اب ختم ہو گئے یہ تو اچھے ہو گئے مگر ہم اب جنگل میں اکیلے رہ گئے ہائے اب ہم کس سے بولیں گے ہمارے درد دکھ میں کون شریک ہوگا۔ ہائے بابا دغا دے گئے اس جنگل میں بس انھیں کے سبب سے جیتے تھے اب کڑھ کڑھ کے مریں گے۔ مگر خیر اب کہاں تک روؤں۔

اتنے میں بادل گرجے اور ننھی ننھی بوندیاں پڑنے لگیں۔

عورت: لو اب اور بھی مصیبت آئی اور یہاں جب اس فصل میں مینھ برستا ہے تو دو دو دن برابر برسا ہی کرتا ہے بڑی بے ڈھب بات ہوئی۔

جوگن: (پیر مرد کے کان میں) کیا داغ دے چلے۔ اُف اُف! اے ذری دیکھو تو۔ ہائے میں اس وقت بیوہ ہوئی جاتی ہوں۔ ہائے میرے اللہ ارے لوگوں میں اب تک سہاگن تھی۔

عورت: (متحیر ہو کر) کیا کہا؛ ہم سمجھے نہیں۔

جوگن: ہائے کس سے کہوں۔

عورت: اب ذرا اس وقت رونا موقوف کرو مردے پر عذاب ہوتا ہے۔

جوگن: (آنسو پونچھکر) اچھا۔

جوگن کو وہ وقت یاد آیا جب ایک شخص نے آن کر جھوٹ موٹ کہدیا تھا کہ ان کے میاں مر گئے اور جوگن کی ماں اور خود جوگن نے شادیانے بجائے تھے کہ چلو موا بوڑھا کھوسٹ چل بسا اچھا ہوا بھلا وہ وقت تھا اور کجا یہ وقت ہے کہ زانو پر پیر مرد کا سر ہے اور یہ بیٹھی رو رہی ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جوگن کا دل اور بھی بھر آیا اسے خوب یاد تھا جب مہری ہنستی ہنستی باہر سے آئی تھی (آنسو مبارک بڑھو ڈھلک گئے) اس پر جوگن اچھل پڑی اور کہا موے درگور پیچھا چھوٹا جائے جہنم میں جوگن کی ماں لڑکی سے مل کر بولیں کہ لو دیکھا ہم تو کہتے ہی تھے کہ بوڑھا کھوسٹ دو دن کا مہمان ہے۔ آج مُوا کل دوسرا دن آخرش وہی ہوا نہ۔ ان باتوں کی جوگن کے سامنے تصویر کھینچی ہوئی تھی۔

عورت: اف تم آخر ان کی کون ہو جو اس قدر رو رہی ہو۔

جوگن: کیا بتائیں بہن۔

عورت: نہیں ہے کچھ بھید اس میں اپنی ایک رشتہ دار کا نام اکثر زبان پر لاتے تھے تمہارا کیا نام ہے سچ سچ بتانا۔

جوگن: ثریا بیگم۔

عورت: (متحیر ہو کر) ارے۔ ہائے ہائے۔ ملیں بھی تو ایسے وقت میں

عورت نے باآواز بلند پکار کر کہا بابالو ثریا بیگم آگئیں۔ اے ذری آنکھ کھول کر دیکھو تو ثرّیا بیگم آگئیں۔

جوگن: کس سے کہتی ہو بہن

عورت: (ہاتھ مل کر) ہائے ہائے اس وقت دنیا سے اور بھی جی ہٹ گیا۔ ہائے اس وقت ایک گھڑی کے لیے ہوش آجائے تو ان سے کہہ دیں کہ ثریا بیگم آتی ہیں آنکھ بھر کر دیکھ تو لیں کہ جس کا نام روز زبان پر لاتے تھے اسی کے زانو پر سر رکھکر جان دی۔

پیر مرد پر کملوں کے اوپر ایک دری بھی ڈال دی تھی کہ سردی کم اثر کرے کو دونوں کو شک کے عوض یقین ہو گیا تھا کہ اب ان کا بچنا دشوار ہی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے مگر اس لحاظ سے گرمی پہونچاتی تھیں کہ نزع کے وقت آرام سے جان دے۔ سردی سے ٹھٹھرے کہ بے موت ہی مر جائے۔ عورت بولی ابھی جان باقی ہے۔ جوگن نے کہا اس وقت کو تو دیکھو کچھ ٹھکانا ہے مینھ کہتا ہے کہ میں آج ہی برسوں گا ہوا کہتی ہے میں آج ہی چلوں گی۔ درخت کہتے ہیں کہ آج ہی گریں گے۔ دریا کہتا ہے آج ہی طوفان آئے گا۔ بادل کہتا ہے آج ہی گرجوں گا۔ بجلی کہتی ہے کہ آج ہی کوندوں گی۔ اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اس وقت دم توڑیں گے۔ اور تارہ بھی کہتی ہے کہ میں مرتے دم ان کی صورت نہ دیکھنے دوں گی یہ کہہ کر جوگن خوب روئی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہاں تک کہ کمل کا ایک کونا تر ہوگیا اور آنسو نہ تھمے عورت نے آنسو پونچھے اور کہا سنو! ان کے مرنے پر رونا تو بے وقوفی ہے ان کا مرنا ہی بہتر تھا۔ یہ مرتے نہیں ہیں ان کا مرنا گویا جی اٹھنا ہے ہاں اگلی پچھلی باتیں یاد کر کے اگر روتی ہو تو وہ اور بات ہے مگر میں جو اپنی مصیبت بیان کرنے پر آؤں تو تم اپنی مصیبت بالکل بھول جاؤ۔

ایک مقام پر ان لوگوں نے گڈھا کھودا اور لاش کو دفنایا۔

جوگن جھوپڑے میں واپس آئی وہ تینوں آدمی رخصت ہوئے۔ جب جھوپڑے میں پہونچی جوگن نے عورت نے ساری داستاں بیان کی۔

عورت : اب ہم کو یہ تو معلوم ہوگیا کہ ثریا بیگم آپ ہی ہیں۔

جوگن : ہاں تم نے اس طرح پر پوچھا کہ مجبور ہو کر مجھے کہنا ہی پڑا۔

عورت : تم کس محلے میں رہتی ہو۔

جوگن : نیب ٹولے میں۔

عورت : ٹھیک ہے بڑے میاں کو کبھی تم نے خط بھیجا تھا۔

جوگن : ہاں عمر بھر میں ایک دفعہ

عورت : اس میں کیا لکھا تھا۔

جوگن : اس میں میں نے یہی لکھا تھا کہ تم مردتم کو موت بھی نہیں آتی۔ جوان آدمی مرتے جاتے ہیں۔ تم ٹہیاں سے موجود ہو سیضے سے بھی تم کو خوف نہیں۔ بڑے بے حیا ہو تم نے میری زندگی تلخ کر دی۔ یا تم کو موت آئے ہم کو تو چھٹکارا ہو۔

عورت : بے شک تمھیں اس میں شک نہیں۔

عورت نے بہ کمال ایمانداری کہا کہ پیر مرد کے پاس ایک ڈبیا ہے خدا جانے اس میں کیا ہے، مگر کم سے کم پچاس ہزار روپیہ کے جواہرات ہوں گے۔ یہ کہہ کر ڈبیہ زمین سے کھودی اور جوگن لکھ پتی بن گئی۔

ثریا بیگم نے جو ڈبے کو کھولا تو جواہرات اور اشرفیاں خوش تو بہت ہوئی کہ خدا نے چھپر پھاڑ کر دولت دی، مگر سوچی کہ اس دولت کو صرف میں کیوں کر لا سکوں گی اوّل تو اس جنگل سے چھٹکارا ہی آسان نہیں جس طرف نکل جاؤں گی لوگوں کی نظر پڑے گی اور اس دشت بلاخیز میں اگر کوئی قتل بھی کر ڈالے تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ پھر اپنے حسن گلو سوز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور لنور عالم افروز اور اٹھتی جوانی سے بھی واقف تھی۔ سوچی کہ مبادا کوئی بد آدمی زبردستی پکڑ لے جائے اور پھر گھر سے نکلنے نہ دے تو اور بھی مصیبت پڑے۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ جواہرات اور اشرفیاں بیچوں کس کے ہاتھ اور اگر بیچوں تو لوگ کہیں گے یہ لائی کہاں سے رکئی گھنٹے تک تدبیریں سوچا کی مگر عقل نے کام نہ کیا۔ آخر کار اس عورت سے کہا کہ بہن اس میں تم بھی تو کچھ لو۔ اس قدر جواہرات لے کر ہم کیا کریں گے۔ اکیلا دم کھانے بھر کو اللہ بہت کچھ دیتا جائے گا پھر ہم جو جواہرات اور اشرفیوں سے تم کو محروم کریں تو فائدہ کیا۔ کس دن کے لیے عورت نے کہا میں اس میں سے کچھ نہ لوں گی میں تو اس جنگل میں دنیا سے الگ تھلگ رہتی ہوں اشرفیاں میرے کس کام کی یہ تمہارے شوہر کی جائداد ہے۔ اور اس پر تمہارا حق پہونچتا ہے اگر میرے کام کی ہوتیں تو میں ضرور لیتی بلکہ تم سے مانگتی اور کہتی کہ میرے گاڑھے وقت کام آؤ۔ ان باتوں سے جوگن کا دل بھر آیا سوچی کہ ایک میں ہوں کہ جوگن ہوگئی تھی اور اب روپیہ دیکھ کر پھسل پڑی۔ دو تین گھنٹے کے بعد اسی عورت کو ہمراہ لے کر ثریا بیگم استانی جی کے ہاں گئیں اور ساری داستاں کہہ سنائی اور جواہرات کا ڈبا ان کے حوالے کر دیا کہ آپ جانیں آپ کا کام۔

روزِ عید اور چہل پہل

نواب گردوں مدار مع یاران موافق و احباب صادق عیدگاہ میں تشریف لے گئے دیکھا کہ ساقنین بناؤ چناؤ کر کے ٹھسّے کے ساتھ بیٹھی ہیں تختوں پر سفید سفید چاندنیاں بچھی ہیں سامنے پاندان رکھا ہے برنجی حقے لگے ہوئے ہیں دائیں بائیں ایک ایک لگن۔ نیچے آگ روشن چلمیں بھرنے کے لیے دو آدمی حاضر ہیں یاران سرپل کا جھرمٹ ہے پالون اور چھولداریوں میں گھس گھس کے دم لگاتے ہیں۔ آسمان تک تو پہونچاتے ہیں کسی کی چھولداری میں دائرہ بج رہا ہے کہیں ساقن کے سامنے نٹنی ڈھولکی پر گاتی ہے اور چمک دمک کے تماشائیوں کو بھاتی ہے ساتھی چکارہ بجاتے ہیں بے فکرے بھپتیاں سناتے ہیں۔ حلوائیوں کی دکان پر دھوم ہے۔ کھلونے رکھے دکان جمائے دونوں ہاتھوں سے لوٹتے ہیں ننھے ننھے بچے مچل رہے ہیں کہ ہم تو مٹی کا بوا لیں گے دو پیسے دیں گے عیدگاہ کے پھاٹک پر پہونچے تو ہوادار اور گاڑی اور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فٹن اور گھوڑوں کا تانتا لگا ہوا۔ حوض پر بیٹھے منہ ہاتھ دھویا دست پاک سے ہاتھ پوچھا اتنے میں آواز آئی (الصلوٰۃ الصلوٰۃ) نمازی جھک پڑے۔ صفیں بندھیں پیش نماز آگے کھڑے ہوئے۔ نواب صاحب بھی ایک صف میں داخل ہو گئے نماز پڑھ کر احباب سے بغل گیر ہوئے۔

نواب: بھائی نثار علی صاحب ہیں۔ آج شب کو ضرور آئے گا۔

نثار علی: بہت خوب جلسہ ولسہ دکھائے گا۔

نواب: ضرور ضرور۔

سبحان علی خاں: حضرت اب اس شہر میں کوئی اس قابل ہی نہیں کہ گانا سنے اور دو ایک ہیں بھی تو صورت حرام۔

نواب: خیر دو گھڑی کا لطف ہی سہی۔ آپ بھی ضرور آیئے گا۔

سبحان علی خاں: انشاء اللہ

نواب: انشاء اللہ نہیں۔ کہئے ضرور آؤں گا۔

نثار علی: اجی ہم لیتے آئیں گے۔ ان کو اور محلے بھر کو۔

چوبداروں کو نواب صاحب نے حکم دیا کہ بیڑی اور جوزی خرید لو کھلونے والوں سے کھلونے لو اور رنگ سازوں سے کاٹھ کی فنسیں اور گڑیوں کے پلنگ اور رنگے ہوئے صندوق اور کشتیاں لے آؤ۔ خدام با ادب نے کل سودا خرید کر دوسری بگھی میں رکھ دیا اور حضور نواب صاحب روانہ ہوئے چٹکیوں میں گھر پہونچے باہر کمرے میں بیٹھے رفقانے نذر دکھائی اس کے بعد اندر تشریف لے گئے محلدار نے پردہ اٹھایا خدمت گاروں اور چوب داروں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا۔

بڑی بیگم: آگئے۔ کہو عید گاہ میں کچھ مجمع جمع تھا۔

نواب: جی ہاں۔ کچھ تھا تو۔ مگر آگے کا سا بھیڑ بھڑکا کہاں۔

بڑی بیگم: میلا اچھا تھا۔

نواب: جی ہاں ساقنوں کی دکانیں کثرت سے تھیں۔

بڑی: نماز کے قبل تو پہونچ گئے ہوگے۔

نواب: آدھ گھنٹے کی دیر تھی

حسن آرا: دولھا بھائی ہماری عیدی لائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا۔ امّاجان نے پانچ پانچ اشرفیاں دی ہیں۔

نواب صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اشرفیاں نکالیں اور دو دو اشرفیاں دونوں چھوٹی سالیوں کو دیں۔ بیگم صاحب کو آداب عرض کر کے کمرے کی طرف چلے۔ کمرے میں پلنگ پر لیٹے پان کھایا جہاں آرا بیگم بھی اٹھ کر گئیں اور ان کے پیچھے پیچھے گیتی آرا۔

گیتی آرا: دولھا بھائی ہماری عیدی۔

نواب: شام کو دیں گے۔

گیتی آرا: واہ اچھی ہنسی ہنسی میں عیدی اڑا دی لائیے۔

نواب: (مسکرا کر) کہہ تو دیا۔

گیتی آرا: اللہ جانتا ہے ہم آپ کا بڑا لحاظ کرتے ہیں اور آپ ہم سے ہنستے ہیں۔

جہاں آرا: اے ہاں وہ لحاظ کرتی ہے اور تم ہنستے ہو پھر وہ بھی کچھ کہے تو شکایت نہ کرنا ہم سے۔

نواب: تو میں ہنسا کیا؟

گیتی آرا: (مسکرا کر) اے لو کچھ ہنسے ہی نہیں۔

اتنے میں رکابدار نے محلدار کو پکارا۔

محلدار: کہو کیا کام ہے۔

رکابدار: یہ ڈالی پہونچا دو۔

دو قابوں میں نان خطائی۔ ایک قاب میں جوزی کسی میں نہایت خستہ پیڑی سیر بھر سمنک میں آٹھ سیر گھی کھپایا ہوا۔ اچاری میں پیٹھے کی سُرخ سُرخ مچھلیاں معلوم ہوتا تھا کہ سچ مچ مچھلیاں تیر رہی ہیں قوام آب دار اور برف سا سفید اچاری پر سُرخ اطلس اور کلابتوں کی ڈوری بندھی ہوئی اِدھر اُدھر مقیش کے پھندنے لٹکتے ہوئے بیگم صاحب کے سامنے ڈالی لگائی گئی۔ اس کے بعد رحیم بخش باورچی آیا ایک قاب میں شاہی کباب ایک میں پراٹھے بلدار مغلی خستہ کسی میں پسندے کباب کسی میں کوفتے کباب سرخ عمدہ باقرخانی ایک قاب میں ہوئی روٹی میں ایک نان بشیر کوری کاغذی ڈھائی شکرقند کی گلتھی برابر کی لائی دی ہوئی کیوڑا پڑا۔ یہ ڈالی بھی بیگم صاحب کے سامنے پیش ہوئی اس کے بعد خوشلیا کبڑن آئی اس کی بیٹی سنہر دیا بھی اس کے ساتھ تھی گل بدن کا لہنگا بھڑکتا ہوا گلشن لوٹ کا دوپٹہ اودی گوٹ لہنگے کے سامنے ایک بٹوا لٹک رہا ہے دونوں نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آداب عرض پیش کر کے ڈالیاں پیش کیں ڈالی میں کیلے کے ہرے بڑے بڑے پتے بچھے ہوئے زنگترے کولے امرود کیلے کنڈیریاں چکوترے مہتابی کل فواکہ قرینے کے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ محبوبن کس گرن ایک خوان میں کاغذی آب خورے صراحیاں تونہتیاں جھجریاں مٹی کے کبوتر توتے مور لگا کر لائی اور ڈالی پیش کی۔ بڑی بیگم صاحب نے کہا ممتاز دولھا کے سامنے لے جاؤ کہو جو شے پسند ہو رکھ لیں۔

پیش خدمتیں اور مغلانیاں ادب کے ساتھ لے گئیں۔

نواب : افوہ یہ سب کاہے کو اٹھا لائیں۔

پیش خدمت : حضور حکم دیا ہے۔ بیگم صاحب نے۔

نواب : تو اس قدر قابیں اور خوان کیوں اٹھا لائیں اچھا خیر جوزی اور یہ اچاری سرخ مچھلیوں کی اور شامی کباب یہاں رکھ دو باقی سب اٹھا لے جاؤ۔

پیش خدمت : حضور یہ چکوترے رکھ لیجئے۔

نواب : اچھا رکھ دو۔

پیش خدمت : اس میں سے کچھ نہ پسند فرمائے گا۔ محبوبن جو لائی ہیں۔

نواب : اچھا لاؤ صراحیاں رکھتی جاؤ۔

پھر اٹھا کر بیگم صاحب کے پاس لے گئیں لڑکیوں نے اپنی اپنی پسند کے موافق چیزیں چن لیں مغلانی کی لڑکی پیاری کو کھلونے دئے۔

بیگم صاحب نے صندوقچہ کھولا۔ اور انعام تقسیم کیا باورچی کو ایک اشرفی رکابدار کو دو اشرفیاں محبوبن کو دس روپیہ کٹرن کو دس روپیہ۔

بڑی بیگم : (محلدار سے) روتنے کو حکم دو کہ بیابانی کی ڈومنیوں کو تاکید کر آئے کہ پانچ بجے یہاں حاضر ہو جائیں۔

محلدار : بہت خوب۔

محلدار نے روتنے کو حکم سنایا۔

روتنا : وہاں تو کئی گھر ہیں۔ بیابانی کے تکیے پر تو کئی ڈومنیاں رہتی ہیں پوچھ آؤ کس کے ہاں جائیں۔

محلدار : (تنک کر) تو تو ہندی کی چندی نکالتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رونا: واہ بے سمجھے بوجھے کیوں کر جاؤں۔
محلدار: (بیگم صاحب سے)، اے حضور رونا پوچھتا ہے بیا بانی کے نکٹے پر کس ڈومنی کے پاس جاؤں۔
بڑی بیگم: سب گھر ہو آئیں۔
حسن آرا: کل تو آدمی کہہ آیا تھا۔
بڑی بیگم: ہاں بس اسی کو بھیجدو
سپہر آرا: اماجان سب تو نہ آسکیں گی
حسن آرا: ہاں اور جگہ سے بھی بلاوا آیا ہوگا۔
بڑی بیگم: دیکھو ممتاز دولھا سے جاکر کہہ دو کہ اگر جلسہ دیکھیں تو چوبدار کو حکم دے دیں۔ ابھی سے بندوبست ہو جائے۔
محلدار: (نواب صاحب) حضور بیگم صاحب فرماتی ہیں کہ جو جلسہ دیکھئے تو چوبدار کو ابھی سے بھیجد یجئے۔

اتنے میں عباسی مہری بھی آئی۔

نواب: خدا جانے آج کل یہاں کون کون ہے تمہیں معلوم ہے۔ بی عباسی۔
عباسی: حضور فجیا ڈومنی کو بلوائے۔
نواب: ابی! معقول فجیا ڈومنی کی ایک ہی کہی بھلا تمہارا سا نقشہ ہے سچ کہنا۔
عباسی: (شرماکر) حضور تو دل لگی کرتے ہیں۔
نواب: (محلدار سے) جاکے کہہ دو کہ ہم سب بندوبست کیے لیتے ہیں۔

نواب صاحب نے حکم دیا چوبدار فلاں فلاں زنانے اور ایک مردانے طائفے کو کھچڑی دے آئے اور ہمیں اطلاع دے محلدار نے بیگم صاحب سے جاکر کہا۔ بیگم صاحب نے کہا تین زنانے طائفے ہوں اور ایک مردانہ صندوقچہ کھول کر چار روپیہ محلدار کو دئے اور کہا چوبدار کو حکم دو کہ فوراً جائے اور کھچڑی دے آئے وقت ممتاز دولھا سے دریافت کرلو۔

محلدار: حضور طائفے کس وقت تک آجائیں۔
نواب: یہی کوئی نو بجے تک۔
عباسی: تو آٹھ بجے بلواتے سازندے آئیں گے پہلے نتنے جائیں گے۔ بے چنڈو پئے ہوئے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آ چکے اس موے چنڈو نے شہر کو اور بھی غارت کر دیا۔

نواب: تمہارے میاں تو نہیں پیتے۔

عباسی: (ٹنک کر، اوئی اللہ نہ کرے۔

محلدار نے چوبدار کو چار روپیہ دیئے اور حکم سنایا کہا ابھی ابھی جاؤ اور جلد آؤ تاکید کردی ہے۔ **جوبدار:** ابھی لو۔

چوبدار روانہ ہوا۔ ادھر بیگم صاحب نے محلدار کو حکم دیا کہ ممتاز دولھا سے پوچھو آپ کے یاروں دوستوں کے واسطے کیا پکے۔ فوراً داروغہ کو حکم دو کہ باہر ہی پکوائیں محلدار نے دریافت کیا تو نواب صاحب نے یہ فرمائش کی، پلاؤ، شیرمال، باقرخانی تلی ہوئی اردیاں تلے ہوئے آلو۔ قورمہ دو قسم کے کباب فرنی زردہ بس یہی سب پلواؤ۔ کوئی چالیس آدمی ہوں گے محلدار نے داروغہ صاحب سے کہا کہ بیگم صاحب نے حکم دیا ہے آٹھ بجے کھانا تیار ملے داروغہ نے کہا یہ کون بڑی بات ہے۔

نواب: ہاں خوب یاد آیا۔ عباسی۔

مغلانی: آئی حضور۔

نواب: ذرا مہری کو بھیج دینا۔

حسن آرا: (سپہر آرا کے کان میں) مہری کو دولھا بھائی بے طور گھڑی گھڑی بلاتے ہیں۔

سپہر آرا: (مسکرا کر) ہاں

عباسی مہری چمکتی ہوئی چلیں۔

نواب: داروغہ سے جا کر کہہ دو کہ شام کو برف کی قفلیاں بھی تیار رہیں۔

عباسی: بہت خوب۔

اتنے میں حسن آرا کی خالہ زاد بہنیں آئیں پردہ کرایا گیا۔ فنسون پر سے اتریں سب بہنوں سے بغل گیر ہوئیں۔

نظیر بیگم: جہاں آرا کب آئیں۔

حسن آرا: کل کہلا نہیں بھیجا تھا

نظیر بیگم: ہم سے تو مہری نے نہیں کہا۔

سپہر آرا: عباسی تم نے ان کے یہاں جا کے یہ نہیں کہا کہ جہاں آرا بیگم اور گیتی آرا بیگم

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آتی ہیں واہ واواہ پوری بات سن لیا کرو۔

زیب النسا: اور ہم نے پوچھا بھی مگر یہ اماں جان سے باتیں کرتی رہیں انھوں نے سنا نہیں کیا ممتاز دولھا بھی آئے ہیں۔

جہاں آرا: ہاں۔

زیب النسا: دیکھو تو سہی آج ہم کیسا آڑے ہاتھوں لیتے ہیں اللہ جانتا ہے ہم کو بڑا رنج ہے۔

نظیر بیگم: (جہاں آرا کے کان ہیں) آج تو بڑا جوبن ہے بہن اور کیوں نہ ہو ممتاز دولھا بھی تو یہیں ہیں۔

جہاں آرا: (مسکرا کر) آپ سے کم ہی کم۔

اس کے بعد اور سواریاں آئیں اور تھوڑی ہی دیر میں غنچہ کھلا ہوا نظر آنے لگا۔

نواب صاحب نے خبر پائی کہ نظیر بیگم اور زیب النسا بیگم آئی ہیں۔ محلدار سے کہا کہ زیب النسا بیگم سے ہمارا سلام کہہ دو جا کر۔

محلدار: (زیب النسا سے) نواب صاحب نے کہا ہمارا سلام کہہ دو۔

زیب النسا: کہو آپ اپنا سلام رہنے دیں۔

محلدار نے جا کر کہا حضور وہ کہتی ہیں کہ آپ اپنا سلام رہنے دیں۔ نواب صاحب ہنسے کہا جا کر پوچھ آؤ کہ آپ خفا کیوں ہیں؟ یہ کون سی انسانیت ہے کہ ہم آداب عرض کرتے ہیں اور آپ کہتی ہیں کہ اپنا سلام رہنے دو۔ محلدار نے نواب صاحب کا پیغام کہا۔ تو نظیر بیگم اور گیتی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

زیب النسا: کہئے۔ اچھا ہم انسان نہیں حیوان ہی سہی مگر حیوان اور انسان فعلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ہم آپ سے بولتے ہی نہیں۔ آپ کیوں ہمیں چھیڑتے ہیں۔

محلدار نے کہا مجھے اچھی سزا ملی۔ ادھر آؤں پھر اُدھر جاؤں جا کر کہا خداوند وہ خفا ہوتی ہیں کہتی ہیں ہم آپ سے نہیں بولتے ہیں۔ آپ کیوں بار بار چھیڑ خانی کرتے ہیں۔

نواب: (مسکرا کر) نظیر بیگم سے کہو کہ دیکھئے آپ کی بہن سلام کا جواب تک نہیں دیتیں۔

محلدار نے نظیر بیگم سے کہا۔

نظیر بیگم: کہو آپ جانیں وہ جانیں ہم سے کیا واسطہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محلدار: حضور وہ کتنی ہیں وہ جانیں آپ جانیں۔

نواب: زیب النسا بیگم سے کہو آپ کے میاں آج کل کہاں ہیں؟

محلدار نے یہ فقرہ کہا تو زیب النسا اور بھی تیکھی ہوئیں کہا جا کے کہہ دو یہ سب کانٹے تمہارے ہی بوئے ہوئے ہیں میں خوب جانتی ہوں بس اب بہت بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنائیں میری زبان نہ کھلوائیں۔

ان فقروں پر نواب صاحب بہت ہنسے مگر حسن آرا اور سپہر آرا اور گیتی آرا دنگ تھیں کہ ان دونوں میں کیوں چخ چلی۔

اب سنئے کہ زیب النسا بیگم کے شوہر اور ممتاز علی خاں بہادر میں رشتہ کے علاوہ دلی دوستی تھی۔ انھوں نے ایک دن کہا ہم چاہتے ہیں کہ ایک شادی اور کریں مگر بیوی حسین اور تربیت یافتہ ہو۔ نواب صاحب نے کہا بہتر ہے۔ تین چار دن کے بعد رقعہ لکھا کہ ایک رئیس سے جن کی صاحبزادی تربیت یافتہ اور خوب رو قوس ابرو ہیں ہم نے آپ کی نسبت ذکر کیا ہے دیکھیں خوش قسمت ہو یا بد نصیب ایسی جمیلہ بڑے خوش قسمتوں کو ملتی ہیں۔ زیب النسا کے چھوٹے دیور نے یہ خط اتفاق سے پڑا پایا اور بھاوج کو حرف بحرف سنا دیا۔ سوتیا ڈاہ سنتے آگ ہو گئیں یہ خط پھر پڑھوایا۔

دیور: اپنے بہنوئی کی باتیں دیکھیں آپ نے

زیب النسا: میں تو سر سے پاؤں تک پھک رہی ہوں اس وقت۔

دیور: مگر بھائی صاحب سے ہمارا نام نہ لے دیجئے گا۔

زیب النسا: افوہ کچھ ٹھکانا ہے یہ اندر ہی اندر ہنڈیا پک رہی ہے۔ حسین اور پڑھی لکھی ڈھونڈھی جاتی ہے۔ ایڑی چوٹی پر قربان کر دوں۔

اب سالی اور بہنوئی کا جھگڑا ناظرین کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔

امشب این محفل رنگیں زحنا بندان ست
نتواں گفت بہشت ست کہ صد چندان ست

اللہ اللہ آج تو بڑی بیگم صاحب کے یہاں واقعی غنچہ ہی کھلا ہے جو ہے رنگین ادا اور ماہ سیما ہے۔ ہمجولیاں مل کے باہم عید سعید کی خوشی مناتی ہیں چہل اور دل لگیاں ہوتی جاتی ہیں جو ہے نو عمر و نو خیز حاضر جواب و تیز زبان دراز و طناز۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ادھر نواب نامدار کے رفقا سلیقہ شعار نے کمروں کو دلھن کی طرح سجایا تھا اور کمرے کے سامنے ایک شامیانہ عیش کا شادنہ نصب کیا تھا۔

چھ بجے بیا بانی کی پری چہرہ اور شیریں حرکات ڈومنیاں ڈولیوں سے اترنے لگیں اندر جاکر بہ ادب آداب بجالائیں اور قرینے اور تمیز کے ساتھ فرش پر متمکن ہوئیں۔

سات بجے سے ڈومنیوں نے گانا شروع کیا اور وہ رنگ جما کہ تڑکے تک دھما چوکڑی مچی رہی ؂

مبارک شبِ قدر بھی وہ شب تھی　　سحر تک مہ و مشتری کا قران تھا

وہ شب تھی کہ تھی روشنی جس میں دن کی　　زمیں پر سے اک نور تا آسمان تھا

عروسی کی شب کی علامت تھی حاصل　　فرحناک تھی روح دل شادماں تھا

مشاہد جمال پری کی تھیں آنکھیں

مکان وصل کا اک طلسمی مکان تھا

یوں تو سب ڈومنیاں بلا کی شوخ و طرار پری رو اور گل عذار تھیں مگر منی ڈومنی پر جو سب سے کمسن تھی ستم کا جوبن تھا۔ اس کے بناؤ چناؤ پر سب کی نظر پڑتی تھی۔ کسی مشاطہ چابکدست نے گیسو ایسے سنوارے تھے کہ غضب ڈھایا تھا اس کی نوک جھونک اور بھولی تقریر نے حسن آرا اور ان کی ہمجولیوں پر بڑا اثر کیا۔ گانا جو شروع کیا تو فرمایشیں ہونے لگیں وہ فرط مستی سے جھوم جھوم کر گاتی تھیں اور محفل بھر کو لبھاتی تھیں۔

زیب النسا: کیوں بہن منی کی شادی ہوئی یا نہیں۔

حسن آرا: اچھا بوجھو۔

نظیر بیگم: اوئی کیا کچھ چیستان ہے۔

حسن آرا: اچھا تمہاری سمجھ میں کیا آتا ہے بیاہی ہے کہ بن بیاہی۔

نظیر بیگم: چونوں سے تو کنوارپن پایا جاتا ہے۔

زیب النسا: ہاں بے شک ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔

سپہر آرا: اے باجی جان کیا سچ مچ ڈومنیوں کی شادی ہوا کرتی ہے۔

اس فقرے پر حسن آرا اور زیب النسا کو ہنسی آئی تو سپہر آرا نے کہا بھلا اس میں ہنسی کی کون سی بات ہے جو آپ ہنس دیں ایک شے نہیں معلوم ہے ہم کو تو پوچھ نہ لیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آٹھ بجے کے وقت سے اربابِ نشاط کی آمد آمد شروع ہوئی نو بجے تک سب آگئے اور کوئی آدھ گھنٹے میں ناچ شروع ہوا۔ ہر سمت صدائے تحسین بلند تھی واقف کار آدمی علم موسیقی کے جاننے والے گردن ہلاتے تھے داد دیتے جاتے تھے اِدھر اُدھر ارباب نشاط کا جمگھٹا جیسے دیکھو صندلی رنگ شوخ و شنگ بے باک چست و چالاک۔

بارہ بجے کے وقت نواب صاحب نے کہا حضرات ہم تو ذرا جا کر سوئیں گے آپ سب صاحب ناچ دیکھئے۔

ظریف: چہ خوش چرا نباشد۔ ع

طاقت مہمان نہ داشت خانہ بہ مہمان گذاشت

نواب: جی نہیں ایک سبب ہے۔

ظریف: بس ایک ہی سبب ہے فرمائیے کیا سبب ہے۔

نواب: درد سر۔ واللہ سر پھٹا پڑتا ہے۔

ظریف: جی ہاں کیوں نہیں:۔

صندلی رنگوں سے مانا دل ملا

درد سر کی کس کے ماتھے جائے گی

احباب نے اصرار کیا کہ آپ اندر نہ جائیے۔ درد سر ہے تو یہاں ہی پلنگ پر آرام فرمائیے مگر نواب صاحب نے خوشامد کی کہ جانے دیجئے طبیعت کسی قدر بے لطف ہے یہاں نیند نہ آئے گی یہ کہہ کر حسب اجازت احباب زنان خانے میں تشریف لے گئے۔ وہاں ڈومنیاں گاتی تھیں۔ اور ہمجولیاں فرط طرب سے قہقہے لگاتی تھیں۔ یہ چپکے سے اپنے کمرے میں تشریف لے گئے پیش خدمت سے کہا حقہ بھر لاؤ وہ حقہ بھر لے گئی تو بڑی بیگم صاحب نے دریافت کیا کہ حقہ کون مانگتا ہے۔ عرض کیا حضور نواب صاحب تشریف لائے ہیں۔

بڑی بیگم: کیوں یہاں کیوں حقہ بھروانے بھیجا طبیعت تو اچھی ہے ذری جا کے پوچھ آؤ۔

خواص: (نواب صاحب سے) حضور بیگم صاحب پوچھتی ہیں کہ مزاج تو اچھا ہے۔

نواب: ہاں ہاں فضل الٰہی ہے کہہ دو دن کو سونے کا عادی ہوں آج لیٹا تک نہیں میں نے کہا ذرا کمر سیدھی کر لوں گھبرائیے نہیں میں اچھا ہوں۔

خواص نے جا کر عرض کیا کہ دن کو سوئے نہیں تھے اس سے چلے آئے طبیعت اللہ کے فضل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے اچھی ہے۔

نظیر بیگم: (جہاں آرا کے کان ہیں) ہم سمجھ گئے۔

گیتی آرا: (آہستہ سے) آپ کی سمجھ کے قربان۔

حسن آرا: جہاں آرا بہن شرماتی کیوں ہو۔

جہان آرا: اخاہ تم کو بھی ہمارے لیے زبان آئی۔

سپہر آرا: اے بہن دولھا بھائی جلسہ چھوڑ کے کیوں چلے آئے۔

حسن آرا: (مسکرا کر) ان کو کیا معلوم یہ دولھا بھائی جانیں۔

جہان آرا: چھوٹی ہو۔ اب کیا کہوں۔

اتنے میں بڑی بیگم صاحب نے کہا۔ جہان آرا جاؤ دو گھڑی تم بھی سو رہو تم بھی آج دن بھر نہیں سوئیں۔ کہیں خدانخواستہ طبیعت میں ہرج نہ ہو جائے بہنوں نے مسکرانا شروع کیا جہاں آرا بیٹھی رہیں تو بڑی بیگم نے پھر کہا اے جا کے لیٹ رہو دم بھر۔ چلو اٹھو۔ ہائیں! جہاں آرا اٹھیں تو ہمجولیوں نے آنکھ سے اشارہ بازی شروع کی۔

ایک: اے ذری بیٹھو بہن جلدی کیا ہے جانا۔

دوسری: اونھ اونھ۔ اللہ ری شتابی۔ اف ری عجلت جائیے جائیے۔

تیسری: اس بیتابی کو دیکھئے۔ اللہ اللہ۔

چوتھی: اے تو ہنتے پر نہ لٹو کو بہن کس شوق سے جاتی تھیں بے چاری۔

جہاں آرا پھر کچھ جھیپ کر بیٹھ گئیں تو سب بہنیں مسکرانے لگیں اور عباسی بھی ایک ادائے دلربا کے ساتھ زیر لب مسکرائیں یہ اور بھی شرمائیں۔

بڑی بیگم: اے جانے دو۔ کیوں دق کرتی ہو سب کی سب مل کر۔

زیب النسا: ہم کیا کچھ روکتے ہیں خالہ جان۔

نظیر بیگم: اے جاؤ نہ ہمارے ہی کہنے سے تو بیٹھ گئی ہیں نہ اونھ۔

حسن آرا: جائیے جائیے۔ دیکھئے اماں جاں کا حکم ہے۔

بڑی بیگم: جاؤ بیٹی ایک دم کے لیے لیٹ رہو۔ دن بھر کی تھکی ہو۔

زیب النسا: (مسکرا کر آہستہ سے) اف وہ بہت تھک گئی ہیں۔

جہاں آرا جھیپ کر پائینچے اٹھاتی ناز و ادا سے قدم رکھتی چلیں۔ کمرے میں پہنچیں تو نواب صاحب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نے کہا اخاہ بہت جلدی آئیں آپ دروازہ تاکتے تاکتے آنکھیں تھک گئیں بارے اتنی دیر کے بعد ہمیں چھم چھم کی آواز کان میں آئی۔

جہاں آرا، (تنک کر) اے آج تم کہاں گھر میں گھسے آن کے آج باہر کی سیر ہے یا یہاں کی ہم کا ناسُن رہے تھے کہ آپ داخل ہوئے یہ سوجھی کیا خالہ جان نے بار بار کہا جاؤ جاؤ تو اٹھنا پڑا ورنہ اللہ جانتا ہے ہم تو ہرگز نہ اٹھتے۔ ہمجولیاں اشارے کرنے لگیں۔ تمہارے سبب آج ہمیں جھینپنا پڑا۔

نواب، چلو خیر عید کے دن سب معاف ہے۔

پردے پڑ گئے خواص باہر چلی آئی۔

ادھر ڈومنیاں کسی کا آنچل پکڑتی ہیں کسی کا دوپٹہ نہیں چھوڑتیں روپیہ دو روپیہ اٹھنی چونی جس نے دیا لے لیا اور پھر ستانا شروع کیا۔

چار بجے جہاں آرا کی آنکھ کھلی چپکے سے اٹھیں اور دلائی اوڑھ کر دبے پانوں جانے ہی کو تھیں کہ نواب صاحب بھی جاگ اٹھے۔

نواب: کہاں جاتی ہو سردی ہیں۔

جہاں، اے واہ چہ خوش اے لو اور سنو سردی کی اچھی کہی۔

نواب، ٹھہرو ٹھہرو منہ دھوؤ، پان کھاؤ۔ جانا جلدی کیا ہے۔

جہاں آرا: اے واہ۔

(اے واہ) کہہ کر جانے ہی کو تھیں کہ نواب صاحب نے دلائی پکڑ لی۔ تو جہاں آرا بیگم نے دلربائی کے ساتھ جھٹک کر کہا چلو۔ بس چھوڑ دہمیں یہ ہنسی نہیں بھاتی۔ وہاں سب ہمیں ہنسیں گی تم نے تو بے حیائی کا جامہ پہن لیا یار دوست ہنسیں گے ہنسیں تمھیں پرواہ کیا ہے اس کی۔ اٹھو باہر جاؤ:

نواب صاحب آنکھ ملتے ہوئے اٹھے افوہ ابھی تو تین بھی نہیں بجے۔ جہاں آرا تو چار کا گجر اپنے کانوں سن چکی تھیں۔ کہا کچھ تم کو خبر بھی ہے آؤ کچھ بدتے ہو تین بج گئے۔

نواب صاحب نے کہا آؤ بدتے ہیں۔

جہاں آرا: کیا کیا بدتے ہیں۔

نواب: ایک اشرفی لاؤ ہاتھ پر ہاتھ مارو۔

جہاں آرا، ہم لے لیں گے۔ اللہ جانتا ہے۔ تم بد بد کے مکرتے ہو ہم نہیں بدتے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نواب : نکل گئیں نہ، ہم نہیں جانتے۔ ہم ایک اشرفی لیں گے۔

جہاں آرا : اور جو ہار گئے تم۔

نواب : تو ایک اشرفی دیں گے قرآن کی قسم۔

جہاں آرا نے کہا دیکھو شرعی قسم کھائی ہے یاد رکھنا۔ عباسی کئے بجے ہوں گے۔ عباسی نے کہا حضور اب پانچ بجیں گے چار بج گئے دیر ہوئی۔

جہاں آرا : لائیے اشرفی۔ اشرفی ہوئی۔

نواب صاحب نے کہا۔ ارے پانچ کا عمل ہے۔ لاحول ولاقوۃ

نواب صاحب باہر تشریف لے گئے، تو یاروں نے بنانا شروع کیا۔ اب تو درد سر نہیں ہے حضرت۔ فرمائیے یقین ہے اب سر کا درد جاتا رہا ہوگا۔

ادھر جہاں آرا جو کمرے میں پہنچیں، تو ان کی بہنوں نے ان کو ہنسانا شروع کیا۔

زیب النسا : آپ تشریف لائیں۔

حسن آرا : باجی جان بندگی (مسکرا کر) اے لو ہم تو ادب سے بندگی کرتے ہیں اور آپ تیکھی ہو کر گھورتی ہیں۔ واہ بہن واہ۔

نظیر بیگم : اب تو آنکھیں نہیں جھکی پڑتیں۔

جہاں آرا : تو تم کو شاید سو رہنے میں بے چینی ہوتی ہے۔ (جھیپ کر) چھیڑ خانی سے باز نہیں آتیں۔

ڈومنیوں نے جہاں آرا بیگم کا آنچل پکڑا۔ اور کہا لائیے۔ جہاں آرا نے دو روپیہ دیئے:

ڈومنی : اے واہ سبحان اللہ۔ آپ سے اور دو روپیہ لیں۔

جہاں آرا : (دو اور ملا کر) اچھا لو۔

ڈومنی : خیر اس وقت تو لیے لیتے ہیں۔ مگر پھر دینا ہوگا۔ آپ کو آپ تو جا کر سو رہیں۔ ادریہاں ہیں نے ان سب سے دس دس دفعہ بیل لی۔ آپ اب آئی ہیں۔ مگر بے لیے ہم نہ ہانیں گے۔

جہاں آرا : (مسکرا کر) اچھا یہ تو لو۔

ڈومنی خیر جو حکم۔ مگر اس کی سند نہیں۔

جہاں آرا : انھوں نے دس دفعہ بیل دی تو کیا کمال کیا۔ گانا بھی تو سنا ہم نے کچھ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گانا سنا تھا۔

ڈومنی: (مسکرا کر) اے حضور! آپ نہ سنیں تو ہم کیا کریں۔ ہم تو آپ ہی سب کا دیا کھاتے ہیں۔ اللہ کرے نواب صاحب تا دورِ قیامت زندہ رہیں۔ آپ کوکھ مانگ سے ٹھنڈی رہیں۔

حسن آرا: اے اب سویرا ہوا جاتا ہے۔ ایک آدھ چیز اور کہو۔

ڈومنی: بہت خوب جو حکم ہو۔

سپہر آرا: ساس بہو کی لڑائی کی نقل کرو۔

زیب النسا: اس وقت بہار النسا بہن نہ ہوئیں۔ کیا کہیے۔

ایک بوڑھی ڈومنی ساس اور بی منی بہو بہنیں۔ کیفیت قابل دید تھی۔ بوڑھی زمانہ دیکھے ہوئے۔ خرانٹ، پوپلے منہ سے نئے نئے محاورے ادا کرتی تھی، اور منی انگلیاں مٹکا مٹکا کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر جواب ترکی بہ ترکی دیتی تھی۔ بڑی بیگم تک ہنس پڑتی تھیں۔ بس نقل کی انتہائے تعریف یہ ہے کہ بڑی بیگم کو ہنستے کسی نے کم دیکھا ہوگا۔ حسن آرا اور سپہر آرا اور ان کی خالہ زاد بہنوں، اور ہم جولیوں، کی یہ کیفیت تھی کہ مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔

نظیر بیگم: منی سے اور ان کی ساس سے خوب بنے گی۔

حسن آرا: لڑنے بھڑنے کی تو اسی سن سے تعلیم پا چکی ہیں۔

زیب النسا: کیسی کچھ ناک میں دم آجائے گا، ان کی ساس کا۔

صبح کو جلسہ برخاست ہوا۔

ادھر نواب صاحب محفل میں گئے، تو کہروے کی فرمایش کی۔ تین پریوں نے بصد شانِ دلربائی کہروا ناچنا شروع کیا۔ دو کی زلفِ پریشان ستم ڈھاتی تھی، اور ایک کہروا ناچتے ناچتے شرما جاتی تھی۔

نواب: ایں! واہ یہ کیا بات آدھے چکّر کی سند نہیں، پورا ہو۔

سازندہ: حضور لجاتی ہیں۔

نواب: واہ وا۔

ظریف: تم تو طریقہ بتا دو بڑے میاں۔

سازندہ: (دانت کھول کر) خداوندیہ ہم کو سکھائیں گی یا ہم ان کو۔

ظریف: اب یہ ناچا ہی کریں گی۔ یا منہ سے بھی کچھ کہیں گی۔ سر سے تو کھیل چکیں، اب

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

منھ سے بھی بولیں۔

گوری دھیرے چلو گگری چھلک نا جائے، کی آواز دِلربا بلند ہوئی۔ محفلِ عشرت کی رونق دہ چند ہوئی۔

سویرے جلسہ برخاست۔ دو ایک صاحبوں نے کہا حضرت ہم بھیرویں سنے بغیر نہ جائیں گے۔ مگر سب رات کے تھکے تھے ہُرہو گئے۔

نواب صاحب حمّام کرکے اندر تشریف لے گئے۔ نظیر بیگم سے نوک جھونک ہونے لگی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فوجِ ظفر موج

میاں آزاد ہرمز جی کی کوٹھی سے رخصت ہوکر، اپنے رجمنٹ میں شریک ہونے گئے تھے، کہ تھوڑی دیر میں گھڑگھڑاہٹ کی آواز آئی۔ خوجی نے (چونک کر) کہا یہ کیا ہے۔ یہ آواز کیسی آئی۔ افوہ کس قدر گھڑگھڑاہٹ ہے کہ خدا کی پناہ۔ اخاہ اب ہم اس کی لِم سمجھ گئے۔ زلزلہ آنے والا ہے۔ ہرمز جی زلزلہ کے معنی نہیں سمجھے۔ مگر خوجی کو شک کے عوض یقین کامل تھا کہ، ضرور زلزلہ آنے والا ہے، ایک مرتبہ میاں آزاد سے سن چکے تھے، کہ جب زلزلہ آتا ہے، تو اکثر مقامات پر قبلِ زلزلہ زمین کے اندر سے ایک قسم کی آواز آنے لگتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی شخص زمین کے اندر بندوقیں داغ رہا ہے۔ یا چاند ماری ہوتی ہے۔

اتنے میں ہرمز جی کے آدمی نے کہا حضور فوج جاتی ہے۔ ہرمز جی اور مسٹر میڈا اور میاں خواجہ بدیع کوٹھے پر گئے۔ دیکھا فوج سامنے آرہی ہے۔ پہلے توپخانہ دیکھا، یہ اسی کی گھڑگھڑاہٹ تھی۔ اس کے بعد پایہ بہ پایہ، قرینہ بہ قرینہ فوج آتی رہی۔ دیکھتے دیکھتے مس میڈا کی نظر میاں آزاد پر پڑی۔ بائیں ہاتھ سے گھوڑے کی باگ اٹھائے، عظمت وصولت کے ساتھ بیٹھے۔ ران پٹری جمائے یہ جا وہ جا۔ خوجی کی سُنیے کوٹھے پر سے پکارتے ہیں۔ میاں آزاد۔ میاں آزاد ہوت۔ ارے میاں اِدھر اِدھر۔

ہرمز: ہائیں! خاموش رہو جی۔ بھلا یہ کوئی موقع ہے کسی کے پکارنے کا۔

خوجی: واہ خدا جانے کیا گالیاں دے رہے ہیں۔ سنتا اور سمجھتا کون ہے۔

ہرمز جی نے ایک اردو داں کو بلوایا، اور کہا ان کو سمجھا دو کہ جب فوج جاتی ہو تو اس طرح بے دھڑک نہ پکارا کریں، اس وقت غل مچا کر میاں آزاد میاں آزاد پکارا کیے۔ عجب وحشی ہے۔ اور ہم سمجھاتے ہیں، تو جواب ہی نہیں دیتے۔ اردو داں ہندی آدمی تھا۔ خانساماں خوجی سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہتے ہوئے کسی قدر ڈرے کیوں کہ ان کے مزاج سے سب واقف تھے۔ ہرمزجی نے بہ اصرار کہا کہ جو ہم کہتے ہیں وہ ان کو سمجھا دو، مگر ذرا ملائم الفاظ ہیں۔ ان کو بات کی تاب نہیں ہے۔

خانساماں: حضور کہتے ہیں کہ فوج کا واسطہ بڑھ ڈھب ہے۔ اب کبھی اس طور پر نہ پکاریے گا۔ آپ نے شاید یہیں سے آزاد آزاد کہہ کر پکارا تھا۔

خوجی: واہ ہے۔ عجب ڈرپوک آدمی ہیں۔ کیا کوئی گولی مارتا۔ یا توپ کھینچ مارتا۔ ہم بھی تو پلٹنوں میں رہ چکے ہیں۔ بھائی رسالداریاں کیں۔ کمیدانیاں کیں۔ سپاہی پر سپاہی کا ہاتھ ہرگز نہ اٹھے گا۔

خانساماں نے ہرمزجی کو سمجھا دیا۔

ہرمز: پوچھو تمھارے غل مچانے سے وہ چلے آئے؟ بس اتنا پوچھ لو تم جو چلائے وحشت ہیں آن کر تو اس سے تمھیں یہ امید تھی وہ چلے ہی آئیں گے۔

خوجی: (خانساماں سے) پوچھو یہ جھگڑا کیا ہے۔ آپ کو ان باتوں سے کیا مطلب ہے۔ میاں آزاد نے اس طرف دیکھا تھا۔ ہماری ان کی چار آنکھیں بھی ہوئیں۔

ہرمز: (میڈا سے) کیا میاں آزاد نے اس طرف نظر کی تھی ہم نے نہیں دیکھا۔

میڈا: وہ اس وقت رَد میں چلے جاتے تھے ان کو تو شاید یہ بھی نہ معلوم ہوا ہوگا کہ مسٹر ہرمزجی کی کوٹھی ہے یا کوئی اور مقام ہے۔

اب سنیے جس وقت شہر سے فوج ظفر موج، جنگی سامان، اور آن بان کے ساتھ معرکہ رست خیز کے لیے چلی۔ تو تمام شہر میں دھوم مچ گئی، کہ لشکرِ فیروزی اثر مورچے پر جاتا ہے۔ گو افسران فوجی اور ترکی سپاہی سب خوبرو، اور سب کڑیل جوان تھے، مگر بسالت کے نہنگ، بحر آشام مشہورِ خاص و عام حمیت اسلام کے عاشقِ دل دادہ میاں آزاد آزادہ پر اور ہی عالم تھا۔ گلگونِ باد رفتار، و آہو شکار، زمین پر قدم نہیں رکھتا تھا۔ میاں آزاد کے چہرے سے شانِ سپہ سالاری عیاں تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شہزادہ بلند ارادہ یا کوئی جنرل جلیل القدر ہے:

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

از سر تا پا زرق و برق بحرِ نور میں غرق۔ خلق خدا دعائیں دیتی تھی۔ جرأت بلائیں لیتی تھی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گھوڑے کا نازِ معشوقانہ لطف دکھاتا تھا۔ تیزی اور شوخی سے اٹھکھیلیاں کرتا جاتا تھا۔ زن و مرد، پیرانِ کہن سال، اور جوانانِ نو عمر، عوام اور عمائد اور رؤسائے شہر اور خاتونانِ بلقیس مرتبت مکانوں اور دکانوں اور کوٹھیوں اور چھتوں اور بازاروں میں بصد جوش و خروش اظہارِ مسرت کرتے تھے۔ کسی نے لشکر فیروزی اثر کو دیکھ کر رومال ہلایا۔ کسی نے مرحبا مرحبا کا شور مچایا۔ کسی نے دعا مانگی کہ بارِ خدایا ان ملک کے خیر خواہوں کو شاد بامراد رکھ۔ سرخرو واپس آئیں۔ خوشی کے ڈنکے بجائیں۔ غنیم شکست فاش پائے۔ ترکی رنگ رلیاں منائیں۔ سلطنت عثمانیہ کی سطوت و عظمت کا عَلَم بلند ہو۔ اقبال و جلال کی ترقی دہ چند ہو۔ ترک دوست مسجدوں میں گھی کے چراغ جلائیں۔ حسّاد بدنہاد نیچا دیکھیں۔ اعدا منھ کی کھائیں۔ کوئی جزاک اللہ کا نعرہ بلند کرتا تھا، کوئی سپاہیوں کی نمک حلالی کا دم بھرتا تھا۔ لڑکے تالیاں بجاتے تھے۔ بوڑھے دل ہی دل میں دعائے خیر دیتے جاتے تھے۔ شہر میں اس درجہ جوش تھا کہ ہر فردِ بشر نشۂ بادہ حمیت سے مدہوش تھا۔

میاں آزاد زبانِ حال و قال سے یہی کہتے تھے کہ:

آن نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشت من
آن منم کاندر میانِ خاک و خون بینی سرے

ترکوں کی فوج دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ جو سپاہی ہے خوبروئی کی جان۔ جو افسر ہے، بسالت کی کان۔ جوانِ طنّاز، کشیدہ قامت، خوش انداز، خوبرو، خوشخو، بہارِ طبع، رنگین مزاج، بڑے کس بل کے لوگ ہیں اور جیوٹ جیالے۔ میدانِ کارزار میں پہنچے، اور شیر ژیان بن گئے، اور ملک کے نام پر جان دیتے ہیں۔ چاہے دو دن تک کھانا نہ ملے، مگر غنیم کو پشت نہ دکھائیں گے، قتل کریں گے اور مر جائیں گے۔ لو کی شدّت آفتاب کی حدّت سردی کی کثرت، ایک کو نہ مانیں۔ چاہے برف گرے، چاہے کہرا پڑے، یا ہوا سے جگر تک ٹھٹھر جائے، مگر ترکی سپاہی کا قدم پیچھے نہ ہٹے گا۔ اس میں ہرچہ بادا باد۔ اور یوں تو شکست کھانے سے کوئی قوم روئے زمین پر نہیں بچی ہے۔ یہ دنیا کے کارخانے ہیں۔ جس میں انسان کو دخل نہیں:

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میرؔ
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ترکوں کے حسن گلوسوز کا ادنیٰ ثبوت ہے، کہ جن ترکوں کو قید کر کے روسی لے گئے تھے اب ان کو رہا کیا، اور وہ ٹرکی کی طرف واپس آنے لگے تو روسی لیڈیوں نے رونا شروع کیا، اور مچل گئیں، کہ ان کے ساتھ ہم جائیں گے۔ اکثر لیڈیوں کو بڑی دِقت سے روسیوں نے باز رکھا، ورنہ ان خوشرو جوانوں سے وہ اس درجہ ملتفت ہو گئی تھیں کہ گھر سے نکلی جاتی تھیں سچ ہے:

سعدیا روزِ اوّل حسن بہ ترکاں دادند

یہ پیشتر کی ایک جنگ کا حال ہے۔

روسی اس وقت بہت ہی جھینپے۔ جب ریل کے اسٹیشن پر اسّی جوان اور نوخیز لیڈیاں **نکھر نکھر کر ڈٹ** گئیں اور کہا کہ ان ترکوں کے ساتھ ہمیں بھی جانے دو۔ ہمارا ان کی ادا پر دل آیا ہے۔ **بعض بعض** ڈاڑھیں مار مار کر روئیں، اور اکثر آبدیدہ ہو گئیں۔ ان ترکوں کے دل کی اس وقت عجب کیفیت ہو گئی۔ ان کے جمالِ مبین کا ثبوت یہ تھا۔

جس وقت فوج شہر سے باہر جاتی تھی، ایک میلا سا جما ہوا تھا۔ کوٹھے پھٹے پڑتے تھے۔ تماشائی زمین کے ایک ایک چپے کے لیے لڑتے تھے۔ ایک جوان خاتون ترکی لیڈی جھروکے سے فوج پر نظر ڈال رہی تھی، کہ اپنے پیارے، اور مہ جبیں شوہر کو شہر سے باہر جانے سے قبل آنکھ بھر کے دیکھ لے، اور بصد حسرت دل میں سوچتی تھی، کہ خدا جانے یہ آخری دیدار ہے یا پھر بھی اپنے جری شوہر سے ملوں گی۔ مگر افسوس کہ اس کی آرزو پوری نہ ہوئی اور اس کے شوہر کا گھوڑا اس کو نظر نہ آیا۔ ایک بوڑھا سوا سو برس کا آدمی عصا کے سہارے سے کھڑا دیکھتا ہے کہ نورِ بصر لختِ جگر پیشِ نظر آئے، تو اس کی آنکھ نور موفور پائے۔ یہ لڑکا اپنے باپ سے لڑ کر گیا تھا۔ بوڑھے کی یہی ایک اولاد، اور ساری خدائی میں یہی ایک عزیز تھا۔ اس نے باپ سے آن کر جو گفتگو کی تھی اس سے ترکی سپاہیوں کی جرأت اور جاں نثاری صاف ظاہر ہے۔

بیٹا: ابّا۔ اب ہمیں رخصت کرو۔ ہم فوج کے ساتھ ضرور جائیں گے۔

بوڑھا: جان بابا۔ ع

اک ذرا ہوش سنبھالو (ابھی) دنیا دیکھو

جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش۔ میدانِ جنگ میں بڑے بڑے بہادروں کے چھکے چھوٹے،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جاتے ہیں۔

بیٹا: ابّا جان چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔ میں نہ مانوں گا۔

بوڑھا: بیٹا ناکردہ کار ہو۔ جا کے کیا بناؤ گے۔

بیٹا: ابّا ہم زخمیوں کو پانی پلائیں گے۔

بوڑھا: بیٹا اس خیال سے در گزرو۔ یہاں ہم اکیلے مر نہ جائیں گے۔

بیٹا: (زار زار رو کر) ابّا جان تم مر جاؤ تو خیر۔ مگر زخمیوں کی خبر گیری مقدم ہے۔ میرا قصور اس وقت معاف کرنا۔ ایک تمھاری جان جانے سے اگر سو کا بھلا ہو تو ابّا تم اپنی جان کا خیال نہ کرو۔

باپ نے بیٹے کو گلے لگایا، اور بواقیتِ سرشک سے اس کا دامن تر کر دیا، اور کہا جان بابا تم کو اب ہم نہ روکیں گے تمھاری بس اتنی ہی زندگی تھی، مگر خیر۔ بیٹے نے کہا ہماری جان کی کوئی بنیاد نہیں۔ جو جوان مرد ہمارے ملک اور ہمارے ظلِّ سبحانی اور خلیفۃ الرحمانی کے لیے جان دینے جائیں ان کی جان ہماری جان سے زیادہ قیمتی ہے۔ یہ کہہ کر لڑکا اٹھ کھڑا ہوا۔ بوڑھے نے کہا فی امان اللہ۔ آدب بجا لایا، اور چلا۔ بوڑھا بے چارہ مصیبت کا مارا کھڑا تاک رہا تھا کہ ایک نظر بھر دیکھوں۔ جب لڑکا فوج کے ساتھ اس مقام پر پہنچا، جہاں بوڑھا کھڑا تھا۔ تو دونوں کی چار آنکھیں ہوئیں۔

اِدھر اُدھر کچھ خواتین ناز و ادا کے ساتھ، ان جوانوں پر گل افشانی کرتی تھی۔ ان میں ایک یہودن بھی تھی۔ صندلی رنگ، شوخ و شنگ، آگ بھبوکا، اس پری نے بصد شانِ دلبری ایک مرتبہ میاں آزاد پر تاک کر پھول پھینکا، تو آزاد نے ہاتھ سے روک کر پھول کو چوم لیا، اور آنکھوں سے لگا کر بٹن میں لگا لیا۔ اس بتِ رنگیں ادا، اور ناظورۂ ماہ سیما نے پھر اپنی نظر ڈالی اور زبانِ حال و قال سے یہ اشعار پڑھنے لگی:

سرو از سرِ ناز جلوہ گر کن
بر ما بغلط یکے نظر کن
از من گل چو می خرامی
بر سوختہ خرمنے نظر کن

رسالہ آگے بڑھا۔ تو ایک مقام پر مکتب کے چند لڑکوں نے نعرہ مارا، اور ترکی زبان میں دعا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مانگی، کہ خداوندا ان نوجوانوں کو نیک نام اور فائز بمرام کر۔

الغرض تمام شہر میں دھوم مچی تھی اور خلقِ خدا دست بدعا تھی، کہ غنیم ایک ہی حملے میں بول جائے۔ چھوٹے بڑے امیر فقیر، آیند و روند سب ہی دعا مانگتے تھے۔ سچ ہے:

حبّ الوطن از ملک سلیماں خوشتر
خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر
یوسف کہ بملک مصر شاہی می کرد
می گفت گدا بودنِ کنعاں خوشتر

جس میں حبّ وطن نہیں وہ آدمی نہیں۔

جب فوج شہر سے باہر پہنچی تو آزاد پاشا، اور ایک افسر علیقو پاشا نامی سے باتیں ہونے لگیں۔

علیقو: آپ نے ملاحظہ کیا کس قدر جوش ہے۔

آزاد: بیشک اور یہ جوش قابلِ قدر ہے۔

علیقو پاشا نے میاں آزاد سے پوچھا کہ غنیم اب کس مقام پر ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ شہر کی طرف سے گرد نمودار ہوئی اور رفتہ رفتہ بلند ہونے لگی۔ لشکریوں نے بھانپ لیا کہ وزیرِ جنگ نے کچھ ہدایت کی ہے۔ کئی سوار بگٹٹ اور سرپٹ گھوڑے دوڑائے آتے ہیں، ورنہ اس قدر بلند گرد نہ ہوتی۔ شہر میں تو خیر یوں ہی سب کے سب کسی قدر قرینے سے آئے تھے۔ مگر شہر پناہ کے باہر پہنچ کر پورے جنگی قاعدے سے جاتے تھے۔ جس وقت گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ افسر کمانیر نے حکم دیا کہ فوج آگے نہ بڑھے۔ سب رک گئے مگر کچھ دیر تک بجز گرد کے اور کچھ نظر نہ آیا اور بجز ٹاپوں کے اور کوئی آواز نہ سنی۔ جب قریب آئے تو دیکھا کہ دس سوار مارا مار چلے آتے ہیں۔ سواروں نے آن کر کہا وزیرِ جنگ کا حکم لائے ہیں۔ افسر کمانیر نے وزیرِ جنگ کا خط لیا اور پڑھ کر لشکریوں کو سنایا۔ اس کے بعد آزاد پاشا کو حکم دیا کہ کل سواروں اور جوانوں اور توپ خانے والوں کو سنا دو۔ آزاد پاشا نے گھوڑا اپنی صف سے نکالا، اور کاغذ لے کر گھوڑا بڑھایا۔ اور سب کو اس کا مطلب سنا دیا اس کے بعد افسر کمانیر نے سب کو مخاطب کر کے یوں کہا۔

اے میرے پیارے جوانو! تم کو حضور وزیرِ جنگ کی ہدایت سے معلوم ہوا ہوگا کہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روسیہ لشکر نوے ہزار آدمی دریائے ڈنیوب کے اس پار عبور کر آئے ان کے روکنے کا کامل بندوبست کیا گیا تھا۔ مگر واللہ اعلم کس راہ سے چلے آئے۔ جب ہماری فوج ان کے مقابلے کے لیے گئی تو کوئی پچیس ہزار روسی اتر آئے تھے۔ اس جماعت نے ہماری فوج سے جو تعداد میں غنیم سے کم تھی مقابلہ کیا۔ گو ہماری جماعت کم تھی، مگر عرصۂ دراز تک دشمن سے ہمت مردانہ اور جرأت کے ساتھ مقابلہ کرتی رہی، اور باوجود حملہ ہائے متواتر اپنی جگہ سے نہ ہٹی۔ اس جنگ سے روسیوں کو ایسا موقع ملا کہ باقی ماندہ فوج بھی اتر آئی۔ اب یہ وقت ہے کہ ایک ایک ترکی اپنے عدو کے خون کا پیاسا ہو۔ اور غنیم کو نیچا دکھائے۔

ایک افسر: (جوش کے ساتھ) اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔

دوسرا افسر: اب تو یہ شمشیر آبدار ہے، اور میدانِ کارزار ہے۔

تیسرا افسر: یہ خنجرِ براں ہے اور ہماری جانِ ناتواں ہے۔

چوتھا افسر: (باوازِ بلند):

معرکے پڑتے ہی اٹھ جائیں گے غیروں کے قدم
جب سمجھنا ہو سمجھ لیں سرِ میداں ہم سے

افسر کمانیر: اے حمیّتِ قومی جوش میں آ۔ اے ہمدردی، مدد فرما

لشکری: آمین! آمین ثم آمین!

افسر کمانیر: کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا۔

لشکری: کیا مجال۔ کیا طاقت۔ ہم لوگ ان میں نہیں ہیں جو بھاگ جایا کرتے ہیں۔

علیقو پاشا: شاباش ہے، جوانان رویئں تن۔

افسر کمانیر: حضور وزیرِ جنگ فرماتے ہیں کہ آزاد پاشا اور اس کمسن لڑکے کو جو اپنے باپ سے لڑ کر فوج کے ساتھ گیا ہے بہت عزیز رکھنا۔

لشکری: دل و جان سے زیادہ دونوں عزیز ہیں۔

آزاد: آزاد خادم نامِ اسلام ہے۔ آزاد خادم اہل روم و شام ہے۔ میدانِ جنگ میں جان بکف جاتا ہے۔ آزاد زندہ واپس نہ آئے گا۔ اور اگر آئے گا تو پہلے روسیہ کو نیچا دکھائے گا:

تیرے گلشن کو فقط اک تفِ دل کافی ہے
راگ لانا نہ کہیں بلبلِ نالاں ہم سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لشکر نے نعرہ مارا اور فوج آگے بڑھی۔ پیغامبر رخصت ہوئے۔

علیقو پاشا نے میاں آزاد سے پھر گفتگو شروع کی۔

علیقو: جس دوشیزۂ پری چہرہ کی ہدایت کے بموجب آپ یہاں آئے اس کا نام کیا ہے؟

آزاد: (فخر کے ساتھ) حسن آرا بیگم۔

علیقو: اگر کامیاب ہو گئے تو فہو المراد۔ ورنہ بیچاری سمجھے گی کہ اس نے تم کو قتل کیا۔

آزاد: نہیں قضا سے کسی حالت میں انسان کو مفر نہیں۔

خوں ریز ہوا ہے وہ صنم حکم قضا سے
جلّاد کبھی موردِ الزام نہیں ہے

اور مجھے جان کی تو فکر ہی نہیں فکر ہے تو اس قدر کہ اس عربدہ جو کی آرزو برآئے۔

الغرض علیقو پاشا اور میاں آزاد سے عرصۂ دراز تک گفتگو رہی۔ قریب شام ایک گانوں کے متصل باغ میں فوج نے پڑاؤ ڈالا، اور سپاہی رنگ رلیاں منانے لگے۔ کوئی گاتا ہے، کوئی شادیانے بجاتا ہے۔

ناشاد دولھا

اخاہ۔ میاں خواجہ بدیع الزماں ہیں۔ آیئے حضرت مزاج مقطع ماشاء اللہ کیا ٹرخ ٹرخ نور برس رہا ہے: ع

سب صورت لنگور فقط دم کی کسر ہے

قد و قامت پر نظر ڈالیے تو پون انچ، مگر سمجھتے ہیں یہی کہ ہم گراں ڈیل جوان ہیں:

بہ ہیکل قوی چوں تناور درخت

کوئی عضو بدن عنایت ایزدی سے سڈول نہیں۔ کوئی کل درست نہیں۔ آنکھیں بڑی گاؤ دیدہ۔ ایک ابرو صفا چٹ۔

میاں خوجی ہرمزجی بھائی کی گاڑی پر سوار ہو کر مِس روز کی طرف گئے گیل باغ پر فضا میں ٹہل رہی تھی۔ ان سب پری زادوں سے ہرمزجی نے ان کو ملا دیا تھا، اور یہ سب ان کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بناتی تھیں۔ خوجی گاڑی سے اترے اور گیل کو بندگی عرض کر کے یوں ہم کلام ہوئے۔

خوجی : مس روز کجاست۔ کجا رفت کجا بود۔

گیل : (مسکرا کر) ہم نہیں سمجھتے۔

خوجی : من بدیع برمی گوید امّا بعد از شکوک اللہ۔

گیل : (اشارے سے) بیٹھو۔

خوجی : من بدیع می رود۔ برائے ملاقات معشوقۂ خود کہ پری پیکری ست۔

گیل نے ایک ترکی باغبان سے کہا کہ ان کو سمجھا دو۔ کہو مس روز اور مس مئیڈا ہوا کھانے گئی ہیں۔ آپ بیٹھیے آتی ہوں گی۔ باغبان نے کہا بیٹھو آویں۔ دونوں گیا باہر۔

خوجی : تم ہندوستان سے آئے ہو۔

باغبان : آں (ہاں) کلکتہ گیا۔ دو برس۔ بس چلے۔

خوجی : ان سے کہہ دو ہم جاتے ہیں، ہمارے مکان پر خط لکھوا کے بھیج دیں۔

باغبان : کہہ دیں۔ ہم کیوں۔ اچّا۔ (اچھا)

خوجی نے مس گیل سے ہاتھ ملایا اور گاڑی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ اِدھر ہرمزجی کو جو دل لگی سوجھی، تو انھوں نے مس گیل اور مس مئیڈا سے کہا کہ کل ہم خوجی کی برات نکلوائیں گے تینوں میں باہم خوب مشورہ ہوا۔ اتنے میں خوجی آن پہنچے۔ ہرمزجی نے کہا لو تمھاری شادی کی فکر ہو گئی۔ مس روز راضی ہیں۔ کل برات لے کر آؤ۔ چاندی ہے۔ چین کرو۔ خانساماں بلوایا گیا۔ تاکہ خواجہ صاحب گفتگو سمجھتے جائیں۔

خوجی : خدا کرے وزیرِ جنگ وغیرہ بھی خود برات میں رونق افروز ہوں۔

ہرمزجی : کل امرائے عظام اس نادرِ روزگار برات کو آ کر بچشم خود ملاحظہ فرمائیں گے۔

خوجی : واللہ تو پھر بندوبست کر لیجیے۔

مئیڈا : ہاتھی کا ملنا محال ہے۔ اور اونٹ خواجہ صاحب کو ناپسند۔ کاواک اور کیڈا جانور ہے نہ۔

ہرمزجی : یہ کیوں ؟

خوجی : اجی ایک روز میں چلا جاتا تھا۔ سامنے سے ایک شتربان آ رہا تھا، باتوں باتوں میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بگڑ گیا۔ میں نے کہا مارے قرولیوں کے چوندھیا دوں گا۔ اس نے ہنس کر کہا بیدھا تو نہیں ہے بس میں لیکا۔ اب لاکھ لاکھ تدبیر کرتا ہوں اس تک ہاتھ نہیں پہنچتا۔ تب سے میں نے اس جانور پر لاحول بھیجا۔

ہرمز جی: گھوڑا اشریر ہوتا ہے۔ اور بیل اور گدھا واہیات جانور ہیں۔ خچر کی رائے بہتر ہے۔

خوجی: خوب سوجھی استاد۔ خچر تو امیروں کی سواری میں رہتا ہے۔ عمدہ خچر کی جوڑی ہزار سے تو کم کو نہ آئے گی۔ مگر یار طبلے پر تھاپ ضرور ہو۔

ہرمز: یہاں شادی بیاہ میں آدمی کا ناچ بالکل ممنوع ہے۔ اے ہے جو کہیں کوئی عورت ناچے تو ستم ہی ہو جائے۔

خوجی: اچھا پھر کسی سبیل سے ناچ کا تو نام ہی ہو جائے۔

ہرمز: اس کی تدبیر یوں کیجیے کہ کسی ریچھ یا بندر نچانے والے کو بلا لیجیے، کم خرچ اور لطف کا لطف۔ تین بندر والے کافی ہیں۔

خوجی: حضرت تین چار نہیں۔ پانچ فال مبارک ہے۔

ہرمز: خیر وہ پانچ سہی۔

خوجی: مگر وہ ہر شخص سے کہہ دیا کریں کہ صرف راہ گیروں کے خوش کرنے کو تماشا دکھاتے ہیں۔ تاکہ دولھا انعام دیں اور برات کی طرف سے رقص و سرور کا سامان علیحدہ ہوا ہے اور عروس کے گھر انواع و اقسام کا ناچ رنگ ہوتا رہے گا۔ جب لوگ باہر سن چکیں گے کہ یہ منجانب دولھا ہے تو اندر کون تحقیقات کرنے بیٹھے گا کہ کس کی طرف سے ناچ ہے خرچیں وہ اور نام یاروں کا۔ کہیں یار لوگ چوکنے والے ہیں بھلا۔

ہرمز: اہو ہو بھئی واللہ کیا سوجھی ہے۔ باقی رہی روشنی مشعل لے جانا۔ باعث الزام شمع دان و لمپ دھکے میں ٹوٹ جائے گا پھر دس، پانچ آدمی بڑے بڑے چراغوں میں تیل بھر کر، ماش کے پتلے جلاتے لے چلیں تو کیسا؟

خوجی: ابھی یہاں ایسا سمجھنے والا کون ہو گا۔ لوگ غور کریں گے، تو سمجھ جائیں گے! کہ ریچھ اور بندر والے، رات کو تماشا دکھانے کے لیے، روشنی ساتھ لیے پھرتے ہیں۔

دوسرے دن، قریب شام سب سامان فراہم ہوا۔ خوجی سج سجا کر سوار

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہونے لگے۔

ہرمزجی: اس قرولی نے تو اور بھی آپ کو اوپچی بنا دیا۔

خوجی: (خوشی میں آن کر، یہ شعر پڑھنے لگے):

گرڈنڈ کنم گنبدِ گردوں لرزد

اور اٹھا بیٹھ کنم تختِ فریدوں لرزد

ہرمز: (مسکرا کر) شادی مبارک ہو۔

خوجی:

براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو اس کو مت سمجھو

چلے ہیں بیاہنے سسرال کو اب تک کنوارے ہم

بدیع الزّماں کی جورو کی شادی ہے۔

ہرمزجی جوڑی پر سوار ہو کر، مئیڈا کے یہاں پہنچے۔

مئیڈا: (ہنس کر) اور برات؟

ہرمزجی: چل چکی ہے۔ ذرا آج قطعِ مبارک دیکھیے گا۔

مئیڈا: تو چلیے ہم سب مل کر لبِ سڑک بارہ دری میں بیٹھیں۔

ہرمزجی اور مئیڈا اور مس روز سب مل کر بارہ دری میں بیٹھے اور چار ملازم دروازے پر کھڑے ہو گئے۔

برات چلی۔ آگے نشان کا خچر۔ پیچھے ریچھ اور بندر اس کے بعد دس پانچ آدمی روشنی لیے ہوئے۔ کہیں لڑکے تالیاں بجاتے ہیں۔ بے فکرے منھ آتے ہیں۔

ہرمزجی اور خوجی میں پہلے سے مشورہ ہو چکا تھا، کہ برات میں باجے کے عوض تالیاں بجیں اور خچر پر برات کا نشان ہو۔ اور طالب علم بھی ساتھ ہوں۔ پانچ سات طلبہ جن کو فارسی اردو کے اشعار کئی دن سے رٹا دیے تھے اور دس بارہ نوکر اغل بغل چلے جاتے تھے۔ بیچ میں خوجی ٹٹو پر سوار، اکڑے ہوئے بیٹھے ہیں۔ چوبی قرولی سنبھالے، گیروے رنگ کی پوشاک سیاہ پگڑی، اور پر پھولوں کا سہرا، افیون کی ڈبیا کمر میں بار بار ٹٹولتے جاتے تھے۔ ٹٹو کی دم اور پیشانی سرخ اور تمام بدن پر نیلے نیلے رنگ کے گول گول داغ۔ خاصے ہولی کے سوانگ بنے تھے۔ رات تھی چاندنی۔ خوجی کی صورت دیکھ دیکھ کر لڑکے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بے اختیار ہنستے تھے، جدھر سواری جاتی تھی، اس طوفانِ بے تمیزی کو دیکھ کر لوگ قہقہے لگاتے تھے۔
خوجی نے چونک کر کہا کیا ہے بھئی۔

لڑکے : جس گلی زمین سے آپ کی سواری، مثلِ بادِ بہاری گزرتی ہے۔ جس محلہ سے آپ کی ٹٹوی نکلتی ہے، وہ زعفران زار ہو جاتا ہے۔

خوجی : یہ تو میں پہلے ہی سمجھا تھا۔ ایسی مہذّب برات یہاں والوں نے کہاں دیکھی ہوگی۔

ایک تماشائی : (ہرمز جی کے ملازم سے) کیوں بھئی یہ کیا رنگ ہے؟

ملازم : یہ بونا مسخرہ بہروپیا ہے۔

تماشائی ہندی : واہ رے بہروپیے۔

خوجی : او ملعون بہروپیے خبردار۔ اس وقت میرے ہاتھ میں قرولی ہے (ملازم سے) بھئی ہوشیار ہو رہنا، بہروپیا آ پہنچا۔

سواری کا ٹٹو نہایت سست اور مریل تھا۔ بغیر مارے تو، دن چلے اڑھائی کوس۔ خوجی اس کی پیٹھ پر اچھل اچھل کر ایڑ لگاتے جاتے تھے اور لوگ پھبتیوں پر پھبتیاں سناتے جاتے تھے، لڑکوں سے کہتے جاتے تھے، کہ خبردار غزل بھولنے نہ پائے، او باجے والے زور سے بجا۔ مشعلچی مل کے قدم بقدم چلو۔ بھائی دیکھو نا معقول، نشان کا خچر بہت بڑھ گیا۔ برات چوک میں داخل ہوئی۔

ہرمز : (مئیڈا سے) لیجیے برات آ پہنچی۔ یہ نشان کا خچر سامنے آ رہا ہے۔

مس روز ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئیں۔

گیل : ریچھ اور بندر کیسے۔

ہرمز جی : یہ ناچنے کے لیے آئے ہیں۔

مس روز : ایں۔ ناچنے کا بھی سامان ہے۔

ہرمز : کیسا کچھ کمیدان صاحب ہیں کہ باتیں۔

اتنے میں خوجی نمودار ہوئے۔ ملازموں نے بھیڑ کو اغل بغل ہٹا دیا۔ خوجی کی صورت نظر آتے ہی، مس روز اور مس مئیڈا اور مس گیل اور ہرمز جی ہنستے ہنستے بیتاب ہو گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مئیڈا: ٹٹو کو تو آپ نے خوب ہی رنگ دیا ہے۔

ہرمز: ایسے رنگیلے بجیلے جوان، سفید ٹٹو پر سوار ہوں بھلا۔

مس روز: اور ان کی کمر میں یہ کیا ہے۔

ہرمز: کمر سے لکڑی کی قرولی لگی ہے۔ دیا سلائی والی ٹین کی ڈبیا بجائے جیب کھڑی ہے۔

مس روز: اور یہ لڑکے تماشائی ہیں نہ۔

ہرمز جی: جی نہیں مدرسہ کے طلبہ ہیں۔ غزل خوانی ہو گی۔ فوجِ طفلاں مفت۔

اس پر ایک فرمایشی قہقہہ پڑا۔ اس مقام پر جو لوگوں نے گھیرا اور تالیاں بجا بجا کر اس زور سے قہقہے لگائے تو، خوجی کا ٹٹو بیٹھ گیا۔

خوجی: او جانگلو! او مسخرے! ہنستے کیا ہو۔ جلد کوئی تدبیر بتاؤ۔ ورنہ مارے قرولیوں کے بھولادوں گا۔ اس وقت تمام زمانے کی نظر مجھ دولھا پر پڑتی ہو گی۔

ملازم: میں اس گھوڑے کی عادت خوب جانتا ہوں، یہ بغیر چابک کھائے اٹھنے والا نہیں۔

خوجی: یہاں مصلحت کرتے ہو، یا کسی تدبیر سے ٹٹو کو مناتے ہو۔

ایک دل لگی باز نے شڑاپ شڑاپ چابک جمانے شروع کیے۔ انفاق سے خوجی پر بھی ایک چابک پڑ گیا۔

خوجی: اوہ! اوہ۔ او نامعقول یہ کیا کیا تو نے۔

دل لگی باز: تعمیل حکم۔

خوجی: تو گھوڑے کو مارتا تھا۔ یا مجھ کو۔ خیر اب بھی کوئی تدبیر کرو گے، کم بختو۔

ملازم: تدبیر یہی ہے کہ آپ اتر پڑیے۔

ملازم نے ٹٹو کو مار کر اٹھایا۔ خوجی پھر سوار ہوئے، چلے۔ ایک پانوں رکاب پر رکھ کر، دوسرا اٹھایا ہی تھا کہ ٹٹو چلنے لگا۔ خوجی ارا ارا کر دھم سے زمین پر آرہے۔ پگڑی یہ گری۔ قرولی وہ گری۔ ڈبیا ایک طرف، ٹٹو ایک طرف۔

خوجی: او گیدی، اور نامعقول بہروپیے۔ اچھا دیدہ خواہد شد۔ اس وقت ذرا عجلت میں ہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دل لگی باز : اٹھیے اور پھرتی سے سوار ہو لیجیے۔ گھوڑے پر سے گرنا شہسواروں کا ہی کام ہے۔ جسے گھوڑا نصیب نہیں وہ کیا کرے گا۔

خوجی : یہ بات ہی ہے، مگر بڑی خیریت گزری کہ میں گھوڑے پر نہ گرا، ورنہ میرے بوجھ سے تو اس کا کام ہی تمام ہو جاتا۔

تماشائی : بجا ارشاد ہوا۔

خوجی نے پھر سر پر پگڑی رکھی قرولی کمر سے لگائی اور ایک لڑکے سے پوچھا، آئینہ تو یہاں نہ ہوگا تمھارے پاس۔

لڑکا : ضرور۔

خوجی : پھر سے پوشاک سجی ہے۔ ذرا آئینہ تو دیکھ لیتے۔

لڑکا : نہ آئینہ ملے تو پانی میں منھ دیکھ لیجیے۔

خوجی نے کہا ہاں (ایک ملازم سے) ایک گلاس پانی تو جلد کہیں سے مانگ لینا۔ ایک ٹھٹھول آدمی نے گلاس دیا، مگر پانی ندارد۔ خوجی افیم کی پینک میں تو تھے ہی دیکھ کر کہا سب لیس ہے معاملہ۔ دو چار قدم چل کر خوجی کو یاد آیا کہ سمدھی کی سکونت دریافت ہی نہیں کی چلا اٹھے یارو غضب ہو گیا تھم جاؤ۔ جلوس روک لو۔

ملازم : خیریت تو ہے؟

خوجی : ہرمزجی بڑے خراب آدمی ہیں۔ مجھ کو مکان کا پتہ تک نہیں بتایا مگر تم جانتے ہوگے۔

ملازم : کون مکان۔ کیسا مکان۔

خوجی : وہی جی جہاں چلنا ہے۔

ملازم : مجھ کو کیا معلوم جدھر کیسے چلوں۔

خوجی : مجھے تو کثرتِ کار سے فرصت نہ ملی۔ مگر تم لوگ عجیب شخص ہو۔ برات چلی اور عروس کے مکان کا پتہ تک نہ دریافت کیا۔ غضب ہی کر دیا۔

ملازم : خیر، تو نام بتائیے دریافت کر لیا جائے۔

خوجی : ارے بھائی دولھا کو دولہن کا نام نہ لینا چاہیے۔ اٹکل سے چلے چلو، اسی طرف تو پھر میری سسرال کیوں نہیں چلے چلتے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ملازم : یا الٰہی تو کچھ نام تو بتایئے ؟

خوجی : گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ دریافت ہی کرلو۔ پری سبز کوہ کی، قاف۔ پورا نام ہم نہ لیں گے۔

ملازم : (ایک آدمی سے) اجی سبز پری کہاں رہتی ہیں۔

آدمی : پرستان میں۔

خوجی : دریں چہ شک۔ آج وہاں وہ تیاریاں ہوئی ہیں کہ پرستان بھی مات ہے، مگر پوچھ لو کس طرف سے جائیں۔

ایک طرف چار سنار دکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ملازم نے پوچھا کہ کوئی پری یہاں رہتی ہے؟ ایک سنار نے کہا مجھے اور تو معلوم نہیں، مگر شہر باہر یورپ کی طرف جو ایک تالاب اور بڑا سا درخت ہے۔ وہاں پر سال ایک درویش ٹکے تھے، ان کے پاس ایک پری تھی۔

ملازم : لیجیے پتہ مل گیا۔

خوجی دس بیس قدم چلے ہوں گے کہ مئیڈا کی کوٹھی کا تالاب یاد آیا۔ چلّا اٹھے۔ اخاہ یارو اس تالاب کی سجاوٹ آج قابل دید ہوگی۔ طلسمات کا نقشہ نمایاں ہوگا۔ طلسمات کا۔

ملازم : پھر چلیے کدھر۔

خوجی : اب خواہ مخواہ کہلایا ہی چاہتے ہو تو سنو! ہم اپنی عروس چاردہ سالہ کو ہمیشہ مئیڈا کی کوٹھی میں دیکھا کیے ہیں۔ وہیں برات چلے۔

ملازم : تو آپ نے پہلے ہی کیوں نہ بتایا اب تک برات پہنچ گئی ہوتی۔ مئیڈا صاحب تو نہایت مشہور آدمی ہیں چوک کے متصل کوٹھی ہے۔

خوجی : پھر اور نہیں کیا۔ کچھ ایسے ویسے کے گھر ہم شادی کرنے جاتے ہیں بھلا۔

وڈ صاحب نامی ملک اسپین کے ایک ملک التجّار کی کوٹھی قسطنطنیہ میں تھی۔ بڑے مالدار آدمی تھے۔ ایک مرتبہ کسی انگریز دوست سے انھوں نے اسپین کے آرمئیڈا نامی مشہور جہاز کے بیڑے کی بہت تعریف کی۔ دوست نے ہنس کر جواب دیا کہ وہاں مئیڈا صاحب کو مگر بھاگتے راہ نہ ملی تب سے احباب ازراہ مذاق ان کو مئیڈا صاحب کہتے تھے۔ بعد چندے وہ کوٹھی عوام میں مئیڈا صاحب کی کوٹھی کے نام سے مشہور ہوگئی۔ مئیڈا صاحب نہایت ترش اور سرکہ جبیں آدمی تھے۔ ان کے دو جوان لڑکے تھے۔ دونوں کا بیاہ ٹھہرا ہوا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مہینوں سے تیاریاں ہوتی تھیں، احباب دور دور سے بلائے گئے تھے۔ اتفاق سے ان کی میم علیل ہوکر تین چار دن ہیں چل بسیں۔ تیسرے دن ایک لڑکا علیل ہوا۔ لاکھ لاکھ تدبیر کی مگر بے سود تین ہی دن بعد یکے بعد دیگرے دونوں چل بسے۔ مئیڈا صاحب کے نام سے برات انھیں کی کوٹھی پر چلی۔ مس روز کا ملازم سب حال سن رہا تھا۔ اس نے آن کر ان سے کل کیفیت بیان کردی۔

مس روز: ایں گل دیگر شگفت۔

ہرمز جی: پھر آپ کیوں کمیدان صاحب کو دق کرتی ہیں۔ کہلا بھیجیے کہ برات لوٹ آئے۔

گیل: غضب ہوگیا۔ وہاں اس ہفتے ہیں کئی حادثے ہوئے ہیں۔

ہرمز جی: (نوکر سے) وڈ صاحب کے آدمی کو سمجھا دو۔ وہ کہہ دے گا کہ یہ بہروپیا بیاہ کی خبر سن کر آیا ہے۔ حادثے کا حال اس کو معلوم نہیں۔ ورنہ بچا کی جان پر بن آئے گی۔

برات کوٹھی کے پھاٹک پر پہنچ کر ذرا اڑ گئی۔

حادثے کے دوسرے روز آٹھ بجے شب کو صاحب نہایت ملول ہو رہے تھے، کہ کان ہیں شور و غل کی آواز آئی۔ نیند اچٹ گئی۔ پوچھا یہ کیسا غل ہے۔ آدمی نے باہر نکل کر سپاہیوں سے کہا دیکھو کون غل مچاتا ہے۔ خوب پیٹو بدمعاش کو۔ دو تین آدمی پھاٹک سے برآمد ہوئے۔

خوجی: واہ وا رے آپ کے یہاں کی امارت و انتظام۔ کب سے برات کھڑی ہے، دروازے پر روشنی تک ندارد۔

وہ لوگ بہت بگڑے۔ ایک نے کہا اجی گردن ناپو اس مردک کی اور خوب پیٹو مردود کو۔

خوجی: (سمجھ گئے کہ گالیاں دیں) او گیدی یہ گالیاں کیسی؟

صاحب کے آدمی نے غصّے ہیں آکر سائیس کو ایک ٹھوکر ماری، وہ گر پڑا۔ خوجی کے سر پر ایک چپت رسید کی، تو پگڑی وہ جا کر گری۔ دوسرے نے ایک ڈنڈا لگایا۔ ٹٹو کے پاؤں ہیں لگا وہ بیٹھ گیا۔ اب لگی خوجی کے سر پر چپت بازی ہونے۔

خوجی: نہ بھائی ایسی دل لگی نہ کرو (پھر بگڑ کر) کچھ کم بختی تو نہیں آئی تم سب کی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چھوڑ دیا، کہ آوازی کے ساتھ پھرے کوئی ترکی چرٹ پیتا ہے، کوئی دریا کی موج زنی دیکھتا ہے غرض سب اپنے اپنے کام میں تھے، کہ دفعتہً گرد نمودار ہوئی۔ سب کی نظر گرد ہی کی طرف تھی۔ یا الٰہی یہ گرد کیسی۔ میاں آزاد بھی حیرت سے دیکھنے لگے کہ دفعتاً ایک شخص نے ان کو مخاطب کر کے یہ شعر سنایا۔

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سواری باشد

میاں آزاد نے ان پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ایک شخیم آدمی ہے۔ سرخ و سفید و متین، یہ شخص رجمنٹ کے ساتھ تھا۔ میاں آزاد کچھ پوچھنے ہی کو تھے، کہ سامنے سے کئی سوار نظر آئے افسر کمانیر اپنے خیمے سے بدحواس ہو کر نکلے۔ اور فرطِ اشتیاق سے کوئی دس بارہ قدم بڑھ کر سواروں کا استقبال کیا۔ ایک نوجوان سوار نے لفافہ دے کر کہا۔ وزیر جنگ نے دیا ہے۔

افسر کمانیر نے لفافہ پڑھا، تو خاص وزیرِ جنگ کے ہاتھ کا لکھا ہوا۔ کھولا۔ خط پڑھا۔

افسر کمانیر: کوچ۔ کوچ کا حکم ہے۔

ان کے ماتحت افسروں نے کہا کوچ میں کوئی عذر نہیں، مگر ابھی فوج تھکی ماندی چلی آتی ہے۔ مگر اسی دم کوچ کر دیا، تو بڑی خرابی واقع ہوگی۔ افسر کمانیر نے وزیرِ جنگ کا حکم سنا کر کہا اب ہم ایک دم نہیں رک سکتے حکم ہی یہ ہے۔

وزیرِ جنگ نے لکھا تھا کہ اگر ذرا بھی توقف ہوا، تو تمھاری سپاہ کو روسی بالکل بھون ڈالیں گے۔ تھوڑی دیر تک افسروں میں سرگوشی ہوتی رہی۔

علیقو پاشا، اور جو ایک فلائنگ کالم بھیج دیں تو کیسا ہو۔

افسر کمانیر: کل رجمنٹ کو حکم ہے، کہ فوراً کوچ کرے، اور آگے بڑھے۔

آزاد پاشا: آج راہ ذرا خراب تھی۔ پڑاؤ کا مقام تو صاف ہے، مگر راستے میں بڑی بڑی مصیبتیں پڑیں۔ مگر ایسی راہ اب بھی ملے گی، تو بس تڑکا ہی ہو جائے گا۔ اور رات کے وقت اور بھی دقت ہے۔

احمد مختار پاشا: اب وقت ضائع ہوتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

افسر کمانیر، کوچ کا حکم دو۔
قاعدے کے موافق کوچ کا حکم دیا گیا، تو لشکری سخت متحیر ہوئے، کہ یا الٰہی کون آفت آنے والی ہے، کہ پہنچتے دیر نہیں، اور کوچ کا حکم ہو گیا، مگر بندگی بے چارگی طرہ اس پر یہ ہے کہ پاسِ حمیّت جوش و خروش کی یہ کیفیت کہ سپاہی زمین پر قدم نہیں رکھتے۔ دل سے لگی ہے کہ فوج روسیہ کو نیچا دکھائیں۔ وہ تدبیر عمل میں لائیں کہ دشمن منھ کی کھائیں اور پھر حشر تک مقابلے پر نہ آئیں۔ حکم پانے کی دیر تھی دم کے دم میں سب لیس۔ قرینے کے ساتھ کوچ ہوا۔ شام تک فوج نے باسانی و آرام راستہ طے کیا۔ مگر آفتاب کے غروب ہوتے ہی وہ تاریکی چھائی کہ الاماں۔ افسر کمانیر نے پہلے ہی سے روشنی کا انتظام مناسب کر دیا تھا۔ القصہ بعد خرابی بصرہ ایک مقام پر پہنچے جہاں چوطرفہ جھاڑیاں تھیں۔ افسر کمانیر نے دو چار تجربہ کار آدمیوں سے پوچھا کہ پہلے پڑاؤ سے یہ مقام کس قدر فاصلے پر ہے۔ معلوم ہوا کہ پہلے پڑاؤ سے گیارہ کوس زمین طے کر آئے۔

اب سنیئے کہ وہاں خیمہ نہ خرگاہ، نہ کوئی عالی شان محل جس میں لشکری رہیں۔ رات کا وقت گاؤں اجاڑ۔ رہیں تو کہاں رہیں۔

علیقو پاشا یہاں تو بڑی دقت ہوگی سوئیں گے کہاں۔

آزاد پاشا: ع

شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

احمد مختار پاشا: خدا جانے وزیرِ جنگ کو کیا سوجھی۔ گرداوری کے لیے کسی کو ضرور بھیجنا چاہیے۔ معلوم تو ہو کہ غنیم ہے کہاں۔

آزاد: تیس سوار اور ایک جونیر افسر کو تو وزیر جنگ نے روانہ کر دیا ہے۔ مگر ابھی تک وہ واپس نہیں آئے۔

سپاہیوں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید کوئی عمدہ مقام ہاتھ آئے، مگر بجز ایک قبرستان کے کچھ نہ دیکھا۔ سب کی صلاح ہوئی کہ قبرستان ہی میں پڑاؤ ڈالیں۔ افسر اور سپاہی اور سوار اور کدّر سب قبرستان میں داخل ہوئے۔

افسر کمانیر: (ایک افسر سے) اتنا سا گاؤں اور اتنا بڑا قبرستان۔ اس کی وجہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سمجھیے۔ یہاں ایک جنگ عظیم ہوئی تھی۔ والد بزرگوار اسی جنگ میں جان بحق تسلیم ہوئے تھے۔

افسر: تو ان کی قبر بھی شاید اسی تکیے میں ہو گی۔

افسر کمانیر: ہاں وہ سامنے والی اونچی قبر ہے۔ (آبدیدہ ہو کر)

زمیں پر سوئے ہیں چھوڑا ہے شہ نشینوں کو
اجل کہاں سے کہاں لائی ہے مکینوں کو

سواروں نے گھوڑے باندھے، اور قبروں پر لیٹنا شروع کیا۔ دن بھر کے سفر، اور کوچ در کوچ نے از بس مضمحل اور شل کر دیا تھا۔ گو قبروں اور پتھروں پر لیٹنے میں کوئی آرام نہ تھا، لیکن اس قبریں ہوا کے تکیے، اور پتھر فرشِ گل سے بھی زیادہ آرام دیتے تھے نصف سے زیادہ لشکری قبروں پر لیٹے تھے۔ بعض بعض نے ہتھیار بھی اتار رکھے تھے بعض بعض مسلح ہی سو رہے، کہ جب تک کوئی اور بندوبست ہو، تب تک ذرا آرام تو کر لیں۔

علیقو پاشا اور آزاد پاشا میں بڑا یارانہ تھا۔ ایک ہی قبر پر لیٹ کر باتیں کرنے لگے۔ علیقو پاشا نے کہا آدمیوں اور گھوڑوں کی جس قدر قلت ہو گی، اسی قدر آسانی سے فوج کوچ کرے گی۔ اگر کالم بڑا ہوا تو سڑک پر کوچ کے وقت سخت دقّت ہو گی۔ جتنے افسر کسی کالم کی کمان کرتے ہوں ان کو دائیں بائیں کے کالموں کا حال معلوم رہنا چاہیے آج اس مرتبہ کے کوچ میں ذرا گڑبڑ ہو گیا تھا۔ چار میل انسان ایک گھنٹے میں چل سکتا ہے۔ لیکن سپاہی فوج کے ساتھ ایک گھنٹے میں چار میل نہیں جا سکتا اور اس قدر بار لے کر۔ اس کے علاوہ جب کوچ کر کے منزلِ مقصود پر پہنچا تو آرام نہیں ملتا۔ نہ گدگدا بچھونا پاتا ہے، نہ عمدہ غذا، نہ زمین پر سونا نصیب ہوتا ہے۔ ادھر پڑاؤ پر پہنچتے ہی حکم ہوتا ہے، کہ فلاں ڈیوٹی (کام) پر جاؤ، اور کھانا اکثر خراب ملتا ہے۔

آزاد پاشا: یورپ کے ملکوں میں اوسط وقت کوچ کرنے کا کیا ہے۔

علیقو پاشا: فوج پیادہ کے لیے تین میل فی گھنٹہ۔ رسالے کے لیے پانچ میل اور توپ خانے کے لیے بھی پانچ میل اگر کالم بڑے ہوئے اور فوج زیادہ ہوئی تو اس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے بھی کم زمین طے گی۔ فوج پیادہ، انتہا ڈھائی میل فی گھنٹہ جائے گی۔ اور سڑک خراب ہوئی تو ڈیڑھ میل سے زیادہ، گھنٹے میں فوج نہیں جاسکتی۔

اکثر بڑی بڑی لڑائیوں کی کوچ کی حالتوں، اور، اور امور پر ہم نے غور کیا ہے۔ ایک مقام ہے منگھا۔ وہاں نو میل زمین پانچ گھنٹے میں طے کی۔ حالانکہ بڑی عجلت تھی افسر کمانیر نے نادری حکم دیا تھا، کہ بہت جلد جاؤ۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں آسٹریا کا ایک لشکری چودہ گھنٹوں میں صرف بارہ میل جاسکا۔

آزاد پاشا: ہراول کی فوج کے ساتھ ہم کئی بار مصنوعی جنگ میں گئے تھے۔

علیقو پاشا: ہم کو بکٹ کی فوج کے ساتھ رہنا بہت ہی پسند ہے۔

اس پر ایک لفٹنٹ نے مسکرا کر کہا ہم کو تو دن رات سونا، اور آرام کرنا پسند ہے۔ بکٹ اور طلایہ، اور ہراول سب سے طبیعت کو نفور ہے۔

اتنے میں آواز آئی دھننا۔ ایں؟ یہ توپ کیسی دغی ہے سب کے کان کھڑے ہوئے، افسر کمانیر سخت متحیر تھے، کہ یہ آواز کہاں سے آئی، اور واقعی حیرت اور پریشانی کی بات ہی تھی۔ اتنے میں پھر آواز آئی دھننا۔ جو لوگ غافل سو رہے تھے وہ تک جاگ اٹھے۔ اب تمام لشکر میں کھل بلی پڑ گئی۔ ایں کیا روسی آگئے۔ یہ توپ کہاں دغی۔ فوراً حکم ہوا کہ جو کمر کسے ہوئے مسلح ہیں وہ گھوڑوں پر کاٹھیاں دھریں، اور جو مسلح نہیں ہیں وہ کمر کسیں اور معاً تیار ہو جائیں۔ دو منٹ کے عرصے میں ہراول کے سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے آن پہنچے۔ آتے ہی غل مچا کر ایک ایک نے کچا چٹھا کہہ سنایا۔

ایک سوار: فوراً پشتِ توسن پر آؤ۔

دوسرا سوار: اب وقت بہت تنگ ہے۔ غنیم سر پر آن پہنچا۔

تیسرا سوار: اٹھو اٹھو۔ آرام اب منزلوں دور ہے۔

افسر کمانیر نے حال دریافت کیا، تو سواروں نے کہا کہ یہاں سے آدھ میل کے فاصلے پر ایک قلعہ ہے۔ اس میں ترکی فوج کے چند سپاہی تھے، چھ ہزار روسیوں نے ان کو گھیر لیا۔ ترکوں کی قلت اور روسیوں کی کثرت سے، یہ نتیجہ ہوا کہ قلعہ کی ایک دیوار توڑ کر ترکی نکل گئے۔ قلعہ خالی پاکر روسی اپنے قبضے میں لے آئے۔ اب ان کو گوئندوں نے خبر دی کہ ترکی فوج آن پہنچی، افسر کمانیر نے کہا کہ ہماری سمجھ میں نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آتا کہ گولے کیوں چلانے شروع کیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ روسیوں کی جماعت ہماری جماعت سے کم ہے۔ خوف دلانے کے لیے گولہ اندازی شروع کردی۔ ورنہ اگر روسی سپاہ کافی ہوتی تو اس وقت وہ دو چار کالموں سے ہمیں گھیر لیتے۔ کل افسروں اور جونیر افسروں کو بلاکر مشورہ کیا۔ اور مشورہ کے بعد انواع و اقسام کے احکام مناسب جاری کرنے لگے۔ تاکہ فوج قرینے سے آراستہ ہو جائے۔

افسر کمانیر: رن مہتابیں روشن کرو۔

آزاد پاشا: اب آخری رائے کیا قرار پائی۔ گڑھی پر حملہ ہوگا یا ملتوی ہوگا۔

علیقو پاشا: ہونہ ہو۔ توپ کا جواب ضروری دینا چاہیے۔

احمد مختار پاشا: پہلے اس قبرستان سے تھوڑی دور میدان میں نکل کر کل کالموں کو درستی کے ساتھ آراستہ کیجیے۔ پھر توپ خانے سے کام لیجیے۔ اتنے میں پھر توپ دغی، اور ادھر سے اس کا جواب دیا گیا۔

اب سنیے کہ یہ قلعہ دریائے ڈینیوب سے کئی کوس کے فاصلے پر واقع تھا، بیچ میں قلعہ خاص تھا۔ نہایت مستحکم اور عظیم الشان۔ اردگرد چوطرفہ چھوٹے چھوٹے قلعے۔ چاروں کونوں پر ایک ایک یہ قلعے۔ گو وسعت میں چھوٹے تھے، مگر سر بفلک کشیدہ۔ از بس مضبوط اور سب میں توپیں چڑھی ہوئیں۔ اس قلعے میں ایک بہت بڑی توپ تھی۔ ترکی اپنی زبان میں اس کو صف شکن کہتے تھے۔ اس کی عظمت کی ادنیٰ تعریف یہ ہے کہ درزی اس میں بیٹھ کر سی سکتے تھے۔ اس صف شکن کی پیشانی پر یہ مصرعہ کندہ تھا۔ ع

بترس اے مدعی از من کہ آتش در دہن دارم

اس توپ پر روسیوں کو بڑا ناز تھا۔ جب ترکوں نے قلعے کو خالی کیا، تو صف شکن میں کیل ٹھونک دی تھی۔ قاعدہ ہے کہ جب کبھی میدان میں لڑائی ہوتی ہے تو بھاگنے کے وقت اکثر توپ میں کیل ٹھونک دیتے ہیں، تاکہ غنیم آئے تو دفعتًہ توپ کو کام میں نہ لاسکے قلعۂ خاص کا بڑا رقبہ تھا قلعہ کیا گویا ایک شہر آباد تھا۔ زراعت بھی اس میں ہوتی تھی۔ دریا سے کاٹ کر ایک نہر لائے تھے۔ جو قلعے کے چاروں طرف جاری تھی۔ نہر کے اردگرد کچھ فاصلے پر بنسواڑی تھی۔ اس درجہ گھنی کہ گولہ وقت سے اس پار جائے۔ بنسواڑی کے بعد ببول کے درخت یہ بھی گھنے تھے۔ ان کے بعد ایک اور نہر تھی۔ نہایت عمیق۔ نہر کے بعد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گہری گہری کھائیاں۔ ان کے بعد اونچی نیچی زمین اور پھر ریت اور بالو۔ ان سب کے بعد پھر بنسواڑی اور چاروں کونوں کے ارد گرد نہریں اور کھائیاں اور جنگل۔

ترکی اس قلعے کو نہ چھوڑتے۔ مگر خرابی یہ ہوئی کہ جب نوّے ہزار روسیوں کے دریائے ڈینیوب کے اس پار آجانے کی خبر آئی، تو اس قلعے کی فوج کو حکم ہوا۔ کہ فوراً اس لشکر کی مدد کو جائے۔ جو فوج روس سے لڑنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ بس قلعے میں معدودے چند ہی آدمی رہ گئے۔ اور رسد بھی کمتی نہ تھی۔ لہٰذا قلعے کی دیوار توڑ کر وہ بھاگ گئے۔ روسی سمجھتے تھے کہ اس قلعے کے قبضے سے ملک کا ایک حصّہ گویا ان کے زیر نگیں ہے اور تھا بھی ایسا ہی، مگر جب انھوں نے یہ خبر وحشت اثر سنی کہ ترکی فوج ظفر موج آن پہنچی، اور سامانِ جنگ سب لیس ہے، تو پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی۔ روسیوں کے صرف ڈیڑھ ہزار آدمی اس قلعے میں تھے۔ قریب تھا کہ رسد کا سامان بہم پہنچائیں، مگر ترکوں نے اس قدر مہلت نہ دی۔

حضرت وزیرِ جنگ کی طبیعت داری کے صدقے، کہ دار السلطنت ہی میں بیٹھے بیٹھے اس قلعے کی فکر کی، ورنہ روسی اس میں جم جاتے تو نکالنا مشکل تھا۔ روسیوں نے ترکی فوج کے آنے کی خبر پائی تو پیں داغنا شروع کیں۔ دونوں طرف رن مہتابیں روشن ہوئیں، اور توپوں پر بتیاں پڑنے لگیں اور دھنا دھن کی آوازیں آنے لگیں۔

افسر کمانیر نے دو چار سواروں سے جو اس قلعے کے حالات سے خوب واقف تھے، طرح طرح کے سوال کیے اور جوابوں پر خوب غور کیا۔

کمانیر: اس قلعے کے ارد گرد تو چار برج ہیں نہ؟

سوار: ہاں اور چاروں مضبوط۔

کمانیر: اور توپیں چڑھی ہیں۔

سوار: جی ہاں ایک برج میں، جو پورب کے رخ ہے. برجی توپیں ہیں۔

کمانیر: خوب معلوم ہے؟

سوار: حضور میں اس قلعے میں چھ مہینے رہ گیا ہوں۔

کمانیر: بھلا کسی ایسے گاؤں والے سے پوچھو جو تمھارا دوست ہو۔

سوار: آپ کو جو کچھ دریافت کرنا ہو کر لیجیے، تو پھر میں گاؤں والوں سے اور خبریں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لاؤں۔

کمانیر: بنسواڑیاں جو اس میں تھیں وہ ہیں یا نہیں ؟

سوار: اب ایسی بودی بھی نہیں ہے، کہ گری ہی پڑتی ہو۔

کمانیر: ہاں ہم سمجھے۔ خیر۔

سوار سے اور بھی بہت سے سوال کر کے، کمانیر نے حکم دیا کہ، توپ خانہ تھوڑی دور اور بڑھاؤ۔ اور اس کے بعد طلایہ کے سواروں سے پوچھا کہ قلعہ یہاں سے کس قدر فاصلہ پر ہے۔ سواروں نے کہا آدھ کوس، مگر اس سوار نے جو چھ مہینے تک قلعے میں رہ چکا تھا، اس کی تردید کی، اور کہا آدھ کوس سے زیادہ ہے۔ کمانیر نے کہا گاؤں کے لوگوں سے دریافت کرو کہ ٹھیک فاصلہ کس قدر ہے۔

چھ سوار گاؤں میں پہنچے۔ دیہاتی بے چارے مارے خوف کے لرز رہے تھے، کہ خدا خیر کرے۔ جنگ کے نام سے رعایا منزلوں بھاگتی ہے۔ قاعدہ ہے۔ لوگ خوب جانتے ہیں، کہ تجارت پر اوس پڑ جائے گی۔ خون کی ندیاں بہیں گی، ملک تباہ ہوگا۔ گاؤں جلا دیے جائیں گے۔ رعایا صید الم ہوگی۔ انواع و اقسام کی مصیبتیں پڑیں گی۔

طرفین سے گولوں کی بوچھار ہونے لگی، اور ایک گولہ عین فوج میں آن کر پھٹا ؛ تو ایک ٹکڑا علیقو پاشا کے گھوڑے کے پٹھے پر پڑا، اور میاں آزاد کا سمند وفا پسند بھی کسی قدر جھجکا۔ علیقو پاشا کا گھوڑا گرا۔ مگر وہ پھرتی کے ساتھ اچک گئے۔

آزاد: شاباش۔ بچے۔

بچے کہا ہی تھا کہ ایک سوار کا گھوڑا دوسرے گولے کے ٹکڑے سے دھم سے زمین پر آ رہا۔ اور میاں آزاد کے کان کے پاس سے بھی ایک گولی سنسناتی ہوئی نکل گئی۔

آزاد پاشا: ایں یہ گولی کہاں سے آئی۔

ایک افسر: (غل مچا کر) ایں! اگر قلعہ دو میل ہے تو گولی کہاں سے اتنی دور آئی۔

دوسرا افسر: بیشک دو میل۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ پشت پر سے روسیوں نے اٹھ مارا۔ دائیں، دائیں، تمام فوج میں کھل بلی مچ گئی۔

طرفین سے گولہ اندازوں نے گولے اتارے۔ توپوں کے دغنے کی آواز سن کر گاؤں والوں کا زہرہ آب آب ہوا جاتا تھا۔ اور آوازِ بازگشت اور بھی ستم ڈھاتی تھی۔ ترکی گولہ اندازوں نے چار گولے ایسے اتارے کہ ایک قلعے کی برج کو ڈھا دیا۔ اتنے میں گھنگھور گھٹا چھائی اور بجلی اس زور سے کوندنے لگی کہ گھوڑے بے قرار ہو گئے۔ ترکوں نے بااین ہمہ گولہ اندازی موقوف نہ کی، مگر روسیوں نے جواب دینا بند کر دیا۔ گو روسی محفوظ مقام میں تھے۔ قلعہ از بس مستحکم تھا۔ صف شکن توپ ستم کا توڑ کر رہی تھی۔ اور ترک اس کے برعکس کھلے ہوئے میدان میں تھے۔ لیکن رسد کے قلت کے سبب سے روسی مایوس ہو رہے تھے۔ ترکوں نے بھی حسب اقتضائے مصلحت سکوت اختیار کیا۔ افسر کمانیر نے ایک کالم کو پشت کی طرف قاعدہ سے بھیج دیا تھا۔ تاکہ جو روسی کالم اس طرف سے جنگ کرنے آتا ہے اس کا جواب دیا جائے مگر آخر کو معلوم ہوا کہ وہ تھوڑے ہی سے آدمی تھے۔ گھٹا چھاتے ہی قلعے میں سو رہے ترکی فوج کانپ رہی تھی کہ مبادا مینھ برسے تو بڑی ابتری اور خرابی واقع ہو جائے، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن مفر کا کوئی مقام نہیں۔ بارے خدا خدا کر کے مینھ نہیں برسا، مگر تمام رات بجلی چمکتی رہی اور کالے کالے بادل آسمان پر نظر آتے تھے۔

اتنے میں ایک شخص نے آن کر بیان کیا کہ یہاں سے آدھ کوس کے فاصلے پر ایک جنگل ہے۔ اس میں پہلے درندے جانور کثرت سے رہتے تھے، مگر فوج نے شکار کے جنگل کو خالی کر دیا۔ اگر شب کو فوج وہاں ہی رہے، تو مفر کی صورت ہو۔

افسر کمانیر: ایک جونیر افسر اور بیس سوار جا کر موقع دیکھ آویں، اور فوراً رپورٹ کریں۔

آزاد نے کہا میں جاتا ہوں بیس سوار لے کر گئے اور فوراً واپس آئے۔

افسر کمانیر: دیکھ آئے۔ ہے اچھا مقام۔

آزاد: بڑا گھنا جنگل ہے اور فوج بآرام رات کو رہ سکتی ہے۔

ایک سوار: اس میدان سے کہیں بہتر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرا سوار: جب ہم اس قلعے میں تھے، تو اس جنگل میں خوب شکار کھیلتے تھے، مگر سلطان کا حکم آگیا تھا کہ شکار محفوظ رہے۔ اب تو جانور کا وہاں نام ہی نہیں ہے۔

تیسرا سوار: نہیں ہے تو اکّا دکّا ضرور مگر بہت کم۔

چوتھا سوار: اب اور بھی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر بھاگ جائیں گے۔

افسر کمانیر نے حکم دیا کہ جنگل کے قریب چل کر ٹھہرو۔ فوج روانہ ہوئی۔ روسیوں کو بھی گوئیدوں نے خبر دی، کہ ترکی اس جنگل کی طرف گئے۔ افسر کمانیر نے حکم دیا کہ دو سو سوار مسلح اردگرد پہرا دیں اور بکٹ کے لیے چار سو آدمی مقرر ہوں۔

اس کے بعد کچھ لوگ نہایت بے چینی کے ساتھ سوئے اور اکثر بیٹھے ہی بیٹھے اونگھنے لگے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاکی شادی کا خاکہ

خورشیدِ وحشت و جہالت کے مشرقستان میاں بدیع الزماں (ناشاد دولھا) کی خاکی شادی کا حال نذرِ ناظرین خجستہ خصال ہو چکا ہے۔ چاندسی بیوی کی تمنائے ہم آغوشی، اور گرم جوشی میں چاند گجی ہو گئی، اوس ہی پڑ گئی۔ مس روز تو ہتھے نہ چڑھیں، مگر گم دگنجی اَلم کے تیر جگر دوز نے سینہ چاک کر دیا۔ خوب بے بھاؤ کی پڑیں۔ ٹٹو پر سے زمین پر لڑھکنی کھائی، اور جگت ہنسائی جو ہوئی وہ گھاتے میں۔ دو بار دولھا بنے، پرانے سر پر نئی دستار جمائی، مگر آرزو نہ بر آئی۔ سیکڑوں ارمانوں کا خون ہوا۔

خوجی کے دل میں کھُپ گئی کہ لڑکوں کی شرارت سے ان پر اوس پڑی۔ نہ وہ منحوس اشعار زبان پر لاتے۔ نہ یہ جوتیاں کھاتے۔ اپنے حافظے پر بھی دانت کٹکٹا کے رہ جاتے تھے کہ مس روز کا نام کیوں نہ یاد آیا۔ بڑا غبّا کھایا۔ سر دھنتے تھے۔ تنکے چنتے تھے۔ ہرمز جی کا ہنسنا اور بنانا، مس میڈڑا کا زیرِ لب مسکرانا مس گیل کا انگلیوں پر نچانا، اور بھی ستم تھا۔ خون پی کے رہ جاتے تھے۔ اف تک زبان پر نہیں لاتے تھے۔ اس استقلال کے قربان۔ اس تحمّل کے صدقے۔

ایک شاعر غرّا نے معًا ناشاد دولھا کی خاکی شادی کا خاکہ اڑا دیا، اور تاریخ شادی خاکی بطریقِ نذر پیش کش کی۔

وَهُوَ هٰذا

بیا اے خامۂ نیرنگ پرداز — سرود شادیانہ سازکن ساز
نوائے می کشم در نشۂ مئ — باآہنگِ حجاز و نالۂ نئ
بیا سازم و مئ جشن دل افروز — کہ عقد خواجہ بارو زست امروز

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زمن بشنو کنوں تفصیل روداد — کہ چوں بر جنگ یکہ تاخت آزاد
ہوس در خاطر خواجہ پئی افشرد — ہوائی وصل روزاورا از جا برد
زبعد شورۂ چندی ظریفاں — رواں شد ہمرہ دامادی بدخشاں
ہجوم کودکان از ہر کنارہ — ہمانا شانزدہ اندر شمارہ
غزل خوانان شد ہمراہ بادی — ولی ہر یک سوار توسن نی
دہل از یک طرف اندر صدا بود — نوای تہنیت گوش آشنا بود
ز طرف شعلہ آواز گل کرد — صدا از تارہائے ساز گل کرد
ز طفلاں حلقۂ در دف نوازی — گرد ہی زاں میاں در نغمہ سازی
بناگہ ز اختلاف چار ناچار — جدل مابین طفلاں شد بیازار
بسوے خواجہ طفلی زاں میاں تاخت — ز پشت توسنش بر خاک انداخت
یکی در گوشمالی ہمچو استاد — بخواجہ درس ضرب ضربتہ داد
مدار آتش نمودہ شد چو بسیار — بمسکن راہ دادند آخر کار
اگر تاریخ ایں خاکہ شماری — سہ بار اعداد خاکہ جمع آری
چو سال ہجریش پرسی محاسب — زمن بشنو اگر دانی مناسب

زجیم خواجہ مجذور مکرر
بضرب شانزدہ تاریخ بنگر

سبحان اللہ کیا تاریخ بدیع ہے۔ پہلے جیم خواجہ لیجیے۔ ج کے تین عدد۔ تین کا مجذور ۹۔ اور مجذور مکرر یعنی مجذور کا مجذور کیا ہوا۔ ۸۱-۹×۹۔ اب شاعر کہتا ہے کہ اس مجذور کے مجذور یعنی اکاسی کو سولہ سے ضرب دو۔ بضرب شانزدہ کہا ہے تو حساب یوں ہو۔

ہجری ۱۲۹۶- ۱۶× ۸۱

خوب تاریخ موزوں فرمائی ہے۔ ایک زندہ دل ظریف طبع نے خوجی کے نام خط لکھا اور خط میں تاریخ بھی لکھ دی۔ خط کی عبارت سننے کے قابل ہے

ایہا الخوجی۔ والسلام۔ کہیے مزاج مقطع۔ کھوپڑی کا حال تو کہیے کہ پلپلی ہو گئی یا نہیں۔ بھلا کیوں صاحب۔ ایک پاؤں تو آپ قبر میں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ یہ شادی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا شوق کیسا چرّایا۔ اس بڑھ بھس کے صدقے۔ اے لاحول۔ اے پھٹکار۔ اس عقل پر خدا کی مار۔

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت ست
وز شاخ کہنہ میوۂ نو رس غنیمت ست

منھ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، اور چلے دولھا بن کے پری کو بیاہنے۔ تم اور اس گل بدن گل رخسار، نازک اندام، طرحدار، پر ریجھو۔ اے تیری قدرت پہلے منھ تو بنواؤ۔

غالب ان سیمیں تنوں کے واسطے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

یہ کوہ قاف کی پریاں، وجیہ اور خوشرو جوانوں کے لیے ہیں۔ یا تم ایسے بلونوں کے لیے۔

ہت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

میاں اس خیال خام سے درگزرو۔ ورنہ مفت میں اور پٹو گے۔ اپنی خاکی شادی کا خاکہ پڑھو۔ خبردار اب ادھر رخ نہ کرنا۔ میں بھی ہندی ہوں لہٰذا دیکھ نہ سکا کہ اس ملک کے باشندے تم کو بنائیں، اور ہم منھ دیکھ کر رہ جائیں۔ ہم نے سمجھا دیا۔ اب تمھیں اختیار ہے:

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار
اب مان نہ مان تو ہے مختار

اس خط اور خاکی شادی کے خاکہ کو پڑھ کر میاں خواجہ بدیع الزماں صاحب نے اپنا سر پیٹ لیا۔ کئی بار اشعار پڑھے اور بہت ہی جھلّائے۔ ٹھان لی کہ اس شاعر کی کسی وقت جب ذرا طبیعت ٹھکانے ہوگی، خوب دل کھول کر ہجو کریں گے۔ ٹھہر تو سہی، تو خواجہ بدیع۔ جو اس سے بڑھ کر ہجو کروں۔ ہم شاید شعر ہی کہنا نہیں جانتے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہر مزجی کے ایک آدمی نے دوسرا رقعہ دیا۔ سمجھے مس روز کا محبت نامہ ہے۔ لیا، چوما، سر پر رکھا، پھر بوسے لیے۔ کھولا تو قطعہ خواجہ صاحب کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نظر فیض اثر سے گزرا۔

قطعہ تاریخ شادی ناشاد دولھا

جگت آشنا خواجۂ نامدار | چلے بیاہ کرنے کو بنوا کے خط
سر راہ چپتیں سر پاک پر | فقط دو سو سالہ پڑیں بے نقط

اب اور بھی جھلّائے۔ مارے غصّے کے منھ ٹمٹمانے لگا۔ ایں! اور سنیئے یک لشد دو شد۔ بے نقط سناتا ہے۔ اچھّا سمجھا جائے گا۔ اور دو سو سولہ کا یہ کون حساب ہے۔ پڑیں تو ضرور، مگر دو سو سولہ کس بھکوے کے سر پر پڑیں۔ سر نہ ہوا طبلہ ہوا کہ جب دیکھیے ہاتھ پڑ رہا ہے اور سر راہ کس پر پڑیں۔ دروازہ پر سسرال والوں نے دل لگی دل لگی میں ہاتھ گرمایا تھا۔ سڑک تھی، وہ اور پڑیں کس پر۔ ہمیں یہی نہیں یاد ہے۔ وہ تو سر سہلاتے تھے۔

خوجی: (ہرمز جی کے آدمی سے) یہ خط کون لایا تھا بے۔

آدمی: ہم کو نہیں معلوم۔ نہیں جانتے۔

احمد نے سامنے آکر کہا، یہ خط ایک شخص دے گئے تھے۔ کشیدہ قامت ہیں۔ چھوٹی چھوٹی داڑھی۔ گاؤ دیدہ۔ رنگ کھلتا ہے۔ ایک ایک موچھ ایک ایک چھپر کے برابر۔ خانساماں نے اس کا مطلب سمجھایا، تو خواجہ صاحب نے جھلّا کر کہا اس کا نام بھی کچھ ہے یا گمنام تھا۔

خوجی: اچھا ہم بھی ہجو کریں گے۔ دیکھ تو سہی:

شاعرے آمدہ ز ہندستان | در فن نظم و شعر ابجد خوان
خط ہذا شدہ ز ہوٹل گم | دل خواجہ شکست گفتم قم
قم بہ اذن بدیع معنی رس | پندرہ بیس شعر کو دے لکس
ہجو کہنا ہے اب شعار مرا | ہو نہ کم روم میں وقار مرا
کام میرا ہے ڈھال اور تلوار | شاعری سے نہیں مجھے سروکار
کئی پشتوں سے ہوں سپاہی زاد | ہمدم و مونس میاں آزاد
گرز و خنجر میں مثل جان و روح | جنگ میدان کیمیائے فتوح
ایسے شاعر سے میں سمجھ لونگا | کیا کوئی ایسا ویسا میں ہوں گا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

راوی: اے سبحان اللہ۔ ہوں گا، کتنا پیارا محاورہ ہے۔ خوجی کیا عمرو عیار کی زنبیل ہیں۔ رسالدار، کمیدان، بلم بردار، شہسوار، کشتی گیر شاعر۔ کوئی فن خیر سے چھوٹا نہیں۔ اور طبیعت کس قدر حاضر ہے۔ اللّٰھمّ زِد فزِد۔

تھوڑی دیر کے بعد خوجی سوچے کہ دیکھیں مادۂ تاریخ صحیح ہے یا نہیں۔ پہلے اس تاریخ پر غور کرنے لگے۔ گویا سمجھ ہی تو جائیں گے۔

سر راہ چینیں سر پاک پر
فقط دو سو سالہ پڑیں بے نقط

اپنے دل میں سوچے کہ وہ سو سالہ کی قید کیوں لگائی۔ اس سے نہ سمت نہ عیسوی سنہ ہجری، سال نکلتا ہے۔ تاریخ کیا چیستان ہے، اور چیستان کا حل کرنا سیکھا ہی نہیں۔ سوچتے سوچتے رقعہ کی پشت پر نظر پڑی، تو حل معمّا لکھا پایا۔ اس کی عبارت درج ذیل ہے:

خوجی صاحب کہو کبھی پہیلی بھی بوجھی ہے۔ آپ کا سرخ خوجی کا سرخ ہے نہ۔ اچھا ج کے کتنے عدد ہوئے ۶۰۰۔ ٹھیک۔ دو سو سولہ سے ضرب دو تو کتنے ہوئے ۱۲۹۶۰۰۔ مگر مطلوب ۱۲۹۶ء ہے یہ دو نقطے کہاں جائیں۔ شاعر کہتا ہے بے نقط، دونوں نقطے اڑا دیجیے۔ تو باقی کیا رہا۔ ۱۲۹۶۔ وہو المطلوب۔

خوجی نے کئی بار اس پر غور کیا، اور جب سمجھے تو دل ہی دل میں شاعر کی بڑی تعریف کی، کہ گو ہمارا دشمن، اور پاجی ہے، مگر بے نقط کی اچھی کہی۔ اب دو سو سولہ کا مطلب اتنی دیر میں معلوم ہوا۔ اچھا تو خواجہ بدیع الزّماں بدیع جو میں بھی تاریخ کہوں اور اس سے بڑھ کر۔ انشاء اللہ کون بات ہے:

ہر کاری کہ ہمت بستہ گردد
اگر خاری بود گلدستہ گردد

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شبخون

بیا ساقیا جانِ مستان بیا — بیا راحتِ می پرستان بیا
بیا ساقی گلبدن لالہ رنگ — بدہ جامِ اکشامرا بید رنگ
بہار ست اے ساقی گلعذار — خدارا برانڈی وسوڈا بیار
بمن دہ یکے جام خورشید رنگ
کہ با روسیان دارم آہنگ جنگ

صف شکنوں کی جان و روح معززو ممدوح، میاں آزاد فرخ نہاد، نے اس دشتِ بلاخیز میں لشکریوں کے ساتھ شب کو قیام کیا۔ سپاہیوں اور سواروں نے اشجارِ سرفلک کشیدہ کے سایہ میں آگ روشن کی۔ تاکہ زمستان کی سرد مہری پر اوس پڑجائے۔ اور فوج ظفر موج بادِ خنک کے جھوکوں سے نجات پائے، ادھر آگ کے شعلے بھڑکے، اُدھر مرغانِ خوش الحان نشیمن اور آشیاں سے زمین پر گرنے لگے۔ جن لوگوں کے دل چوٹ کھائے ہوئے تھے ان کو بے زبانوں کی حالت زار پر رحم آیا۔ جھپٹ کے طیور ذی شعور کو اٹھایا۔ مگر ان میں طاقت پرواز کہاں تھی۔ بیڑے میں ہر قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ بعض بعض شکم بندہ، گرسنہ چشموں نے چڑیوں کو بھون بھون کھایا۔ جو گھونسلے نیچے کی شاخوں پر تھے وہ شعلوں کی گرمی سے جل بھن کے خاک سیاہ ہو گئے۔ ع

واے بیدردی کوئی تاپے کسی کا گھر جلے

اکثر آشیانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی کباب ہو گئے۔

آشیانہ نہ قفس میں نہ چمن یاد آیا
آنکھ کھلنے بھی نہ پائی تھی کہ صیّاد آیا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنے آرام اور اپنے ذائقے کے لیے حضرتِ انسان ان بے زبانوں پر کیا کیا ستم ڈھاتے ہیں، اور بایں ہمہ اشرف المخلوقات ہونے کا دم بھرتے ہیں۔ اپنے منھ میاں مٹھو۔ طوطوں کو ذرا ذرا سے پنجروں میں بند کرکے نبی جی بھیجو' اور ست گور دت پڑھاتے ہیں۔ یہ کچھ اس خیال سے نہیں، کہ طوطے بھی بہشت یا سورگ کی ہوا کھائیں، بلکہ صرف اپنا دل بہلانے کے لیے' تاکہ ان کے ہرے ہرے پر وبال اور ان کی لال لال چونچ اور پیاری پیاری بولی، سے دو گھڑی اپنا غم غلط کریں۔

میاں آزاد کا دل بھر آیا۔ پہلے تو خون پی کے رہ گئے، مگر ضبط نہ کرسکے اور بیڑے کے جوانوں کی طرف مخاطب ہو کر یوں کہنے لگے،

اے پیارے بھائیو! تم سب جان بکف میدانِ کارزار میں آئے ہو۔ کسی کو پوری پوری امید نہیں کہ مورچے سے زندہ واپس جائے۔ ایک چنے کے برابر گولی ہمارے خرمنِ زندگی کے جھلسا دینے کو کافی ہے۔ اتنے آدمیوں میں شاید ایک بھی ایسا نہ ہوگا جس کا کوئی عزیز نہ ہو' رشتہ دار نہ ہو۔ دوست نہ ہو' غم گسار نہ ہو، کسی کی پیاری چاہتی بیوی راتوں کو خواب ناز سے چونک پڑتی ہوگی، کہ ہائے میرے پیارے شوہر کا کیا جانے کیا حال ہوگا۔ کسی کی بوڑھی ماں کا دل روتا ہوگا، کہ خدا جانے اب اپنے نورِ بصر لختِ جگر کے دیدار سے شاد ہوں یا نہ ہوں۔ کسی کا بھائی دن رات دست بدعا ہوگا' کہ بارِ خدایا میرے قوتِ بازو کو میدانِ جنگ سے صحیح وسلامت لا۔ کسی کا دلی دوست اخباروں میں بڑے شوق سے دیکھتا ہوگا کہ فلاں رجمنٹ کہاں ہے۔ ہمارا یارِ وفادار تو بخیریت ہے۔ کوئی اپنے پیارے لڑکے' اپنے دل کی راحت اور زندگی کے چین کو یاد کرکے آشفتہ حال ہوتا ہوگا، کہ خدا کرے ہم اس جنگ میں بچ جائیں۔ مگر اس وقت ان بے چارے بے گناہ جانورانِ صحرائی کی حالتِ زار پر کسی نے رحم نہ کھایا۔ ہائے یہ بے چارے اپنی عقل یا شعور کے موافق کس کس ناز ونعم سے اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہوں گے۔ ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہوگی کہ چاہے وہ خود مرجائیں مگر ان کے بچوں پر آنچ نہ آنے پائے۔ ہائے یہ خبر ہی نہ تھی کہ گھونسلوں ہی میں وہ بے گناہ جل جل کے کباب ہوجائیں گے اور آنکھ بھی اچھی طرح نہ کھولنے پائیں گے۔

تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ می دانی
طپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ برپا را

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تم لوگوں نے انواع اقسام کی بدعتوں سے ان کی جان لی۔ یہ میاں سوار میرے سامنے بیٹھے ہیں، انھوں نے جانور کی ایک ٹانگ لی اور شعلے کے قریب لے گئے۔ وہ بے چارہ پھڑ پھڑانے لگا، تو حضرت کو یہ دل لگی سوجھی کہ چونچ پکڑ کر جیتے جی آگ میں ڈال دیا۔ اتفاق سے وہ ایسے مقام پر گرا جہاں آگ بہت کم تھی، اور کئی منٹ میں تڑپ تڑپ کر اس کی جان نکلی۔ ایک سائیس نے ٹانگ ہاتھ میں پھڑ پھڑاتے ہوئے جانور کو بھونا۔ اف ری بے رحمی۔

حسنِ اتفاق سے حضرت کمانیر بھی چپکے چپکے، میاں آزاد کی تقریر سنتے جاتے تھے، جب میاں آزاد کہہ چکے تو دس بارہ آدمیوں نے بھونے ہوئے جانوروں کو اٹھا کر پھینک دیا۔ اور سخت خفیف ہوئے۔ ان کی تقریر سحر تخمیر نے بڑا اثر کیا۔ اس کے بعد آزاد نے ان کی بڑی تعریف کی۔ شاباش جوانوں بہادری کے یہی معنی ہیں۔ ع

این کار از تو آید و مردان چنین ~~کنند~~

شجاعت اسی کو کہتے ہیں۔ جو رحم دل نہیں وہ شجاع نہیں۔ وقت رستخیز یہی کوشش کرنا چاہیے، کہ غنیم کو بے دریغ تہہ تیغ کریں۔ گولہ ایسا اتاریں کہ کالم کے کالم ڈھیر ہو جائیں۔ گولی ایسی چلائیں ایک بھی زندہ نہ باقی رہے۔ مگر جب دشمن کو عاجز کر دیا تو اس پر ستم روا نہیں ہے:

مردے نبود فتادہ را پائے زدن
گر دست فتادہ بگیری مردی

افسر کمانیر: کوئی ہے؟

پہرے والا: حاضر۔ حکم۔ سب لیس ہے حضور!

افسر کمانیر: یہ کون بول رہا تھا ابھی ابھی، کون باتیں کر رہا تھا؟

پہرے والا: خداوند ایک جونیر افسر رسالہ ہیں۔ میاں آزاد پاشا۔

افسر کمانیر: اچھا آزاد پاشا کو کہو کہ اگر تکلیف نہ ہو تو ذرا یہاں تک آئیں۔ پھر چاہے جلد چلے جائیں، اور اگر تکلیف ہو تو خیر۔ کل کو آئیں گے۔

آزاد: میں خود حاضر ہوتا ہوں (قریب جاکر) ارشاد فرمائیے۔

افسر کمانیر: ہم آپ کی تقریر سے کمال محظوظ ہوئے اور ہم بہت جلد آپ کے لیے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوئی عمدہ عہدہ تجویز کریں گے۔ آپ کی تقریر ترجمانِ دل ہے۔ آپ بڑے جری اور مستقل مزاج اور شجاع افسر ہیں۔

آزاد : (آداب عرض کر کے) میں حضور کی نوازش کا کمال مشکور ہوں۔ میں کچھ عہدے پانے، یا دولت حاصل کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ غرض یہ ہے کہ ترکی کے نام پر جان دوں۔

افسر کمانیر: شاباش۔ ع

آفریں باد بریں ہمتِ مردانہ تو

حماکَ اللہ عن شرّ النوائب   جزاکَ اللہ فی الدارین خیرا

اب آپ جا کے آرام کریں۔ صبح کو پھر غنیم سے مقابلہ ہے۔

میاں آزاد آداب عرض کر کے، اپنی جگہ پر واپس آئے، اور ایک درخت کے سایہ میں لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ فوج دن بھر کی تھکی تو تھی ہی، جو لیٹا اس کو فوراً نیند آ گئی۔ اب کوئی پانچ چھ گھڑی رات باقی رہی ہوگی کہ ایک نیا گل کھلا۔ بہت قریب سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی تو سب کے سب بدحواس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ خیریت ہے، خیریت ہے۔ یا الٰہی خیر کیجیو! یا خدا مدد دے۔ اللّٰھمّ احفظنا من کلّ البلیات۔ افسر اور سوار سب حیران و پریشان، سمجھ گئے، کہ روسیوں کی فوج آ گئی۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے، اور بات ہی ایسی تھی۔ خوب جانتے تھے کہ غنیم سر پر آن موجود ہوا۔ اب کوچۂ گریز بھی بند ہیں۔ اس عجلت میں بھلا کیا ہو سکے گا۔ تن بتقدیر جلدی جلدی مسلح ہونے لگے۔ افسر کمانیر طلائے کی فوج کی غفلت پر دانت پیس پیس کر رہ جاتے تھے، مگر فوج کو بآوازِ بلند ڈھارس دیتے جاتے تھے کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ اطمینان کے ساتھ کمر کسو اور پشت توسن پر آ کر غنیم سے مقابلہ کرو، اور مردانہ وار لڑو۔

اتنے میں سوار کلے پر آ گئے۔ ارے لاحول ولا قوۃ۔ بڑا دھوکہ ہوا، یہ تو ہماری ہی فوج کے سوار ہیں، دیکھا کہ پچاس سوار طلائے کے آتے ہیں۔

افسر کمانیر: (استقلال کے ساتھ) کیوں کیا خبر لائے ہو۔ خیریت ہے؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوار : خیریت اسی میں ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ہشیار ہو جائیے۔ روسی ان پہنچے۔ بس اب چھاپہ مارا ہی چاہتے ہیں۔ آئے داخل ہیں۔ اب دیر نہیں ہے۔

افسر کمانیر : سب تیس ہو جاؤ۔ کچھ پروا نہیں، آنے دو۔ آئیں آئیں۔ شوق سے آئیں۔ ہم بھی مستعد ہیں۔

اس استقلال کے قربان۔ جنرل ہو تو ایسا۔ کس مستقل مزاجی کے ساتھ فرماتے ہیں، کہ کچھ مضائقہ نہیں، آنے دو۔ فوراً حکم دیا کہ یہ سوار معاً بکٹ کے سواروں سے جا لیں۔ اور کہیں کہ وہ روس کے لشکر سے تب تک مقابلہ کریں کہ ہم بھی کمک کو بھیجتے ہیں، مگر دو سو سوار یہاں رہیں۔ دو سوار حسب الحکم افسر کے پاس رہے۔ باقی گھوڑے کڑکڑاتے ہوئے بکٹ کی فوج سے جا ملے، اور حکم سنایا۔

ادھر کمانیر نے ان دونوں سواروں سے سوال کیے۔

افسر کمانیر : روسی فوج کس طرف آتی ہے؟

سوار : حضور سامنے سے۔

افسر کمانیر : کیا قلعے کے دروازے سے آتی ہے؟

سوار : نہیں حضور، وہ جو پورب کے رخ برج ہے، اس کے نیچے ایک تہ خانہ ہے، اس تہ خانہ میں سے زینہ لگا کر آئے اور میدان میں قلعے کی دیوار کی آڑ میں ٹھہرے، اور گھوڑے اس رخ سے باہر نکالے۔

افسر کمانیر : یہ کسی معتبر آدمی نے بیان کیا ہے؟

سوار : ایک سوار گاؤں کے ایک جولاہے کے ساتھ خبر لانے گیا تھا، اسی نے بیان کیا۔ خبر بہت صحیح ہے۔ اس میں کسی طرح کا فرق نہیں ہے۔

افسر کمانیر : کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تہ خانہ اور برج اور یہ سب الم غلم بکتے ہو۔ تم کتنے روز سے فوج میں نوکر ہو۔ ہوئے کوئی دو چار مہینے؟

ایک سوار : بس جنگ سرویہ سے ہم فوج میں بھرتی ہوئے ہیں۔

دوسرا خداوند میں چار برس سے نوکر ہوں۔ مگر میرا بکٹ اس طرف نہ تھا۔ ذرا فاصلے پر تھا۔ میں نے فقط اتنا سنا کہ روسی میدان میں جمع ہوئے اور قلعے سے نکل آئے۔ مگر واللہ اعلم بھاگنے کی نیت سے نکلے ہیں، یا شبخون کی نیت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے۔

آزاد پاشا: ساتھ ستر سواروں کو بھیجنے ہی کی کیا ضرورت تھی بھلا۔

افسر کمانیر: نہیں یہ تو دانائی کی، تاکہ ٹاپوں کی آواز دور ہی سے بیدار کر دے۔ یہ تو اچھی بات کی۔ فوراً کوچ ہو۔ سب کالم آراستہ ہو جائے۔

کمانیر نے اِدھر اُدھر گھوڑا پھیر کر، فوج کو ایک نظر دیکھا اور کہا، صرف دو توپیں ساتھ چلیں اور باقی کی حفاظت کے لیے دو سو سوار یہاں ہی رہیں۔ کافی ہیں۔

یہ حکم دے کر فوج کو کوچ کی اجازت دی۔

آدھ کوس پر فوج گئی ہو گی کہ ایک گوئیندے نے آن کر بکٹ کی فوج کا خط علیقو پاشا کو دیا انھوں نے پڑھا اور کمانیر کے حوالے کیا۔ مضمون یہ تھا۔

روسی ہم سے لڑنے پر آمادہ ہیں۔ اب ان کی طرف سے توپ دغا ہی چاہتی ہے۔ آپ کی فوج دو طرف سے گھر گئی ہے۔ روسی فوج کا کالم اس جنگل کی پشت پر بھی ہے۔ وہ ادھر سے حملہ آور ہو گا اور قلعے کی فوج جو باہر تھی وہ پھر اندر چلی گئی۔ یا شاید وہی فوج اس طرف چلی گئی ہو۔ بہر کیف ادھر تو قلعے سے توپ دغے گی، اور ادھر پشت پر سے باڑھ چلے گی۔

کمانیر نے کل فوج کو یہ مضمون سنایا اور کہا جنگل میں تو ہمارے سوار موجود ہی ہیں۔ روسی فوج کے کالم کو بخوبی روکیں گے اور توپیں بھی ہیں۔ بکٹ کی فوج کو اپنے پاس بلا لینا چاہیے تاکہ قلعہ سے جو گولہ آئے اس سے ہمیں ضرر نہ پہنچے۔ یہ کہہ کر فوراً بکٹ کی فوج کے پاس حکم بھیجا، کہ تم معاً ہمارے کالم سے آملو۔ اگر روسی فوج میدان میں ہو تو باڑھ چلاؤ۔ ہم سمجھ جائیں گے۔ قلعہ میں ہو تو مقابلہ فضول ہے۔ فوراً ہم سے مل جاؤ، اور باہر ہو تو بندوقیں سر کرو۔ خبردار ہٹنا نہیں۔

تھوڑی دیر میں بکٹ کی فوج اپنے جنرل کے کالم سے مل گئی مگر قلعے سے توپ کی آواز نہ آئی۔ کمانیر نے اپنے اسسٹنٹوں سے مشورہ کیا۔ اور بہت جلد یہ رائے قرار پائی کہ جو سوار جنگل میں ہیں، ان کی کمک اس وقت ضرور ہے۔ جنرل نے نصف فوج تو اسی میدان میں چھوڑی۔ اس حصہ فوج کے پاس صرف دو توپیں تھیں۔ باقی ماندہ فوج لے کر چلے ہی تھے، کہ جنگل کی طرف سے دائیں دائیں آوازیں آنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لگیں۔ لو جنگ شروع ہو گئی۔ کمانیر نے ایک فلاینگ کالم بسر کردگی آزاد پاشا جو نبر افسر رسالہ روانہ کیا۔ فلاینگ کالم فوج سے تیز جاتا ہے۔ عجلت یہ تھی کہ سواروں کو ڈھارس ہو اور کمک وقت سے پہلے ہی پہنچ جائے۔ اب سنیے! کہ دو سو سواروں میں سے صرف اسی قدر عرصے میں بیس زخمی اور دس ضائع ہو چکے تھے۔ اور چھ گھوڑوں پر گولیاں پڑی تھیں۔ یہ لوگ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے۔ مگر روسی فوج بہت بڑھ آئی تھی۔ روسیوں کی طرف صرف دس سوار زخمی ہوئے اور دو مرے۔ جس میں ایک افسر تھا۔ آزاد پاشا کے کالم نے سواروں کو مدد دی اور طرفین سے بندوقیں دغنے لگیں۔ فیر پر فیر اڑتی تھی۔ روسیوں کے دو سو سوار جنگل کی ایک اور سمت سے آکر اس کالم پر گرے۔ اور اب مصیبت یہ پڑی کہ ادھر تو باڑھ پر باڑھ پڑتی تھی اور اُدھر تلوار کی لڑائی دست بدست شروع ہو گئی۔ جب تک جنرل کا کالم کمک کو آئے روسیوں نے کسی قدر غلبہ حاصل کر لیا اور ان سواروں میں چند ہی باقی رہ گئے تھے کہ جنرل کی فوج ترکی بھی، دھم سے آ کودی۔ پھر کیا تھا۔ روسی فوج کا جو کالم آگے بڑھا تھا اور جس سے دست بدست جنگ ہوتی تھی، اس کو ترکوں نے کاٹ کر پھینک دیا اور ادھر آزاد پاشا کا کالم بڑھا، تو روسی فوج نے اس سے مقابلہ کیا۔ تھوڑی دیر تک روسی غالب رہے، مگر آزاد پاشا بکمال بسالت بڑھتے ہی گئے۔ ان کا فرس وفا پسند سب سے دس قدم آگے جاتا تھا۔ جب روسیوں نے دیکھا کہ ترکی فوج آن ہی پہنچی، تو دریا میں گھوڑے ڈال دیے۔

یہ وہ دریا تھا جس سے نہریں کٹ کر قلعہ معلّی کے ارد گرد جاری تھیں، ادھر روسیوں نے دریا میں گھوڑے ڈالے اُدھر ترکوں نے باڑھ ماری۔ روسی پلٹ پڑے اور بکمال شجاعت ترکوں کی فوج تک آ گئے۔ لیکن نصف سے زیادہ کو آزاد پاشا کے کالم نے فی النّار کر دیا۔ اس مقام پر روسیوں نے بڑی چالاکی کی تھی، وہ خوب جانتے تھے کہ اگر دریا سے باہر نہیں آتے ہیں، تو ترکی رسالہ ہمارے ایک سوار کو بھی نہ چھوڑے گا اور سب اسی دریا میں لقمۂ نہنگِ اجل ہوں گے لہذا دریا سے گھوڑے نکالے اور برسرِ مقابلہ آئے۔ جب روسیوں نے دیکھا کہ نصف سے زیادہ مردانِ کاری کام آئے، تو تلوار سوت سوت کر چڑھ دوڑے۔ ترکوں نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب بھی بندوق ہی سے کام لیا، اور نصف کے قریب باقی ماندہ روسیوں کا بھی وہیں ڈھیر ہوگیا۔ ترکی فوج اس مقام پر نہایت استقلال کے ساتھ لڑی۔ اب روسیوں کے کوئی سوا سو آدمی باقی رہ گئے۔ وہ بھی جان بکف ترکوں پر آ گرے۔ تلوار کی لڑائی شروع ہوئی۔ تین روسیوں نے آزاد پاشا کے گھوڑے کو زخمی کیا، مگر واہ رے آزاد۔ ایک روسی نے گھوڑے کے پٹھے پر تلوار لگائی ہی تھی کہ آزاد نے تلا ہوا ہاتھ لگایا، تو بھنڈارا تک کھل گیا۔ دوسرا جھپٹا اس نے ناک کا سرا اڑانا چاہا تھا، مگر ترکی سوار نے خود روسی کا سر بھٹا سا اڑا دیا۔ تیسرے روسی نے بڑھ کر آزاد کے گھوڑے کی ٹانگ پر ہاتھ لگایا اور گھوڑا تڑپ کر دس پانچ قدم پیچھے ہٹا۔ مگر ایک ترک نے روسی کی دونوں ٹانگیں ایک ضرب شمشیر میں اڑا دیں۔

الغرض تھوڑے ہی عرصہ میں ترکی فوج نے غنیم کو کاٹ کے پھینک دیا، اور جنرل کے کالم سے جا ملی۔ تین سو بندوقیں، دو سو تلواریں، اور پچپن گھوڑے ترکوں کے ہاتھ آئے۔

قلعہ کے لشکر روسیہ نے جو اس شکست کی خبر سنی، تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مٹی پٹی سب بھول گئے۔ چال تو اچھی چلے تھے مگر سپہ سالار افواج ترک نے ان کی سیکڑوں آرزوؤں کا خون کیا۔ بکٹ کی فوج قلعہ کے پاس چھوڑ کر خود جنگل کی طرف چڑھ دوڑے اور ایک فلائنگ کالم فوراً روانہ کر دیا۔ جب آزاد پاشا واپس آئے تو سپہ سالار نے ان کی تعریف کی اور کہا کہ سینیر افسر رسالہ کی علالت کے سبب سے مناسب معلوم ہوا کہ آزاد پاشا ہی بھیجے جائیں۔ اس کے بعد حکم دیا کہ بکٹ کے سواروں سے قلعے کی فوج روس کا حال دریافت کرنے کے لیے سوار بھیجے جائیں۔ فوراً تعمیل حکم ہوئی، اور سواروں نے آن کر کہا کہ قلعے سے تمام شب کو توپ بھی نہیں دغی مگر ارد گرد کے قلعوں میں کئی بار رن جھنابیں روشن ہوئی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ افسران فوج دوربین کے ذریعے سے جنگ کی کیفیت دیکھتے ہوں گے۔ ایک بار کوئی چالیس سوار دریا کے اس پار نظر آئے تھے۔ شاید وہ کمک کو جاتے ہوں اور شاید اور سوار بھی ان کے پیچھے ہوں، مگر بکٹ کی فوج نے ان پر گولیاں چلائیں تو وہ بھاگ کے قلعے میں ہو رہے اور جنگل کی فوج کو روسی مدد نہ پہنچا سکے۔ میاں آزاد کا سینہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فرطِ طرب سے باغ باغ تھا۔ عرش بریں پر دماغ تھا۔ جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ کھلے جاتے تھے، کہ آج پہلی فتح پائی۔ اور ہمت مردانہ اور یاورِ طالع سے روسیوں نے شکست کھائی۔ اب کچھ کچھ آثارِ سحر نمودار ہوئے۔ کمانیر نے قلعے کے حالات کی تحقیقات کے لیے طرح طرح کی تدبیریں کیں۔ فوج ایسے مقام پر کھڑی تھی کہ حتی الوسع روسی گولے وہاں تک نہ پہنچنے پائیں۔

علیقو پاشا: کل شام تک انشاء اللہ قلعہ بھی خالی کرالیں گے۔ بڑا مضبوط قلعہ ہے۔

احمد پاشا: کیا تم نے کبھی اس قلعہ کی سیر نہیں کی۔ ہم تو کئی بار جا چکے ہیں۔

آزاد پاشا: اب شام تک انشاء اللہ اس قلعے کی سیر کر رہے ہوں گے۔ اس کی عظمت کے تو ابھی سے ہم قائل ہو گئے، اور سنا اس میں ایک بہت بڑی توپ ہے جس کی پیشانی پر لکھا ہے۔ ع

بترس اے مدعی از من کہ آتش در دہن دارم

احمد پاشا: مگر ایک بات یاد رکھیے گا۔ جب کبھی غنیم سے میدان میں مقابلہ ہو تو اس کو یہ موقع نہ دیجیے گا، کہ ایک حصّہ فوج لے کر کسی جانب سے آپ کی بقیہ فوج پر جا گرے۔ جیسا آج ہوا۔ یہ عیب ہے۔

آزاد پاشا: سنیے تو کہ خاص باعث کیا ہوا۔ ہم نشیب میں تھے۔ غنیم بلندی پر، وہ ہم کو بخوبی دق کر سکتا تھا، مگر ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ تو میں جان پر کھیل کر بڑھتا گیا ورنہ سب کے سب خاک و خون میں لوٹتے ہوتے۔

احمد مختار پاشا: تو صحیح ہے۔ ہم کو یہ نہیں معلوم تھا۔ ہم اور علیقو پاشا تو دیکھتے جاتے تھے مگر کچھ کچھ کارروائی نظر آتی تھی۔

اتنے میں تڑکا ہو گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیوں کرنہ ہنسیں سن کر حالِ دلِ عاشق کو
کم سن ہیں وہ کیا جانیں ارمان کسے کہتے ہیں

الٰہی خیر کیجیو۔ آج بڑی بیگم صاحب کے ایوانِ فلک توامان کی مہتابی پر پریوں کا جمگھٹا، بے طور نظر آتا ہے۔ الٰہی یہ اندر کا اکھاڑا ہے، یا حورانِ بہشتی زمین پر اتر آئیں۔ جہاں آرا جادو جمال، گیتی آرا مشتری خصال، حسن آرا نور از پا تا فرق۔ سپہر آرا زرق برق۔ چاروں نو عمر، چاروں نوخیز، نگاہیں اشارت آشنا، ادائیں دلآویز وہ جامہ وار کی رضائیاں، اور رنگین دلائیاں، وہ نستعلیق چال، وہ گورے گورے گال، کہ عابد شب زندہ دار کی بھی تلیا تمام ہو جائے۔ آہو چشموں کی چھل بل دیکھ کر رام ہو جائے، اور یہ شعر زبان پر لائے:

بعشقم مبتلا کردی چہ کردی
دلم درد آشنا کردی چہ کردی

اتنے میں شہزادۂ عالی گہر، مرزا ہمایوں فر کے ایک مصاحب خاص نے اپنے آقائے نامدار سے جاکر کہا: حضور کوٹھے پر تو تشریف لائیں۔ سامنے والی محل سرا پر پریوں کا تخت اتر آیا ہے۔ ایسی پیاری پیاری صورتیں خیال نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوں گی خصوصاً ایک تو بس چھلاوا ہے:

بتی رنگین ادائی سرو قد یاسمن بوئی
چو لالہ آتشیں روی چو سنبل مو پریشانی

ہمایوں فر کی باچھیں کھل گئیں۔ بتِ ماہ سیما سپہر آرا کے دردِ فراق میں شب و روز سر دھنتے تھے۔ یہ نوید بہجت خیز اور مژدۂ طرب انگیز سن کر جان میں جان آئی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وفورِ مسرّت سے آنکھوں میں آنسو بھر آے۔ دوڑتے ہوئے کوٹھے پر آے۔ اور آتے ہی یہ شعر حسرت بار زبان پر لائے:

بدامِ زلف دلم را شکار خود کردی
ترحمی بکن اکنوں کہ کارِ خود کردی

چاروں بہنیں دریا کی موج زنی اور روانی کے مزے لوٹ رہی تھیں اور یہ خبر ہی نہیں، کہ عاشقِ زار مصروف نظارہ بازی ہے۔ شہزادہ دلدادہ نے باآوازِ بلند عینِ حالتِ بے تابی میں اس بیت کو، جس کے ایک ایک لفظ سے حسرت ٹپکتی ہے ۔ ترجمانِ دل کیا:

یا بمن دہ دلِ غمین مرا
یا شنو نالۂ حزین مرا

یہ شعر سنتے ہی، وہ چاروں طرارے بھر کر نظر سے اوجھل ہو گئیں۔

ہمایوں فر: ہائے اس زبان کو کہاں بند کروں۔ حرفِ عشق زبان پر آتے ہی آنکھیں ان کو ڈھونڈھنے لگیں۔ اے کاش چپ ہی رہتا، تو شاید کچھ دیر اور دور ہی سے آنکھیں سینکنے میں آتیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئیں۔ ہائے اگر ایسا ہی پردہ تھا، تو آنا ہی کیا ضرور تھا:

اس ہجر میں ہیں ہم، تو ندارد کوئی دم میں
اللہ سلامت رکھے ان کو وہ جہاں ہوں

رفیق: خداوند یہ بھی ایک شوخی تھی۔ ع

معشوق ہیں نہیں اگر اتنی کجی نہ ہو

ہمایوں فر: ہمارے دردِ دل کا تو کچھ علاج کریں، کیا عشق بھی چھپانے سے چھپتا ہے۔

رفیق: یہ سچ ہے:

سادگی سے سخن عشق درِ گوش نہیں
ابھی کم سن ہیں کسی بات کا کچھ ہوش نہیں

اتنے میں شہزادۂ خون در جگر بے قرار و مضطر کے ایک دلی دوست آئے ۔ مرزا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہمایوں فر نے بادلِ سرد، وآہِ پُر درد، اپنے عشق اور ان کے استغنا کا حال کہہ سنایا۔ اور پھر ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگے۔ دوست نے مسکرا کر کہا! آپ عاشق تو ہوئے مگر ذرا صبر و تحمل نہیں ہمایوں فر نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھ دیا۔

عاشق سے بھی ہوتا ہے کہیں صبر و تحمل
اس بات کو کہتا ہے، جو آتی نہیں مجھ کو

ہمارا عشق ہی ہماری جان کا گاہک ہے۔ یہ دل کا سودا ہے۔ دل لگی نہیں ہے۔ ان کے دوست نے کہا، صحیح ہے، مگر عشق اور ضبط لازم و ملزوم ہے۔

دعویٰ جو عشق کا ہے، تو فریاد کس لیے
یہ ہائے ہائے اے دلِ ناشاد کس لیے

ع عشق کے صدمے اٹھانے کو جگر بھی چاہیے:

عاشق تو ہوئے پہ میرزائی نہ گئی
بس ایک کڑی میاں اٹھائی نہ گئی

میرزا ہمایوں فر چھت ہی پر دو زانو بیٹھ گئے۔ ان کے دوست نواب احمد مرزا صاحب نے سمجھایا، کہ اٹھ کر کمرے میں بیٹھیے۔ وہاں سے بھی تو نظارۂ جمال ممکن ہے۔

ہمایوں فر: یہ سچ ہے مگر بندہ نواز۔

آئیں رضوان بھی جو لینے تو نہ جاؤں سوِ فکر
ٹھن گیا کوچۂ جاناں، کا ارادہ دل میں

سمجھا بجھا کر کمرے میں لے گئے۔ شہزادۂ بلند ارادہ نے کہا، آپ مجھے کوئی پاگل نہ سمجھ لیجیے گا مگر کیا کروں، دل ہاتھ سے جاتا رہا۔ سیکڑوں ہی تدبیریں کیں، مگر متھے پر نہ چڑھیں۔ نواب صاحب نے کہا بھائی کچھ خبر ہے۔ بھلا وہاں کسی کا گزر کیوں کر ممکن ہے۔ اس خیال سے درگزرو ورنہ مفت میں جگت ہنسائی ہو گی:

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

شہزادہ: بھائی میں تو نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بھی کوئی گناہ ہے۔
نواب: واللہ! تو پھر یہ ہائے ہائے کاہے کی ہے۔ یہ کون مشکل بات ہے۔
شہزادہ: ہائے مشکل تو یہی ہے، کہ آسان نہیں۔ آپ ہی ہماری مشکل آسان کیجیے،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تو جائیں۔

نواب : میں بیڑا اٹھاتا ہوں۔ اٹھوارے کی مہلت دیجیے بس زیادہ نہیں۔

شہزادہ : ارے یار تم جھٹلاتے ہو۔

نواب : کیا خوب! اس وحشت کے صدقے۔ آپ ذرا صبر تو کیجیے۔

شہزادہ : آہ بس یہی تو مشکل ہے۔ سنا نہیں :

بکوے صبر عاشق رہ نیابد
رہِ عشق وصبوری مشترک نیست

نواب : حضرت سنیے! وہ جو آپ سنتے اور پرانی کتابوں میں پڑھتے آئے ہیں، کہ عاشقوں کا حال ابتر ہوتا ہے، اور شہزادوں نے تاج و تخت پر پامردی سے لات ماری، اور طوطے کی زبانی کسی شہزادی کے حسنِ گلوسوز کی گرما گرمی سن کر جنگل اور کوہ وہاموں کی راہ لی، اور وہاں ساحر ملا اس نے کہا آنکھ بند کر۔ آنکھ بند کی، اور منزلِ مقصود پر دن سے داخل ہو گئے، اور وہاں ایک دیو سے مقابلہ کیا اور اس کو نیچا دکھایا، اور بادشاہ نے پوچھا بول کیا مانگتا ہے کہا ہم صرف یہ چاہتے ہیں؛ کہ شہزادی کے ساتھ عقد ہو۔ یہ تو سب ڈھکوسلا ہے۔ حسب عقل وحسبِ عادت دونوں طرح محال ہے۔ لیکن اگر ایسے ہی آپ از خود رفتہ ہیں، تو میں فکر کروں گا۔ آپ مطمئن رہیے۔ آپ بادشاہ کی نسل سے ہیں اور ماشاء اللہ حسین، خوبرو، کم سن، تربیت یافتہ، ہونہار، خوش سلیقہ، متموّل، وجہ کیا کہ شادی نہ ہو، اور محبوب مطلوب نہ ملے۔

شہزادہ : آپ کی تقریر وہ لچھے دار ہوتی ہے۔ کہ جادو بھی اس کے مقابل میں گرد ہے۔

نواب : کیا؟ لچھے دار تقریر کیا معنی۔ اجی میں کل ہی تو فکر کرتا ہوں۔

شہزادہ : کچھ ہم نے اتنے دنوں خاک چھان کر پایا، کچھ آپ تدبیر کریں گے۔

نواب : گستاخی معاف، آپ کی تدبیر تو خالی از جنون نہ تھی، اور ہم ایک قرینے سے چلیں گے۔ تدبیر تدبیر میں بھی زمین، آسمان کا فرق ہے۔

شہزادہ : ہم نے تو وہ فکر کی، کہ آپ کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگی۔ عورت کا بھیس بدل کر ان سے مل آئے، اور پھر ان پر ظاہر کر دیا کہ ہمایوں فر ہمیں ہیں :

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ان مقاموں پر مقدر نے مجھے پہنچایا
منزلوں مجھ سے مرے وہم و گمان دور رہے

نواب : لاحول ولاقوۃ، یہی تو پاگل پن ہے۔ آپ کا۔ بھلا کسی کے یہاں اس طرح پر جانا کون سی دانائی ہے۔ جب ہی وہ آپ سے کھٹکی ہوئی ہیں۔ سمجھ گئی ہوں گی آدمی خبطی ہے۔

شہزادہ : ارے یار جو چاہو کہہ لو۔ مگر دکانِ حسن چمکی ہوئی دیکھیں، تو ہزار جان سے گاہک کیوں نہ ہوں۔ اس کو جنون کہو یا فطرت یا سودا۔ ہم تو یہ سودا ضرور خریدیں گے:

وہ گیسوئے مشکیں مری آنکھوں سے نہاں ہے
سودے کا سا عالم ہے نہایت خفقاں ہے

واللہ آنکھ بھر دیکھا بھی نہ تھا، کہ نظر سے نہاں ہو گئیں۔

ادھر تو یہ باتیں ہوتی تھیں، اب اُدھر کا حال سنیے، کہ نامحرم کو دیکھ کر چاروں پریاں شوخی اور ادا کے ساتھ طرارہ بھر کے نظر سے غائب ہو گئیں۔

حسن آرا اور سپہر آرا تو ہمایوں فر سے خوب واقف تھیں، مگر جہاں آرا اور گیتی آرا نے دانتوں کے تلے انگلی دبائی، اور متحیر ہو کر یوں باتیں کرنے لگیں۔

جہاں آرا : اے کون تھا۔ شکل صورت سے تو کوئی رئیس معلوم ہوتا ہے۔

حسن آرا : (دبے دانتوں) ہیں ایک۔ اسی مکان میں رہتے ہیں۔

سپہر آرا : کبھی باہر رہتے ہیں، کبھی سامنے والی کوٹھی میں۔

گیتی آرا : یہ دبے دانتوں کیوں کہتی ہو۔ بتاؤ تو، آخر ماجرا کیا ہے؟

جہاں آرا : ہاں ہے کچھ دال میں کالا کالا ضرور، جب تک آگ نہیں ہوتی، دھواں نہیں اٹھتا۔

حسن آرا : اے واہ ہے، اور سنیے گا، اب رنگ لائی گلہری۔

جہاں آرا : بہن ہمیں یہ گنجلک کی باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔

حسن آرا : (مسکرا کر) اے لو اچھی آئیں۔

گیتی آرا : یہ ہے کون؟ بے جان پہچان کے اتنا ڈھیٹ نہ ہوتا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا: اے خبر ہے، ہو کہاں اس وقت؟
گیتی آرا: میں تو وہیں ہوں، جہاں تم ہو، مگر۔
سپہر آرا: ہاں مگر ــــ کیا۔ بس مگر ہی مگر۔
حسن آرا: مگر دریا ہیں۔
سپہر آرا: یہاں مگر کا کیا کام۔
گیتی آرا: تو اب بکھیڑے سے کیا واسطہ۔ صاف صاف بتا دو نہ۔
حسن آرا: بہن ایک شہزادے ہیں۔ بڑے امیر آدمی ہیں۔ اس وقت ہم سب کو یہاں بے حجاب کھڑے دیکھ لیا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ اتنے وقت یہ بھی کوٹھے پر برآمد ہوں گے ورنہ نہ آتے۔
سپہر آرا: تو آخر آپ دونوں بہنوں کی سمجھ میں کیا آتا ہے؟
گیتی آرا: اب میں کیا کہوں، (مسکرا کر) بڑا بے ڈھب سوال ہے۔
سپہر آرا: (تنک کر) اے واہ ہے۔ خوب یک نشد دو شد۔

یہ باتیں ہوتی تھیں کہ عباسی مہری ولایتی انار، اور سیب لائی۔ جہاں آرا بیگم نے کہا عباسی یہ سامنے والی کوٹھی میں کون رہتا ہے۔ عباسی مسکرا کر بولی: حضور یہ حال ہم سے نہ پوچھیے، یہ بڑی کہانی ہے۔ کسی دن فرصت کے وقت عرض کروں گی۔ جہاں آرا اور گیتی آرا کا ماتھا ٹھنکا۔ اب یقین واثق ہو گیا کہ ان کا گمان بے اصل نہ تھا۔ کہا، نہیں اسی دم بتاؤ اور ضرور بتاؤ۔

عباسی: حضور اس میں ایک شہزادے ہیں۔ ہمایوں فر، ابھی اٹھتی جوانی ہے۔ کوئی بیس بائیس برس کا سن ہوگا۔ بڑے قبول صورت اور کلّے ٹھلّے کے گھبرو ہیں۔ سپہر آرا بیگم کے ساتھ نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں۔ میں جب نادر مرزا کے ہاں نوکر تھی تو ان کی سالی نے آن کر کل باتیں کہی تھیں۔ اور ہمایوں فر کے حسن کی بڑی تعریف کرتی تھیں۔

گیتی آرا: کن کی سالی نے کہا؟ ہمایوں فر کی؟
جہاں آرا: کیا شادی ہو گئی؟
عباسی: حضور نادر مرزا صاحب کی سالی کی زبانی، میں نے سنا تھا۔ ہمایوں فر کی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شادی ابھی نہیں ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ شادی ہو تو سپہر آرا کے ساتھ ہو۔ اور نہیں تو پھر نہ ہو۔

سپہر آرا: (ہنس کر) اے چُپ بھی رہ واہ بڑی وہ بن کے آئی ہے' وہاں سے۔

عباسی: لو اس میں چوری کیا ہے۔ کیا بیاہ کسی کا ہوتا نہیں؟

سپہر آرا: (ہنس کر) اللہ جانتا ہے ہمیں ہنسی آتی ہے۔

راوی: کیوں نہیں۔ ہنسی ضرور آتی ہوگی۔

کیوں کر نہ ہنسیں سن کر حالِ دلِ عاشق کو
کم سن ہیں وہ کیا جانیں ارمان کسے کہتے ہیں

اتنے میں کسی نے ہمایوں فر کے محل سے یہ شعر گانا شروع کیا،

تم ذرا پہلو سے اٹھے ہم پھڑک کر رہ گئے
یوں بھی دیکھا تھا کسی کا دم نکل جاتے ہوئے

عباسی: یہ حضور انھیں کی آواز ہے۔ اللہ جانتا ہے وہی ہیں۔

سپہر آرا: (ہنس کر) اے کیوں جھوٹ موٹ قسم کھاتی ہو عباسی۔

گیتی آرا: ان کو ہمایوں فر نے کچھ رشوت دی ہے۔ جب ہی ان کی سی کہہ رہی ہیں۔

حسن آرا: جو یہ بات ہے تو ہم خالہ جان سے کہیں گے۔ کیا برا کیا ہے۔ ابھی نو عمر ہیں۔ بیس اکیس برس کا سن، اور شہزادے، حسین، روپیہ والے، کیا برائی کیا ہے۔ ہم خالہ سے ضرور کہیں گے۔

جہاں آرا: مگر پہلے ان کی (حسن آرا) کی تو فکر کرو۔

گیتی آرا: اس بکھیڑے میں ہم نہ پڑیں گے، مگر سپہر آرا کے لیے تو خالہ جان سے ضرور کہیں گے، چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔ ہمایوں فر کو ہم نے اس وقت آنکھ بھر کے دیکھ لیا ہے۔ بڑے خوبصورت ہیں، اور ابھی چشم بددور کل کے لڑکے ہیں۔

سپہر آرا: (ہنس کر) وہ خوبصورت کیا معنی بلا تشبیہ یوسفِ ثانی سہی، مگر اپنی اپنی پسند ہے۔ شادی بیاہ میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔ اور کل کے لڑکے کیا معنی؟ کیا ننھے ہیں کچھ؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا: بہن سنو، تم چاہے لاکھ بنو۔ دل کی بات کہیں چھپی رہتی ہے۔ آنکھیں کہے دیتی ہیں۔ انداز چھپانے سے نہیں چھپتے۔ کوئی لاکھ پوشیدہ رکھے تو کیا ہوتا ہے۔

عباسی: حضور شہزادے بہادر کا خدا نخواستہ برا حال ہے۔ دن رات یہی کہتے ہیں کہ کسی طرح سپہر آرا کے ساتھ نکاح ہو۔

سپہر آرا: (تنک کر) سنا عباسی تم ان باتوں میں نہ بہت دخل دو معقولات دیا کرو۔ تم نہ جا کے نکاح بڑھوا لو۔ تم بھی تو جوان جہان ہو۔

عباسی: اے حضور مجھ غریبنی کے ساتھ کون شادی کرے گا۔ بھلا۔ اور نہ کہ شہزادے بادشاہ کی اولاد۔ وہ تو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

سپہر آرا: (ہنس کر) ہاں! سچ کہنا جا کے دیکھ لو۔ دیکھو نظر اٹھاتے ہیں کہ نہیں۔

گیتی آرا: باتیں بناتی ہے لڑکی۔ ہم اب تک بولتے نہ تھے کہ چھوٹی بہن ہے، کون کہے۔ شادی نہ کرو گی تو کیا بن بیاہی رہو گی؟ آخر برائی کیا ہے۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ بزرگوں کا نام۔ باپ دادا شاہی کرتے تھے۔ ہمہ شما ہزاروں خدمت کو۔

اس پر حسن آرا ہنس دی، اور بہن کو گلے لگا کر بولی۔ گیتی آرا بہن ذرا سمجھ بوجھ کے بات کیا کرو، کہنے کو تو کہہ جاتی ہو، مگر خیال نہیں رہتا، کہ میں کیا کہتی ہوں۔ یہ ابھی کون سا کلمہ کہا تھا۔ گیتی آرا نے کہا تم تو سیدھی بات کبھی کرتی ہی نہیں بہن۔ سیدھی باتیں کرو جو سب کی سمجھ میں آئیں۔ یہ تم ہنسیں کس بات پر، اس وقت تو ہنسی کی کوئی بات ہوئی نہیں۔

سپہر آرا: ہم سمجھ گئے۔ ہم سمجھ گئے۔ آپ نے کہا تھا ہمہ شما خدمت کے لیے رہتے تھے۔

سپہر آرا بہت ہی ہنسی۔ گیتی آرا نے کہا کھلی ہی جاتی ہیں، کہ ہماری سفارش کرنے بہن جاتی ہے۔ دل میں پیار اور ظاہر میں انکار، مگر ہم سے کب تک اڑو گی بھلا۔

جہاں آرا اور گیتی آرا دونوں بہنیں مل کر بڑی بیگم کے پاس پہنچیں۔ جہاں آرا نے بڑی بیگم سے یوں گفتگو کی۔

جہاں آرا: خالہ جان اب دعوتیں نہ کھلوایئے گا کیا، منظور کیا ہے؟

بڑی بیگم: کیسی دعوتیں بیٹی۔ جو جی چاہے پکواؤ، کھاؤ، منع کس نے کیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں آرا: اے یہ دعوتیں نہیں خالہ جان۔ بڑی دعوت جس میں آپ کے ہزاروں روپیہ صرف ہوں اور ہفتوں تک ناچ رنگ رہے۔

بڑی بیگم: کیا کہا۔ ہم سمجھے نہیں۔ ناچ رنگ کیسا؟ ابھی تو ڈومنیوں کا گانا سن چکی ہو، جس روز جی چاہے تو پھر بلوا بھیجنا۔

گیتی آرا: نہیں خالہ جان۔ یہ نہیں، ان کا مطلب یہ ہے کہ اب ہماری بہنوں کی شادی کی فکر نہ کیجیے گا۔ اب اللہ کی عنایت سے سیانی ہوئی ہیں۔ اب کچھ فکر تو ضرور کیجیے۔

بڑی بیگم: اب کسی دن فرصت کے وقت کہوں گی۔ وہ جانیں تم جانو۔

گیتی آرا: خالہ جان! یہ جو سامنے رہتے ہیں شہزادے، یہ کیا برے ہیں کچھ۔

بڑی بیگم: سچ تو کہتی ہو۔ ہمیں اب تک خیال ہی نہ تھا، ان کا۔

گیتی آرا: کوئی ایسے ویسے ہیں کیا؟

بڑی بیگم: اچھا دیکھو۔ فکر کروں گی۔ سپہر آرا کے لیے۔ اچھے ہیں۔ ابھی لڑکا ہی تو ہے۔

بڑی بیگم سے پکّی پوڑھی کر کے، جہاں آرا اور گیتی آرا پھر چھت پر آئیں حسن آرا بیگم مینا بازار پڑھ رہی تھیں۔ دکان جوہری، کج کلاہ کہ درّۃ التّاج سربلندی، و قرۃ العینِ عزیزی، و جگر گوشۂ ارجمندی ست، مملو بدریا، قرۃ العینِ صدف و مالامال بمعدنِ معدنِ جگر گوشۂ کان ست۔

گیتی آرا: چلو اسے رکھو، مطلب کی بات سنو ہم نے خالہ جان سے جا کر کہا، انھوں نے منظور کر لیا۔ ہم نے کہا کہ یہ شہزادے جو سامنے رہتے ہیں کیا برے ہیں۔ بڑی تعریف کی۔ خالہ جان نے کہا ہم کو بھی پسند ہیں۔ یہ کریں گی کیا۔ بیچاری امّا جان کا کہنا ٹال دیں گی۔ اور وجہ کیا۔ کوئی کالا کلوٹا ہوتا تو ہم خود نہ کہتے۔

سپہر آرا مہتابی پر ہمایوں فر کی چاہ میں گئیں۔ لگی بری ہوتی ہے۔ کنکھیوں سے چپکے چپکے شہزادے پر نظر ڈالی۔ اس وقت مرزا ہمایوں فردوشالہ اوڑھے ہوئے کمرے میں بیٹھے حقّہ پی رہے تھے۔ سپہر آرا نے آہستہ سے کنکری پھینکی۔ شہزادے نے جو گردن پھیری، تو سپہر آرا کا چاند سا مکھڑا نظر آیا، مگر سپہر آرا چھپ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دکھا کر فوراً ہٹ گئی۔

ہمایوں فر: واہ۔ بھلا ایسی ستم ظریفی سے کیا ملتا ہے۔ خدا کے لیے ایک نظر دیکھ لو۔

س: آڑ میں کھڑی تھی صورت تو نہیں دکھائی، مگر دوپٹے کے آنچل کو ہوا کے رخ چھوڑ دیا۔

ایک خدمتگار نے جوان کی تقریر سنی تو اوپر آیا۔ دیکھا اکیلے کھڑے ہوئے ہیں۔ گھبرایا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ ڈرتے ڈرتے یوں کہا۔

خدمتگار: حضور کس سے باتیں کرتے تھے۔

ہ: دیوار و در سے۔

خ: یہاں تو کوئی آدم زاد اس وقت نہیں ہے۔

ہ: اچھّا تم جاؤ حقّہ بھر لاؤ۔

خ: حضور حقّہ بھرا رکھا ہے۔ ابھی سلگا بھی نہیں خداوند۔

ہ: اچھّا جاؤ پان بنا لاؤ۔

خ: گلوریاں بھی خاصدان میں بنی رکھی ہیں۔

ہ: اچھّا کچھ اوڑھنے کے لیے لاؤ جا کے۔

خ: خداوند۔ وہ کیا دوشالہ رکھا ہے۔

ہ: (جھلّا کر) پھر جہنم میں جا کمبخت۔

خ: فوراً نیچے چلا گیا۔

وہاں اکثر آدمیوں سے کہا، کہ آج حضور کا مزاج کچھ بگڑا ہوا پایا۔ پان مانگے، میں نے کہا سامنے رکھے ہیں خداوند، کہا حقہ بھر لاؤ۔ عرض کیا بھرا ہوا ہے۔ پھر اوڑھنے کو مانگا، عرض کیا کہ دوشالہ حاضر ہے۔ بس اس پر جھلّا اٹھے۔

رفیق: سزا تمھاری۔

خدمتگار: تم اسی لائق ہو۔ جا نگوڑے بے وقوف۔

رفیق: خدمتگاری کرنے چلے ہیں۔ کبھی کسی رئیس کے ہاں رہے ہو۔

خ: مطلب سرکار کا یہ تھا کہ اس وقت ٹل جاؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدمتگار: یہ کیوں؟
رفیق: تمھارا سر، اور کیوں۔ پاگل کہیں کا۔
خ: ہم تو کچھ سمجھے وجھے نہیں۔
سپاہی: اجی وہ سامنے والی چھوکریاں جانتے ہو کہ نہیں جانتے؟
خ: ہاں ہاں بیگمیں۔
س: بس انھیں پر سرکار ریجھے ہوئے ہیں۔
خ: بس جاؤ بھی۔ سڑی مر گئے، اولاد چھوڑ گئے۔ کہاں وہ کہاں ہمارا کوٹھا۔ عجب آدمی ہو تم۔
س: اب تم کسی مانو گے تھوڑا ہی۔
ر: اچھا اس بکھیڑے سے کیا مطلب۔ تم ایسے وقت وہاں سے ٹل جایا کرو۔
شہزادے نے یہ شعر باآواز بلند پڑھا:

جنگجو کج کلہاں صلح و صفا نیز کنند
غنچہ سازند دل و کارِ صبا نیز کنند

واسطے خدا کے ایک نظر ادھر دیکھو۔ صورت تو دکھا دو۔
سپہر آرا نے ہاتھ دکھایا۔
اس دست حنائی کے قربان۔ مگر

قانع بہ تجلی نشو شائقِ دیدار
پروانہ بہ مہتاب تسلّی نتواں کرد

میں تو صورت کے نظارے کا طالب ہوں۔

طالبِ نظارہ ام پردہ برافگن ز رخ
پیش صفِ راستاں شعبدہ بازی مکن

جب سپہر آرا بیگم کو معلوم ہوا کہ گیتی آرا اور جہاں آرا آ گئیں، تو دل میں سوچی کہ بیڈھب ہوئی، اب یہ دونوں تاڑ جائیں گی۔ ناچار مہتابی سے اتری۔ جہاں آرا نے کمرے میں حسن آرا سے پوچھا کہ سپہر آرا کہاں ہے؟
حسن آرا: ابھی ابھی یہاں تھیں۔ کیا جانے کہاں چلی گئیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی : وہ کیا اتر رہی ہیں، مہتابی پر سے۔

جہاں آرا : (گردن پھیر کر) ایں! اے لو، وہ تو مہتابی کی ہوا کھا رہی ہیں۔

گیتی آرا : (مسکرا کر) چہ خوش۔ یہ کہیے۔

سپہر آرا بہت ہی شرمائیں، مگر مجبوری کا مقام تھا۔ کرتی کیا۔ مہتابی سے اترتے ہوئے۔ مغلانی اور تینوں بہنوں نے دیکھ لیا تھا، اب جہاں آرا نے بنانا شروع کیا۔

جہاں آرا : کہاں گئیں تھیں آپ؟

سپہر آرا : (لجا کر) واہ میں دیکھتی تھی کہ وہ ہیں یا چلے گئے۔

ج : اے تو منہ کیوں لال ہوا جاتا ہے۔

گ : آخر شرماتی کیوں ہو؟

س : اے واہ دونوں بہنیں مل کر ہمیں بناتی ہو۔

گ : بتاؤ تو آخرش مہتابی پر کس کو دیکھنے گئی تھیں؟

س : بس اب چھیڑ خانی نہ کرو باجی۔

گ : اے لو پھر شرما گئیں۔

ج : نہیں اب شادی ہونا مشکل نہیں ہے۔

گ : سپہر آرا کی چتوں سے ہم پہلے ہی تاڑ گئے تھے۔

س : جی ہاں! آپ کا کیا کہنا، آپ یوں ہی تاڑ لیا کرتی ہیں۔

ج : وہ تو بہت گرویدہ ہیں، مگر ڈھیل ہماری ہی طرف سے ہوئی۔

گ : ڈھیل نہیں اسے بے وقوفی کہتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں آخر ان میں عیب کیا ہے؟ بولو، نک سک سے درست ہیں۔ گورے چٹے ہیں۔ روپیہ والے ہیں۔ ابھی ماشاء اللہ کم سن ہیں۔ خاندان کیسا، کہ لاکھوں کروروں میں ایک۔ پھر برائی کیا ہے۔

جہاں آرا : بہن تو ناحق منہ تھکاتی ہو۔ یہ شادی ٹل نہیں سکتی۔

سپہر آرا : اے اللہ اللہ کرو بہن۔

ج : چلو بس خاموش رہو۔ آپ ہیں کیا ان کے مقابل ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا : ایڑی چوٹی پر ایسے باون ہزار کو قربان کردوں۔
گیتی آرا : اونھ۔ اونھ۔ اپنے حسن کا بڑا غرّہ ہے آپ کو۔
ج : نوج، کوئی کسی کا دل یوں بیدردی سے دکھائے۔
حسن آرا : آپ امّاں جان سے کہیے، اور ہمارے سامنے کہلا دیجیے تو بس پھر چٹ پٹ فکر ہو جائے۔
س : چٹ مری منگنی، اور پٹ مرا بیاہ۔ (مسکرا کر) یہی مثل یاد آئی ہوگی۔ اچھا صاحب یوں ہی سہی۔
گ : جو وہ سن لیں، کہ گیتی آرا بیگم ہماری سفارش کرتی ہیں تو ہمارے بڑے احسان مند ہوں۔
س : آپ ہیں کس خیال ہیں۔
گ : اس خیال میں کہ تمھارا اور ہمایوں کا عقد ہو۔
س : ہو چکا ہمیں پسند ہی نہیں۔
ج : کیا نہیں پسند ہے۔
س : نکاح کرنا۔ ہم بن بیاہے ہی رہیں گے۔ ہم شادی کرنا چاہتے ہی نہیں۔ اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے۔
گ : دنیا جہاں میں ایسی کوئی بھی عورت تھی جس نے شادی نہ کی ہو۔
سپہر آرا : ایک زیب النّسا ہی تھی۔
گیتی آرا : کون زیب النّسا؟ اے یہ نادر مرزا والی زیب النّسا دو لڑکے آگے کھیلتے ہیں، تمھارے نزدیک اس کا بیاہ ہی نہیں ہوا، واہ۔
سپہر آرا : خوب سمجھیں (مسکرا کر) خوب سمجھ گئیں۔
گ : چلو بیٹھی رہو بس۔
سپہر آرا : اس زیب النّسا کا ذکر کرتی ہوں، جو عالمگیر بادشاہ کی بیٹی تھی۔
گیتی آرا : تو بادشاہ کی بیٹی بن بیاہی رہی۔
سپہر آرا : خاتونِ جنّت کی قسم بن بیاہی تھی۔
س : اے ہے۔ چلو بس جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا دل ہی دل میں کھلی جاتی تھی، کہ ہمایوں فر کے ساتھ شادی ہو گی، اور برسوں کی تمنائیں پوری ہوں گی۔ مگر ظاہر میں گویا دل لگی ہو رہی تھی۔ اسی طرح پیش آتی تھیں۔ بات ہوئی اور مسکرا دیا۔ بات ہوئی اور قہقہہ لگایا۔ حسن آرا نے بھاپ لیا کہ سپہر آرا کا عشق روز بروز بڑھتا جاتا ہے لہٰذا ان کو جرأت ہوئی کہ اس معاملے میں بات چیت کریں بڑی بیگم کے پاس جا کر کہا۔ کیوں امّاں جان گیتی آرا بہن کہتی تو ٹھیک ہیں۔ پھر اب کچھ فکر ہونی چاہیے۔

بڑی بیگم : ہاں ہاں۔ میں غافل نہیں ہوں۔

ج : تو پھر اب کب ؟

ب : دیکھو کسی سے کہوں سنوں۔

گ : ان کے کوئی عزیز، رشتہ دار ہیں؟ ضرور ہوں گے۔

ب : ہاں ہاں۔ نواب جعفر کے ہاں ان کی پھوپی کی بیٹی بیاہی ہے، اور مرزا اسکندر بخت ان کے حقیقی چچا ہیں۔ ان کی بیوی سے ہم سے بھی دور دراز کا رشتہ ہے۔

حسن آرا : بس انھیں کو بلائیے۔

ب : آج بھیجوں گی ٹہری کو۔

عباسی : حضور ان دونوں خاندانوں کو میں جانتی ہوں۔ جب کہیے جاؤں۔

ج : ذرا بناؤ چناؤ کر کے جانا۔

راوی : وہ یوں ہی بناؤ چناؤ کیے رہتی ہیں۔ آپ کی تعلیم کی کیا ضرورت اور لاکھ بناؤ کا ایک بناؤ بی عباسی کی جوانی ہے۔

ج : سمجھی کہ نہیں ؟

ع : حضور! یہ تو آپ تب کہیں جب کبھی پولی حیران دیکھا ہو۔ لنڈ جھنڈ رہنے سے ہمیں آپ نفرت ہے۔ اس ٹھسّے سے جاؤں کہ ہمایوں فر بہادر کی لونڈی پر بھی نگاہ پڑے۔

ج : کیسا دیدہ دلیل ہے۔ بڑی زبان دراز عورت ہے۔

گ : یہ چھوکری تو گھوڑے پر سے شہسوار کو اتار لے، وہ بلا کی عورت ہے۔

ج : جی اور کیا۔ بوٹی بوٹی میں شوخی بھری ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ج : لے خالہ جان پھر عباسی کو بھیجو۔

ب : ذرا تامل کرو بیٹی۔ دو ایک سے پوچھ لیں۔ سوچ سمجھ لیں۔ کسی سے پوچھیں، کسی سے کچھیں، تب تو کہیں، یا یوں ہی اٹکل پچو۔

ج : ہاں اچھا یہاں تک تو مضائقہ نہیں ہے۔

ح : اس میں ہم خوش، ہمارا خدا خوش۔

بڑی بیگم : ذری سپہر آرا سے تو پوچھ لو۔ دیکھو منظور ہے یا نہیں؟

حسن آرا : ہم سے پوچھ لیجیے امّاجان۔

گیتی آرا : (ہنس کر) ایں! اس کے کیا معنی؟

جہاں آرا اور گیتی آرا نے سن کر حسن آرا کو خوب بنایا، اور حسن آرا بے چاری اس وقت بن گئی۔ بڑی بیگم نے کہا تھا کہ سپہر آرا سے پہلے دریافت کر لو۔ اس پر حسن آرا بولیں کہ ہم سے پوچھ لیجیے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم سپہر آرا کے دل کی باتیں خوب جانتے ہیں۔ ہم سے دریافت فرمائیے۔ ہم ان کی ٹھیک ٹھیک رائے سے اطلاع دیں گے۔ مگر ان دونوں نے صرف حسن آرا کے چھیڑنے، اور دو گھڑی کی دل لگی کے لیے، یہ معنی لگائے کہ حسن آرا اپنی شادی چاہتی ہیں۔ جب ہی کہتی ہیں کہ ہم سے پوچھ لیجیے۔ مطلب یہ کہ پہلے ہم سے دریافت فرمائیے، پھر سپہر آرا سے پوچھیے گا۔ حالانکہ حسن آرا کا مطلب یہ نہ تھا۔

جہاں آرا : ہاں تو پہلے تم سے پوچھیں۔ اچھا پوچھا جواب دو۔

گ : تو پوچھنے کے طریق سے ، یہ کیوں کر پوچھتی ہو۔

ج : اچھا حسن آرا بہن، اگر ہمایوں فر کے ساتھ تمھاری شادی ہو تو تم کو پسند ہے یا نہیں؟

حسن آرا : تو ہم نے یہ کہا تھا کہ ہم سے پوچھو ہم نے تو یہ کہا تھا کہ سپہر آرا سے کیا پوچھتی ہو۔

گیتی آرا اور جہاں آرا حسن آرا کو لے کر ہنستی ہوئی اوپر گئیں۔ دیکھا سپہر آرا بڑے ٹھسّے سے ٹہل رہی ہیں۔

جہاں آرا : لو سب بات ٹھیک ہو گئی۔ اب ذرا سی بھی کسر نہیں ہے۔

گ : اللہ جانتا ہے۔ ہنستے نہیں، خالہ جان نے منظور کر لیا، اور کہا سپہر آرا سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھی ذکر کرو۔

سپہر آرا: ذکر کیسا۔ واہ۔ ایک عورت شادی ہی نہیں کرتی۔ آپ کی کچھ زبردستی ہے۔ یا اماں جان کی زبردستی ہے۔ اللہ جانتا ہے ہم نہ مانیں گے۔ نہ مانیں گے۔ اپنے اپنے اوپر سب کو اختیار ہے۔ اس میں کسی کا اجارہ تھوڑا ہی ہے کچھ۔

ج: اور حسن آرا بیگم تو کچھ اور ہی کہہ آئیں۔

س: کیا کہہ آئیں باجی جان۔ کہیں ایسا غضب نہ کر دینا۔ ہم نہ مانیں گے۔

ج: یہ تو خود ہی کودی پڑتی ہیں۔ وہاں کہہ آئیں کہ پہلے ہمارے لیے پیغام ہو۔ پھر سپہر آرا کے لیے۔ اب تم جانو یہ جانیں ہم نہیں جانتے۔

گ: ہاں بس ہم سے کیا واسطہ، مگر خالہ جان نے بھیجا ہے، کہ جا کے پوچھو۔ جو کہو وہ ہم ان سے کہہ دیں۔ ہم کو کیا۔

ج: ہم کو تو سمجھانے سے کام تھا۔ بیاہ تمھارا ہو گا۔ چین تم کرو گی۔ شہر بھر کی شہزادیوں اور شہزادوں سے رشتہ ہو گا۔ بادشاہ زادی بن رہو گی۔ لاکھوں کے جواہرات پاس ہیں۔ زیور کی انتہا ہی نہیں۔ نقد روپیہ الگ۔ نوٹ الگ، اور ساڑھے تین ہزار کا وثیقہ مہینے کے مہینے ملتا ہے۔ پھر بھلا کس بات کی کمی ہے۔

سپہر آرا: وثیقہ کہیں بھی مہینے بھر میں مل جاتا ہے۔

گ: اے وہ دس برس میں ملا سہی۔ حساب تو ماہواری ہے، اور خوبصورت ابھی مسین بھیگتی ہیں۔

حسن آرا: تو تم ان سے اس قدر اصرار کیوں کرتی ہو۔ ہم نے تو کہہ دیا کہ منظور ہے۔ منظور۔ منظور۔ منظور۔

جہاں آرا: تم کو تو اپنے لیے منظور ہے۔ اور ہم کو ان کے لیے منظور ہوئے۔

حسن آرا: آپ تو بات بات میں مذاق کرتی ہیں اور ہم معاملے کی بات کہتے ہیں۔ سپہر آرا کہہ دو منظور ہے۔

سپہر آرا: باجی جان آج رات کو غور کر لیں تو پھر عرض کریں۔

جہاں آرا گیتی آرا دونوں بہنیں ہنس پڑیں اور کہا لو مبارک۔

حسن آرا بولیں ہم تو پہلے ہی سے جانتے تھے بہن، مگر کبھی موقع نہ ملا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور پھر یہ بات بھی تھی کہ امّاں جان سے ہم نے دیدہ و دانستہ، ان باتوں کا تذکرہ نہ کیا۔ اس کی ایک خاص وجہ تھی۔ اب آپ دونوں نے کہا تو ہم نے بھی ساتھ دیا۔ مگر اب ہم کو یقین ہے کہ شبھ گھڑی شادی ہو جائے گی۔ اب بیاہ رک نہیں سکتا۔ کسی طرح سے رکتا نظر نہیں آتا۔ اللہ کرے شبھ گھڑی نکاح ہو۔ دونوں دولھا دلہن ہنسی خوشی رہیں۔ جہاں آرا بولی ابھی سے دولھا دلہن نہ بناؤ۔ شاید وہ نہ منظور کریں۔ حسن آرا نے کہا۔ واہ وہ اور نہ منظور کریں۔ کہیں ایسا ہو نہیں سکتا۔

ج : کیسا جی خوش ہے، اس وقت کہ بس کچھ نہ پوچھو۔ اللہ جانتا ہے۔

گ : اللہ کرے جلد دروازے پر شہنائی کی آواز آئے۔

اس کے بعد حسن آرا اور سپہر آرا تخلیے میں بات کرنے لگیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قلعے کا محاصرہ

دوسرے روز سے ترکوں نے قلعہ کا محاصرہ شروع کر دیا۔ تین جانب سے قلعے کو محصور کر لیا مگر چوتھی طرف دقّت تھی۔ اوّل تو وہاں تک جانے کے لیے ایک دریا حائل تھا۔ ترکی انجنیر دریا عبور کرنے کی آسانی سے فکر کر سکتے تھے مگر دریا قلعے کی دیوار سے ملحق تھا۔ اور اسی مقام پر روسیوں کی توپیں چڑھی ہوئی تھیں۔ روسی گولہ انداز خدا سے دعا مانگتے تھے کہ ترکی اس طرف آئیں تو ہم پرے کے پرے توپ کے مہرے اڑا دیں۔ ترکی کالم اس طرف بڑھا تو روسیوں نے قلعے سے توپیں چلائیں۔ گیارہ ترکی زخمی ہوئے اور دو پیادے اسی مقام پر لوٹ گئے۔ روسیوں نے بہت عجلت کی ورنہ اگر ذرا اور ٹھہر جاتے تو پھر پورے کالم کی خیر نہ تھی۔ افسر کمانیر نے اس وقت کسی قدر گھبرا کر کہا: شکر ہے کہ دو ہی کے ماتھے گئی ورنہ بڑی بے ڈھب ہوتی۔ اب ترکوں نے چوتھی جانب سے قلعے کے گھیرنے کا عزم فسخ کر دیا۔ روسی قلعے میں چپ چاپ بیٹھے تھے۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ ترکی فوج قلعہ خالی کرائے گی لہٰذا بھاگ جانے کی ایک راہ تجویز کر چکے تھے اور سوچتے تھے کہ اگر ترکوں نے گولہ اندازی شروع کر دی تو جب تک ہمارے پاس گولہ بارود ہے تب تک جواب دیں گے اور جب سامان ختم ہو جائے گا تب چپکے سے قلعہ چھوڑ کر نکل بھاگیں گے۔ دونوں اپنی اپنی گھات میں تھے۔ افسر کمانیر نے کہا کہ گاؤں سے دو کوس پورب کے رُخ روسیوں **کا ایک** رسالہ آپہونچا ہے۔ دس سوار خبر لانے جائیں۔ ورنہ پھر ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔

ایک پاشا: آپ کو کیوں کر معلوم ہوا کہ روسیوں کا رسالہ آگیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کمانبر: ابھی ایک شخص نے آن کر بیان کیا۔ خبر معتبر معلوم ہوتی ہے۔
دوسرا پاشا: ایک رسالہ آن پہونچا۔ فوراً خبر لانی چاہیے۔
تیسرا پاشا: قلعے کی تو قلعی کھل گئی۔ یہاں تو بالکل سنّاٹا ہے۔
علیقو پاشا: ہاں نہیں تو اب تک گولہ نہ چلتا ہوتا۔
آزاد: تو اگر ادھر سے نہ چلے تو کیا کچھ فرض ہے کہ ہم بھی خاموش رہیں۔ ہم تو گولے اتاریں ان کا مصالح تو خالی ہو گیا۔ نہیں دم نہ لینے۔
کمانبر: ہم نے سُنا ہے کہ اس گاؤں کے پورب کے رخ روسیوں کا رسالہ قلعے والوں کی کمک کے لیے آن پہونچا ہے۔ جب تک اِس خبر کی تصدیق یا تکذیب نہ ہو گی ہم کوئی کارروائی نہ کریں گے۔

آزاد پاشا نے اجازت لے کر گھوڑے کی باگ اٹھائی دس سوار ساتھ لیے اور کوئی کوس بھر کے فاصلے پر گئے ہوں گے کہ روسیوں کا رسالہ سامنے سے نظر آیا، جو سوار گرد آوری کر رہے تھے ان میں سے کوئی چالیس پینتالیس ان کی طرف جھپٹے ادھر آزاد پاشا نے گھوڑا بھگایا ادھر انھوں نے ان کا پیچھا کیا۔ گو آزاد کا گھوڑا بڑا تیز اور سبک خیز تھا مگر روس کے دو افسر اور تین سواروں نے ان کے گھوڑے کے قریب آن کر للکارا۔ اب آزاد پاشا کے ساتھ نو سوار رہ گئے تھے۔ ایک سوار کو روسیوں نے اثنائے راہ میں قتل کر ڈالا تھا۔ آزاد پاشا نے دیکھا کہ چاہے جس قدر تیز گھوڑا جائے ان سے آگے نہ بڑھنے پائے گا، ناچار مع نو سواروں کے انھوں نے گھوڑے کی باگ پھیر دی۔ اب ان سے اور ایک روسی افسر سے مقابلہ ہونے لگا۔ اس نے بندوق سر کی۔ دائیں۔ یہ گھوڑا پھیر کر الگ ہو رہے، اور فوراً لبلبی پہ ہاتھ تھا۔ دائیں نشانہ خالی گیا۔ دونوں نے تلواریں سونتیں اس نے ایک ہاتھ لگایا، تلوار آزاد پاشا کے فرسِ تند خو کے کان تک آئی تھی، کہ آزاد نے روسی افسر کا ہاتھ اڑا دیا۔ ہتکٹی اسے کہتے ہیں۔ اتنے میں طرفین سے سوار آ گئے ترکی سواروں نے بندوقیں چلائیں تو روسیوں کے دو گھوڑے زخمی ہو کر گر پڑے، اور تین آدمی لوٹنے لگے۔ ادھر آزاد پاشا کے گھوڑے کے پٹھے کے پاس زخم لگا، اور خون جاری ہو گیا الغرض اِدھر یہ اور اُدھر وہ دونوں اپنے اپنے پڑاؤ کی طرف چلے۔ وہ اپنے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیڑے میں پہونچے تو ایک افسر کا ہاتھ ندارد۔ تین سوار غائب۔ ایک گھوڑے کی پشت پر سوار ندارد۔ دو گھوڑوں کا پتہ نہیں۔ آزاد پاشا اپنی رجمنٹ میں آئے تو گھوڑا زخمی ایک سوار کا پتہ نہیں۔ ایک گھوڑا نہیں آتا۔ دس بھیجے تھے نو ہی واپس آئے۔ دو سوار سخت زخمی ہو گئے تھے، مگر ایک گھوڑے پر دو آدمی ایک ترکی وردی پہنے دوسرا روسی اس پر لشکروں نے خوشی کا نعرہ مارا کہ ایک روسی کو قید کر کے لے آئے۔

کمانیر: یہ مڈھ بھیڑ کس مقام پر ہوتی۔

آزاد: یہاں سے کوئی سوا کوس کے فاصلے پر۔

کمانیر: کیا روسی سوا کوس پر ہیں۔؟

آزاد: نہیں کوئی دو کوس پر۔ مگر گرد آوری کے سواروں سے ہم سے مقابلہ ہو گیا۔ ہم تو دیکھ بھال کر واپس آتے تھے، مگر انھوں نے پیچھا کیا ہم نے گھوڑے بھگائے کہ آپ کو اطلاع دیں لیکن جب وہ کلے ہی پر آ گئے تو مجبور ہو کر خوب دل کھول کے مقابلہ کیا۔

اتنے میں سواروں نے آزاد کی تعریف کی۔ نو سواروں میں سے آٹھ ان کے کمال مدّاح تھے۔ اور نویں سوار کو زخم کی تکلیف اور پیاس کی شدت کے سبب سے بولنے کی طاقت نہ تھی۔

ایک سوار: آزاد پاشا نے گھوڑا پھیر کر روسی افسر کا مقابلہ کیا۔ اور اس خوبصورتی کے ساتھ کہ ایک ہی وار میں اس کا ہاتھ کاٹ کے پھینک دیا۔

دوسرا سوار: پہلے دونوں کی بندوقوں کا نشانہ خالی گیا، مگر آزاد پاشا بڑی جواں مردی سے لڑے۔

تیسرا سوار: ایسے مقام پر گھوڑا پھیرنا اور بچانا ذرا دل لگی نہیں ہے۔

چوتھا سوار: جب تک ہم لوگ پہونچیں یہ روسی افسر کا ہاتھ کاٹ چکے تھے۔ بالکل بے بس کر دیا تھا۔ افسر ہو تو ایسا۔ پہلے تو باگیں اٹھا کر ہم سب واپس آتے تھے مگر جب وہ لوگ کلے پر آ گئے تو بجز مقابلے کے چارہ نہ رہا۔ آزاد پاشا پلٹ پڑے اور ہم سب بھی ساتھ ہی ساتھ پلٹے۔ تلوار چلنے لگی ہم غالب رہے۔

پانچواں سوار: ہم نے دور سے دیکھا کہ روسی سوار پرے جمائے آمادۂ کوچ کھڑے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کمانیر: ہوں (ذرا غور کر کے) تو اب قلعے کا خالی کرانا ایک کام ہے اور اس رسالے سے مقابلہ کر کے اسکو ہٹانا دوسرا کام ہے۔ اگر ہم اُدھر جاتے ہیں تو ادھر یہ لوگ قلعہ چھوڑ کر نلوہ نکل جاتے ہیں۔ یا شاید ادھر سے یہ مقابلہ کریں ادھر سے وہ۔ اگر ہم نہیں بڑھتے تو وہ رسالہ بڑھتا ہے۔ اس صورت میں ہم دو جانب سے گھر جائیں گے۔ غور طلب بات ہے۔ اچھا جب تک وہ رسالہ آئے۔ قلعے پر توگولہ اندازی شروع کر دو مگر ذرا اور غور کرنے دو۔

ع: کہ تعجیل کارے شیاطین بود۔

کئی پاشا مشورے کے لیے آئے، اور آخر کار یہ رائے قرار پائی کہ پھر سوار بھیجے جائیں، اور وہ جا کر بغور دیکھیں کہ روسی رسالہ کس طرف جانے کا قصد رکھتا ہے۔

آزاد پاشا نے کہا میں جاتا ہوں۔ مگر کمانیر نے کہا نہیں تم ابھی کسی قدر تھکے ہوئے چلے آتے ہو۔ ریاض پاشا بیس سوار لے کر جائیں۔ اور دو گوئندے بھیجے۔ ایک سوار نے جو اس قلعے میں عرصہ تک رہ چکا تھا کہا میں جا کے دو آدمیوں کو گاؤں سے بھیجتا ہوں۔ دودھ بیچنے کے بہانے سے وہ جائیں گے۔ کمانیر نے کہا بہتر ہے۔ سوار گاؤں گیا اور ایک بوڑھے آدمی کو بلایا۔ کان میں کہا کہ یہاں سے کوئی ڈیڑھ دو کوس کے فاصلے پر روسیوں کی فوج آگئی ہے۔ جا کر ٹوہ لو کہ کدھر جاتے ہیں، اور کتنے آدمی ان کے ساتھ ہیں۔ بوڑھا ایک اور آدمی کو لے کر چلا تو ادھر روسی قیدی اور ترکوں میں باتیں ہونے لگیں۔

روسی: (آزاد سے) ہم سے بڑی کڑی قواعد لی جاتی ہے۔ ذرا چوک ہوئی اور کوڑے پڑنے لگے۔ پچاس کوڑے تک سزا جائز ہے۔ چاہے کیسا ہی سخت جرم ہو پچاس کوڑوں سے زیادہ سزا نہیں دی جا سکتی۔ سب سے سخت سزا یہ ہے کہ آٹھ دن تک ایک تیرہ و تار کوٹھری میں تنہا قید کر دیتے ہیں، اور کوٹھری قبر سے زیادہ تنگ ہوتی ہے۔ ہم روسی سپاہی اپنے افسر کے حکم کی تعمیل کو تمغائے بسالت سمجھتے ہیں۔ اب روس میں بارہ[12] مدارس حرب ہیں۔ ہمارے ہاں کے افسر بڑے عیاش اوباش ہوتے ہیں، اور اکثر ناخواندہ و جاہل۔ ہم روسیوں کو اس پر البتہ ناز ہے کہ سپاہی اور افسر نہایت جری جیوٹ، مستقل مزاج اور کرارے ہوتے ہیں۔ آج ہم نے شراب کا ایک قطرہ بھی نہیں پیا ہے۔ اس وقت جمائیوں کی ڈاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ہم لوگ شراب کے عاشق ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوئی روسی سپاہی ایسا نہیں جو شراب پی کے غین نہ ہو جاتا ہو۔ ہم لوگ اس قدر آوارہ ہیں کہ ہمارے اسپتالوں کو کبھی خالی نہ پائیے گا۔ مگر مصیبت کو جس قدر ہم برداشت کریں گے ممکن کیا کوئی اور سپاہی مقابلہ کر سکے۔

آزاد! تمہارے ملک میں ایک بڑی خرابی ہے کہ سواروں اور سپاہیوں کی بھرمار کرتے ہیں۔ مگر افسر معدودے چند ہی ہوتے ہیں اور افسروں کی تنخواہیں بھی صرف برائے نام ہوتی ہیں۔ پورے جنرل کی تنخواہ تین سو پونڈ یعنی تین ہزار روپیہ سالانہ سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ روسی افسر اکثر بے ایمانی بھی کرتے ہیں۔

روسی! مگر وقت جنگ پچاس فی صدی کے حساب سے تنخواہ بڑھا دی جاسکتی ہے

علیقو! یہ کوئی بڑی تعریف کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ بڑے بڑے کارِ نمایاں کرتے تھے۔

روسی! ہمارے جنرل بڑی شیریں زبانی سے پیش آتے ہیں۔ کاسک سپاہی ہمارے لشکر کے جزو اعظم ہیں۔ یہ لوگ بالکل وحوش ہوتے ہیں۔ مگر بڑے جری اور شہسواری میں طاق۔

علیقو! بھلا ترکوں کو تم کیسا سپاہی سمجھتے ہو۔

روسی! بس ہمارا ہی دل جانتا ہے۔ خوش رو جوان شیر کی سی کلائی چیتے کی سی کمر، بھرے شانے بھرے ہوئے اور گول گردنیں تیار۔ جیسے دیکھئے کلّے ٹھلّے کا جوان، مگر کاسک بھی ان سے دب کے چلنے والے نہیں۔

علیقو! (مسکرا کر) اور ہمارے ہاں کے باشی بزدقوں کو بھول گئے۔

روسی! ہاں اچھی جوڑ ہے۔

روسی قیدی نہایت جوش و خروش میں کھڑا ہو کر بڑی ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ ٹہلنے لگا منھ سے شعلے نکلتے تھے۔ روسی زبان میں کئی بار کہا کہ ہائے اس وقت میرے پاس تلوار نہیں، ورنہ لگ ترکوں کا سر بھٹا سا اڑا دیتا۔ اس پر ایک ترکی سپاہی کو جوش آگیا۔ آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ڈپٹ کے کہا سنو بھئی تم بھی سپاہی اور ہم بھی سپاہی ہیں۔ ہمارا تمہارا ایک پیشہ ہے۔ مگر اس وقت فرق یہ ہے تم قیدی ہو۔ اور میں آزاد ہوں۔ میں اس وقت تمہاری بات کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ بس اور کچھ نہ کہوں گا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روسی قیدی نے ایک آہ سرد کھینچی اور اس شعر کو ترجمان دل کیا۔

بلبلو کس کو دکھاتی ہو عروجِ پرواز
ہم بھی اس باغ میں تھے قید سے آزاد کبھی

علیقو پاشا یہ کلمہ سنکر روسی قیدی کے پاس گئے اور یوں گفتگو کی۔ تمہارے قلعہ میں ایک اژدرہاں توپ تھی جس کی پیشانی پر یہ مصرع کندہ ہے۔

ع ؎ بترس اے مدعی از من کہ آتش در دہن دارم

ہم نے اپنی بسالت اور جواں مردی سے اس مصرع کا جواب یوں دیا!

ع ؎ بکف جانِ عزیز خود بہر خونیں کفن دارم

روسی قیدی نے کہا ہم فارسی زبان سے واقف نہیں ہیں۔ ایک ترکی افسر نے اس کا ترجمہ کیا تو روسی قیدی بھڑک گیا۔ کہا ہم تو اس وقت قیدی ہیں جو چاہو سو کہہ لو۔ جس طرح چاہو پیش آؤ۔ چاہے قتل کرو چاہے گردن مارو۔ تمہارے بس میں ہیں۔ اس پر کئی ترکوں نے نہایت جوش و خروش سے کہا ہم سپاہی ہیں جو شخص ہمارے بس میں آیا اس کا قتل کرنا ہماری وضع کے خلاف ہے۔ ہمارے امکان میں ہے کہ اس وقت تمہیں قتل کر ڈالیں، یا چورنگ کریں، یا کھڑا چنوا دیں سنگسار کریں، جو چاہیں کریں مگر:؎

مردی نہ بود فتادہ را پائے زدن
گر دست فتادہ را بگیری مردی

ہم اس مسلک کے سالک ہیں۔

روسی: ہم مردِ میدان ہیں۔ ہم جواں مرد ہیں مگر اس وقت قیدی ہیں اگر تم سپاہی اور بہادر ہو تو ہم کو شراب پلاؤ۔

علیقو پاشا اس فقرے پر بہت ہنستے روسی قیدی نے جھلا کر کہا۔ آپ ہنسئے اگر آپ پکے سپاہی ہیں تو برانڈی کا ایک جام لائیے۔ ورنہ ہم تو قیدی ہیں۔

ترکی سپاہی: ہم تم کو مثل اپنے بھائیوں کے سمجھتے ہیں۔ تم اس وقت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ ہم تم کو قیدی سمجھ کر بنانا چاہتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ہمارے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس جنگِ عظیم کا نتیجہ کیا ہو۔ لیکن یہ ہم کو خوب یقین ہے کہ ترکی اور روسی دونوں سپاہی ہیں۔ اگر ترکوں کو روسی قید کر لیں گے تو مثل اپنے بھائیوں کے سمجھیں گے، اور قس علیٰ ہذا۔ اگر ترکی روسیوں کو قید کر لے گئے تو وہ بھی اپنے قیدیوں پر ستم روا نہ رکھیں گے۔

جو سوار ریاض پاشا کے ساتھ روسیوں کے رسالے کی خبر لانے کے لیے گئے تھے، اور اتنے میں واپس آئے۔ انھوں نے کہا روسیوں کا رسالہ خاص قلعے والوں کی کمک کو آیا ہے۔ بیرونی مدد لے کر وہ قلعے کی فوج کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اگر موقع ملا تو۔ ہم کو یہاں سے ہٹا دیں گے۔ مگر رسالے کے گھوڑے اور سوار سب جوان اور خوبصورت ہیں۔ اور جوش و خروش سے آتے ہیں۔ قلعے سے ان کے پاس لوگ گئے تھے۔ کل شب کی شکست کا حال سن کر روسی بہت ہی جھلّاتے ہوئے ہیں اور تلے ہوئے ہیں کہ بدلا لیں۔

اتنے میں وہ دونوں جاسوس بھی آئے۔ جس ظرف میں دودھ بیچنے لے گئے تھے وہ سامنے پھینک دئے گئے سواروں نے بڑھ کر پوچھا کہو کچھ پتا لگایا۔ کوئی امر دریافت ہوا۔

بوڑھا: بڑی فوج ہے۔ اور وردیاں ایسے چمکتی ہیں جیسے شیشہ۔

سوار: کبھی پہلے بھی فوج دیکھی تھی۔

بوڑھا: ہونہہ۔ عمر گذر گئی۔ بیسوں لڑائیاں دیکھ ڈالیں یہ ایک دو لیے پھرتے ہیں۔

سوار: دودھ بکا یا نہیں بکا۔

بوڑھا: فوج میں دودھ لے گئے۔ ہم پہلے تو دو ایک افسروں نے پوچھا تم کون ہے ہم نے کہا دودھ بیچنے آتے ہیں۔ کہا دودھ میں سنکھیا تو نہیں۔ ہم نے کہا چکھ کے دیکھ لو۔ اس پر وہ لوگ ہنسے، اور کہا چکھتے ہی لوٹ جائیں۔ میں نے تھوڑا سا دودھ خود کھایا۔ تب دودھ لیا اور دام دئے۔

پاشا: ہم لوگوں کا حال کچھ پوچھتے تھے۔

ب: بہت کچھ پوچھا رات کو جو لڑائی ہوئی اس کا حال ہم نے کہا دونوں طرف سے باڑھ چلتی تھی۔ ہم دبے دبکائے اپنے جھونپڑوں میں بیٹھے تھے۔ صبح کو معلوم ہوا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہ روسی ہار گئے اور ترکوں نے فتح پائی۔ لاشیں تو ہم نے بھی دیکھی تھیں۔

پاشا: کچھ سنا کہ کس طرف جانے والے ہیں؟

بوڑھا: ہاں ہاں۔ اسی طرف آئیں گے۔

سوار: خوب معلوم ہے کہ اس طرف آئیں گے۔

ب: ہاں بس کوئی دو گھنٹے میں اس طرف بڑھیں گے۔

کمانیر: (سواروں سے) تم کو دیکھ کر روسیوں نے پیچھا نہیں کیا؟

سوار: نہیں ہم آڑ میں تھے۔ جھاڑی کی آڑ میں کھڑے تھے ہم۔ جب ہم نے دیکھا کہ گرد آوری کے ساتھ آتے ہیں تو آہستہ آہستہ چل کھڑے ہوتے مگر ہم نے کئی بار دیکھا فوج میں بڑا جوش و خروش تھا۔ تین توپیں ہم کو نظر آئیں۔ ایک کوئی چودہ پتی تھی۔

پاشا: توپخانہ بھی ساتھ ہے۔

کمانیر: ہماری رائے یہ ہے کہ نصف فوج یہاں مورچہ بندی کرے اور قلعے پر گولے چلائے۔ تین طرف سے قلعے کو ہم نے محصور کر لیا۔ نصف نصف فوج ہر سمت رہے۔ اور باقی ماندہ فوج روسی رسالے کی طرف بڑھ رہے تاکہ اس کو راستے ہی میں روک دے آگے نہ بڑھنے پائے۔ اور ہم صرف دو سو سوارے کر وسط میں ٹھہریں تاکہ طرفین کا حال ہمیں معلوم رہے۔

اس رائے سے کُل افسروں نے اتفاق کر لیا۔ فوج ترتیب کے ساتھ آراستہ ہوئی اور چلی۔ آزاد پاشا اس کالم کے ہمراہ تھے جو پچھم کے رخ پر قلعے کا محاصرہ کئے ہوتے تھا۔

علیقو پاشا اس کالم کے ہمراہ گئے جو فوج روسیہ سے مقابلہ کرنے گیا تھا۔

اب سنئے کہ ایک کوس کے فاصلے پر ترکی رسالہ رُک گیا اور جنگ شروع ہو گئی کمانیر کے کان میں دائیں دائیں کی آواز آنا شروع ہوئی۔ سواروں نے غل مچایا کہ وہ جنگ شروع ہو گئی جو کالم قلعے کو گھیرے ہوتے تھے، انھوں نے بھی آواز سُنی اور دفعتہً قلعے سے بھی گولہ چلنے لگا۔ دھنا دھن تین طرف سے گولے برسنے لگے کمانیر جنرل افواج دونوں طرفوں کی جنگ کا حال دیکھ رہے تھے۔

ترکوں کے ایک گولے نے پچھم رخ کے بیرونی قلعے کے برج کو ڈھایا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور کئی توپیں مع چالیس روسیوں اور گولہ اندازوں کے اَر اَراکہ کے گر پڑیں' اور اس برج نے بتیس گھوڑوں اور گیارہ سائیسوں کی بھی جان لی اس برج کے نیچے ہی گھوڑے بندھے تھے۔ ترکوں نے خوشی کا نعرہ بلند کیا۔ اس پر روسی اور بھی جھلا اٹھے چھلّا کر گولے اتارنے لگے کہ اتنے میں ترکوں کا ایک گولہ قلعہ معلّی کے ایک کوٹھے پر پھٹا۔ جس کے ٹکڑوں سے تین روسی افسر دو گولہ انداز دو سپاہی اسی دم ٹھنڈے ہو گئے۔

روسی افسروں نے دیکھا کہ معاملہ نازک ہوتا جاتا ہے۔ بڑی تشویش ہوتی۔ تسکین فقط یہ تھی کہ بیرونی کمک آیا چاہتی ہے۔ مگر یہ خیال خام تھا۔ پانچ چھ افسر ایک بلند مقام سے دوربین لگا کر میدان کی طرف دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ افسر کمانبر کچھ سواروں کو لے کر وسط میں ہے' اور روسی اور ترکوں سے برابر گولی چل رہی ہے۔ انھوں نے نعرۂ خوشی مارا کہ ہمارے سوار لڑ بھڑ کر ہماری مدد کو ضرور آئیں گے۔ مگر عین وفور خوشی کی حالت میں ترکی گولہ اس بلند مقام پر پھٹا جہاں یہ روسی افسر دوربین سے دیکھ رہے تھے۔ اور اسی دم وہ سب افسر دنیا سے کوچ کر گئے۔ اپنے رسالے کو دوربین کے ذریعہ سے دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے' مگر یہ آخری خوشی تھی اس کے بعد ان کو فوج اور جنگ سے مطلق سروکار نہ رہا۔

ترکوں نے تھوڑی دیر میں قلعے کی مغربی دیوار کو جو از بس مستحکم تھی مارے گولوں اور گولیوں کے چھلنی بنا دیا' اور مغرب کے علاوہ اور دو جانب سے آگ برسا رہے تھے۔ روسیوں کے پاس قلعے میں اس قدر سامان نہ تھا کہ تین طرف سے غنیم کا مقابلہ کرتے۔

الغرض جب ترکوں نے تین جانب سے قلعے کو گھیر لیا' اور تینوں طرف سے گولی' اور گولے' برسانے لگے روسیوں کو قلعے کے اندر سخت عاجز کیا۔ قلعہ کا ایک برج گولوں سے اڑا دیا۔ کئی روسی افسروں کو جو دوربین سے اس فوج کو دیکھتے تھے' جو بیرونی مدد دینے کو آئی تھی' ایک ہی گولے میں ٹھنڈا کیا۔ تو ترکوں کا دل اور بھی بڑھا۔

مگر روسی اپنی تشویش ناک حالت پر افسوس کرتے تھے' خصوصاً جب انھوں نے دیکھا کہ جو فوج ان کی کمک کے لیے آتی تھی وہ روک دی گئی۔ اور ترکوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کے ایک کالم نے بڑھ کر ان کا مقابلہ کیا، اور تین جانب سے دوسرے کالم نے قلعے کو گھیر لیا تو رہی سہی امید بھی جاتی رہی، اور افسران روس قلعے میں باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

ایک افسر: بات بے ڈھب ہوئی۔ اب کچھ نہ کچھ فکر کرنا چاہیے

دوسرا افسر: بجز اس کے اور کوئی تدبیر نہیں ہے کہ قلعہ چھوڑ دیں اور چپکے سے نکل جائیں۔

تیسرا افسر: ہاں صحیح ہے۔ مگر قلعہ چھوڑا اور دریا کی طرف کے کالم نے ہمارا تعاقب کیا بس پھر جان بری محال ہو جائے گی، اور کتے کی موت جان جائے گی۔ پھر کرتے دھرتے کچھ نہ بن پڑے گی۔

چوتھے افسر نے جو سب سے زیادہ تجربہ کار تھے، کہا کہ کچھ گولہ انداز دریا کی طرف والے برج میں رہیں۔ جب ہم لوگ نکل جائیں، تب وہ بھی بھاگ کھڑے ہوں۔ اس عرصے میں اگر ترکوں کے کالم متعینہ نے دریا کی طرف جانے کی کوشش کی تو گولہ انداز اوپر سے آگ برسائیں۔ ہم کو موقع ملے گا کہ ہوشیاری کے ساتھ نکل جائیں۔

یہ گفتگو قلعے کے اندر خاص خاص افسروں میں ہو ہی رہی تھی کہ ترکوں کا ایک گولہ دوسرے برج کو گراتا ہوا صحن قلعہ میں پھٹا تو چونتیس آدمیوں کو زخمی کیا۔ دو سپاہیوں اور ایک لفٹنٹ کی جان لی۔ اب اور بھی کھل بلی مچی۔ یہ گولہ ہنوز سرد نہ ہوا تھا کہ ایک اور گولہ آیا جس سے برج رہا سہا اور بھی خاک میں مل گیا۔ اور روسیوں کے جان و مال کا نقصان ہوا۔ ہنوز یہ گولہ ٹھنڈا نہ ہوا تھا کہ ایک اور گولہ اترا اور پھٹتے ہی تین آدمیوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد ترکوں نے گولوں کی بھر مار کر دی۔ اور تمام میدان میں دھنا دھنا کی آواز گونجنے لگی۔ روسی جنرل نے اپنے گولہ اندازوں کو حکم دیا کہ جتنی توپیں ہیں سب بہ یک بتی پڑے، اور صف شکن بھی گولے برساتے۔ گولہ انداز کو پوری پوری خوراک دی جائے گی تو تھوڑی ہی دیر میں سناٹا ہو جائے گا۔ خالی توپیں پھیکنے سے رہے۔ ہم گولے اتارتے ہیں تو مگر سامان کہاں سے لائیں۔

ادھر یہ گفتگو ہوتی تھی ادھر میدان میں ایک اور گل کھلا۔ روسیوں کا کالم اس قدر قریب آ گیا کہ گولے کی لڑائی بے کار ہو گئی۔ گو ترکوں نے برابر باڑھ ماری، مگر روسی گرتے گرتے دراتے ہوتے فوج کو لے ہی آتے تا کہ اس کالم کو شکست دے کر قلعے والوں کی مدد کو پہونچیں۔ اگر یہ کالم شکست پاتا بھی تو روسیوں کی تمنا نہ بر آتی۔ تین طرف سے فوج قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھی اور قلعے کی فوج روسیہ کے پاس سامان بھی نہ تھا کہ دو گھنٹے مقابلہ کرتی۔ روسیوں نے تلوار لی اور چھٹتے ترکوں نے بھی دست بدست جنگ کی، مگر دفعتاً ایسی گھنگھور گھٹا چھائی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہ کل میدان اور دشت نبرد تیرہ و تار ہو گیا۔ وہ گھٹا ٹوپ اندھیرا کہ کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ جو جس مقام پر کھڑا تھا مثل پیکر تصویر خاموش کھڑا رہا۔ قلعے کی فوج روس تے چاہا کہ نکل بھاگے مگر راستہ ہی نہیں سوجھتا تھا۔ بڑے بوڑھے آدمیوں کا قول ہے کہ ایسی تاریکی اور ایسے کالے کالے بادل کبھی نہیں دیکھے تھے۔

آزاد پاشا اور علیقو پاشا اور احمد پاشا اپنے اپنے کالموں کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر ٹٹول ٹٹول کر گشت کرنے لگے۔ اور بگل بجا شروع ہوا کہ سب اپنی اپنی جگہ پر ہو۔ جب کچھ یوں ہی سی تاریکی کم ہوتی تو تینوں دوست ایک مقام پر باہم گفتگو کرنے لگے۔ مگر ایک کی بھی شکل نہیں نظر آتی تھی۔

سرویا کی تو کیا اصل وحقیقت تھی کہ ٹرکی کا مقابلہ کرتا مگر روسیوں نے بھرّے دے دے کر جنگ پر چڑھایا۔ سرویا کو شک کی جگہ یقین تھا، بلکہ یہی ایمان و دین تھا کہ اگر ترک ذرا بھی غالب آئے تو روسی ہمارا ہاتھ بٹائیں گے اور ہم ترکوں کو نیچا دکھائیں گے۔ مگر جب مقابلہ ہوا تو سرویا کے چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے کُھلم کُھلا تیاری کی تھی کہ ٹرکی سے نبرد آزما ہو۔ روس اور فرانس اور آسٹریا کے سفیروں نے سرویا کو سمجھایا کہ خبردار جنگ کا قصد نہ کرنا لیکن روس کا سمجھانا صرف برائے نام تھا۔ درپردہ شہ دیتا جاتا تھا۔ جون کے مہینے میں سرویا کی فوج جنگ کے قصد سے سرحد کی طرف بڑھی۔ اور کوئی چھبیس ستائیس دن کے بعد اعلان جنگ دیا تو گورنمنٹ سرویا نے اپنے ملک میں مشتہر کیا کہ سرکار اہل سرویا کو اغیار کی اطاعت اور ماتحتی اور عمل داری سے آزاد کرنے کے لیے جنگ کرتی ہے۔ اور عمل داری اس ملک میں پیشتر تھی اسی کو از سر نو قائم کرنا چاہتی ہے۔ ایتنا کے ایک اخبار سے معلوم ہوا کہ سرویا نے پوری پوری تیاری جنگ کی ہے۔

سرویا کے وزیر جنگ نے حکم دیا کہ جہاں جہاں مدارس ہیں سب بند کر دئے جائیں، اور فوج کے زخمیوں کے لیے وہ بطریق اسپتال بناتے جائیں۔ سرکاری عمارتوں میں کہیں رسد اور کہیں میگزین کا سامان رکھا گیا۔

شہزادہ ملن سے جب سلطنت عثمانیہ نے دریافت کیا کہ یہ جنگی تیاریاں کس مقصد سے ہو رہی ہیں تو شہزادے نے ایں واں اور چنیں وچنا کے بعد کچھ آئیں بائیں شائیں گپ اڑا دی۔ کہا کہ حاشا ہم سلطنت روم سے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے۔ اس کے بعد ایک سفیر بحضور سلطان اعظم بھیجا اور اس کو تاکید کی کہ حضرت سلطان کی خدمت میں شہزادہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ملن کی طرف سے کہے کہ سرویا دل وجان سے مطیع ومنقادِ گورنمنٹ ٹرکی ہے۔

مگر ٹرکی سمجھ گئی کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ گورنمنٹ ٹرکی نے سرویا سے خراج طلب کیا۔ اور لکھا کہ سرحد سے فوراً اپنی فوج واپس لے جاؤ اور یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ مراد پنجم تخت نشیں ہوں اور ایک سو اکیس ضرب توپ کی سلامی اڑے۔ اس کے جواب میں سرویا نے اپنی اور فوج بھی سرحد پر روانہ کی۔

اس عرصے میں مانٹی نیگرو کے تیور بھی بے ڈھب پڑنے لگے۔ سرویا کی دیکھا دیکھی اس نے بھی پر و بال نکالے۔ مانٹی نیگرو کے اخبار میں چھپا کہ وہ لوگ بھی اہل سرویا کا ساتھ دیں گے اور سب مل کر ترکوں سے نبرد آزما ہوں گے۔ اب سنیے کہ بوسنیا اور ہرزیگو نیا بھی بگڑ گئے، اور اسی عرصے میں بلغارستان بھی بگڑ کھڑا ہوا۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا ادھر سرویا کے شہزادے نے وزیر جنگ کے نام خط بھیجا کہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ ہم اعلان جنگ کرتے ہیں۔

تار برقی نے ساری خدائی میں گھر گھر یہ خبر پہونچا تی۔

سرویا کی فوج کے سپہ سالار روسی جنرل سرنیاف تھے۔ انھوں نے سرویا کو کسی قدر روپیہ بھی دیا کہ سامان جنگ بہم پہونچاؤ۔ اس وقت شہزادۂ ملن کا صرف اکیس برس کا سن تھا۔ سرویا کے پاس کوئی باون ہزار آدمی تھے، مگر ان میں قواعد دان اور آزمودہ کار شاید پانچ ہزار ہوں۔ باقی ناواقف محض۔ الغرض ۱۸۷۶ء میں جنگ روم و سرویا شروع ہوئی۔

روسی جنرل کی رائے کے مطابق سرویا کی فوج کارروائی کرتی تھی۔

آزاد: رومیوں کو تو ابتدا ہی سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ سب روسیوں کی سازش سے ہوا۔

علیقو: بخوبی پیشتر ہی سے معلوم تھا۔

احمد پاشا: وہ تو تیور چھپے ہی نہیں رہتے۔

آزاد: مگر اہل سرویا تو بڑے بودے نکلے۔

احمد: بالکل کچھ جانتے ہی نہیں۔ کسی میدان میں سرسبز نہ ہوتے۔ ہر مقام پر شکست پائی جو جنگ ہوئی بھاگتے راہ نہ ملی۔

آزاد: ہاں صاحب! پھر کسی جنگ کا تو حال بیان کیجیے۔

رومی تو مقام نس میں تھے، اور سرویا کی فوج مقام الکسینٹز میں نس بہت ہی عمدہ مقام تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سرویا اور بلغارستان دونوں کے قبضے کے لیے اس سے زیادہ مقام نہ تھا۔

سرویا نے اپنی فوج کے دو کالم بنائے۔ اور روسی جنرل کی چالاکی سے دونوں کالم یکے بعد دیگرے نس کے پہاڑوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے اترے تو دونوں کالم دو مختلف راستوں سے چلے۔ ترکوں کے پاس پینتیس ہزار آدمی تھے۔

آزاد: کیوں صاحب یہ فوج پہاڑوں پر چڑھ کیوں گئی۔

علیقو: غفلت کے سبب سے۔

آزاد: اُفوہ اتنی غفلت۔

علیقو: حضرت سلطان تک خبر پہونچی۔ جواب طلب کیا گیا۔ عبدالکریم پاشا سپہ سالار افواج بھیجے گیے کہ کمانیر سے بازپرس کریں۔

آزاد: ضرور چاہتے تھا۔

علیقو: بس پھر تو ترکوں نے چھکے چھوڑا دئے۔

آزاد: اخباروں میں پڑھا تھا۔

علیقو: مار کے اڑا دیا۔ شکست پر شکست دی۔ بھاگتے راہ نہ ملی۔

آزاد: سرویا تک داخل ہوگئے تھے۔

علیقو: جی ہاں۔ ۳۱ جولائی کو سرویا کی سلطنت میں ترک داخل ہوئے مگر بڑی جنگ کے بعد سرویا میں جانے پائے۔

آزاد: اور وہ روسی جنرل کیا ہوئے۔

علیقو: روسی جنرل اور کئی افسر سرویا کی مدد کو آتے تھے۔ گورنمنٹ روس نے ان کو درپردہ بھیجا تھا کہ مدد دیں مگر اہل سرویا کی جبینت نے ان کو کہیں کا نہ رکھا۔ کئی سوار ہم سے کہتے تھے کہ جب سرویا کے سپاہی ایک جنگ میں بھاگنے لگے تو روسی افسروں نے بندوق کے کندون سے مارنا شروع کیا، اور للکار للکار کر کہا کہ اے بزدلو آگے بڑھو۔ مگر وہ بھاگے تو پیچھے پھر کر دیکھنا مُحال تھا۔ بھاگے سو بھاگے۔

آزاد: لاحول ولاقوۃ

احمد پاشا: (ہنس کر) واللہ اس طرح بھاگے کہ کچھ پوچھیے نہ۔ بس بڑے بودے، اور بودے نہ بھی ہوتے تو ہمارا مقابلہ کیا خاک کرتے۔ اے لاحول۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

علیقو: پھر تو حضرت سلامت سرویا میں چو طرفہ ہمارا ڈنکا بجنے لگا اور غنیم بھاگ کر اور بھی دور ہو رہا۔

آزاد: اس کے کیا معنی دور ہو رہا کیا معنی؟

علیقو: مطلب یہ کہ ملک کے اندرونی حصّہ میں چلا گیا۔

احمد: ہمارے دوست بھی سرویا کی کئی لڑائیوں میں شریک تھے۔

آزاد: کون دوست۔

احمد: حسن پاشا۔

علیقو: شہزادہ ملن چکراتے۔ ہاتھ پانوں پھول گئے۔ سوچے کہ بڑی غلطی ہوئی۔ ۱۸/ اگست کو وزرا کو بلوایا، ایک مجلسِ شوریٰ منعقد کی۔ بعض وزرا نے کہا کہ صلح کر لیجیے۔ ورنہ اس سے زیادہ تباہی پڑے گی۔ اب بھی سویرا ہے مگر اکثروں کی یہی رائے ہوئی کہ چاہے انجام جو کچھ ہو صلح کی درخواست کرنا فضول ہے۔ ہرچہ بادا باد۔

ترک تو بڑھتے آتے ہی تھے۔ سرویا کی فوج کو انھوں نے پھر شکست دی۔ چند ہی روز میں ترکوں نے ایسا نیچا دکھایا کہ سرویا کے صدر مقام الکزینٹر تک دڑاتے ہوئے چلے گئے۔

آزاد: (خوش ہو کر) ہاں یہ تو ہم نے اخبار میں پڑھا تھا۔

علیقو: اب شہزادہ ملن گھبراتے اور دولِ خارجہ کے سفیروں کو محل شاہی میں طلب کر کے کہا کہ اب ہم صلح کے خواستگار ہیں۔ آپ لوگ صلح کرا دیجیے۔

آزاد: (خوش ہو کر) ہات تیرے کی۔

علیقو: یکم ستمبر کو سرویا نے ایسی شکستِ فاش پائی کہ تمام عمر نہ بھولیں گے۔ ترکی سپاہیوں نے جوش میں آ کر ایسا نیچا دکھایا کہ تلملانے لگے مجبور ہو کر بھاگنا پڑا۔ اس جنگ میں میں بھی شریک تھا۔ یہ ان کے صدر مقام کے پاس ہوئی تھی۔ سرویا کے سپاہی جنگ کے قابل نہیں ہیں۔ مگر اس جنگ میں ان کے گولہ اندازوں نے بڑا کار نمایاں کیا۔

احمد: بس اب شکست کے بعد ہی تو روس کے والنٹیر آتے تھے۔

علیقو: روسی جنرل افسر سپاہی والنٹیر سب آئے تھے۔ اسی سبب سے تو جنگ نے طول کھینچا ورنہ سرویا والے تو کب کے بول گئے ہوتے۔ اب دل لگی دیکھیے کہ پہلے تو روس نے تھوڑے ہی سے آدمی بھیجے مگر جب ترکوں نے سرویا کی فوج کے ہر جنگ اور ہر مقام پر دانت

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کھٹے کر دیے تو روس نے جھلا کر بہت سے سپاہی اور والنٹیر بھیجدئے۔ روسیوں کو سرویا کی فوج سے نفرت ہوگئی اور سرویا کے سپاہی روسیوں سے حسد کرنے لگے۔ سوچے کہ یہ ظاہر اتو ہمارے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہاری کمک کو آتے ہیں۔ مگر باطن میں ہمارا ملک چھیننے اور ہمیں غلام بنانے کی فکر میں ہیں۔ چلیے دونوں قوموں میں ایک قسم کی ناچاقی ہوگئی۔

آزاد: اچھی دل لگی ہے۔

احمد: ایک افسر فوج سرویا مجھ سے کہتا تھا کہ روسی جنرل سرویا کے سپاہیوں کی جنبیت پر دانت پیس پیس کر رہ جاتے تھے اور ہماری فوج کا دل بڑھتا جاتا تھا۔ سرویا کو اچھی سزا ملی بہت چل نکلا تھا۔

علیقو: یہاں تک نوبت آئی کہ ادھر ترکوں نے مقابلہ کیا ادھر بندوقیں اور توپیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگے۔ افسر بیچارے کئی مقام پر اکیلے رہ گئے۔ سپاہی اور سواروں کا پتا ہی نہیں۔ افسر ٹروں ٹوں کھڑے ہوتے ہیں۔ آخر کار سلاطین یورپ نے یہ فیصلہ کیا کہ دو ہفتے تک جنگ ملتوی رہے۔ ترک فتح پاکر شیر ہوگئے تھے۔ ان کو مہلت منظور نہ تھی مگر جب انھوں نے دیکھا کہ کل سلطنتیں متفق الرائے ہیں تو بدرجۂ مجبوری منظور کر لیا۔ مگر ہم تو اہل مانٹی نیگرو کی تعریف کریں گے واللہ سپاہی ہوں تو ایسے ہوں۔

احمد: اور شہزادۂ ملن کی حماقت دیکھئے۔ ان کو روسیوں نے یہ پٹی پڑھائی کہ تم بوسینا اور سرویا کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دو۔ انھوں نے اپنے ملک میں چوطرفہ مشہور کر دیا کہ ہم بادشاہ ہیں۔ لڑائی پھر شروع ہوگئی اور ترکوں نے پھر سرویا کو دبایا۔

آزاد: ہم نے بڑی کوشش کی تھی کہ اس جنگ میں شریک ہوں مگر بوجوہ چند در چند آرزد نہ بر آئی خیر۔ ترکوں نے سرویا کو نیچا تو دکھایا۔ بس یہی خوشی کا باعث ہے۔

احمد: ایک مرتبہ البتہ سرویا نے بڑا سخت حملہ کیا تھا۔ ۲۸ ستمبر کو۔

علیقو: واہ۔ کیا خالی سرویا نے حملہ کیا تھا؟ اہل سرویا اور روسی اور مانٹی نیگرو کی فوج نے مل کر چڑھائی کی۔ مگر تعریف نہ کیجئے گا کہ کس کس کو سے ہٹا دیا۔

احمد: تو کیا آپ افسر تھے۔

علیقو: ابھی ہم نہیں ہمارے بھائی سہی۔ سرنیاف تو اس دن فتح ضرور حاصل کرنے مگر ان کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پاس اس قدر فوج نہ تھی اور ترکوں کا جوش وخروش درجۂ اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ بڑی دیر تک جنگ رہی۔ سرویا کو یقین ہو گیا تھا کہ ترکوں پر غالب آجائے گا مگر آخر کار ترکوں نے مار کے ہٹا دیا۔ اس جنگ میں طرفین نے بڑا نقصان اٹھایا اور روسیوں کے کوئی ستر افسروں کی لاشیں میدان میں ملیں۔ اب تو اور ترکوں کی بن آئی۔ سرویا نے شکست پر شکست پائی۔ اور روسیوں کو بخوبی معلوم ہو گیا کہ ترکی اہل سرویا سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہیں سمجھ گئے کہ اس طرح کی مدد سے خاک فائدہ نکلے گا اور آخر اکتوبر تک سرویا کی طاقت خاک میں مل گئی۔ نومبر کی پہلی تاریخ کو صدر مقام پر ترکوں کا قبضہ ہو گیا۔

آزاد: سلطان مراد کی جگہ پر تو عبدالحمید خاں اواخر اگست میں تخت نشیں ہوئے تھے نہ؟

علیفو: ہاں ۳۱ اگست کو۔ سلطان مراد بیچارے کی حالت سخت افسوس ناک تھی۔ ابھی نام خدا چونتیسواں سال ہے۔

آزاد: خدا خضر و الیاس کی عمر عطا کرے۔

علیفو: آمین آمین ثم آمین۔ ہیں تو ہونہار۔

آزاد: مگر ان کے اس جوش وخروش کو دیکھئے گا اس وقت بھی جنگ کا ذکر ہو رہا ہے۔

علیفو: سپاہی جہاں میدان میں گیا بس پھر اس کو جان کا مطلق خیال نہیں رہتا۔ اتنے میں بادل چھنٹنے لگے اور کچھ کچھ روشنی نمودار ہوتی۔ روسی سمجھے تھے کہ ترک ابھی کچھ دیر تک خاموش رہیں گے اور ہم کو موقع ملے گا کہ دریا کی طرف بھاگ جائیں۔ لیکن یہ سوچ ہی رہے تھے کہ ترکوں نے توپ پر بتی دی اور دھنا کرتا ہوا گولہ آیا۔ ارے! افوہ۔ ہم سمجھے تھے کہ ترک غافل ہو گئے ہوں گے مگر وہ کب چوکنے والے ہیں۔ ابھی تک بادل منتشر نہیں ہوتے۔ تاریکی موجود ہے مگر انھوں نے گولہ چلا ہی دیا۔ دوسرا آیا۔ تیسرا آیا۔ مجبور ہو کر روسیوں نے چند جری گولا اندازوں کو قلعے کے ایک برج میں چھوڑا اور تیار ہو گئے کہ نکل بھاگیں مگر چند آدمیوں نے صلاح دی کہ وحشت اور عجلت کی کارروائی فضول اور فنون سپہ گری کے خلاف ہے۔ پہلے دیکھ لو کہ ترک کیا کارروائی کر رہے ہیں۔ تخمینہ کر لو کہ ان کے کس قدر آدمی ہیں۔ پھر البتہ قلعہ چھوڑنے کا قصد کرو تو مضائقہ نہیں۔ اس پر سب متفق الرائے تھے قلعے والوں نے رندوں سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ دریا کی طرف جماعت کثیر ہے۔ چند گولا انداز ان کو کسی طرح پر نہیں روک سکتے۔ اب بڑی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پریشانی ہے۔ بھاگیں تو قتل ہوں اور قلعے میں رہیں تو گولوں سے کھوپڑی پھٹتی ہے۔

یوں تو فوج ترک کا ہر ایک سپاہی شیر دل جواں مرد اور انتہا کا جری تھا۔ لیکن آزاد پاشا سب سے دس ہاتھ بڑھ چڑھ کے تھے۔ ان کے دل سے لگی تھی کہ غنیم روسیہ کو بھگا کر اپنے تئیں شمالی سرحد تک پہونچائیں۔

اب سنیے کہ آزاد پاشا چھ جری اور دلاور ترکوں کو لے کر قلعے کی طرف چلے۔ دو زینے ساتھ تھے۔ چار مزدور لپیٹ کر اُن چوبی زینوں کو آہستہ آہستہ لے جاتے تھے۔ آزاد پاشا کے ساتھ وہ سوار بھی تھا جو قلعے میں عرصۂ دراز تک رہ چکا تھا۔ قلعے کی ایک کھائی اور دو بنسواڑیوں اور کئی جھاڑیوں کو لے کر کے آزاد پاشا بڑی دیر میں ایک ایسے مقام پر پہونچے جہاں میدان ہی میدان تھا۔ آڑ میں کھڑے رہے۔ جب مزدور زینے لے کر آئے تو سوار سے انھوں نے انواع واقسام کے سوالات کرنا شروع کیے۔

آزاد: قلعے میں تو بالکل سناٹا ہے۔

سوار: آدمی کم ہیں۔ سب کے سب قلعہ خاص میں جمع ہو گئے۔

آزاد: پھر ہمارا کالم کیوں نہیں آتا۔ روکنے والا کون ہے۔

س: یہ فقط ہمارا خیال ہی خیال تھا کہ یہ مقام خالی ہوگا اگر فوج آتی اور اوپر سے روسی گولہ اندازی کرتے تو کالم کا کالم اڑ جاتا یا نہیں اسی سبب سے تو پانچ چھ آدمی آئے کہ اگر مار بھی ڈالے گئے تو کیا۔ وطن مالوف کے نام پر جان گئی۔ گئی۔

آزاد: اچھا اب فوج کو بلوالیں۔

س: ہاں اس کا مضائقہ نہیں۔

آزاد: اب یہاں تک آئے ہیں تو قلعے کی سیر بھی کر لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آزاد پاشا ایسے مقام پر پہونچے جہاں سے قلعہ خاص کی دیوار بہت قریب تھی۔ ترکی گولا انداز اب بچا بچا کر گولے اتارنے لگے تاکہ آزاد پاشا پر کوئی ٹکڑا نہ پڑ جائے کل فوج دست بدعا تھی کہ خداوند آزاد کو بچانا اور زندہ وصیح وسلامت لانا۔ آزاد پاشا جاں بکف تو گئے تھے۔ ڈرتے ہوتے قلعے کی دیوار کے نیچے جا کھڑے ہوتے۔

آزاد: زینہ لگا کر اندر کی کیفیت تو دیکھیں۔

سوار: دیوار اس قدر بلند ہے کہ الاماں نہ زینے اس قدر بلند کہاں ہیں کہ قلعے کا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حال معلوم ہو جاتے۔

آزاد: اہا ہا۔ وہ دیکھو دیوار گری ہوئی ہے۔ ہمارے گولے نے ایک حصہ دیوار کو خاک میں ملا دیا ہے۔ وہاں سے زینہ لگا کر دیکھیں

سوار: بڑا نازک معاملہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کا کوئی رونے والا نہیں ہے۔

اس فقرے پر آزاد کو حسن آرا اور سپہر آرا اور اللہ رکھی اور اختر النسا اور زینت النسا اور وینبشیا اور مس میڈا یاد آئیں۔ لیکن زینہ لگا کر باواز بلند بسم اللہ کہکر کھٹ کھٹ کرتے ہوئے چڑھ گئے۔ دوسرا زینہ بھی لگایا گیا۔ چھ سپاہی اور سوار جو ساتھ تھے، وہ چڑھنے لگے۔ جب آخری سیڑھی پر پہونچے تو پھر بسم اللہ کہہ کر میاں آزاد نے اس پر پاؤں رکھا اور دونوں زینوں سے لا الٰہ الا اللہ کی آواز بلند کی اور قلعے کی طرف جھانکا۔ اور سب نے مل کر تالیاں بجا دیں۔ روسیوں نے جو یہ آواز سنی اور آزاد پاشا اور دو آدمیوں کو دیکھا کہ قلعے کے اوپر آگئے تو سمجھے فوج کی فوج مثل بحر مواج اُمنڈ آئی۔ ایک پر ایک گرنے لگا۔ بلامشورہ و اجازت سپاہی اور سوار اور افسر اور جتنے تھے سب کے سب دریا والے راستے سے بھاگے۔ گولا انداز بھی غائب اور افسر بھی ندارد۔ آزاد نے اور ان کے ساتھیوں نے پھر نعرہ بلند کیا۔ اس نعرے کی آواز ترکی فوج تک نہیں گئی، مگر جب ترکوں کے ایک کالم نے دیکھا کہ روسی فوج دریا کی جانب سے نکلی جاتی ہے تو دو طرف سے اس پر حملہ کیا۔ اور ایک کالم قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔ ان دونوں کالموں نے فوج روس کو گھیر لیا۔ روسی اس وقت بے بس تھے جب دیکھا کہ دو طرف سے مجبور ہو گئے اور اب کوچۂ گریز بند ہے تو سخت متوحش ہوئے۔

اتنے میں قلعے میں سے آزاد پاشا نے بندوق سر کی، مگر ترکوں نے اشارے سے منع کیا کہ گولی ابھی نہ چلنے پائے اور ایک سوار روسیوں کے پاس بھیجا گیا۔ اس کو ہدایت ہوئی کہ اس طرح پر امور تنازعہ فیہ کا تصفیہ کرے۔

سوار نے فوراً جا کر اُن لوگوں سے یوں گفتگو کی۔

سوار: افسر فوج ترک نے ہمیں بھیجا ہے اور کہا ہے کہ دریافت کرو یہ لوگ جان دینا چاہتے ہیں یا نہیں۔

ایک افسر: ہم دونوں طرف سے محصور ہیں۔ یہ ہمیں خوب معلوم ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوار: دو ہی طرف سے نہیں ادھر قلعے کی جانب بھی نظر ڈالو۔

روسیوں نے قلعے کی طرف دیکھا تو ترک ڈٹے ہوتے ہوش اڑ گئے۔

دوسرا افسر: ہم اس وقت بے بس ہیں۔

سوار: پھر کیا ضرور ہے کہ خواہ مخواہ جان دیجئے۔

افسر: اب ہم لڑنا نہیں چاہتے۔

سوار: تو ہتھیار رکھ دو۔

راوی: مثل مشہور ہے کہ دبی بلّی چوہے سے کان کترواتی ہے۔ باہم مشورہ کرنے لگے۔

کرنل: ہتھیار رکھنا تو بڑی شرم کی بات ہے۔

لفٹنٹ: مگر اب اور تو چارہ بھی نہیں

جنرل: وہ ہتھیار ہی کتنے ہیں ذرا گنو تو۔

ل: ہاں سچ تو ہے۔ شاید دس پانچ تلواریں ہوں۔ اور پندرہ بیس بندوقیں۔

ک: اچھا ہم ہتھیار رکھے دیتے ہیں۔

س: ہاں بس رکھ دو۔

روسیوں نے ہتھیار رکھد تے اور ترکوں نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر قید کرلیا۔ اور قلعے میں لے گئے۔ اس وقت ایک روسی افسر کی آنکھ سے اشک جاری ہو گئے۔ دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ اب تک اس قلعہ پر قبضہ کئے ہوئے غنیم سے لڑ رہے تھے۔ اور اب قید میں ہیں۔

یہ افسر جنگ کریمیا میں کارنمایاں کر چکا تھا اور کئی لڑائیوں میں اس نے تمغے پائے تھے۔ آج تک کسی جنگ میں اس نے شکست نہیں پائی تھی۔ مگر اس قلعے میں آن کر ایسے پھنسے کہ قید ہو گئے۔ اس افسر نے علیقو پاشا کو غور سے دیکھا اور علیقو پاشا نے اس پر غور سے نظر ڈالی۔

علیقو: کیا ہوا انقلاب زمانہ تو مشہور ہی ہے۔ کبھی ہم غالب کبھی تم غالب۔

افسر: (خونخوار ہو کر) اتفاق۔

ع: ایسا ہی اتفاق سب کو ہوتا ہے۔

افسر: (چیں بہ جبیں ہو کر) کیا بزدلوں کی سی باتیں کرتا ہے۔

ع: اب قید میں ہو اس سے چھوڑے دیتا ہوں ورنہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک پاشا: اس بحث سے کیا واسطہ

دوسرا: قیدی سے کیا جھگڑتے ہو۔

تیسرا: بے کار اس کے منھ لگتے ہو۔

چوتھا: جانتے ہو یہ ہے کون۔ یہ بڑے نامی گرامی افسر ہیں۔

علیقو: ہونہہ مجھ سے کہتے ہیں۔ جنگ کریمیا میں میرا ان کا مقابلہ ہو چکا ہے۔ جب ہی تو جھلا رہا ہے۔ دھوکے میں میں گرفتار ہو گیا تھا اور یہی افسر مجھے گرفتار کر لے گیا تھا۔

آزاد: اخاہ جب ہی یہ باتیں رمز و کنایہ کی ہو رہی ہیں۔

علیقو: اور کیا۔

روس کے ایک افسر نے آزاد پاشا کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ بھی ترکی جنٹلمین ہیں۔ ترکوں نے کہا ہاں ٹھیٹھ ترک۔ کیوں کیا کسی اور ملک کے باشندے معلوم ہوتے ہیں۔ روسی نے کہا نہیں۔ ہیں تو سرخ و سفید اور خاص یوروپین۔ یہ بھی مگر ان کا لب ولہجہ بعض اوقات ترکوں کا سا نہیں پایا جاتا۔ لوگوں نے کہہ دیا کہ یہ ہندی ہیں۔

ترک قلعے کی سیر کرنے لگے۔ جو سوار اور افسر اس قلعے میں رہ چکے تھے۔ وہ پرانی باتوں کو یاد کرتے، اور پرانے مقاموں کو دیکھتے تھے اور جو لوگ نہیں آئے تھے وہ اوروں سے کل حال پوچھتے جاتے تھے۔ الغرض ترک فاتح مزے سے قلعے میں دندناتے تھے

آزاد: آج بہت تھکے۔

سوار: کارنمایاں کیا۔ آفریں۔ آفریں۔

دوسرا سوار: ہم ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی روسی دیکھ نہ لے۔

اب ادھر کا حال سنئے! روسی اور ترکی دونوں دست بدست جنگ پر آمادہ ہو گئے تھے مگر تاریکی کے سبب سے دونوں کچھ کچھ پیچھے ہٹتے گئے۔ حتیٰ کہ فاصلہ زیادہ ہو گیا۔ کمانیر نے ٹیلے پر سے دیکھ ہی لیا تھا کہ ان کی فوج نے قلعہ خالی کرا لیا۔ فوراً اپنے دو سو سواروں کو حکم دیا کہ اس کالم سے جا کر مل جاؤ جو میدان میں پرے جمائے کھڑا ہے۔ سوار روانہ ہوئے اور ادھر قلعے سے سوار طلب کیے۔ میاں آزاد نے چاہا کہ سواروں کے ساتھ خود بھی جائیں مگر اس قدر شل ہو گئے تھے کہ اٹھنا محال تھا۔

علیقو۔ تم نہ جاؤ۔ ہم جاتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

احمد: ہم کو نہ جانے دو۔

ع: نہیں ہم خود جائیں گے۔

راوی: سپاہی ایسے ہوتے ہیں۔ نہ کہ سرویا کے بزدلوں کے سے۔

آزاد: قسطنطنیہ میں اکثر آدمیوں کی رائے ہے کہ افواج ترک کے افسر جری تو ہوتے ہیں۔ مگر اصولِ جنگ سے کما حقّہٗ واقفیت نہیں رکھتے۔

افسر: یہ سچ ہے۔ یہ کوئی قاعدہ عام نہیں ہے۔ اکثر افسر بڑے جنگ آزما اور تجربہ کار ہیں مگر ترکی فوج کے افسروں کی ہم اس قدر تعریف نہیں کر سکتے جس قدر ترکی سپاہیوں کی تعریف کر سکتے ہیں۔ ترک طاقتور مضبوط مستقل مزاج اشجع سپاہی ہیں۔ جنگ کے وقت جان بکف رہتے ہیں۔ مگر افسر اچھے نہیں اس کی وجہ یہ کہ افسر اکثر سفارشی مقرر ہو جاتے ہیں اگر استحقاق اور لیاقت کے لحاظ سے مقرر ہوں تو کیا کوئی ترکوں کا مقابلہ کر سکے۔ لاحول ولا قوۃ۔

آزاد: وقت صلح کوئی نوّے ہزار کے قریب سپاہ رہتی ہے۔

افسر: ہاں اس کے قریب ہی قریب۔ کوئی ایک لاکھ آدمی۔

آزاد: اور وقتِ جنگ؟

افسر: پونے دو لاکھ تک۔ مگر جنگ کے وقت مصر پر بھی فرض ہے کہ فوج سے مدد دے۔

آزاد: اب احمد مختار پاشا تو ایشیا کی افواج ترک کے سپہ سالار ہیں۔ اور عبدالکریم پاشا یورپ کی فوج کے اور ہوبرٹ پاشا انسپکٹر جنرل افواج بحری ہیں۔

افسر: ان سے آپ واقف ہیں؟

آزاد: صرف اس قدر سنا ہے کہ انگریز ہیں۔ کپتان ہوبرٹ مگر ان کی لیاقت کی بڑی تعریف ہے سنا بڑے آزمودہ کار افسر ہیں۔ ان کے پدر بزرگوار کوئی بڑے امیر آدمی تھے۔

افسر: ارل آف بکنگھم کے لڑکے ہیں ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اب ۵۴ برس کا سن ہے۔ چھ برس سے ترکوں کی فوج بحری میں نوکر ہیں۔ برٹش گورنمنٹ نے ان کا نام کاٹ دیا۔ انھوں نے بہت کچھ منت و سماجت کی کہ میرا نام افسرانِ فوج بحری انگلستان کے زمرے میں بھی شامل رہے۔ لارڈ ڈربی نے منظور کر لیا۔ مگر جنگ روم و روس شروع ہوئی تو ان سے کہا گیا کہ یا آپ انگلستان کے افسر فوج بحری رہیں یا ٹرکی کے۔ انھوں نے لکھا کہ مجھے ٹرکی کی افسری پسند ہے میں واپس آنا نہیں چاہتا۔ لہٰذا ان کا نام پھر خارج کیا گیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: کارنمایاں کررہا ہے۔

افسر: اس میں کیا شک ہے۔

آزاد: روسیوں کا جواب دینے والا وہی تو ہے ایک۔

اس کے بعد ایک روسی افسر نے جو قید ہو گیا تھا کہا کہ تم لاکھ لنترانی کی لو مگر دیکھو ہم کس جواں مردی اور استقلال کے ساتھ دریائے ڈینیوب عبور کر آتے۔

آزاد: دریائے ڈینیوب پر تو کئی قلعے ہیں۔

روسی: گنتے جاتیے۔ رشجک۔ تلتسا۔ بیجن۔ اس کا کچا نکودلس۔ دون۔

آزاد: پرسوڈا۔ سلسٹریا۔ ترلکائی۔

روسی: ان قلعوں میں سلسٹریا سب سے مضبوط قلعہ ہے۔

اتنے میں دس پندرہ آدمیوں نے قلعے کے برج سے کہا کہ وہ بھاگے۔ وہ بھاگے جاتے ہیں۔ ہاں سوار و شاباش جانے نہ پائیں۔ جانے نہ پائیں۔ آزاد پاشا اور کل افسروں وسواروں و سپاہ ترک، اور روسی قیدیوں کے کان کھڑے ہوتے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کون بھاگا۔ سمجھ گئے کہ روسی بھاگے ہوں گے۔

برج پر جاکر دیکھا تو ترک تعاقب کر رہے ہیں، اور روسی سوار بگٹٹ بھاگے جاتے ہیں۔ سب نے مل کر نعرہ خوشی بلند کیا۔ اور جو لوگ قلعے میں تھے انھوں نے بھی برج والوں کی دیکھا دیکھی نعرہ مارا۔

آزاد: پالا ہمارے ہاتھ ہے (خوش ہوکر) ؎

ساقی کو پڑا ہے ہم سے اچھا پالا
میخانے میں جب گئے تو جیتا پالا
جب دیکھیے ہاتھ میں ہے مے کی بوتل
اے قدر یہ تم نے خوب طوطا پالا

ترک اس کا مطلب نہ سمجھے مگر آزاد اس وقت وفور طرب سے جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔

ایک افسر نے دوربین کے ذریعے سے دیکھ کر کہا پالا تو ہم جیت گئے مگر ایک خرابی ہے۔ خدا جانے اگر روسی رسالہ اس ٹیلے پر پہونچ گیا تو دب جائیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: ہم کو وہ ٹیلا نہیں سوجھتا۔
افسر: ایک عینک اور چڑھایئے۔
آزاد: (مسکرا کر) واللہ ہمیں نہیں سوجھتا۔
افسر: اب بہت قریب ہے۔ خدا نہ کرے کہ ٹیلے پر پہونچ جائیں۔
آزاد: ہاں اب نظر آیا۔ خدا خیر کرے۔

روسی قیدیوں میں سے دو افسروں نے درخواست کی کہ اگر ترک اجازت دیں۔ تو وہ بھی برجوں سے دیکھیں۔

سوار یہاں سے بھی روانہ ہوتے اور تھوڑی دیر میں میدان کے کالم سے مل کر گھوڑے کڑکڑا دیئے، تو روسیوں کو بھاگتے راہ نہ ملی۔ ترکوں نے ان کا تعاقب کیا۔ ترک فتح حاصل کر کے قلعہ میں شیخی کی لینے لگے۔ جیسا کہ ہر ایک فاتح فوج کا قاعدہ ہے۔

ایک سپاہی: ہماری قوم تو جنگی قوم ہے۔ سلف سے آج تک سپہ گری ترکوں کا پیشہ ہے۔ یہی ہمارے آبا و اجداد کا پیشہ تھا۔ ممکن نہیں کہ رگِ تاتار جوش زن نہ ہو ترکوں کو کوئی میدان کارِ زار سے بھاگتے نہ دیکھے گا۔ ترک گھر جائیں یا شکست پائیں یہ ممکن ہے۔ مگر روزِ جنگ غنیم کو پشت نہ دکھائیں گے۔

افسر: محمود ثانی کے وقت سے ہماری قوم نے یورپ کے فنونِ حرب میں واقفیت حاصل کی ورنہ گو پہلے بھی ترک جنگ میں بسالت اور جواں مردی ظاہر کرتے تھے، لیکن طرزِ حرب سے چنداں واقف نہ تھے۔ صرف اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنی جرأت و شجاعت کے زعم پران کو ناز تھا، اور ان کا ناز بے جا نہ تھا۔ جب یونان نے سلطان مغزی الیہ کے عہد میں علم بغاوت بلند کیا تو محمود نے یوروپین قواعدِ جنگی کے مطابق فوج کو لڑایا۔ روس اس وقت بھی تیاریاں کر رہا تھا۔ اور بعض بعض صوبے بھی باغی ہو گئے تھے۔ ایسے وقتِ نازک میں نئے قاعدے سے فوج کو میدان جنگ میں لڑوانا آسان امر نہ تھا۔ ترکی سپاہی مدت العمر سے ایک خاص قاعدے کے مطابق لڑتے آتے تھے۔ نئے قاعدے سے ان کو کمال دقت ہوئی۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ترکوں کی ناتجربہ کاری سے روسیوں نے فائدہ اٹھایا اور غالب آ گئے۔ لیکن چونکہ ترک سنٹیفک اصول کے مطابق لڑے تھے۔ لہذا روسیوں کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔

آزاد: آگے عیسائیوں کو بھی تو فوج میں بھرتی کرتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

افسر: ہاں کچھ دن تک عیسائی بھی فوج میں بھرتی کیے گئے۔ مگر بعض بعض شرطیں سخت تھیں۔
آزاد: اب اس وقت قلعے میں جو فوج ہے اس میں یوروپین ٹرکی کے لوگ زیادہ ہیں یا ایشیا کے۔
افسر: ایشیائی ترکی کے لوگ زیادہ ہیں۔
آزاد: مدرسہ حرب صرف قسطنطنیہ میں ہے یا کہیں اور بھی۔
افسر: کئی مدرسے ہیں ان مدرسوں میں فنونِ حرب و انجنیری کے علاوہ فرانسیسی اور مغربی اور ترکی زبان کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ اور تاریخ اور جغرافیہ اور ریاضی اور علم ہئیت بھی سکھایا جاتا ہے۔
آزاد: ہاں یہ تو ہم اس مدرسے میں دیکھ چکے ہیں جو قسطنطنیہ کے قریب ہے۔ روسیوں نے بڑی کوشش کی کہ ٹیلے پر چڑھ جائیں۔ مگر ترکی سواروں نے دم نہ لینے دیا۔ کئی سو سوارانِ روس ٹیلے پر چڑھ گئے۔ مگر باقی ماندہ ایسے بدحواس بھاگے کہ پیچھے پھر کر دیکھنا قسم تھا۔ جو سوار ٹیلے پر تھے انھوں نے باڑھ مارنا شروع کی جس سے ترکوں کا کسی قدر نقصان ہوا۔ ایک افسر نے فوراً فوج کے دو کالم کر دیئے۔ ایک کالم نے ٹیلے کی سپاہِ روس سے مقابلہ کیا، اور دوسرا کالم ان سوارانِ روس کا تعاقب کرتا گیا جو بھاگے جاتے تھے۔ آخرکار نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سوار تو بھاگ نکلے مگر ٹیلے کے سواروں نے ترکوں کو بہت نقصان پہونچایا اگر تعداد میں کافی ہوتے تو ترکوں کو وہاں سے ہٹ جانا پڑتا۔ مگر ترکوں کی جماعتِ کثیر نے ان کے رخ پھیر دیئے اور تھوڑی دیر میں نصف سے زیادہ کو اجل کے سپرد کر دیا۔ باقی ماندہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ شام تک کل فوج ترک قلعے کے اندر دندناتی تھی۔ شب کو ترکی فوج نے انواع واقسام کی دل لگیوں سے خوشیاں منائیں۔ فتح پا کر سپاہی کا دل ہاتھوں بلکہ بانسوں بڑھ جاتا ہے دو سوار جا کر ایک چہاردہ سالہ چھوکری کو لے آئے۔ اور وہ ناچنے لگی۔ میاں آزاد سب سے زیادہ تھکے ہوئے تھے اور میٹھی نیند سو رہے تھے کہ ایک افسر نے جا کر ان کو جگایا۔
افسر: آزاد۔ آزاد۔ آزاد پاشا۔
آزاد: (انگڑائی لے کر) کہو بھئی۔
افسر: ذرا آنکھ تو کھولو۔
آزاد: آپ ہیں۔ حضرت ذرا سونے دیجئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

افسر: واللہ ہم نہ مانیں گے۔

اتنے میں علیقو پاشا آئے۔ انھوں نے آزاد کو جگایا اور کہا چلو یہاں کا ناچ دکھائیں۔

آزاد: یہ کون ہے۔ ہے تو حسین؟

علیقو: پرکالۂ آتش ہے۔ کافرِ بداندیش ہے۔ پھلا وا ہے۔

آزاد: یہ ترکی ہے۔

علیقو: بلگیریا کی ہے۔ جس کو بلغارستان کہتے ہیں۔

آزاد: اس کی وضع تو مردانی ہے۔

افسر: یہاں عورتیں یہی پہنتی ہیں۔

آزاد: چغہ بھی ہے اور اچکن بھی ہے، اور مندیل بھی ہے۔

افسر: اور کمربند مرصع بھی ہے۔

آزاد: مگر کیا ادا ہے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔

افسر: ہم تو اس کمربند پر جان دیتے ہیں۔

راوی: حضرات ناظرین اس بیان کو یاد رکھیے گا۔

آزاد: قسم خدا کی آنے دارو۔

افسر: بلغارستان میں دو لیڈیاں مشہور ہیں حسن اور جمال میں بے نظیر ادا پسند و دلپذیر۔

آزاد: پھر ہم کیوں کر دیکھیں گے۔

افسر: اگر زندگی ہے تو دکھا دیں گے ورنہ مجبوری ہے۔

آزاد: آزاد انشاء اللہ۔ یار زندہ وصحبت باقی۔

اس بُت جادو جمال نے ترکی غزلیں گائیں مگر میاں آزاد کو پسند نہ آئیں۔ ہاں اس کے حُسن گلوسوز پر البتہ فریفتہ ہو گئے اور اس کی ادا نے ان کے دل پر اثر کیا۔

آزاد: کوئی فارسی غزل بھی یاد ہے۔

افسر: فارسی غزلیں کیا جانیں۔ فارس جانے کا کبھی کاہے کو اتفاق ہوا ہوگا۔

یہ فقرہ سن کر وہ مسکرانے لگی۔ آزاد پاشا نے کہا یہ فارس ضرور گئی ہیں اس میں ذرا شک نہیں، وہ اور بھی مسکراتی۔ تب اس افسر کو بھی یقین ہو گیا فارسی غزل گانے کی فرمائش کی تو اس نے لسان الغیب حافظ شیرازی کے یہ اشعار گائے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نوائے مدح کہ سنجی دلا مبارک باد
نہور نفسِ نغمہ زا مبارک باد
ہمیشہ نغمہ شنو عرش بود لیک امروز
بلند نغمہ تری ایں نوا مبارک باد

بڑی دیر تک دھما چوکڑی مچی رہی۔ اس کے بعد آزاد اور دو ترکی افسر اپنی اپنی جگہ پر لیٹ کر یوں ہم کلام ہوتے۔

آزاد: جرمنی در پردہ روس کے معین ہیں۔

محمود پاشا: اس میں کیا شک ہے۔ دونوں میں دانت کاٹی روٹی ہے۔

حامد پاشا: بس یہی تو ہمیں خوف ہے کہ کئی سلطنتیں باہم ملی ہوئی ہے۔

محمود: وزرا کی تو رائے ہے کہ جرمنی ضرور مدد دے گی فرانس سے اور روس سے جانی دشمنی ہے۔ وہ روس کو اپنا دوست بناتے گی اور اطالیہ صوبجات سبوائے اور تابیس پر قبضہ کرے گا، اور آسٹریا کو بوسینا، اور ہرزیگونا دے دیں گے۔ اور انگلستان مصر اور کینڈا پاتے گا۔

آزاد: یہ غلط ہے انگلستان مصر نہ لے گا۔ اور مصر ایسا ملک ہی نہیں جس پر کسی خاص یوروپین سلطنت کا قبضہ ہو جاوے۔

حامد: وجہ۔ یہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا؟

آزاد: نہر سویز کا جھگڑا یاد ہے۔ بس سمجھ جایئے۔

حامد: مگر انگلستان ہم کو ضرور مدد دیگا۔

آزاد: انگلستان نے صاف کہہ دیا ہے کہ ہم کسی طرف نہ ہوں گے مگر ہاں ایک بات ہے کہ قسطنطنیہ پر کسی کو قابض نہ ہونے دیں گے اس کو یاد رکھئے گا اس کے خلاف نہ ہوگا۔

حامد: اچھا اِطالیہ کو تو حصے بخرے کرنے کی خواہش ہے۔

آزاد: لَاحَولَ وَلَاقُوّۃَ۔ اطالیہ اور آسٹریا دونوں اگر مل جائیں تو بھی ٹرکی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہاں روس اور جرمنی کی سازش بری ہے دونوں طاقتور سلطنتیں ہیں۔

محمود: روس کی خواہش نہیں ہے کہ قسطنطنیہ پر قابض ہو۔ مگر روسی بس اس قدر چاہتے ہیں کہ اور کوئی ترکی کے معاملات میں کچھ دخل نہ دے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: اور کوئی دخل نہ دے گا۔
محمود: نہیں انگلستان ضرور دخل دے گا۔
آزاد: ہاں انگلستان دخل دے گا مگر فوجی مدد نہ دے گا۔
حامد: ہندوستان میں ہمارے لشکر کے زخمیوں کے لیے چندہ جمع ہو رہا ہے۔
محمود: فرانس اب کسی میں نہیں ہے۔
آزاد: ۱۸۷۱ء کی لڑائی نے رہی سہی طاقت اور بھی توڑ دی۔
محمود: اور اصل تو یہ ہے کہ سلطنت جمہوری نے اور بھی مٹی خراب کی۔
آزاد: اس رائے سے ہمیں اتفاق ہے۔
محمود: یہ عزل و نصب تو دنیا کا کارخانہ ہے۔
آزاد: مسٹر ڈزریلی کی حکمت عملی دور اندیشی سے خالی نہیں ہے۔
محمود: ہاں کیسی کچھ۔ اور پرنس بسمارک کی حکمت عملی کیا کم ہے۔
حامد: جتنے ہیں سب فہمیدہ ہیں۔ کونٹ اینڈرسی کیا کچھ کم ہیں۔
آزاد: پرنس بسمارک ہوں یا کونٹ اینڈریسی جب تک ہماری سلطنت کے وزرا لیاقت سے کام کریں گے کسی کا ہم کو خوف نہیں ہے۔ بال تک بیکا نہیں ہو سکتا۔
حامد: خدا مالک ہے۔
محمود: مگر آزاد پاشا آدمی لائق ہیں۔

بڑی دیر تک ان معاملات کی نسبت گفتگو رہی اس کے بعد احمد پاشا نے کہا کہ ہمارے ملک کو ناچاقی اور نا اتفاقی نے غارت کر دیا ورنہ:

دو دل یک شود بشکنند کوہ را
پراگندگی آرد انبوہ را

اگر ہم لوگ متفق ہو کر رہیں تو کیا بات ہے۔
آزاد: مگر سپاہیوں ایکا دیکھ کر تو ہم عش عش کرنے لگے۔
احمد: ہاں پھر اتنا بھی نہ ہو۔ ایک دن مدحت پاشا کے محل میں مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ بڑی سرگرمی سے بحث ہو رہی تھی کہ افسر سرکیشیا نے آن کر حسن اوفی وزیر جنگ پر گولی چلائی بندوق کے دغتے ہی کل وزرا بھاگ کر اندر کے کمرے میں چلے گئے۔ مگر رشید پاشا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

وزیر صیغۂ وولِ خارجہ اور احمد پاشا وزیر صیغۂ بحری بیٹھے رہے۔ رشید پاشا تو سکتے کے عالم میں تھے، مگر احمد پاشا اس شقی کے کلّے پر پہونچ گئے۔ اس سے ان سے گتھم گتھا ہوا۔ مگر اس نے اپنا ہاتھ چھوڑا لیا۔ اور ان کو کئی مقام پر زخمی کیا۔ مجبور ہو کر انھوں نے چھوڑ دیا حسن اوفی کو زخم تو کاری لگا تھا مگر جان باقی تھی۔ اس شقی القلب نے چلتے چلتے ایک اور ہاتھ لگایا اور وزیر مجروح کا کام تمام ہوگیا!

سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلاد نے جاتے جاتے

اب سنئے کہ رشید پاشا اب تک اپنی جگہ پر بیٹھے رہے اور کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ بیٹھے ہی بیٹھے مر گئے۔ اس کے بعد اس کمرے کی طرف جہاں اور وزرا تھے گیا اور دروازہ ہلا کر کہا۔ وزیر اعظم دروازہ کھول دو میں تم پر گولی نہ چلاؤں گا۔ خاطر جمع رکھو مدحت پاشا نے جواب دیا کہ اس وقت میں نہ کھولوں گا تم دیوانے ہو۔ اس نے دروازے میں گولی ماری لکن کمرے میں کسی پر پڑی نہیں۔ دو وزرا کمرے میں اس کے گرفتار کرنے کو گئے۔ مگر اس نے گولی چلائی۔ جب پولیس والے آئے تو دیکھا کہ وہ شخص کھڑا ہے اور اِدھر اُدھر لاشیں پڑی ہیں۔ ایک پولیس افسر مقتول ہوا۔ چھ سپاہی اور کانسٹبل مجروح ہوئے۔ تب کہیں اس دیوانے کو گرفتار کیا۔

آزاد: آخر پھر کچھ سزا بھی ہوئی۔ یا بلوہ بچ نکلا۔

احمد: خون کا۔ خون۔ قصاص۔ حکم ہوا کہ کل زندہ نہ رہنے پائے۔

حامد: ہم نے اس کو دیکھا۔ ہر عضو بدن میں زخم تھا۔

آزاد: ہاں خود بھی زخمی ہوا۔

حامد: اور جراحوں کو قریب نہیں جانے دیتا تھا۔

آزاد: کوئی وجہ بھی دریافت ہوئی یا نہیں۔

حامد: قاتل نے تو کچھ بتایا نہیں، مگر لوگوں کا قیاس ہے کہ سلطان عبدالعزیز کے تخت سے اُترنے پر وہ جھلا اٹھا اور از خود رفتہ ہوگیا اور وزرا سے بدلہ لینے گیا۔

آزاد: اور وزرا میں سے کسی نے گرفتار نہ کیا۔

حامد: وزرا اس وقت مسلح تو تھے نہیں کچھ۔ وہ تو باہم مشورہ کر رہے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

احمد: وہ مسلح طیار۔ آمادہ ہو کر لڑنے کو آیا تھا۔ ان کا مقابلہ اس وقت آسان نہ تھا اور وزیروں نے مقابلہ کیا بھی مگر مسلح اور نہتے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

آزاد: سنا کاسک کے سپاہی بڑا ظلم کر رہے ہیں۔

حامد: میرے سامنے نام نہ لیجیے۔ وہ سپاہی نہیں لٹیرے ہیں۔

احمد: اس میں کیا شک ہے۔ ظلم اور تعدی سپاہی کا کام نہیں ہے

آزاد: صلح اور جنگ دونوں وقت ان لوگوں کی یہی نیت رہتی ہے کہ کسی طرح لوٹ مار کریں۔ پرایا مال ہاتھ آتے۔ سپاہی کو اس سے کیا کام ہے۔

احمد: بس ان کا مقابلہ ہمارے باشی بزوق ہی کر سکتے ہیں۔

آزاد: دونوں کرارے اور کس بل کے جوان ہیں۔ کیوں صاحب سلطان عبدالعزیز نے جس وقت یہ حال سنا ہوگا کہ وہ تخت سے اتارے جائیں گے۔ ان کے دل کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔ خدا یہ وقت کسی کو نہ دکھائے، اور سلطان مراد کے طرف داروں نے گھی کے چراغ جلائے ہوں گے۔

احمد: سلطان کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ یہاں کیا ہنڈیا پک رہی ہے۔

ان سے حافظ پاشا نے جو مقرب تھے کہا کہ حضور کی نسبت یہ تجویز ہوئی ہے۔ اس پر انھوں نے وزیر جنگ کو طلب کیا، اور وزیر جنگ نے صاف انکار کیا۔ کہا ہم نہ آئیں گے۔ جس وقت سلطان عبدالعزیز کا آدمی پہونچا وزیر جنگ کمیٹی میں تھے۔

آزاد: اور کون کون تھا۔

حامد: اور کئی وزیر تھے۔ اور ملا بھی تھے۔

آزاد: سلطان کو جس قدر رنج ہوا ہوگا کہ ہم وزیر کو بلاتے ہیں اور وہ نہیں آتا۔

احمد: بس سمجھ گئے کہ اب ہم سلطان نہیں ہیں۔

آزاد: افسوس صد افسوس!

حامد: شیخ الاسلام نے بھی رائے دے دی کہ سلطان اتارے جائیں۔

آزاد: محمد مراد آفندی بھی تو شیخ الاسلام کی رائے سے جانشین قرار پائے تھے۔

حامد: جی ہاں۔ کونسل میں جس وقت شیخ الاسلام کی تحریر آئی، اور پڑھی گئی میں بھی وہاں موجود تھا۔ کسی نے اس رائے سے اختلاف نہ کیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

محمود: سلطان نے کچھ بندوبست نہ کیا؟
آزاد: بندوبست کرتے تو کیا کرتے۔
محمود: کل وزرا اور رعایا اور فقات ایک طرف تھے۔
احمد: محل معلّیٰ کو چوطرفہ سے گھیر لیا گیا تھا۔
محمود: لیکن خرابی یہ ہوئی کہ شہزادہ مراد سلطان ہی کے پاس تھے۔
آزاد: ہاں جب ہی توقف ہوا۔
احمد: جی ہاں۔ سلطان نے ان کی دعوت کی تھی وہ مدعو تھے۔
محمود: چار سلاطین روم کا مراد نام تھا۔ یہ مراد پنجم ہیں۔
احمد: آخر ایک ضرب توپ کی تنلک سے کل رعایا کو معلوم ہوگیا کہ اب نئے سلطان تخت نشین ہوئے۔ مختلف صوبوں کے گورنروں کے پاس تار بھیجا گیا کہ سلطان مراد کی عمل داری ہے۔ ردیف پاشا اسی صبح کو سلطان عبدالعزیز کے پاس گئے۔ سلطان محل سرا میں تھے۔ اطلاع کرائی۔ چند خواجہ سراؤں نے خوب غل مچایا اور ردیف پاشا کو اندر جانے دیا۔ مگر سپاہیوں نے ان خواجہ سراؤں کو گرفتار کر لیا۔ سلطان عبدالعزیز نے کہلا بھیجا کہ ہم ملاقات نہ کریں گے۔ اس پر ردیف پاشا نے کہا کہ اگر آپ تشریف نہیں لائیں گے تو میں مع سپاہیوں کے زنانے میں چلا آؤں گا۔
آزاد: افسوس کا مقام ہے۔
محمود: پھر سلطان کو مجبور ہو کر باہر آنا پڑا۔
احمد: ہائے اس وقت میں بھی تھا۔
آزاد: ان کے دل کا حال ان کے بشرے سے ظاہر ہوتا ہوگا۔
احمد: اس میں کیا شک ہے اور ان کی والدہ بیچاری باہر تک ساتھ آئی تھیں۔
اس پر میاں آزاد کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔
احمد: بال بکھرے ہوتے تھے اور روتی جاتی تھیں۔
آزاد: پھر ان سے کیا کہا گیا۔
احمد: کہا کہ اب سلطان نہیں ہیں آپ۔ حکمرانی کا اب خاتمہ ہے۔
آزاد: توبہ، توبہ! کیا انقلاب زمانہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

احمد : اور سنیئے ! ان سے کہا گیا کہ محل بھی خالی کر دیجیے۔

آزاد : افسوس صد افسوس !

احمد : سلطان عبدالعزیز نے جھلّا کر کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ ردیف پاشا نے کہا ذرا کھڑکی سے جھانک کر باہر دیکھیے۔ دیکھا کہ فوج پرے جمائے ہوئے باہر کھڑی ہے ہوش اڑ گئے۔ اتنے میں کہا گیا کہ اگر جان عزیز ہے تو فوراً محل چھوڑ دیجیے۔

محمود : جب جہاز پر سوار ہو کر جانے لگے تو کہا (اگر میں جانتا کہ میرا بھتیجا ایسا پودھا ہے تو اس پودھے کو میں زہر سے سینچتا)۔

آزاد : اگر ایک مکان کسی کے قبضے سے نکل جائے تو عمر بھر رنج رہے نہ کہ ملک۔

احمد : تو قبلہ سلطان عبدالعزیز کو وزرا اور شیخ الاسلام نے بے وجہ تخت سے نہیں اتارا اگر وہ تخت نشیں رہتے تو سلطنت کے حق میں اچھا نہ ہوتا۔

آزاد : ہاں ہے تو ایسا ہی۔

محمود : سلطان مراد تو ان سے زیادہ ناواقف ہیں۔

آزاد : لیکن حق تو مراد ہی کا ہے۔

محمود : بلاشبہ۔ جب ہی تو سلطان روم ہوتے۔

احمد : ۴ر جون کو یہ خبر آئی کہ سلطان عبدالعزیز مردہ پڑے ملے۔

آزاد : کیا کسی نے قتل کر ڈالا۔ یا واقعی خودکشی کی۔

احمد : خودکشی کی۔

محمود : مراد کو مبارک بادی کا خط بھی لکھا تھا۔

آزاد : ہاں ! کیا لکھا تھا۔

محمود : لکھا تھا کہ میں مبارک باد دیتا ہوں۔ خدا کرے تم کامیاب ہو۔ مگر اس مقام پر میں نہیں رہنا چاہتا۔ دوسری جگہ بھیج دو۔

احمد : دل میں کسی قدر خلل ہو گیا تھا۔

محمود : ہوا ہی چاہے۔

آزاد : ہتھیار تو ان کے پاس نہیں تھے

محمود : بڑی حفاظت کی گئی تھی مگر ایک دن دیکھا کہ مسہری پر پڑے اور ایک ٹانگ نیچے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لٹکی ہوئی ہے۔ خون کے شرارے جاری ہیں۔

احمد: ۱۹ ڈاکٹر گئے جس میں برٹش سفارش کے ڈاکٹر بھی تھے اور خدا جانے کس کس ملک کے اطبّا تھے مگر جان ہی باقی نہیں تھی کرتے کیا۔

محمود: قینچی سے انھوں نے رگیں کاٹ ڈالی تھیں۔

احمد: بڑا افسوس ہوا۔ خدا جانتا ہے جس نے سنا افسوس کیا۔ مگر مجبوری کا مقام تھا۔

آزاد: مراد تو خوش ہوئے ہوں گے کہ اب کوئی اندیشہ نہیں رہا۔

احمد: اس میں کیا شک ہے۔

محمود: مگر سلطان مراد نے عبدالعزیز کی قید کی حالت میں خاطر بہت کی ہے۔

احمد: بے شک۔ اور چاہیے بھی ایسا ہی۔

آزاد نے کہا مانٹی نیگرو کے آدمیوں کو ہم نے اب تک نہیں دیکھا ہے۔ اتنے دن تک قسطنطنیہ میں رہے، ہر ملک کا آدمی دیکھا۔ مگر نہیں دیکھا تو مانٹی نیگرو کا آدمی۔

احمد: ترکوں سے اور ان سے اکثر جھگڑا رہا ہے۔

محمود: بڑے بہادر ہیں۔

آزاد: بڑی تعریف سُنی ہے۔

محمود: مورچے سے بھاگنا تو جانتے ہی نہیں۔

آزاد: ہم جانتے ہیں ایسے جری سپاہی تمام عالم میں نہ ہوں گے۔

محمود: آدمی کاہے کو دیو ہیں۔

آزاد: اگر مانٹی نیگرو کے سپاہی اس وقت ہم کو مدد دیں تو کاسک سے اور ان سے خوب ہو۔

محمود: کاسک کی کیا اصل و حقیقت ہے؟

آزاد: اللہ اللہ اتنے بڑھے ہوتے ہیں۔

احمد: ایک ایک بچہ سپاہی ہے اور ایسا سپاہی جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے۔

آزاد: اگر زندہ بچے اور قسطنطنیہ کو دیکھنا نصیب ہوا تو مانٹی نیگرو بھی جائیں گے۔ قابل دید مقام ہے۔

احمد: آپ بشرط خیریت کل یورپ کی سیر کیجیے۔

آزاد: آپ کس کس ملک گئے ہیں۔

احمد: سرویہ، بلگیریا، مانٹی نیگرو، سرکیشیا، فرانس جرمنی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: (محمود پاشا سے) اور آپ؟
محمود: یورپ کا تو کوئی ملک ہم سے بچنے نہیں پایا ہے اور ایشیا میں عرب اور فارس، اور آرمینیا اور سرکیشیا دیکھا ہے اور ادھر مصر تک ہو آئے ہیں۔
آزاد: ہاں! تو آپ دونوں صاحب سیّاح ہیں، اور زبان کون کون بول سکتے ہیں آپ؟
احمد: فارسی، عربی، ترکی، فرانسیسی۔
محمود: ہم فارسی، عربی، فرانسیسی اور انگریزی بول سکتے ہیں۔
آزاد: (ہنس کر) اور ترکی؟
محمود: (مسکرا کر) کیا خوب۔ آپ ترکی بھی نہ بول سکیں گے بھلا۔
آزاد: ترکی شعر تو پڑھیے کوئی۔

محمود نے پڑھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ سیف اور خنجر ہمارا ہتھیار ہے۔ گھر میدان کارزار ہے۔ قبر سے ہمیں خوف نہیں۔ اگر مورچے پر مارے جائیں، تو ہم سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔

آزاد: کل یہ اشعار ہم کو لکھ دیجیے۔

دوسرے روز صبح کے وقت میاں آزاد افسرانِ فوج سے جنگ کی نسبت باتیں کرنے لگے۔ ایک افسر نے کہا ہم لوگ پہلے ہی سے جانتے تھے، کہ ادھر جنگ سرویہ ختم ہوئی، ادھر روس خود میدان میں آئے گا۔ وہی ہوا۔ اور سرویہ کی جنگ میں تو وہ شریک ہی تھا۔ بلگیریا، اور سرویا، اور بوسینا، اور ہرزیگونیا کو روس نے ورغلانا شروع کیا تھا، کہ ترکوں کے خلاف ہتھیار اٹھاؤ۔ جب سرویہ نے شکست پائی تو روس اور بھی جھلّایا مگر اس جھلّانے سے ہوتا کیا ہے۔ لاحول ولاقوۃ. مطلب اس کا یہ تھا کہ سلطان کی عملداری میں، کئی صوبوں میں علیحدہ علیحدہ گورنمنٹ قائم ہو جائے، اور ٹرکی سلطنت کو ضعف آئے اور پھر رفتہ رفتہ ان صوبوں کو اپنے زیرِ نگین کرے۔ اس استادی کو تو دیکھیے گا۔ بے ایمانی تو کوئی روس سے سیکھے۔

آزاد: اگر سرویا فتح یاب ہوتی، اور بلگیریا، اور بوسینا وغیرہ مقامات میں غدر ہو جاتا، تو روس خاموش رہتا۔ خوش ہوتا کہ ترکی کی مختلف ریاستوں اور صوبوں میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غدر ہو گیا، اور لطف یہ کہ روس سے کوئی سلطنت باز پُرس نہ کر سکتی۔ روسی صاف کہہ دیتے کہ ہم سے کچھ واسطہ نہیں۔ ہم نہیں جانتے۔ ٹرکی کے صوبے ٹرکی کے جبر سے تنگ آکر آزاد ہونے کے لیے کوشش کرتے ہیں ہم سے کیا واسطہ۔

افسر: روس کا ہر طرح فائدہ تھا۔

آزاد: اگر سرویہ اور بلغارستان ترکی سے شکست بھی پاتے تو روس کا کیا نقصان ہے؟

افسر: ہے تو، مگر کم۔

آزاد: مطلب یہ کہ اس کا کوئی صوبہ تو نکل جانے والا نہیں، اگر کوئی نکل جائے گا تو ٹرکی کا۔

افسر: ہاں یہی تو ہم بھی سوچے ہیں۔

دوسرا افسر: ۲۶ر ستمبر کو کونٹ شوئلاف نے وزیر صیغہ خارجہ کے نام ایک مراسلہ بھیجا تھا۔

آزاد: لارڈ ڈربی کے نام۔

افسر: ہاں لکھا تھا کہ سرویہ کی جنگ اب ختم ہونی چاہیے، اور اگر ٹرکی صلح نہ کرے تو سب سلطنتیں مل کر کارروائی کریں۔ بلگیریا روس کو دیا جاوے، اور بوسینا آسٹریا کو۔

آزاد: اپنا حصہ ضرور لگائیں گے۔

افسر: شہنشاہِ روس نے بھی شہنشاہِ آسٹریا کے نام ایسا ہی خط بھیجا تھا۔

آزاد: کیا لکھا تھا۔

افسر: لکھا تھا کہ ٹرکی میں کمالِ بدنظمی ہے۔ لہذا ہم سب پر فرض ہے کہ حصے بخرے کریں۔

آزاد: اور اپنے ہاں کے نہلسٹ کی خبر ہی نہیں۔

افسر: جی ہاں۔

آزاد: انگلستان ایسی تجویز سے ہرگز اتفاق نہ کرے گا۔

افسر: اور نہ آسٹریا نے پسند کیا۔ زارِ روس اپنا منھ لے کر رہ گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: انگلستان نے اس قدر البتہ منظور کیا تھا کہ جنگ میں ایک مہینے کی مہلت ملے، اور وہ بھی روس کی استدعا کے موافق۔ روس کی دلی خواہش تھی کہ سرویہ اور ٹرکی کی جنگ ملتوی ہو جائے۔

سر ہنری ایسٹ کو گورنمنٹ انگلستان نے حکم دیا کہ، اگر ٹرکی التوائے جنگ پر راضی نہ ہو تو فوراً قسطنطنیہ سے واپس آؤ۔ اور کہہ دو کہ انگلستان کی دلی خواہش ہے کہ، ٹرکی کی بہبودی ہو۔ لیکن اگر سلطنت عثمانیہ التوائے جنگ پر راضی نہیں ہوتی تو آج سے انگلستان اس کے معاملات میں دخل نہ دے گا۔

آزاد: جب ہی تو جنگ ملتوی ہو گئی۔

افسر: اور کیا، جب سلطنتوں کا اتفاق ہوتا ہے تو ایک سلطنت کو بدرجۂ مجبوری تعمیل کرنی ہی پڑتی ہے۔

آزاد: ظاہر ہے۔ مگر سرویہ عمر بھر ٹرکی سپاہیوں کی طاقت نہ بھولے گا۔

افسر: اہل سرویہ تو بالکل بودے نکلے۔

آزاد: سرویہ تو شہزادۂ ملن کے قبضے میں ہے، اور رومینیا؟

افسر: رومینیا کے حکمراں شہزادۂ چارلس ہیں۔

آزاد: کیا یہ بھی روس کے بس میں ہے؟

افسر: کیسے کچھ۔

آزاد: تو روس نے ٹرکی کے کسی صوبے کو بغیر سازش اور اغوا کے نہیں چھوڑا۔ کوئی مقام باقی ہی نہیں رکھا۔ عجب سلطنت ہے۔ بڑے ایمان دار لوگ ہیں چشم بد دور۔

افسر: روس کے قول و فعل کا کوئی ذی عقل ہرگز اعتبار نہ کرے گا۔

آزاد: ٹرکی نے تو ایک یادداشت میں لکھا تھا کہ روسی سرویہ کی مدد کرتے ہیں، روس کے افسر اور سپاہی سرویہ میں کثرت سے ہیں۔ روس کی مدد کے سبب سے سرویہ اترا رہا ہے۔ اور صلح پر آسانی کے ساتھ راضی نہ ہوگا۔ سرویہ کی گورنمنٹ کو شک کے عوض یقین ہے کہ روس آخر دم تک اس کو ٹرکی سے بچائے گا۔ ورنہ کبھی جنگ پر راضی نہ ہوتے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

افسر: ایک اخبار میں، میں نے پڑھا تھا، کہ جنگ سرویہ کی نسبت، روس کے ہر شہر اور قصبے، بلکہ گاؤں تک میں چندہ جمع ہو رہا ہے۔ غریب سے غریب بھی خوشی کے ساتھ چندہ دیتے ہیں۔ اکثر آدمیوں نے قرض لے کر سرویہ کی مدد کے لیے چندہ دیا۔ والنٹیر جب سرویہ کی مدد کو چلے تو پادریوں نے ان کو دعائیں دیں۔ اور جب سرویہ سے بعد التوائے جنگ از سرنو لڑائی شروع ہوئی تو جوش و خروش کی کچھ انتہا ہی نہ تھی۔ اور ادھر ترکوں کا بحر خروش موج زن تھا۔ ترکوں نے مارے غصّے کے جا بجا اشتہار چپکا دیے، کہ اگر وزرا میں سے کوئی شخص ایسی کارروائی کرے گا، جو ٹرکی کی عظمت اور جبروت کے خلاف ہے۔ تو رعایا اس کو گولی مار دے گی۔

آزاد: اللہ اللہ۔

افسر: آپ تو یہاں تھے نہیں۔ ہم سے اس کا حال پوچھیے۔

آزاد: صحیح ہے۔

افسر: اب سنیے کہ روس نے خواہش کی کہ چھ ہفتے کی مہلت ملے مگر ٹرکی کو منظور نہ تھا۔

آزاد: ہاں اس میں ٹرکی کا نقصان ہی کیا تھا۔

افسر: ٹرکی نے کہا چھ ہفتے کی مہلت میں ہمارا نقصان ہے۔ اگر مہلت ہو تو کم سے کم چھ مہینے کی۔ روس نے منظور نہ کیا۔ اور کہا چھ مہینے تک سرویہ اپنی فوج کا بار نہ اٹھا سکے گا۔ اطالیہ نے بھی روس کی سی کہی۔ تب برٹش گورنمنٹ نے پرنس بسمارک کو لکھا کہ آپ بھی اس بارے میں ہماری مدد کریں، اور سرویہ کو سمجھائیں کہ چھ مہینے کی مہلت منظور کرے۔ پرنس بسمارک نے کہا کہ چھ مہینے کی مہلت ہمارے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ کسی سلطنت پر زور ڈالیں۔ اگر سرویہ مان لے تو خیر ورنہ ہم روس یا سرویہ یا اطالیہ پر زور نہیں ڈالنا چاہتے۔

آزاد: مطلب یہ کہ روس کا ساتھ دیا۔

افسر: چھ مہینے کی مہلت میں روس کا نقصان ہوتا۔

آزاد: جب تو منظور نہ کیا۔ ایک ہی کائیاں ہے۔

افسر: روس اور جرمنی، اور اطالیہ تو متفق الرّائے تھے، مگر فرانس نے مخالفت کی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: (مسکرا کر) وہ تو جس طرف جرمنی ہے اس کے خلاف فرانس ضرور ہوگا۔

افسر: آسٹریا نے فرانس کا ساتھ دیا۔

آزاد: دو ایک طرف ہو گئے۔

افسر: اس تھوڑے ہی عرصے میں روس خدا جانے کتنے مرتبہ جھوٹ بولا۔

آزاد: یہ تو پرانی بات ہے۔

افسر: زارِ روس نے سفیرِ برٹش سے خود کہا تھا کہ میرا منشا قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینے کا نہیں ہے، مگر اشد ضرورت ہوئی تو شاید بلگیریا کے ایک حصے پر قابض ہو جاؤں۔

آزاد: کیا خوب۔ اشد ضرورت کے یہ معنی کہ بلگیریا کو اب ہم نہ چھوڑیں گے۔

افسر: جی ہاں۔

آزاد: ہندوستان کے قبضہ کی نسبت بھی تو کہا تھا کہ لوگوں نے مفت میں ہماری سلطنت پر تہمت تراشی ہے کہ ہندوستان کو روسی فتح کرنا چاہتے ہیں، یہ محض غلط ہے مگر کوئی پوچھے کہ آپ کی بات کا یقین کس مردود کو ہے۔

افسر: ۱۸۷۲ء میں روس نے صاف کہہ دیا تھا کہ ہم خیوا کو شاملِ سلطنتِ روس نہ کریں گے۔ جب اعتراض کیا گیا تو کہا کہ ہم نے ضلع خیوا پر قبضہ کیا ہے۔ کچھ خیوا پر قابض نہیں ہوئے اور نہ خانِ خیوان کو تخت سے اتارا۔

آزاد: اس بے ایمانی کو دیکھیے گا۔

افسر: لاحول ولا قوۃ۔

آزاد: اتنی بڑی سلطنت اور یہ کیفیت۔ افسوس۔

افسر: کئی بار روسیوں نے برٹش گورنمنٹ کو منت و سماجت کے ساتھ لکھا کہ آپ ہماری طرف سے بدظن نہ ہوں، ہم صلح کے خواہاں ہیں۔ صلحِ کُل ہمارا خاص مسلک ہے۔ مگر جب دیکھا کہ اپنا مطلب ہے فوراً عہد شکنی کی۔

آزاد: ظاہر ہے۔

افسر: جب ٹرکی نے مہلتِ جنگ منظور کر لی، تو زارِ روس نے شہر ماسکو کی کونسل کے ممبروں کے سامنے ایک اسپیچ دی، اور کہا کہ آپ لوگوں کو بخوبی معلوم ہے کہ ہماری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خواہش کے بموجب ٹرکی نے مہلت منظور کرلی۔ اس مہلت سے سرویہ اور مانٹی نیگرو میں کشت و خون نہ ہونے پائے گا۔ اس موقع پر اہلِ مانٹی نیگرو نے ثابت کر دیا، کہ وہ واقعی بڑے بہادر اور بڑے جواں مرد سپاہی ہیں، اور یہ ذرا سا صوبہ ہمیشہ اپنے باشندوں کی جرأت اور شجاعت کے لیے مشہور رہا ہے۔ افسوس ہے کہ سرویہ کی نسبت ہم یہ نہیں کہہ سکتے، کہ اس ملک کے باشندے جری، ہیں۔ گو ہمارے ملک کے والنٹیر بھی ان کی فوج میں شریک تھے، مگر اہلِ سرویہ میدان سے بھاگ ہی کھڑے ہوئے۔ ان سے کسی طرح کی امید نہیں ہو سکتی۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری رعایا کا ہمارے سبب سے خون بہے۔ ہم کو اس کا سچّا فائدہ دل و جان سے عزیز ہے۔

آزاد: کیا بڑے رحم دل بنتے ہیں ؟

افسر: جی ہاں دلی خواہش ہے کہ صلح ہو۔

آزاد: بہشتی آدمی ہیں بے چارے۔

افسر: کیسے کچھ۔

آزاد: اس اسپیچ کے جواب میں کونسل نے کیا کہا ؟

افسر: کونسل کے ممبر نے کہا (اے شہنشاہِ روس ہم لوگ حضور کے کمال کے شکر گزار ہیں)

آزاد: ادھر تو صلح صلح پکارتے تھے ادھر جنگ کی تیاریاں کرتے تھے۔

افسر: اجی بڑی وعدہ خلاف سلطنت ہے۔

آزاد: زارِ روس کی شکل سے شانِ خسروی تو ظاہر ہے، اور شہنشاہِ جرمنی کی صورت سے بھی۔

افسر: آسٹریا، جرمنی، اور روس تینوں سلطنتوں کے شہنشاہوں کا چہرہ رعب دار ہے۔

آزاد: آپ نے اسمٰعیل پاشا کو دیکھا ہوگا ؟

افسر: (مسکرا کر) کیا خوب۔ میں مصر میں برسوں رہا ہوں۔

آزاد: لارڈ سالسبری ہی تو قسطنطنیہ کی کانفرنس میں، منجانب برٹش گورنمنٹ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گئے تھے۔

افسر: ہاں لارڈ سالسبری آئے تھے۔

اتنے میں اس افسر کے پاس ایک خط آیا۔ خط کھولا اور میاں آزاد کو مخاطب کر کے یوں گفتگو کی۔

افسر: یہ ایشیائی ٹرکی سے خط آیا ہے۔

آزاد: ہاں یہ کسی دوست نے بھیجا ہے۔

افسر: ہمارے چچا کے لڑکے کا خط ہے۔ وہ لفٹنٹ ہیں۔

آزاد: وہاں کی جنگ کا کیا حال لکھتے ہیں۔

افسر: لکھا ہے کہ سردی کی گرم بازاری ہے۔ اور برف کثرت سے گرتی ہے، روسی آہستہ آہستہ بڑھتے آتے ہیں، مگر راستے میں بڑا ظلم کرتے ہیں۔ ایک دل لگی یاد رکھنے کے قابل ہے، ہم لوگوں نے سرکیشیا والوں کو ورغلا کر روس کی عملداری میں غدر کرا دیا۔ کوہ قاف کی کئی قومیں روس سے باغی ہو گئے ہیں۔

آزاد: (خوش ہو کر) خوب ہوا۔ میں بہت خوش ہوا۔

افسر: سنیئے! کہ روسی جابر تو وہیں ہی، ان کے ظلم سے اہلِ سرکیشیا کی ناک میں دم آ گیا تھا۔ دیوانہ را، ہوتے خوش است ترکوں کی شہ پاتے ہی بگڑ کھڑے ہوئے۔ ابتدا ابتدا میں روسیوں نے کسی قدر کامیابی حاصل کی تھی۔ آرمینیا میں دو چار فتوحات پائی تھیں۔ لیکن ۲۶ر اپریل کو باطوم میں ایسا نیچا دیکھا کہ یاد ہی تو کرتے ہوں گے۔

آزاد: قلعۂ باطوم سے قلعۂ ارطون کس قدر فاصلے پر ہے۔

افسر: کوئی پینتالیس میل کے قریب۔

آزاد: کس جانب۔

افسر: جنوب کی طرف۔ اس پر روسی قابض ہو گئے ہیں۔

آزاد: روسی افسر بہت جلد جلد بڑھ آئے۔

افسر: مگر برا کیا۔ ان کے حق میں مضر ہو گا

آزاد: یہ کیوں۔ اس سے ہمیں اتفاق نہیں ہے۔

افسر: ایک وجہ ہے۔ میں عرض کروں۔ اگر مع سامان رسد فوج آئے، تو تو اچھا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لیکن یہ لوگ تو دو منزل طے کر کے آتے ہیں۔ اتنی دور بڑھ آئے ہیں کہ اگر ایک شکست ہو تو ہوش اڑ جائیں۔ بڑی غلطی کی۔ احمد مختار پاشا تجربہ کار آدمی ہیں۔ عجب نہیں کہ عمداً اور قصداً بڑھنے دیا ہو، کہ بڑھ کر جائیں گے کہاں۔ دو ایک کالم کا مقابل مشکل نہیں۔

آزاد: خاص فوج سے تو روس کے بڑھتے ہوئے کالم فاصلے پر ہیں۔

افسر: تو یہی خرابی ہے۔

آزاد: ہاں خط تو ختم کیجیے۔

افسر: ہم نے کئی مقام پر بندوبست کر لیا ہے، کہ روسیوں کے پاس رسد نہ جانے پائے اور نہ وہ اپنی فوج سے خط کتابت کر سکیں۔ احمد مختار پاشا، ہمارے سپہ سالار کے مزاج میں حرارت نام کو نہیں۔ بڑے سنجیدہ آدمی ہیں، اور نماز گزار، متشرع، روسیوں کے جنرل کا نام لکھنا ہی ہوگا۔ گرینڈ ڈیوک میکائیل جوان آدمی ہیں، اور جری۔

قسطنطنیہ کے کانفرنس کی نسبت کہا، کہ ٹرکی کی طرف سے صفوت پاشا اور ادہم پاشا مقرر ہوئے۔ صفوت پاشا وزیر صیغۂ خارجہ ہیں۔ اور نپولین ثالث کے وقت میں سفیر فرانس میں تھے۔ بڑے تجربہ کار آدمی ہیں، اور ادہم پاشا بھی یورپ کے پولٹیکل امور سے واقفیت رکھتے ہیں۔

آزاد: جرمنی کی طرف سے تو صرف ایک سفیر تھا۔

افسر: ہاں جرمنی اور اطالیہ اور روس کی طرف سے ایک ہی سفیر تھا۔

آزاد: اور انگلستان کی طرف سے؟

افسر: انگلستان، فرانس، ٹرکی، اور آسٹریا نے دو دو سفیر بھیجے تھے۔

آزاد: اور پریسیڈنٹ کون تھا؟

افسر: صفوت پاشا۔ ترکوں نے اپنے صوبوں کی بغاوت کی نسبت ایک کاغذ پڑھا۔

آزاد: جنرل اگناٹیف بھی تھے؟

افسر: انھیں کے سبب سے تو دو مہینے کی مہلت دی گئی۔ چار گھنٹے تک بحث رہی سلطان نے لارڈ سالسبری سے کہا کہ ہم ان شرائط کو قبول نہیں کر سکتے۔ جو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جو ہماری رعایا کی مرضی کے خلاف ہوں۔ ورنہ لوگ ہمیں کو قتل ڈالیں گے اور تھا بھی ایسا ہی۔

آزاد: جوش کے سبب سے۔

افسر: لارڈ سالسبری نے بلگیریا کے جبر و تعدّی کا ذکر کیا، تو سلطان المعظّم نے فرمایا کہ ترکوں کا قصور نہیں ہے۔ وہ تو خاص روسیوں کا قصور ہے۔ انھیں کے سبب سے یہ جبر و تعدی ہوئی۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں، کہ ایک شخص نے آن کر کہا، کچھ اور بھی سنا۔ روسی آگئے۔ اتنا سننا تھا کہ لوگ گھبرا گئے۔

آزاد: کون آئے ہیں؟ روسی کہاں سے آئے؟

صفوت پاشا: خدا جانے یہ کیا کہتے ہیں۔

آزاد: کچھ گھبرائے ہوئے سے ہیں۔

اس شخص نے کہا یہ خط پڑھ لیجیے۔ خط پڑھا تو یہ مضمون نظر سے گزرا۔ جنرل کمینڈر روسی اس قلعے سے جس میں تم آج کل ہو، سات میل کے فاصلے پر آگئے ہیں۔ ان کے پاس سات ہزار فوج پیادہ، اور چار ہزار سوار، اور دس توپیں ہیں۔ خاص اس نیت سے آتے ہیں، کہ قلعہ پر قبضہ کریں ــــــ کل تک قلعے کے قریب پہنچ جائیں گے دو روز تک ہم مدد نہیں پہنچا سکتے۔ اگر پرسوں تک تم ان کا مقابلہ کرو، تو ہم ایک کالم بھیجیں۔ ہماری فوج کا ایک راستہ بند کیا گیا ہے۔ ایشیا میں روسی بڑھتے آتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شادی کی چھیڑ خانی

ناظرین کو یاد ہوگا، کہ میرزا ہمایوں فر بہادر، مدّت کے بعد اپنے گل بدن، غنچہ دہن، معشوق کا جمالِ باکمال، مشاہدہ کرکے از خود رفتہ ہو گئے تھے، اور ادھر جہاں آرا، اور گیتی آرا بیگم نے اپنی خالہ سے کہنا شروع کیا کہ شہزادے کے ساتھ سپہر آرا بیگم کی شادی قرار پائے، تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ سپہر آرا بیگم دل میں تو خوش ہوئیں، کہ اگر شہزادہ ہمایوں فر سے شادی ہو، تو مدت کی آرزو برآئے، مگر ظاہر میں منظور نہیں کرتی تھیں۔

جہاں آرا: میرزا ہمایوں فر میں آپ نے کیا عیب دیکھا۔

گیتی آرا: اے بہن۔ وہ بھدیسل مثل نہیں سنی۔ من بھائے مونڈیا ہلائے۔

سپہر آرا: ہم ایسی باتیں سنتے ہی نہیں۔

حسن آرا: تو بولتی کیوں ہو پھر۔

سپہر آرا: کیا باتیں کرنے میں کسی کا اجارہ ہے۔ کچھ۔ واہ اب کوئی بولے بھی نہیں۔

جہاں آرا: اللہ جانتا ہے دل میں کھلی جاتی ہیں۔

گیتی: خالہ جان کی منظوری کا ہمیں انتظار تھا۔ انھوں نے منظور کر لیا۔ اب کیا ہوتا ہے۔ شادی ہوئی داخل ہے۔

سپہر: تو آپ گھڑی گھڑی چھیڑ خانی کیوں کرتی ہیں۔

جہاں: اب شادی نہیں رکتی۔ جوڑی اچھی ہے۔ دونوں گورے چٹے۔

حسن: یہ آپ نے اتنی جلدی دیکھا کیوں کر۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جہاں : اور سنو۔ کیا خدانخواستہ کوئی آنکھوں کا اندھا ہے۔

گیتی : ایک ہفتے تک ہم ڈومنیوں کا ناچ دیکھیں گے۔

حسن : آپ کے طفیل ہم بھی دیکھ لیں گے۔

عباسی : اے حضور کیا سچ مچ نکاح ٹھہر ہی گیا ہے۔ مبارک مبارک۔

سپہر : سنا عباسی تم نہ بیچ میں بولا کرو۔ ہماری باتوں میں تم کون بولنے والی ہو۔

حسن : اب مبارکباد بھی نہ دے۔

عباسی : حضور آپ کہنے دیجیے۔ اللہ وہ دن جلد دکھائے، تو لونڈی جھک کر سلام کرے گی۔

سپہر : اور تمھارے میاں کہاں ہیں عباسی؟

عباسی : (مسکرا کر) خدا گنج پہنچے۔ موا دوانہ سا تھا۔

سپہر : تم تو خوش ہو گی۔

عباسی : جی مجھے رنج ہوا نہ خوشی۔ اپنا مزاج ہی اور طرح کا ہے۔

جہاں : اب یہ تو بتاؤ ہمایوں فر کا نام کیا رکھا جائے گا۔

حسن : ہمایوں دولھا۔

جہاں : اے نہیں۔ بڈھا نام۔ کوئی اور اچھا سا نام تجویزو۔ ہمایوں دولھا بھی کوئی ناموں میں نام ہے۔

گیتی : پھر تم کوئی جوان خطاب تجویزو نہ۔

حسن : شہزادے دولھا۔

جہاں : یہ بھی نہیں۔ دیکھو ہم ہی تجویزیں گے اور تم سب سن کے خوش ہو جاؤ گی۔

حسن : (مسکرا کر) مبارک دولھا۔

سپہر : نہیں مبارک قدم دولھا (شرما کر) ہے نہ اچھا خطاب۔

جہاں : تو دولھا کیا، آپ کے ہاں کی لونڈی ہیں۔ یہ اچھا خطاب تجویزا۔ کیا کہنا۔

جہاں : حسن آرا سے کہو جو ساری کتابیں چاٹے بیٹھی ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

حسن: ہم تو فرخ دولھا کہا کریں گے۔ بس اس سے اچھا خطاب نہ ملے گا جس کا جی چاہے، جو کہے ہم کو یہی نام پسند ہے۔ فرخ دولھا۔ دیکھو اماں جان سے پوچھیں۔ دیکھیں وہ کیا کہتی ہیں۔

حسن آرا بیگم نازوادائے دلربا کے ساتھ بڑی بیگم کے پاس گئیں، اور بھولے پن سے پوچھا۔ کیوں امّاں جان سپہر آرا کے دولھا کا خطاب تجویزا ہے۔ بڑی بیگم نے حسن آرا کو سر سے پاؤں تک دیکھا، مگر جواب نہیں دیا۔ تو انھوں نے پھر پوچھا امّاں جان بتائیے مرزا ہمایوں فر کا خطاب کیا ہوگا۔

بڑی بیگم: کچھ خبر ہے۔ ہا۔ ابھی بات نہ چیت خطاب کی فکر پڑ گئی۔

حسن: فرخ دولھا خطاب رکھیے گا۔

بڑی بیگم: تو بیٹا ابھی زبان سے نہ نکالو۔ جب سب باتیں ٹھیک ہو جائیں، تب خطاب سوچ لینا۔

مغلانی اور محلدار مسکرائیں، اور حسن آرا کے شوق اور بھولے پن کا عرصے تک ذکر رہا۔

حسن آرا نے آکر جہاں آرا سے کہا، امّاں جان کہتی ہیں کہ ابھی کسی سے ذکر نہ کریں جہاں آرا نے مسکرا کر کہا ذکر کرنا کیسا، کیا کوئی ڈھنڈھورا پٹوانا ہے۔ اپنی جگہ آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ کیا تم نے سچ مچ ان سے پوچھا ہی جاکر۔ حسن آرا بولی ہاں۔ میں نے پوچھا کہ مرزا ہمایوں فر کا خطاب کیا تجویزا ہے۔ تو میری طرف سر سے پاؤں تک دیکھا، اور چپکی ہو رہیں۔ میں کچھ سمجھی نہیں۔ میں نے کہا فرخ دولھا ہو تو کیسا۔ اس پر کسی قدر ناراض سی ہوئیں، اور سمجھانے لگیں کہ ابھی اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ جب نکاح ہوگا تو خطاب تجویزا جائے گا۔ ابھی سے کیا جلدی ہے۔

اتنے میں پیاری چھوکری نے آن کر کہا کہ بڑی بیگم صاحب پوچھتی ہیں، کچھ مٹھائی کھائیے گا۔ ابھی تازی تازی شیرینی آئی ہے۔ حکم ہو تو لاؤں۔

حسن: کہاں سے آئی ہے۔

سپہر: اماں جان نے مول منگائی ہوگی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پیاری: جی نہیں حضور وہ جو سامنے شہزادے رہتے ہیں، ان کے ہاں سے آئی ہے۔

سپہر آرا نے جو شہزادے کا نام سنا تو چھپنے لگی۔ حسن آرا نے مسکرا کر کہا، فرخ دولھا نے ہمارے واسطے مٹھائی بھیجی ہو گی۔ جہاں آرا نے ہنس کر کہا مبارک قدم دولھا کے ہاں سے آئی ہے۔

گیتی: جاؤ پیاری لے آؤ۔ کہو مانگتی ہیں۔

جہاں: اب یہ نہیں معلوم ہوا کس کے واسطے بھیجی۔

پیاری مٹھائی لائی۔ سپہر آرا کے سوا اور سب بہنوں نے کھائی۔

جہان: اے اب بہت شرماؤ نہیں۔ کھاتی کیوں نہیں ہو۔

سپہر: جی کی خوشی۔ ہم نہیں کھاتے۔

گیتی: جس میں معلوم ہو کہ ان کے میاں کے یہاں سے آئی۔

جہاں: اے ہے۔ لو ابھی سے ان کے میاں کیوں کہتی ہو۔

سپہر: دیکھتی جاؤ جہاں آرا بہن۔ ہم کو چھیڑے جاتی ہیں۔ پھر ہم کچھ کہیں گے تو برا مانیں گی۔

گیتی: (ہنس کر) اے تو ہم نے کہا کیا بہن۔ خواہی نخواہی برا مانتی ہو۔

سپہر: میاں میاں تم نے نہیں کہا۔

اس پر قہقہہ پڑا اور سپہر آرا بیگم اٹھ کے چلدیں۔ جاتے ہی بڑی بیگم سے جڑ دی۔ دیکھیے اماں جان ہمیں سب مل کے دق کرتی ہیں۔ بڑی بیگم نے کہا تم روز بروز بچہ ہی بنی جاتی ہو۔ دق کیا کرتی ہیں۔ چٹکیاں لیتی ہیں۔ کاٹے کھاتی ہیں۔ بڑی بیگم مسکرائیں۔ خدا جانے کتنے سال کے بعد آج ذرا مسکرا دیں۔ پوچھا کیا واہیات باتیں کہو گی بھی۔

سپہر آرا: میاں ٹیاں کرتی ہیں۔

بڑی بیگم: واہ واہ۔ چلو تم اپنا کام کرو۔ بہنیں ہیں ہنستی ہیں دو گھڑی۔

سپہر: تو ہمیں ایسی ہنسی گوارا نہیں۔

بڑی بیگم: تم نے مٹھائی کھائی۔

سپہر آرا: نہیں اماں جان ہم نے تو چھوئی تک نہیں۔

بڑی بیگم: یہ کیوں؟

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سپہر آرا: اس وقت خواہش نہ تھی۔

بڑی بیگم نے سپہر آرا کو مٹھائی کھلائی، اور سمجھایا کہ اب تم سیانی ہوئیں، بہنوں سے ذرا ذرا سی بات پر بگڑا نہ کرو۔ کوئی بچّہ تو نہیں۔ بڑی بہنیں ہیں اگر ایک بات بیجا بھی کہی تو اس کا برا ماننا کیا۔

سپہر: اور تو کوئی کچھ نہیں کہتا تھا، مگر گیتی آرا بہن بہت بڑھ بڑھ کے باتیں بناتی ہیں۔

اتنے میں بڑی بیگم کوٹھے پر پہنچ گئیں۔

عباسی: حضور ادھر دیکھیے۔

گیتی آرا نے پوچھا خالہ جان خیر تو ہے۔ اس وقت آپ کہاں آئیں۔ بڑی بیگم نے کہا تم سب مل کے ہماری لڑکی کو دق کرتی ہو۔ اس کی کیا وجہ، وہ بے چاری ہمارے پاس دوڑی آئی۔

گیتی: خالہ جان یہ بنتی ہیں۔

حسن: پوچھیے ہوا کیا تھا۔

بڑی بیگم: اب کیا جانیں ہم سے تو آن کر کہا کہ گیتی آرا بہن ہم سے واہیات باتیں کرتی ہیں۔ میں نے کہا کچھ خیر ہے لڑکی۔ واہیات بات کیا گالیاں دیتی ہیں۔

جہاں: خالہ جان ہوا یہ کہ انھوں نے کہا تم مٹھائی نہ چھوؤ۔ یہ ہمارے واسطے سامنے والے محل سے آئی ہے۔

اس پر قہقہہ پڑا۔ بڑی بیگم نے کہا تم برابر والیاں آپس میں ہنسو۔ ہم جاتے ہیں۔

سپہر: جس نے کہا اس کے دیدے پٹم ہو جائیں۔

حسن: اے کوستی کیوں ہو؟

سپہر: ہم نے کہا تھا کہ ہمارے واسطے مٹھائی آئی ہے۔

جہاں: نہیں کہا تھا؟ بھلا قسم تو کھاؤ۔

عباسی: حضور جو برا نہ مانیں تو عرض کروں۔

سپہر: کیا۔ کہتی کیا ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عباسی: حضور نے اس قدر تو ضرور کہا تھا کہ ہمارے واسطے آئی ہے۔

سپہر آرا نے کہا، سنا عباسی تم بہت چل نکلی ہو۔ تم سے بیس بار کہہ دیا، سمجھا دیا، اور تم نہیں مانتیں، اس کے کیا معنی۔ تم کوئی برابر والی ہو، جو ہمارے بیچ میں بولتی ہو۔ عباسی کے مزاج میں مسخرہ پن بہت تھا اور پھر منھ لگی تھی۔ منھ لگائی ڈومنی گاوے تال بے تال۔ ادھر تو سپہر آرا بیگم جھلاّ کر للکارتی تھیں۔ ادھر عباسی نے یہ شعر پڑھنا شروع کیا،

پھر بہار آئی کفِ ہر شاخ پر پیمانہ ہے
ہر روش میں جلوہ بادِ صبا مستانہ ہے

سپہر: تم اب نکالی جاؤ گی۔ بس اتنا ہمیں معلوم ہو گیا ہے۔ ہم تو خفا ہوتے ہیں اور تم شعر پڑھ رہی ہو۔

عباسی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ حضور خفگی کس کی۔ لونڈی ہوں جو حکم دیجیے۔

عباسی مہری نے مرزا ہمایوں فر کے ایک خدمتگار سے باتوں باتوں میں کہا کہ تمھارے شہزادے کا نکاح ہونے والا ہے۔ وہ متحیر ہوا کہ نکاح کیسا۔ ہم نے تو ابھی تک نہیں سنا۔ شاید ہو۔ کہاں کس گھر میں؟

عباسی: ہماری سرکار میں۔

خدمتگار: ہاں واہ تو پھر کیا ہے۔

عباسی: پڑوس ہی میں دولھا دلہن دونوں۔

خدمتگار: کیسی ہیں۔ ہیں کچھ قبول صورت؟

عباسی: چاند سا مکھڑا ہے۔

خدمتگار: ہمارے شہزادے بھی تو حسین ہیں۔

عباسی: اے وہ ان سے کہیں حسین ہیں بوٹا سا قد۔ آنکھیں بالکل ہرن کی سی۔

خدمتگار: بڑی بہن کے ساتھ یا چھوٹی بہن کے ساتھ۔

عباسی: چھوٹی بہن کے ساتھ۔

خدمتگار: اس کا نام کیا ہے؟

عباسی: سپہر آرا بیگم۔ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدمتگار: تو میں جا کے سرکار سے کہوں۔ مگر کیا ان کو اطلاع ہی نہ ہوئی ہوگی۔

عباسی: اطلاع تیرا سر ہوئی ہوگی۔ ابھی ابھی کی تو بات ہے اطلاع کیوں کر ہوئی بھلا۔

خدمتگار: دیکھو جا کے انعام مانگوں گا۔

عباسی: تو میرا نام لے دینا۔

خدمتگار: میں کہوں گا خداوند میرے آقا کی شادی تو بیگم صاحب کے ساتھ ہوتی ہے، اور میری شادی بی عباسی کے ساتھ قرار پائی ہے۔

عباسی: اے دُر موئے در گور، ایڑی چوٹی پر قربان کروں۔

خدمت گار: ایسی تو صورت دار بھی نہیں ہو۔

عباسی: اے واہ صورت دار نہیں، ہم بدصورت ہی سہی بس۔

خدمتگار: تو آخر ہمارے ساتھ بیاہ کرنے میں عذر کیا ہے۔

عباسی: اللہ جانتا ہے میں ہزاروں گالیاں دوں گی۔

خدمتگار: پھر ہو گا کیا۔ ہزاروں نہیں لاکھوں گالیاں دو، تو کیا پروا ہے۔ تو میں جا کر حضور کو اطلاع دوں۔

عباسی: ہاں ہاں کہتی تو جاتی ہوں۔ اب کیوں کر کہوں۔

خدمت گار نے سات بار جھک کر سلام کیا، اور کہا خداوند اس وقت ایک خوشخبری سنی ہے، اور بہت بڑے معتبر آدمی کی زبانی سنی ہے، حضور سنیں گے تو بہت ہی خوش ہوں گے۔ مگر خداوند بے انعام لیے نہ بتاؤں گا۔

شہزادہ: اگر انعام کے قابل بات ہوگی تو دیں گے۔

خدمتگار: حضور کے نکاح کی باتیں ہو رہی ہیں۔

شہزادہ: پاگل ہو گیا ہے؟

خدمتگار: قسم کھا کر عرض کرتا ہوں خداوند، کہ سامنے والی بیگم صاحب کی چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ نکاح ہونے والا ہے۔ عباسی مہری ملی تھی۔ اس نے کہا ہماری طرف سے آداب بجالانا اور کہنا خداوند بہت پکی خبر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تماشا

ایک قصرِ رفیع و عالیشان، کے سہ منزلے پر، دل کش و دلربا کمرے ہیں، ایک خاتون آئینہ زانو، نوخیز و خوبرو، وفرشِ تکلّف پر متمکّن تھیں، اور بچّے کی زرنگین چق سے بازار سراپا بہار، کی سیر دیکھ رہی تھیں، کہ سامنے کے ایک پھاٹک پر نظر پڑی، تو دیکھا کہ گز بھر کے ایک کاغذ پر مختلف الوان کی روشنائی سے انگریزی میں کچھ عبارت لکھی ہے۔ حیرت ہوئی کہ یا خدا یہ کاغذ کیسا ہے۔ اب تک تو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ فوراً مغلانی کو بلایا اور یوں گفتگو کی۔

خاتون : بی مغلانی۔ ذری ادھر تو آنا۔ دیکھو یہ کاغذ یہاں پر کیسا چپکا ہے۔

مغلانی : ہاں حضور چپکا تو ہے۔ مگر اللہ جانے کس نے چپکایا۔

خاتون : ہمیں بھی حیرت ہے کہ یہ کہاں سے آیا۔ روز ہم اسی جھروکے سے بازار کی سیر کرتے تھے۔ یہ کاغذ کبھی نہیں دیکھا اور رنگ برنگ کے حرف ہیں۔ نیلے بھی ہیں، پیلے بھی، آبی بھی ہیں۔ گلابی بھی ہیں۔ دھانی بھی ہیں۔ ارغوانی بھی ہیں۔

مغلانی : جھنڈی تو نہیں گڑی ہے۔ جو جھنڈی گڑی ہو تو سمجھ جائیے، کہ کسی کا (تالیقہ) ہونے والا ہے۔ یہ پھاٹک تو نور محمد زردوز کے مکان کا ہے۔

خاتون : کسی سے دریافت کر تو ذری کہ یہ ہے کیا بھلا۔

بی مغلانی باہر گئیں۔ دربان سے کہا احمد بیگ! ذری کسی سے پوچھو تو نور محمّد زردوز کے مکان پر یہ رنگ برنگی کاغذ کیسا چپکا ہے۔ پھاٹک پر ہے دربان نے کہا اس وقت ڈیوڑھی پر کوئی اور آدمی نہیں ہے۔ چوبدار آئے تو جاؤں۔ مغلانی تنک کر بولی۔ اے کچھ سڑی ہے۔ دروازے پر سے پوچھ لے، کہ یہ کاغذ کیسا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دربان نے باہر جاکر دریافت کیا۔ ایک شخص نے کہا کسی کے گھر میں کُڑکی (قرقی، ہونے والی ہے) دوسرے نے کہا۔ اجی نہیں کہیں نیلام ہوگا۔ اسباب کی فہرست ہے۔ الغرض جتنی زبانیں اتنی باتیں۔ تھوڑی دیر میں نور محمد زردوز بھی آگیا، دربان نے اس سے دریافت کیا تو اس نے ٹھیک ٹھیک حال بتادیا۔ دربان نے مغلانی سے کہا۔ مغلانی اوپر گئی اور یوں تقریر کی۔

خاتون: حضور کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ ایک موئے نے کہا کہ قرقی ہونے والی ہے۔ دوسرے نے کہا کہیں نیلام ہوگا۔ مگر نور محمد خود آگئے۔ انھوں نے بتایا کہ تماشہ ہونے والا ہے۔

خاتون: تماشا کیسا۔ کیا کہیں میلا ہے۔

مغلانی: وہ تو کہتے تھے کہ انگریزوں کی ولایت سے کچھ تماشا کرنے والے آئے ہیں صاحب لوگ ساتھ ہیں۔ میمین ہیں۔ گھوڑے، ہاتھی، ہرن پاڑھے، اور سنا بن مانس بھی ہیں اور نور محمد کہتے تھے کہ گھوڑ موہے آدمی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ وہ دانتوں سے کپڑا سیتے ہیں۔

خاتون: اے ہے تمھارے اس جھوٹ کو آگ لگے۔ کہیں دانتوں سے کپڑا سی سکتا ہے کوئی۔ اچھا اس گھوڑموہے کو بلاؤ۔ ہمارے سامنے دانت سے کپڑا سی دے، تو ہم ایک ہزار دیں۔ چاہے سو روپیہ پیشگی لے لو۔

مغلانی: وہ قسمیں کھا کر کہتے تھے، اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ ایک میم ہے۔ وہ الٹی ٹنگ جاتی ہے، اور دانت سے توپ اٹھا کر داغ دیتی ہے۔

خاتون: بی مغلانی تم کسی طبیب سے علاج کراؤ۔

مغلانی: بس حضور کو تو یقین ہی نہیں آتا اس کو ہم کیا کریں۔

خاتون: اور جو بات ہے دانتوں ہی سے ہوتی ہے۔

مغلانی: اب میں کیا جانوں نور محمد کہتے تھے۔

خاتون: اچھا چوبدار کو حکم دو۔ کہ وہ بھی جا کے پوچھ آئے۔

بی مغلانی نیچے گئیں۔ چوبدار کو حکم دیا کہ جاکے کسی سے پوچھو۔ یہ کاغذ آج کیسا چپکا ہے۔ پھاٹک پر ایک بڑا سا کاغذ ہے، اور اس پر نیلے اور ہرے اور زرد لو لال

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

موٹے موٹے حرف ہیں۔ چوبدار گیا، اور تھوڑی دیر میں واپس آیا۔

چوبدار: ماما جی۔ دوا جی۔ ذری بی مغلانی سے کہہ دیجیے۔ چوبدار حاضر ہے۔

مغلانی: پوچھا لوگوں نے کیا کہا۔

چوبدار: پرسوں تماشا ہوگا شیر لڑیں گے۔

مغلانی: اوئی اے شیروں سے لڑے گا کون؟

چوبدار: ایک صاحب لڑے گا

مغلانی: اوئی اللہ۔ شیر سے آدمی لڑے؟ اللہ پناہ میں رکھے۔

چوبدار: خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ شیر سے آدمی لڑے گا۔

مغلانی: حضور سے میں نے جا کر کہا۔ ان کو یقین ہی نہیں آتا۔

چوبدار: اب اس کو ہم کیا کریں۔

مغلانی: میں پردے کے پاس بلا لاؤں۔

چوبدار: اب یہ تم کو اختیار ہے۔

مغلانی اوپر گئی اور کہا حضور ہم نے جو کہا تھا، وہ سب صحیح نکلا۔ چوبدار کہتا ہے کہ شیر سے آدمی لڑیں گے اور شیروں کو قیچیاں ماریں گے۔

خاتون: اف۔ اس جھوٹ سے خدا سمجھے۔

مغلانی: اے تو بیوی مجھ سے کیا واسطہ۔

خاتون: تم کیوں قسمیں کھاتی ہو۔

مغلانی: ہم تو ہزار آدمیوں کی زبانی سن چکے ہیں حضور۔

خاتون: کیا سن چکی ہو۔ یہ سن چکی ہو کہ شیر انسان سے لڑیں گے۔

مغلانی: ہاں ہاں۔ اللہ جانتا ہے۔

خاتون: قسم خدا کی اگر آدمی شیر سے لڑے نہ تو ہم دو ہزار روپیہ بدتے ہیں۔

مغلانی: تو حضور میں غریبنی دو ہزار کس کے گھر سے لاؤں گی۔

خاتون: اچھا تم ہارو تو دو آنے دو۔ اور ہم ہاریں تو دو ہزار روپیہ دیں۔

مغلانی: حضور قسم خدا کی، دربان نے، نور محمد زردوز نے، اور چوبدار نے، اور کئی اور آدمیوں نے کہا کہ شیر سے لڑیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاتون : اے تو کون لڑے گا۔ آدمی؟
مغلانی : جی ہاں۔ آدمی۔ آدمی۔
خاتون : تم نشے میں تو نہیں ہو اس وقت۔
مغلانی : (دانتوں کے تلے انگلی دبا کر) اے ہے حضور کیا مجال ہے۔
خاتون : اچھا پھر کیا؟
مغلانی : میں سمجھی نہیں حضور۔ مگر لوگ یہی کہتے ہیں کہ تماشے والوں کے پاس تین چار شیر ہیں، اور شیروں سے وہ لوگ لڑتے ہیں۔ آدمی برابر قمچیاں پر قمچیاں جماتا ہے، اور شیر بکری کی طرح کان دبا کر کوڑے کھاتے ہیں، اور چوں تک نہیں کرتے۔
خاتون : چلو بس اب چپ رہو۔
مغلانی : بہت خوب۔
خاتون : شیر کو انسان جو ایک بھنگے سے بھی کم ہے، مارے، کوڑے لگائے، قمچیاں جمائے، اور شیر چوں تک نہ کرے۔ قمچیاں کھائے اور آدمی کو چیر پھاڑ کے نہ پھینک دے۔ یہ ہم کو تو اس کا یقین نہ آئے گا اگر ہم کو کوئی دکھا دے، کہ آدمی شیر سے لڑتا ہے، اور شیر کو کوڑے لگاتا ہے، اور شیر چوں تک نہیں کرتا، تو ہم قائل ہو جائیں۔ مگر یہ تو کبھی گمان بھی نہیں ہو سکتا، کہ انسان کوڑے لگائے اور شیر ذرا نہ بولے۔
مغلانی : تو حضور میں اس کا اقرار نہیں کر سکتی۔
خاتون : داروغہ کو بلاؤ۔ کہو اوپر چلے آئیں۔

مغلانی نے داروغہ صاحب سے کہا چلیے حضور نے یاد کیا ہے۔ نادری حکم ہے کہ ابھی ابھی داروغہ صاحب کو لاؤ۔ داروغہ نے کہا خیر تو ہے۔ داروغہ بے چارے سے کیا قصور ہوا کہ اتنا کڑا حکم دیا گیا۔ اچھا چلیے۔ کہہ دیجیے داروغہ حاضر ہے۔

داروغہ اوپر گئے وہاں سے سہ منزلے پر زینے پر کھڑے ہوئے کہا، اطلاع دو۔ مغلانی نے اطلاع دی۔ حکم ہوا چق کے اس طرف بلاؤ۔ داروغہ صاحب پہنچے۔ ارشاد۔

خاتون : اے داروغہ صاحب۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

داروغہ : آداب عرض ہے حضور۔

خاتون : یہ تم کیا واہیات باتیں کرتے ہو۔ شیر سے آدمی لڑے گا۔ سب واہیات بات اور تم کو ان سب باتوں کا یقین بھی ہو گیا۔

داروغہ : حضور لکھا ہے۔ کہیے اشتہار لے آؤں۔

خاتون : یہ بال تم نے دھوپ میں سفید کیے ہیں۔ کیا؟ بھلا کہیں دانتوں سے کپڑا بھی سیا گیا ہے۔ سی دو تو ہزار روپیہ دوں۔

داروغہ : حضور اگر ایسا کمال حاصل ہوتا تو پانچ روپیہ کی نوکری کیوں کرتا۔ میں بھی کہیں چار پانچ سو روپیہ کا نوکر ہوتا۔

خاتون : اچھا اشتہار لے آؤ اور ہمیں پڑھ کے سناؤ۔

داروغہ : بہت اچھا۔ ابھی حاضر کرتا ہوں۔

داروغہ صاحب ایک اشتہار کو پھاڑنے لگے۔ اتفاق سے تماشے والے صاحب نے دیکھ لیا۔ پوچھا تم کون۔ کہا میر افضل ہیں۔ کون میر افضل؟ اجی ہم میر افضل ہیں کون کے کیا معنی۔ کون میر افضل کی ایک ہی کہی۔ صاحب نے کہا اشتہار کیوں اکھاڑتا تھا۔ ہم سے اور اشتہار لے۔ صاحب نے اردو کا ایک اشتہار دیا۔ داروغہ صاحب اشتہار لے کر دوڑے ہوئے آئے۔

مغلانی : کہو میر صاحب لائے۔

داروغہ : اسی برس کی عمر ہوئی۔ پانچ کی نوکری بھی کی اور پچاس کی بھی کی مگر یہ باتیں کس مردک نے آج تک سنی بھی ہوں۔ جواب اس پیرانہ سالی میں سننا پڑتی ہیں۔ پوچھیے مجھ کو ان باتوں سے کیا مطلب۔ میں تماشے والا نہیں، بندر والا نہیں، ریچھ والا نہیں، مجھے جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ۔ مگر خواہ مخواہ کو حضور برا بھلا کہنے لگیں۔

مغلانی : تو اب اس تقریر سے کیا فائدہ ہے۔ اشتہار لائے کہ نہیں لائے۔

داروغہ : نہ لانا کیا معنی۔ یہ اشتہار نہیں تو اور کیا ہے۔

مغلانی : بس اب بات بن گئی۔ چلیے جھٹ پٹ۔

داروغہ اور مغلانی اوپر پہنچے، تو بیگم صاحب نے ہری سے کہا دیکھو آ گئے نہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مہری نے کہا حضور داروغہ جی آئے ہیں۔ اتنے میں مغلانی کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ اور ہنس کر بولی۔ لیجیے وہ اشتہار تو لائے۔ حکم ہوا کہ چق کے پاس آرام کرسی بچھے، اور ایک پٹ بھیڑ دیا جائے۔

خاتون: کہو صاحب اشتہار آگیا۔

داروغہ: ہاں حضور حاضر ہے۔

خاتون: وہی اشتہار ہے۔

داروغہ: وہی خاص وہی اشتہار۔

خاتون: بھلا اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہی اشتہار ہے۔

داروغہ نے بی مغلانی کی طرف اشارہ کر کے اپنی پیشانی پر زور سے ہاتھ لگایا۔ اس اشارے کا مطلب یہ تھا کہ قسمت پھوٹ گئی۔ اب ہم ایسے ہو گئے کہ ہماری بات کا ان کو یقین ہی نہیں آتا۔ کہا اس کا ثبوت یہ ہے کہ اگر غلط ہو تو شیر کے کٹہرے میں غلام کو ہاتھ پاؤں باندھ کر چھوڑ دیجیے۔

خاتون: اچھا پڑھ کر سناؤ تو۔

داروغہ: حضور آپ فرمائیے گا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ جو کچھ پڑھا وہ سب سچ ہے تو اس کا جواب میں کیا دوں گا۔

خاتون: میرے سوال کا جواب تم دو گے یا میں خود ہی دوں گی؟

داروغہ: حضور کے سوال کا جواب میں دوں گی۔

راوی: یہ دوں گی کی ایک ہی کہی۔ شیر کا کٹہرا دیکھا ہی نہیں اور ابھی سے گھبرا گئے۔ خدا ہی حافظ ہے۔ اگر یہی بد حواسی رہی تو شیر کے کٹہرے میں خود ہی نہ گھس جائیے کہیں۔

خاتون: آپ جواب دیں گی؟ خیر۔

مغلانی: اے میر صاحب اس وقت ہیں کہاں۔

خاتون: شیر کے کٹہرے میں ہیں۔

مغلانی: نہیں اللہ جانتا ہے، آج کچھ عجب بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔

داروغہ: میں تو آدمی ہوں۔ اور تم بی مغلانی۔ بس اب کیا کہوں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاتون: آدمی تو نہیں ہمیں تو بن مانس معلوم ہوتے ہیں۔
مغلانی: (مسکرا کر) تو حضور دانت سے کپڑا ابھی سی لیتے ہوں گے۔

اس فقرے پر مہری اور مغلانی اور بیگم صاحب کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ مگر داروغہ دل ہی دل میں سب کو برا بھلا کہتے جاتے تھے۔

مغلانی: (مسکرا کر) میر صاحب ہو تو لاؤں۔
داروغہ: کیا شے؟
مغلانی: جی سوئی تاگا۔
خاتون: ہاں ہاں لاؤ۔ ضرور لاؤ۔
مغلانی: ایسا نہ ہو میر صاحب ہم سے خفا ہو جائیں۔ مگر اللہ جانتا ہے بن مانس کا تماشا دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ کیوں میر صاحب سوئی تاگا لاؤں۔

داروغہ صاحب نے اشتہار پڑھ کر سنایا۔

تماشا! تماشا! تماشا!

زندگی زندہ دلی کا ہے نام
مردہ دل خاک جیا کرتے ہیں

خوش مذاقوں، خوش مزاجوں، زندہ دلوں، تماشا بینوں، رنگین طبعوں کو مژدہ ہو کہ ڈیو پلے صاحب کی کمپنی ۱۲ ماہ حال سے اس شہر میں طرح طرح کے تماشے دکھائے گی ایسے تماشے کسی نے آنکھوں دیکھے نہ کانوں سنے۔ جو ہے اپنے فن میں طاق ہے۔ چستی اور پھرتی میں شہرۂ آفاق ہے، باوصف پیرانہ سالی، ایسے چابکدست اور کامل فن تماشے والے نہ دیکھے ہوں گے، جن کی رگ رگ میں خون کے ساتھ کمال بھی کوٹ کوٹ کے بھرا ہے۔

ہمارے ساتھ انواع واقسام کے طیور ذی شعور اور مرغانِ خوشنوا اور جانورانِ صحرائی بھی ہیں۔ جو مختلف ملکوں سے ہم لائے ہیں۔ زیبرا نام کا ایک جانور ہے۔ یہ جانور قریب قریب خرگوش کی شکل کا ہوتا ہے۔ قد گدھے سے کچھ بڑا ہے۔ خچر کے برابر۔ مگر تمام جسم میں الوان کے خط ہوتے ہیں۔ سفید سیاہ اور زرد۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اس وحشی جانور کو آج تک کوئی پالو نہیں کر سکا۔ اس کی بھڑک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مٹ ہی نہیں سکتی۔ رگ وپے میں وحشت بھری ہے۔

بانیس، یہ مہیب جانور جنگل کا دیو ہے۔ ارنا بھینسے کی قسم میں اس کا درجہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ ہندوستان کا موٹے سے موٹا بھینسا، جسامت اور قدوقامت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کی شکل بھیانک اور ڈراؤنی ہے۔ بن مانس اس کا نام اور بنگ انبنگ ہے۔ حضرت انسان سے شکل بہت ملتی ہے۔ آدمی کی طرح کھڑا ہو سکتا ہے۔ دنیا میں انسان کے سوا یہی ایک مخلوق ہے جو لکڑی لے کر لڑتا ہے نر اور مادہ دونوں ایک ہی کٹھرے میں بند ہے۔ یہ جانور جس کو بن مانس کہتے ہیں قابل دید ہے۔

بنگال کے احاطے کے تین شیر ہیں۔ ان میں ایک شیر جہت بڑا ہے۔ ان شیروں سے مسٹر جان لڑیں گے، اور شیروں کو اٹھا کے دے ماریں گے۔

خاتون: گھر کی ٹپکی اور باسی ساگ۔

مغلانی: اوئی۔ اللہ جانتا ہے سننے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

مہری: تم نہ کہو اپنی۔ تم تو نگوڑی چھپکلی تک سے ڈر جاتی ہو۔

مغلانی: اور تم۔ اب تک تو گھوڑے پر سے سوار کو اتار لیتی تھیں۔ اب شیر سے بھی مقابلہ کرو گی۔ اللہ جانتا ہے ہماری تو روح لرزتی ہے۔

مہری: اخاہ۔ یہ جب ہی کانپ رہی ہو۔

مغلانی: ہاں خوب پوچھیں۔

خاتون: یہ اس میں لکھا ہے کہ شیر سے آدمی لڑے گا؟

داروغہ: حضور مجھ کو تو نظر آتا ہے۔ شاید نہ لکھا ہو، اب آپ ایک کام کیجیے کسی اور سے بڑھوائیے، تو آپ کو یقین آئے۔

خاتون: اینٹ کی عینک لگا کے پڑھو۔

داروغہ: میں سو برس کا بوڑھا شاید نظر نہ کام کرتی ہو۔

مغلانی: اے میر صاحب ابھی تو آپ اسی برس کے تھے اور بات کرتے ہی سو برس کے بن بیٹھے۔ تو ایک گھڑی کے آپ کے ہاں بیس برس ہوتے ہیں۔

داروغہ: لاحول ولاقوۃ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاتون: اب کہیں بھاگ نہ جائیے گا۔
مغلانی: اچھا آگے پڑھیے۔
داروغہ: ان شیروں پر مسٹر جان قمچیاں لگائیں گے۔
خاتون: کیا لگائیں گے، قمچیاں؟
مغلانی: قمچیاں۔
خاتون: (مسکرا کر) اے واہ تو میاں جی ہوئے، مکتب خانہ بنایا ہے۔ قمچیاں پڑیں گی معلوم ہوتا ہے شیر کھلنڈرے ہیں۔
داروغہ: جو لکھا ہے وہ میں پڑھتا ہوں۔
مغلانی: میر صاحب دیکھیے، ایک وہ مردوے ہیں کہ شیر سے لڑتے ہیں۔ اور ایک آپ ہیں کہ اس دن بلّیاں جو لڑیں، تو آپ نے کوٹھری میں سونا چھوڑ دیا۔
داروغہ: تو بلّی کیا کچھ کم ہے۔ بلّی بھی شیر کی خالہ کہلاتی ہے۔
خاتون: ایک دن افیم کی پینک میں تم بھی تو کہتے تھے کہ ہم شیر ہیں تو تمھاری بھی خالہ جان ہوئیں۔ برا نہ مانیے گا۔ ہم نے ایک بات کہی۔ اچھا ہاں پڑھیے۔
داروغہ: شیر کے کان پکڑیں گے اور بٹھا دیں گے۔ تین کٹھرے کھولیں گے اور تینوں شیروں سے ایک ہی دفعہ مقابلہ کریں گے۔ کسی پر قمچی جمائیں گے۔ کسی کو تھپڑ لگائیں گے۔ کسی کو دے ماریں گے اور اس پر پاؤں رکھ کر دوسرے شیر سے لڑیں گے۔
خاتون: یہ آدمی ہیں یا دیو زاد۔
مغلانی: حضور سب جھوٹھ ہے۔ جو رتّی بھر بھی صحیح ہو۔
داروغہ: اس میں یہی لکھا ہے۔ جو لکھا ہے وہ پڑھوں یا اپنی طرف سے کچھ ملا دوں۔
مغلانی: تماشا دیکھنے جائیے گا۔
داروغہ: اگر حضور نے ٹکٹ کے دام دیے تو بیشک جاؤں گا۔
خاتون: ہم ایک شرط سے دام دیں گے۔
داروغہ: وہ کیا؟
خاتون: شیر کے کٹھرے میں جاؤ اور اس سے لڑو۔
داروغہ: حضور غلام کو ٹکٹ کے دام نہیں چاہئیں۔ دو روپیہ کا لالچ کروں، اور وہاں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شیر ایک تھپڑ میں کام تمام کر دے۔ غلام اسے تماشے سے درگذرا۔

مغلانی : تھپڑ کیسا۔ اے میر صاحب کٹھرے میں جاتے جاتے تو آپ کی روح فنا ہو جائے گی۔

داروغہ : ہاں یہ بھی سچ ہے۔

مغلانی : جس کی خالہ سے آپ ڈرے اس سے بھلا کیا جیتے گا۔

خاتون : اور پھر افیمی آدمی۔

مغلانی : جی اور کیا۔ اف۔ نواب صاحب کے ہاں ایک شیرنی تھی۔ دور سے دیکھ کے آدمی ڈر جاتا تھا۔ نہ کہ کٹھرے میں جا کے لڑنا۔ ذری ایک جھونک مارے تو آدمی کے حواس پیترا ہو جائیں۔ یہ سب ڈھکوسلا ہے۔

داروغہ : ہاں پھر جھوٹ ہی لکھا ہوگا۔

خاتون : اے تم اس لکھنے کو اللہ جانے کیا سمجھتے ہو۔ ہماری عقل ہی کام نہیں کرتی۔

داروغہ : اس کے بعد لکھا ہے کہ طرح طرح کے بندر ہمارے پاس ہیں اور جتنے بندر ہیں سب شہسوار ہیں۔

خاتون : شہسوار ہیں؟ بھلا کوئی فیلبان بھی ہے؟

داروغہ : (جھلا کر) اب ان سے پوچھا جائے۔

خاتون : نہیں۔ ایمان کی قسم ہم ہاتھی خریدنے والے ہیں ایک فیل بان چاہیے۔

مغلانی : ہاں بندر تو خوب فیل بانی کرے۔

مغلانی : ایک خوبصورت اور نوجوان مس مشکی گھوڑے پر سوار ہو کر طرح طرح کے مشکل اور نازک کسرتیں کریں گی اور وہ کرتب دکھائیں گی کہ اچھے اچھے شہسوار شرما جائیں گے۔

شہسوار کے لفظ پر خاتون پری زاد کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد داروغہ نے یوں پڑھنا شروع کیا۔ یہ مشکی گھوڑا لے میں ڈوبا ہوا ہے۔ بینڈ باجے کی لے کے موافق میدان میں تھرکے گا۔

ابتدا میں باجا بجے گا، اس کے بعد پندرہ بیس گھوڑے آئیں گے اور تھوڑی سی جگہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میں کاوادیا جائے گا۔ اس کمپنی کے ساتھ چالیس گھوڑے ہیں اور بارہ یابو گھوڑے سب بادرفتار اور صرصرتک، اور بیش بہا، اور خوبصورت ہیں۔ اور ایسے یابو ہندوستان میں کسی نے نہ دیکھے ہوں گے۔ بہ مقام شٹلینڈ سے بہ صرفِ زرِ کثیر منگوائے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی قسم کے نایاب جانور ہیں اور گائیں، بکروں کے برابر، اور ایک یابو بکرے سے بھی کسی قدر چھوٹا ہے۔

خاتون: تمام دنیا کی نایاب چیزیں ان کے پاس موجود ہیں۔

مغلانی: بھلا کوئی گدھا بھی ہے؟

داروغہ: ابھی تک تو گدھے کا ذکر نہیں آیا۔

مغلانی: کہیں خچر کا ذکر ہے۔

داروغہ: پڑھنے دیجیے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ کئی کتے طرح طرح کے تماشے کریں گے۔ اور گھوڑے پر سوار ہوں گے۔

مغلانی: اوئی کتے اور گھوڑے پر سوار ہوں؟ سب جھونٹھ۔ کتے اور بلیاں، گدھے اور گھوڑے پر سوار ہوں۔ یہ تو آج ہی سنا۔

داروغہ: اچھا پھر دیکھ لیجیے گا۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ برہما کا ایک سفید ہاتھی بھی اس کمپنی کے ساتھ ہے۔

مغلانی: کیسا ہاتھی؟

داروغہ: سفید ہاتھی۔

مغلانی: کچھ عقل گئی ہے۔

داروغہ: قدرت خدا سے کیا کچھ بعید ہے؟ بولیے۔

مغلانی: اور لال ہاتھی بھی ہوگا۔

مہری: بینجنی ہاتھی ہو تو ہم بھی دیکھنے جائیں۔

مغلانی: اور جو چمپئی ہو۔

داروغہ ان فقرہ بازیوں پر بہت جھلائے۔ کاغذ پھینک دیا اور کہا بس اب ہم نہ پڑھیں گے۔ مفت میں رنج ہوتا ہے۔ ہم کسی کے نہ لینے میں، نہ دینے میں، تماشے والے کی صورت بھی دیکھی نہیں، کہ شاید کسی کو یہ احتمال ہو کہ رشوت لے لی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مغلانی نے اشتہار اٹھا کر دیا، اور کہا حضور فرماتی ہیں کہ کُل پڑھ کر سنایئے۔ داروغہ نے کہا غلام کو حکم کی تعمیل میں عذر نہیں ہے، مگر حضور کو جب یقین ہی نہیں آتا تو پھر پڑھنے سے کیا فائدہ، اور یوں کہیے پڑھ دوں۔ لکھا ہے کہ یہ کمپنی ملک اطالیہ سے آئی ہے، اور دنیا کے کل بڑے بڑے ملکوں میں اس کی تعریف ہوئی ہے۔ کوئی ملک ایسا نہیں جہاں کے اخباروں نے تعریف نہ کی ہو۔

دو تین مسیں ناچیں گی، اور ایک خوش گلو مس کی نازک آوازی ستم ڈھائے گی یہ نازک اندام، گلفام مس ہیں۔ بچپن ہی سے علم موسیقی میں تعلیم پائی ہے۔ جس نے ان کا گانا نہیں سنا وہ علم موسیقی سے واقف ہی نہیں ہے۔

خاتون: مس مس کیا پڑھتے ہو۔

داروغہ: انگریزی لفظ ہے۔

خاتون: کچھ معنی بھی ہیں یا یوں ہی کہہ دیا۔

داروغہ: کنواری چھوکری کو کہتے ہیں۔

خاتون: ہوں گی کوئی بیس بیس برس کی۔

داروغہ: کہیے جھوٹ کہہ دوں ورنہ اس میں لکھا تو یہی ہے۔

اتنے میں پڑوس کی چوڑی والی آئی، اور آتے ہی کہا بیگم صاحب پرسوں یہاں بڑا تماشا ہوگا۔ آپ لے چلیے تو ہم بھی آپ کے طفیل میں دیکھ لیں۔ سنا بڑا اچھا تماشا ہوگا داروغہ صاحب کی باچھیں کھل گئیں۔ کہا کیوں حضور میں جھوٹ نہیں عرض کرتا تھا۔ چوڑی والی کو اشتہار دکھا کر کہا یہ اسی تماشے کا اشتہار ہے۔

چوڑی والی: ہم نے تو سنا ہے کہ شیروں کا رسالہ ان کے ساتھ ہے ایک شیر پر بندر ہوگا، دوسرے پر بھینس، تیسرے پر چیتا، چوتھے پر لنگور۔ بڑی سیر ہوگی۔

مغلانی: اے لو انھوں نے اور بھی اندھیر کر دیا۔ شیر پر بھینس اور لنگور!

خاتون: اچھا باقی اشتہار تو ختم کرو۔

داروغہ: ۸ بجے دروازہ کھلے گا۔ تاکہ کل تماشائی رمنے کی سیر کر سکیں، اور سب جانوروں کو بخوبی دیکھیں۔ ۹ بجے سے تماشا شروع ہوگا، اور ۱۲ بجے ختم ہو جائے گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

درجۂ اعلیٰ کا ٹکٹ للعہ درجۂ دوم کا عـ؍ درجہ سوم کا علہ اگر کوئی درجۂ اعلیٰ کے بھی آگے بیٹھنا چاہے، تو چوبیس روپیہ دے۔ چھ کرسیاں ملیں گی۔ درجۂ دوم میں بنچیں ہیں مگر خالی۔ ان پر فرش نہیں ہے۔ اگر رئیس زادیاں یا عام ہندوستانی عورتیں تماشا دیکھنا چاہیں، تو ان کے لیے پردے کا کافی انتظام ہو جائے گا۔ مگر درجۂ اوّل کے پانچ روپیہ، اور درجۂ دوم کا ایک روپیہ لیا جائے گا اس میں دو ہی درجے ہیں اور دہری دہری چقیں پڑی ہوئی ہیں۔

مغلانی: حضور کی پرورش ہو تو ہم بھی جائیں۔

مہری: واہ تم جاؤ اور ہم نہ جائیں۔

چوڑی والی: پھر تم دونوں کو بیگم صاحب بھیجیں گی تو کیا ہم نے کچھ چوری کی ہے۔

مغلانی: سب چلیں گے دس بارہ روپیہ کی تو بات ہے۔

چوڑی والی: اور تماشا کتنے دن ہو گا۔

مغلانی: یہی کوئی دو تین روز۔

داروغہ: چار روز ۱۲-۱۳-۱۴-۱۵- بدھ۔ جمعرات۔ جمعہ۔ ہفتہ۔ اب تو یقین ہو گیا حضور! یا اب بھی یقین نہیں آیا؟

مہری: اگر بے پردگی نہ ہو اور نہ دہری دہری موٹی موٹی چقیں پڑی ہوں تو بیگم صاحب بھی چلی چلیں۔ آپ داروغہ صاحب کو ایک دن بھیج دیں تو وہ دیکھ آئیں۔ اگر بے پردگی نہ ہو تو کیا ہرج ہے۔

داروغہ: جی ہاں میں سب دیکھ لوں گا۔

مہری: ہزاروں ہی آدمی ٹوٹ پڑیں گے۔

داروغہ: ہزاروں اجی سیکڑوں آدمی آئیں گے۔ بڑا بھاری تماشا ہے۔

مغلانی: (ہنس کر) اس وحشت کے صدقے میاں۔

خاتون: ان کے حواس آج برجا نہیں ہیں۔ جب سے شیروں کا حال سنا بدحواس ہو گئے۔

مہری: ہزاروں نہیں ہزاروں سے بڑھ کر سیکڑوں آئیں گے!

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چوڑی والی: گنتی بھی نہیں آتی۔
داروغہ: ایک بات زبان سے نکل گئی۔
مہری: ہاں چمڑے کی زبان ہے پھسل گئی۔
داروغہ: یاالٰہی ایک بات کے چیتھڑے اڑا دیتی ہیں
خاتون: پرسوں ضرور جاکے دریافت کرنا، اور اچھی طرح پوچھ آنا۔ جو جانے کے قابل ہو تو ہم جائیں۔ ورنہ جاکے نکّو بننا اور دس آدمیوں میں ذلیل ہونا، کون عقلمندی ہے۔ لیکن عقل سے تو انھیں بہرہ ہی نہیں۔ خدا جانے وہاں جانے بھی پائیں یا نہیں۔
داروغہ: حضور چار روپیہ عنایت کریں، تو رئیس بن کے غلام جائے، اور سب باتیں دریافت کرآئے۔

تیسرے روز شام کے وقت میر افضل صاحب داروغہ، پُرانے فشن کے ایک میانے پر سوار ہوکر تماشا دیکھنے تشریف لے گئے۔ اسّی برس کا سن، پوپلا منھ، ہاتھوں میں رعشہ، جسم لاغر دراز، کمر خم، سر پر شملہ، شالی چکن، پہنے ہوئے خیمے کے دروازے پر کہاروں نے میانہ رکھ دیا۔ میر افضل صاحب بسم اللہ کہہ کر اترے، تو دیکھا کہ میدان میں طلسمات کا سماں ہے۔ ہزاروں تماشائی ڈٹے ہوئے، اور یوروپین لیڈیاں اور جنٹل مین، ٹھٹ کے ٹھٹ لگائے کھڑے ہیں۔ انگریزوں سے جان پہچان تو تھی نہیں، سوچے کہ اگر آگے بڑھیں، تو شاید ذلیل ہو جائیں۔ اس سے بہتر ہے کہ گھر واپس جائیں، کہاروں سے باتیں کرنے لگے۔
داروغہ: یہاں تو ہندوستانیوں کے دیکھنے کا موقع نہیں ہے۔
کہار: ہاں حضور۔
داروغہ: مگر لوگ موجود تو ہیں۔
کہار: ہزاروں آدمی آئے ہیں۔
داروغہ: بھلا اب ٹکٹ یہاں کہاں خریدیں؟
کہار: "اب" کسو سے دریافت کریں تو بات بنے۔ مگر ایسا نہ ہو کہ صاحب یہاں کھڑے ہوئے دیکھ لے تو بن ناحق کو پیٹ چلے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ایک شخص نے کہا ٹکٹ سامنے بٹ رہے ہیں۔ وہیں جا کے خرید لو۔ سب مول لے رہے ہیں۔ مہر صاحب نے کہار کو، حکم دیا کہ چار ٹکٹ خرید لا۔ کہار نے کہا حضور بھاری پوشاک پہنے ہیں۔ حضور ہی جا کے لائیں۔ ہم کو دو دھکے دے کے صاحب نکال دیں گے۔ داروغہ بولے نہیں ہم نہ جائیں گے اگر تم پر دو چار چپتیں پڑ گئیں، تو کیا پرواہ ہے۔ کہار تو ہو ہی اور جو ہم پر ایک آدھ پڑی تو ستم ہی ہو جائے گا۔

داروغہ صاحب تھوڑی دیر کے بعد اترے۔ میانہ کا ڈنڈا پکڑ کر ٹکٹ بیچنے والے کی طرف دیکھا۔ سیکڑوں آدمی ٹکٹ خرید رہے تھے۔ چاہا کہ خود بھی پہنچیں۔ مگر انگریزوں کو دیکھ کر خائف ہوئے کہ مبادا کوئی خفا ہو جائے، کہ یہاں تم کیوں آئے۔ کہاروں نے سمجھایا: کہ حضور اتنے انگریز اور ہندوستانی چلے جاتے ہیں۔ کوئی چوں بھی نہیں کرتا۔ ایک ڈر ہے تو بس آپ ہی کو ہے۔ لائیے ہم ٹکٹ لا دیں۔ کہار جا کر درجۂ اول کا ٹکٹ لایا۔

اتنے میں تماشا شروع ہو گیا۔ داروغہ نے کئی بار پوچھا کہ کہار آیا۔ کہاروں نے کہا حضور آتا تو آپ ہی کے پاس آتا، یا کہیں بھاگ جاتا۔ اس کا کہیں پتا ہی نہیں ہے۔ داروغہ نے کہا، ہاں پتا کیوں کر ہو۔ وہ تو جعلی ٹکٹ تھا۔ گنوار سمجھ کر کوئی کاغذ اٹھا دیا ہو گا۔ اچھا ہوا کہ ہمارے پاس نہ تھا نہیں تو ہم بھی دھر لیے جاتے۔ اللہ نے بڑا فضل کیا۔ کہار وہاں مزے سے تماشا دیکھ رہا ہے۔ یہاں یہ خدا کا شکر کرتے ہیں، کہ ٹکٹ ان کے پاس نہ تھا، ورنہ حوالات بھیجے جاتے۔ تینوں کہار سمجھ گئے کہ وہ ٹکٹ لے کر تماشا دیکھنے چلا گیا، اور میاں کو خوب الّو بنایا۔ آدھ گھنٹے کے بعد داروغہ نے کہا ارے کیا مر گیا۔ کہار بولے یہ اس کو معلوم ہو گا۔ ہم کیا جانیں۔ ہم بھی آپ ہی کے پاس کھڑے ہیں۔ کسی کے مرنے جینے کا حال کیا معلوم۔

داروغہ: اچھا میانہ اٹھا کر درخت کے سایہ میں لے چلو۔

کہار: اور اٹھائے کون؟

داروغہ: اس کے کیا معنی۔ تمھارے سوا کوئی اور بھی اٹھائے گا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کہار: تو خداوند چوتھے کا پتا ہی نہیں۔
داروغہ: کسی سے کہہ دو کہ ذرا مدد دے دے۔
کہار - حضور اور تو کوئی یہاں نظر نہیں آتا۔ ذری آپ ہی کاندھا لگا دیں۔
داروغہ: ہم کاندھا لگا دیں! اس کے کیا معنی؟
کہار: چوتھے کہار کے عوض آپ ہی ایک طرف زور لگائیں۔
داروغہ: تم لوگ دارو پیکر تو نہیں آئے ہو۔
کہار: خداوند۔ دارو ہندو کہار پیتے ہیں۔ یہاں ایک ہندو ہے۔ دو مسلمان، اور ایک ہندو ٹکٹ لے کر غائب ہو گیا۔
داروغہ: ذرا اس کا پتا تو لگاؤ جی۔

اتنے میں دس منٹ کے لیے تماشا ملتوی کیا گیا، اور لوگ بھڑ بھڑا کر باہر نکلنے لگے۔ تو کہاروں نے میانہ اٹھا کر درخت کے نیچے رکھا، داروغہ نے حکم دیا کہ دو کہار جا کر اس کو ڈھونڈ لاؤ، دو کہار چلے۔

اتنے میں میاں واحد العین سے تین تین آنکھیں ہوئیں۔ ایک کونا آباد تھا۔
واحد العین: کیوں کیسا گہرا چکما دیا۔ سچ کہنا۔
ایک کہار: اب کیا تماشا نہ ہو گا۔ بس اتنی ہی دیر۔
و: ہو گا کیوں نہیں۔ چھٹی دی ہے، کہ جس کا جی چاہے باہر جا کے کھا پی آئے۔
دوسرا کہار: تو اب ٹکٹ ہم کو دے دو۔
و: اچھا اب تم دیکھ آؤ۔

فقیرے کہار نے ٹکٹ لیا، جب گھنٹی بجی اور لوگ جانے لگے تو یہ بھی اندر گیا۔ میاں واحد العین موچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے پہنچے۔
داروغہ: ارے تو کہاں مر رہا تھا۔
و: لوگوں سے پوچھتے پھرتے تھے۔
د: تو اب تک کہاں رہا؟
و: رہے کہاں اِدھر اُدھر۔
د: ارے کمبخت اِدھر اُدھر اتنی دیر لگائی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

د: تو میں نے دو چکر لگائے نہ۔ ایک کونا تو یہاں ویران ہے آپ کی طرح دو آنکھیں تو ہیں نہیں۔ بس ایک ہی طرف کے آدمی دیکھ پاتا ہوں۔ باقی خیر صلاح۔

د: لوگوں نے کیا کہا۔

و: حضور اس ٹکٹ کا کچھ ٹھیک نہیں ہے۔

د: اے لعنت خدا تم پر۔ چلو میانہ اٹھاؤ۔

کہار: اٹھائیں کیوں کر۔ چوتھا غائب ہے۔

د: ارے یہ چوتھا پھر غائب ہو گیا۔

ک: ہاں خداوند۔

د: نکال دو، آج سے نہ رہنے پائے۔ آخر یہ گیا کہاں۔

و: حضور جب مجھ کو پتا نہ ملا، تو فقیرے کو ٹکٹ دیا، کہ بھئی تم بھی جا کے لوگوں سے دریافت کرلو۔ شاید کوئی تم ہی کو بتا دے۔ ہم سے تو لوگ دل لگی بازی کرتے تھے۔ جدھر گئے لوگوں نے کہنا شروع کیا "ایک لکڑیا بانسے کی کانی آنکھ تماشے کی" بتاتا وتاتا کوئی نہ تھا۔ سب چٹکیوں پر اڑاتے تھے۔

د: بھئی فقیرے کو بلاؤ۔

اب سنیے کہ میاں فقیرے سیدھے سادے آدمی تھے۔ واحد العین کی طرح شریر تو تھے نہیں۔ صاحب نے جو دیکھا کہ درجۂ اعلیٰ میں بیٹھا ہے تو اس کے پاس آئے۔ اور غور کر کے قطع شریف کو دیکھا۔

صاحب: تم کون۔

فقیرے: (کھڑے ہو کر) خداوند (کانپ کر) خداوند۔

ص: تم کون ہے؟

ف: حضور میں کہار ہوں۔

ص: کیا پیشہ کرتا ہے۔

ف: مچھلیاں بیچتا ہوں، اور ڈولی اٹھاتا ہوں۔

ایک لیڈی نے جو قریب کی کرسی پر بیٹھی تھیں، کہا اس کو اٹھا دو۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تماشا نہ دیکھنے پائے، مگر ہمارے پاس نہ بیٹھے۔ صاحب نے فقیرے کو فوراً اٹھا دیا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور کہا ہم تم کو پولیس کے سپرد کرتے ہیں۔ نہیں بتاؤ یہ ٹکٹ کہاں سے لائے۔

ف ! ہم جن کو میانہ پر لائے ہیں ان کا ٹکٹ ہے۔

ص ! وہ کہاں ہے ؟

ف : باہر ہیں۔

ص : چلو باہر۔ ہم کو دکھاؤ وہ کہاں ہیں۔

ف ! بہت اچھا۔ چلیے۔ میانہ باہر ہے۔

صاحب کے ساتھ فقیرے باہر آئے۔ اِدھر اُدھر میانہ ڈھونڈھا صاحب کولے گئے

ف ! داروغہ صاحب۔ ذرا میانے سے باہر آئیے۔

ص ! کدھر ہے۔ کون ہے۔ کس کا ٹکٹ ہے ؟

صاحب نے جو جھلّا جھلّا کر کئی بار بیڈھب بیڈھب سوال کیے تو داروغہ صاحب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ شک کی جگہ یقین ہو گیا کہ جعلی ٹکٹ تھا۔ اب پھانسی ہوئی۔ کانپتے ہوئے میانے سے باہر نکلے، اور ہاتھ جوڑ کر کہا حضور غلام ضابطے سے ناواقف ہے صاحب جنکو داروغہ کوئی بڑا جلیل القدر عہدہ دار سمجھتے تھے۔ اطالیہ کے قلی تھے۔ حضرت نے ہاتھ جوڑے اور تھرتھراتے ہوئے، اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا اے لاحول۔

صاحب ! ، یہ ٹکٹ کس کا ہے آپ کا ؟

داروغہ ! حضور غلام کی سمجھ میں نہیں آتا۔

ص ! تمھارا ٹکٹ ہے یا کسی اور کا ہے۔

د ! ہم کچھ نہیں سمجھے۔ خداوند ہم ہندوستان کا آدمی ہے۔

اب سینے کہ میاں فقیرے سے جو اندر صاحب نے گفتگو کی تھی تو ایک انگریز سمجھا تا جاتا تھا۔ مگر یہاں فقط صاحب اور داروغہ اور اردگرد کہار، صاحب نے ایک یوروپین کو بلایا، اور کہا آپ ان کو سمجھاتے جائیے، اب سوال و جواب شروع ہوئے۔

ص ! یہ ٹکٹ اس قلی کے پاس کہاں سے آیا۔ اس کی حیثیت نہیں ہے کہ یہ ٹکٹ خریدے۔ یہ چار روپے کا ٹکٹ ہے۔

د ! یہ ٹکٹ ؟ یہی نہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ص : ہاں ہاں۔ یہ اوّل درجہ کا ہے۔ صاحب پوچھتے ہیں کہ اس کے پاس کہاں سے آیا۔ یہ غریب آدمی چار روپیہ کا ٹکٹ کہاں سے خرید سکے گا۔ آپ کا ٹکٹ تو نہیں ہے۔

د : حضور بیس روپیہ جرمانہ لے لیں۔

ص : آپ گھبراتے کیوں ہیں۔

د : مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ یہ جعلی ٹکٹ ہے۔

ص : جعلی نہیں ہے۔ درجۂ اوّل کا ہے۔

داروغہ کی جان میں جان آئی۔ صاحب نے سمجھا یا کہ ٹکٹ جعلی نہیں ہے، مگر تماشے والے پوچھتے ہیں، کہ اس قلی کے پاس کہاں سے آیا۔ یہ درجۂ اوّل میں بیٹھ کر تماشا دیکھتا تھا۔ تب تو داروغہ کہاروں پر جھلّائے اور کہا نابکارو۔ کسی روز آبرو لوگے ہماری تین گھنٹے تک ہمیں یہاں بٹھا رکھا، اور خود تماشا دیکھا کیے۔ صاحب سے کہا کہ اجازت ہو تو ذرا میں بھی دیکھ لوں۔ صاحب نے کہا ہاں آپ آئیے۔ داروغہ صاحب تماشا دیکھنے تشریف لے گئے۔

د : اگر عورتیں آئیں تو کہاں سے دیکھیں۔

ص : وہ کیا چقیں پڑی ہیں۔

د : ہاں پردہ تو ہے۔ صورت نہیں دکھائی دیتی۔

ص : صورت دکھائی دے تو کوئی آئے کیوں۔

د : ہم بھی بیگم صاحب کو لائیں گے۔

ص : ہاں آپ کو اختیار ہے۔ پانچ روپیہ دیجیے۔ اوّل درجے میں بیٹھیں۔ ایک روپیہ دیں دوم میں۔

داروغہ صاحب نے صرف آدھ گھنٹے تماشا دیکھا ہوگا کہ جلسہ برخاست ہوگیا۔ داروغہ گھر آئے۔ بارہ بجے پہنچے۔ اس وقت بیگم صاحب آرام میں تھیں، مگر حکم تھا کہ داروغہ جس وقت آئیں اسی دم ہم کو جگادو۔ دربان نے اطلاع دی کہ داروغہ صاحب آگئے۔ مغلانی نے بیگم صاحب کو جگایا۔

داروغہ صاحب صحن میں آئے۔ اوپر سے بیگم صاحب نے باتیں کیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : کہو سچ نکلا۔
داروغہ : حضور سچ۔ بالکل سچ۔ ہزاروں کی بھیڑ تھی۔
ب : بن مانس بھی تھے؟
داروغہ : حضور بن مانس تھے مگر دانت سے کپڑا سیتے نہیں دیکھا۔
بیگم : شیر تھے؟
د : حضور بس کچھ نہ پوچھیے۔ شیر کیا بکرے تھے۔
ب : اے ہے۔ پھر یہ کیا تعریفیں تھیں کہ آدمی شیر سے لڑے گا اور کان پکڑ کے بٹھا دے گا سب جھوٹ مرے ہوئے شیروں سے لڑنا کیا مشکل ہے۔ دبلے پتلے ہوں گے کھانا نہ پاتے ہوں گے۔
د : حضور ایسے بڑے بڑے شیر کہ آدمی صورت دیکھے ڈر جائے۔
ب : ہاں اور آدمی سے لڑے تھے۔
د : قسم خدا کی تسمے پر تسما لگا تا تھا اور شیر چوں تک نہیں کرتے تھے۔
ب : اوئی اللہ جانتا ہے آدمی کیا دیو ہے۔
د : اور خداوند۔ کوئی بیس برس کا سن
ب : ڈیل ڈول کیسا ہے؟
د : میانہ قد ہے۔ نہ دبلا ہے نہ موٹا تازہ ہے۔
ب : ایک ایک شیر سے لڑا تھا۔
د : تینوں شیروں سے لڑا، اور اٹھا اٹھا کر دے دے مارا۔ عقل نہیں کام کرتی۔
ب : اچھا اب یہ بتاؤ کہ ہمارے دیکھنے کا بھی ٹھکانا ہے۔
د : جی ہاں چقیں پڑی ہوئی ہیں۔ بہت سی عورتیں کھچا کھچ بھری تھیں۔

بیگم صاحب نے داروغہ سے کہا دو ٹکٹ پانچ پانچ روپیہ والے اور چار ٹکٹ ایک ایک روپیہ والے آج ہی سے لا رکھو جس میں پھر کل دقت واقع نہ ہو۔ داروغہ صاحب نے چودہ روپیہ لیے اور میانے پر سوار ہو کر گئے۔ ٹکٹ خریدے دو تین آدمیوں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سے پڑھوائے۔ گھر آئے۔

داروغہ: مہری عرض کر دو ٹکٹ لے آئے۔

مہری: پوچھتی ہیں کتنے ٹکٹ ہیں۔

د: حضور دو تو درجۂ اوّل کے ہیں۔ پانچ پانچ روپیہ والے اور چار درجۂ دوم کے ایک ایک روپیہ والے کل چھ ٹکٹ ہیں۔ بہ آرام تمام تماشا دیکھیے گا۔

ب: اچھا تم اپنے واسطے لائے یا نہیں لائے۔

د: مجھ سے کسی نے کہا نہیں تھا۔

ب: اے تو اتنا تو سوچیے کہ ہم کس کے ساتھ جائیں گے اب منگوالو۔

داروغہ نے اپنے واسطے بھی درجۂ اعلیٰ کا ٹکٹ منگوایا۔

تیسرے روز بیگم صاحب مع خواصوں کے تشریف لے گئیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نامۂ آزاد

میاں آزاد، فرخ نہاد، اور چند افسر، اور کئی ہزار سوار اور پیادے قلعہ کی حفاظت کے لیے مقرر ہوئے۔ اور کچھ فوج روسیوں کے مقابلے کے لیے روانہ کی گئی۔ گمد آوری کے لیے جو سوار بھیجے گئے تھے، انھوں نے اطلاع دی، کہ پانچ میل کے فاصلے پر روسیوں کا لشکرِ جرّار مقیم ہے۔ لشکرِ خاص اس غرض سے آتا ہے، کہ قلعے کو خالی کروائے اور اسی قلعہ کو اپنا صدر مقام بنائے۔

افسر کمانیر۔ وزیرِ جنگ کی تاکیدِ اکید ہے، کہ یہ قلعہ ہمارے ہی قبضے میں رہے۔ اگر غنیم اس قلعے پر قابض ہو گیا، تو ہمارے حق میں اچھا نہیں ہے۔ یہ قلعہ یورپین ٹرکی کی کنجی ہے۔ لہذا ہماری سپاہ کو اس کی حفاظت میں مردمی نے ساتھ پیش آنا چاہیے۔

ایک افسر۔ وزیرِ جنگ کے پاس خط کتابت جاری ہے، یا نہیں؟

کمانیر۔ برابر راستہ جاری ہے۔

افسر۔ تو بیشک ہماری کامیابی میں شک نہیں۔

کمانیر۔ مگر ہماری فوج کمکی اگر آجائے تو ہم کو کوئی ہٹا نہ سکے۔

افسر۔ وزیرِ جنگ کو لکھیے۔ سپہ سالار کو لکھے۔

کمانیر۔ لکھ چکا ہوں۔ فوج کمکی بہت جلد آنے والی ہے۔ میاں آزاد کو جو معلوم ہوا، کہ قسطنطنیہ تک خط کتابت اور آمد رفت جاری ہے، تو انھوں نے حسن آرا کے نام خط لکھا۔

میدان جنگ، قلعہ محلّی۔ جولائی ۲ ۔ ۱۸۷۷ء

جانِ آزاد۔ اب میدان کارزار ہے اور یلان روم کی شمشیرِ آب دار۔ اب جنگ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور توپ و تفنگ، سے کام ہے۔ جس وقت صفِ جنگ میں غنیم کے سامنے جاتا ہوں، یہ خیال کہ سرخرو ہونے میں تمہارے ساتھ نکاح ہوگا آتش جواں مردی کو اور بھی مشتعل کرتا ہے۔ خدا کرے میری آرزو برآئے۔ آمین!

اب یہاں کا حال سنو۔ روس اور روم، کے درمیان میں ایک دریائے زخار ہے۔ ڈینیوب۔ یہ دریا، دریائے گنگ سے بڑا ہے۔ اور اس کے کناروں پر بڑے بڑے، اور مشہور مشہور شہر واقع ہیں۔ بارش کے سبب سے آج کل دریا بہت بڑھا ہوا ہے۔ روسیوں نے سعیِ بلیغ کی، کہ عبور کر آئیں۔ مگر عرصے تک ناکام رہے۔

روس نے صوبۂ رومینیا سے، جو روم کا ماتحت ہے، سازش کرلی۔ جب ترکوں کو یہ خبر معلوم ہوئی، تو انھوں نے قصبۂ بکٹ واقع رومینیا پر قبضہ کرلیا۔ روسی شمالی کنارۂ دریا کی طرف بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ ۸ ؍ مئی تک کو پونے دو لاکھ آدمی جمع ہوگئے۔ ترکوں نے ایک جہاز، جس کے ساتھ کشتیوں پر توپیں تھیں ایک ٹاپو کی طرف بڑھائی اور اسے مقام پر لنگر انداز ہوئے کہ جنگل کی آڑ کے سبب سے روسیوں کو ان کا جہاز اچھی طرح نظر نہیں آتا تھا۔ مگر بعض مستول البتہ درختوں سے بھی اونچے تھے۔ ان کے سبب سے روسیوں کو معلوم ہوگیا، کہ ترک کمین گاہ میں ہیں۔ روس کے گولہ اندازوں نے چھوٹی چھوٹی توپوں سے گولے اتارنے شروع کیے۔ مگر ترکوں کا بال بیکا نہ ہوا۔ اس کے بعد دو بڑی بڑی توپوں سے گولے اتارے۔ انھوں نے چالاکی یہ کی کہ ایک بلند مقام سے گولے مارے۔ آخر کار ایک گولا ہمارے جہاز پر پڑا اور میگزین کو اڑا دیا۔ جس وقت روسیوں نے دیکھا کہ جہاز سے دھواں اٹھا تو نعرۂ خوشی بلند کیا۔

اس قدر میاں آزاد لکھ چکے تھے، ایک افسر نے آن کر پوچھا کیا کر رہے ہو؟

آزاد۔ ایک خط لکھتا ہوں۔

افسر۔ (مسکرا کر) کسی معشوق کے نام؟

آزاد۔ (ہنس کر) ہاں ہے تو معشوق کے نام۔

افسر۔ تو پھر ہم اس وقت باتیں نہ کریں گے۔ دل لگا کر لکھیے۔

جب جہاز ڈوبنے لگا، تو روسیوں نے دو چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھیجیں۔ انھوں نے نشان لے لیا۔ ترکوں کے جہاز پر سوا دو سو آدمیوں کے قریب تھے۔ جس میں سے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پانچ چھ آدمی بچ نکلے۔

ایک اخبار سے معلوم ہوا کہ روسی اس فتح سے بہت ہی خوش ہوئے۔ ٹوپیاں اچھلنے لگیں۔ سپاہی افسروں، اور افسر سپاہیوں کے گلے ملنے لگے۔ کچھ دن کا عرصہ ہوا کہ روس اور روم کے جہاز ایک دوسرے کے مقابل لنگر انداز تھے۔ جب ترکوں کو معلوم ہوا کہ شب کو روسیوں کا جہاز بھی آ گیا ہے۔ اور تاریکی کے سبب سے ان کو مطلق نظر نہیں آیا تو قصد کیا، کہ وہاں سے چلیں۔ پو پھٹتے ہی چلے مگر روسی جہاز نے تعاقب کیا۔ اب سنیے کہ ایک مقام پر روسیوں نے آلۂ تارپیڈو چھوڑا۔ تم نے اس کا نام بھی نہ سنا ہوگا، یہ بڑا مہیب آلہ ہے۔ ان کے ذریعہ سے جہاز فوراً پھٹ کر تہ آب بیٹھ جاتا ہے۔ آلہ پانی کے اندر جا کر جہاز کے نیچے پھٹتا ہے، اور نیچے ہی سے جہاز کو اڑا دیتا ہے۔ ترکوں کو معلوم ہو گیا کہ غنیم نے تارپیڈو چھوڑا ہے۔ انھوں نے بھی ایک تارپیڈو چھوڑا، اور وسط میں دونوں باہم ٹکرائے۔ اور سرد ہو گئے۔ جب روسیوں کو معلوم ہوا کہ ترکوں نے جواب ترکی بہ ترکی دیا۔ تو سخت خفیف ہوئے۔

اب سنیے! کہ ترکوں کے جہاز کا کپتان ایک بڑے اونچے مستول پر جا کر کھڑا ہوا۔ روسیوں نے اس کی جرأت دیکھ کر گولہ مارا۔ کپتان نے سر کو ذرا ہٹا لیا، گولہ دور جا کر دریا میں گرا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ روسی گولہ انداز جھلائے۔ پھرناک کر دوسرا گولہ چلایا ترکی کپتان نے پھر سر ہٹا لیا اور نشانہ خالی گیا۔ اب روسی گولہ انداز سخت نادم ہوئے جو گولہ انداز "قادر انداز" اور کامل فن تھا، اس نے بیڑا اٹھایا کہ اب کی اگر کپتان اسی مقام پر کھڑا رہا! اڑ دوں گا۔ یہ کہہ کر گولہ اتارا۔ اس مرتبہ ترکی کپتان نے گولے کے قریب پہونچنے کے وقت تک ذرا بھی جنبش نہ کی۔ اور اس سے پچاس گز کے فاصلے پر گولہ پھٹا تب تو ترکوں نے تالیاں بجائیں۔ نعرۂ خوشی بلند کیا، اور ہمارے کپتان نے ٹوپی اتار کر روسیوں کو ٹوپی سے تین بار سلام کیا۔ اور مستول سے اترے روسیوں نے اس لائق افسر کی خود تعریف کی۔ اور بہت ہی شرمندہ ہوئے، کہ ان کے گولہ اندازوں کے گولے نے تین بار نشانہ خطا کیا۔ روس اور روم، اور جرمنی، اور آسٹریا، اور فرانس، اور انگلستان، کل ملکوں کے اخبار ہمارے کپتان کی تعریف میں عذب البیان ہیں۔ ہوبرٹ پاشا جو صیغہ جنگ بحری کے افسر ہیں۔ بڑے بڑے کارنمایاں کر رہے ہیں۔ گو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

روسیوں کے پاس تارپیڈو کثرت سے ہیں، مگر ہوبرٹ باشا نے ان کی دال نہ گلنے دی۔

ترکوں کے افسر اچھے نہیں ہیں۔ میرا دل روتا ہے، کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ہاں ترکی سپاہیوں کا ساری خدائی میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ جرأت میں، اور استقلال میں، بے نظیر، ہمدردی میں لاجواب، مصیبت برداشت کرنے میں عدیم السہم، خوش رو، گراں ڈیل، کرارے جوان، جان جائے اور قدم پیچھے نہ ہٹے گا۔ مگر افسوس صد افسوس کہ افسر اچھے نہیں ملے۔ دل روتا ہے خدا کی قسم دل روتا ہے۔ اور اگر ترکوں نے خدانخواستہ شکست بھی پائی تو میں یہی کہوں گا کہ ترکی سپاہی بسالت میں کسی قوم سے کم نہیں ہیں اس وقت میرا دل بھر آیا۔ میں لکھتا جاتا ہوں اور روتا جاتا ہوں کہ یا خدا اگر افسروں کی کارروائی اور بے پروائی کا یہی حال ہے تو۔ انجام کیا ہونا ہے۔ خدا کرے افسر بھی سپاہیوں کی طرح جان لڑا دیں۔ آمین آمین ثم آمین!

ع۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ روم کی سپاہ پر روم کو ناز ہے مگر۔

طاؤس را ز نقش و نگارے کہ ہست خلق

تحسین کنند و او خجل از پائے زشت خویش

جس وقت افسروں کی کارروائی پر نظر ڈالتا ہوں، بے اختیار رو دیتا ہوں۔ اگر ترکی خدانخواستہ شکست بھی پائیں تو ساری خدائی میں کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ ترک جری نہیں ہیں۔ کیا مجال ترکوں کی جرأت کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں۔ اگر ہم غنیم کے مقابلے میں دب بھی نکلیں، تو رومی سپاہی کی نظر روسی سپاہی کے سامنے نیچی نہ ہوگی۔ کیا طاقت، بلکہ ہمارے ملک کے جواں مرد اور شیر دل سپاہی زبانِ حال سے یہی کہیں گے کہ۔

تمہاری تیغ کا منہ چڑھ کے لے لیا بوسہ

کبھی نہ آپ سے ہم دب کے بانکپن میں رہے

ماہ مئی کے شروع ہی میں کروب کی توپیں مقام باسفورس پر ہونی چاہیے تھیں۔ مگر افسوس ہے کہ اس کی کسی نے فکر نہ کی۔ پھر دل جلے یا نہ جلے جہاز اچھی حالت میں نہیں۔ مرمت تک نہیں ہوئی۔ افسوس صد افسوس! اب فرمائیے سپاہ بیچاری کیا کرے۔ ترکوں کو یہاں تک منظور ہے کہ تنخواہ نہ ملے، مگر آلاتِ حرب تو درست ہوں۔ ہائے افسر لائق ہوتے، تو ترک اب تک روس کے چھکے چھڑا دیتے۔ مگر افسروں کی لیاقت ظاہر ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کسی بات کی پرواہی نہیں، اور سب سے زیادہ ستم یہ ہے کہ، رشوت کی گرم بازاری ہے۔ روسی رشوت دینے اور سازش کرنے میں طاق ہیں خدا ہی خبر کرے لیکن ع۔

بیدل نیم ہنوز بہ بینم چہ می شود!!

ترکی میں بارہ بارہ برس کے لڑکے ہتھیار اٹھانے کے لیے آمادہ ہیں، اور ترک کسی بات میں غنیم سے کم نہیں۔ مگر افسروں کو کیا کریں۔ سپاہ کے جوش و خروش، وفاداری، اور جانبازی کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ، جب کوئی افسر اچھی کارروائی کرتا ہے تو سوار اور پیادے نماز کے وقت دعا مانگتے ہیں، کہ بار خدایا اس کی عمر دراز ہو۔ اور اسی کی طرح کل افسر نیک نام، اور فائز بمرام، ہوں۔ تین مرتبہ دو دو ہزار سپاہیوں نے میرے قدم لیے ہیں، اور کہا ہے کہ آزاد پاشاہم سب تمہارے دِرم ناخرید بدہ غلام ہیں، کہ تم نے فلاں میدان، اور فلاں جنگ میں روم کی عزت رکھ لی خدا ان جاں نثاروں کو سرخرو کرے آمین۔

ع۔

آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو۔

وزیرِ جنگ پر فرض تھا کہ، افواج ترک، متعینۂ ایشیا کی زیادہ خبرداری کرتے۔ مگر وہ اپنی جگہ سے ہلتے تک نہیں۔ اور نہ انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ایشیائی ترکی میں جنگ کی حالت کیا ہے۔ سپاہی ہاتھ جوڑ کر بہ منت سماجت کہتے ہیں کہ ہم جان بکف آتے ہیں۔ اب ہم زندہ واپس جانا نہیں چاہتے۔ ہماری دلی آرزو یہی ہے کہ ہم لڑیں، اور کٹ مریں، اور غنیم سے میدان جنگ میں دب کر نہ چلیں۔ مگر افسر اور ہی دھن میں ہیں۔ اور ہی ادھیڑبن میں ہیں۔ افسروں کا یہ حال ہے کہ ایک دوسرے کے دشمن۔ اگر کسی افسر فوج نے اچھی کارروائی کی تو اور افسر جل مرتے ہیں۔ ہائے افسوس ہمدردی کا ان میں نام تک نہیں ہے بےپروائی مزاج میں حد سے زیادہ ہے عاقبت اندیش برائے نام بھی نہیں۔ بعض مراد آفندی کے عزل پر کفِ افسوس ملتے ہیں، اور بےدلی سے کارروائی کرتے ہیں۔ بعض سلطان مبرور کا اب تک جنبہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اب وہ وقت ہے کہ چاہے مراد آفندی سلطان روم ہوں، چاہے عبدالحمید خاں۔ فوج کو یکساں کارروائی کرنی چاہیے۔ اب باہمی رنجش کو بالائے طاق رکھنا لازم ہے۔ اب وہ وقت ہے کہ کُل ترک ایک جان دو قالب ہو کر غنیم سے لڑیں۔ یہ بات سپاہ میں تو ہے، مگر افسروں میں مطلق نہیں پائی جاتی۔ اعلیٰ افسر ادنیٰ افسر کے خلاف۔ ماتحت افسر کا دشمن، پھر بات کیوں کر بنے۔ خدا جانے یہ لوگ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس پھوٹ اور ناچاقی سے کیا کریں گے۔ ہائے افسوس وائے افسوس۔

جرمنی میں بہت سے آدمی متفق ہو کر اس بات پر آمادہ ہوئے کہ وزیرِ جنگ موقوف کردیے جائیں۔ اور سلطان المعظم کے ایک رشتہ دار کا نام لے کر کہا کہ وہ بھی موقوفی کے قابل ہیں۔ یہ لوگ یہاں کے پارلیمنٹ میں جو اس قسم کے ملکی مشوروں کی اعلیٰ انجمن ہے۔ جمع ہوئے، اور کہا کہ اگر ہماری درخواست کے بموجب کارروائی نہ ہوگی تو ہم بغاوت کریں گے۔ سلطان المعظم نے ان کی درخواست قبول کی اور ان میں سے بعض کو گرفتار کرا دیا۔ وجہ یہ کہ مقربان بارگاہ سلطانی نے سچّا سچّا حال نہیں بتایا تھا۔ حالانکہ یہ درخواست قابل پذیرائی تھی۔

روس کی آبادی نو کروڑ ہے۔ روم کی آبادی تین کروڑ کے قریب ہے۔ دونوں کی اندرونی حالت خراب ہے۔ رشوت کی دونوں ملکوں میں گرم بازاری ہے۔ مگر ترک راست باز ہیں۔ تین پانچ نہیں جانتے۔ روسی وعدہ خلاف اور عہد شکن ہیں ترکوں نے جو کہا وہ کیا، اور جو کیا وہ وعدے اور عہد کے موافق کیا۔ اب تک نشے سے نفرت کرتے ہیں۔ درجۂ اوّل کے خوش مزاج، اور پاکباز جنٹلمین ہیں۔ ان کی جرأت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ اگر کوئی دق کرے یا چھیڑے تو آگ ہو جائیں، اور شبر کی طرح بپھر پڑیں، ورنہ ان کی مہمان نوازی اور انسانیت میں اصلاً فرق نہیں۔

ایک لائق انگریز کی رائے ہے، کہ تمام عالم میں جانورانِ باربرداری کے ساتھ انسان اس رحم دلی اور سلوک کے ساتھ نہیں پیش آتے، جس قدر رحم دلی اور محبت کے ساتھ ترک پیش آتے ہیں۔

ایک عیسائی پادری کے سامنے چند آدمیوں نے کہا کہ ترک بڑے عیّاش ہوتے ہیں۔ پادری صاحب نے جواب دیا کہ با این ہمہ جن نیکیوں کا ہمارے ملک میں زبانی داخلہ ہے ان کا سچّا برتاؤ ترکی ہی میں ہوتا ہے۔

ہاں خوب یاد آیا ہے۔ میں تو روسیوں کے ڈینیوب عبور کرنے کا حال بیان کرتا تھا۔ جب روسیوں نے دیکھا کہ دریا کی طغیانی کم نہیں ہوتی تو سخت پریشان ہوئے۔ اس حالت میں پلوں کا بنانا محال تھا۔ شمالی کنارۂ دریا پر روسی فوج بے کار پڑی تھی۔ مگر اس سے روسیوں کا فائدہ بھی ہوا۔ انھوں نے اس عرصے میں خوب تیاری کر لی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور قس علیٰ ہذا ترکوں نے بھی تیاری کی۔ طرفین کا فائدہ ہوا۔ افسوس یہ ہے کہ ترکوں کی کل کارروائیوں سے روسی واقف ہوتے جاتے تھے، مگر روسیوں کی کارروائیاں خفیہ رہتی تھیں اس مقام پر پھر پھوٹ کے رونا آتا ہے۔ یہ افسروں کی غلطی اور سخت بے پروائی کا نتیجہ ہے۔ سپاہی بیچاروں کا کیا قصور۔ روسیوں نے لاکھوں آدمی دریا پر جمع کر دیے۔ اور ترکوں کو کانوں کان خبر ہی نہیں۔ اگر رعایا کو خبر ہو جاتی تو وزیرِ جنگ اور بعض افسروں کو فوراً گرفتار کر لیتے۔ کہ ہمارے ملک کی عزت تمہارے ہاتھ ہے، اور تم غافل ہو۔ مگر رعایا کو اس کی خبر نہ تھی، کہ روسی کیا کارروائی کر رہے ہیں۔ سپاہی جاں بکف آمادہ تھے، کہ ٹرکی کے نام پر اپنا خون بہائیں، اور غنیم کو نیچا دکھائیں۔ مگر جب افسر ہی ویسے ہوں۔ کتنی حسرت کی بات ہے۔

اس غفلت سے خدا سمجھے، کہ روسی ڈینیوب کے کنارے قلعے بنائے جاتے تھے۔ اور ترک ذرا بھی اس کا دفع دخل نہیں کرتے تھے۔ آخر کار ان کے بوٹ آنا شروع ہوئے۔ پہلے بوٹ کے آدمی جب اترے تو ترکوں نے ان کا مقابلہ کیا اتنے ہیں اور بوٹ آئے۔

اس جنگ کی نسبت سرکاری طور پر مشتہر ہوا ہے کہ روسیوں کی جماعت کم تھی، مگر وہ ایک ایسے مقام پر تھے جہاں سے غنیم ان پر گولے برساتا تھا، اور وہ اس آسانی سے روسیوں کو نقصان نہیں پہونچا سکتے تھے۔

معتبر طور پر معلوم ہوا ہے کہ ترکوں نے اس جنگ میں روسیوں کے نوحہ دل پر اپنی بسالت کا نقش منقوش کر دیا۔ روسی افسر خود مُقر ہیں کہ انھوں نے باوصف تجربہ کاری تمام عمر میں ایسے جری، لڑنے والے نہیں دیکھے تھے۔ گولی پر گولی کھاتے تھے، اور ڈراتے ہوتے چلے جاتے تھے۔

اس جنگ میں ترکوں کے ساتھ سرکیشیا کی فوج بھی تھی۔ ان سواروں نے اعلیٰ درجے کی شجاعت کے ساتھ جنگ کی۔ لڑنے کے وقت، ایسے خونخوار ہو جاتے تھے، کہ الاماں! جو مشہور ہوا ہے، کہ ترکوں نے بڑے بڑے جبر کیے، اس کی اصلیت یہ ہے کہ سرکیشیا کے باشندوں کو روس سے جانی دشمنی ہے ان کو خوب یاد ہے کہ روسیوں نے ان پر سخت ظلم کیے تھے۔ لہٰذا جب کبھی روسی میدانِ جنگ میں زخمی ہوتے تھے سرکیشیا کے سوار فوراً گھوڑوں سے اتر کر ان کی ناک اور کان کاٹ لیتے تھے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

میدان جنگ میں جو کچھ کارروائی میں نے کی اس کا بیان شاید شیخی پر محمول ہو۔ مگر اس قدر میں ضرور لکھوں گا کہ جب اس قلعے میں جس میں بیٹھ کر میں، یہ خط لکھ رہا ہوں۔ روسی فوج مقیم تھی، اور جب تین طرف سے ترک اس قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے تھے، اور دونوں طرف سے تفنگ آتش فشانی کر رہی تھی تو تمہارا پیارا آزاد جان پر کھیل کر صرف پانچ سو سواروں کو ساتھ لے کر قلعے کے اندر گیا تھا۔ جب روسیوں کا ایک کالم رات کے وقت دفعتہً جنگل کے ایک کونے سے ہماری فوج پر حملہ آور ہوا تھا تو تمہارا پیارا آزاد ہی اس کے مقابلے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اور غنیم کو شکستِ فاش دی تھی۔ نازک نازک وقتوں میں جب کہ غنیم کی خبر لانا اور اس کی نقل و حرکت کا حال دریافت کرنا نہایت ہی جرأت کا کام تھا۔ آزاد ہی صرف دس بارہ سوار لے کر جاتا تھا، اور خبر لاتا تھا۔ آزاد نے روسی افسر رسالہ سے دست بدست جنگ کی۔ اور اس کو زخمی کر کے، اپنے سواروں کو بچایا۔ اور اپنی فوج کو روسیوں کی نقل و حرکت سے اطلاع دی۔ ؎

آن نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشت من
آن منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

میرے سمندِ بسالت پر یہ خیال تازیانے کا کام کرتا ہے، کہ اگر اسی طرح میں کامیاب اور سرخرو رہا تو ایک روز حسن آرا بیگم پیاری حسن آرا آزاد کی چاہتی بیوی ہوں گی۔ جو کسی کو اس وقت یہ معلوم ہو جائے کہ تم نے اس اقرار سے مجھے ترکی بھیجا ہے کہ سُرخرو آؤں اور ترکوں کی طرف سے مورچے پر جاؤں اور پھر تمہارے ساتھ نکاح ہو تو تم کو ضرور ہنسے۔ کیوں کہ ہندوستان کی رسوم کے خلاف ہے مگر تم نے مجھے جس غرض سے بھیجا ہے، وہ تمہاری حمیت پر دال ہے۔ کوئی شریف زادہ تم پر حرف نہیں رکھ سکتا۔ ع۔

ہمہ عالم گواہ عصمت اوست۔

تمہاری پاک بازی اور پاک دامنی کا حال خدا خوب جانتا ہے۔ مجھے ہر دم یہی خیال رہتا ہے کہ خدا جانے میری جدائی سے تم پر کیا گذرتا ہوگا۔ استقلال کو ہاتھ سے نہ دینا۔ صبر عجیب نعمت ہے۔ ع۔

صبر تلخ ست ولیکن بر شیریں دارد۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کتنے مزے کا غم ہے امیدِ وِصال ہیں
مل جل کے رہ گئی ہے خوشی بھی ملال ہیں

خدا چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے، مگر وِصال ضرور ہو۔ اس جانِ ناتواں پر لاکھوں مصیبتیں پڑیں۔ سب جھیل لوں گا۔ مگر ایک نظر اپنے معشوقِ پری پیکر کو ضرور دیکھ لوں، اور کوئی آرزو برآئے یا نہیں۔ مگر یہ مراد ضرور پوری ہو۔ آمین: ے

ایک دنیا ہو نہ ہو پروا نہیں مطلق ہمیں
میں ہوں یارب اور مرا معشوق رشک ماہ ہو

اب وعدہ وفائی آپ کے ہاتھ ہے۔ ہم تو صرف قول کے موافق یہاں چلے آئے، اور اترا رہے ہیں، کہ وعدہ ضرور وفا ہوگا ے

وعدے پہ کل کے آج قسم کھائے جاتے ہیں
ہم ہیں کہ ان کی بات پہ اترائے جاتے ہیں

قاصدِ بشارت رساں اس خط کا جواب لائے، تو ہمارے ہاں عید ہو جائے۔ ہم جان کو ہتھیلی پر لے کر آئے ہیں، اگر معشوق کی خیر و عافیت کی خبر سنیں، تو نخل جان کو تازگی پہونچے۔ ورنہ جان کچھ دن کی مہمان ہے۔ سوچ لیے ہیں کہ مرنا برحق ہے۔ پھر جواں مردی ہی سے کیوں نہ جان دیں جس کو دل دیا اس کے حکم سے جان دینے بھی آئے۔ دل بھی تمہارا، جان بھی تمہاری ملکیت ہے۔ اس کو نادان عزیز رکھتے ہیں: ے

ز منجنیق فلک سنگِ فتنہ مے بارد
من ابلہانہ گریزم بہ آب گینہ حصار

اگر گولی لگی تو یہی لباس کفن ہوگا۔ زین تابوت، اور بسالت نوحہ خواں یہی کافی ہے: ے

منم آں سبزہ جان گشتہ کہ بانیغ وکفن
بدر خانۂ جلاّ وغزل خواں رفتم

خدا کی خدائی میں بس ایک آرزو ہے، تو یہ ہے، کہ وصال جاناں ہو۔ کوئی مصر کی شاہی بھی دے، تو تمہاری گلی چھوڑ کر نہ جاؤں۔ ہرگز نہ جاؤں۔ وہاں یہ لطف کہاں: ے

آئیں رضوان بھی جو لینے تو نہ جاؤں سوئے خلد
ٹھن گیا کوچۂ جاناں کا ارادہ دل میں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خدا نہ کرے کہ میرے دل کی آرزو کشتہ ہو۔ پیاری سپہر آرا کو یہ خط حرف بہ حرف پڑھا دینا۔ میری روانگی کے وقت اس بیچاری کی عجب حالت تھی۔ ہائے وہ رونا، اور تم کو سمجھانا کہ باجی جان آزاد کو اتنی دور کیوں بھیجتی ہو۔ جس وقت یاد آتا ہے گھنٹوں رویا کرتا ہوں۔ عید کا دن بڑی مصیبت میں گذرا۔ اب ہماری عید تو اسی دن ہوگی جس دن زلفِ مشک ریز و گیسوئے لخلخہ بیز کی بوئے عنبر نثار سے ہمارا دماغ رشکِ طبلۂ عطار ہوگا۔ دست نگاریں ہاتھ ہیں، اور روئے تاباں مقابل ہیں۔ بغیر رنج کے، خوشی حاصل ہی نہیں ہوتی۔ جب تک درد نہیں ہوتا آرام کا مزا انسان نہیں جانتا۔

عرفی:

اے متاعِ درد در بازار جان انداختہ
گوہرِ ہر سود در جیبِ زبان انداختہ

یہاں کے افسر مجھ سے بہت خوش ہیں۔ وزیرِ جنگ مدّاح افسرِ اعلیٰ میرا دم بھرتے ہیں۔ خوجی مسخرے کو میں قسطنطنیہ ہی میں چھوڑ آیا ہوں۔ لیکن اگر قلعے میں جمنا ہوا تو بلالوں گا۔

عدم رسی خط کی شکایت تو ضرور کرتی ہوگی مگر؎

توائے کبوترِ بامِ حرم چہ می دانی
طپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ بر پارا

میدانِ جنگ سے کیوں کر خط بھیجوں۔ بعض بعض مقاموں پر اب تک رستہ بند تھا۔ آمد و رفت محال تھی۔ یہاں سے یہ خط قسطنطنیہ جائے گا۔ اور وہاں سے ہندوستان تمہارے پاس عرصے میں پہونچے گا۔

سپہر آرا کو دلاسا دیا کرو۔

ع: ابھی کم سن ہیں کسی بات کا کچھ ہوش نہیں۔

اس خط کا جواب اس پتہ سے بھیجنا۔ قسطنطنیہ روم کوٹھی ہرمزجی بھائی نزد آزاد پاشا برسد۔

نومید مہجور از وطن دور۔ آزاد۔

یہ خط لکھ کر میاں آزاد قلعے میں اِدھر اُدھر سیر کرنے لگے دو چار افسران کے ہمراہ تھے۔

آزاد: خالی خولی بیٹھنا تو اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

علیقو: ہاں بس اب تو جنگ سر پر سوار ہے۔

ریاض پاشا: کل افعال قبیحہ سے توبہ کی' اب توبہ کر کے مرنے جاتے ہیں مگر:۔

توبہ پہ معصیت کی بھروسا نہیں ریاض

ہم حوصلہ پہ عفو کے اترائے جاتے ہیں[1]

آزاد: تو مغفرت تو ہو جائے گی۔

علیقو: اس جنگ میں شہید ہوں' تو بال بال کی مغفرت ہو جائے۔

آزاد: بچنے کی امید تو بہت کم ہے۔

ریاض: سپاہی کو ہر دم کفن پوش رہنا چاہیے' اور ہم اللہ سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔ اب دنیا ہی کو چھوڑ دیا۔ دنیا کی کوئی بات پسند نہ آئی۔ عاقبت کے لیے توشہ ہمارے پاس موجود ہے' اور اگر جنگ میں گئی جان تو ہمارے ولی ہونے میں شک نہیں برسوں سے دنیا چھوڑے بیٹھے ہیں:۔

ہم سے ریاض ہوں گے ولایت مآب کم۔

کافر ہو شک جو لائے ہمارے کمال میں

آزاد: کمکی فوج آئے تو ہم یہاں سے ٹل نہ سکیں۔

محمد پاشا: ہم کو تو یہ قلعہ پھاڑے کھاتا ہے۔

علیقو: قس علیٰ ہذا۔

آزاد: افسوس ہے کہ اس کالم کے ساتھ ہم نہ بھیجے گئے۔

محمد پاشا: چلئے شکار کھیلیں۔

تھا اپنے ہی سوچ میں وہ سنسان ۔ دھن راگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان

بے وقت وہ راگ خوش نہ آیا

بے فصل وہ بھاگ خوش نہ آیا

اٹھے اور دریافت کیا کہ' ڈاک لے کر کون لوگ جائیں گے ان سے جا کر کہا بھائی

[1] ریاض خیر آبادی متوفی .... شاگرد امیر مینائی۔ اردو کے باکمال غزل گو شاعر تھے۔ ان کا دیوان ریاض رضوان شائع ہو چکا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

واسطے خدا کے ذرا حفاظت سے ڈاک لے جانا۔ ہائے لگی بھی کیا بری ہوتی ہے۔

سوار: بہت حفاظت سے لے جائیں گے۔ کیا حضور کا بھی کوئی خط ہے؟

آزاد: ہاں بڑا ضروری خط ہے۔

سوار: آپ خاطر جمع رکھیے راستہ صاف ہے۔

آزاد: ہاں راستہ تو صاف ہے۔

میاں آزاد قلعے کے ایک برج پر جاکر دوربین سے جنگل کو دیکھنے لگے۔ دیکھا کہ چوطرفہ میدان ہے۔ اور جانب جنوب ترکی فوج مقیم ہے۔ قلعے کے ایک سمت دریا لہریں مارتا ہے۔ سوچے کہ چل کے بوٹ پر سوار ہوں، اور دو گھڑی دل بہلائیں۔ دو چار آدمیوں کو ساتھ لیا۔ اور چلے۔ ایک بوٹ پر سوار ہوئے۔ دریا کی روانی کے مزے اڑاتے چلے جاتے تھے، کہ دفعتہً گرد نمودار ہوئی۔

آزاد: یہ گرد کیسی ہے؟

مانجھی: کیا روسی تو نہیں آ گئے۔

آزاد: لاحول وَلاَ قُوۃ۔

مانجھی: مگر گرد زیادہ نہیں ہے۔

سوار: دس سے زیادہ آدمی نہیں ہیں۔

مانجھی: معلوم ہوا جاتا ہے۔

آزاد: ہاں ہیں تو سوار مگر کم۔

سوار: چھ بندوقیں ہم لوگوں کے پاس ہیں، اور سب بھری ہیں۔ اگر روسی ہوئے، اور انھوں نے بندوق سر کی، تو ہم بھی گولی چلائیں گے۔ مگر روسیوں کو جرأت کیوں کر ہوئی کہ بے دھڑک قلعے کے قریب چلے آتے، اور پھر گرد آوری کے سوار ان کو نہ دیکھتے یہ صرف شک ہی شک ہے۔ روسی ووسی نہیں ہیں۔

آزاد: روسی گولی چلائیں تو جان جانے کی پروا نہیں، مگر خرابی یہ ہے کہ بلا کارنمایاں کیے ہوئے جان جاتے گی اگر کسی بڑی جنگ میں قتل ہوں، اور شمشیر جرأت کے کچھ جوہر دکھائیں تو مضائقہ نہیں۔ دل کا حوصلہ تو نکلے۔ یہ کیا کہ کشتی پر دس بارہ آدمی سیر دریا کر رہے ہیں۔ اور گولی پڑی چلیے لوٹ گئے۔ خدا کرے روسی نہ ہوں۔ آؤ کنارے پر اتر رہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اتنے میں ترکوں نے قلعے کے برج سے کہا۔ فوج آگئی، فوج آگئی۔ آزاد نے کہا لو فوج کمکی آگئی۔ برج والے دوربین سے دیکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہماری ہی فوج ہے۔ ورنہ اب تک ہل چل مچ گئی ہوتی۔

ایک سوار نے اشارے سے اہل برج سے دریافت کیا، کہ کیا ہماری فوج کمکی آگئی اس نے اشارے سے کہا ہاں۔ اور پندرہ بیس آدمیوں نے نعرۂ خوشی بلند کیا اِدھر بوٹ پر سے لوگوں نے مارے خوشی کے غل مچایا۔ میاں آزاد نے حکم دیا کہ کشتی کنارے لگاؤ۔ مانجھی نے فوراً تعمیل حکم کی۔ آزاد نے ایک سوار کو بھجوایا کہ خبر لاؤ۔ سوار نے قلعے کے اندر جاکر دیکھا، چوبیس سوار آئے ہیں۔ کل حال پوچھا، اور کشتی کی طرف واپس چلا۔ آزاد سے یوں حال بیان کیا۔

سوار: حضور کمکی فوج یہاں سے ایک میل پر آگئی ہے۔ آج تھکی ہے۔ کل تک یہاں پہونچ جائے گی۔ گرد آوری کے سوار اطلاع کے لیے آئے ہیں۔ افسر کمانیر نے اسی وقت اس کالم کو بھی اطلاع دی ہے جو قلعہ کے باہر ہے۔

آزاد: کتنے آدمی ہیں۔ ہیں کوئی پانچ چھ ہزار؟

سوار: یہ تو نہیں پوچھا۔ دریافت کر آوں لپک کے؟

آزاد: نہیں کچھ ضرورت نہیں (مانجھی سے)، چلو جنگل کے رخ۔

مانجھی: بہت خوب خداوند اس وقت جنگل ہی کے چلنے کی بہار ہے۔ دریا گھوم گھام کر چکر کھاتا ہوا گیا ہے۔ اور بعض بعض مقاموں پر اونچے نیچے درختوں کے سایے سے دریا بالکل تیرہ و تار ہے۔ گھنے درختوں نے بالکل تاریک کر دیا ہے۔

آزاد: بس ایسے مقام سے ہم بہت خوش ہوتے ہیں۔

مانجھی: حضور ضرور چلیے اور روز چلا کیجیے۔ بس کوئی چار گھڑی دن رہے چلا کیجیے۔ بڑی سیر ہوتی ہے۔ بس ادھر اُدھر شکار کیجیے۔ اور بھون بھون کے گوشت کھائیے۔ آج کل شکار کی بہار ہے۔

آزاد: یہ ندی کس دریا سے ملی ہے؟

مانجھی: دریائے ڈینیوب سے ملی ہے۔ یہاں سے دو کوس کے بعد اس کا پاٹ اور بھی چوڑا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آزاد: یہاں پر تو بالکل ذرا سا پاٹ ہے۔

مانجھی: دیکھیے سامنے ہی کے جنگل میں شکار کے لیے وزیر اور سلطان آگے جایا کرتے تھے۔

اب اس مقام پر پہونچے، جہاں اشجارِ رفیع دریا کے دو رویہ اس قدر گھنے تھے کہ دریا کا پانی ان کے سایے کے نشیب فراز اور دریا کا چکّر کھا کر بہنا۔ اور درختوں پر طیورِ خوشنوا کا جھرمٹ، عجب لطف دکھاتا ہے۔ میاں آزاد نے ایک بندوق بادہوائی کی تو آواز تمام جنگل میں گونجنے لگی۔ ریاض پاشا اور محمد پاشا وغیرہ جو شکار کھیلنے گئے تھے، بندوق کی آواز سن کر متحیّر ہوئے ان کی بندوقوں کی آواز یہ لوگ سنتے تھے، مگر ان کو معلوم تھا کہ شکار کھیلنے گئے ہیں۔

ریاض: یہ بندوق کیسی دغی۔ اور آواز دریا کے رخ آئی ہے

محمد: ہاں بے شک آئی تو اسی طرف سے۔

سوار: میں جا کر دیکھتا ہوں۔ شاید کسی گانوں والے نے سر کی ہو۔

ریاض: دو تین آدمی ساتھ جا کر دیکھیں۔

محمد: اجی کوئی ہمارے ہی لشکر کا ہوگا۔

ریاض: تو اس طرف سے آواز کیوں کر آئی۔

اتنے میں میاں آزاد نے پھر گولی چلائی۔ اب ریاض پاشا متوحّش ہوئے جتنے آدمی ان کے ساتھ موجود تھے سب سے کہا کہ بندوقیں بھر لو، اور دو سواروں کو حکم دیا کہ جس طرف سے گولی کی آواز آئی ادھر جا کر دیکھو کون ہے۔

سوار: اگر وہ ہم پر گولی چلائیں تو ہم جواب دیں یا نہ دیں؟

ریاض: بے شک جواب دو۔ مگر ہم کو بھی اطلاع ہونی چاہیے۔

سوار: ایک آدمی دوڑا دیں گے۔

یہ کہکر سوار اس طرف چلا۔ میاں آزاد نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جب سے ہم نے گولی چلائی، ادھر سے ایک گولی کی بھی آواز نہ آئی معلوم ہوتا ہے وہ لوگ خائف ہو گئے۔ شاید سمجھے ہوں کہ غنیم کمین گاہ میں تھا۔ ورنہ وجہ کیا کہ بندوق کی آواز نہ آئی۔ اتنے میں تین ترکی سواروں نے کشتی دیکھی۔

ایک سوار: یہ تو ہمارے ہی لشکر کے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دوسرا سوار: ہاں ہاں وہ آزاد پاشا بیٹھے ہیں۔
تیسرا سوار: بندوق بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔

ادھر میاں آزاد اور ان کے ساتھیوں نے ان سواروں کو دیکھا۔ جب کشتی کے قریب آئے تو ایک سوار نے کہا کہ ادھر آپ نے گولیاں چلائیں، اور اُدھر ہم لوگ متحیّر ہوئے کہ الٰہی یہ کون ہے۔

الغرض آزاد پاشا، اور ریاض پاشا کشتی پر سوار ہوتے۔ اور قلعہ میں داخل ہو کر کمکی فوج سے حالات دریافت کرنے لگے۔

کمکی فوج کے ایک افسر رسالہ نظام پاشا نے یوں بیان کیا۔

نظام پاشا: جب دریائے ڈینیوب سے روسی اس طرف عبور کر آئے۔ تو مقام نکوپولس میں جنگ ہوئی۔ روسی اور اہل رومینیا دونوں نے مل کر ترکوں کی فوج پر گولے برسائے تھے۔ ایک مقام سے ترکوں کو ہٹ آنا پڑا، مگر اس عجلت سے کہ کسی قدر سامان رَسَد وغیرہ وہیں چھوٹ گیا، اور روسیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ بڑی سخت جنگ ہوئی، اور عرصہ دراز تک توپوں کی آواز سنی۔ میدان گونج رہا تھا۔ اس جنگ میں روسیوں اور رومینیا کی فوج کے بہت سے آدمی مقتول ہوئے۔ کئی ہزار آدمی کام آتے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ترکوں نے اس مقام پر خوب ہی مقابلہ کیا۔ سوار اس بسالت سے لڑے کہ باید وشاید، اور فوج پیادہ نے بھی وہ کام کیا کہ روسیوں کے چھکّے چھڑا دیے۔

ریاض: جنگ نکوپولس ہمارے اہل وطن کی جرأت کا نمونہ ہے۔
علیفو: ابھی دیکھتے جاتے۔
سوار: خون کی ندیاں بہیں گی۔
ریاض: پھر جنگ کا تو قاعدہ ہی ہے۔
سوار: جنگ کریمیا کے وقت ہمارا سن کوئی انیس[19] برس کا تھا۔ ہمیں طرفین کی کارروائی کا حال بخوبی یاد ہے۔
ریاض: نکوپولس کی جنگ کا اچھا انجام نہ ہوا۔
نظام: کئی گھنٹے تک جنگ رہی۔ دونوں طرف سے آگ برستی تھی۔ مگر روسیوں کی جماعت زیادہ تھی۔ ترک کم تھے۔ گو مقابلہ تو ایسا کیا کہ روسی فوج آج تک مدّاح ہے مگر ایک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کی دوا دو۔ دس آدمی کہیں سو کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

آزاد: فوج میں اس قدر کمی و زیادتی قیامت ہے۔ ترک کہاں تک لڑے۔ ہاں اگر بیرونی مدد پہونچتی، تو روسی تماشہ دیکھ لیتے۔ چھکے چھوٹ جاتے۔ پھر ایک تدبیر کارگر نہ ہوتی۔

نظام: جب ترکوں نے دیکھا کہ فوج روس کی جماعت بہت زیادہ ہے، تو قلعے میں چلے گئے مگر ان کے کالم نے روس کی اس فوج پر حملہ کیا جو آگے بڑھی ہوئی تھی۔ روسی گھبرا گئے، اور قریب تھا کہ بھاگیں، مگر رومینیا کی فوج نے بلند مقاموں سے باڑھ ماری۔ اب فرمایئے فوج ایک کالم سے لڑے یا دو کالموں سے، اور پھر ایسی حالت میں کہ وہ دونوں کالم جماعت میں زیادہ ہوں۔ بڑا نازک وقت تھا۔ ترکوں نے رات کو قلعہ خالی کر دیا۔ اور مقتضائے مصلحت بھی یہی تھا، ورنہ دوسرے روز روسی محاصرہ کرکے داخل ہو جاتے۔

آزاد: قلعے کی رسد تو نہیں رہ گئی تھی۔

نظام: نہیں ترکوں نے قلعہ خالی کرنے کے قبل کل سامان کو جلا دیا، اور خاص خاص عمارتیں بھی سوخت کر دیں۔ ایسے کچے تھوڑا ہی ہیں۔ مگر ان کارروائیوں میں صرف سوار اور سپاہی قابلِ تعریف ہیں۔ افسروں نے جنگی امور کی لیاقت مطلق نہیں ظاہر کی۔ ایک زمانہ یہی کہتا ہے۔

ریاض: کچھ آدمی قید بھی تو ہو گئے۔

نظام: ہاں مگر ترکوں کی حیثیت کے سبب سے قید نہیں ہوتے۔ سبب صرف یہ تھا کہ افسروں نے عاقبت اندیشی سے کام نہیں لیا۔

ریاض: افسوس صد افسوس!

آزاد: بس یہی تو رونا ہے۔

نظام: قسطنطنیہ میں ایک ایک بچہ جان بکف ہے۔

آزاد: یا خدا یہی جوش افسروں میں بھی آجائے۔

نظام: اگر افسر لیاقت سے کام کرتے تو نکوپولس اس قدر جلد خالی نہ ہونے پاتا۔ ترک جس جواں مردی سے لڑتے ہیں، اس کا حال کوئی غنیم سے پوچھے۔ خود روسیوں کی مراسلت سے یہ ظاہر ہے۔ اگر افسرانِ ترک کی رگِ حمیت بھی مثل سپاہ جوش زن ہوتی تو نکوپولس اور سِستوا کے درمیان میں آمد و رفت بند کر دیتے، اور پھر روسیوں کے کرتے دھرتے ایک نہ بن پڑتی۔ کوئی ایسی تدبیر کرتے کہ پل شکست ہو جاتا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ریاض: ایشیائی ترکی میں ابھی اچھی کارروائی ہو رہی ہے۔

نظام: وہاں ابھی تک ہم کسی قدر غالب ہیں۔ روسی دور تک بڑھ آئے تھے۔ مگر بے تکے پن کے ساتھ۔ اب وہ ہٹا دیے گئے، اور خود ان کے ایک صوبہ میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔

نظام پاشا نے کل حالات مفصل بیان کیے۔ شب کو کوئی دو بجے کے وقت گرد آوری کے سواروں نے آن کر افسر کمانیر کو اطلاع دی کہ جو کالم باہر بھیجا گیا تھا، اس سے روس کے ایک کالم سے جھڑ گئی، اور ہماری فوج کو مدد کی بڑی ضرورت ہے۔ افسر کمانیر نے اسی وقت حکم دیا کہ فوج فوراً تیار ہو۔ حکم پاتے ہی سواروں اور پیادوں، اور افسروں نے تیاری کی، ادھر بگل بجا، ادھر فوج جھٹ پٹ تیار ہو گئی۔ اور قاعدے کے موافق پرے جمائے ہوئے۔ قلعے سے چلی۔ افسر کمانیر بھی ساتھ ہوتے۔ آزاد پاشا بھی اس فوج کے ساتھ تھے۔ راستہ میں انھیں خیال تھا تو صرف اس قدر تھا کہ ان کا خط حسن آرا بیگم کے پاس پہونچ جاتے۔ مدت سے کوئی خط نہیں بھیجا ہے۔ وہ بیچاری خدا جانے اس کوتاہ قلمی کو کس امر پر محمول کرتی ہوں گی دل میں طرح طرح کے خیالاتِ بد راہ پاتے ہوں گے۔ کبھی کہتی ہوں گی کہ آزاد دیکھو بھول گئے ہوں۔ خیال کرتی ہوں گی کہ شاید فوج میں کوئی عہدہ نہ ملا ہو۔ یا خدا میرا خط جلد پہونچا دے۔ ایسا ہو کہ راستہ میں ڈاک لٹ جاتے، یا کوئی اور حادثہ ہو، اور خط وہاں تک نہ پہونچے:

لیے جاتا ہے نامۂ بیکس
بال بیکا نہ ہو کبوتر کا

پانچ میل پر فوج لگی اس کالم سے ملی۔ معلوم ہوا کہ روسیوں کا مورچہ سامنے ہے، روسیوں نے چار گولے چلائے۔ ترکوں نے بھی جواب دیا مگر پھر گولہ اندازی موقوف ہو گئی۔ فوج ایک گانوں کے قریب ٹھہری تھی۔ میاں آزاد نے دیکھا کہ ایک ہندی اس گانوں کے ایک درخت کے سایے میں بیٹھا ہوا حقّہ پی رہا ہے۔ قریب جا کر غور سے دیکھا تو گھٹنّا اور کرتا، اور انگرکھا، اور چوگوشیہ ٹوپی، اور چڑھواں مخملی جوتا۔ پوچھا آپ ہندوستان میں رہتے ہیں؟ اس شخص نے مسکرا کر کہا جی ہاں۔

آزاد: کس شہر میں دولت خانہ ہے خاں صاحب۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خان: آپ تو خوب پہچان گئے کہ خاں صاحب ہیں۔ میں رام پور میں رہتا ہوں۔

آزاد: یہاں کس تقریب سے آنا ہوا۔

خاں: ایک صاحب کو پڑھاتا ہوں۔ انھیں کے ساتھ چلا آیا۔

آزاد: تو میدان جنگ میں آپ کیوں کر آئے۔

خاں: وہ ایک اخبار کے نامہ نگار ہیں۔

آزاد: ہندوستان کی کوئی خبر کہئے۔

خاں: ہندوستان میں آج کل گھر گھر یہی ذکر ہے کہ میاں آزاد نامی ایک صاحب حسب مقتضائے حمیّت اسلام ترکی گئے ہیں۔ اور وہاں شریک جنگ ہوئے ہیں۔ اگر سُرخرو واپس آئیں گے تو ایک نوجوان بیگم ان کو عقد نکاح میں لائیں گی میاں آزاد کی چوطرفہ دھوم ہے۔ چھوٹے بڑے سب مدّاح ہیں اور واللہ ہم تو ان بیگم صاحب کی حمیت کے قائل ہیں۔ آفریں۔

آزاد: وہ بیگم کون ہیں؟

خاں: حسن آرا نام ہے۔

آزاد: خوبصورت ہوں گی۔

خاں: ہم نے ان کے حُسن وجمال کی بڑی تعریف سُنی ہے۔ اور حسینہ نہ ہوتیں تو میاں آزاد یہ زحمت کیوں اٹھاتے۔ حسن بھی عجب نعمتِ خداداد ہے۔

آزاد: ہم نے آزاد کا ذکر یہاں نہیں سُنا۔

خاں: ہم نے سنا کہ کسی شخص نے ان بیگم صاحب سے جا کر جڑ دی تھی۔ کہ میاں آزاد نے ترکی میں ایک سائیکن کو قتل کر ڈالا، اور سائیکن سے شادی کرلی۔ تو بیگم صاحب کی حالت کمال ردّی ہو گئی، اور اس درجہ صدمہ قلب پر پہونچا، کہ نبض ساقط ہو گئی۔ آدھ گھنٹے کامل لوگوں کو شک کے عوض یقین تھا کہ خدانخواستہ چل بسیں۔ اعزّا و اقربا نے زار زار رونا شروع کیا شہر بھر میں خبر مشہور ہو گئی۔ کہ حسن آرا بیگم رہگرائے خلد ہوئیں۔
گو میاں آزاد ضعیف الاعتقاد نہ تھے۔ مگر اس فقرے پر بے ساختہ ان کی زبان سے نکل گیا کہ (خدا نہ کرے)، اور یہ حال سن کر آبدیدہ ہو گئے۔ خاں صاحب نے کہا آپ کی آنکھوں سے کیوں آنسو نکلے۔ آزاد نے بات ٹالنے کے لیے کہا۔ یوں ہی۔ غم کا بیان سن کر مجھے رونا آتا ہے۔ اس میں جس کا ذکر ہو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

خاں: لوگ تجہیز و تکفین کی فکر میں تھے۔

آزاد: (روکر) افسوس۔

خاں: ان کے بہنوئی ایک نواب صاحب ہیں، وہ فوراً ڈاکٹر صاحب کو بلالائے ڈاکٹر صاحب نے کہا ابھی جان باقی ہے۔ معاً دوا پلائی گئی۔ چند منٹ کے بعد بیگم نے آنکھیں کھول دیں، تو خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

آزاد: شکر ہے شکر ہے۔

خاں: سنا کوئی ان کے اعزہ میں سے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ انھیں کے ساتھ نکاح ہو اور حسن آرا کہتی ہیں کہ شادی ہوگی تو آزاد کے ساتھ یا عمر بھر کنواری ہی رہوں گی۔ حشر تک شادی نہ کروں گی۔

آزاد: آفریں صد آفریں!

خاں: تو اس عزیز نے ایک اخبار میں یہ جھوٹی خبر چھپوا دی، کہ آزاد نے سائیں کی جورو کو گھر میں ڈال لیا ہے۔ بس حسن آرا ضبط نہ کر سکیں۔

آزاد: اس مردک کا نام بھی معلوم ہے آپ کو؟

خاں: جی نہیں۔ نام تو نہیں سنا۔

آزاد: کیسے کیسے بے ایمان دنیا میں ہیں۔

خاں: مگر وہ آزاد ہی کا دم بھرتی ہیں۔

آزاد: واہ ری بیگم۔ خدا اس کو فائز بمرام کرے۔

راوی: کیا خوب اچھی دعا رہے مگر (ہیں) ہم بھی کہتے ہیں۔ آمین آمین ثم آمین!

خاں: سنا ہے کوئی اور نوجوان عورت جوگن ہو گئی ہیں۔ وہ کہتی ہیں جب تک آزاد نہ آئیں گے تب تک میں جوگن ہی کے بھیس میں رہوں گی۔

آزاد: (متحیر ہو کر) وہ کون ہیں؟

خاں: دیکھیے ـــــ ان کا نام ـــــ شاید اللہ رکھی ہے۔

آزاد: ہاں ہوں گی۔

راوی: (ہوں گی) کی ایک ہی کہی ہے۔ کیا بھولے بنے جاتے ہیں۔

خاں: کوئی شہر ایسا نہیں جہاں آزاد کا چرچا نہ ہو۔

آزاد: قابل ملاقات ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تماشے کی تیاریاں

وہی بیگم صاحب جنھوں نے تماشے میں جانے کا قصد کیا تھا۔ تماشے کے دن سج دھج کے تیار ہوئیں۔ کمرے کی سجاوٹ کا حال کچھ نہ پوچھیے۔ دلہن کی طرح آراستہ تھا۔ عمدہ نین سکھ کی فیروزی چھت گیری۔ ہم رنگ جھالر لگی ہوئی۔ ارد گرد گوٹے کی چسک دی ہوئی۔ کمر ازنگاری، خوشنما استر کاری، چوطرفہ دیوار گیریاں، سبز رنگ کنول، بیش بہا مومی شمع، ندرت انتہا، بیچوں بیچ میں سبز جھاڑ۔ دائیں بائیں ایک ایک جھابلا۔ اس کا بھی سبز رنگ، اور سبز ہی رنگ کی ایک ایک ہنڈیا۔ دری پر چاندنی شفاف۔ اس پر قالین چین۔ ایک طرف بیگم صاحب کی مسہری تھی۔ گنگا جمنی پائے۔ ململ کی پوشش، چھتری میں جھالر لگی ہوئی، لیس ٹکی ہوئی، ہوائی تکیے، ادھر اُدھر رکھے ہوئے ہیں۔ کمرے کے سامان اور سبز رنگ سے مسہری کی رنگت بھی دھانی نظر آتی ہے۔ ایک طرف گل دستہ۔ ایک چنگیر میں جوہی کے ہار، جن کی بھینی بھینی خوشبو سے تمام کمرہ بسا ہوا تھا۔ دوسری چنگیر میں بیلے چنبیلی کے پھول، کرن پھول، بدھیاں، طوق، کنگن، بجلی، چھپکا، کسی طاق پر مربے کی اچاری۔ کسی میں سیب اور ولایتی انار، کسی میں کنٹر کیوڑا۔ کسی میں گلاب۔

بیگم صاحب نے پانچ بجے سے سنورنا شروع کیا۔ مغلانیاں چاندی کی سلفچیاں، اور آفتابہ لائیں۔ بیسن سے بیگم صاحب نے منھ ہاتھ دھویا۔ پھول والی گلی کی خوشبودار مسی لگائی۔ اس پر مزے دار گلوری کھائی۔ کتھا کیوڑے کا بسا ہوا۔ چکنی ڈلی، الایچی پڑی ہوئی۔ ایک زعفرانی گرنٹ کا پاجامہ اٹھارہ گز کا۔ اس پر آٹھ گز سبز گرنٹ کی گوٹ۔ گوٹ پر چٹکی کا لہریا۔ بیچ میں تھل ٹکے ہوئے۔ گوٹ کے آگے بنت لچکا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اور پھنسا ہوا شلوکا، آستینوں دار۔ ڈھاکے کی ململ کا دوپٹہ۔ ہلکا پیازی رنگا ہوا۔ زرد گرنٹ کی اتّو کی ہوئی گوٹ۔ پاؤں میں بلدار بیڑیاں، اور بانے پڑے ہوئے۔ ہاتھوں میں کڑے اور چوڑیاں، گلے میں چمپا کلی، کانوں میں انتیاں۔ ناک میں تلکڑی کی کیل۔ اس میں خوش رنگ فیروزہ جڑا ہوا۔ سیس پھول چوٹی پر لگا ہوا۔ پیاری پیاری انگلیوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں۔

مغلانی: حضور کے مزاج میں سادگی بہت ہے۔

مہری: حضور عقیق یمنی کی، انگوٹھیاں دو دن تو پہن لیں۔

بیگم: اونھ کیا ضرورت ہی کیا ہے۔

مہری: اچھا تو فیروزے ہی کی انگوٹھی پہنیے۔

بیگم: نہیں بس اب کچھ ضرورت نہیں ہے۔

مغلانی: اے بیگم صاحب گلے میں تلکڑی کا طوق پہن لیجیے جڑاؤ۔

پیش خدمت: اچھا تو جگنو تو پہنیے۔

مغلانی: کانوں میں خالی خولی انتیاں ہیں۔ حضور جھمکے تو ہم ضرور پہنائیں گے۔

بیگم: (مسکرا کر) اچھا خیر لاؤ۔

مغلانی نے جھمکے پہنائے، اور ساتھ ہی اس کے پتّے بالیاں بھی پہنا دیں۔

بیگم: اے لو اور سنو۔

مغلانی: حضور اللہ کا دیا سب کچھ ہے، اور یہی پہننے کے دن ہیں۔

بیگم: دیکھو ایسا نہ ہو وہاں ہلڑ ہو جائے، اور ہم کو جگہ نہ ملے۔

مہری: پالکی نکلواؤ۔

داروغہ: ایں! ابھی سے نکلوا کے کیا کرو گی۔ تم تو اور بھی ہلڑ مچائے دیتی ہو لاڈو۔

مہری: لاڈو کیا کرے۔ بیگم صاحب کا حکم ہے۔

داروغہ: (ڈیوڑھی پر آن کر) حضور ابھی تو سرِ شام ہے آٹھ بجے کے بعد تماشا شروع ہوتا ہے۔

بیگم: اچھا خیر۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

داروغہ : اور فنس پر تشریف لے چلیے گا۔

بیگم : اچھا تو پھر کبھی نہ نکلواؤ۔

سات بجے کے وقت فنس دروازے پر آئی۔ بارہ کہار بانا تی وردیاں ڈانٹے۔ گول پگڑیاں ان پر چاندی کی مچھلیاں۔ وردی پر زردوزی کام کیا ہوا۔ ہاتھوں میں چاندی کے موٹے کڑے۔ فنس کے اندر سبز مخملی گیتھے، اور سبز ہی مخمل کے تکیے۔ چین کی اطلس کی چھت گیری گرنٹ کی محراب، مقیش کے پھندنے لٹکے ہوئے سرزبفت کا چھٹکا۔ اردگرد سبز فیتہ ٹکا ہوا۔ بیگم صاحب چھم چھم کرتی ہوئی اتریں۔ دو مغلانیاں آگے ہوئیں۔ ایک داہنے، ایک بائیں۔ محلدار نے کہا فنس دروازے کے برابر لگاؤ۔ چپراسی نے چلا کر کہا جلد فنس لاؤ۔ حضور برآمد ہوتی ہیں۔ کہاروں نے دن سے فنس اٹھائی، اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر دروازے کے پاس لگائی۔ مغلانی نے مقابہ فنس میں رکھا، اور ایک طرف صندوقچہ لگا دیا۔ صندوقچے پر زربفت کا غلاف اور مقابے پر گرنٹ کا غلاف۔ دست پاک صندوقچے پر رکھا ہوا۔ بیگم صاحب تشریف لائیں موتیے کے عطر میں بسی ہوئی تھیں۔

بیگم : مغلانیاں پیش خدمتیں جلد سوار ہوں۔

مغلانی : بہت خوب حضور۔

بیگم : پردہ ہو جائے۔

چپراسی : حضور پردہ ہو گیا۔

بیگم صاحب فنس میں بصد ناز دل ربائی بیٹھیں۔ مغلانیوں نے چھٹکا چھوڑا، اور ریشمی ڈوریوں سے کس دیا دو مہریاں فنس کے اِدھر اُدھر اگے لیے ہوئے داہنے بائیں ساتھ تھیں۔ اور دو مہریاں فنس کا کونا دبائے تھیں۔ دو مشعلچی بھی دستی کپی لیے ہوئے آگے جاتے تھے مشعلچیوں کے آگے دو چوبدار، اور چار خاص بردار، چوپہلے پر مغلانی اور پیش خدمت۔

سوار : سواری اس ٹھسّے سے چلی اللہ رے ٹھاٹھ۔ راہ میں فقیر دوڑے اور سوال کرنے لگے۔

چناسائیں : خدا بیگم صاحب کو زندہ رکھے۔ مراتب اعلیٰ ہوں۔ دے ڈالیے چنا سائیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو ایک روپیہ پُرانا دعا گو ہے۔

ضعیفہ: اللہ میری بیگم صاحب کو صد و سی سال کی عمر عطا کرے۔ یہ بڑھیا سیر دی کھاتی ہے۔

فقیر: حضور یہ محتاج بےکس کئی دن کا بھوکا پیاسا ہے۔ نظر رحم کیجیے۔

فقیروں کو انعام ملتا جاتا تھا۔

الغرض تماشا گاہ کے دروازے پر سواری پہنچی۔ جیسے ہی فنس اندر جانے لگی صاحب نے کہا (ٹکٹ) مہری نے بیگم صاحب کا ٹکٹ دکھایا اور اپنے ٹکٹ دکھائے فنس دن سے اندر گئی مگر ویسے ہی صاحب نے کہا روک لو۔ کہاروں کا ٹکٹ فوراً دکھایا گیا۔ خاص برادروں کے پاس ٹکٹ موجود تھے۔

مہری: پہلے تو پانچ ہی ٹکٹ منگوائے گئے تھے۔

لاڈو: واہ صبح ہی کو تو داروغہ صاحب دوڑائے گئے تھے، کہ سب کے واسطے ٹکٹ لاؤ۔

پیش خدمت اور مغلانی کا چوپہلا بھی فنس کے برابر بائیں پر لگایا گیا۔

بیگم: اے مغلانی۔

مغلانی: حضور ارشاد۔

بیگم: تماشا کیا طلسمات ہے۔ یہ خیمہ کیوں کر کھڑا ہوا ہوگا۔

مغلانی: بیگم صاحب عقل کام نہیں کرتی۔

بیگم: اور نہ شمع ہے نہ جھاڑ نہ کنول۔ بیچ میں ایک موا گیت۔ یہ اتنی روشنی کہاں سے آئی۔

مغلانی: حضور سب جادو کا کھیل ہے۔

لاڈو: بڑے جادوگیر ے ہیں۔

بیگم: دیکھو یہ فرنگنیں کس طرح ڈٹی بیٹھی ہوئی ہیں۔

لاڈو: حضور ان کے یہاں پردہ کہاں ہے۔

بیگم: یہ لال لال وردی پہنے ہوئے کون ہندوستانی بیٹھے ہیں۔

مہری: حضور یہ باجا بجائیں گے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بیگم : اے کیا باجا بھی بجے گا۔ اے لو وہ ہندوستانی رئیس آنے لگے۔ یہ مرزا سکندر شکوہ ہیں۔ وہ نواب ہمایوں سطوت آئے۔ اف جان میں جان آئی۔ ہم تو سمجھے تھے۔ یہاں صاحب لوگ، اور گورے ہی ہیں۔ بارے ہمارے شہر کے رئیس بھی آنے لگے۔

مغلانی حضور سب آئے ہیں۔ مرزا جعفر بیگ وہ بیٹھے ہیں اور یہ دیکھیے اس کونے پر چھوٹے صاحب ہیں۔ ہندوستانی اور فرنگی سب ہی آئے ہیں۔ جلسہ دیکھنے لائق ہے۔ اے یہ روشنی کس چیز کی ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہے کیا بھید، اور سارے خیمے میں اجالا ہو گیا۔

مہری : سب جادو کا زور ہے۔

مغلانی : ہاں ہے تو ایسا ہی۔

بیگم : اور وہ شیر۔ اور بندر اور بن مانس کہاں ہیں؟

مغلانی : اللہ جانے کہاں ہیں۔

مہری : ابھی تماشا تو شروع ہی نہیں ہوا۔

بیگم : یا اللہ کب تک تماشا شروع ہوگا۔ بی مغلانی یہ انگریز کا لونڈا کیوں سامنے کھڑا ہے۔ کالے کالے کپڑے پہن کے۔

مغلانی : خدا جانے حضور۔

بیگم : اس سے کہہ دو کہ سامنے سے ہٹ جائے۔ آڑ ہوتی ہے۔

اتنے میں داروغہ صاحب نے چق کے قریب آن کر کہا آداب بجا لاتا ہوں۔

بیگم : اس وحشت کے صدقے، آداب عرض کرنے کا کون موقع تھا۔ کہو اب تماشا کب تک شروع ہوگا۔ بڑی دیر ہو گئی۔ چلو بھی۔

داروغہ : تماشا شروع ہوا ہی چاہتا ہے۔

بیگم : میں تو اکتا گئی۔

داروغہ : بس شروع ہوا ہی چاہتا ہے۔

بیگم اوئی جب سے یہی کہہ رہے ہیں، کہ شروع ہوا ہی چاہتا ہے۔ اچھا فنس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

منگواؤ۔ ہم اب جائیں گے بیٹھے بیٹھے اکتا گئے۔

داروغہ: نا حضور۔ اب کوئی دم میں شروع ہوا، داخل ہے۔

بیگم: ایسے تماشے سے ہم درگذرے۔

داروغہ: اچھا دس منٹ اور بیٹھیے۔

مغلانی: ہاں ہاں بیٹھیں گی کیوں نہیں۔

داروغہ: وہ لیجیے تیاریاں ہونے لگیں۔

تماشا تو ابھی شروع نہیں ہوا جب شروع ہوگا تو اس کا بیان نذر ناظرین کیا جائے گا۔ بالفعل لگے ہاتھوں ایک خدمت گار کی حاضر جوابی کا حال سنیے: مگر ذرا غور سے۔

خواجہ اور بندہ، آقا اور نوکر، تو بہت دیکھے۔ لیکن یہاں سلارو کے سے شریر، اور زبان دراز کم۔ کسی بات میں چوکتا ہی نہ تھا۔ میاں نے کچھ کہا، اور سلارو نے بات کاٹ دی۔ آقا نے ایک بات کہی، اور سلارو نے ٹیٹوا لیا۔ گالیاں دینا برا بھلا کہنا، بات بات میں اُلّو بنانا، ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا، اور میاں بھی ایسے گوکھے ملے کہ خدا کی پناہ:

خواجہ با بندۂ پری رخسار چوں در آید ببازی و خندہ
چہ عجب کو چو خواجہ حکم کنند
وین کشد بار ناز چوں بند

یہ البتہ سنا کرتے تھے، مگر اب سنا کہ میاں سلارو ساٹھ برس کا کھوسٹ، اور آقا کو بات بات میں ڈپٹ لے۔

اب سنیے! کہ میاں سلارو آدمی تھے چالاک، اور شریر۔ آقا ملے بے وقوف اور گوکھے۔ بس ان کی چاندی تھی۔ پانچوں گھی میں اور سر کڑھائی میں۔ اِدھر اُدھر سے مقدمے والوں کو پھانس پھونس کے لے آتے تھے، اور انھیں کی بدولت رونیوا یجنٹ صاحب کی روٹیاں چلتی تھیں۔ لہٰذا خواہ مخواہ دبتے تھے۔ ایک روز رونیوا یجنٹ نے دروازے پر، باہر سے لات ماری، اور کہا: کھول دو دروازے جب تک سلارو جائے جائے۔ انھوں نے آسمان سر پر اٹھایا، اس قدر غل

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مچایا کہ الامان!

آقا : کھول، جلد کھول۔ جلدی کھول۔

سلارو : تو گڑ بڑائے کیوں جاتے ہو۔

آقا : کھولتا ہے یا باتیں بناتا ہے۔

سلارو : معلوم ہوتا ہے، آج بارہ تیرہ گندے پیسے کہیں سے مل گئے ہیں۔

آقا : کھول۔

سلارو : (دروازہ کھول کر) لو کھولا۔

آقا : اتنی دیر لگاتا ہے۔

سلارو : کیا ماجرا کیا ہے۔ گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟

آقا : ہم گھبرائے ہوئے ہیں، کیوں صاحب؟

سلارو : اجی گھبرائے ہوئے نہیں تو بوکھلائے سہی۔

آقا : سبحان اللہ اچھی تعریف کی۔

آقا : سلارو، تماشا دیکھنے چلو گے؟

سلارو : کس کا تماشا۔

آقا : کس کا تماشا ہوتا ہے۔

سلارو : بندر والے کا تماشہ۔ ریچھ کا تماشا۔ پتلیوں کا تماشا نٹ کا تماشا۔ بھان متی کا تماشا۔ ناچ کھلاڑی دھنک دھنا۔ ہے کہ نہیں۔

آقا : ارے نادان صاحب کا تماشا۔

سلارو : ہم نے آج تک نام بھی نہیں سنا۔

آقا : ایک روپیہ ٹکٹ ہے۔

سلارو : اجی ہم روز آپ کا تماشا دیکھتے ہیں۔ اور بن کوڑی، بن دام، جب تماشا دیکھنا ہو، ایک بات چھیڑ دی۔ آپ پر کوئی پھبتی کہہ دی۔ کوئی فقرہ چست کیا۔ کوئی آوازہ کسا۔ آپ جھلائے، چلیے تماشا ہوگیا۔

آقا : کیوں پٹو گے؟

سلارو : آپ بھی اتنے ہوئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آقا: تماشا قابل دید ہے۔

سلارو: بھلا ان تماشے والوں کو کچھ مل رہے گا۔

آقا: خوب پیدا کرتے ہیں۔

سلارو: تو پھر ہم آپ کو بندر بنا کے، ادھر اُدھر لے چلا کریں۔ وکالت میں تو آپ کو ٹکا نہ ملے گا۔ پورے وکیل آپ ہیں نہیں۔ ایجنٹی میں آپ کو کوئی پوچھتا نہیں۔ ہم تو جانتے ہیں، اور کچھ نہ کیجیے، دو بندریاں لیجیے، اور بکرا۔ ہم اور آپ شہر بھر میں چکر لگانا کریں۔ کھانے بھر کو مل ہی جائے گا۔

آقا: بھئی کوئی تماشا بتاؤ۔

سلارو: ایک کام کیجیے۔ دو تین نٹنیاں نوکر رکھ لیجیے۔ سارنگی آپ کے ہاتھ میں ہو۔ آگے آگے وہ چھم چھم کرتی جاتی ہوں۔ بگڑے دل آوازے کسیں۔ آپ ہنسیں۔ چھ گنڈے پانچ گنڈے روز پیٹ لیا کیجیے۔ اور دلگی کی دلگی۔

آقا: روپیہ پیدا کرنے کی کوئی تدبیر سوچو۔

سلارو: کیا بتائیں۔ آپ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔

سلارو نے کہا آپ بتاؤ کہاں تماشا ہے؟

آقا: بھئی، انگریز آئے ہیں۔ ان کے ساتھ چالیس گھوڑے ہیں۔ ایک سے ایک بڑھا ہوا۔ پری کی صورت پیش و پس بھاری۔ تھوتھنی چھوٹی، پیشانی چوڑی، عضو عضو سانچے کا ڈھلا ہوا۔ تین شبر ہیں۔ ان سے ایک آدمی جا کر لڑتا ہے۔

سلارو: چلو بس گپ نہ اڑاؤ۔ سوائے ڈینگ کے دوسری بات ہی نہیں۔ جب دیکھو گپ ہی اڑاتا ہے۔ ڈینگیا زمانے بھر کا۔

آقا: (دھول لگا کر) ہائیں! بدتمیز، پھر کہیے گا۔

سلارو: قصور ہوا۔ دھوکے میں پھنس گیا۔ سمجھا تھا کچھ اور ہو گئی کچھ اور۔

آقا: سمجھا کیا تھا آخر، یہ تو سمجھا کیا تھا؟

سلارو: اس وقت کچھ خیال نہ رہا یہ تو یاد نہ آیا کہ ہمارے آقا سے اور ہم سے گفتگو ہوتی ہے۔ سمجھا کہ مدّی لکڑہارے کا لونڈا باتیں کر رہا ہے۔

آقا: تو غلطی کی نہ۔ پھر غلطی کا خمیازہ کھینچو۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سلارو: پھر چوں تک بھی تو نہیں کیا۔ چپ چاپ پتا گیا، خاموش ہو رہا۔
آقا: شاباش، مگر کڑی بات ہم نہیں سہہ سکتے۔ چاہے کہہ کے دیکھ لو۔ ادھر کسی نے کڑی بات کہی، اور ادھر ہم پیٹ چلے۔ اس میں چاہے کوئی ہو۔
سلارو: ہاں میاں یہی بات ہے۔
آقا: بس اب توبہ کرو، کہ آج سے نہ کہیں گے۔
سلارو: کان پکڑ کے توبہ کی۔ آج سے کہیں، تو جو چور کی سزا وہ ہماری۔
آقا: بس اب ہم تم سے خوش ہو گئے۔
سلارو: ہونھ، ہم سے خوش نہ ہو تو بھیک بھی مانگنے لگو۔
آقا: پھر وہی بات۔
سلارو: کیا کچھ جھوٹ ہے۔
آقا: تو ہم تیری بدولت جیتے ہیں۔ کیوں بے؟
سلارو: موقوف کر کے دیکھ لو۔ دوسرے ہی دن چوری کرا دوں۔ اوّل تو آپ کے پلّے کیا ہے، مگر مورا شبنم طوفان،" آفتابہ اور اضافی اور دو جوڑے کپڑے، دست پناہ، آبخورہ، کٹورہ، پتیلی، اگال دان اور بچھونا، یہی، اگر کوئی سمیٹ لے جائے تو رو دو۔ ہونھ ہم سے سیانا سو دوانا۔ آقا کو غصّہ آیا لکڑی لے کر دوڑے، سلارو نے کوٹھری کا دروازہ بند کر لیا۔
آقا: (دروازے پر لات مار کر) او نابکار! اپنے باپ کی قسم کھا۔
سلارو: میرا باپ ہی مر جائے جو جھوٹ کہتا ہوں۔
آقا: تیرا باپ کہاں ہے۔
سلارو: یہاں سے بہت دور۔
آقا: آخر کچھ نام بھی ہے' اس مقام کا کہ نہیں؟
سلارو: خدا گنج۔
آقا: تو پھر اس کے مرنے کی قسم کیسی۔ اپنے لڑکے کی قسم کھا۔
سلارو: واہ اپنے لڑکے کا تو نمک کھاتا ہوں۔
آقا: کس کا نمک کھاتا ہے، یہ تو نے کیا کہا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سلارو: حضور کا نمک کھاتا ہوں نہ۔ پھر حضور میرے شاگرد ہوئے، تو لڑکے ہوئے یا نہیں ہوئے۔

آقا: بس بہت بکو نہیں۔ جھک نہ مارو۔

سلارو: بہت بہتر۔

آقا: سنو! ہم ایک شرط سے دروازہ نہ کھلوائیں، کہ اس شعر کے معنی بتا دو۔

سلارو: تو میں کچھ پڑھا لکھا ہوں بھلا؟

آقا: شعر کے معنی بتا دو، تو لوگ ہماری تعریف کریں کہ نوکر تک پڑھے لکھے ہیں۔

سلارو: اچھا فرماؤ۔

آقا: دھت گدھے۔ ایسے فرمائیے کہا کر۔ فرماؤ نہیں کہتے۔

سلارو: بہت خوب۔ اب وہ شعر تو فرمائیے۔

آقا: ہاں یہ صحیح ہے۔ سن!:

چھپا چرا کر کبھی جو پی لی تو اس سے کیا فائدہ ہے قاضی
نہ مے کدے میں جگہ ملے گی نہ مے کشوں میں شمار ہو گا

سلارو: اس کے معنی یہ کہ مفت کی شراب قاضی کو بھی حلال ہے۔

آقا: اچھا اور آگے۔

سلارو: اجی کوئی چھوٹا سا شعر پڑھو۔ یہ تو شیطان کی آنت ہے۔

آقا: اچھا سنو!

ہو گیا دل بھی انھیں کی جانب
یہ بھی کم بخت ہمارا نہ ہوا

سلارو: ہمارا دل بھی ہمارا یار نہ ہوا۔

آقا: (مسکرا کر) بڑا شعر ہے۔ ہر بات میں مسخرہ پن۔

سلارو: آپ تو بن ناحق کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں۔ بڑے حضور ہیں یا میں ہوں۔

آقا: ہاں اچھی کہی۔ انعام کے قابل کہی۔ مگر اس وقت کچھ ہے یا نہیں۔

سلارو: ہونھ، اس وقت کیا معنی۔ اور ہوتا کس وقت ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آقا: ہمارے پاس دولت نہیں ہے۔ مگر ایک دولت ہے وہ کیا؟

سلارو: اجی ہم جانتے ہیں۔ ہم سے کچھ چھپا نہیں ہے۔

آقا: واہ۔ اچھا کیا ہے۔ بتاؤ تو؟

سلارو: وہ دولت میاں سالار بخش ہے۔

آقا: دُت پاگل، ہماری دولت استغنا ہے۔

سلارو: واہ جب ملے اور نہ لو، تب البتہ کہیں کہ پرواہی نہیں۔ اور جو ملے ہی نہیں تو کیا۔ عصمتِ بی بی' از بے چادری۔

آقا: اگر چاہوں تو خدا کی قسم دس ہزار روپیہ دو دن میں جمع کر لوں۔

سلارو: مگر دس برس کو پیچھے بھی جاؤ کالے پانی (دروازہ کھول کر)

آقا: اس سے مطلب؟

سلارو: دس ہزار آپ دو دن میں کیوں کر جمع کر سکتے ہیں سوائے اس کے کہ چوری کیجیے یا دغا بازی۔

آقا: چوٹے کوئی اور ہوتے ہوں گے۔

سلارو: صورت تو ایسی ہی ہوتی ہے۔

آقا: (لکڑی تان کر) کس کی؟

سلارو: ہماری اور چوروں کی اور کس کی۔

آقا: ہاں یہ مانا۔

سلارو: (پیچھے ہٹ کر) تو میں نے فقط اپنی ہی صورت کا ذکر تھوڑا ہی کیا تھا۔ میں نے آپ کو بھی شامل کیا تھا۔ جی حضرت!

آقا: مسخرے ہو پورے۔

سلارو: حضور سے کم ہی کم۔

آقا: ارے یار شبّو کا پتہ لگاؤ۔

سلارو: یار کی ایک ہی کہی۔ نوکر سے اب یار چے ہوئے۔

آقا: اگر کوشش کرو تو پتا لگا ہی چھوڑو۔ تم بڑے چالاک اور فقرہ باز آدمی ہو۔ مگر جب کوشش کرو نہ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مصیبت تو یہی ہے کہ تم کوشش نہیں کرتے ورنہ پتہ ضرور لگ جاتا:

ہر چیز کہ دل بداں گراید
گر جہد کنی بدست آید

یعنی اگر دل مائل ہو کہ فلاں چیز ملے، تو کوشش سے وہ ہاتھ آسکتی ہے۔

سلارو: تو آپ کوشش کر کے، کہیں سے عقل تو لے لیجیے۔

آقا: ہم کو عقل کی ضرورت ہی کیا ہے۔

سلارو: (مسکرا کر) ہاں گدھے پن کی سلامتی سے عقل کیا کیجیے گا۔ جھیپے تو نہ ہوگے۔ جو بات کہتے ہو بھونڈی، بے تکی، واہیات۔ یوں کہنا تھا کہ ہم کو تو عقل کا ہیضہ ہوا ہے۔ کیوں کتنا بڑھ کے فقرہ ہوتا ہے۔

آقا: چلو اب تماشے کا ذکر کرو۔

سلارو: کہہ چلیے میں سنتا ہوں۔

آقا: درجۂ اوّل کے چار روپے ہیں۔

سلارو: اف! الٰہی توبہ۔

آقا: درجۂ دوم کے دو روپے۔

سلارو: الٰہی توبہ!

آقا: درجہ سوم کا فقط ایک چہرہ شاہی ہے۔

سلارو: "مور را شبنم طوفان"، یہ بھی بہت ہے۔

آقا: ہم تو ایک روز ضرور جائیں گے۔

سلارو: ایک دن دکھلائیں گے۔

آقا: شرارت سے نہیں جو کہتے تم۔ کیوں؟

سلارو: پیٹھ پیچھے کہیں تو: چور، بدمعاش، چغل خور، ہم تو منھ کے سامنے کہتے ہیں۔ صاف صاف بے لگاؤ۔

آقا: شاباش، بڑے کہنے والے ہو۔ ع

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت ست

سلارو: فارسی ہم نہیں پڑھے ہیں۔ گلستان پڑھی تھی، وہ بھی بھول گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آقا: پتھر پڑیں تمھاری عقل پر۔ بڑے کم فہم ہو۔
سلارو: بیش باد۔ ہم خوش۔ ہمارا خدا خوش۔
آقا: کل سے ایک گھنٹہ پڑھا کرو۔ ہم پڑھایا کریں گے۔
سلارو: واہ کچھ پڑھ کے آپ نے بنالیا، کچھ ہم بنالیں گے۔ اجی بس جاؤ بھی۔ پڑھیں فارسی بیچیں تیل، یہ دیکھو قسمت کے کھیل۔
آقا: تو ہم تیل بیچتے ہیں؟ کیوں بے۔
سلارو: آپ پڑھے لکھے ہو کر بے بے کرتے ہیں۔ کیوں صاحب؟
آقا: (مسکرا کر) تم پرلے سرے کے بدمعاش ہو۔
سلارو: خیر یہی سہی۔ جو کہیے بجا ہے۔
آقا: کل سے گلستاں پڑھا کرو۔
سلارو: اور آیتوں کے معنی کون بتائے گا۔
آقا: ہم:

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ   کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ   صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

سلارو: ہاں عربی بھی پڑھے ہو۔ واہ وکیل صاحب۔
آقا: اجی ہمیں کیا نہیں آتا۔
سلارو: مگر قسمت پھوٹی ہوئی ہے۔
آقا: قسمت تمھاری خود پھوٹی ہے۔ بدمعاش، کوستا ہے ہمیں۔ اس پر آقا بہت جھلائے، اور سلارو دوڑ کے بھاگ گئے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

فرہنگ فسانہ آزاد

فسانۂ آزاد، الفاظ و محاورات اور ضرب الامثال کا خزانہ ہے۔ اس میں عربی، فارسی سنسکرت، ترکی، انگریزی اور بعض دوسری زبانوں کے الفاظ موجود ہیں۔ لیکن زیادہ تعداد ان الفاظ کی ہے جو عربی اور فارسی سے اردو میں شامل ہوئے ہیں۔ ایسے تمام الفاظ مستند لغات میں مل جاتے ہیں۔ یہ مختصر فرہنگ صرف ان الفاظ پر مشتمل ہے جو عام طور پر کم استعمال ہوتے ہیں یا متروک ہو چکے ہیں۔ ایسے الفاظ کو معانی کے ساتھ فرہنگ کی صورت میں شامل کیا جا رہا ہے تاکہ پڑھنے والے اہلِ ذوق حسبِ ضرورت استفادہ کر سکیں؛ اور ان کو ضخیم لغات کی ورق گردانی کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ لیکن ماہرین زبان و ادب کے لیے فرہنگ کی چنداں ضرورت نہیں۔

عربی محاورات اور امثال کے علاوہ مذہبی کتابوں کے کچھ مکمل اور نامکمل جملے بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ بعض کئی کئی بار آئے ہیں ان کو بھی فرہنگ کے ساتھ مع معانی شامل کر دیا ہے، جن مشہور عالموں، ادیبوں اور شاعروں کا ذکر آیا ہے۔ ان کا مختصر تعارف بھی ضروری تھا۔ اسی طرح لکھنؤ کی جن قدیم عمارتوں اور محلّوں کے نام کتاب میں آتے ہیں ان کے متعلق اختصار کے ساتھ تاریخی کتابوں کی مدد سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

فرہنگ کی تدوین میں، نور اللغات، جامع اللغات، فرہنگ عامرہ اور مہذب اللغات سے مدد لی گئی ہے۔ اشخاص کے تعارف کے سلسلہ میں اردو فارسی کی مستند ادبی تاریخوں اور تذکروں کو پیش نظر رکھا ہے۔ عمارات کا تعارف، تاریخ سلاطین اودھ (از کمال الدین حسینی) اور تاریخ اودھ (از نجم الغنی)، نادر الوجود (از منشی نولکشور) اور تاریخ فرح بخش وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ اور ان کی موجودہ حالت کے متعلق اپنا چشم دید حال لکھا ہے۔ تفصیلات کے لیے مذکورہ کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

امیر حسن نورانی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

(الف)

آب بقا۔ وہ پانی جس کو پینے والا ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

آب حیات۔ مشہور ہے کہ دنیا میں کسی جگہ ایسا چشمہ ہے۔

آب حیوان۔ سکندر ذوالقرنین

آب خضر اس چشمہ پر حضرت خضر پیغمبر کے ساتھ گیا تھا لیکن آب حیات اس لیے نہیں پیا کہ اس کے پینے کے بعد جسم کی طاقت زائل ہو جاتی اور پینے والا زندہ رہتا ہے مگر بے حس وحرکت۔ چاروں لفظ ہم معنی ہیں

آب زلال۔ میٹھا اور ٹھنڈا پانی۔ زلال سفید رنگ کا کیڑا ہوتا ہے جو برف میں رہتا ہے اس کو دبا کر نچوڑنے سے جو پانی نکلتا ہے ٹھنڈا اور میٹھا ہوتا ہے۔

آب رفتہ۔ وہ پانی جو بہہ گیا ہو۔

آب اسود۔ سیاہ پانی۔ مراد شراب

آب شورہ۔ کھٹا پانی جو املی، امچور اور ہرڑ کو ملا کر بناتے ہیں بہت ہاضم ہوتا ہے۔ کچا آم بھون کر بھی بنایا جاتا ہے۔

آب کاری۔ شراب بنانے کا کاروبار

آبِ رواں۔ ایک قسم کا باریک کپڑا ململ کی طرح۔ بہتا پانی۔

آب گیر۔ جوہڑ۔ پوکھر۔ تالاب

آب دار۔ چمکدار۔ پانی رکھنے کی جگہ

آب ریز۔ پانی کا برتن۔ لوٹا

آبنوس۔ ایک درخت جس کی لکڑی سیاہ اور مضبوط ہوتی ہے۔

ابداع۔ پیدا کرنا۔ ظاہر کرنا۔

ابرن۔ زیور۔ گہنا

ابریق۔ صراحی۔ لوٹا۔

آبرہ۔ دوہرے کپڑے کا اوپر والا کپڑا

اُبستا۔ سڑنا بد ذائقہ ہونا کھٹا ہونا

ابعادِ ثلاثہ۔ تین دوریاں۔ لمبائی۔ گہرائی بلندی۔

اَبلق۔ دورنگا سیاہ وسفید رنگ کا گھوڑا۔

اُبہت۔ بزرگی۔ رونق

آپا دھاپی۔ خود غرضی۔ تنہا خوری

اُپجنا۔ ظاہر ہونا۔ اگنا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آتش زیرپا ۔ بے قرار ۔ بے چین
آتو ماما ۔ آستانی ۔ لڑکیوں کی آتالیق
آتش کا پرکالہ ۔ انگارا ۔ لوکا ۔ آگ کا ٹکڑا ۔
آتشین رخ ۔ سرخ رنگ چہرہ ۔ نور کا پتلا
آتما ۔ روح ۔ دم ۔ نفس
آثیم ۔ گنہگار
اِثمد ۔ سرمہ کا پتھر
آٹھوں گانٹھ کمیت ۔ چالاک ۔ تیز ۔ کمیت گھوڑا تیز اور چالاک ہوتا ہے
آٹھوں کا میلہ ۔ ہندوؤں کا مشہور تہوار جو لکھنؤ میں بہت دھوم سے منایا جاتا ہے ۔
اٹیرن ۔ لکڑی کی چرخی جس پر کاتا ہوا سوت لپیٹا جاتا ہے ۔
اٹیرنا ۔ سوت لپیٹنا ۔
اِجارہ ۔ دعویٰ ۔ قبضہ اختیار ۔
اجتہاد ۔ نئی بات نکالنے کی کوشش کرنا
اجاج ۔ کڑوا ۔ کھاری
آجل ۔ دیر کرنے والا
اِجبار ۔ زبردستی کرنا جبر کرنا ۔
اچھوتی ۔ بغیر چھوئی ہوئی بعض شاہان اودھ کے محلوں میں کنواری لڑکیاں نذر و نیاز کرنے کے لیے رکھی جاتی تھیں ان کو اچھوتی کہتے تھے ۔
اچپلاہٹ ۔ طراری ۔ شوخی ۔

اَحدی ۔ تیر انداز سپاہی جو ملازم ہوتے تھے مگر اپنے گھروں میں رہتے تھے حسب ضرورت بلائے جاتے تھے اکبر بادشاہ نے یہ عہدہ قایم کیا تھا ۔
اِحدیت ۔ یکتائی ۔ ایک ہونا
اِحتراق ۔ سوزش ۔ جلا ہوا ہونا
اِحتفال ۔ جلسہ ۔ محفل ۔
احتکار ۔ گراں فروشی کے لیے غلہ وغیرہ روکنا
اَحفاد ۔ بیٹے ۔ پوتے ۔ نواسے
اَحیاناً ۔ اتفاقاً
اِحتیال ۔ حیلہ بازی ۔ بہانہ کرنا ۔
اِحتضار ۔ حاضر ہونا موت کا سامنا کرنا ۔
اَخذ ۔ لینا ۔ پکڑنا
اَخضر ۔ بہت سرسبز و شاداب ۔ گہرا سبز رنگ ۔
اَخگر ۔ چنگاری
آخوند ۔ معلم ۔ استاد
اخلاطِ اربعہ ۔ صفرا ۔ خون ۔ بلغم ۔ سودا
آدیس ۔ فقیروں اور جوگیوں کا سلام و پیغام
اِدراج ۔ جمع دُرج ۔ موتی اور زیور رکھنے کی ڈبیہ ۔
اَدماتی ۔ بیہودہ عورت ۔ آوارہ
اَدھی ۔ ایک قسم کا باریک قیمتی کپڑا
اَدھوڑی ۔ موٹا چمڑا
اَدخنہ ۔ دُخان کی جمع دھواں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اَدَوات ۔ آلات

اَدْھَم ۔ مشکی گھوڑا سیاہی مائل

اَدُوقہ ۔ نان نفقہ روٹی کپڑا

اِدِّخار ۔ جمع کرنا ذخیرہ کرنا

اَرث ۔ وراثت

آرسی ۔ آئینہ

آرسی مصحف ۔ دولہا اور دلہن کو شادی کے بعد قرآن شریف اور آئینہ دکھانے کی رسم

اَرغنون ۔ ایک قسم کا باجا جو افلاطون نے ایجاد کیا تھا۔

اَرملہ ۔ بے شوہر کی عورت

ارابہ ۔ وہ گاڑی جس میں بھینسا جوتا جاتا ہے

ارگجا ۔ پھول اور عطر وغیرہ جو فاتحہ پڑھنے والے کے پاس رکھے جاتے ہیں۔

اُریب ۔ آڑا، ترچھا

اِرم ۔ شداد نامی بادشاہ کی بنائی ہوئی بہشت

اَرسطو ۔ مشہور یونانی عالم و فلسفی کا نام جس کا حضرت عیسیٰ سے ۳۲۲ سال قبل انتقال ہوا تھا

اَرژنگ ۔ چین کا ماہر نقاش جو قدیم زمانہ میں تھا

اَرغوانی ۔ سرخ یا نارنجی رنگ

اَریب ۔ عقلمند ۔ بڑا فاضل

اِرتعاش ۔ کپکپاہٹ لرزش

اَزرق ۔ نیلا نیلی آنکھ والا نیلی گوں۔

اَزہر ۔ کلی روشن

اَرشد ۔ بہت ہدایت پایا ہوا۔

اَڑی مار ۔ دغاباز

آزرم ۔ لڑائی

آسیا ۔ چکی

اسپند ۔ کالا دانہ ۔ جو نظر اتارنے کے لیے جلایا جاتا ہے۔

اِستخارہ ۔ بھلائی طلب کرنا ۔ نیک شگون کے لیے خاص طریقہ پر فال دیکھنا۔

اِسترخا ۔ جسم کا ڈھیلا ہونا

اِستفراغ ۔ قے ہونا۔

اِسم بامسمیٰ ۔ جیسا نام ویسا کام

اَسوار ۔ سوار کی جمع ہے۔

اَشعہ ۔ شعاعیں ۔ شعا کی جمع ہے۔

اَشہب ۔ سیاہ و سفید گھوڑا

اِشتباہ ۔ مشابہ ہونا۔

اِشتات ۔ پراگندہ کرنا

اَشجع ۔ بہت بہادر

اِشراقی ۔ قدیم فلاسفہ کا ایک گروہ تھا جس کے کچھ خاص عقائد تھے۔

اَشعری ۔ علماء اسلام کے ایک خاص گروہ کا نام ہے۔

اَشک لگانا ۔ تہمت لگانا

اَشغلہ ۔ طوفان اٹھانا ۔ فتنہ کرنا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اَشلوک ۔ نظم ۔ بند ۔ قول
اَصالَتاً ۔ بلاواسطہ ۔ براہ راست
اِصغا سننا
اَصلاً ۔ قطعی ۔ بالکل قطعی
آصف خانی ۔ ایک قسم کا لباس
اَصیل ۔ ما ما ۔ وفادار ملازمہ
اَضحوکہ ۔ وہ چیز یا شخص جس کو دیکھ کر لوگ ہنسیں
اضطرار ۔ بے اختیار ہونا ۔ عاجز ہونا
اَضعاف ۔ دوگنا کرنا ۔ کمزور ہونا
اَضحیٰ ۔ قربانی
اُصطرلاب ۔ ستاروں کا پتہ لگانے والا آلہ
اِطناب ۔ طول دینا ۔ بڑھا کر پیش کرنا
اَطلس ۔ صاف آسمان ۔ ایک قسم کا ریشمی کپڑا
اُطاق ۔ کمرہ
اِطفاء آگ بجھانا
اِطراد ۔ ہانکنا چلانا
اطریفل مشہور یونانی دوا ۔ جو کئی دواؤں سے مرکب ہوتی ہے ۔
اِعتاق ۔ غلام کو آزاد کرنا
اِعتصام ۔ پکڑنا چنگل مارنا ۔ پرہیز گاری
اِعجاز ۔ عاجز کرنا

اَعوج ۔ ٹیڑھا
اَعور ۔ کانا ۔
اَعراب ۔ بدو ۔ عرب کے دیہاتی باشندے
اَعقاب ۔ پس ماندگان ۔ مرنے والے کے بعد باقی رہنے والے اعزا و اقربا
اَعمیٰ ۔ اندھا ۔
اَعیان ۔ جمع عَین ۔ چشمے ۔ امرا
اِغماض ۔ چشم پوشی کرنا ۔ نظر انداز کرنا
اَغوا ۔ ابھارنا ۔ بہکانا
اِفاضہ ۔ فیض پہنچانا
اُفتاد ۔ ڈھنگ ۔ عادت ۔ اتفاق
اَفراسیاب ۔ توران کے مشہور بادشاہ کا نام
اَفعیٰ ۔ کالا سانپ ۔ زہریلا
افشاندہ ۔ چھڑکا ہوا ۔ جھاڑا ہوا
اَفشردہ ۔ نچوڑا ہوا
اَفگار ۔ زخمی ۔ زخم
اَفلاطون ۔ یونان کا مشہور عالم و فلسفی
اَقصیٰ ۔ بہت دور
اُقلیدس ۔ علم ہندسہ جیومیٹری
اَقبح ۔ بہت برا ۔ بدصورت
اِقتران ۔ نزدیک ہونا ۔
اَقدس ۔ بہت پاکیزہ
اَقلاع ۔ اکھڑنا
اَقلیم ۔ کرۂ زمین کا ایک حصہ ۔ کل زمین

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو قدیم عالموں نے سات حصّوں میں
تقسیم کیا تھا۔ ان کو ہفت اقلیم کہا
جاتا ہے۔

اکّا تنہا۔ یکّہ (ایک قسم کی سواری) شمع دان

اِکتارا۔ ایک قسم کا ساز۔ کپڑے کی ایک
قسم۔

اکاسرہ۔ کسریٰ کی جمع۔ ایران کے مشہور
شاہی خاندان کے بادشاہوں کا
لقب۔

اِکّل کھرا۔ خود غرض۔ بے مروّت

آکھر۔ چوپاؤں کے رہنے کی جگہ

اکلیل۔ تاج۔ جڑاؤ عصا

اکید۔ مضبوط۔ استوار۔

اگرئی۔ وہ رنگ جو گہرے شمشی رنگ سے
ملتا ہے۔

اُلاغ۔ وہ گھوڑا جس سے ڈاک لانے
اور لے جانے کا کام لیتے ہیں۔

اَلمعی۔ دانش ور۔ بڑا فاضل

اُلوہیت۔ خدائی

اَلم نشرح۔ کھل کر بیان کرنا۔ قرآن
کی ایک سورہ کا نام ہے۔

اَلیاکا۔ ایک قسم کا دبیز کپڑا

آلکسی۔ کاہلی۔ سستی

العطش۔ پیاس

الجوع۔ بھوک

اُلوپ انجن۔ وہ سرمہ جس کو لگا کر آدمی
دوسروں کو نظر نہ آئے۔

اَلیٹھ۔ جھگڑا۔ روک۔ کام میں بلاوجہ نقص
نکالنا۔

اُلش اَلیٹ۔ کسی بزرگ کا جھوٹا کھانا۔
آگے کا اٹھا ہوا کھانا۔

امصار۔ جمع مصر۔ شہر

امعان۔ گہری نظر ڈالنا۔ گہرا سوچنا۔

اُمّ العوارض۔ بیماریوں کی جڑ۔ اصل بیماری

اماج۔ نشانہ۔

اَلْآن۔ ابھی اس وقت۔

اُلاہنا۔ گلہ۔ شکایت۔

الابلا بکواس۔ ٹال مٹول

اِلیام۔ زخم بھرنا۔ زخم اچھا ہونا۔

اِنتما۔ بڑھنا۔ پھولنا

انتاغفیل۔ افیون کے نشے میں بری طرح مدہوش ہو جانا

انفعال۔ شرمندہ ہونا۔ ندامت

اَنتیاں۔ کان میں پہننے کا زیور

انڈوا۔ ایک قسم کا لباس۔ جو بانس کے حلقے
پر لچکا گوٹا لگا کر بناتے ہیں اور مرد
اور عورتیں بازو پر باندھتی ہیں اور
سر پر باندھتی ہیں۔

اَنبیق۔ خوب۔ عجیب

ہنکس۔ لوہے کا چابک جس سے ہاتھی
ہانکا جاتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اَنْباز۔ شریک

اَنا جیب شعرِیٔ۔ بال کی جڑ بن۔

انفاق۔ خرچ کرنا۔

انصرام۔ پورا ہونا۔ آخر ہونا۔

انوٹھی۔ انوکھی

آواگون۔ بار بار جنم لینا

اولوالالباب۔ عقل مند۔ بلند دماغ دانشور

اوگی۔ لمبا چابک

اُوکھلی۔ ہاون۔ وہ گہرا گڑھا یا ظرف جس میں اناج ڈال کر کوٹتے ہیں

اُوچی۔ پانچوں ہتھیاروں سے مسلح سپاہی

اُولاغ۔ گدھا

اُوقچہ۔ پلنگ کی عمدہ سفید چادر جس کے حاشیے پر کارچوبی یا کلابتوں کا کام بنا ہو یہ چادر پلنگ پوش کے نیچے بچھائی جاتی ہے اور اس کا کنارا نیچے لٹکتا ہے۔

آویزہ دار پازیب۔ وہ پیر کا زیور جس میں گھنگرو لگے ہوں۔

آوان۔ شان۔ دولت مندی۔ چھب

اودھ اخبار لکھنؤ۔ اردو کا مشہور اخبار جو ۱۸۵۸ء میں منشی نول کشور نے جاری کیا تھا۔ اس اخبار میں فسانہ آزاد ۱۸۷۸ء سے ۱۸۸۰ء تک قسط وار شائع ہوا۔ رتن ناتھ سرشار اخبار کے اڈیٹر بھی تھے یہ اخبار ۱۹۵۰ء میں بند ہو گیا۔

اَہالی مَوالی۔ گھر والے۔ نوکر چاکر

آہنگ۔ ارادہ۔ آواز۔ راگ

ایاغ۔ پیالہ

ایزد۔ خدا تعالیٰ

ایمن۔ وہ راگ جو رات کے پہلے پہر گایا جاتا ہے۔

ب

باٹ۔ راستہ

بادلا۔ بادل ایک قسم کا کپڑا جو ریشم اور سنہرے روپہلے تاروں سے بُنا جاتا ہے۔ زربفت

بادیہ۔ تانبے کا بڑا پیالہ۔ جنگل

بابل۔ بغداد کے قریب ایک پرانا شہر جو دریا فرات کے کنارے آباد تھا۔ اب مٹ چکا۔

بادپا۔ ہوا کی رفتار سے دوڑنے والا گھوڑا

باج۔ زمین کا محصول۔

باربد۔ ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کا درباری گانے والا۔

بدگہر۔ بد اصل۔ جس کے حسب نسب کا پتہ نہ ہو

بارہ باٹ کرنا۔ تتر بتر کرنا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

باشی بزوق ۔ ترکی میں ایک قبیلہ کا نام
باگھ ۔ شیر
باقر خانی ۔ ایک قسم کی روٹی جو میدہ، گھی اور دودھ کی ملاوٹ سے بنائی جاتی ہے۔ یہ عہد شاہ جہاں میں الہ آباد کے حاکم باقر خاں نے ایجاد کی تھی۔
بالا بتانا ۔ ٹالنا۔
بالمیک ۔ رامائن کا مصنف۔ مشہور ہندی شاعر۔
بالے میاں ۔ سید سالار مسعود غازی کا مختصر و مشہور نام جن کا مزار بہرائچ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔
بانات ۔ بغیر بناوٹ کا کپڑا۔ اونی۔ جو ریشم اور اون کو جما کر بنایا جاتا ہے۔
بانک ۔ برچھا۔ ایک جنگی فن جس میں دشمن کا مقابلہ چھریوں سے کیا جاتا ہے۔
بانکا ۔ البیلا۔ وضع دار۔ ٹیڑھی ٹوپی لگانے والا۔
بجرا ۔ چھوٹی، ہلکی کشتی جو تفریح کے لیے ہوتی ہے اور سوار خود چلاتا ہے۔
بخورات ۔ خوشبودار چیزیں۔ لوبان۔ عود وغیرہ
برزخ ۔ مرنے کے بعد سے قیامت تک کا زمانہ۔
برزن کوچہ ۔ گلی۔

بروگ ۔ تفرقہ۔ جدائی۔ علیحدگی۔
بجوگ ۔ جدائی۔ حادثہ
بروگی ۔ ہجر کا مارا۔ فراق کا صدمہ اٹھانے والا۔
بضاعت ۔ پونجی
بکل مارنا ۔ خاص طریقہ پر چادر یا رضائی جسم پر لپیٹنا جس سے سارا جسم چھپ جائے۔
بگڑے باز ۔ تڈر۔ بے باک۔
بھنگر خانہ ۔ بھنگ پینے کی جگہ
بانکڑی ۔ سنہرے روپہلے تاروں کا بنا ہوا فیتہ جو عورتوں کے لباس میں ٹانکا جاتا ہے۔
بچھوا ۔ ایک خاص طرح کا چھلا جو پاؤں کے انگوٹھے میں پہنا جاتا ہے۔
برہا ۔ ایک گیت جو دیہاتی محبوب کی جدائی کے غم میں گاتے ہیں۔
بری یا ساچق ۔ شادی سے پہلے دولہا کی طرف سے کپڑے، زیور اور مٹھائی جو دلہن کے گھر بھیجے جاتے ہیں اس رسم کو کہتے ہیں۔
بساط ۔ وہ خاص کپڑا جس پر خانے بنے ہوتے ہیں اور اس پر مہرے رکھ شطرنج کھیلتے ہیں۔
بطلیموس ۔ مشہور یونانی حکیم اور فلسفی کا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نام ہے جس کی کتاب مجسطی بہت مشہور ہے

بکاؤل۔ باورچی

بکاولی۔ ایک قسم کی پلیٹ۔ تشتری

بُقراط۔ مشہور یونانی عالم اور حکیم فنِ طب کی بنیاد اسی نے رکھی تھی۔

بُقچہ۔ کپڑوں گٹھری

بلگرام۔ اتر پردیش کے ضلع ہردوئی میں واقع مشہور قصبہ جہاں متعدد ممتاز عالم، شاعر اور فنکار پیدا ہوئے تھے

بلی لوٹن۔ وہ گھاس جس کی خوشبو سے بلیاں بہت خوش ہوتی ہیں۔ اس کو بال چھڑ بھی کہتے ہیں۔

بنوٹ۔ لڑائی کا ایک فن۔ جن میں ایک رومال لے کر اس میں تانبے کا پیسہ باندھا جاتا ہے اور اس کو خاص طریقہ پر پھیر کر دشمن پر وار کرتے ہیں اور دشمن کی تلوار یا دیگر ہتھیار گرا دیتے ہیں اور اس کو ایسی چوٹ لگتی ہے جو جان لیوا ہوتی ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کا بہت چلن تھا۔

بُوٹی پلانا۔ بھنگ کی پتی گھوٹ کر پلانا۔

بھاٹ۔ ایک قبیلہ جس کے افراد نسب نامے زبانی یاد رکھتے ہیں اور سناتے ہیں۔

بھاگ۔ ایک راگ کا نام ہے جو سات سروں میں گایا جاتا ہے۔

بانڈی۔ لاٹھی۔ ڈنڈا۔ ایک قسم کا لباس بھی ہوتا ہے۔

بھان متی۔ راجہ بھان کی بیٹی کا نام ہے جس کو راکشش اٹھا کر لے گئے تھے۔

بھج بند۔ بازو پر باندھنے والا ایک زیور

بہزاد۔ بہت مشہور مصوّر اور نقّاش تھا۔ یہ ایران کے بادشاہ، عباس صفوی کے زمانہ میں موجود تھا۔

بہنگی۔ ایک بانس یا لکڑی جس کے دونوں کناروں پر بوجھ اٹھانے کے لیے رسیاں بندھی ہوتی ہیں۔ اور مزدور اس کو شانے پر رکھ کر اٹھاتا ہے۔

بھیرویں۔ ایک راگ کا نام ہے صبح کے وقت گایا جاتا ہے۔

بدو فطرت۔ پیدائش کی ابتدا۔

بغلی ڈوبنا کشتی کا ایک داؤں

بُزِ اخفش۔ عربی قواعد کا ماہر خفش اپنی بکری کو علم نحو پڑھاتا تھا۔ جب بکری کسی وجہ سے سر ہلاتی تو اخفش سمجھتا تھا کہ اب وہ اس کی بات سمجھ گئی ہے۔ اس موقع پر کہتے ہیں جب کوئی بغیر سوچے سمجھے ہاں یا نہیں کر دے۔

بنتُ العنب۔ انگور کی بیٹی۔ شراب

بُردِ یمانی۔ ملک یمن کی بنی ہوئی چادر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

قدیم زمانے میں یمن کی چادریں بہت مشہور تھیں۔

بُردہ فروش۔ غلاموں کی خرید و فروخت کرنے والا۔

بِرہ وگن۔ جدائی کی تکلیف میں مبتلا ہونے والی۔

بلم باعور۔ بنی اسرائیل کا ایک عابد جو خدا کی بارگاہ سے مردود قرار پایا تھا

بنی و بنا۔ دولہن اور دولہا۔

بُوق۔ جنگی باجا۔

بوڑھی۔ برچھی۔ بلم

بہلیا۔ چڑیوں کا شکار کرنے والا۔ پکڑنے والا۔

بھبوکا۔ نہایت سرخ۔ روشن۔ خوبصورت

بھبوکا ہونا۔ غصہ میں بھر جانا۔ آگ بگولا ہونا۔

بیرق۔ چھوٹے چھوٹے جھنڈے۔

پ

پاتال۔ زمین کا سب سے نیچے کا حصہ

پاٹھا۔ ہاتھی کا بچہ

پاڑ۔ درخت یا کسی اونچے محفوظ مقام پر لکڑی سے بنایا ہوا مچان۔ جو شکار کے لیے عارضی طور پر بنایا جاتا ہے۔

پاڑھا۔ ہرن کے مشابہ ایک جنگلی چوپایہ۔ بارہ سنگھے کی ایک قسم

پالٹ کا ہاتھ۔ لاٹھی یا ڈنڈے سے لڑتے وقت مخالف کے پاؤں پر چوٹ لگانا

پالی۔ مرغوں اور بٹیروں کی لڑائی کی جگہ۔ پالتو جانوروں کی لڑائی کا اکھاڑا۔

پانسہ۔ چھ پہل ہڈی کا ٹکڑا جس پر نقطے پڑے ہوتے ہیں اس کو چوسر کے کھلاڑی باری باری پھینکتے ہیں۔

پاتُر۔ کسبی۔ بیسوا۔

پالان۔ اونٹ اور گدھے کی پیٹھ پر رکھنے والی کاٹھی۔

پالٹ۔ پٹہ بازی۔ وہ چوٹ جو حریف کے پاؤں پر لگاتے ہیں۔

پانچ اندری۔ حواس خمسہ۔ چکھنا۔ سونگھنا دیکھنا۔ سننا۔ چھونا

پلاش۔ ٹاٹ۔

پاکھر۔ لوہے کا لباس۔ تاروں سے بنی جالی جو جنگ کے وقت گھوڑے کو پہناتے ہیں۔

پرند۔ ریشم۔

پکھاوج۔ ایک قسم کی لمبی ڈھولک۔ طبلہ نما ڈھولک۔

پُونگی۔ تونبی کا باجا جو سپیرے بجاتے ہیں

پھاندی۔ گنے کا گٹھا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پکھاولی۔ چمڑے کا مشکیزہ

پوکھر۔ تالاب

پتھر کلا۔ توڑے دار بندوق جو چقماق کے ذریعہ آگ لگا کر چلائی جاتی ہے

پٹوا۔ زیورات اور بٹوے میں ڈوری ڈالنے والا ایک پیشہ ہے۔

پدرود کرنا۔ رخصت کرنا۔ رخصت ہونا

پدمنی۔ عورتوں کی ایک قسم جو سب سے بہتر مانی جاتی ہے۔

پرقینچ۔ وہ پرندہ جس کے پر کاٹ دیے جائیں۔ خاص طور پر کبوتر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

پکھراج پری۔ امانت لکھنوی کے ڈرامہ اندرسبھا میں شامل ایک کردار

پنڈا۔ حقہ پینے والے چلم کے اندر شیرا ملا تمباکو رکھتے ہیں۔ اس پر توا رکھتے ہیں اور اوپر آگ رکھی جاتی ہے۔ اس تمباکو کی ٹکیہ کو پنڈا کہتے ہیں۔

پوبارہ۔ چوسر کھیلنے والا جب پانسا پھینکے اور دو پانسے چھ چھ نقطے والے گریں اور ایک پانسہ ایک نقطہ والا آئے تو اس کو پوبارہ کہتے ہیں۔ یہ بڑی جیت ہوتی ہے۔

پونڈا۔ گنے کی ایک قسم جس کا رنگ سیاہ وسفید ہوتا ہے اور بہت موٹا ہوتا ہے۔

پچھل پائی۔ چڑیل۔ ڈائن۔ جس کے پاؤں الٹے ہوں۔

پیچوان۔ حقہ کی ایک قسم جس کی نے لمبی اور لوچدار ہوتی ہے، اور لپیٹ کر رکھا جاتا ہے۔

پیشواز۔ عورتوں کا ایک گھیردار لباس

پیر فرتوت۔ بوڑھا۔ کھوسٹ۔

پیرزال۔ بہت بوڑھی عورت

پیل۔ شطرنج کا ایک مہرہ۔ اس کو پیلہ بھی کہتے ہیں۔

پیزار۔ جوتی۔

ت

تابش۔ گرمی۔ حرارت۔ چمک

تارک۔ سر

تارکشی۔ سونے چاندی کے تاروں کو کھینچ کر لمبا کرنا۔

تازی۔ عربی اسپ تازی۔ عربی گھوڑا

تام جھام۔ پالکی۔ ایک خاص قسم کی سواری اس کو تامدان بھی کہتے ہیں۔

تباین۔ دو چیزوں کے درمیان فرق

تشتو تھمبو۔ روک تھام بیچ بچاؤ

تاتار۔ چینی ترکستان کا ایک علاقہ جہاں چنگیز خاں اور ہلاکو خاں پیدا ہوئے تھے تاتار کا مشکی ہرن بھی مشہور ہے۔

تجرید۔ عریانی علیحدگی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تحریف۔ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف رکھنا رد و بدل کرنا جس سے مضمون بدل جائے۔

تصدیع۔ درد سر۔ تکلیف۔ دکھ

تعب۔ تکلیف۔ رنج

تڑاقے کی۔ چمکدار۔ بھڑکیلی

تُرہی۔ نفیری کے ساتھ کا ایک ساز جو نفیری کے ساتھ ملانے کے لیے بجاتے ہیں

تعدّی۔ تجاوز کرنا۔ جبر اور سختی کرنا

تعلیق۔ لٹکانا۔ معلق کرنا۔ حاشیہ لگانا

تعمیہ۔ پوشیدہ رکھنا۔ چھپانا

تعویق۔ ڈھیل۔ تساہل

تغار۔ مٹی کا کونڈا۔

تنبورہ۔ ایک قسم کا باجا جس میں ستار کی طرح تار لگے ہوتے ہیں

تنقیہ۔ کسی چیز کو زوائد سے پاک صاف کرنا

تُنکنا۔ بگڑنا۔ ناراض ہونا

توأم۔ جڑوان۔ ایک ساتھ پیدا ہونے والے بچے

تھانگ۔ چوروں کا ٹھکانا۔ مسکن

تہدید۔ دھمکی دینا

تقدم بالزّمان۔ وقت اور زمانہ میں آگے ہونا۔

تقدم بالشرف۔ بزرگی اور عزت میں آگے ہونا

تشئید مبانی۔ بنیادیں مضبوط کرنا۔

تدرو۔ ایک خوبصورت پرندہ جس کو مولا کہا جاتا ہے۔

تال۔ علم موسیقی میں گانے کا ایک وزن

تبرید۔ طبیبوں کی اصطلاح میں ان ٹھنڈی دواؤں کو کہتے ہیں جو جلاب کے بعد طاقت کے لیے دی جاتی ہے

تپ مزمن۔ وہ بخار جو زیادہ عرصہ تک رہے اور کسی وقت بھی نہ اترے۔

تختِ رواں۔ وہ سواری جو تخت کی طرح ہوتی ہے۔ اور بادشاہ اور امیر اس پر بیٹھ کر سیر کرتے ہیں۔

تختِ طاؤس۔ مور کی شکل کا وہ خوبصورت جڑاؤ تخت جو شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا تھا اور اس پر بیٹھ کر دربار کرتا تھا اس کے بنانے میں چھ کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا۔ یہ تخت نادر شاہ درّانی اس وقت اپنے ساتھ ایران لے گیا تھا جب اس نے محمد شاہ رنگیلے کے عہد میں دہلی پر حملہ کیا تھا یہ تخت لال قلعہ میں دربار شاہی کے اندر رہتا تھا۔

تخرجہ۔ حروفِ ابجد سے مادۂ تاریخ نکالتے وقت جب کچھ عدد بڑھ رہے ہوں تو اتنے ہی عددوں کے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کسی لفظ یا حرف کو اس میں سے نکال کر مطلوب عدد حاصل کرنا۔

تسنیم ۔ جنّت کی ایک نہر کا نام ہے۔

تکل ۔ پتنگ کی ایک قسم جس میں دو کانپ اور ایک ٹھڈا ہوتا ہے

تمامی ۔ سنہرے اور روپہلے تاروں سے بنا ہوا ایک قسم کا دھاری دار ریشمی کپڑا۔

توڑا ۔ سونے یا چاندی کی زنجیر جو ہاتھ یا پاؤں میں پہنی جاتی ہے۔ ایک قسم کا زیور

توغل ۔ کمال حاصل کرنا۔ دُھن سمانا

توقیع ۔ خط پر مہر لگانا نشان لگانا عُہدہ کا فرمان۔

تورہ ۔ مختلف کھانوں کا خوان جو امیروں کی شادی کے موقع پر کچھ دن قبل تقسیم کرتے تھے

تورہ پوش ۔ خوان پوش

توسن ۔ گھوڑا

توشہ خانہ ۔ رئیسوں اور بادشاہوں کے مکان کا وہ کمرہ جس میں ان کے لباس اور ہر طرح کے کپڑے رکھے جاتے ہیں۔

تال کٹورا ۔ لکھنؤ میں تعزیئے دفن کرنے کا مقام جو وہاں کا ایک محلّہ ہے۔

تُوم ٹوالنا ۔ عاجز کرنا ٹکڑے ٹکڑے کرنا

تناسخ ۔ ایک صورت سے دوسری صورت میں بدل کر آنا جس کو ہندو مذہب میں آواگون کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد کسی دوسری شکل میں دوبارہ جنم لیتا ہے

تقطیع ۔ ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ علمِ عروض کے مقررہ وزنوں پر شعر کو تولنا پرکھنا۔ اس کو وزن یا پیمانے بحر کہتے ہیں۔

تنکی ۔ ایک قسم کی بہت باریک روٹی

تغار ۔ مٹی کا تھال۔ وہ گڑھا جس میں گارا بناتے ہیں۔

تعویق ۔ باز رکھنا۔ ڈھیل دینا۔ حیلہ کرنا

تطاول ۔ دست درازی کرنا۔ ظلم کرنا

تصدیع۔ تصدیعہ ۔ دردسر دینا۔ تکلیف دینا۔

تربینی ۔ تین دریاؤں کے سنگم کی جگہ۔ الہ آباد شہر سے متصل اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں دریا گنگا اور جمنا اور سرسوتی یکجا ہوتے ہیں۔ سرسوتی زیرِ زمین مانا جاتا ہے جو نظر نہیں آتا جیسا کہ ہندوؤں کا مذہبی عقیدہ ہے

تھل ۔ جگہ۔ مقام۔ شہر کے رہنے کی جگہ

تِل شکری ۔ ایک قسم کی مٹھائی جو تل اور شکر ملا کر بناتے ہیں اور اس میں میوے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بھی ملائے جاتے ہیں۔

ٹ

ٹاٹ بانی۔ ایک قسم کا جوتا جس پر کلابتو کا کام بنا ہوا ہوتا ہے۔

ٹِکلی۔ پیشانی (ماتھا) کا ایک زیور

ٹِلوا۔ خوشامدی

ٹِمّا۔ ٹھگنا۔ چھوٹے قد والا۔

ٹوڑی۔ ایک راگ کا نام ہے۔ ایک قسم کی بیڑ

ٹلنکار۔ کمان چلنے کی جھنکار۔ حیرت

ٹانک۔ چار ماشہ کا وزن

ٹُک۔ ذرا۔

ٹیکا۔ ماتھے کا ایک زیور جس کی ڈوری یا زنجیر سر پر باندھی جاتی ہے اور ٹیکا ماتھے پر رہتا ہے۔ ہندی میں کسی کتاب کی شرح کو بھی ٹیکا کہتے ہیں۔

ٹیمز۔ انگلستان کی راجدھانی لندن میں بہنے والا مشہور دریا۔

ٹانگھن۔ پہاڑی ٹٹو۔ چھوٹے قد کا ٹٹو۔ پیگو شہر کا ٹانگھن مشہور ہے۔

ٹلپٹس۔ وسیلہ۔ سہارا۔ دعوی

ٹپا۔ ایک راگ کا نام۔ دادرا۔ خیال

ٹیان کوڑی۔ زرد رنگ کی چھوٹی کوڑی

ٹیٹوا۔ گردن گلا

ث

ثانیہ۔ پل۔ سکنڈ

ثالث بالخیر۔ انصاف سے فیصلہ کرنے وا

ثَبات۔ قیام۔ مضبوطی۔ ثابت قدمی۔

ثاقِب۔ روشن

ثَری۔ نرم مٹی۔ سیلی زمین

ثُریّا۔ پروین۔ وہ چھ ستارے جو پاس پاس ہوتے ہیں

ثُعبان۔ اژدھا

ثُقبہ۔ سوراخ

ثَمین۔ قیمتی۔ انمول

ثَیبہ۔ بیاہی عورت

ج

جانِ عالَم۔ اودھ کے آخری بادشاہ واجد علی کا عوامی لقب۔

جامِ جہاں نما۔ ایران کے بادشاہ جمشید

جامِ جمشید۔ کو یونان کے حکما نے علم نجوم کی مدد

جامِ جم۔ اور حساب سے ایک ایسا پیالہ بنا کر دیا تھا جس کے اندر دیکھنے سے آنے والے زمانے کے حالات معلوم ہو جاتے تھے۔ تینوں نام ایک ہی معنی میں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

استعمال ہوتے ہیں۔

جالینوس ۔ مشہور یونانی فلسفی اور علم طب کا ماہر۔

جاچک ۔ جھانجھ بجانے والا

جادہ ۔ پتلا راستہ۔ لیکھ

جاگرن ۔ شب بیداری۔ خدائی رات

جاروب ۔ جھاڑو

جامہ وار ۔ ایک قسم کا پھول دار اونی کپڑا۔ اونی چادر

جائس ۔ مشہور قصبہ جو ضلع رائے بریلی اتر پردیش میں واقع ہے اور ملک محمد مصنف پدماوت کا وطن ہے۔

جپ جی ۔ سکھوں کی مذہبی کتاب۔ جو منظوم مناجات ہے۔

جٹا دھاری ۔ لمبے بالوں والا۔ گیسو دراز

جدی ۔ بکرا۔ ایک آسمانی برج کا نام ہے جسکی شکل بکرے جیسی ہوتی ہے۔

جر ثقیل ۔ بھاری وزن اٹھانا۔ اس فن کو بھی کہتے ہیں جس کے ذریعہ بھاری وزن اٹھانے کے آلات بنائے جاتے ہیں

جرس ۔ گھنٹہ گھڑیال

جریب ۔ ایک پیمانہ جس سے زمین ناپی جاتی ہے۔ چاندی کا خول چڑھا ہوا ڈنڈا جو بادشاہوں اور امیروں کے چوبدار رکھتے تھے۔

جریدہ ۔ تنِ تنہا۔ اکیلا

جرعہ نوش ۔ گھونٹ گھونٹ پینے والا۔

جرّاکت ۔ بزرگی۔ مضبوطی۔ فوجی

جزو لاینفک ۔ کسی چیز کا وہ حصہ جو اس سے علیحدہ نہ ہو سکے۔

جزر ۔ بھاٹا۔

جزیہ ۔ وہ ٹیکس جو اسلامی حکومتیں دوسرے مذہب والوں پر لگایا جاتا ہے۔ یہ ان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری کے باعث لگاتے ہیں

جعفری ۔ ایک قسم کا زرد پھول۔ گیندے کی طرح

جفت ۔ جوڑا۔ وہ عدد جو دو پر تقسیم ہو جائے۔

جگت بازی ۔ بذلہ سنجی۔ لطیفہ گوئی۔

جلوت ۔ باہر سب کے سامنے

جل ترنگ ۔ ایک قسم کا باجا جو پیتل کی دو کٹوریوں یا اور برتنوں میں پانی بھر کر دو لکڑی سے بجایا جاتا ہے۔

جلودار ۔ مصاحب۔ ہمراہی

جل بانک ۔ پانی کا کھیل۔ پانی میں کھیلنے والا ایک کھیل

جلب ۔ کھینچنا حاصل کرنا۔

جنتر منتر ۔ بازی گری۔ نظر بندی ہمکاری

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

جَوشَن ۔ لوہے کا بنا ہوا خاص لباس جو بازوؤں پر پہنتے ہیں۔ یہ جنگی لباس جنگ کے وقت حفاظت کے لیے پہنا جاتا ہے۔

جَوّ ۔ فضا۔ زمین اور آسمان کا درمیانی خلا

جُو ۔ ندی۔ چشمہ

جوئے شیر۔ دودھ کی نہر۔ فرہاد نے اپنی محبوبہ شیریں کی فرمایش پر پہاڑ کھود کر نہر نکالنے کی ناکام کوشش میں اپنی جان دے دی تھی۔ ایک تیشہ کی اپنی لگائی چوٹ سے ہلاک ہو گیا تھا دونوں ایران کے باشندے تھے۔

جُوگیا۔ ایک راگنی کا نام ہے

جَوّاد ۔ سخی۔ شہسوار

جَودَت ۔ تیزی۔ ذہانت تیز رفتار

جَوارِش ۔ ایک مرکب دوا۔ ہاضم اور مقوی

جَوف۔ پیٹ۔ کھوکھلی

جُوق ۔ گروہ۔ جھنڈ

جھمکڑا ۔ خوبصورتی۔ حسین چہرہ کی جھلک

جھپان ۔ ایک قسم کی سواری جو فینس کی کی طرح ہوتی تھی عموماً عورتوں کے لیے بنائی گئی تھی

جہاں گیریاں ۔ کلائی میں پہننے کا ایک جڑاؤ زیور جو جوڑیوں کی وضع ہوتا ہے

جیحوں ۔ ملک عراق میں ایک دریا ہے۔

جیغہ ۔ ایک جڑاؤ زیور جو پگڑی میں باندھا جاتا ہے

جیوڑا ۔ یہ جی کی تصغیر ہے۔ دل۔ جان۔ زندگی۔ روح۔ محبوب

جیوڑا نکلنا۔ دل پریشان ہونا

جیش لشکر۔ فوج

جیگھڑ۔ پانی کا گھڑا

جیہڑ ۔ ایک زیور کا نام ہے

جیوٹ۔ بہادر

چ

چابک خرام ۔ تیز رفتار

چار آئینہ ۔ ایک قسم کی زرہ جو جنگ میں سینہ کی حفاظت کے لیے پہنتے ہیں۔

چار دانگ ۔ چاروں سمت

چاہِ ذقن۔ ٹھوڑی کا گڑھا

چاہِ زنخ ٹھوڑی کا گڑھا۔

چاکی کا ہاتھ۔ پٹہ بازی کی اصطلاح میں وہ چوٹ جو مخالف کے سر پر گٹکا گھما کر لگاتے ہیں۔

چاہِ بابل ۔ زمانہ قدیم میں عراق کا شہر بابل مشہور تھا جہاں ایک کنوئیں میں دو فرشتے الٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ جو آزمائش کے لیے انسانی شکل میں زمین پر آئے تھے ایک کا نام ہاروت دوسرے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کا مارو ت ہے۔

چاہِ تخشب ۔ وہ کنواں جس سے ابن مقنع کا بنایا ہوا مصنوعی چاند نکلتا تھا تخشب ترکستان کے ایک شہر کا نام ہے۔

چار چشم ۔ طوطا چشم۔ بے مروت

چپڑ قناتیا ۔ کمینہ۔ خوشامدی

چپقلش ۔ لڑائی جھگڑا انکرار

چڑاکل خیرو ۔ مسخرہ، احمق ایک قسم کا سرخ پھول جس کا اوپر کا حصہ چڑے کی سر کی شکل کا ہوتا ہے

چِر تر ۔ چالاکی

چرباک ۔ چالاک عیّار

چشم زخم ۔ نظر بد

چشم زدن ۔ پلک جھپکنا۔ دم بھر بہت جلد۔

چغتائی ۔ مغل قوم کے ایک قبیلہ کا نام ہے

چکارا ۔ ہرن کی ایک قسم جو بہت خوبصورت اور تیز رفتار ہوتا ہے۔

چک منڈی ۔ لکھنؤ میں قریش برادری کا ایک مشہور محلہ جو وسط شہر میں واقع ہے۔

چگل ۔ چلم میں رکھنے کی گنگی

چم خم ۔ چمک دمک۔ چلت پھرت

چمپا کلی ۔ گلے میں پہننے کا ایک زیور جس میں چمیلی کی کلیاں سونے یا چاندی کی بنی پر دئی ہوئی ہوتی ہیں۔

چرخ ۔ وہ گول چھلا سا جس کے اندر تکلا گھومتا ہے دبلے پتلے شخص کو بھی کہتے ہیں۔

چک پھیریاں ۔ گول دائرہ بنا کر اس میں پھرنا پھرانا

چل چخے ۔ چل دور ہو۔ دور ہٹ

چلیپا ۔ سولی۔ صلیب۔ زلف سے تشبیہ دیتے ہیں

چکوا چکوی ۔ سرخاب کا جوڑا۔ جب نر دریا کے اس کنارے پر ہوتا ہے تو مادہ اس کنارے پر دونوں ایک دوسرے کو آواز دیتے اور پکارتے رہتے ہیں

چندن ہار ۔ گلے میں پہننے کا ایک زیور

چنڈاول ۔ سنتری چوکیدار

چنگیر ۔ پھول رکھنے کا برتن۔ گل دان

چنڈال ۔ کمینہ۔ نیچ۔

چنور ۔ مورچھل۔

چونڈا ۔ بالوں کا گچھا جو عورتیں سر پر باندھتی ہیں اس کو جوڑا بھی کہتے ہیں

چونچال ۔ ہوشیار۔ چالاک۔

چورنگ کرنا ۔ تلوار کی ایسی ضرب جس سے شکار کے چاروں پیر کٹ جائیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

چھلا میری۔ ایک قسم کا کھیل جس میں ایک
چھلا مٹی میں چھپا دیا جاتا ہے اور دو
جگہ مٹی کے ڈھیر لگاتے ہیں۔ پھر
دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ چھلا
کس ڈھیر میں ہے۔

چھپکا۔ ایک زیور کا نام ہے جو سر پر لگایا جاتا
ہے

چہرہ شاہی۔ وہ سکہ جس پر بادشاہ یا ملکہ کی
تصویر ہو۔

چھاگل۔ پاؤں میں پہننے کا ایک زیور

چھٹکا۔ وہ لال کپڑا یا چادر جو فنس یا سکھپال
کے اوپر ڈالی جاتی ہے۔

چہرا پرداز۔ مصور۔ نقاش۔

چھلاوا۔ بھوت۔ پریت

ح

حاز۔ حرارت رکھنے والا

حاشا۔ ہرگز نہیں۔ پناہ

حبش۔ افریقہ کا ایک ملک جہاں کے
باشندے سیاہ رنگ ہوتے ہیں اور
حبشی کہلاتے ہیں

حبیب لبیب۔ عقل مند دوست

حجر اسود۔ وہ سیاہ پتھر جو حرم کعبہ میں
نصب ہے اور مسلمانوں میں متبرک
سمجھا جاتا ہے۔

حذر۔ پرہیز۔ بچنا۔ احتیاط کرنا

حرز۔ تعویذ۔

حریف۔ ہم پیشہ۔ مقابل۔ باہم مخالف

حزیں۔ تخلص ہے شیخ علی حزیں کا فارسی
کے بلند پایہ شاعر تھے۔ بنارس میں
سکونت اختیار کی تھی۔

حسنین۔ مراد حضرت امام حسنؑ اور
حضرت امام حسینؑ

حشری۔ وہ گھوڑا جو دوسرے گھوڑوں
کے ساتھ مل کر نہ رہے۔

حشرات الارض۔ کیڑے مکوڑے

حصیر۔ بوریا۔ چٹائی

حضارت۔ تازگی۔ شادابی۔ سرسبزی

حضیض۔ پستی۔ نشیب

حیص بیص۔ شور غوغا۔ کشمکش۔ بحث
تکرار

حظ۔ حصہ۔ نصیب۔ لطف۔

حفظ ما تقدم۔ پہلے سے حفاظت
کا انتظام کرنا

حلہ۔ زیور۔ پوشاک

حلاوت آگین۔ مٹھاس سے بھرا ہوا۔

حلیف۔ ہم عہد۔ ہم قسم دوست ساتھی

حلاج۔ نداف۔ یہ لقب ہے حضرت
حسین بن منصور کا جن کو انا الحق

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اپنے خدا ہوں۔ کہنے کے جرم میں
سولی پر لٹکا یا گیا تھا۔

حَمیم ۔ گرم پانی۔ رشتہ دار۔ یگانہ

حَنجَرہ ۔ حلق۔ گلو۔ نرخرہ

حَنظَل ۔ اندرائن۔ ایک تیز ترش پھل جس کو توڑنے سے اس طرح آنسو نکلتے ہیں جیسے پیاز کاٹتے ہیں۔

حَنیف ۔ مذہب میں سچا۔ دین ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والا۔ اسلام کو دین حنیف کہتے ہیں

حنّان ۔ رحمت والا۔ بخشش والا

حینِ حیات ۔ زندگی کا زمانہ۔ زندگی بھر۔

حِین ۔ وقت زمانہ

خ

خاتونِ جنّت ۔ حضرت فاطمہ کا لقب جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی تھیں۔

خاص بَردار ۔ وہ ملازم یا سپاہی جو بادشاہوں اور امیروں کی سواری کے آگے مسلح چلتے تھے۔

خاتم ۔ انگوٹھی۔ ختم کرنے والا۔

خاور ۔ مشرق

خال خال ۔ کم کم۔ تھوڑے تھوڑے

خالصہ ۔ جو خالص ہو۔ کسی سے ملا نہ ہو

خام پارہ ۔ ناتجربہ کار۔ کچا ٹکڑا

خارا شگاف ۔ پتھر توڑنے والا اوزار

خانہ بر انداز ۔ خانہ بدوش۔ جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ جگہ جگہ عارضی قیام بنانے اور اٹھانے والا۔

خبطی ۔ احمق۔ بدحواس۔ ایک ہی خیال میں محو رہنے والا۔

ختلی خرام ۔ ختلی گھوڑے کی چال۔ ختل ایک مقام کا نام جہاں کے گھوڑے بہت اچھے اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔

خرگاہ ۔ بڑا خیمہ۔ بادشاہوں اور امیروں کا خیمہ۔

خریطہ ۔ تھیلی یا لفافہ جس میں بادشاہوں اور امیروں کا شقہ (مختصر خط) بھیجا جاتا تھا۔

خجستہ ۔ مبارک۔ باعث برکت

خجالت ۔ شرمندگی۔ پشیمانی

خدیو مصر ۔ مصر کا بادشاہ۔ خدیو مصر کا ایک حکمراں خاندان تھا۔

خرقہ ۔ خرقہ وہ لباس جو صوفی اور درویش پہنتے ہیں۔ اس کو گدڑی کہا جاتا ہے۔

خردہ گیری ۔ عیب جوئی۔ نکتہ چینی۔

خرطوم ۔ ہاتھی کی سونڈ۔ افریقہ کے ملک

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سوڈان کے ایک بڑے شہر کا نام

بھی ہے۔

خُسُوف۔ چاند گرہن

خَشُوع۔ ڈرنا۔ گڑگڑانا

خِضَر۔ ایک پیغمبر کا نام جو حضرت موسیٰ کے

ہم عصر تھے۔ ان کو دائمی زندگی

ملی ہے۔ وہ راہ بھولنے والوں

کو راستہ بتاتے ہیں۔

خضوع۔ عاجزی۔ انکساری

خطا و ختن خطا ملکِ چین کا ایک شہر

ہے جو قدیم زمانہ میں اپنی خوبصورتی

اور تجارت کے لیے مشہور تھا۔

ختن شمالی مغربی چین کا وہ مشہور شہر

جہاں کی مشک دنیا بھر میں مشہور

ہے۔ وہاں کے مشکی ہرن کا ذکر شاعروں

نے اپنے اشعار میں بہت کیا ہے۔

خَطِیر۔ بہت قیمتی۔ بہت زیادہ

خَلخال۔ جھانجن۔ پازیب پاؤں کے زیور

خلا مَلا۔ خالی اور بھرا ہوا۔ مراد خلوت

اور جلوت کا شریک

خلجان۔ فکر۔ خلش۔ کھٹکا

خلوتی۔ تنہائی پسند

خمول۔ گمنام ہونا

خم و چم۔ ناز و ادا۔ چال کی لچک

خنگ۔ سفید گھوڑا

خُنیاگر۔ گانے والا

خواجہ تاش۔ کسی بادشاہ یا امیر کے دو ملازم

آپس میں خواجہ تاش کہلاتے ہیں۔

خَواصی۔ خدمت گزاری۔ بادشاہ کا

خاص ملازم۔ خدمت گزار۔

خونابہ۔ خون کے آنسو۔ پانی ملا ہوا خون

خَیل۔ گروہ۔ خاندان۔ قبیلہ۔ گھوڑوں کا گلہ

خیوا چینی ترکستان کا ایک قدیم شہر جو

اب روس کے مقبوضہ علاقہ میں شامل ہے

خَیلا۔ احمق۔ لغو۔ بیہودہ۔ وہ عورت جس

کے جسم پر بہت سے تل ہوں۔

خیزران۔ بید۔ چابک

خیّاط۔ درزی

خیط ابیض۔ صبح کی سفیدی

خیّاطِ ازل۔ اللہ تعالیٰ مراد ہیں۔

د

دارا۔ قدیم ایران کا بادشاہ جس کو یونان

کے حکمراں سکندر بادشاہ نے ایران

پر حملہ کر کے شکست دی تھی۔

داب۔ ڈھنگ۔ طرز

دارالشفا۔ اسپتال۔ لکھنؤ کی ایک مشہور

شاہی عمارت جس میں شفاخانہ تھا۔

اب اس کو منہدم کر کے اسمبلی کے

اراکین کی رہائش گاہ تعمیر کی گئی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دانتا کل کل ۔ جھگڑا تکرار ۔ قصہ قضیہ
دار الحرب (لڑائی کا گھر یا ملک) وہ ملک
جہاں مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرائض
انجام دینے کی آزادی حاصل نہ ہو۔
دار الضرب ۔ ٹکسال ۔ جہاں سکے
ڈھالے جاتے ہیں
دامنی دمکے ۔ اوڑھنی چمکے
دانگ ۔ سمت ۔ جانب ۔ چھرتی کا وزن
داد و ستد ۔ لین دین
دائم الخمر ۔ ہمیشہ شراب کے نشہ میں
مست رہنے والا یا بندی سے شراب
پینے والا ۔
دائن ۔ قرض دینے والا ۔
داعیہ ۔ دعوی کرنے والی عورت ۔ ارادہ
دبیر ۔ منشی ۔ انشا پرداز
دبیر فلک ۔ عطارد ستارہ
دباغ ۔ رنگ ساز ۔ رنگنے والا ۔
دجلہ ۔ ملک عراق میں مشہور دریا ہے
جو شہر بغداد کے درمیان سے ہو کر
گزرتا ہے ۔
دجل ۔ جھوٹ ۔ فریب
دخل ۔ آمدنی ۔ قبضہ
دخت رز ۔ (انگور کی بیٹی) شراب
در یتیم ۔ وہ موتی جو سیپ میں تنہا پیدا ہوتا
ہے ۔ وہ بڑا اور بہت چمکدار ہوتا ہے

در خوش آب ۔ بہت چمکدار موتی
دُرد ۔ تلچھٹ
درسی ہنڈی ۔ جس ہنڈی کا روپیہ اس
کو پیش کرتے ہی مل جائے ۔
درک ۔ عقل ۔ تمیز ۔ سمجھ ۔
درنگ ۔ دیر ۔ وقفہ
دختر تاک ۔ شراب ۔ تاک انگور کی بیل کو
کہتے ہیں ۔
در عدن ۔ عدن کے سمندر کا موتی جو
بہت اچھا ہوتا ہے ۔ عدن عرب کا
ایک ساحلی شہر ہے ۔
دریوزہ گر ۔ بھکاری ۔ مانگنے والا
درہ دانیال ۔ جنوبی یورپ اور مغربی
ایشیا کے درمیان سمندری راستہ
جس کو تاریخی حیثیت حاصل ہے ۔
درماندہ ۔ مجبور ۔ عاجز ۔
دریغا ۔ اے افسوس ۔ ہائے افسوس
درہ ۔ چمڑے کا چابک
دزدیدہ ۔ چرایا ہوا ۔ نظر بچا کر دیکھنا ۔
دساور ۔ پردیس ۔ دوسرا علاقہ
دست برد ۔ خیانت ۔ غلبہ ۔ بیجا تصرف
دغدغہ ۔ خوف ۔ اندیشہ ۔ تشویش
دف ۔ ڈفلی ۔ ایک قسم کی ڈھولک
دکرڈی ۔ ایک قسم کی گاڑی ۔ دو گھوڑوں
کی بگی ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دقیانوسی ۔ بہت پرانا۔ زمانہ قدیم ہیں عرب کے ایک بادشاہ کا نام جس کے عہد ہیں اس کے ظلم اور خدا بیزاری سے تنگ آکر اللہ کے کچھ نیک بندے پہاڑ کے ایک غار ہیں روپوش ہوکر سو گئے تھے جو بہت طویل عرصہ کے بعد ایک بار بیدار ہوئے تھے لیکن حالات ناساز گار دیکھ کر دوبارہ غار ہیں جا سوتے ان کو اصحاب کہف (غار والے ساتھی) کہتے ہیں قرآن مجید ہیں اس واقعہ کا تفصیل سے ذکر ہے۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہے۔

دل ریش ۔ غم زدہ۔ زخمی دل والا

دَلق ۔ گدڑی۔ پشمینہ کا لباس

دُون ۔ کمینہ۔ کم ہمت۔

دُودْمان ۔ خاندان

دُود افگن ۔ چمنی۔ دھواں پھینکنے والی نلکی۔

دُوسار ۔ آر پار۔

دُہل ۔ ڈھول۔

دَھک دَھکی ۔ گلے ہیں پہننے کا ایک زیور جو سینہ پر لٹکتا رہتا ہے۔

دِیدہ دھوئی ۔ بے شرم۔ ڈھیٹ۔

دِیزہ ۔ گھوڑا۔ خچر۔

دَیہیم ۔ تاج۔

دَیُوث ۔ بے حیا۔ بے عزت۔

دُگلا ۔ روئی دار لبادہ۔ انگرکھا۔

دُلدُل ۔ وہ سیاہی مائل سفید گھوڑا جو کسی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیا تھا۔ اور آپ نے حضرت علی کو دے دیا تھا۔

دُلک ۔ رگڑ۔ تصادم۔ دھمک

دُلکی ۔ گھوڑے کی تیز چال جو پویہ سے کم ہوتی ہے۔ دُلکنا دلکی چال چلنا

دُلمہ ۔ ایک قسم کا سالن۔ پنیر۔

دَمُ الاَخوَین ۔ سرخ رنگ کا گوند جو کپڑے رنگنے ہیں، استعمال ہوتا ہے۔

دُم دَھاگا ۔ فریب۔ جھانسا۔

دَمادَم ۔ پے در پے۔ متواتر

دَمدمہ ۔ مصنوعی قلعہ۔ جو اصل قلعہ کے آگے بنایا جاتا ہے۔

دَمڑکا۔ دَمڑک ۔ چمڑے کا گول ٹکڑا جو تکلے ہیں لگاتے ہیں۔

دَوال ۔ رکاب کا تسمہ۔ مشک کا تسمہ۔

دُوت ۔ قاصد۔ ایلچی۔

دَھونسا ۔ بڑا نقارہ۔

دِھیرج ۔ مضبوطی۔ مستعدی۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ڈ

ڈانک۔ سنہرہ یا روپہلا کاغذ یا پنی جو نگینہ کے نیچے چمک بڑھانے کے لیے رکھ دیا جاتا ہے۔

ڈاب۔ ایک قسم کی لمبی گھاس جس سے چٹائی بُنی جاتی ہے۔ کچّا ناریل

ڈانگ۔ چھلانگ۔ اونچی پہاڑی

ڈار۔ قطار

ڈاہ۔ جلن۔ عداوت

ڈابر۔ جھیل۔ تالاب

ڈانڈی۔ ایک قسم کی ڈولی جس پر آدمی بیٹھ کر سفر کرتے تھے اور مزدور اس کو اٹھا کر چلتے ہیں۔

ڈب۔ قابو۔ قبضہ

ڈمرو۔ ایک قسم کا باجا۔ ڈگڈگی

ڈھولنا۔ ایک زیور کا نام

ذ

ذات الجنب۔ پہلو کا درد۔ پسلی کا درد

ذقن۔ ٹھوڑی۔

ذقند۔ چھلانگ

ذکاوت۔ تیز فہمی۔ دانائی۔ زود حسی

ذوالفقار۔ حضرت علی کی تلوار کا نام

ذیل۔ دامن کے نیچے کا حصہ۔

ذِمّی اسلامی حکومت کا غیر مسلم باشندہ

ذمیم۔ بری چیز۔ قابلِ برائی۔ خرابی۔

ذنب۔ گناہ۔

ر

راتِب۔ روزمرہ کی خوراک

راج ہنس۔ شاہی خاندان

راس لیلا۔ کرشن جی اور گوپیوں کا کھیل

راسخ۔ مضبوط۔ پائدار

راندہ۔ نکالا ہوا۔ رد کیا ہوا۔

راوٹی۔ چھوٹا تنبو۔ چھولداری بالاخانہ

راول۔ سردار۔ جوگی۔

رائحہ۔ بو باس۔ خوشبو

رامشگری۔ گانا۔ راگ الاپنا

راغ۔ جنگل۔ سبزہ زار۔ پہاڑ کا دامن۔

رُبع مسکوں۔ دنیا کا چوتھائی حصہ

رجعت قہقری۔ الٹے قدم پھرنا۔

رجھانا۔ خوش کرنا۔

ردا۔ چادر۔

ردیف۔ جو گھوڑ سوار کے پیچھے سوار ہو غزل میں قافیہ کے بعد جو لفظ بار بار آئے۔ رضائی بر۔ دودھ شریک بھائی۔

رطل۔ شراب کا جام۔

رعنا۔ وضع دار۔ خوبصورت

رفق۔ نرمی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

رقّت۔ نرمی۔ رونا گڑگڑانا

رکاب دار۔ عمدہ باورچی۔ کھانا لگانے والا۔

رکیک ۔ کمزور حقیر

رکوع۔ جھکاؤ۔ جھکنا۔ نماز میں سجدہ سے قبل گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر جھکنا

رم۔ بھاگنا۔ وحشت جدائی

رمل ۔ ایک فن کا نام ہے۔ جس میں ہندسوں کے ذریعہ غیب کی باتیں دریافت کرتے ہیں کہتے ہیں یہ فن حضرت دانیال پیغمبر نے ایجاد کیا تھا۔ عربی میں رمل ریت کو کہتے ہیں۔ ابتدا میں ہندسے ریت ہی پر لکھے اور مٹائے جاتے تھے۔ اس لیے یہ نام پڑ گیا اس علم کا جاننے والا رمّال کہلاتا ہے۔

رمز۔ اشارہ۔ بھید۔

رمق۔ رہی سہی جان۔ بقیہ جان۔

رمنا۔ جنگل۔ گھومنا پھرنا۔

رن۔ جنگ۔ صف بندی۔

روبکار۔ سامنا کرنا۔ پیش ہونا۔ وہ قبالہ جو حاکم کے سامنے لکھا جائے

روح اللہ۔ حضرت عیسیٰ پیغمبر کا لقب ہے۔

رودبار۔ پانی کا وہ حصہ جو دو سمندروں کو ملاتے۔

روسنا۔ خفا ہونا۔ ناراض ہونا

روشن چوکی۔ چار آدمیوں کا گروہ جو دولہا یا بادشاہ کی سواری کے ساتھ نفیری اور طبلہ وغیرہ بجاتا ہوا چلتا ہے اور وہ چوکی جس پر تاشہ بجانے والے بیٹھتے ہیں۔

روتا۔ ہرکارہ۔ وہ ملازم جو عورتوں کے کام کاج کے لیے ملازم ہوتے ہیں اور ہر وقت دروازے پر حاضر رہتے ہیں

رودنیل۔ ملک مصر کا مشہور دریا۔

روئیں تن۔ طاقت ور۔ فولادی جسم والا

روزن۔ سوراخ۔ جھروکہ۔

روح القدس۔ لقب حضرت جبرئیل (فرشتہ) کا

ریشابیل۔ لمبی داڑھی والا

ریش خند۔ ہنسی ٹھٹھا مسخرہ پن۔

ریحان۔ ایک خوشبو دار پودا۔ بنفشہ

ریش مخضّب۔ رنگین داڑھی۔ خضاب لگی داڑھی

رین۔ رات۔

ز

زاد بوم۔ جائے پیدائش۔ وطن

زاغ۔ کوا

زال۔ بڑھیا۔ رستم کے باپ کا نام

زار نالی۔ بے قراری۔ خوب گریہ کرنا

زائچہ۔ جسم پتری

زائیدہ۔ جنا ہوا۔ پیدا ہوا۔

زبرجد۔ زمرد۔ سبز رنگ کا قیمتی پتھر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

زَبُون ۔ عاجز ۔ ضعیف ۔

(۱) **زُبَانہ** ۔ شعلہ ۔ آگ کی لپٹ ۔

زُحَل ۔ ایک ستارہ جو منحوس سمجھا جاتا ہے اس کو سینچر کہتے ہیں ۔

(۲) **زبیب** خشک انگور ۔

زُجَاج ۔ شیشہ ۔ قندیل ۔

زَرتُشت یا زَرُشت ۔ ایک ایرانی رہنما جس نے قدیم زمانہ میں آتش پرستی کی بنیاد ڈالی تھی ۔ ان کے پیرو آتش پرست ہیں ۔ اب یہ پارسی کہلاتے ہیں ۔

زَمہرِیر ۔ سخت سردی ۔ کرۂ ہوا کا سرد حصہ

زَنبُور ۔ بھڑ ۔ لوہے کا ایک اوزار جس سے کسی چیز کو پکڑ کر اٹھاتے ہیں جیسے برتن وغیرہ

زِندِیق ۔ جو سیدھی راہ سے بھٹک جائے خدا پر ظاہر میں ایمان لائے مگر دل سے منکر ہو ۔

زَنگی ۔ حبشی

زَنخ ۔ ٹھوڑی

زَنجبِیل ۔ سونٹھ ۔ جنّت کی ایک نہر کا نام ہے ۔

زَنبِیل ۔ جھولی ۔ جس میں ہر طرح کی بہت سی چیزیں سما جائیں ۔

زَہرَہ ۔ پتّہ ۔ حوصلہ ۔

زَہرَہ آب ہونا ۔ ہمت پست ہونا خوفزدہ ہونا

زِیرپائی ۔ زنانہ جوتی ۔

زِیرَکی ۔ دانائی ۔

زِیرَانداز ۔ نیچے بچھانے کا کپڑا ۔

ژ

ژاژخا ۔ بکواس کرنے والا

ژَرف ۔ گہرا ۔ غور و فکر

ژولیدہ ۔ اُلجھا ہوا ۔

ژندہ ۔ گدڑی ۔ پیوند لگا کپڑا

ژنگ ۔ مشہور مصوّر و نقّاش مانی کی لکھی ہوئی کتاب کا نام ہے ۔

ژند ۔ ازرشت کی کتاب کا نام ہے جس نے مذہبِ آتش پرستی کو قائم کیا تھا

"س"

سَاعی ۔ چغل خور ۔

سَاقِن ۔ حقّہ پلانے والی

سَامی ۔ بلند مرتبہ

سانحہ ۔ حادثہ ۔ غم انگیز واقعہ

سانٹے پر سانٹا لگانا ۔ چابک پر چابک مارنا ۔ سانٹا ہاتھی کو ہانکنے کی لکڑی کو کہتے ہیں ۔

سَارنگ ۔ ایک قسم کا راگ ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سامری۔ حضرت موسیٰ کا ہم عصر مشہور جادوگر جس نے گائے بچھڑا بنا کر اس میں جان ڈالی تھی۔

ساشلیٹ۔ کپڑے کی ایک قسم۔

سبک پویہ۔ ہلکی چال۔

سبز بخت۔ خوش نصیب

سبزی اڑانا۔ بھنگ پینا۔

سبوکش۔ شراب کا جام پینے والا شرابی

ساچق۔ منہدی لگانے کی رسم۔ وہ رسم جو دولہا کی جانب سے شادی کے قبل ادا کی جاتی ہے۔ جس میں آرایش وغیرہ کا سامان دولہن کے گھر لے جاتے ہیں۔

سپاٹ ہونا۔ ہموار ہونا۔ صاف ہونا۔ کودنا پھاندنا۔

سجایہ مرضیہ۔ پسندیدہ عادات۔

سحبان۔ عرب کا مشہور خطیب، مقرر۔

سحاب نوال۔ ابر کی طرح بخشش کرنے والا بہت سخی۔

سداد۔ مضبوطی۔ نیک کردار۔ سچائی۔

سرکہ جبیں۔ غصہ ور۔ ترش رو۔

سروہی۔ ایک قسم کا خنجر۔ چھوٹی تلوار۔

سرنگ۔ سیاہی مائل رنگ کا گھوڑا۔

سر بالٹ کا ہاتھ۔ کشتی لڑنے کا ایک داؤں۔

سروِ چراغاں۔ لکڑی کے ٹکڑوں سے سرو کے درخت کی شکل بناتے ہیں اور اس کی شاخوں پر چراغ روشن کرتے ہیں اس کو سرو چراغاں کہتے ہیں

سراپردہ۔ اونچی قنات۔ خاص قسم کا اونچا اور قیمتی پردہ جو بادشاہوں اور وزیروں کے محلوں میں استعمال ہوتا ہے۔

سراچہ۔ چھوٹا خیمہ۔

سرپیچ۔ صافہ۔ پگڑی

(۱) سلسبیل۔ جنت کی ایک نہر کا نام

سلخ۔ کھال کھینچنا۔ چاند کی آخری تاریخ وہ دن جس کی شام کو چاند دیکھا جائے

سلک گوہر۔ موتیوں کی لڑی۔

سمندِ آہو شکار۔ وہ گھوڑا جو تیز رفتاری کے باعث ہرن کا شکار کرنے والے کو کامیاب کرتا ہے۔

سمن اندام۔ چمیلی جیسا نرم اور گورا بدن۔

سمک۔ مچھلی۔

سمو المکان۔ اونچے مرتبہ والا۔ بلند مقام والا۔

سنگر۔ چھوٹا نیزہ۔

سنجاب۔ خاکی رنگ کی خوبصورت گلہری۔

(۲) سکھپال۔ ایک قسم کی پالکی جس میں رئیسوں کی عورتیں سوار ہوتی تھیں۔ جس کی کھال سے ایک قسم کا قیمتی خوشنما باس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

بنتا ہے۔ کپڑے کی ایک قسم۔
سَنگریزیش۔ میوہ فروخت کرنے والیاں۔
سَنجر صَولَت۔ سلطان سنجر جیسے دبدبہ والا بہادر
سنبلہ۔ سُنبُل۔ گیہوں اور جو وغیرہ کی بالی جس سے زلفوں کو تشبیہ دیتے ہیں
سُوں۔ قسم۔ جیسے خدا سوں۔ خدا کی قسم
سُورۂ قدر۔ قرآن شریف کی ایک سورہ کا نام ہے۔ جس میں رمضان شریف کی ایک بہت برکت والی رات کا ذکر ہے جس کو شبِ قدر کہتے ہیں
سُوفار۔ تیر پچھلا سرا۔
سُوہا۔ باریک قسم کا ریشمی یا سوتی سرخ رنگ کا کپڑا۔
سوز خوانی۔ سوز پڑھنا۔ سوز نظم کی ایک قسم ہے۔ جو شہدائے کربلا کے غم میں خاص مقررہ انداز میں پڑھی جاتی ہے۔
سَوسَن۔ چمیلی۔
سیم۔ چاندی۔
سیم غبغب۔ چاندی جیسی ٹھوڑی خوبصورت گوری ٹھوڑی
سینگڑے۔ سینگ کے بنے ہوئے باجے۔
سِیم تن۔ گورا بدن۔

سیم ساق۔ گوری پنڈلی۔
سَیل۔ سیلاب۔
سِیاق۔ علم حساب۔ حساب کتاب
سِیاق سُباق۔ پچھلا، اگلا۔ شروع آخر
سِیٹھنیاں سنانا۔ گالیاں دینا
سِیلیاں۔ گردن میں پہننے کا ایک زیور۔
سیس پھول۔ سر کا ایک زیور جو بالوں کی چوٹی میں لگایا جاتا ہے۔
سُیوف۔ تلواریں۔ سیف کی جمع ہے۔
سیمرغ۔ ایک بہت بڑا پرندہ جس کا ذکر کہانیوں اور پرانی روایتوں میں ملتا ہے مگر اس کے وجود کا پتہ نہیں۔

ش

شامِ اودھ۔ لکھنؤ کی شام جو اپنی رنگا رنگ دلچسپیوں کے باعث مشہور تھی۔ نوابین اور شاہان اودھ کے زمانہ میں شام کو بازاروں کی سجاوٹ اور تفریحات کی رنگا رنگی نہایت دلکش تھی۔ جو آج تک مشہور ہے۔
شاہنامہ۔ ایران کے بلند شاعر فردوسی کی تصنیف، جو قدیم ایران کی منظوم تاریخ ہے۔ فردوسی نے یہ تاریخ سلطان محمود غزنوی کی فرمائش

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

پر منظوم کی تھی اس میں ساٹھ ہزار اشعار ہیں۔

شبدیز۔ سیاہ رنگ کا گھوڑا جو مشکی کہلاتا ہے۔ اور وہ گھوڑا جو خسرو بادشاہ نے پرویز کو دیا تھا۔

شتت شملہم۔ (خدا کرے) ان کا گروہ بکھر جائے۔ تتر بتر ہو جائے۔

شجیع۔ بہت بہادر۔

شبیہ۔ ہم شکل۔

شجرِ طوبیٰ۔ بہشت کے ایک درخت کا نام۔ طوبیٰ کے معنی خوش خبری۔

شحنہ۔ کوتوال۔

شُدھ۔ پاک خالص (ہندی)

شر غاٹا نگھن۔ وہ گھوڑا جو پورا بادامی رنگ کا ہو۔

شِعار۔ طریقہ۔ طرزِ عمل۔ چلن

شغال۔ گیدڑ

شفتل۔ بدکردار۔ آوارہ

شق القمر۔ چاند کا دو ٹکڑے ہونا۔ روایت ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلعم کی ایک انگلی کے اشارہ پر چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے۔ یہ آپ کا نمایاں معجزہ سمجھا جاتا ہے۔

شقہ۔ بادشاہی فرمان والی تحریر رقعہ۔

شُکرم۔ ایک قسم کی سواری۔ بگھی فٹن جسے انگریزوں نے رائج کیا۔

شگرف۔ عمدہ۔ اچھا۔ مضبوط۔

شلک۔ بندوق اور توپ داغنے کی آواز۔

شلنگے بھرنا۔ چھلانگ لگانا۔ اچھلنا

شمسِ بازغہ۔ روشن سورج۔ علم ہیئت اور فلسفہ کی ایک عربی کتاب کا نام ہے جو بہت مشہور ہے قدیم نصابِ تعلیم میں شامل ہے۔

شِمر۔ وہ شخص جس نے میدانِ کربلا کی جنگ میں حضرت امام حسین رضؓ کا سر مبارک تن سے جدا کیا تھا۔

شماتت۔ دوسروں کی تکلیف پر خوش ہونا۔

شنیع۔ بہت برا۔ گالی گلوج۔

شنجرف۔ گہرے سرخ رنگ نرم پتھر جو دواؤں میں استعمال ہوتا ہے

شِیَم۔ خصلت۔ عادت

شہر شملہ۔ اندھیر نگری۔

شہلا۔ سرخ اور سیاہ آنکھ والا۔ نرگس کی ایک قسم

شیر افگن۔ شیر کو پچھاڑنے والا بادشاہ جہاں گیر کی بیگم ملکہ نورجہاں کے پہلے شوہر کا نام ہے جو بہت بہادر تھا اور اس نے مقابلہ پر ایک شیر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کو مار ڈالا تھا۔

شیخ الرئیس۔ مشہور عالم اور طبیب حکیم بوعلی ابن سینا کا لقب ہے۔

شیخ سدو۔ ایک فرضی بزرگ یا جن جس کی عقیدت مند عورتیں بہت زیادہ ہیں۔ اس کی تبر امروہہ ضلع مراداباد میں زیارت گاہ عام ہے۔ اس کے نام کا بکرا بطور منت ذبح کیا جاتا ہے۔

شیدی لندھور۔ ایک مشہور حبشی کا نام ہے۔

شیون۔ رنج وافسوس

"ص"

صاد کرنا۔ پسند کرنا۔

صاعقہ۔ کڑک بجلی چمکنے کی تیز آواز۔

صارم۔ تیز کاٹنے والی تلوار۔ بہادر آدمی۔

صبّاغ۔ رنگ ریز۔ کپڑے رنگنے والا۔

صبیہ۔ نابالغ لڑکی۔

صبوحی۔ صبح کو پینے والی شراب۔

صحنک۔ رکابی۔ طباق۔ کسی برتن میں کھانے کی چیزیں رکھ کر حضرت بی بی فاطمہ کی نذر دلاتے ہیں۔ اور پاک دامن عورتیں وہ کھانا کھاتی ہیں۔ بعض جگہ یہ رسم اب بھی جاری ہے۔

صرفہ۔ فائدہ

صخرہ۔ چٹان۔

صرع۔ مرگی کی بیماری۔

صریر۔ قلم چلنے کی آواز

صحرا۔ مولا۔ جو ایک خوبصورت چڑیا ہے

صعود۔ اوپر چڑھنا۔ ابھارنا

صفدر۔ بہادر۔ شیر

صلبی۔ پشتینی۔ حقیقی نسل کا ہونا۔

صلابت۔ ٹھوس ہونا۔ سختی

صلواتیں سنانا۔ برا بھلا کہنا۔ ملامت کرنا۔

صمصام۔ شمشیر

صمیم۔ خالص۔ تہہ دل سے۔ مغز۔

صم۔ بہرہ

صوت۔ آواز

صوف۔ پشمینہ۔ اون

صولت۔ رعب۔ دبدبہ۔ حملہ۔

صہبا۔ شراب۔

صیت۔ شہرت۔

صیغہ۔ سانچہ۔ محکمہ۔ فعل کی مختلف صورتوں کو صیغہ کہتے ہیں۔

صیانت۔ حفاظت۔ دیکھ بھال۔

صیرفی۔ صراف۔ حیلہ گر۔ پرکھنے والا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

صَیف۔ گرمی کا موسم ۔
صَیہونیت۔ یہودیت۔ یہودیوں کی عالمی تحریک کا نام۔

"ض"

ضَاحِک۔ ہنسنے والا۔
ضُحیٰ۔ چاشت کا وقت۔
ضِرغَام۔ زبردست شیر۔ درندہ
ضَغطَہ۔ تنگی۔ سختی۔ دباؤ
ضَرِیح۔ قبر۔
ضَیف۔ مہمان
ضَیغَم۔ پھاڑ کھانے والا شیر
ضِیق۔ تنگ۔
ضِیق النّفس۔ بیماری کا نام۔ سانس کا تنگی کے ساتھ آنا جانا۔ جسے دمہ کہتے ہیں۔

"ط"

طَالِع۔ قسمت۔ نصیب۔ طلوع ہونے والا۔
طَارَم۔ لکڑی کا مکان۔ بالا خانہ۔
طَاس۔ طشت۔ لگن۔ بڑا تھال۔
طَاغوت۔ شیطان۔
طَائفہ۔ گروہ۔ آدمیوں کی ٹولی۔
طَالِع شناس۔ نجومی۔ قسمت کا حال بتانے والا۔
طَاب ثراہٗ۔ اس کی قبر کی مٹی نرم و خوشگوار رہے۔
طَاقِ کسریٰ۔ نوشیرواں بادشاہ کا محل
طَبخ۔ پکانا۔
طَبّاع۔ تیز طبیعت
طِبِّ اکبر۔ طب کی ایک کتاب کا نام ہے جس کے مصنف حکیم محمد اکبر ارزانی تھے۔
طَبلہ عطّار۔ عطر فروش کا وہ ڈبہ یا خاص ظرف جس میں عطر رکھتا ہے۔
طَبل۔ بڑا ڈھول۔
طُرفہ۔ انوکھی بات۔ انوکھی چیز۔
طُرفۃ العین۔ پلک جھپکنے کا وقفہ۔
طُرگوش۔ ترکی ٹوپی۔
طَعم۔ لذت۔ ذائقہ۔
طُغیان۔ سرکشی۔ بغاوت۔
طُغرا۔ ایک قسم کا خاص نشان بطور نام یا عبارت مختصر جگہ لکھنا۔ زیادہ الفاظ کو کم سے کم حروف میں خوبصورتی سے لکھنا۔ آرائش کے لیے ایسے طغرے مکان کے اندر لگائے جاتے ہیں۔ خطِ طغرا۔ خوشنویسی کی ایک قسم ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

طِفلِس ۔ ملک قفقاز کا فدیم دارالحکومت

طَلاقت ۔ تیز زبانی ۔

طَلعت ۔ دیدار ۔ روشنی

طَلایہ ۔ فوج کا وہ دستہ جو رات

〃 کو شہر کی حفاظت کے لیئے گشت

کرے ۔

طَنّاز ۔ شوخ ۔ نازو انداز دکھانے

والا

طَنطنہ ۔ نقارہ کی آواز

طَنبورہ ۔ چھ تاروں کا ستار

طُوری ۔ بٹیر کی ایک قسم جو لڑائی جاتی ہو

طُوبیٰ ۔ بہشت کا ایک پھل دار درخت

طُومار ۔ کاغذ کا گٹھا

طَیران ۔ اڑنا ۔ اڑانا

"ظ"

ظَبی ۔ ہرن ۔

ظلمات ۔ اندھیرے ۔ ایک سمندر کا

〃 نام جس کو بحرِ اٹلانٹک کہتے ہیں ۔

〃 اس مقام کو بھی کہا جاتا ہے

جہاں آبِ حیات کا چشمہ ہے ۔

ظلُوم ۔ بہت بڑا ظالم ۔

ظن ۔ گمان ۔ خیال ۔

ظِمَا ۔ پیاس ۔ تشنگی ۔

ظہری ۔ پشت والی چیز ۔

ظَہر ۔ پیٹھ ۔

"ع"

عَاج ۔ ہاتھی دانت

عَاجِل ۔ جلدی کرنے والا ۔

موجود چیز

عَار ۔ شرم ۔ حیا ۔

عَارِض ۔ گال ۔ رُخسار ۔

عَاری ۔ ننگا ۔ برہنہ ۔ خالی

عَاشُورہ ۔ ماہِ محرم کی دسویں

〃 تاریخ ۔ حضرت

امام حسین کی شہادت کا دن

عَاطِفت ۔ سرپرستی ۔ حمایت ۔

〃 مہربانی ۔

عَاق ۔ باپ سے سرکشی کرنے

والا ۔

عالی گہر ۔ معزز خاندان ۔

〃 اونچی ذات والا

عَدُول ۔ نافرمانی ۔ حکم کے

〃 خلاف کرنا ۔

عَدَن ۔ عرب کا ایک مشہور شہر

جو ملک یمن میں شامل ہے

اور ساحل سمندر پر واقع

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

〃 ہے۔ وہاں کے موتی بہت مشہور
〃 ہیں۔ دُرِّ عدن، کو شاعروں
〃 اور نثر نگاروں نے بطور تشبیہہ بہت
〃 استعمال کیا ہے۔
عَدِیمُ والسَّہِیم ۔ جس کے مثل کوئی نہ ہو۔
〃 جس کا کوئی ساجھے دار
نہ ہو
عُذُوبَت ۔ مٹھاس۔
عَزَازِیل ۔ شیطان۔
عُزلَت ۔ گوشہ نشینی۔
عَزل ۔ ہٹانا۔ جگہ سے اتارنا۔
〃 مرتبہ گھٹانا
عَرُوض ۔ وزنِ شعر کا علم۔ یہ فن خلیل
〃 ابن احمد نے ایجاد کیا تھا۔ تاکہ
〃 اشعار کے وزن کی جانچ کی جاسکے
〃 اس کے لئے جو وزن مقرر ہیں
〃 ان کو بحریں کہتے ہیں۔ اصل بحریں
〃 ۱۸ ہیں ان کی مدد سے چند اور
بحریں بنائی گئی ہیں۔
عَربَدہ جو ۔ لڑاکا۔ لڑائی کے لئے بہانے
ڈھونڈنے والا۔
عَرق گیر ۔ وہ آلہ یا ظرف جس میں
دواؤں کا عرق کشید کیا جاتا ہے
عَسکَر ۔ فوج۔ لشکر
عشر عَشیر ۔ دسواں حصّہ۔ تھوڑا سا

عِشق پیچاں ۔ ایک بیل دار پودا،
〃 جس کی بیل درختوں اور دیواروں
〃 پر چڑھ جاتی ہے۔
عَصَافِیر ۔ گوریّا چڑیاں۔ عُصفُور کی
جمع ہے۔
عُطَارُد ۔ ایک ستارہ جو منشی فلک
〃 کہلاتا ہے۔ کہتے ہیں علم و فضل
اس کے متعلق ہے۔
عَطَش ۔ پیاس۔
عُطَارُد قلم ۔ بہترین لکھنے والا۔
عَظِیمُ واللہ فانی حقہ ۔ ایک قسم کا
〃 حقہ جو اپنے موجد کے نام سے
〃 مشہور ہے۔
عِفرِیت ۔ بھوت۔ پریت۔ دیو
عَفِیفَہ ۔ پاک دامن۔
عَقرَب ۔ بچھو۔
عَقِیم ۔ بانجھ۔
عقیقِ یمن ۔ عرب کے ملک یمن کا
〃 یاقوت۔ جو قدیم زمانہ سے مشہور ہے۔
عَلَف ۔ گھاس۔ چارہ۔
علم لَدُنّی ۔ خدا داد علم
عَلَی التَّوَاتُر ۔ مسلسل۔ لگاتار۔
عَلّامی ۔ بہت علم والا۔ علّامہ بھی
کہتے ہیں۔
عَلَائِم ۔ نشان۔ علامتیں۔ (اسباب)

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عَمّاری ۔ ہودج ۔ اونٹ پر رکھنے
" کے لیئے ایک طرح کی بند ڈول
" سی بنا دیتے ہیں جس میں سواریاں
بیٹھتی ہیں
عُمُق ۔ گہرائی ۔
عُمُود ۔ ستون ۔
عَمّ نَوالُہٗ ۔ اس کی بخشش عام ہے ۔
عَمرو عیّار ۔ ایک چالاک شخص کا نام
" جو بڑا فریب کار اور جادوگر تھا ۔
" یہ فرضی نام داستان امیر حمزہ
" کے مصنفوں نے خوب استعمال
" کیا ہے ۔ اس کی زنبیل یعنی جھولا
" مشہور تھا جس میں چھوٹی بڑی
" بے شمار چیزیں سما جاتی تھیں
عمرانیات ۔ قدیم زمانہ کے علوم
عُنصُر ۔ جڑ ۔ بنیاد ۔
عُنفوان ۔ آغاز ۔ ابتدائی زمانہ ۔
اٹھتی جوانی ۔
عَنقا ۔ لمبی گردن کا ایک فرضی پرندہ
" جب کسی بے وجود چیز کا ذکر ہو
" تو یہ نام استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ
عَنبَر ۔ ایک قسم کی خوشبو ، جو ایک بحری
" جانور کے جسم سے حاصل ہوتی ہے ۔
عُود ۔ ایک خوشبودار درخت کی لکڑی
" جس کو جلانے سے خوشبودار دھواں
نکلتا ہے ۔
عَینُ الکمال ۔ نظر بد ۔
عَیاذاً باللہ ۔ خدا کی پناہ ۔

" غ "

غَالیہ مُو ۔ خوشبودار ، سیاہ
" بالوں والا ۔
غاشیہ بردار ۔ فرماں بردار ۔
غازہ ۔ ایک خوشبودار سفوف جو
" چہرہ پر ملا جاتا ہے ۔
غَالیہ ریز ۔ خوشبو بکھیرنے والا ۔
پھیلانے والا ۔
غَبغَب ۔ ٹھوڑی ۔
غَچّا کھانا ۔ دھوکہ کھانا ۔
غَت رَبُود ۔ غائب ہونا ۔ ختم ہونا
غُرّہ ۔ چاند کے مہینے کی پہلی تاریخ ۔
غُرفش ۔ بحث تکرار ۔ غصہ کی
" باتیں ۔
غِربال ۔ چھلنی ۔
غُرفہ ۔ کھڑکی ۔ جھروکہ ۔
غَزال ۔ ہرن ۔
غَصب ۔ چھین لینا ۔ دوسرے کی
چیز جبراً لے لینا ۔
غَضَنفَر ۔ شیر درندہ ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

غضِّ بصر ۔ چشم پوشی کرنا ۔
غِل ۔ غش ۔ کدورت کھوٹ
غمّاز ۔ چغل خور ۔
غُنّہ ۔ جس کی آواز ناک سے نکلے ۔
غوث ۔ فریادرس ۔ بڑا بزرگ ۔
" اولیاء اللہ کا ایک عہدہ ۔
غوامض ۔ گہری قابل غور باتیں ۔
" ... راز کی باتیں ۔ مشکل مسائل
غوری ۔ تانبہ کی گہری پلیٹ یا پیالہ
غوّاص ۔ غوطہ لگانے والا ۔
غیر ذالک ۔ اس کے سوا ۔ علاوہ ۔
غیر منقولہ ۔ جس کو منتقل نہ کیا جاسکے ۔

"ف"

فاش ۔ ظاہر ۔ آشکار ۔
فارق ۔ جدائی ڈالنے والا ۔ فرق
" کرنے والا ۔
فاتر ۔ خراب ۔ سست
فاقد ۔ گم کرنے والا ۔ کھونے والا ۔
فاقع ۔ گہرا پیلا رنگ ۔
فائق ۔ بہتر ۔ بلند ہونے والا ۔
فاسخ ۔ توڑنے والا ۔ ختم کرنے والا ۔
فانوس ۔ ایک قسم کا شمع دان جو لٹکا
" دیا جاتا ہے ۔

فتادگی ۔ گراپن ۔ گرا ہوا ہونا ۔
" کم ہمت ہونا ۔
فتراک ۔ چلاّ شکار بند ۔
فِدوی ۔ قربان ہونے والا ۔
" عاجز نا چیز ۔
فرزانہ ۔ عقل مند ۔ دانشور ۔
فرس ۔ گھوڑا ۔
فرسخ ۔ تین میل کے برابر فاصلہ ۔
فرسنگ ۔ " " "
فرسا ۔ پرانا ہونے والا ۔ گھٹنے
" والا ۔
فرہنگ ۔ عقل ۔ بزرگی ۔ لغت کی کتاب ۔
فراوان ۔ بہت زیادہ ۔
فرتوت ۔ بہت بوڑھا ۔
فرزین ۔ شطرنج کا ایک مہرہ جو فرزین
" کہلاتا ہے ۔
فرات ۔ عراق عرب کے ایک دریا کا
" نام ہے ۔
فریدالدہر ۔ زمانہ بھر میں یکتا ۔
فریدون ۔ ایران کا مشہور بادشاہ تھا ۔
فری میسن ۔ قدیم انگلستان میں ایک
" پراسرار گروہ تھا جس کے ممبر
" کسی کو اپنا مسلک نہیں بتاتے
" تھے ۔ اشاروں سے اپنے
" گروہ کے افراد کو پہچانتے تھے ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

〃 وہ اشارے وہی لوگ سمجھتے
〃 تھے۔ دنیا کے دوسرے ملکوں
〃 میں بھی اس کا کچھ اثر پہونچا۔
〃 ہندوستان میں بھی اس کی
شہرت ہوئی۔

فرخ نہاد ۔ مبارک ذات والا۔
عالی نسب

فرع ۔ شاخ۔ ڈالی

فرط ۔ زیادتی

فخیم ۔ بزرگ۔ بڑی چیز۔

فسحت ۔ کشادگی۔ فراغت

فش ۔ بے نتیجہ بات۔

فضیحت ۔ رسوائی۔ بدنامی

فغفور ۔ چین کے ایک قدیم بادشاہی
〃 خاندان کا لقب۔ اس خاندان
〃 کا ہر بادشاہ چین کہلاتا تھا

فق ۔ حیران۔ پریشان۔

فقدان ۔ گم ہونا۔ کم یاب ہونا۔

فقید ۔ بے مثل۔ نایاب۔

فکاہت ۔ خوش طبعی بذلہ سنجی

فلک سیر ۔ ایک نشیلی دوا۔ افیون
کو بھی کہتے ہیں۔

فنجان ۔ چھوٹی پیالی، چھوٹا پیالہ
جس میں قہوہ وغیرہ پیا جاتا ہے۔

فوطہ دار ۔ خزانچی۔ نقد روپیہ رکھنے والا۔

فیل ۔ مکر و فریب۔

فیل پا ۔ پاؤں سوجنے کی بیماری۔

فلک الافلاک ۔ سب آسمانوں
〃 سے بڑا اور بلند آسمان، ساتواں
〃 آسمان۔

"ق"

قاقم ۔ ایک جانور کا نام ہے جس
〃 کی کھال بہت قیمتی ہوتی ہے
〃 اور اس سے عمدہ لباس بنتا ہے۔
〃 یہ پہاڑی جانور بہت کمیاب
〃 ہوتا ہے

قال و قیل ۔ باہمی گفتگو جس میں
بحث مباحثہ کی صورت ہو۔

قابوچی ۔ خود غرض مطلبی۔ دربان۔

قبا ۔ امیروں کا خاص لباس جو لمبا
〃 اور گھیر دار ہوتا ہے۔ جس طرح
عبا۔

قابیل ۔ حضرت آدم کے دوسرے
بیٹے کا نام۔

قارون ۔ ایک بہت دولت مند
〃 بادشاہ تھا مشہور ہے کہ اس کے
〃 خزانوں کی کنجیاں چالیس اونٹوں
پر لادی جاتی تھیں۔ قارون کا خزانہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

〃 ضرب المثل بن گیا ہے۔
قاہرہ ۔ ملک مصر کا دارالسلطنت
قبّہ ۔ گول گنبد نما عمارت ۔ برج ۔
قدغن ۔ روک ۔ ممانعت ۔
قدّوس ۔ بہت پاکیزہ ۔
قدوہ ۔ رہنما ۔ سرگروہ ۔ منتخب ۔
قرابہ ۔ صراحی ۔ شراب رکھنے کا ظرف ۔
قرابین ۔ ایک قسم کی چھوٹی بندوق ۔
قرمز ۔ قرمزی ۔ سرخ ۔ ارغوانی رنگ ۔
قرن ۔ سو سال ۔ صدی ۔ ستاروں کا ملنا ۔
قرنا ۔ قرنائی ۔ بانسری ۔ نرسنگا
〃 سینگ کا بنا ہوا بگل ۔
قعر ۔ گہرائی ۔ غار ۔ گڑھا ۔
قراول ۔ سنتری ۔ بندوقچی ۔
قرص ۔ ٹکیہ ۔ چٹکی ۔
قرمساق ۔ کمینہ ۔ بھڑوا ۔
قرۃ العین ۔ آنکھ کی ٹھنڈک ۔ مذہب
〃 بابی کی ایک رہنما خاتون کا نام بھی
〃 ہے ۔
قسطاس ۔ ترازو ۔
قشون ۔ لشکر ۔ فوج کا دستہ ۔
قضا کار ۔ اتفاقاً ۔
قطامہ ۔ کٹنی ۔ حشہ عورت ۔
قطرب ۔ مرگی کا مرض جنوں کی ایک قسم ۔
قطاع الطریق ۔ رہزن ۔ ڈاکو ۔ لٹیرے ۔

قفس عنصری ۔ مراد انسان کا جسم
〃 〃 جس کے اندر روح قید ہے ۔
قلماقنی ۔ وہ عورت جو مسلح ہو کر
〃 بادشاہوں اور امیروں کے
〃 محلوں میں پہرہ دیتی ہے ۔
قلابہ ۔ مچھلی پکڑنے کا کانٹا ۔
قلیان ۔ حقہ ۔
قلب ساز ۔ جعلی سکہ اور سونا چاندی
〃 بنانے والا ۔
قلاجنگ ۔ پہلوانی کا ایک خاص
داؤں ۔
قماش ۔ ڈھنگ ۔ گنجفہ کی ایک
〃 بازی ۔
قم ۔ لفظی معنی "اٹھ کھڑا ہو ۔
〃 ایران کے ایک مشہور شہر کا
〃 نام ہے جو علماء کا مرکز ہے
قنات ۔ چاروں طرف کا پردہ ۔
قنوج ۔ اودھ کا مشہور مردم خیز
〃 قصبہ جو ضلع ہردوئی (اترپردیش)
〃 میں واقع ہے زمانہ قدیم میں
〃 علماء اور فنکاروں کا مرکز تھا ۔
قوز ۔ وہ فیتہ جو کپڑوں کے حاشیہ
پر لگاتے ہیں ۔
قوارہ ۔ ٹکڑا ۔ پارچہ
قیراط ۔ ایک وزن کا نام اونس کا چوبیسواں حصہ

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"ک"

کاسک ۔ روس کے مشرقی علاقہ کی ایک قوم کا نام ہے۔

کاکل ۔ زلف۔ لمبے بال۔

کارچوب ۔ سونے یا چاندی کے تاروں سے کپڑوں پر پھول اور بیل بوٹے بنانے کی لکڑیاں یا اوزار

کاواک ۔ خالی۔ کھوکھلی چیز۔

کالم ۔ فوج کا ایک دستہ۔ صفحے کے دو حصے۔

کامروپ ۔ آسام کا ایک علاقہ جو جادوگروں کا مرکز تھا۔ یہاں کے جادوگر مشہور ہیں۔

کاوا دینا ۔ گھوڑے کو چکر دینا۔

کایر ۔ بزدل۔ مغلوب۔

کایا ۔ شکل۔ جسم۔ روپ۔

کاکریزی ۔ سرخی مائل سیاہ رنگ بینجنی رنگ۔

کاسد ۔ کھوٹا۔ ناقص۔ بے قدر

کارچوبی ۔ زردوزی۔ سونے کے تاروں کا کام۔

کاسب ۔ کمانے والا۔

کاری ۔ گہرا۔ سخت۔

کافہ ۔ گروہ۔ بھیڑ۔

کانڈ ۔ باب حصہ

کائیاں ۔ دغاباز۔ چالاک۔

کالبد ۔ ڈھانچہ۔ جسم۔

کبریت ۔ گندھک۔

ککنک ۔ چکور (ایک پرندہ)۔

کپوت ۔ نافرمان بیٹا۔

کتارا ۔ گنے کی ایک قسم۔ املی کا پھل

کتان ۔ باریک ریشمی کپڑا جو بہت نازک ہوتا ہے۔ السی اور سن سے بنا جاتا ہے اور چاندنی کی روشنی پڑتے ہی پھٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے۔

کتھک ۔ گویا۔ ناچنے والا۔ ناچ کی ایک قسم۔

کحل الجواہر ۔ وہ سرمہ جس میں موتی شامل ہوں۔

کڈھب ۔ بے ڈھنگ۔ بے طور۔

کرن پھول ۔ کانوں میں پہننے کا ایک زیور۔

کرم پیلہ ۔ ریشم بنانے والا کیڑا۔

کروبی ۔ فرشتہ۔

کرمک شب تاب ۔ جگنو۔

کرگس ۔ گدھ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کژدم ۔ بچھو ۔
کستوری ۔ مشک ۔ جو خشکی ہرن
〃 کی ناف سے نکلتی ہے ۔
کسبی ۔ بیسوا ۔ آوارہ ۔
کسم ۔ زعفران ۔
کگرنی ۔ کمہارن ۔
کشش انابیب شعری ۔ وہ کشش
〃 جس سے رقیق (پتلی) چیز اپنی
〃 ہموار سطح سے اوپر چڑھ جاتی ہے
کشف ۔ کھولنا ۔
کفاف ۔ وظیفہ ۔ روزینہ معاش
کفشگر ۔ جوتے بنانے والا ۔
کفران ۔ ناشکری ۔
کفش دوز ۔ موچی ۔
کفیل ۔ ذمہ دار ۔ دوسرے کا کام
خود کرنے والا ۔
ککڑ والا ۔ بازار میں حقہ پلانے والا
کالبدر فی النجوم ۔ جیسے چودھویں
〃 تاریخ کا چاند، ستاروں کے
〃 درمیان نظر آئے ۔
کلپانا ۔ غمگین کرنا ۔ ستانا ۔
کلپنا ۔ زور زور سے رونا ۔
کلتھی ۔ سیاہ رنگ کا ایک اناج ۔
کلاونت ۔ گویا ۔
کلجگ ۔ برا زمانہ ۔

کلنک ۔ الزام ۔ بدنامی ۔
کلاغ ۔ کوا ۔
کلال ۔ کمہار ۔
کلوخ اندازی ۔ پتھر پھینکنا ۔
ڈھیلے مارنا ۔
کمپاس ۔ زمین ناپنے کا آلہ ۔
کمیت ۔ سرخ رنگ کا گھوڑا ۔
کماینبغی ۔ جیسا کہ چاہیئے ۔
کمانچہ ۔ سارنگی جیسا ایک ساز ۔
کمبری ۔ وہ گھوڑا جو چڑھائی پر نہ
〃 چڑھ سکے ۔
کنہہ ۔ حقیقت ۔ اصلیت ۔ گہرائی ۔
کنچنی ۔ رنڈی ۔ کسبی ۔
کناری ۔ چوڑا گوٹا ۔
کنعان ۔ ملک شام کا قدیم شہر جہاں
〃 حضرت یعقوب پیغمبر رہتے تھے ۔
〃 ان کے بیٹے حضرت یوسف علیہ
〃 حسن وجمال میں ممتاز تھے جن کو
〃 ان کے سوتیلے بھائیوں نے کنوئیں
〃 میں ڈالدیا تھا ۔ ان کو ماہ کنعان
〃 بھی کہتے ہیں ۔
کورنش ۔ آداب بجالانا ۔ تعظیم کرنا ۔
کوس ۔ نقارہ ۔
کوتل ۔ وہ گھوڑا جس کو سجا بنا کر
〃 امرا کی سواری کے ساتھ لیجاتے ہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کوکا ۔ دائی کا بیٹا ۔ اتالیق ۔
کوکھ جلی ۔ بانجھ ۔
کورِدہ ۔ چھوٹا گاؤں ۔ پُروا ۔
کوچِہ ۔ وہ پٹھا جو پاؤں کے پیچھے
" اور ایڑی کے اوپر ہوتا ہے ۔
" اگر وہ کٹ جائے تو چلنا مشکل
ہوتا ہے ۔
کوہ کن ۔ پہاڑ کھودنے والا ۔
" مراد فرہاد ہے جو شیریں پر
" عاشق تھا اور اس کے حکم سے
" پہاڑ کھود کر نہر نکالنے کی کوشش
" میں اپنے ہی تیشہ سے ہلاک ہو گیا
" تفصیل لفظ جوئے شیر کی
" تشریح میں لکھی گئی ہے ۔
کوہِ نور ۔ مشہور ہیرا ۔ جو راجہ بکرما
" جیت کو ملا تھا ۔ اس سے
" مالوہ کے کسی راجہ کے ہاتھ لگا ،
" جس سے ہمایوں بادشاہ کو ملا ۔
" اکبر اور جہانگیر کے خزانہ میں
" رہا ۔ شاہ جہاں نے اپنے تاج
" میں جڑوا لیا ۔ اسی کے خاندان
" میں رہا ۔ محمد شاہ رنگیلے کے زمانہ
" میں نادر شاہ درانی نے دہلی پر
" حملہ کیا اور محمد شاہ سے کوہِ نور
" چھین لیا اور ساتھ افغانستان لے گیا ۔
" شاہ شجاع کے ذریعہ یہ
" مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ہاتھ
" آیا اس سے انگریزوں نے
" حاصل کر کے انگلستان پہونچا
" دیا جو وہاں کے شاہی تاج
" میں جڑا گیا ۔ اب ملکۂ برطانیہ
" کے تاج کی زینت ہے ۔
کوہِ قاف ۔ بحرِ کیسپین اور بحرِ
" اسود کے درمیان ایک پہاڑ
" ہے جس کے شمال میں آرمینیا
" آذربائیجان اور جارجیا واقع
" ہیں یہاں کی عورتیں بہت
" خوبصورت مشہور ہیں ۔ پرانی
" عوامی کہانیوں میں کوہِ قاف
" کی پریوں کا بہت ذکر آتا ہے
کہروا ۔ صبح کا تاج ۔
کہولت ۔ ادھیڑ عمر ہونا ۔ بالوں کا
" کھچڑی ہونا ۔
کیتکی ۔ ایک پھول کا نام ہے
کید ۔ مکر ۔ فریب ۔

"گ"

گاب ۔ گودا ۔ مغز ۔
گات ۔ وضع ۔ ڈھنگ ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گاجْ ۔ غصہ۔ گرج۔

گاج پڑے ۔ آفت آئے۔ مصیبت پڑے۔

گاذُر ۔ دھوبی۔

گاؤ زمین ۔ وہ گائے جس کے لئے
" مشہور ہے کہ اس کے سینگوں پر
" زمین کا بوجھ ہے۔

گاؤدی ۔ احمق۔ بیوقوف۔

گٹکری ۔ وہ پیچدار آواز جو گانے
" والوں کے گلے سے نکلتی ہے۔

گٹکا ۔ چھوٹی کتاب۔ بڑی کتاب کا
" خلاصہ۔ ایک طلسمی گولی جس کو منھ
" میں رکھ کر اڑ جاتے ہیں یہ عوامی
" روایت ہے

گڑھیاں کرنا ۔ تپاک ظاہر کرنا۔

گاڑھی بوٹی چڑھانا۔ زیادہ بھنگ
پی جانا۔

گذری ۔ شام کا بازار۔ وہ بازار
" جو شام کو لگتا ہے۔

گزلک ۔ قلم تراش۔ وہ چاقو جس کی
نوک مڑی ہوئی ہوتی ہے۔

گرگ ۔ بھیڑیا۔

گل کھلانا ۔ فادھڑا کرنا۔ انوکھا
کام کرنا۔

گل چلا ۔ بندوق کی گولی نشانے
پر لگانے والا۔

گل بکاولی ۔ ایک پھول کا نام ہے۔
" ایک پری کا نام جس کا قصہ
بہت مشہور ہے

گلزار نسیم ۔ نسیم لکھنوی کی لکھی ہوئی
" مثنوی کا نام ہے۔ جس میں
" گل بکاولی کا قصہ نظم کیا ہے۔ اردو
کی مشہور اور مقبول مثنوی ہے

گلخن ۔ انگیٹھی۔

گل سر سبد ۔ ممتاز۔ چنا ہوا پھول

گل بانگ ۔ خوشی کا شور وغل

گل اندام ۔ پھول جیسے نرم وخوبصورت
جسم والا۔

گل دم ۔ بلبل۔ ایک سرخ رنگ
کی چڑیا۔

گل دینا ۔ پھانسی دینا۔

گل ڈاب کرنا ۔ کسی کا مال چھین لینا۔

گل ڈانگ ۔ خونخوار شکاری کتا
جو بہت قوی ہوتا ہے۔

گلخب ۔ باہمی تکرار۔ رنجش کی
" باتیں۔

گوت ۔ خاندان قبیلہ۔

گوگرد ۔ گندھک۔

گوہر شب چراغ ۔ بہت شفاف
اور چمکدار یعقوت جو اندھیرے
میں دھکتے کوئلے کی طرح چمکتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

گوکھرو ۔ مڑا ہوا گوٹا ۔ لچکا ۔
گوپامؤ ۔ ایک مشہور تاریخی قصبہ جہاں
بڑے بڑے عالم و فاضل
پیدا ہوئے ۔ وہاں کے لوگ بددماغ
اور مغرور مشہور تھے یہ قصبہ ضلع
ہردوئی (اتر پردیش) میں واقع ہے
گھور ۔ گہرا رنگ ڈراونی گرج ۔
گیتی ۔ دنیا ۔ عالم ۔
گیدی ۔ بزدل ۔ احمق ۔ لالچی ۔
گیہان ۔ دنیا ۔ جہان ۔
گیاہ ۔ گھاس ۔
گیانی ۔ عالم ۔ عقل مند ۔

"ل"

لآلی ۔ موتی ۔
لابد ۔ ضروری ۔
لابہ ۔ خوشامد ۔ چاپلوسی ۔
لاجرم ۔ ضرور ۔ خواہ مخواہ ۔
لاجورد ۔ نیلے رنگ کا ایک قیمتی پتھر ۔
لاریب ۔ بے شک ۔ بلاشبہ ۔
لات ۔ ایک بت کا نام جو اسلام
سے پہلے کعبہ کے اندر رکھا ہوا تھا ۔
لاطائل ۔ فضول ۔ بے فائدہ ۔
لامس ۔ چھونے والا ۔
لامع ۔ روشن ۔ چمکنے والا ۔
لاینفک ۔ جدا نہ ہونے والا ۔
لاہی ۔ ایک دبیز قسم کا ریشمی کپڑا
گلبدن کی طرح ۔
لبیب ۔ عقل مند ۔
لبیک ۔ حاضر ہوں میں (پکار کا جواب ہے) ۔
لترے ۔ چغل خور ۔ ادھر کی ادھر لگانے
والے ۔
لٹکن ۔ کان کا ایک زیور ۔ کرن پھول ۔
لجّہ ۔ بھنور ۔ تھاہ ۔
لحم خوک ۔ خنزیر کا گوشت
لخلخہ ۔ ایک خوشبودار مرکب جو سونگھنے
کے لئے بنایا جاتا ہے ۔ بیہوشی کی
حالت میں سنگھانے سے
ہوش آجاتا ہے ۔
لحیم ۔ موٹا تازہ ۔
لعبت ۔ گڑیا ۔
لف ونشر ۔ لپٹا ہوا اور کھلا ہوا ۔
فن بلاغت کی ایک اصطلاح ہے ۔
لگد ۔ لات ۔ ٹھوکر
لن ترانی ۔ "تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ
سکتے" یہ آیت قرآنی کا ایک جز
ہے ۔ جب حضرت موسیٰ نے کوہ طور
پر اللہ تعالیٰ کے دیدار کی خواہش
ظاہر کی تو ان کو یہ جواب ملا تھا ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

" اردو میں یہ لفظ شیخی بگھارنے
" اور ڈینگ ہانکنے کے معنی میں
" استعمال ہوتا ہے۔
لَوث ۔ آلودگی ۔
لَوذَعی ۔ سمجھ دار۔ تیز فہم ۔
لَو فَرَضنَا ۔ اگر ہم فرض کریں ۔ مان لیں ۔
لَوز ۔ بادام ۔
(۱) **لَونکنا** ۔ چمکنا۔ تیز روشنی یا چمک
" ہونا بجلی کا چمک کر ادھر ادھر
" نظر آنا۔
لَہِیب ۔ شعلہ ۔
لَہنہ ۔ احمق ۔ گھامڑ ۔
لَیتَ ۔ کاش کہ۔ تمنا کرنا۔
لَیلَۃُ البَدر ۔ چاند کی چودھویں رات۔
لِینَت ۔ نرمی ۔
لَوّامَہ ۔ سخت ملامت کرنے والا۔
لَوذَعی ۔ تیز فہم۔ سمجھدار۔
لَئیم ۔ کمینہ ۔

"م"

مَآب ۔ لوٹنے کی جگہ۔ بازگشت۔
مَا بَقِی ۔ جو باقی رہ گیا۔
مَا بہِ الاِحتِیَاج ۔ جس چیز کی
ضرورت ہو۔

مَاثُورہ ۔ نقل کیا ہوا۔ جڑا دیا ہوا۔
مَاثُوم ۔ گنہگار ۔
مَاجِد ۔ بزرگ مردِ بزرگوار ۔
مَاخُوذ ۔ گرفتار۔ پکڑا ہوا ۔
مَار گزِیدہ ۔ سانپ کا ڈسا ہوا ۔
مَارُوت ۔ ایک فرشتہ کا نام ۔
مَالَایُطَاق ۔ جس چیز کی طاقت نہ ہو
" ناقابل برداشت بوجھ ۔
مَالَایَنحَل ۔ ناقابلِ حل ۔
مَال زَادِی ۔ کٹنی ۔ طوائف ۔
مَامَضَی ۔ جو گزر چکا ۔
مَامَن ۔ امن کی جگہ ۔
مَامُون ۔ محفوظ ۔
مَاوِیٰ ۔ واپسی کی جگہ ۔ مکان ٹھکانا۔
ماہِ نَخشَب ۔ حکیم ابن مقنع کا بنایا ہوا۔
" مصنوعی چاند تفصیل "چ" کے
" تحت لکھی گئی ہے ۔
مَاہِی مَرَاتِب ۔ وہ اعزازی نشان
" جو بادشاہوں کی سواری کے
" آگے ہاتھیوں پر چلا کرتے تھے ۔
مَاجُور ۔ اجرت پایا ہوا۔ بدلہ پانے
والا ۔
مُبَارِز ۔ فوج میں سے بڑھ کر
" لڑنے والا جنگجو ۔
مُبَذِّر ۔ زیادہ خرچ کرنے والا ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مُتخاصِم ۔ باہم دشمنی کرنا ۔ آپس میں
لڑنے والے ۔
مُتخیّلہ ۔ خیال میں لایا ہوا ۔ خیال کی جگہ ۔
متعہ ۔ کچھ مدت کے لیے کسی عورت
سے نکاح کر لینا ۔ یہ طریقہ شیعہ مسلک میں
جائز ہے ۔
مُترشّح ۔ ٹپکنے والا ۔ ظاہر ۔ عیاں
مُترقّب ۔ انتظار کرنے والا ۔
متصدّی ۔ آگے آنے والا ۔ خدمت
گار ۔ پیشکار عربی زبان کا
مشہور شاعر جس نے نبوت کا
دعویٰ کیا تھا اس نے سنہ ۹۶۰ء میں
وفات پائی ۔
مثابہ ۔ لوٹنے کی جگہ ۔ ٹھکانہ ۔
مثقال ۔ ساڑھے چار ماشہ وزن ۔
مُجاورت ۔ ہمسائگی ۔ پڑوسی ہونا ۔
مُجبّری ۔ سلام کرنے والا ۔ تعظیم دینے
والا ۔
محبس ۔ قید خانہ ۔ پنجرہ ۔
محاذی ۔ روبرو ہونے والا ۔
محافہ ۔ ڈولی ۔ فنس ۔ پردہ دار
سواری ۔
محرم ۔ انگیا جو سینہ پر پہنی جاتی ہے ۔
مخضب ۔ رنگا ہوا ۔ خضاب لگا ہوا ۔
مخدّرات ۔ شریف پردہ نشین
خواتین ۔

مُخنّث ۔ خواجہ سرا ۔ ہیجڑا ۔
مُخیّم ۔ خیمہ لگانے کی جگہ ۔
مخمصہ ۔ بھوک ۔ اضطراب بڑھانے
والا غم ۔
مُداومت ۔ ہمیشگی ۔
مذخولہ ۔ گھر ڈالی عورت ۔
مدقّق ۔ باریک بیں ۔ گہری نظر
سے جانچنے والا ۔ باریک نکتہ پیدا
کرنے والا ۔
مُدوّر ۔ گول ۔ گرداگرد پھیرایا ہوا ۔
مُذنب ۔ گنہگار ۔
مُذہّب ۔ سنہرا ۔ سونے کا بنا ہوا ۔
مُرچنگ ۔ سہ شاخہ برچھے کی شکل کا
تار والا چھوٹا باجا جس کی آواز
بہت سریلی ہوتی ہے ۔
مُترادف ۔ ہم معنی الفاظ ۔
مرگ چھالا ۔ ہرن کی بالوں سمیت
کھال ۔ جس کو بچھا کر جوگی پوجا
کرتے ہیں ۔
مرزبوم ۔ جنم بھومی جائے ولادت
مرغولہ ۔ دھوئیں کا چھلا ۔ بالوں کا
گھونگر ۔
مرگ مفاجات ۔ ناگہانی موت
مرغولہ مو ۔ گھونگریالے بال والے ۔
مرام ۔ مقصد ۔
مروی ۔ روایت کیا ہوا ۔ بیان کیا ہوا ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مُرتاض ۔ ریاضت کرنے والا محنت
" کرنے والا ۔
مرّیخ ۔ ایک مشہور ستارہ ہے ۔
مرکوز ۔ جمایا ہوا ۔ گڑا ہوا ۔ ایک
" چیز پر نظر جمانا ۔
مُروّف ۔ صاف کی ہوئی چیز ۔ خاص
" طور سے سیال چیزوں کے لئے
" استعمال ہوتا ہے ۔ جیسے پانی ۔
" شراب ۔ وغیرہ ۔
مُزخرف ۔ چھوٹی بات کو سجا کر دکھانا ۔
مُستاصل ۔ جڑ سے اکھاڑنے والا ۔
مُستدعی ۔ خواہش مند ۔ چاہنے والا ۔
مسٹ مارنا ۔ مکر کرنا ۔ اپنے عیب
" یا غلطی چھپانے کے لئے خاموش
" ہو کر پڑے رہنا ۔
مُستشرق ۔ یورپ کا وہ عالم جو
" مشرقی علوم میں مہارت حاصل
" کرے ۔
مُشتری خِصال ۔ اچھی عادتوں
" والا ۔ مشتری ایک مشہور ستارہ
" ہے جس کے اثرات علم نجوم کے
" مطابق اسامی عادات واطوار
" پر اچھے مرتب ہوتے ہیں ۔
مشہد ۔ شہادت کی جگہ ۔ ایران کا
مشہور شہر جہاں امام موسیٰ رضا کا مقبرہ ہے ۔

مُشک گنج ۔ شہر لکھنؤ کے مرکزی
" حصہ میں ایک محلہ کا نام ہے ۔
" جہاں نوابی عہد میں سقے زیادہ
" آباد تھے ۔
مُشبّک ۔ وہ کھڑکی یا روشن دان
" جس میں باریک سوراخ ہو یا
" جالی لگی ہو ۔
مُصحف ۔ کتاب ۔ آسمانی کتاب کو
" کہتے ہیں قرآن شریف کے لئے
" بھی مستعمل ہے ۔
مصر کے مینار ۔ ان کو اہرام کہا
" جاتا ہے یہ قدیم مصری بادشاہوں
" کے مقبرے ہیں ۔ جن کے اندر ان
" کی لاشیں مالے لگا کر محفوظ
" رکھی گئی ہیں اور ساتھ ہی مال و زر
" بھی ۔ یہ بہت مضبوط پتھر کے اونچے
" میناروں کی شکل کے بنے ہیں ۔
مضبوُن ۔ محفوظ ۔
مَصاف ۔ جنگ
مِضراب ۔ لوہے کا وہ تار جو نکونا
" ہوتا ہے ۔ جس میں ستار بجاتے ہیں ۔
مَضیٰ مامَضیٰ ۔ جو ہوا سو ہوا ۔

مُضغہ ۔ ٹکڑا ۔ لوتھڑا ۔ نوالہ بھر چیز ۔
مَطرُوح ۔ حقیر ۔ ناپسندیدہ ۔ پھینکا ہوا ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

مَطرُود ۔ نکالا ہوا ۔
مَطلَعِ الفَجر ۔ صبح ہونے کا وقت ۔
صبح سویرے ۔
مُطلَقُ العِنان ۔ آزاد ۔ بے لگام
کسی کی رائے نہ ماننے والا ۔
مُطائبات ۔ تفریحات ۔ مہذب
تفریح ۔
مُعَرّا ۔ ننگا ۔ خالی ۔
مَعمُورَہ ۔ آباد ۔ بھرا ہوا ۔
مَعدَن ۔ زمین کی کان ۔
مَغار ۔ غار ۔ پہاڑ کی کھوہ ۔
مُغبَچہ ۔ آتش پرست کا بیٹا ۔
مَغاک ۔ غار ۔ گڑھا ۔
مَفاوِضہ ۔ مشورہ کرنا ۔ بات کہنا ۔
مُقابہ ۔ وہ صندوقچہ یا ڈبیہ جس
میں عورتیں سنگار کا سامان
رکھتی ہیں ۔
مُقَیَّش ۔ سونے یا چاندی کے تاروں
سے بنی بیل ۔ چوڑی جھالر ۔
جو لباس میں لگائی جاتی ہے ۔
مِقعَر ۔ گہری جگہ ۔ گڑھا ۔
مُقارِنَت ۔ اکٹھا ہونا ۔
مَکتُوں ۔ چھپا ہوا ۔ پوشیدہ رکھا ہوا ۔
مَکائِد ۔ مکر و فریب ۔
مُکافات ۔ پاداش ۔ برائی کی سزا

مِلُح ۔ نمک ۔
مَلَکُوتی صِفات ۔ اچھی عادتوں والا ۔
فرشتوں جیسی خصلتوں والا ۔
مُنکَر نَکِیر ۔ دو فرشتے جو مرنے کے بعد
قبر میں سوال و جواب کے لیے
آتے ہیں ۔
مَنال ۔ جائداد ۔ دولت ۔
مُندرے ۔ کان کے حلقے جو کان
پکڑی ۔ دستار میں پہنے جاتے ہیں ۔
مَنجِیرا ۔ پیتل کی چوڑے منہ کی
کٹوری کا جوڑا جن کو آپس
میں ٹکرا کر باجے کی طرح بجاتے ہیں ۔
مُوباف ۔ بالوں کو لپیٹنے کا کپڑا
یا فیتہ ۔
مَہزُول ۔ لاغر ۔ دبلا پتلا ۔
مَہزُوم ۔ شکست کھایا ہوا ۔
مِینُو ۔ بہشت ۔
مَیمَنہ ۔ دایاں حصّہ ۔ فوج کا دایاں
بازو ۔
مَیسَرہ ۔ بایاں حصّہ ۔ فوج کا بایاں
بازو ۔
میر بَخشی ۔ زمانہ شاہی میں تنخواہ
تقسیم کرنے والا ۔ عہدہ دار

٭٭٭٭٭ ۔ ٭٭٭٭٭

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"ن"

نابکار ۔ بدکردار ۔ بے کار ۔
نابلد ۔ پردیسی ۔ انجان ۔
نالکی ۔ لمبی آرام کرسی کے طرز پر بنی ہوئی تام جھام کی سواری جس کو کہار اٹھاتے تھے ۔
ناہج راہ چلنے والا ۔ کشادہ راہ پیدا کرنے والا ۔
ناسفتہ ۔ بغیر بیدھا ہوا ۔ بغیر پرویا ہوا موتی ۔
ناسوت ۔ دنیا ۔ عالم اجسام ۔
ناشکیب ۔ بے صبر ۔
ناصب ۔ گاڑنے والا ۔ نصب کرنے والا ۔
ناظورہ ۔ نگہبان ۔ مالی ۔
نافرجام ۔ بدانجام
ناقور ۔ قرنا باجا ۔ سنکھ
ناقوس ۔ سنکھ عبادت کا گھنٹہ جو صبح کو بجایا جاتا ہے ۔
نامساعدت ۔ ناموافقت ۔
ناوک ۔ چھوٹا تیر ۔
ناہید ۔ زہرہ ستارے کا دوسرا نام ۔ یہ ستارہ حسن و جمال سے منسوب ہے ۔
نبیل ۔ بزرگ ۔ خوبصورت ۔

نجابت ۔ بزرگی ۔ اچھے نسب والا ہونا ۔
نخچیر ۔ شکار ۔
نخل ۔ کھجور کا درخت ۔
نخاس ۔ دلال ۔ لکھنؤ کا مشہور گزری بازار ۔
نرت ۔ بھاؤ ۔ انداز ۔
نردبان ۔ زینہ سیڑھی ۔
نستطور ۔ آتش پرستوں کا رہنما ۔
نسترن ۔ ایک بڑے سفید پھول کا پودا ۔
نسیم عنبر شمیم ۔ عنبر کی مہک لیے ہوئے صبح کی ہوا
نیاً منسیا ۔ بھولا بسرا ۔
نضارت ۔ تازگی ۔ شادابی ۔
نفخ ۔ پھونکنا ۔ ہوا بھرنا
نفیر ۔ بانسری کی آواز ۔
نقرہ خنگ ۔ گھوڑے کی ایک اعلیٰ قسم
نکیرین ۔ منکر اور نکیر دو فرشتوں کے نام ہیں جو مرنے والے سے قبر میں سوالات کرتے ہیں اور جواب مانگتے ہیں ۔
نمط ۔ روش ۔ طرح ۔
نمیقہ ۔ تحریر ۔ خط ۔ رقعہ ۔
نمیم ۔ چغل خور ۔ غلام ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نمش ۔ دودھ کی مصنوعی جھاگ جو سردی
" کے موسم میں دودھ میں مصری ملا کر
" رات کو شبنم میں رکھ دیتے ہیں
" صبح اس کو اچھالتے ہیں تو گاڑھا
" ذائقہ دار جھاگ بن جاتا ہے اس
" کو کھاتے ہیں
نہنگ ۔ گھڑیال۔ مگرمچھ ۔
نہیل ۔ بھاؤ۔ انداز
نورتن ۔ بازو کا جڑاؤ زیور ۔
" نو جواہرات کو بھی کہتے ہیں وہ
" یہ ہیں۔ لعل۔ موتی۔ پکھراج
" مونگا۔ لاجورد۔ نیلم۔ ہیرا
" لیعقوث۔ فیروزہ ۔
نیم روز ۔ دوپہر ۔
نیوشہ ۔ کان میں ڈالی ہوئی بات ۔
نیرنگ باز ۔ مکار۔ فریبی۔ جادوگر ۔
نیرو ۔ طاقت ۔ کس بل ۔
نیستا ۔ نرکل کا جنگل ۔
نیمچہ ۔ چھوٹی تلوار ۔
نی غم دزد نی غم کالا ۔ نہ چور کا ڈر
" نہ سامان کا غم

"و"

واثق ۔ معتبر ۔ مضبوط ۔
واجب الوجود ۔ وجود کے لائق ۔
" جس کا وجود لازمی ہو مراد
" خدا تعالیٰ ۔
وارستگی ۔ فارغ البالی۔ آزادی ۔
وارفتگی ۔ پشیمانی ۔ بے خبری ۔
" نڈھال پن ۔
وارفتہ ۔ کھویا ہوا۔ مدہوش ۔
وارگوں ۔ اوندھا۔ منحوس ۔
واسوختہ ۔ بیزار۔ کڑھا ہوا ۔
واعیہ ۔ نگہبان۔ حفاظت کرنے والا ۔
وامق ۔ دوست رکھنے والا۔ ایک
" مشہور عاشق کا نام جو عذرا نامی
" خاتون سے محبت کرتا تھا۔ ان کی
" داستان محبت بہت مشہور ہے ۔
وہب ۔ عطا کرنے والا۔ بخشنے والا ۔
ورع ۔ پرہیزگاری ۔
وسیم ۔ خوبصورت۔ نشان لگا ہوا ۔
وش ۔ مانند۔ نظیر ۔
وضوح ۔ آشکارا۔ ثبوت
وقاحت ۔ بے حیائی۔ بے ادبی ۔
وہبی ۔ بخشی ہوئی چیز ۔
واجب الانقیاد ۔ جس کی فرمانبرداری
" ضروری ہو ۔
ویراگی ۔ تارک دنیا ۔
" گوشہ نشین فقیر ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

"ھ ۔ ہ"

ہاتِف ۔ آواز دینے والا۔ غیب کی آواز

ہارُوت ۔ ایک فرشتہ کا نام جو انسانی شکل میں اپنے دوسرے ساتھی ماروت کے ساتھ خدا کے حکم سے دنیا میں آزمائش کے لئے آئے تھے تاکہ دیکھیں دنیا کی رنگینی کس طرح انسان کو گمراہ کرتی ہے۔ مگر وہ خود دنیا میں آکر گناہ کے مرتکب ہوئے تو ان کو سزا ملی۔

ہالِک ۔ قتل کرنے والا۔ ہلاک کرنے والا۔

ہالَہ ۔ دائرہ۔ چاند کے گرد روشنی کا دائرہ۔

ہامُون ۔ جنگل ۔ ریگستان۔

ہذَیان ۔ بیماری کی مدہوشی میں بڑبڑانا۔

ہَراوَل ۔ فوج کا وہ دستہ جو آگے چلتا ہے۔

ہَرج مَرج ۔ فتنہ فساد۔ گڑبڑ۔ مصیبتیں۔

ہَرزَہ گو ۔ بکواس کرنے والا بیہودہ بکنے والا۔

ہِزَبْر ۔ چیتا۔ شیر۔

ہڑونگی ۔ جھگڑالو۔ شور غل کرنے والا۔

ہفت خواں ۔ رستم پہلوان جب کاؤس کی حمایت میں لڑنے کے لئے ماژندران جا رہا تھا تو راستہ میں اس کو سات خطرناک حادثات پیش آئے۔ جن سے اپنی قوت کے ذریعہ مقابلہ کرکے کامیاب رہا تھا۔ ان سات مقامات کو ہفت خوان کہا جاتا ہے یہ بھی روایت ہے کہ سات کنویں راستہ میں اس کے لئے کھودے گئے تھے ساتوں سے بچ نکلا۔

ہفت اقلیم ۔ دنیا کو قدیم علماء نے سات حصوں پر تقسیم کیا تھا ہر حصہ ایک اقلیم کہلاتا ہے مراد پوری دنیا۔

ہَلاہِل ۔ قاتل زہر، جس کا علاج نہ ہو سکے۔

ہُما ۔ ایک پرندہ کا نام۔ کہا جاتا ہے کہ وہ جس کے سر پر اتفاق سے بیٹھ جائے وہ بادشاہ ہو جاتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

" سایۂ ہما۔ مشہور ہے ہما فرضی
" نام ہے جس کا دراصل کوئی
وجود نہیں ہے۔
ہُمایُوں۔ مبارک۔
ہَموارہ۔ برابر۔
ہَم سَنگ۔ ہم پلّہ۔
ہَونَق۔ حیران۔
ہوادار۔ ڈولی کی طرح ایک
" سواری جس کو کہار اٹھاتے
ہیں۔
ہیزم۔ خشک لکڑی۔
ہَیکَل۔ بڑی عمارت۔ طوق۔
" ہار۔ گلے کا زیور۔
ہَیہات۔ کلمہ حیرت وافسوس۔
ہیم راج۔ ایک مشہور ہندوستانی
" پہلوان کا نام۔
ہَبُوب۔ ہوا چلنا۔
ہِمیانی۔ روپیہ رکھنے کی چھوٹی
تھیلی جو کمر میں باندھی جاتی ہے۔
ہفت قلم۔ سات مشہور خط،
" فن خوش نویسی کی اصطلاح۔
" سات خط یہ ہیں۔
" ثُلث۔ مُحقّق۔ توقیع۔ ریحان
رُقاع۔ نسخ۔ نستعلیق۔

"ی"

یابُو۔ چھوٹا گھوڑا۔ ٹٹو۔
یاجُوج ماجُوج۔ ایک فسادی
" قوم جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے
یارانِ سرِپل۔ بے تکلف اور
" بے فکرے دوست جو
مل بیٹھتے ہیں۔
یاسمن۔ چمیلی۔
یٰسین۔ قرآن شریف کی ایک
" سورہ کا نام جو عام طور پر
" بیماری اور حالتِ نزع
میں مریض کو سنائی جاتی ہے
یاقُوتِ رقم۔ ایک ماہر خطاط
" کا لقب۔ اچھے خوش نویس
" کو یہ لقب دیا جاتا ہے۔
" یعقوت مختصمی بہت مشہور
" خطاط تھے۔
یدِ بیضا۔ (مفید چمکدار ہاتھ)
" حضرت موسیٰ کا جلا ہوا ہاتھ
" جس کو بغل میں ڈالکر نکالتے
" تھے تو وہ روشن ہوجاتا تھا
" خوبصورتی اور خوبصورت
" چیزوں سے تشبیہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

یَدِ طُولیٰ ۔ مہارت ۔ کمال ۔
یَرَاق ۔ سامان ۔ ہتھیار ۔
یَسَار ۔ بائیں سمت ۔ بایاں ۔ بد
قسمت ۔
یَساوَل ۔ چوبدار ۔ پہرہ دار
یَل ۔ پہلوان ۔
یَلدا ۔ سال کی سب سے زیادہ
" اندھیری رات ۔
یُوز باشی ۔ سو سپاہیوں کا
" سردار ۔ یہ ترکی فوج کا عہدہ
" ہے ۔

یجُروید ۔ ہندو مذہب کی چار مستند
" کتابوں میں سے تیسری
کتاب کا نام ہے ۔
یَابِس ۔ روکھا سوکھا ۔ خشک ۔
یَمِین ۔ دایاں ۔ دائیں طرف ۔
یُبُوست ۔ خشکی ۔
یَرغَا ۔ گھوڑا ۔ یلغار ۔
یَدِ طُولیٰ ۔ مہارت ۔ کمال حاصل ہونا
یَاقُوتِی ۔ طاقت کی ایک یونانی دوا
" جس میں یاقوت بھی شامل
" ہوتا ہے ۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عربی ضرب الامثال ومحاورات

اردو ترجمہ	عربی
انتظار کرنے کی تکلیف موت کی تکلیف سے زیادہ سخت ہے۔	اَلْاِنْتِظَارُ اَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ۔
نیک بخت وہ ہے جو غیروں سے نصیحت حاصل کرے۔	اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ۔
آفتاب سے زیادہ روشن۔	اَظْہَرُ مِنَ الشَّمْسِ
لوگوں کی حفاظت کرو۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے گا	اِحْفَظِ النَّاسَ یَحْفَظْکَ اللّٰہُ
کوشش کرنا میرا کام ہے اور اس کام کا نتیجہ اللہ کے اختیار میں ہے۔	اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ
بیشک ہم اللہ کے لئے ہیں اور یقیناً اسی کی طرف لوٹیں گے۔	اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،
حکم کی تعمیل ادب و تعظیم پر مقدم ہے۔	اَلْاَمْرُ فَوْقُ الْاَدَبِ
بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والا، بھلائی کرنے والے کی طرح ہے۔	اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ،
سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔	اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ،

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عربی	اردو ترجمہ
اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ رِجْسٌ	بیشک شراب اور قمار بازی نجس و ناپاک ہیں۔
اِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا	ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔
اَلتَّاخِیْرُ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالتَّاجِیْلُ مِنَ الشَّیْطٰنِ۔	تاخیر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور جلدی کرنا شیطان کا کام ہے

یعنی اللہ تعالیٰ موقع اور مہلت دیتا ہے اور شیطان جلدی کراتا ہے۔ تاکہ کام خراب ہو۔

اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَتَیْكَ۔	تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں موجود ہے۔
اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْهِ۔	میں اللہ سے اپنے تمام گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور اس سے توبہ کرتا ہوں
اَنْتَ شَیْخٌ اَوْ سَیِّدٌ	تم شیخ ہو یا سیّد ہو
اَلْمَشْهُوْرُ كَالشَّمْسِ فِیْ نِصْفِ النَّهَارِ	(وہ) ایسا مشہور کہ جیسا دوپہر کا سورج
اَلْعَاقِلُ تَكْفِیْهِ الْاِشَارَةُ	عقل مند کے لئے اشارہ ہی کافی ہے
بَلَغْنَا الْمُرَادَ۔ وَزَالَ الْعِنَادُ	ہم اپنی مراد پا گئے اور عداوت ختم ہو گئی۔
بَیِّنُوْا وَتُوْجَرُوْا	بیان کرو اور اجر حاصل کرو
جَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُ	اس کا ٹھکانا جنت میں بنا دیا
جَعَلْنَا الشَّمْسَ ضِیَاءً	سورج کو ہم نے روشنی کے لئے بنایا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عربی	اردو ترجمہ
أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ۔	اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے کہ جب کوئی پریشان حال اس کو پکارتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے اور اس کی تکلیف دور فرماتا ہے۔
لَكَ الْحَمْدُ وَالشُّكْرُ يَا رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار سب تعریف اور شکر تیرے لیئے ہے
مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ	ہم نے تجھے نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق تھا۔
لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا	ہم کو کوئی علم نہیں سوا اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا۔
رَاحَةُ الرُّوحِ فِي قِلَّةِ الْمَنَامِ	روح کی آسودگی اور آرام کم سونے میں ہے۔
غَبَّ مَسَا قَبْلَ عِشَا	شام کے بعد عشاء (رات) سے پہلے۔
مَا اسْمُكَ؟	تمہارا نام کیا ہے؟
وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا	اور ہم نے دن حصولِ معاش کے لیئے بنایا۔
اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ	لڑائی ایک دھوکہ ہے۔
إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الشُّجَاعَ	بیشک اللہ تعالیٰ بہادر شخص کو پسند کرتا ہے۔
اَلنَّاسُ عَلَى دِينِ مُلُوكِهِمْ	لوگ اپنے حکمرانوں کے طریقہ پر چلتے ہیں۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عربی	اردو ترجمہ
حماكَ اللهُ عن شرِّ النوائبِ	اللہ تعالیٰ تم کو حادثات کے شر سے محفوظ رکھے۔
جزاكَ اللهُ فی الدارینِ خیرًا	اللہ تعالیٰ تم کو دونوں جہاں میں اچھا اجر عطا فرمائے۔
لَاحولَ ولَا قوّةَ اِلّا باللهِ	ساری توانائی و طاقت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے
"لَاحول"	بطور کلمۂ نفرت و بیزاری استعمال ہوتا ہے۔
شرفُ الانسانِ بالکمالِ لَا بالمالِ	انسان کی بڑائی اور عزت اس کے علم و ہنر سے ہے نہ مال و دولت سے۔
نعوذُ باللہِ من الشیطٰنِ الرجیم	ہم شیطان مردود کے شر سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔
مِنَ اللهِ الاِعانةُ والتوفیق	اللہ ہی کی طرف سے مدد اور توفیق حاصل ہوتی ہے۔
کُلُّ طویلٍ اَحمقٌ	ہر لمبا آدمی احمق ہے
فاعتبروا یا اولوا الابصار	عبرت حاصل کرو اے سوجھ بوجھ رکھنے والو دانشمندو۔
الامرُ فوقَ الادبِ	حکم کا درجہ ادب سے بڑا ہے۔
بَرَّدَ اللهُ مضجعَه	اللہ تعالیٰ اس کی آخری آرام گاہ کو ٹھنڈا کرے۔
اِنّی لَا اقولُ اِلّا حقًّا	میں سچ کے علاوہ کوئی بات نہیں کہتا ہوں۔
التائبُ من الدنیا کمن لاذنبَ له	جو دنیا سے توبہ کرلیتا ہے وہ اس شخص جیسا ہو جاتا ہے جس نے کوئی گنا

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عربی	اردو ترجمہ
اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ	علم حاصل کرو چاہے اس کے لئے چین تک جانا پڑے۔
فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ	ہم نے فضیلت دی ہے ان میں سے بعض کو بعض پر
اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ۔	صبر خوش حالی کی کنجی ہے
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ۔	بیشک اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔
اِذَا جَاءَ الْقَضَاءُ عَمِيَ الْبَصَرُ	جب شامت آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔
هَاتِ الصَّبُوْحَ حَيُّوا يَا اَيُّهَا التَّكَارِي	صبح کو پینے والی شراب لاؤ جیو اے سرمست رہنے والو۔
سَوَادُ الْوَجْهِ فِي الدُّنْيَا وَ سَوَادُ الْقَلْبِ فِي الْعُقْبٰى۔	چہرہ کی سیاہی دنیا میں اور قلب کی سیاہی آخرت میں (بری ہوتی ہے)
عَمَّرَ اللّٰهُ اِلٰى يَوْمِ النَّشُوْرِ	اللہ تعالیٰ اس کو قیامت تک زندہ رکھے۔
بَلَغَ الْعُلٰى بِكَمَالِهٖ	وہ اپنے کمالات کی بدولت بلندی پر پہونچا۔ (یہ شیخ سعدی کے ایک عربی قطعہ کا پہلا مصرع ہے)
لَوْ فَرَضْنَا ذَالِكَ	اگر ہم اس بات کو تسلیم کرلیں۔ فرض کرلیں۔
اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ	خوش بخت وہ ہے جو اپنے مخالف سے سبق حاصل کرے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

تعارف اشخاص

(جن کا ذکر فسانہ آزاد میں کیا گیا ہے)

اِبنِ سِینَا۔ حکیم بوعلی ابن سینا مشہور طبیب، عالم اور فلسفی تھے، یونانی طریقہ علاج کو ترقی دی۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ فن طب پر ان کی کتاب قانون بہت مشہور ہے انہوں نے سنہ ۴۲۸ھ میں وفات پائی۔

اَبُوجَہل۔ عرب کے قبیلہ قریش کا سردار، اور اسلام کا مخالف تھا۔ قرآن شریف میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔

ابوالفضل۔ اکبر بادشاہ کا وزیر اور بلند پایہ عالم تھا اس کے والد شیخ مبارک اپنے زمانہ کے بڑے فاضل تھے۔ انشاء اور مکتوبات ابوالفضل فارسی کی معیاری کتابیں ہیں۔ آئین اکبری اس کی مشہور تصنیف ہے۔ سنہ ۱۰۱۱ ہجری میں جہانگیر کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا۔

اَبُو تُرَاب۔ یہ حضرت علیؓ کی کنیت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجویز کی تھی۔

اَبُوظَفَر۔ کنیت آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ۔ متوفی سنہ ۱۸۶۲ء۔

اَخفَش۔ نام سعید بن سعدہ۔ متوفی سنہ ۲۲۱ ہجری ماہر نعت نویس اور عربی قواعد میں فن نحو کا فاضل تھا۔ اس کو قواعد سے اتنی دلچسپی تھی کہ گھر میں اپنی بکری کو مخاطب کر کے سمجھاتا تھا۔ اگر کبھی بکری عادتاً سر ہلا دیتی تو وہ خیال کرتا کہ اب سمجھ گئی پھر دوسرا مسئلہ شروع کرتا۔ اس لئے "بزِ اخفش" بطور مثل مشہور ہے۔ جو حماقت اور سادہ لوحی کے مفہوم میں مستعمل ہے۔

اَسِیر۔ نواب مظفر علی خان اسیرؔ۔ وزیر نواب واجد علی شاہ مشہور شاعر متوفی [illegible]

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

آغا میر ۔ اودھ کے بادشاہ غازی الدین
" حیدر کا وزیر اعظم ۔ بانی سرائے
آغا میر لکھنؤ ۔

آصف الدولہ ۔ نواب وزیر
" اودھ بانی امام باڑا آصفی
متوفی ۱۷۹۵ء

امانت ۔ آغا حسن امانت شاگرد
" دلگیر مصنف اندر سبھا ۔

امیر خسرو ۔ فارسی کے بلند پایہ شاعر
" ماہر موسیقی درویش صفت
" حضرت نظام الدین اولیاء کے
" مرید اور ہم نشین خاص متوفی ۱۳۲۵ء

امرؤ القیس ۔ زمانہ جاہلیت کا مشہور
" شاعر ۔ اس کا قصیدہ معلقہ عربی
" ادب کا شاہکار ہے اس نے
۵۳۹ء میں وفات پائی ۔

افراسیاب ۔ توران کا مشہور
بادشاہ تھا ۔

التمش ۔ شمس الدین التمش بادشاہ
" دہلی متوفی ۱۲۳۵ء

امجد علی شاہ ۔ بادشاہ اودھ
" بانی امام باڑا حسین آباد لکھنؤ
متوفی ۱۸۴۸ء ۔

انیس ۔ میر ببر علی ۔ انیس بلند پایہ
" مرثیہ گو شاعر متوفی ۱۸۷۴ء ۔

انشاء ۔ انشاء اللہ خان اردو کا
" ممتاز شاعر اور ماہر قواعد
متوفی ۱۸۱۷ء ۔

انوری ۔ اوحد الدین انوری
" مشہور فارسی شاعر ۔ ماہر قصیدہ
" نگار متوفی ۵۴۷ھ ہجری

ایاز ۔ سلطان محمود غزنوی کا محبوب
" اور فرمانبردار غلام ۔

بابر ۔ ظہیر الدین بابر ۔ ہندوستان
" میں مغلیہ حکومت کا بانی ۔
" متوفی ۱۵۳۰ء

بندہ دین اور کالکا ۔ دونوں
" درگا پرشاد کتھک کے بیٹے تھے فن رقص کے جملہ
اقسام میں ماہر ۔ ان کا خاندان آجتک رقص میں ممتاز ہے

بلعم باعور ۔ بنی اسرائیل کا ایک بڑا عبادت گزار
" عالم تھا ۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے جرم میں
" مردود قرار دیا گیا تھا ۔

بحر ۔ شیخ امداد علی بحر ۔
" شاگرد ناسخ متوفی ۱۸۸۲ء

بطلیموس ۔ یونان کا ممتاز فلسفی عالم
" جس کی تصنیف "مجسطی"
مشہور کتاب ہے ۔

بقراط ۔ یونان کا مشہور عالم اور
" ماہر طب ۔ اس نے طب کو
" بہ حیثیت روشناس کیا ۔

بھان متی ۔ راجہ بھان کی بیٹی جس کو

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

" راکھشش اٹھالے گئے تھے

" اس کا قصہ بہت مشہور ہے۔

بیدل۔ مرزا عبدالقادر مشہور، بلند

" مرتبہ فارسی شاعر اورنگ زیب

" کے ہم عصر۔ متوفی ۱۷۲۵؁ء۔

بہزاد۔ ایران کا ماہر مصوّر و نقّاش

" ایران کے بادشاہ اسماعیل

صفوی کا ہم عصر۔

بگّا بیگم۔ فن رقص کی ماہر۔ بادشاہ

" اودھ نصیرالدین حیدر کی

درباری رقّاصہ۔

قاندھ۔ بالے میاں سید سالار مسعود

" غازی کا عوامی نام جن کا مزار برائچ میں

" ہے۔ ان کے نام کی چھڑیں اٹھائی

جاتی ہیں۔

جالینوس۔ علم طب کا ماہر مشہور یونانی

فلسفی اور طبیب۔

جلال لکھنوی۔ حکیم ضامن علی خان جلال

" اردو کے ادیب اور شاعر، فن

" قواعد و لغت نویسی میں مہارت

" رکھتے تھے۔ ۱۳۲۷ ہجری میں

وفات پائی۔

جرأت۔ شیخ قلندر بخش جرأت

" اردو کے مشہور شاعر متوفی

" ۱۲۲۴؁ ہجری۔

حافظ شیرازی۔ خواجہ شمس الدین

" حافظ فارسی کے سب سے

" زیادہ مقبول غزل گو شاعر۔

" جن کے دیوان سے فال نکالتے

" ہیں۔ متوفی ۱۳۸۸؁ء مدفن شیراز۔

حسنین۔ مراد حضرت امام حسنؓ اور

" امام حسینؓ۔

حافظ نوراللہ۔ بہت مشہور اور ماہر

" خوش نویس تھے۔ ان کے شاگردوں

" کے ذریعہ اس فن کو بہت ترقی

ہوئی۔ لکھنؤ میں قیام تھا۔

حافظ ابراہیم۔ ماہر خطّاط، شاگرد

" حافظ نوراللہ۔ اودھ کے نوابی

عہد میں تھے۔

حامد علی۔ ماہر خوش نویس۔ شاگرد

" منشی ہادی علی۔ نولکشور پریس

" سے وابستہ تھے ترجمہ الف لیلیٰ

کے مرتب۔

خاقانی۔ افضل الدین خاقانی

" شروانی فارسی کے بلند پایہ

" قصیدہ نگار شاعر متوفی ۵۷۵؁ ہجری

چھجّو خاں۔ ماہر پٹے باز۔ عہد

" آصف الدولہ میں اس کی بہت

" شہرت تھی۔

درد۔ خواجہ میر درد مشہور اردو شاعر
متوفی ۱۷۸۵؁ء بمقام دہلی

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

دھنیا مہری۔ مشہور کہارن جو اودھ کے بادشاہ نصیر الدین حیدر کی منظور نظر اور حکومت کے معاملات میں دخیل تھی۔ اس کی وجہ سے رسالدار فقیر محمد خان گویا کو بادشاہ کی خفگی کے باعث استعفا دینا پڑا تھا۔

راجہ مہرا۔ کہاروں کی برادری کا سردار۔ عہد آصف الدولہ میں بہت مشہور ناچنے والا اور ایک خاص ناچ کا موجد تھا۔

رابعہ بصری ایک ممتاز عابدہ و زاہدہ خاتون جن کا شمار اولیا میں ہوتا ہے بصرہ کی رہنے والی تھیں سنہ ۱۳۵ھ میں وفات پائی۔ ان کا مزار کوہ طور پر ہے۔

رودکی۔ ابو عبداللہ نام فارسی زبان کا مشہور وممتاز شاعر جو فارسی شاعری کا بابا آدم کہلاتا ہے متوفی سنہ ۳۲۹ ہجری۔

زلالی۔ حکیم زلالی خوانساری۔ فارسی کا مثنوی گو شاعر متوفی سنہ ۱۰۲۴ ہجری۔

زال۔ سام کا بیٹا اور مشہور عالم پہلوان رستم کا باپ تھا۔ زال بوڑھی عورت کو بھی کہتے ہیں۔

زرتشت۔ ایک ایرانی مذہبی رہنما۔ جس نے آتش پرستی کی بنیاد ڈالی۔ پارسی مذہب کا پیغمبر مانا جاتا ہے۔

سعدی شیرازی۔ شیخ مصلح الدین سعدی زبردست عالم، صوفی اور شاعر۔ ان کی تصانیف گلستاں اور بوستاں عالمگیر شہرت حاصل کر چکی ہے سنہ ۶۹۲ھ میں وفات پائی۔

سلمان ساوجی۔ فارسی کے بلند پایہ شاعر متوفی سنہ ۷۷۸ ہجری

سرب سکھ رائے۔ ایک باکمال خطاط تھا۔ حافظ نور اللہ کا شاگرد تھا۔

سرور۔ مرزا رجب علی بیگ مصنف فسانہ عجائب متوفی سنہ ۱۸۶۹ء

سحبان بن زائل۔ عرب کا خوش بیان، مشہور مقرر۔ اسلام سے قبل گزرا ہے۔

سودا۔ مرزا محمد رفیع۔ اردو کا بلند پایہ شاعر۔ متوفی سنہ ۱۷۸۱ء۔

سعادت علی خاں۔ اودھ کے حکمران متوفی سنہ ۱۸۱۴ء۔

سندر جان۔ عہد آصف الدولہ کی ماہر گانے والی۔

شاہ مینا۔ ایک بزرگ اور عالم جن کا مزار لکھنؤ میں مرجع عام و خاص ہے۔ ان کی مزار پر

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

نو چندی جمعرات کو میلہ لگتا ہے۔

شجاع الدولہ ۔ اودھ کے دوسرے نواب وزیر و حکمران متوفی ۱۷۷۵ء۔

شیخ سدو ۔ ایک بزرگ شخصیت جو بہت مشہور ہیں۔ امروہہ ضلع مراد آباد میں ان کا مزار واقع ہے۔ جس پر لوگ عقیدت مندی کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں منتیں مانتے ہیں۔ ان کے نام کا بکرا ذبح کرتے ہیں۔ عورتیں زیادہ عقیدت مند ہیں۔ مگر ان کے متعلق کوئی مستند بات معلوم نہیں۔

شہیدی ۔ کرامت علی۔ خوشگو شاعر۔ نعت گوئی میں مشہور شاگرد مصحفی متوفی ۱۲۵۶ھ ہجری

شوری ۔ بادشاہ نصیر الدین حیدر کے عہد کا گانے والا۔ جو ٹپہ گانے میں بہت ماہر تھا۔

شمس الدین ۔ اعجاز رقم خطاب تھا۔ فن نستعلیق کے ماہر ایک بلند پایہ خوش نویس۔ شاگرد ہادی علی اشک۔ مطبع نولکشور سے وابستہ رہے۔

ضیا ۔ میر وزیر علی شاگرد آتش مشہور شاعر متوفی ۱۲۷۰ھ ہجری۔

طالب آملی ۔ محمد طالب نام۔ ایران کے مقام آمل کے رہنے والے اور فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ جہانگیر بادشاہ کے عہد میں دربار سے ملک الشعراء کا خطاب پایا متوفی ۱۶۲۶ء

طوطا رام شایان ۔ فارسی اردو دونوں زبانوں میں ماہر تھا۔ اس نے منشی نولکشور کی فرمائش پر الف لیلیٰ کو نظم کیا تھا جو شائع ہو چکی ہے۔

ظہوری ۔ ملا نور الدین ظہوری فارسی کے باکمال شاعر اور نثر نگار، دکن کے رہنے والے تھے "سہ نثر" انشا اور نورس فن موسیقی میں ان کی مشہور تصانیف میں انہوں نے ۱۰۲۵ء میں وفات پائی۔

ظہیر فاریابی ۔ فارسی کے مشہور باکمال قصیدہ گو شاعر متوفی ۱۵۹۸ء۔

عباس ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا نام تھا اور حضرت علیؓ کے ایک بیٹے کا نام بھی جو امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوگئے تھے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

عمر خیام ۔ عمر نام خیام تخلص ۔ باکمال
" فلسفی ماہر نجوم اور ممتاز رباعی
" گو شاعر۔

عرفی شیرازی ۔ جمال الدین نام
" عرفی تخلص وطن شیراز فارسی
" کا باکمال شاعر، جہانگیر کے دربار
" سے وابستہ تھا۔ اس نے ۱۵۹۲ء
" میں بمقام لاہور وفات پائی۔

عراقی ۔ فخرالدین نام، وطن ہمدان
" (ایران) مشہور فارسی شاعر
متوفی ۱۲۸۹ء

عاشورن ۔ نصیرالدین حیدر بادشاہ
" اودھ کے عہد کی ایک ماہر ناچنے
والی تھی

عیشی ۔ اردو کے خوشگو شاعر
متوفی ۱۲۴۰ ہجری۔

عطار ۔ خواجہ فریدالدین عطار ۔
" باکمال درویش بلند پایہ فارسی
" شاعر۔ تذکرۃ الاولیاء کے مصنف
متوفی ۴۲۱ ہجری۔

غازی الدین حیدر ۔ اودھ
" کے پہلے بادشاہ جنہوں نے دہلی
" کی مرکزی حکومت کی قیادت
" ترک کر کے خود مختار بادشاہی
" کا اعلان کیا۔ انہوں نے ۱۸۲۷ء میں وفات پائی۔

غالب ۔ مرزا اسداللہ خاں ۔ فارسی
" اردو کے باکمال شاعر متوفی ۱۸۶۹ء۔

غنی ۔ غنی کشمیری فارسی کے مشہور
شاعر متوفی ۱۶۶۹ء۔

فردوسی ۔ ابوالقاسم نام طوس
" (ایران) وطن باکمال رزمیہ شاعر
" شاہنامہ کا مصنف متوفی ۴۱۱ھ

فرعون ۔ قدیم مصر کے بادشاہوں کا
" ایک خاندان جس کا ہر بادشاہ
" فرعون کہلاتا تھا۔ مشہور فرعون
" وہ ہے جس کے عہد میں حضرت
موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

فقیر محمد خان ۔ گویا تخلص ۔ اودھ
" میں رسالدار تھے۔ اردو کے
" اچھے شاعر تھے ان کی کتاب
" بستان الحکمت اردو نثر کی
مشہور کتاب ہے متوفی ۱۸۵۰ء

فیثاغورث ۔ یونان کا مشہور عالم
" اور فلسفی۔ کہا جاتا ہے کہ اس
" نے سب سے پہلے پیراکی کا فن
سیکھا۔

فری میسن ۔ قدیم زمانہ میں
" انگلستان کا ایک پراسرار
" گروہ جس کا الگ ایک مذہب
" و مسلک تھا جو کسی پر ظاہر نہیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کرتے تھے۔ صرف اس گروہ کے
افراد ہی ایک دوسرے سے
واقف ہوتے تھے۔

قائم علی خاں۔ لکھنؤ کا مشہور
بھانڈ (نقّال) تھا۔

عرف کریلا بھانڈ۔ عام طور پر کریلا
کے نام سے مشہور تھا وہ اودھ
کے نواب سعادت علی خان کے
عہد سے نصیر الدین حیدر کے
زمانہ تک موجود تھا اس کا کمال
یہ تھا کہ مسلسل سات گھنٹے
تک طرح طرح سے منھ بناتا
تھا۔ محرم میں شربت کی سبیل لگاتا تھا۔
ایک بار بادشاہ نصیر الدین حیدر
مع اپنی بیگم کے اس کی سبیل
پر آئے تو اس نے برجستہ کہا۔
خدا حضور کو سلامت اور
بیگم صاحبہ کو قائم رکھے۔ اس
فقرہ پر بادشاہ اور مصاحبین
پھڑک اٹھے اور اس کو انعام
سے نوازا۔

قاضی نعمت اللہ۔ باکمال خوش
نویس جو مشہور اُستادِ خطّاطی
عبد الرشید دیلمی کے شاگرد
رشید تھے۔

قدر بلگرامی۔ غلام حسین نام وطن
بلگرام اردو کے اچھے ادیب وصحافی
خوش گو شاعر اور مرزا غالب کے
شاگرد تھے اودھ اخبار کے
ایڈیٹر رہے ۱۸۸۴ء میں وفات
پائی ہے۔

قابیل۔ حضرت آدم کے دوسرے
بیٹے کا نام جس کو پہلے بیٹے ہابیل
نے قتل کر دیا تھا۔

قارون۔ ایک مشہور دولت مند
تھا کہا جاتا ہے کہ اس کے
خزانوں کی کنجیاں چالیس اونٹوں
پر لادی جاتی تھیں۔ حضرت
موسیٰ نے اس کو زکوٰۃ دینے
کی ہدایت کی۔ مگر وہ کسی طرح
نہ مانا۔ اس کی پاداش میں
تمام خزانوں سمیت زمین کے
اندر دھنس گیا۔ قارون کا خزانہ
اردو میں ضرب المثل کے طور پر
استعمال ہوتا ہے۔

قطب الدین ایبک۔ ہندوستان
کا مشہور بادشاہ جس نے
دہلی میں قطب مینار تعمیر کرایا تھا
اس نے ۱۲۱۰ء میں بمقام لاہور
وفات پائی۔

کالی داس۔ سنسکرت کا مشہور

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

شاعر، راجہ بکرماجیت کا
ہم عصر تھا، شکنتلا، اس کا
لکھا ہوا بہترین ناٹک ہے۔
جس کو بڑی شہرت حاصل
ہے۔

مانی۔ ایران کا باکمال مصوّر اور
نقّاش اس کی کتاب اَرژنگ
مشہور ہے۔ بہرام اوّل
بادشاہ ایران نے اس کو
پیغمبری کا دعویٰ کرنے کی
وجہ سے قتل کرادیا تھا۔

محقق دوّانی۔ جلال الدین نام
ایران کا مشہور عالم۔ تاتاری
حکمران ہلاکو خان کا وزیر تھا اس
کی کتاب "اخلاقِ جلالی" بہت
مشہور ہے۔ متوفی سنہ ۵۲۸ ہجری۔

مُصحفی۔ غلام ہمدانی نام۔ اردو کے
باکمال شاعر متوفی سنہ ۱۲۴۰ ہجری

میر مونس۔ میر انیس کے چھوٹے
بھائی۔ مرثیہ گوئی میں ماہر تھے۔

میر ضمیر۔ لکھنؤ کے ممتاز مرثیہ گو شاعر
مرزا دبیر کے استاد تھے۔

منصور۔ حسین بن منصور حلّاج۔
جن کو انا الحق کہنے کے جرم پر
پھانسی کی سزا دی گئی تھی۔

محمد علی شاہ۔ اودھ کے بادشاہ
جنہوں نے حسین آباد لکھنؤ میں
خوبصورت امام باڑا تعمیر کرایا تھا۔
انہوں نے سنہ ۱۸۴۲ء میں وفات
پائی۔

میر حسن۔ اردو کے باکمال شاعر
ان کی مثنویات اردو نظم کا
شاہکار ہیں۔ مرثیہ گوئی میں
بھی مہارت حاصل تھی۔ متوفی
سنہ ۱۷۸۶ء۔

میر سوز۔ اردو کے مشہور شاعر
غزل گوئی میں ممتاز متوفی سنہ ۱۷۹۸ء۔

میر تقی میر۔ اردو کے سب سے
بڑے غزل گو شاعر مانے جاتے
ہیں تذکرہ نگار بھی تھے غزلیات
کے مجدد دیوان اور متعدد
مثنویات یادگار ہیں سنہ ۱۲۲۵ھ ۱۸۱۰ء
میں بمقام لکھنؤ وفات پائی۔

مرزا علی۔ نصیر الدین حیدر کے عہد
میں شاہی طبیب تھے۔

مینڈو خان۔ اودھ کی فوج میں
رسالدار تھے لکھنؤ میں ان کی
بنوائی ہوئی خوبصورت سرائے
مشہور تھی جو اب مسمار ہو
چکی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ممتاز محل۔ شاہ جہاں بادشاہ کی
محبوب ملکہ جس کی یادگار میں
اس نے تاج محل بنوایا تھا جو
۱۶۴۸ء میں تیار ہوا۔ ممتاز محل
نے ۱۶۳۱ء میں وفات پائی۔

مُنیرؔ۔ اسماعیل حسین منیرؔ مشہور شاعر
اور ادیب جن کو ۱۸۵۷ء کی
جنگِ آزادی میں شرکت کے
جرم میں جزائر انڈمان میں قید
کر دیا گیا تھا ۱۸۸۱ء میں وفات
پائی۔

مومنؔ۔ حکیم مومن خان دہلوی باکمال
غزل گو شاعر غالب و ذوق
کے ہم عصر متوفی ۱۸۵۱ء۔

نوبت رائے نظرؔ۔ ممتاز صحافی
خوشگو شاعر، خدنگ نظر،
کے اڈیٹر، لکھنؤ کے ایک معزز
کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے
تھے۔ نولکشور پریس سے بھی
وابستہ رہے۔ متوفی ۱۹۲۳ء

نپولین۔ مشہور جنرل فرانس کا
حکمران متوفی ۱۸۲۱ء۔

نورجہاں۔ بادشاہ جہانگیر
کی ملکہ متوفی ۱۰۵۵ھ۔

نصیر الدین حیدر۔ اودھ کے دوسرے
بادشاہ متوفی ۱۸۲۲ء۔

نادرشاہ دُرّانی۔ افغانستان
کا بادشاہ جس نے محمد شاہ
مغل بادشاہ کے عہد میں دہلی
پر حملہ کیا تھا اور تخت طاؤس
اور کوہ نور ہیرا اپنے ساتھ لے
گیا تھا۔

نمرود۔ عرب کا ایک ظالم حکمران
جس نے حضرت ابراہیم پیغمبر کو
آگ میں ڈلوا دیا تھا۔ مگر وہ محفوظ
رہے تھے۔

ناسخؔ۔ شیخ امام بخش۔ باکمال
اردو شاعر۔ جنہوں نے
زبان کی اصلاح کے لئے مفید
کام کیا۔ ۱۸۳۸ء میں لکھنؤ میں
وفات پائی۔

نواب مرزا شوقؔ۔ حکیم تصدق
حسین عرف نواب مرزا مصنف
مثنویات۔ زہر عشق۔ بہارِ عشق
اور فریب عشق۔

(۲) **وزیرؔ**۔ خواجہ وزیر علی شاگرد ناسخؔ۔
لکھنؤ کے خوشگو شاعر تھے متوفی ۱۸۵۲ء۔

(۱) **نسیمؔ**۔ دیاشنکر نسیم لکھنوی شاگرد آتش
نہایت خوش گو شاعر اور ٹکسالی
زبان کے ماہر مصنف مثنوی گلزارِ نسیم۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

لکھنؤ کی عمارات

(جن کا ذکر فسانہ آزاد میں آیا ہے)

امام باڑا آصفی۔ یہ عظیم الشان عمارت قحط سالی کے زمانہ میں نواب آصف الدولہ نے تعمیر کرائی تھی۔ اس کا وسیع ہال چھوٹی اینٹوں اور چونے کی ڈاٹ پر قائم ہے۔ جس میں کوئی ستون نہیں ہے۔ یہ ۱۶۷ فٹ لمبا اور ۵۲ فٹ چوڑا ہے اس کی تعمیر ۱۷۸۴ء میں کفایت اللہ نامی ماہر معمار کی نگرانی میں ہوئی۔ نقشہ بھی اسی کا بنایا ہوا تھا۔ اس میں لکڑی کا استعمال بالکل نہیں کیا گیا ہے اس کی تعمیر پر ۲۲ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اس کی چھت پر ایسے پیچ در پیچ حجرہ نما در اس طرح بنائے گئے ہیں کہ اس میں داخل ہونے والا کچھ دور جانے کے بعد راستہ بھول جاتا ہے اور بہت مشکل سے واپسی کا راستہ ملتا ہے۔ اسی لئے یہ بھول بھلیاں کے نام سے مشہور ہے۔

امین آباد۔ یہ محلّہ اور بازار امجد علی شاہ کے زمانہ میں ان کے وزیر امین الدولہ نے آباد کیا تھا۔ اس بازار کے وسط میں دو پارک ہیں۔ ایک کا نام امین الدولہ اور دوسرے کا امین آباد پارک ہے۔

بادشاہ باغ۔ یہ باغ بادشاہ نصیر الدین حیدر نے دریا گومتی کے کنارے محلہ حسن گنج میں تعمیر کرایا تھا۔ یہ کام راجہ بختاور سنگھ کی نگرانی میں انجام پایا تھا۔ اس پر ۳۵ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ باغ کے وسط میں سنگِ مرمر کی خوبصورت بارادری تھی جسمیں سنگِ مرمر کے ۳۰ خوشنما ستون نصب تھے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کے بعد مہاراجہ رندھیر سنگھ والیٔ کپورتھلہ نے یہ باغ ۳۵ ہزار میں خرید لیا تھا ۱۹۰۵ء میں مہاراجہ مذکور نے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

کیننگ کالج کی عمارت کے
لئے بطور عطیہ دے دیا تھا۔
اب اس کے سارے رقبہ میں
لکھنؤ یونیورسٹی اور کالون تعلقدار
کالج کی عمارات ہیں۔

بیلی گارد۔ یہ لکھنؤ کی ریذیڈنسی کا
دوسرا نام ہے۔ یہ شاندار عمارت
نواب سعادت علی خان نے ۱۸۰۰ء
میں انگریز ریذیڈنٹ کے لئے
تعمیر کرائی تھی تحریک جنگ آزادی
۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے
اس کے آس پاس کی عمارتوں
کو ملا کر قلعہ بندی کر لی تھی۔
یہاں مجاہدین تحریک آزادی
اور انگریزی فوجوں میں سخت
معرکے ہوئے تھے۔ اس کا صدر
دروازہ بیلی گارد کے نام سے
مشہور تھا کیوں کہ اس کی حفاظت
کرنل بیلی کے سپرد تھی۔ اب پوری
عمارت اسی نام سے مشہور ہے۔

تحسین کی مسجد۔ یہ بڑی اور
خوبصورت مسجد محلہ چوک میں
اکبری دروازہ کے قریب واقع ہے
اور فرقہ شیعہ کے لئے مخصوص
ہے اس کو تحسین علی خان نے تعمیر
کرایا تھا۔

تالاب ٹکیت رائے۔ یہ تالاب
راجہ ٹکیت رائے وزیر مقدمات
دیوانی نے آصف الدولہ کے
عہد میں تعمیر کرایا تھا۔ آٹھوں کا
مشہور میلہ اسی تالاب کے کنارے
ہوتا ہے۔ اسی نام سے اس نے
ایک محلہ بھی بسایا تھا۔ جو اب
بھی موجود ہے۔

تاراوالی کوٹھی۔ یہ عمارت
نصیر الدین حیدر نے اپنے دربار
کے انگریز نجومی کرنل والکوس
متوفی ۱۸۴۷ء کے مشورہ پر تعمیر
کرائی تھی اس کو رصدگاہ کے طور پر
استعمال کیا جاتا تھا نجوم سے متعلق
بہت سے آلات اس میں نصب
کئے گئے تھے اور ایک قیمتی دوربین
لگائی گئی تھی ۱۸۵۷ء تک ٹھیک
حالت میں تھی اس کے بعد
مسمار ہو گئی۔

چھتر منزل۔ یہ مشہور عمارت
نصیر الدین حیدر نے اپنی بیگمات
کی رہائش کے لئے تعمیر کرائی تھی
اسی کے متصل فرح بخش کے نام
جنرل مارٹن نے ایک کوٹھی بچاس

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہزار روپیہ میں خریدی تھی۔ جس کے اوپر طلائی چھتر لگا تھا۔ یہ عمارت دریا گومتی کے کنارے واقع ہے اور اب بھی اچھی حالت میں ہے اب اس وقت حکومت ہند نے اس کے اندر ڈرگ ریسرچ انسٹیوٹ قائم کر دیا ہے۔

چولکھی۔ اس نام سے عظیم اللہ خان حجام نے ایک وسیع اور خوبصورت عمارت بنوائی تھی۔ اس کے مکمل ہونے کے بعد واجد علی شاہ اودھ کے آخری حکمران نے چار لاکھ روپیہ دے کر خرید لی۔ اس وقت سے چولکھی کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس میں بادشاہ کی بیگمات رہتی تھیں۔ بیگم حضرت محل اور شاہزادہ برجیس قدر کا قیام ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے وقت اسی عمارت میں تھا۔ اب اس عمارت کا زیادہ حصہ مسمار ہو چکا ہے اور اس کی جگہ بازار اور نئی عمارات تعمیر ہو گئی ہیں۔

حسین آباد کا امام باڑا۔ یہ خوبصورت امام باڑا محلہ حسین آباد میں امجد علی شاہ نے تعمیر کرایا تھا یہ آصف الدولہ کے امام باڑے سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور اس سے متصل ایک خوبصورت مسجد بھی ہے۔

سوداگر کا امام باڑا۔ یہ مشہور امام باڑا امیر باقر نامی تاجر جواہرات نے غازی الدین حیدر کے زمانہ میں تعمیر کرایا تھا اب تک اچھی حالت میں موجود ہے۔

اکبری دروازہ۔ یہ بلند اور شاندار دروازہ بادشاہ اکبر کے عہد میں اودھ کے نائب حکمراں محمود بلگرامی نے تعمیر کرایا تھا وہ صوبہ دار جواہر خان کا ماتحت تھا۔ یہ لکھنؤ کے چوک بازار کے شمالی سمت آخری سرے پر واقع ہے

بھولاناتھ کا کنواں۔ نواب وزیر سعادت علی خان کے عہد میں بھولاناتھ راجہ بخشی کے عہدہ پر فائز تھا۔ اودھ کے معززین میں شمار ہوتا تھا۔ آصف الدولہ اس کے گھر جایا کرتے تھے۔ اس نے یہ بڑا کنواں رفاہ عام کے لیے تعمیر کرایا تھا جو اب تک موجود ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

سرائے میںنڈو خاں۔ امجد علی شاہ کے عہد میں شاہی فوج کے رسالدار میںنڈو خان نے تعمیر کرائی تھی۔ اب مسمار ہو چکی ہے یہ حضرت گنج سے قریب دارالشفا کے متصل واقع تھی۔

رومی دروازہ۔ یہ نہایت بلند اور خوبصورت دروازہ امام باڑا آصف الدولہ کے قریب نواب آصف الدولہ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس کو ماہر معمار کفایت اللہ نے اپنے بنائے ہوئے نقشہ کے مطابق بنوایا تھا۔ یہ اب بھی اچھی حالت میں موجود ہے۔

دلِ کُشا باغ۔ نواب سعادت علی خاں نے شہر سے متصل ایک شکار گاہ بنوائی تھی جس میں ہر قسم کے جانور چھوڑے گئے تھے اور بالکل اصل جنگل کا ماحول تھا اسی شکار گاہ کے قریب ایک محل اور باغ تعمیر کرایا تھا جو اب بھی موجود ہے۔

سکندر باغ۔ یہ خوبصورت اور کشادہ باغ واجد علی شاہ نے اپنی بیگم سکندر محل کے لئے تعمیر کرایا تھا اسی سے متصل وہ مقام تھا جس کو قدم رسول کہا جاتا ہے۔ سکندر باغ کو ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں نقصان پہنچا مگر زیادہ حصہ محفوظ رہا۔ اور یہ باغ اب تک موجود ہے اور اب حکومتِ ہند نے اس کو بوٹانیکل گارڈن قرار دے کر اپنی نگرانی میں لے لیا ہے۔

شاہ نجف۔ اودھ کے بادشاہ غازی الدین حیدر نے دریا گومتی کے کنارے یہ مقبرہ تعمیر کرایا تھا۔ تاکہ مرنے کے بعد اسی میں دفن کئے جائیں۔ یہ عمارت حضرت علیؓ کے مزار مبارک واقع نجف اشرف (عراق) کی نقل ہے جو ۱۸۲۷ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ بادشاہ مذکور اسی مقبرہ میں دفن کئے گئے۔ یہ لکھنؤ کی خوبصورت عمارتوں میں شمار ہوتی ہے اور دریا گومتی کے بالکل کنارے واقع ہے۔

قدمِ رسول۔ غازی الدین حیدر نے ایک بہت بلند چبوترہ تعمیر کرایا تھا اور اس پر ایک حاجی کا لایا ہوا وہ متبرک پتھر نصب کرایا جس پر حضرت محمد صلعم کے قدم مبارک کا نشان بتایا جاتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اب یہ مقام ختم ہو چکا ہے۔ یہ
سکندر باغ کے قریب واقع تھی۔

قیصر باغ۔ یہ عظیم الشان وسیع عمارت
اودھ کے آخری بادشاہ واجد علی
شاہ نے ۱۸۴۸ء میں تعمیر کرائی
تھی اس کی تعمیر پر ۸۰ لاکھ روپیہ
صرف ہوا تھا۔ اس میں بادشاہ
کی بیگمات رہتی تھیں ۱۸۵۷ء کے
غدر میں اس کو بہت نقصان
پہنچا۔ تاہم اب بھی یہ عمارات
معمولی تعمیرات کے ساتھ موجود ہیں

کاظمین۔ یہ خوبصورت عمارت
حضرت موسیٰ کاظم رضؑ کے مقبرہ
کی نقل ہے جس کو ایک ہندو
جگناتھ اگروال نے تعمیر کرایا تھا
یہ امجد علی شاہ کے عہد حکومت
میں ۱۸۴۴ء میں تعمیر ہوا جگناتھ
نے اسلام قبول کر لیا اور اس
کا نام غلام رضا خان رکھا گیا
اس کے گنبد پر سونے کے
پتر چڑھائے گئے تھے۔

کربلا دیانت الدولہ۔ یہ بہت
خوبصورت عمارت حضرت
امام حسین رضؑ کے مقبرے کے طرز
پر نواب دیانت الدولہ نے
تعمیر کرائی تھی۔ اور اب تک
اچھی حالت میں موجود ہے۔

ملکہ زمانیہ کا امام باڑا۔ یہ وسیع
اور شاندار امام باڑا ملکہ زمانیہ
نے تعمیر کرایا تھا جو محلہ گولا گنج میں
واقع ہے اور اب اس کا بیشتر حصہ
مسمار ہو چکا ہے اس سے متصل ایک
بڑی مسجد بھی تھی جو خستہ حالت
میں موجود ہے۔

موتی محل۔ یہ مشہور اور خوبصورت
امام دریا گومتی کے عین ساحل پر
نواب سعادت علی خان نے تعمیر
کرائی تھی۔ اس کے قریب جو پل
ہے وہ اسی کی نسبت سے
موتی محل کا پل کہلاتا ہے۔
غازی الدین حیدر بادشاہ کی
زندگی کے آخری لمحات اسی عمارت
میں گزرے۔ اب اس عمارت
میں ۱۹۴۷ء کے بعد اچاریہ نریندر
دیو لائبریری قائم کی گئی ہے اور
حکومت کے چند دفاتر بھی ہیں۔

درگاہ حضرت عباسؓ۔ یہ لکھنؤ میں
فرقہ شیعہ کی بہت مشہور عبادت
گاہ ہے جس کا ذکر نواب مرزا شوق
نے اپنی مثنویات میں بھی کیا ہے

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

اس درگاہ کا بانی مرزا قیصر بیگ
نامی ایک شخص تھا کہا جاتا ہے
کہ حضرت عباسؓ کا اصلی علم کوئی
بزرگ ملک شام سے لکھنؤ
لائے تھے اور اس کو ایک مقام
پر زمین میں دفن کر دیا تھا۔
وہاں ایک غریب آدمی اقامت
گزین ہوا۔ اس نے خواب میں
دیکھا کہ یہاں حضرت عباس کا
علم دفن ہے۔ اس نے کھود کر
نکال لیا۔ مرزا قیصر بیگ نے یہ
علم محلہ رستم نگر کے ایک مقام پر
نصب کر دیا۔ جب اس کی شہرت
ہوئی تو لوگ جوق در جوق
زیارت کے لئے آنے لگے
نواب سعادت علی خان نے اس
پر طلائی گنبد تعمیر کرا دیا۔
غازی الدین حیدر کے عہد میں
نقارہ بجانے کا انتظام ہوا۔
اور عمارت کو وسعت دی گئی
اب لوگ یہاں علم لا کر چڑھانے
لگے جس کا سلسلہ اب تک جاری
ہے ہر نوچندی جمعرات کو یہاں
زائرین کا ہجوم ہوتا۔ لوگ حصولِ
مقاصد کے لئے منتیں مانگتے ہیں۔

حضرت گنج۔ یہ محلہ امجد علی شاہ نے
تعمیر کرایا تھا۔ اس کے قریب ایک
امام باڑا بھی بنوایا تھا اسی میں
وہ مدفون ہیں یہ محلہ اور اس کے
قرب و جوار کا علاقہ اب لکھنؤ کا
سب سے زیادہ خوبصورت اور
پر رونق بازار ہے۔ اس محلہ
میں بڑی بڑی خوبصورت نئے
طرز کی عمارتیں بن گئی ہیں۔ اسی
کے قریب مبارک منزل تھی۔
جس میں نولکشور پریس قائم تھا

مارٹن کی کوٹھی۔ یہ ایک انگریز
جنرل مارٹن نے تعمیر کرائی تھی
جو نواب آصف الدولہ کے عہد
میں مکمل ہوئی۔ مارٹن کی وفات
کے بعد اس کو اسی میں دفن کیا
گیا تھا ۱۸۵۷ء میں مجاہدین
آزادی نے اس کی قبر کھود ڈالی تھی۔ اب اس
عمارت میں لا مارٹیز کالج ہے جو انگریزوں نے
اپنے بچوں اور ہندوستانی رئیسوں کے بچوں کی
تعلیم کے لئے قائم کیا تھا۔

کوٹھی روشن الدولہ۔ یہ شاندار
عمارت نواب غازی الدین حیدر
کے زمانہ میں وزیر سلطنت
نواب روشن الدولہ نے تعمیر کرائی
تھی اس عمارت میں دو مسجدیں

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

ہیں ایک قبلہ رُخ اور دوسری اس کے برعکس محض عمارت کی خوبصورتی بڑھانے کے لئے بنائی گئی تھی یہ عمارت اب تک موجود ہے اور اس میں سرکاری دفاتر ہیں۔

وزیر باغ۔ یہ باغ لکھنؤ کے مغربی حصہ میں وزیر اودھ نواب آغا میر نے تیار کرایا تھا۔ جب اس کی وزارت کا دور ختم ہوا تو نواب وزیر نے یہ اپنی ملکہ کو بخش دیا۔ اس باغ کی کمرکھ بہت مشہور تھی۔ یہ باغ اور اس سے ملحق آبادی اسی نام سے مشہور ہے۔ باغ اپنی اصلی حالت میں نہیں رہا کچھ متفرق درخت بطور یادگار اب بھی باقی ہیں۔

دارالشفا۔ یہ شاہی اسپتال بادشاہ نصیرالدین حیدر نے بنوایا تھا۔ اس کی شاندار عمارت حضرت گنج کے قریب واقع تھی۔ اس میں عوام کے علاج معالجہ کا اچھا انتظام تھا۔ محمد علی شاہ نے اس کو یہاں سے ہٹا کر چوک کے قریب منتقل کر دیا تھا۔ پرانی عمارت کو مسمار کر کے ۱۹۴۷ء کے بعد اس مقام پر یو پی اسمبلی اور کونسل کے ممبروں کی رہائش کے لئے کئی عمارتیں تعمیر کی گئی ہیں۔ اسی کے قریب سرائے مینڈو خان واقع تھی۔

کمپنی باغ۔ انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کے بعد اپنا تسلط قائم کر کے گول دروازہ اور امام باڑا حسین آباد کے درمیان میں واقع گھنی آبادی کو ختم کر کے اس وسیع رقبہ میں ایک باغ اور تفریح گاہ بنوائی۔ اس کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام پر رکھا۔ اس میں مختلف اوقات میں تعمیرات ہوتے رہے اب اس کے کچھ حصے پر عمارتیں بن گئی ہیں اور نئے طرز کا پارک بھی بن گیا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri

CC-0. In Public Domain. Digitization by eGangotri